688
उर्दू संग्रह
पुस्तक का नाम तारीख दस्तूर इंगलिस्तान
लेखक मौलवी अब्दुल मजीद साहब सिद्दीकी
प्रकाशन वर्ष 1938
आगत संख्या 688
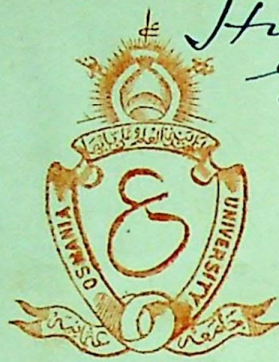
سلسلۂ مطبوعات جامعۂ عثمانیہ — نصابیات

تاریخ دستور انگلستان

تصنیف

جارج برٹن اڈمس، ایمیریٹس - پروفیسر تاریخ جامعۂ ایل

ترجمہ

مولوی عبدالمجید صاحب صدیقی ایم اے ایل ایل بی (عثمانیہ)

لکچرار کلیۂ جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی

۱۳۵۷ھ م ۱۳۴۷ف م ۱۹۳۸ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

دیباچہ

میں نے اس کتاب کی تیاری میں عام ناظرین اور کالج کے طلبہ کے ضروریات کو پیش نظر رکھنے کی مستقل کوشش کی ہے۔ ان لوگوں کے رنج میں میں بھی شریک ہوں جو ایک وسیع مضمون پر ایک چھوٹی سی کتاب لکھنے بیٹھتے ہیں کیوں کہ ان کو بہت سی تفصیلیں ترک کرنا پڑتی ہیں اور عمل انتخاب کی مشکلوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کتاب میں تو مجھے اس کا اور بھی افسوس ہوا کیونکہ مجھے ایسی تفصیلیں چھوڑنا پڑیں، جن کو داخل کتاب کرنے پر تاریخ انگلستان کے اساتذہ زور دیتے تھے۔ تاہم مجھے اس بات سے اطمینان ہے کہ ارتقائے دستور کو جو مسلسل اور پشت در پشت ہوا ہے حتی الامکان خوب واضح کرنا ہی بڑی چیز تھی جو ہمیشہ پیش نظر رکھی گئی۔ جو تفصیل اس سلسلۂ کلام کے متعلق ہو یا جو امر اس باب میں وضوح پیدا کرے اس کا لینا ضروری ہے اور جو براہ راست سلسلۂ کلام سے متعلق نہ ہو وہ عدم گنجائش کی صورت میں حذف ہو جائے تو بہتر ہے اور ایسی تفصیل تو قطعی حذف ہونی چاہئے جس کی وجہ سے اصل موضوع میں الجھن پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے مجھے یقین ہے کہ بعض اساتذہ میرے انتخاب کو نہیں مانیں گے مگر انھیں معلوم ہو گا کہ خود معلم کو توسیع بیان کا جو کافی موقع دیا گیا ہے وہ بھی فائدے سے خالی نہیں۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کتاب میں وہ تمام مواد موجود ہے جسے تمام اساتذہ متفقہ طور پر ضروری سمجھتے ہیں۔

میرے خیال میں ایک طویل مقدمہ جو موجودہ حکومت انگلستان پر کافی روشنی ڈال سکے اور بھی زیادہ مفید ہو گا کیوں کہ اس سے شروع ہی سے طالبعلم کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس ڈرامے کا کیا انجام ہونے والا ہے نیز امریکہ اور انگلستان کے دساتیر میں کیا اہم اختلافات ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بہتر ہو گا کہ انگلستان کی سیاسی تاریخ میں طالب علم کا قدم خوب جما ہوا ہو۔

اگر ایسا نہ ہو یعنی اگر طالب علم سیاسی تاریخ سے واقف نہ ہو تو اسے سیاسی تاریخ کی کسی چھوٹی کتاب میں واقعات کا بغور مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

مجھے اس بات کا اعتراف کرنا چاہیے کہ میں مطبع جامعۂ ییل کا جو میرے خاکہ "تاریخ دستور انگلستان" کے ناشر ہیں خاص طور سے ممنون ہوں کہ انھوں نے کتاب ہذا میں کتاب مذکورہ کے اجزا کے استعمال کی اجازت دی۔ کتاب مذکور میں ارتقا کے اہم مدارج اور نتائج دکھلائے گئے ہیں اس لئے وہ نظر ثانی اور خلاصہ مضمون کیلئے مفید ثابت ہوگی۔ اس کے علاوہ میں اکثر علما کا اور خاص طور پر پروفیسر اے۔ ال۔ کراس مشیگن اور پروفیسر والس نوٹسٹائن (کارنل) اور پروفیسر آر۔ ال شوئلر (کولمبیا) نیز سی۔ اچ ہسکنس پروفیسر جامعہ ہارورڈ مدیر سلسلۂ تاریخ امریکہ کا میں بہت ممنون ہوں کہ انھوں نے مجھے قیمتی مشورے دیئے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں پروفیسر اے۔ ایف پالرڈ کی کتاب "ارتقائے پارلیمنٹ" سے فائدہ نہ اٹھا سکا کیونکہ یہ اب تک یہاں نہیں پہنچی۔

مقدمہ

اس وقت سے جب کہ نارمنوں کے ڈیوک ولیم کا میدان ہسٹنگز میں خیمہ نصب ہوا اور وہاں سے سیکسن ایسے بھگا دیئے گئے کہ پھر کبھی جنبش ہی نہ کر سکے ایک بہت بڑا تاریخی انقلاب شروع ہوا کیونکہ اس ایک روزہ جنگ نے جس بات کا فیصلہ کیا تھا وہ یہی نہیں تھا کہ اس چھوٹی سی جزیری قلمرو کا کون حکمراں ہوگا جو اس زمانے میں نیویارک سے کچھ بڑی اور دنیا کے عام معیار ترقی سے بہت گری ہوئی تھی ۔ نہ یہ بڑا سوال معرضِ بحث میں تھا کہ آیا انگلستان تہذیب کے پرانے سرچشموں سے منقطع رہے گا اور اس کے ہمسایہ سکنڈی نیویی مملکتوں کی طرح اس کی تاریخ بھی معاملات عالم کی بڑی رو سے الگ تھلگ رہیگی ۔ بلکہ سچ پوچھیے تو اس جنگ کا عظیم الشان فیصلہ یہ تھا کہ دو قوموں کے درمیان ایک ایسا اتحاد ہو جائے جس سے ایک نئی دستوری زندگی نمودار ہو کیونکہ یہ بات تنہا ایک قوم سے ناممکن معلوم ہوتی تھی ۔ ابھی ایک پشت بھی نہیں گزری تھی کہ اس زمانے سے جب کہ دونوں قوموں میں ملاپ کی ایک جھلک نمایاں تھی ہم دیکھتے ہیں کہ اس جدید ارتقا کی ایسی حکومت کے آغوش میں داغ بیل پڑ گئی جو قریب قریب کامل مطلق العنانی کے مترادف تھی۔ اس وقت سے آج تک لگاتار یہ ارتقا بڑے نتائج پیدا کرتا اور دنیا پر وسیع اثرات ڈالتا رہا ہے ۔ سترھویں صدی میں اس ارتقائی رو کی دو شاخیں ہو گئیں اور ہر شاخ نے ایک علحدہ طرزِ حکومت کو ترقی دی مگر یہ دونوں اپنی خصوصیتیں ۔ اپنی حیات اور قوتِ ارتقا اپنے اصلی منبع سے اخذ کرتی رہیں ۔ ایک نے شاہی عہدہ برقرار رکھا اور دوسرے نے نو آبادی کی نہایت سادہ زندگی میں جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور اس طریقے سے دونوں میں علانیہ فرق پڑ گیا ۔ لیکن ہم ان کے [illegible]

عمل درآمد میں بھی ہم کو نمایاں اختلافات ملیں گے یہ پہلو جس سے ہم اچھی طرح سے واقف ہیں اس طرح
ظاہر کیا جاسکتا ہے کہ انگلستان میں عاملہ کا انتخاب عوام نہیں کرتے بلکہ بظاہر تو بادشاہ
اس کا تقرر کرتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا انتخاب اس فریق کے رہنماؤں میں سے ہوتا ہے جس کی
قومی مقننہ کے ایوان زیریں میں کثرت ہوتی ہے۔ یہ انتخاب کسی معینہ میعاد کے لئے نہیں ہوتا بلکہ
جب تک ایوان زیریں میں اس کی کثرت ہوتی ہے یہ عاملہ برسر خدمت رہتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ
ہے کہ حکومت کے عاملانہ اور مقننانہ سررشتوں میں ایسا گہرا ربط ہے کہ گویا بقول شخصے، وزیر اعظم اور اس کی
کابینہ دونوں مل کر تیسرے ایوان کا حکم رکھتے ہیں ۔

انگلستان میں عوام اپنے منتخب شدہ پارلیمنٹی نمائندوں کے توسط سے حکومت پر جو اثر ڈالتے
ہیں وہ ریاستہائے متحدہ کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے اور جو نمائندے دارالعوام میں جمع ہوتے ہیں
انھیں مملکت میں اعلیٰ اختیارات حاصل ہیں۔ ایوان بالائی یعنے دارالامراء کے اختیارات بہت
محدود ہیں اور جس مسئلے پر دارالعوام اڑ جاتا ہے وہاں اس کو سپر ڈالنا پڑتا ہے۔ یہی بات
بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر بادشاہ پر صادق آتی ہے ۔ بادشاہ کے متعلق یہاں تک خیال
کیا جاتا ہے کہ اس کو ہر سیاسی مسئلے کے متعلق وہی رائے رکھنا چاہئے جو برسر حکومت کابینہ کی رائے ہو اور
وہ اپنے وزرا کے توسط کے بغیر کوئی رائے ظاہر نہیں کرسکتا ۔ نیز دارالعوام مختار اعلیٰ کی حیثیت
سے دستور ساز جماعت بھی ہے اور جو بھی دوسرے اقتدارات کسی شعبے کو حاصل ہیں وہ پارلیمنٹ
کے کسی نہ کسی قانون سے بندھے ہوئے ہیں گو وہ اقتدارات مملکت کے کل میں سے کسی جزو کے
اختیارات اور فرائض کو کلیتہً بدل سکتے ہوں ۔ دستور مکتوبی نہیں ہے جو عوام کے براہ راست
قانون سے مرتب ہوا ہو اور کسی قسم کی کوئی تحریری سند نہیں ہے جو حکومت کے مختلف سررشتوں
کو الگ الگ کرکے دکھائے اور ان کے عمل، اختیارات اور حدود واضح کرے ۔ دستور رواج
اور روایتوں کا ایک غیر مکتوب مجموعہ ہے جسکے ارتقا میں کوئی پیش بندی نہیں کی گئی ۔ اس میں
کوئی شک نہیں کہ بعض قوانین دستوری جامے میں موجود ہیں جو اختیارات کی حدبندی کرتے ہیں
کیونکہ بعض وقت تجربے سے ثابت ہوا کہ چند اختیارات پر حد قائم کرنا ضروری ہے۔

اگرچہ ان واقعات سے معلوم ہوا کہ انگلستان میں دارالعوام کے اختیارات بہت
ارفع و اعلیٰ ہیں جو امریکا فی حکومت کے کسی شعبے کو نہیں دئے گئے مگر عملدرآمد میں ہر امریکائی
مقننہ کے مقابلے میں اس ایوان پر عوام کا بلاواسطہ اور قریب تر دباؤ پڑتا ہے چونکہ عوام کی کثرت پر

کابینہ کا انحصار ہے اس لئے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انتخاب کے اراکین کی ذات پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ مکمل حکمت عملی یا معین مسائل پیش نظر ہوتے ہیں اور اس طریقے سے اس میں مراجعہ کی شان پیدا ہوجاتی ہے۔ نیز چونکہ انتخاب کے عین بعد ہی پارلیمنٹ نشست کرتی ہے اس لئے عوام کے تصفیئے کا اس پر یک لخت اثر پڑتا ہے۔ پچھلے پچاس سال کے دوران میں عمومیت کی جو رفتار رہی ہے اس میں اراکین ایوان پر رائے عامہ کا براہ راست اثر ڈالنے کے بہت سے ایسے پرزور طریقے نکل آئے کہ دیکھنے والوں کو یہ خوف ہونے لگا کہ کیا عجب ہے کہ آگے چل کر اراکین کی شان نمائندگی محض مبعوثیت میں تبدیل ہوجائے۔

اب ہمارے سامنے بالکل سیدھے سادے الفاظ میں تاریخ دستور انگلستان کا موضوع ہے اس میں یہ دکھانا ہے کہ کس طریقے سے گیارھویں صدی کی مطلق العنان حکومت جس نے تمام اختیارات بادشاہ کی ذات میں جمع کردیئے تھے اور کوئی ایسی سبیل نہیں چھوڑی تھی کہ بادشاہ کے سوا کوئی اور شخصیت بھی اپنی خواہش ظاہر کرسکتی وہ رفتہ رفتہ موجودہ عمومیت میں تبدیل ہوگئی جس میں بادشاہ کی کوئی آواز نہیں اور عوام کی مصرح رائے کا ہر طرف سکہ چلتا ہے۔ یہ بھی دکھانا ہے کہ کس طریقے سے دو صدی قبل اس عمومی حکومت کے لئے جس کے حامل اور عامل عموم ملک ہوتے ہیں میدان صاف کیا گیا تھا؛ اور پھر کس طریقے سے ارتقائی رو کی ایسی دو شاخیں ہوگئیں کہ اصول میں تو دونوں کا منتہا ایک رہا مگر فروعی پہلوؤں میں ان دونوں میں بہت سے اختلافات ہوگئے۔ یہ ایک داستان ہے ایسی تحریک کی جس کا نشوونما آہستہ آہستہ ہوا اور یہ رفتہ رفتہ مواد جمع کرکے بالآخر مستحکم ہوگئی؛ نیز یہ ایسے اداروں کا ذکر ہے جن میں حکومت نے پے در پے ارتقائی مدارج طے کرکے ایک خاص صورت اختیار کرلی ہے۔

فہرست مضامین

تاریخ دستور انگلستان (اڈمس)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ دستور انگلستان

باب ۱

سیکسنی دور

انگریز قوم اور انگریزی زبان کی طرح انگریزی دستور بھی مختلف ماخذوں سے مشتق ہوا ہے۔ جب سے اس ملک کی تاریخ معلوم ہوئی ہے اس کے ابتدائی ہزار سال کے اثنا میں اس علاقہ پر جس پر آج انگلستان کی سلطنت قائم ہے، پے در پے کئی قومیں آباد ہوئیں اور انھوں نے اس پورے علاقہ یا اس کے وسیع خطوں پر باری باری سے حکومت کی۔ ان میں سے ہر ایک کے متعلق توقع ہو سکتی ہے کہ انھوں نے اپنے پیچھے آیندہ زمانے کے لئے قانون و ادارات کا ایک مستقل ورثہ چھوڑا ہوگا، مگر حقیقت یہ ہے کہ سب نے ایسا نہیں کیا۔ سب سے پہلے کلٹ قوم نے حکومت کی اور اس نے آیندہ انگریز قوم کے خون میں تو خاطر خواہ اضافہ کیا مگر سیاسی اور قانونی ادارے کسی قسم کے اضافے سے خالی رہے۔

رومنوں کے متعلق بھی جہاں تک ان کے صوبہ برطانیہ کے قبضے کا تعلق ہے یہی کہا جا سکتا ہے۔ انگلستان کی تاریخ دستوری پر بھی نہ کبھی زبردست رومن اثر پڑے ہوں گے مگر یہ اثرات نہ تو وقت واحد میں محسوس ہوئے نہ وہ ایک ماخذ سے آئے اور رومن قبضے کے اختتام کے صدیوں بعد تک ان کا ظہور نہیں ہوا اور ان اداروں میں جن کی بنا سیاسی اور قانونی ہے خود اس قبضے کا کوئی نشان نہیں تھا۔ ابتدائی انگریزی قانون پر جو سب سے مستند مولف ہے اس کا بیان ہے کہ "ہمارے بادشاہوں کے مکتوبہ احکام کی بار بار چھان بین کی گئی اور چھان بین کرنے والے ایسے ماہر لوگ ہیں کہ قانونِ روما کے موہوم سے نقش کو بھی خواہ اس پر کتنا ہی بربریت کا پردہ پڑا ہو دیکھ لیتے ہیں۔ ان لوگوں کو بھی کوئی قابل ذکر چیز نہیں ملی۔ ان علما نے یکے بعد دیگرے یہی فیصلہ کیا کہ یہ احکام خالص جرمن قوانین کی زندہ یادگاریں ہیں۔"

خواہ اس کو رومن قبضے کا اثر سمجھو یا کلیسا کا توسط انگلستان میں رومنوں سے ان کے ٹیوٹانی جانشینوں نے عدالتی فیصلے یا انتقال جائداد کو ضبط تحریر میں لانے کے لئے باضابطہ تحریری دستاویزوں اور فرمانوں اور وصیت ناموں کا استعمال سیکھا مگر دستاویز کے ساتھ اصولی قانون پر توجہ نہیں کی۔ رومنوں کے تحریری وصیت ناموں کو تو اختیار کر لیا مگر وصیت ناموں کے قانون سے واقف نہیں ہوئے۔ دور مابعد میں تقریباً تمام کام تحریری ہو گیا۔ اس کے بعد ہم قدم قدم پر قانون روما کے ممنون ہیں۔ نارمنی فتح کے وقت رومی ادارات اور کچھ قانون روما کا نامعلوم سا اثر آ گیا اور جب آگے چل کر بارھویں صدی میں قانون کا علمی مطالعہ شروع ہوا تو اس سے زیادہ گہرا اثر محسوس ہونے لگا۔ قانونی کتابوں کے مصنف اور عدالت کے جج علمی تصورات کی شان میں نئی تعلیم پا چکے تھے اور اسی روشنی میں دیسی قانون کی تشکیل اور تنظیم کرتے تھے۔ مگر براہ راست استفادہ بھی پہلے سے زیادہ وسعت کے ساتھ شروع ہو گیا؛ چنانچہ قانون انگلستان کے بڑے شعبوں میں مثلاً قانون ازدواج وراثت۔ تصفت۔ قانون بحر اور قانون بین الاقوام پر رومن خیالات کا گہرا اثر پڑا۔ مگر اس قانون میں جو رومن عناصر ہیں وہ انگریزی زبان کے لاطینی عناصر کی طرح رومن فتح اور ان کے قبضۂ برطانیہ سے نہیں بلکہ متعاقب اثرات سے داخل ہوئے ہیں۔

یہ انگلستان کو مغلوب اور آباد کرنے والی تیسری قوم تھی جس سے دور مابعد کے قانون اور ادارات پیدا ہوئے۔ مگر اس صورت میں بھی یہ نہیں ہوا کہ وقت واحد میں تمام بنیاد پختہ ہو گئی۔ ٹیوٹانی فاتحوں کے تین باہم سیلاب ہیں جنھوں نے مشترکہ سرمائے میں اضافہ کیا ہے۔

اینگل اور سیکسن دونوں کی فتح ملا کر ہم پہلا سیلاب شمار کرتے ہیں، دوسرا اسکنڈی نیوی یا ڈینوں کا تھا جو شمال و مشرق میں آدھے سے زیادہ ملک پر مسلط ہوئے۔ ان کا اضافۂ قانونی پہلے اضافے کے اس قدر رنگ بھگ تھا کہ گو اس کے اثرات کا اب تک زبان میں پتا چل سکتا ہے مگر اداروں کی تمام تر تاریخ میں یہ قابل نظر انداز ہے۔ گیارھویں صدی کی نارمنی فتح شمار میں تیسری ہے اور یہ اپنے ساتھ ایک تازہ اور پُر زور ٹیوٹانی اثر لائی مگر اس اثر کا سرچشمہ دوسروں سے بالکل مختلف تھا یعنے یہ اثر فرانک قوم سے آیا تھا جنھوں نے غالیہ فتح کر کے فرانکی رومن شہنشاہی قائم کی تھی۔ اگرچہ اس جدید سرچشمے کی اصل بھی ٹیوٹانی ہے مگر پانچ صدیوں تک فرانکی سلطنت میں جو رومن سیاسی تہذیب رہی اس سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اس میں بہت کچھ افراط و تفریط ہو چکی تھی۔ نارمن فتح کی تاریخ تک اصل ٹیوٹانی کیفیات میں اس قدر عظیم الشان تغیر و تبدل ہو چکا تھا کہ مشابہتوں کی طرح اختلافات بھی ہم کو صاف محسوس ہوتے ہیں۔ چنانچہ چند امور کے قطع نظر نارمنوں اور سیکسنوں کے اتحاد کی بنیا دپڑی تو ایک سو سال کے بعد پڑی اور پھر اس کو پختہ اور ناقابلِ امتیاز مجموعہ بننے کے لئے اور سو سال لگے۔

یہ اختلافات ہم کو اس قدر کھٹکتے ہیں کہ ۱۰۶۶ء کی نارمنی فتح کو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ تاریخ انگلستان میں ایک عظیم الشان عہد کو ختم کر کے دوسرے عہد کا آغاز کرتی ہے، اگرچہ تاریخ پڑھنے والے اس کی جو تاویل کرتے ہیں وہ مختلف ہوتی ہے، چنانچہ جس نقطۂ نظر سے وہ اس فتح کو دیکھتے ہیں اسی کے مطابق کسی نہ کسی پہلو پر زور دیتے ہیں۔ جہاں تک تاریخ دستوری کا تعلق ہے فتح سے جو قطعی تغیر ہوا وہ مقامی حکومت کے بالمقابل مرکزی حکومت میں ہوا۔ یہ تغیر اس قدر عظیم الشان تھا کہ ہم بلا مبالغہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دستور مملکت کے چند اہم رخ ایسے ہیں کہ اگر ان کے اصل کی ٹوہ لگانی ہو تو سیکسنی ادارات میں نہیں بلکہ فرانکی ادارات میں لگانی چاہئے۔ مقامی حکومت کے دائرے میں کوئی بڑا تغیر نہیں ہوا اور بعض صورتوں میں تغیر معلوم بھی نہیں ہوتا۔ مملکت کے چھوٹے بڑے مقامی حلقے اور مقامی عدالتوں کا مجموعۂ قانون بغیر کسی ظاہری تغیر کے جوں کا توں رہا۔ اُدھر بادشاہ اور امرا نے مرکزی حکومت کو ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا اور تمام اہم تعلقات نئے مرکزی قانون کے تابع کر دیئے۔

قدیم سیکسنی ادارات اور ان کے ارتقا کے مطالعے میں جو انگلستان میں سیکسنی حکومت کے استناد میں ہوا علما نے بہت کچھ دماغ سوزی کی مگر اس کے باوجود جس مواد سے ہم اپنے

معلومات اخذ کرنے ہیں وہ اس قدر کم ہیں کہ ہم یقین سے کسی چیز کی تاویل نہیں کرسکتے ۔ چنانچہ ہم کو ضروری امور کے متعلق بھی لاعلمی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے ۔ حالت یہ ہے کہ ایک عالم ایک نتیجہ مستنبط کرتا ہے جو اس کے نزدیک معقول ہے مگر اس کے پیش کردہ تائیدی دلائل اور اس کا اسلوب بیان دوسروں کو قائل نہیں کرسکتا ۔ ضابطہ جات قانونی کی شکل میں ایک مواد ہمارے پاس غیر معمولی مقدار میں موجود ہے مگر ان ضابطوں کے بنانے والوں کی اس سے جو غرض تھی وہ تمام مجموعات کے قلمبند کرنے سے زیادہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایسے تغیرات کا اندراج کریں اور ایسے نکات کی یادداشت بنائیں جو اس کے بغیر ذہن سے فوراً نکل جاتے ۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس مواد کے مطالعے میں ہم کو بہت کچھ قیاس سے کام لینا پڑا ہے تمام قدیم قوموں کی طرح سیکسنوں نے بھی آئندہ طالبعلموں کی ضروریات کا کوئی لحاظ نہیں رکھا بلکہ جو چیز ان کے لئے زیادہ دلچسپ یا ضروری تھی وہی اپنی کتابوں اور دستاویزوں میں قلمبند کرلی۔

جوں جوں ہم فتح نارمنی کے قریب ہوتے جاتے ہیں ہم کو زیادہ اور مکمل مواد ملتا جاتا ہے اور فتح کے وقت سیکسنی سلطنت میں جو ادارات تھے ان کے متعلق اطمینان بخش معلومات حاصل ہوتے جاتے ہیں۔ اس مطالعے کے اغراض کے لئے یہ زیادہ اچھا ہوگا کہ ہم دستور کا اس طرح نقشہ پیش کرنے کی کوشش کریں جس طرح اس زمانے میں موجود تھا اور حتی الامکان اس بات کی تشریح بھی کریں کہ اس دستور کے مختلف رُخ کیسے پیدا ہوئے ورنہ ارتقا کی ایک ایسی مفصل تصویر کھینچنے سے کیا فائدہ جس کا بڑا حصہ غیر یقینی ہو۔

سیکسنی ادارات کے مطالعے میں قدم رکھتے ہوئے ایک ہدایت کا اعادہ کرنا ضروری ہے جو تہذیب قدیم کے ہر مبتدی کو ہمیشہ کی جاتی ہے یعنے جو تصورات کہ زمانۂ مابعد کی تاریخی ترقی اور تجربوں کے نتائج ہیں انھیں زمانۂ قدیم کے تخیل کی طرف منسوب نہ کرنا چاہئیں یہ شوق اس حد غالب ہوتا ہے کہ ہم یہ فرض کرلیتے ہیں کہ ہمارے اصطلاحات کا وہ لوگ یہی مفہوم لیتے تھے جو ہم لیتے رہیں اور وہی فنی اصطلاحات جن سے ہم اپنے افعال و عادات کو معین کرتے ہیں وہی ان لوگوں کے افعال اور عادات پر منطبق کردیتے ہیں ۔ ہماری حکومت کی ابتدائی تاریخ میں جو لفظ ہمیشہ سے مرغوب رہا ہے وہ دستوری ہے اگر ہم اس لفظ کو دوسرے معنوں کے بجائے اس کے لغوی یعنے ایک طریقۂ عمل کے معنوں میں استعمال کریں تو ہمارا یہ استعمال

لہ ۔ اقتباس از سبٹز "مناشیر منتخبہ" Stubls S C $\frac{66}{88}$ ۔

بالکل صحیح اور حق بجانب ہوگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس زمانے میں امور سلطنت انجام دینے کے مسلمہ طریقے تو تھے مگر وہ ہمارے طریقوں کی طرح معین نہ تھے۔ لیکن اس لفظ کو صرف اسی مفہوم میں استعمال کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے۔ ہم اس کو ایک معینہ طریقۂ کارروائی کے معنوں میں لیتے ہیں جو دانستہ تسلیم کیا گیا ہو اور جس کو سب جانتے ہوں اور اس کی خلاف ورزی از روئے قانون یا رسم و رواج ناممکن ہو اور دستور کے بیدار مغز محافظ اس کی باضابطہ نگرانی کریں اور کھوج لگائیں۔ انگلو سیکسن مملکت میں معین شکلیں یعنے حقوق کا باخبر استعمال اور ذمہ داریوں کی پابندی تو پائی جاتی ہے مگر یہ حکومت کے شعبہ میں نہیں بلکہ عدالتی کارروائی میں پائی جاتی ہے اور یہاں ہم لفظ 'دستوری' کا استعمال پسند نہیں کرتے جہاں تک لفظ حکومت کا تعلق ہے اس کے استعمال میں اور جب استعمال ہو تو اس کی تاویل میں نہایت درجہ کی احتیاط کی ضرورت ہے، ورنہ ہم غلطی سے یہ سمجھ جائینگے کہ حکومت اور سیاسی کارروائی میں ایک حد تک باقاعدگی تھی اور اس پر خوب غور کیا جاتا تھا حالانکہ اس وقت یہ چیز نہ تھی۔ وہ لوگ کام تو کرتے تھے مگر اپنے عمل پر غور نہیں کرتے تھے اور نہ یہ بات ان کے پاس اہم تھی کہ حکومت کے ایک فعل اور دوسرے فعل میں کہاں حدِ فاصل ہے اور ایک طریقۂ کار اور دوسرے طریقۂ کار میں کیا امتیاز ہونا چاہیئے ہمارا اس کے برعکس سمجھنا اپنے آپ کو ایک مغالطہ میں ڈالنا ہے۔

نارمنی فتح کے وقت تمام انگلستان میں ایک ہی سلطنت تھی مگر یہ شیرازہ بندی ایک طولانی اور آہستہ رفتار سے عمل میں آئی۔ چنانچہ خود مختار مستعمرات اور سلطنتیں سمٹ کر ایک سلطنت میں مدغم ہوگئیں۔ اس شیرازہ بندی کے آثار نہ صرف ملک کے جغرافیہ میں بلکہ اس کی حکومت میں صاف نظر آتے ہیں۔ صوبہ جات جن میں سلطنت منقسم تھی وہ اکثر صورتوں میں قدیم مستعمرات یا قبیلہ واری سلطنتوں کے قائم مقام تھے۔ شمال کے لئے سیکسن۔ کنٹ۔ نارفک سرے ایسکس اور سفک موجود ہیں۔ سلطنت کے مختلف حصوں میں مقامی قانون کے فروعات علانیہ مختلف تھے۔ مغرب اور شمال کی قدیم خود مختاری باقی رہ گئی تھی اور جب مرکزی حکومت میں مقامی نیابت کا انتظام ہوا تو یہ خود مختاری تسلیم کرلی گئی۔

پانچویں صدی میں رومن فوجوں کے چلے جانے کے بعد ہی جو ٹیوٹانی قبیلے برطانیہ پر قابض ہوئے وہ شمالی جرمنی کے اضلاع زیرین اور جزیرۂ ڈنمارک سے بحر شمالی کے

کنارے کنارے آئے تھے۔ ان کی سیاسی ہئیت پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے وطن میں جرمنی کے بہت ہی پست قبائل میں سے تھے۔ ان میں کوئی قبیلہ واری یکجہتی، کوئی بادشاہ اور کوئی مشترک حکومت نہ تھی، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چھوٹے ہم رشتہ گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اور یہ گروہ کم و بیش ایک دوسرے سے منسلک تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ نویں صدی کے اوائل میں جب یہ لوگ شارلیمن کے سامنے سپر ڈالنے پر مجبور ہوئے تو اس وقت بھی ان کی یہی سیاسی حالت تھی۔ نہ ان میں بادشاہ تھا نہ بحیثیت مجموعی تمام قبیلے کی کوئی حکومت مرتب ہوئی تھی۔ خواہ سیکسنوں کی فتح کسی طریقے سے عمل میں آئی ہو یہ سیاسی رنگ ایک اعتبار سے ان منظم نوآبادیات میں نمودار ہوئے بغیر نہیں رہا جو برطانیہ میں قائم ہوئیں۔ کوئی مشترک حکومت پیدا نہیں ہوئی ظاہر ہے کہ ہر جیش یا دوسرے الفاظ میں ہر قدیم گروہ قبیلہ نے اپنی ایک خود مختار نوآبادی بنالی مگر ان نوآبادیات کو جوڑ کر ایک مملکت بنانے کی کوئی کوشش نہیں کی نہ اس اتحاد کی خوبی ان کے ذہن میں آئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شروع ہی سے عمل اتحاد کی بنیاد پڑ گئی تھی یعنے ابتدائی نوآبادیات ایک دوسرے کو فتح اور ہضم کرنے لگ گئیں۔ اس کا سلسلہ کئی پشتوں تک چلا یہاں تک کہ سات تاریخی سلطنتیں جو "ہفت شاہی" کے نام سے مشہور ہیں باری باری سے وجود میں آئیں اور آخر کو تمام انگلستان مغربی سیکسنی بادشاہوں کے تحت آگیا۔

اس فتح کا ایک فوری نتیجہ جس کو ہم خود سمجھ سکتے ہیں یہ ہوا کہ رہنمائے جنگ جو ٹاسی ٹوس کے بیان کے مطابق اپنی امارت یا اپنی آزمودہ قابلیتوں کی بناء پر منتخب کیا جاتا تھا بادشاہ بن گیا۔ ان حالات میں جبکہ مفتوحہ علاقے پر قدم جم رہا تھا اور پڑوس میں دشمن قبیلے تھے یعنے جنگ کا ایک غیر منقطع سلسلہ جاری تھا اس خدمت کا مستقل ہونا لازمی تھا۔ ظن غالب یہ ہے کہ یہ خدمت پہلے پہل ایک مستقل سرداری جیش سے کچھ زیادہ ہی ہوگی۔ جب مملکت منظم اور قرار یافتہ ہوگئی تو اس عہدے نے رفتہ رفتہ بیرونی معاملات میں قبیلے کی سیادت حاصل کرکے شاہی حیثیت و فرائض حاصل کئے ہوں گے۔ چاہے اس بات سے سیکسنی نوآبادیات میں منضبط حکومت اور دستوری ترقی کی ابتدا ثابت ہو یا نہ ہو مگر بہر حال ان نوخیز سلطنتوں میں فتح شروع ہونے کے بعد ہی ایک واقعی سیاسی تنظیم پائی جاتی ہے۔ اور اداروں کے رشتے جن کی تحقیق اب ہم شروع کرنے والے ہیں جرمنوں کے ان اداروں سے جڑ جاتے ہیں

جو ٹاسی ٹوس کے زمانے میں جس طرح وہ بیان کرتا ہے روما سے وابستہ تھے۔

اگرچہ سیکسنی بادشاہی کی ابتدا کا جو خاکہ پچھلے پارے میں کھینچا گیا ہے قیاسی ہے تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ فتح کی "سست رفتار" کے دوران میں جو ایک مجموعی سلطنت کے قیام کا باعث ہوئی اور ڈینوں کی جدید ٹیوٹانی آبادکاری کے خلاف جو خوفناک کشمکش کا ایک طویل سلسلہ جاری رہا ان دونوں وجہ سے مسلسل جنگ و جدل جاری رہی جو تمام اینگلو سکسن تاریخ میں پھیلی ہوئی ہے اس نئے بادشاہ کے عہدے کو جو پہلے وجود میں آ چکا تھا ترقی دی جس طرح مملکت پھیلتی گئی اسی طرح وہ منضبط بھی ہوتی گئی اس کے مسائل کی کثرت ہوئی، اور حکومت کے کل پرزوں میں ترقی ہوتی اور یہ ہوشیاری سے چلائے جانے لگے۔ اس کے علاوہ قانون کا دائرہ وسیع اور پیچیدہ ہو گیا۔ اگر بادشاہی کو آلۂ حکومت کا محور اور کار فرمائے اعلیٰ کی حیثیت میں تمام کارروائیوں کا ذمہ دار سمجھا جائے تو یہ نوشتۂ تاریخی دور میں سیاسی عضویت کی قدرتی تشکل ہے جس قدر مملکت منضبط ہوئی اسی قدر اس کے اختیارات بھی ضرور وسیع ہوتے گئے۔

بادشاہی تو خوب طاقتور ہو گئی مگر کسی بادشاہ کا طاقتور یا کمزور ہونا خود بادشاہ کی قابلیت اور قوت ارادہ پر منحصر تھا اس آخری صدی میں جو فتح سے پہلے گزری یکے بعد دیگرے کمزور اور قوی بادشاہ تخت نشین ہوئے تھے اور اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ کچھ اختیارات بدلے ہوں بلکہ خود بادشاہوں کی طبیعتیں مختلف تھیں، مگر سیکسنی بادشاہی کبھی مطلق العنان نہ ہو سکی اس کے اختیارات کبھی کیرولنجی فرانکی بادشاہی کے درجے کو نہیں پہنچے، نہ اس کے زیر حکومت ایسی ذی مرکزیت مملکت تھی جیسے کیرولنجی فرانکی مملکت اپنے عروج کے زمانے میں تھی۔ سیکسنی بادشاہی پر رومی مثال کا کوئی اثر نہیں پڑا اور اگر پڑا بھی تو بہت موہوم سا۔ نہ رومنوں کی سی شہنشاہی کی خواہش پیدا ہوئی نہ اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنی چھوٹی مملکت کے جو یکایک وسیع ہو گئی تھی مسائل حل کرنے کے لئے بیرونی حکومت کی تقلید کی جائے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ بنا کہ فرانکی بادشاہی کے مقابلے میں سیکسنی بادشاہی نے بہت آہستہ اختیارات حاصل کر لئے دونوں کا راستہ قریب قریب ایک ہی تھا۔ چنانچہ جن امور میں ان دونوں کی تاریخیں لگ بھگ ہیں ان کی بہت کچھ تفصیل پیش کی جا سکتی ہے۔ لیکن جب گیارھویں صدی میں سیکسنی بادشاہی کا پیمانہ لبریز ہو گیا اس وقت بھی یہ اس معراج ترقی سے کئی مدارج پیچھے تھی جس پر فرانکی بادشاہی نویں صدی میں پہنچ چکی تھی۔ وہ طریقے تو بعد کو دکھائے جائیں گے

جن کی وجہ سے بادشاہ کے ہاتھ بندھ گئے، مگر یہاں ایک بات یہ کہی جاسکتی ہے کہ بادشاہ رواج سے مجبور تھا چنانچہ یہ کہا جاتا ہے کہ "بادشاہ کے اختیارات عام لوگوں کے رواج کے تابع تھے۔ بغیر قانونی کارروائی کے وہ کسی آزاد شخص کی جان و مال کو ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ اس طریقے سے ہر ایک آزاد شخص اپنے دوسرے ساتھی کے مقابلے میں اپنا بچاؤ کرسکتا تھا۔ بادشاہ اپنی قوم کی دانستہ مرضی کے بغیر کوئی قانون نہیں بنا سکتا تھا۔ وہ بالعموم اپنے "عقلاء" اور مشیروں کی صلاح سے کام کرتا تھا اور یہ گویا اس کی مجلس خاص تھی"۔ یہ قیود بادشاہ اور قوم کے باہمی تعلق کے تاویلات سے پیدا ہوئے تھے یہ قانون سے نہیں بلکہ عادت اور باہمی سمجھوتہ سے وجود میں آئے تھے۔ ممکن ہے کہ ایک زوردار بادشاہ اپنے تحکمانہ طرز عمل سے ان قیود کو پس پشت ڈال دیتا ہوگا۔ برخلاف اس کے ایک کمزور بادشاہ بمشکل اپنی طرف سے کوئی بات بڑھا سکتا تھا۔

انتخابی بادشاہی - ایک مفہوم میں بادشاہی انتخابی تھی۔ مگر اس مفہوم میں نہیں جو "انتخابی بادشاہی" کے الفاظ سے زمانہ حال کے کان آشنا ہیں۔ مغربی رومن شہنشاہیت کے زوال کے بعد ٹیوٹانی قبیلوں نے جو بے شمار مملکتیں بنائیں ان کے بعد کے طرز عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قدیم جرمن بادشاہ منتخب ہوتا تھا چنانچہ اس کی نشانیاں انگریزی مملکت کی طرح فرانسیسی مملکت میں بھی مدت تک باقی رہیں۔ جرمن سلطنت میں تو یہ اب تک صاف نمایاں ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی مملکت میں بھی اس چیز کا وجود نہیں تھا جس کو زمانہ حال کے دستوری قانون داں انتخابی بادشاہی کی اصطلاح سے یاد کرتے ہیں جو اٹھارھویں صدی کی سلطنت پولستان پر منطبق ہوتی ہے۔ انگلستان کی سیکسنی سلطنت میں تخت ایک خاندان میں موروثی تھا اور اس طریقے سے صرف بعض ہی مواقع پر گریز کیا جاتا تھا۔ مثلاً ایک مرتبہ فتح کی وجہ سے اور ایک مرتبہ فتح کے ڈر سے ایسا ہوا تھا قطعی وراثت کا لحاظ نہ کرتے ہوئے ایک ہی خاندان کے محدود دائرے میں انتخاب اکثر عمل میں لایا گیا۔ پھر انتخاب کے وقت انتخاب کرنے والوں کو یہ احساس نہیں تھا کہ وہ اپنے ایک مسلمہ حق کو استعمال کرتے ہیں، بلکہ یہ سر برآوردہ آدمیوں کی کم و بیش غیر مشخص جماعت کا فیصلہ ہوتا تھا جس کی مخالفت نہیں کرسکتا تھا یا دوسرے الفاظ میں اس جماعت کو قوم پر ایسا قابو حاصل تھا کہ ایک رکنِ خاندان کو دوسرے ارکین کے مقابلے میں کبھی کبھی بلا لحاظِ قابلیت ہی بادشاہ منوا لیتے تھے۔ جب قطعی سلسلۂ وراثت کو بالکل توڑ دیا جائے یا ایک جدید خاندان منتخب کیا جائے تو وہ بڑی حد تک دیدہ و دانستہ فعل سمجھا جاسکتا ہے۔ مگر یہ ایسی مشابہتیں ہیں جو ایک دستوری مملکت میں خواہ وہ دستور کسی شکل کا کیوں نہ ہو پیدا ہوسکتی

ہیں۔ ان مملکتوں میں جو چیز غور طلب ہے وہ عمل انتخاب نہیں ہے بلکہ اس حق کا پہلو ہے جس کی رو سے انتخاب کنندگان ایسے معاملے میں خود کو عامل سمجھتے ہیں۔ بادشاہ کی معزولی کے متعلق بھی جو سکسن تاریخ میں گاہے ماہے پائی جاتی ہے یہی اوصاف مدِّنظر ہوتے ہیں کیونکہ معزولی تو ایک انتہائی فعل ہے اس لئے اس کا دیدہ و دانستہ ہونا لازمی ہے۔

اوائل میں سکسن کلیسا نے بادشاہی کا بہت کچھ ساتھ دیا اور جہاں تک ممکن تھا اس کی ترقی میں بہت کچھ ہاتھ بٹایا یٹوٹانی فاتحوں میں رومن عیسائیت کی اس وقت اشاعت ہوئی جب کہ ان کا حقیقی توطن شروع ہوئے ایک صدی سے زیادہ زمانہ گزر چکا تھا انگلستان میں عیسائیت کی ابتدا اور توسیع زیادہ تر بادشاہوں کی سرپرستی سے عمل میں آئی، اور ادھر کلیسا نے یورپ کی دیگر نوخیز مملکتوں کی طرح جس چیز کی حکمتہ تائید کی وہ اتحاد اور طاقتور مرکزی حکومت ہے۔ خود اپنی تنظیم میں کلیسا تمام سکسن نوآبادیات کو ایک قوم تصور کرنے لگا حالانکہ ان میں بہت کچھ سیاسی تفرقیں موجود تھیں[1]۔ بادشاہ کی رسم تاج پوشی میں کلیسا کا قائد اعظم بڑا حصہ لیتا وہ عہد عتیق کے طریقے پر مقدس تیل سے بادشاہ کی تقدیس کرتا اور بادشاہ سے حلف تاج پوشی لیتا تھا۔ دسویں صدی کے آخر میں یہ حلف قلمبند کیا گیا جو حسب ذیل ہے۔ "تالوث مقدس کا نام لے کر میں اپنی مسیحی رعایا سے تین امور کا حتمی وعدہ کرتا ہوں۔ اول اپنی قلمرو کے تمام کلیسا اور عیسائیوں کو حقیقی امن عطا کروں گا۔ دوم تمام طبقات کو ہر قسم کے ظلم و تعدی سے باز رکھوں گا سوم جملہ فیصل شدہ مقدمات میں رحم و انصاف کا وعدہ اور تاکید کرتا ہوں تاکہ خدائے رحیم و عادل اپنے لازوال رحم سے ہم سب کو معاف فرمائے۔" یہ حلف تاج پوشی جو انگریز بادشاہ اٹھاتے تھے فتح کے بعد اسی شکل میں دو سو سال تک جاری رہا[2]۔

مجلس عقلاء۔ دینی و دنیوی سربرآوردہ آدمیوں کی ایک مجلس عام حکومت میں بادشاہ کے ساتھ شریک کار تھی۔ اینگلو سیکسن اس مجلس کو "مجلس عقلاء" کہتے تھے یعنے عقلمندوں کا ایک جلسہ، اور سچ تو یہ ہے کہ اسی نام سے اس مجلس کا اصول ترکیب معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کی رکنیت کچھ سرکاری نہ تھی نہ اس کی ساخت ایسی تھی کہ ہم اس کو موجودہ مفہوم میں دستوری کہہ سکیں کسی عہدہ دار اور

---

[1] دیکھو گریگوری اول کا خط انگریزی اسقفوں کی مملکتیں سنہ ۶۰۱ء G II.

[2] اسٹبز، مناشیر منتخبہ، ۶۹، ۹۲ شینی، منتخبات cheyrey, Reabings

کسی فرد کو بھی مجلس کی شرکت کا حق نہ تھا نہ تو یہ نیابتی مجلس تھی نہ اس کے ارکین منتخب ہوتے تھے۔ قریب قریب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خود بادشاہ اس امر کا تعین کرتا تھا کہ فلاں فلاں لوگ مجلس میں شریک ہوں۔ مگر یہ اغلب ہے کہ بادشاہ کا انتخاب ہمیشہ آزادانہ نہیں ہوتا تھا۔ بڑے عہدہ دار بڑے اساقفہ، اور ارلوں کی شرکت ضرور تھی اور یہ حذف نہیں ہو سکتے تھے۔ دیگر اشخاص مثلاً عہدہ داران محلات شاہی وغیرہ جو حکومت وقت کے اجزا تھے ضرور شریک ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ غالباً ایسے لوگ بھی شریک ہوتے تھے جو خواہ دینی ہوں یا دنیوی ملک میں ذی عزت ہونے کی وجہ سے نظر انداز نہیں کئے جا سکتے تھے اور جن کی تائید ضروری اور ناراضی قابل اجتناب تھی۔ ان سب کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے انتخاب سے شرکاء مجلس کا تعین ہوتا تھا۔ ممکن ہے کہ تعین میں کارروائی کی نوعیت اور مقام انعقاد کی سہولت کا لحاظ ہوتا ہو۔ یہ بات بالکل خلاف قیاس ہے کہ مجلس عقلا اپنی کسی کارروائی میں دانستہ قوم کی نیابت کرتی ہو بلکہ یہ اپنا اور اپنے طبقہ کا جس کے ارکین یہاں نشست کرتے تھے فائدہ دیکھتی تھی اور اس وقت اس کے ارکین کے علاوہ قوم کا کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی رائے کچھ اہمیت رکھتی ہو۔ صرف اسی مفہوم میں اس مجلس کی آواز قوم کی آواز سمجھی جا سکتی ہے۔

دیگر قدیم اداروں کی طرح مجلس عقلاء کے افعال و فرائض بھی ممیز نہ تھے۔ یہ مجلس مختلف فرائض انجام دیا کرتی تھی اور اس کی کارروائی سے ان فرائض میں کوئی فرق ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ ہم آج کل یہ کہتے ہیں کہ یہ فرائض علیحدہ علیحدہ مختلف اداروں کے سپرد ہونے چاہئیں، اس وقت یہی واحد مجلس سلطنت کی اعلیٰ مقننہ اور اعلیٰ عدالیہ تھی۔ مگر ہمیں ان الفاظ کو احتیاط سے استعمال کرنا چاہئے۔ ہم کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہماری طرح سیکسن بھی ان اصطلاحات کو کچھ مخصوص معنے پہناتے ہوں گے۔ ایک ہی جماعت وقت واحد میں مقننہ اور عدالت دونوں ہو سکتی تھی کیونکہ ان الفاظ سے جو مفہوم ظاہر کیا جاتا تھا وہ کچھ معین نہیں تھا قانون سازی کے مقابلے میں عدالتی کارروائی کا مفہوم زیادہ واضح تھا۔ سچ پوچھو تو تمام قانون رواجی تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کبھی نیا قانون بھی بنتا تھا مگر ایسا جدید قانون بہت کم ہوتا تھا۔ تمام قانون سازی رائج الوقت قانون کی ترمیم اور تبادیل پر مشتمل تھی۔ جب یہی قانون سازی ٹھہری تو اس کا بالطبع نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی اعلیٰ عدالت کو مرکزی مقننہ بھی ہونا چاہئے کیونکہ عدالتی فیصلہ

اسی رواجی قانون کے انطباق اور نادیل کا نام ہے۔ مجلس عقلا بادشاہ کی مجلس خاص بھی تھی، اور موجودہ مجلس کابینہ کی طرح بادشاہ کو خاص معاملات اور طریق عمل میں صلاح اور مشورہ دیتی تھی۔ مگر اپنے فیصلے میں سوائے اس کے کہ بادشاہ نہ ہو یا کمزور ہو یہ مجلس مطلق العنان نہیں تھی ملک کے حکمراں طبقے کی طرح مجلس عقلا کی رضامندی اور منظوری بادشاہ کے ہر فعل کو لائق عمل بناتی تھی چاہے وہ فعل ایک جدید مجموعۂ قوانین کا اعلان ہو چاہے ایک دوسرے بادشاہ کے ساتھ عہدنامے کی تکمیل اور چاہے زمین کی عطائے سلطانی ہو۔ ملکی معاملات کی طرح مذہبی معاملات بھی مجلس عقلاء کے تابع تھے چنانچہ سیکسن دور میں کلیسا کو پورے معنوں میں قانون سازی اور عدالتی کارروائی کے کامل حقوق حاصل نہیں تھے۔

قدیم جرمنوں کی قبیلہ واری مجلس کے سلسلے میں تاسی توس دو جماعتوں کے اجلاس کا ذکر کرتا ہے۔ ایک چھوٹی مجلس عمائد تھی جو خود اپنے طور پر معمولی معاملات کا فیصلہ کرتی تھی اور اہم تر معاملات کو مرتب کر کے بڑی جمعیت احرار میں پیش کرتی تھی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمائد ان معاملات کو جمعیتِ کاملہ میں پیش کرتے تھے اور اس مسلک کی تشریح کر دیتے تھے جو ان کے نزدیک لایق عمل تھا۔ مگر تاسی توس کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ ایسی قراردادیں پیش کرتے تھے جس کو وہ خود پہلے سوچ لیتے تھے اور بڑی جمعیت کو صرف یہ حق تھا کہ اس کو منظور کرے یا رد کرے۔ بہرحال دور مابعد کی ٹیوٹانی مملکتوں میں جو قومی جمعیت کے باقیات رہ گئے تھے ان کے حصے میں بھی یا اس سے بھی کم تر کام باقی رہ گیا تھا۔ یہ جمعیت مجلس عمائد کے قراردادوں کو منظور ہی کرتی تھی کبھی مسترد نہیں کرتی تھی، فرانکی مملکت کی طرح سیکسن مملکت میں بھی اس جمعیت کے متعلق موہوم سے آثار ایسے موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ فوج کے اجتماع یا رسم تاج پوشی کے وقت عامۃ الناس بلائے گئے تھے لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ آیا اس مجلس کو ان ہر دو مملکتوں میں قانون سازی کا حق اور فیصلے کا کامل اختیار تھا۔

تمام عمائد کی بڑی مجلس تو موجود تھی لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ایک چھوٹی مجلس عدالت پیدا ہوئی اور اس کا تعلق مرکزی حکومت کے معمولی فرائض سے تھا یا زیادہ صحت کے ساتھ کہیں تو یہ عدالت بڑی جمعیت کی عدم موجودگی میں اس کے امور انجام دیتی تھی۔ کیونکہ بڑی جمعیت کے اجلاس گاہے ماہے ہوتے تھے۔ اولاً اس کے شرکا میں بادشاہ

کے خانگی عہدہ دار، ان کا صدر منتظم محلات اور ایسے عمائد شامل تھے جو اتفاق سے بادشاہ کے ہمراہ ہوتے یا ان کو شرکت کا موقع حاصل ہوتا تھا کارولنجی دور میں یہ مجلس اکثر عدالتی امور انجام دینے لگی جو مرکزی عدالت شاہی کے حصے میں آئے۔ نارمن فتح سے قبل اس ادارے کے پائے جانے کے متعلق بالکل موہوم سے نشانات ملتے ہیں جو توضیح بیان کے لئے کافی نہیں ہیں۔ نیز مقامی عدالتہائے شاہی جو معمولی مقامی عدالتوں کی بنیاد پر خاص طور پر قایم ہوئیں اور جن کا قیام اور اجلاس شاہی احکام سے ہوتا تھا وہ بھی محتاج بیان ہیں۔ گو اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ عدالت صوبہ اور مجلس عقلا کے حدود اختیارات میں کوئی حد فاصل نہیں تھی۔ کم از کم بعض ایسے مقامات کی مثالیں ملتی ہیں جن کی عدالتِ صوبہ میں سماعت ہوئی اور وہی بلحاظ اپنی نوعیت کے ان مقدمات سے مختلف نہیں معلوم ہوتے جن کی کسی دوسرے وقت مجلس عقلا میں سماعت ہوئی۔

شیرف (ناظم صوبہ) جس زمانے میں فتح ہوئی ہے اس وقت ایک عہدہ شیرف کا بھی موجود تھا جو مرکزی و مقامی حکومتوں میں ایک ایسا رشتہ قائم کرتا تھا جس میں آگے چلکر بڑی اہمیت ہوگئی۔ اس وقت یقین کے ساتھ نہیں بتایا جاسکتا کہ شیرف کا عہدہ ٹھیک کس طریقے سے پیدا ہوا۔ یہ اغلب ہے کہ یہ عہدہ اپنی ابتدائی شکل میں بادشاہ کے مالی معاملات کی داروغہ گری پر مشتمل ہوگا یعنے ملک کے بڑے یا صرف چھوٹے علاقوں میں جو اراضی صرفخاص اور شاہی مقامی محاصل تھے ان کی دیکھ بھال کرنا اس کا کام تھا سکسن تاریخ کی آخری صدی میں اس عہدے کے متعلق بہت کچھ معلومات ہوتے ہیں کہ جس بنیاد سے اس کا ارتقا ہوا اس کی حکومت میں بہت کم اہمیت تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کی اہمیت میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ شیرف کے اختیارات بڑھنے کا کچھ تو یہ سبب معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سیکسنی عہدہ دار یعنے الڈرمن کے فرایض جس کی تاریخ ہم بعد کو دیکھیں گے بدل گئے اور اس کے قدیم فرایض کا ایک حصہ شیرف کے تفویض ہوا۔ جوں جوں کثرت آبادی اور امور سلطنت کے لحاظ سے مملکت بڑھی بادشاہ کے غور طلب معاملات کی کثرت ہوئی اور وہ بہت پیچیدہ ہوگئے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ

اس وکیل معاملات شاہی کے وہی فرائض جو چھوٹی مملکت میں مختصر تھے وہ بڑی مملکت میں آکر نگرانی کی شکل میں بہت بڑھ گئے۔ اگر شروع میں نہیں تو غالباً یہ بات علاقہ مملکت کی توسیع کے ساتھ ہوئی ہوگی کہ شیرف صوبے میں یعنی مملکت کے ایک بڑے حصے میں بادشاہ کا قائم مقام (شائریو) ہوگیا۔

اگر یہ شیرف کے عہدے کی تاریخ درست ہے تو اس سے نارمن فتح کے وقت اس کے فرائض کی نوعیت معلوم ہوتی ہے کہ اپنے ضلع میں شاہی محاصل کی دیکھ بھال کرنا شیرف کا درحقیقت اہم اور ذمہ دارانہ فرض تھا جو بعد کو کچھ دنوں تک باقی رہا۔ اس بات کو جانچنا کہ آیا شاہی زمینیں باقاعدہ پٹے پر دیجاتی ہیں اور ان پر خاطرخواہ کاشت کی جاتی ہے یا نہیں شیرف کے فرائض کا بڑا جزو تھا۔ لیکن مقامی عدالتوں کے جرمانوں اور رسوم عدالت کو جو بادشاہ سے متعلق تھے، جمع کرکے داخل کرنا بھی اس کا کام تھا۔ محاصل صوبہ یا سالانہ لگان جو شیرف اپنے صوبہ کی طرف سے داخل کرتا تھا ان کی مقدار فتح کے بعد چند دنوں تک بہت بڑھی ہوئی تھی۔ بعض شواہد اس بات کے ظاہر کرنے کے لئے موجود ہیں کہ سیکسن دور میں ان دو مدات کے متعلق جن کا داخل کرنا شیرف کا فرض تھا یکمشت رقم کا تخمینہ قائم کرنے کی کوشش شروع کی گئی تھی لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ کارروائی کہاں تک آگے بڑھی۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا شیرف اپنے اہم ترین فرائض کی انجام دہی میں زیادہ تر بادشاہ کی نیابت کرتا تھا یا الڈرمن کی۔ اگر بادشاہ کی نیابت مان لی جائے تو تغیر کے معنے یہ ہوں گے کہ مقامی اختیارات کی ذمہ داریاں ایسے عہدہ دار کے ہاتھ میں منتقل ہوگئیں جو الڈرمن سے زیادہ بادشاہ کے زیر اقتدار تھا۔ اس طریقے سے اغلب یہ ہے کہ شیرف اسقف کے ساتھ عدالت صوبہ کا صدر نشین ہوگیا۔ اس کی حیثیت جج کی نہیں بلکہ ایک صدر نشین یا معدّل کی تھی۔ اور وہ یہاں اور ابتدائی عدالتوں میں مجرموں کو گرفتار کرنے کا ایک حد تک ذمہ دار ہوگیا ساتھ ہی جرائم کی سزا دینا اور اپنے تمام صوبے میں قوانین شاہی احکام کا اعلان کرنا اور اس کا نفاذ کروانا نیز اس طریقے سے مقامی فوجی بھرتی کرنے اور ان کی کمان کرنے کے سلسلے میں شیرف کو الڈرمن کے فوجی فرائض بھی مل گئے۔

اگرچہ شیرف کے عہدے میں ابھی پوری طور پر ارتقا نہیں ہوا تھا ملک میں

نارمن حکومت کا دور دورہ ہوا اس سے پہلے اس عہدے کی اہمیت صاف نمایاں تھی، چوں کہ شیرف ایسا عہدہ دار تھا جس کا خود بادشاہ تقرر کرتا تھا اور یہ خود بادشاہ کے زیر اقتدار ہوتا تھا نیز اس زمانے تک اس عہدے پر زمانہ وسطیٰ کا کچھ گہرا اثر بھی نہیں پڑا تھا یعنے اس زمانہ کا میلان یہ تھا کہ ایک مقامی عہدہ دار کو ایک فرمانروا میں بدل دیا جائے اور چوں کہ اس کی خصوصیت بھی عمومی تھی یعنے اس عہدے کے ساتھ مالی انتظامی، عدالتی اور فوجی فرائض بھی متعلق تھے۔ اس لئے اس زمانے میں جب کہ حکومت سیدھی سادی اور اس کے اعضا الگ الگ نہیں تھے یہ عہدہ ایسا پھیلا کہ مرکزیت کے قیام کا ایک زوردار آلہ بن گیا۔ شیرف اپنے مقامی حلقے کا ایک ممتاز شخص ہوتا تھا جو مقامی اشخاص اور واقعات سے باخبر اور اس زمانے کی بڑی بڑی کارروائیوں کا سرکاری طور سے ذمہ دار ہوتا اور مرکزی حکومت کے تمام اغراض و مقاصد کی دیکھ بھال اس کے تفویض ہوتی تھی مرکزی حکومت اس کو براہ راست احکام دیتی تھی۔ اس کی حالت ایک کڑی کی سی تھی جو مرکزی حکومت کو سلطنت کے ہر مقامی حلقے سے منسلک کرتا تھا۔ اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ادارہ سیکسن مملکت کی طرف سے مملکت نارمن ادارات میں ایک اہم اضافہ تھا۔

سیکسن مرکزی حکومت کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا موجودہ مفہوم کے مطابق کوئی قومی محاصل اس وقت نہیں تھے۔ گیارھویں صدی کے اوائل میں ڈینوں کو رشوت دیکر ملک سے نکالنے کے لئے سب پر ایک اہم محصول لگایا گیا اور یہ زر ڈین کے نام سے موسوم ہوا جو بعد کو وقتاً فوقتاً جمع کیا گیا گو اس سے یہ امکان ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ترقی کر کے زمانہ حال کے قومی محاصل کی صورت اختیار کرے، مگر واقعہ یہ ہے کہ ۱۰۶۶ء تک اس شعبے میں کوئی خاطر خواہ ترقی نہیں ہوئی۔ جس طریقے سے مقامی عمائد اپنے گھر کے اخراجات کی پابجائی کرتے تھے اسی طرح مملکت کی پابجائی بھی اراضی صرف خاص کی پیداوار اور رسوم عدالت سے ہوتی تھی۔ اس وقت مملکتی عدالتوں کا ایسا باضابطہ انتظام نہیں تھا کہ ان کا سلسلہ درجہ بدرجہ صدر عدالت تک ہو اور یہ صدر عدالت عدالتہائے ابتدائی کی فروگذاشتوں کی اصلاح کا مجاز ہو مرکزی عدالت یعنے مجلس عقلا کسی شخص کے مقدمے

کی سماعت کرنا اس وقت ضروری سمجھتی تھی جب کہ ابتدائی عدالت اس کی سماعت سے انکار کرتی۔ لیکن ایک عدالت سے دوسری عدالت میں موجودہ مفہوم کے مطابق کوئی مرافعہ نہیں ہو سکتا تھا۔ امر منفصلہ کی سماعت ثانی کا کوئی طریقہ رائج نہ تھا۔ عدالتوں کا باضابطہ تدریجی سلسلہ سیکسنی نظام عمل میں بالکل مفقود ہے۔ البتہ ایسی مساوی الاختیار اور متوازی عدالتیں قائم تھیں جو ہمارے لئے ایک معمہ ہیں۔ تقریباً یہی خصوصیت خود مجموعہ قوانین میں بھی پائی جاتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کوئی قومی قانون ہی موجود نہیں تھا؛ صرف اس کی بنیاد پڑنے لگی تھی۔ تین بڑی ٹیوٹانی اقوام جو انگلستان میں آباد ہوئیں۔ یعنے سیکسن جنوب میں، مرسیا مغربی وسط میں۔ اور ڈین شمال مشرق میں، ان تینوں کا قبائلی قانون اب تک مختلف تھا۔ اور قانونی اعتبار سے ملک اسی طرح بٹا ہوا تھا جس طرح ان کے سیاسی طاقتوں نے ایک زمانے میں ملک کے کئی حصے کر دئے تھے۔ ان مقامی رواجوں سے بالاتر بادشاہی قانون کی رفتار جس سے قومی قانون کی تشکیل ہوئی بہت سست تھی۔

سیکسنوں نے اپنی قوم کی آئندہ دستور سازی میں جو بہت وسیع اور بہت دیرپا اضافہ کیا ہے وہ خاص طور پر مقامی حکومت کے شعبے میں ہے۔ سیکسنوں کی مقامی حکومت سلطنت کی جغرافی تقسیم در تقسیم پر قائم تھی یہ چیز ہمارے لئے خاص طور پر دلچسپ ہے کیونکہ یہ صرف جزوی تغیر کے ساتھ آج تک انگلستان میں پائی جاتی ہے۔ نیز ریاستہائے امریکہ میں اس سے زیادہ قطعیت کے ساتھ اس کی نقل اتاری گئی ہے۔ جزئی مستثنیات کو چھوڑ کر مختصر الفاظ میں تقسیم یہ تھی کہ سلطنت مختلف صوبوں (شائروں) میں بٹی ہوئی تھی جو فتح نارمنی کے بعد کونٹی بھی کہلانے لگے۔ اضلاع تعلقوں (ہنڈریڈ) پر منقسم تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ نام پرانے عددی استعمال سے مشتق ہوا ہے۔ ملک کے دوسرے حصوں میں یعنے شمال اور شمال مشرق میں دوسرے نام مثلاً وےپینٹیک (ایک ڈینی نام) استعمال ہوتا تھا۔ اور یہ نیز قصبات پر منقسم تھے۔ اس تمام تقسیم علاقہ جات کی ابتدائی تاریخ تاریک ہے اور اس لئے یہاں اس پر غور کرنا فضول ہے۔ البتہ یہ چیز اہم ہے کہ گیارھویں صدی کے وسط میں ان کی کیا خصوصیت تھی اور حکومت میں ان کو کیا درجہ حاصل تھا۔

صوبہ۔ اس زمانے میں تمام انگلستان جو بادشاہوں کے زیر اقتدار تھا مختلف صوبوں پر منقسم تھا مگر مختلف اقطاع سلطنت کے صوبوں کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کوئی یکساں تاریخ نہیں ہے۔ شمال کے صوبے بڑے ہیں مگر حالت یہ ہے کہ بہت کم منظم ہیں گویا یہ ابھی ابھی وجود میں آئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی جو موجودہ شکل ہے وہ ۱۰۶۶ء کے بعد ظہور میں آئی۔ ویسیکس کے صوبے بہت باضابطہ اور منظم اجزائے مملکت معلوم ہوتے ہیں اور یہ ان قبیلہ واری نوآبادیات کی نمائندگی کرتے ہیں جن سے ابتدائی سلطنت صورت گیر ہوئی۔ جنوب و مشرق کے صوبے جیسے کنٹ، سسکس، ایسکس اور دوسروں کے متعلق صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدیم سلطنت یا خود مختار مستعمرات کے قائم مقام ہیں مگر یہ مقامی تفریقیں سیکسنی تاریخ کے آخری صدی میں تیزی سے مٹ رہی تھیں۔ اور ایسی کوئی تفریق باقی نہیں رہی تھی جو نارمنی سلطنت کی مجموعیت میں خلل ڈال سکے۔

اگر صرف سیکسنی شواہد پر جو ہمیں میسر ہیں ہم اکتفا کریں اور جو کچھ کہ اوپر مقننانہ اور عاولانہ فرائض کے متعلق پڑھ کر آئے ہیں انھیں یاد رکھیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ صوبہ کا اصلی غرض عدلیانہ تھا۔ یہ ایک ایسا صوبہ تھا جس میں ایک اہم عدالت یعنے عدالت صوبہ قائم تھی۔ مجلس عقلا کے بعد اسی عدالت کا درجہ تھا جس میں مقامی اہم مقدمات فیصل ہوتے تھے۔ اسی لحاظ سے عدالت صوبہ کی حالت عدالتی مجلس کی سی تھی۔ لیکن یہ اصطلاح جو ہم نے استعمال کی وہ اس کی ساخت کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کے طریقۂ کاروائی کے اعتبار سے ہے۔ سیکسنی دور کے کوئی شواہد اس امر کے اثبات کے لئے موجود نہیں ہیں کہ یہ جمعیت جو عدالت بھی تھی وہ کس طریقے سے وجود میں آئی۔ البتہ ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ طریقہ وہی تھا جو نارمنی دور میں پوری طور سے جاری ہو گیا لیکن (بجائے یہاں کے) نارمنی دور میں ہی اس کی صراحت زیادہ بر محل ہو گی کیونکہ اسی وقت سے تاریخ میں اس کو نمایاں درجہ حاصل ہونے لگا۔ بہر حال ہم جانتے ہیں کہ یہ عدالت اس بڑی جمعیت میں سے پیدا ہوئی جو بعض صوبوں میں قدیم مجلس قبیلہ کی جانشین ہو گی۔ اس کے شرکا میں اساقفہ الڈرمن یا ارل اور شیرف سربرآوردہ اراکین ہوتے تھے۔ چونکہ سیکسنی سلطنتوں میں مطلق العنان کلیسائی عدالتیں قائم نہ تھیں

اس لئے دینی اور دنیوی دونوں قوانین کی تاویل اور نفاذ مقامی عدالتوں کا کام تھا، اور اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب مذہبی مقدمات پیش ہوتے تھے تو اسقف صوبہ کی عدالت میں شریک ہوتا تھا اور غالباً اس کو یہاں خاص نشست ملتی تھی اور عجب نہیں کہ اس وقت وہ میر مجلس بھی بنتا ہو۔ عدالت کا دائمی میر مجلس بشرط موجودگی الڈرمن ہوتا تھا۔ اگر وہ حاضر نہ ہو تو شیرف اس کی جگہ لیتا تھا جو سیکسنوں کے آخری دور میں الڈرمن کے اکثر نت نئے فرائض کا خود وارث بن گیا۔ بعض اسناد کا یہ بیان کہ بعض اجلاسوں میں صدارت تہری یا دُہری ہوتی تھی بالکل خلاف قیاس ہے[1]

ایک اور عہدہ دار یعنی الڈرمن ہمارے سامنے آتا ہے جس کی پچھلی تاریخ نامعلوم ہے۔ مگر عہدے کی حیثیت سے یہ فتح کے بعد باقی نہیں رہا۔ آٹھویں اور گیارھویں صدی کے درمیان اس عہدہ میں بیحد تغیر ہو گیا۔ ہم اس قدر ٹوہ لگا سکتے ہیں کہ ابتدائی زمانے میں اس عہدے کو مقامی اکائی کی سیادت حاصل تھی جو مرکزی حکومت کی ضد نہیں تو اس کی مدِمقابل ضرور ہو گی۔ ممکن ہے کہ یہ کبھی مرکزی حکومت کی ضد ہوئی ہو لیکن جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا تاریخ سے اس مخالفت کا رنگ مٹتا گیا۔ اور بادشاہ کی روز افزوں طاقت اس عہدے پر مسلط ہوتی گئی۔ اس زمانے میں جب سے تاریخ معلوم ہوتی ہے بادشاہ الڈرمن کا تقرر کرتا تھا، اگرچہ عملی طور پر اکثر موروثی حقوق تسلیم کر لینے پڑتے تھے اور معزول کرنے کا تو بہت ہی کم اختیار تھا۔ شیرف کی بحالی اور برطرفی میں بادشاہ نسبتہً بہت کم مجبور تھا اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیرف کے عہدے کی بنیاد اور تاریخ بالکل جداگانہ ہے۔ الڈرمن صوبے کی آبادی کا قدرتی سرگروہ صوبے کی مجلس کا قدرتی صدر اور صوبے کی فوجی جماعت کا قدرتی سپہ سالار تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بالعموم الڈرمن مقامی حلقوں کے ان تمام معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا جو براہ راست شاہی حکومت سے وابستہ نہ تھے۔ آخر الذکر معاملات کا تعلق شیرف کے عام دائرۂ عمل سے تھا۔ چونکہ الڈرمن مقامی عدالت کا صدر تھا اس لئے یہ بعض اقطاع ملک میں رسوم عدالت اور جرمانوں کی آمدنی کا ثلث جس کو صوبے کی تہائی پینی" کہتے تھے وصول کرتا تھا چنانچہ یہ وصولات جس کے ساتھ بعض کونٹیوں میں ان کا خطاب ہی شامل تھا

[1] شینی: "منفردات" پین (Penu) ۲۱/۲/۱-

فتح کے بعد بیشتوں تک جاری رہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا رہا کبھی ارل ایک عہدہ دار کا نام تھا۔ مگر آخری سیکسنی صدی میں ایک عظیم الشان تغیر پیدا ہونے لگا یعنے الڈرمن کی پچھلی بات غائب ہوگئی اور اس میں کچھ نئی بات آنے لگی۔ خصوصیت جو بدلی تو اس کے ساتھ ساتھ نام بھی بدل گیا۔ الڈرمن کو ارل کہنے لگے۔ اس تغیر کا باعث ایک طرح سے ڈینیوں کا انگلستان پر تسلط معلوم ہوتا ہے۔ ڈینیوں سے یہ جدید نام پیدا ہوا۔ اڈورڈ ثانی کے زمانے کا ارل مقامی آبادی کا نمایندہ تو بہت کم رہ گیا تھا بلکہ اس کی جگہ ایک یا دو یا کئی صوبوں کے مجموعے کا حاکم صوبہ دار یا نائب بن گیا تھا۔ ارل کے فرائض بالکل موہوم تھے۔ اس کے رتبے کے لحاظ سے اس کے اختیارات زیادہ ہو گئے۔ یہ جو کچھ تغیر ہوا وہ گویا اس گریز کی ابتدا تھی جو سیکسنی الڈرمن کی نا ہنی ارل کی طرف عمل میں آئی اور اس گریز کے بعد اس کے اختیارات عہدہ سے نہیں بلکہ رتبہ۔ شان اور دولت کے ساتھ بڑھے۔ جیسے جیسے یہ تغیر ہوتا گیا الڈرمن کے پہلے فرائض شیرف کے ہاتھ میں آتے گئے اور ہم دیکھتے ہیں کہ شیرف نہ صرف فوجی جماعت کی سپہ سالاری کرنے لگا بلکہ باقاعدہ عدالت صوبہ کا میر مجلس ہوگیا۔

عدالت صوبہ۔ عدالت صوبہ کا میر مجلس جج نہیں تھا بلکہ اس کی حالت صرف صدر نشین اور معدّل کی سی تھی۔ فیصلہ خود مجلس کرتی تھی یا اس کے ارکان کی ایک خاص تعداد کرتی تھی جس کو ایک ذیلی جماعت کہنا چاہئے اس جماعت کو مجلس یہ کام دیتی تھی چونکہ یہ عدالت اس طریقے سے فیصلہ کرتی تھی۔ اس لئے میں اس کو جمعیت عدالت کے نام سے موسوم کرتا ہوں۔ مگر مجلس کا فیصلہ قطعی نہیں تھا۔ تمام قدیم ٹیوٹانی عدالتوں۔ اور ان عدالتوں میں جو براہ راست ان سے مشتق ہوئے تھے۔ میر مجلس کو عدالت کے تمام افعال پر پورا حق استرداد حاصل تھا۔ اور کسی قانونی نزاع کا فیصلہ اس وقت تک قانونی طور پر مصدقہ نہیں ہوتا تھا جب تک میر مجلس اس کو منظور نہ کرے۔ اور اس کے فیصلۂ عدالت ہونیکا اعلان نہ کرے۔ ایسے فیصلوں کے بعض اعلان جو ہم کو مثلوں اور تاریخی روئدادوں میں ملتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ میر مجلس کے مطلق العنان فیصلے ہیں جن میں عدالت کی رائے نہیں بلکہ میر مجلس کی مجرد رائے کا اعلان ہوا ہے۔ مگر ہم پورے طور پر یقین

نہیں کرسکتے کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ کیونکہ عدالتی کارروائیوں کی مفصل رو داد اور تصریحات جو ہمارے پاس موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہونا کبھی ممکن نہیں۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ مجلس کس طریقے سے فیصلہ کرتی تھی۔ ایک طرح سے دیکھو تو کثرت رائے دیکھی جاتی تھی چنانچہ اسی قسم کی عدالتوں کے طریقہ عمل کے متعلق بعد کو جو سراغ ملتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلس میں آزادانہ بحث ہوتی تھی۔ اور رہبر مجلس کو کم از کم اتنا موقع تھا کہ فیصلہ ہونے سے پہلے اس پر بہت کچھ اثر ڈال سکتا تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سربرآوردہ ارکان بھی اپنا فیصلہ کن اثر ڈالتے تھے۔ فیصلے تو بالعموم کمیٹی کے مثل ایک جماعت کرتی تھی۔ مگر یہ فیصلے سرکاری نہیں ہوتے تھے۔ ایک دفعہ فیصلہ ہونے کے بعد کوئی مرافعہ ممکن نہیں تھا۔ البتہ فریقین پر ہرجے کی نالش ہوسکتی تھی۔ اور اگر کارروائی کے دوران میں فریقین نے حلف لیا ہو تو ان پر دروغ حلفی کا مقدمہ دائر ہوسکتا تھا۔

عدالت تعلقہ (ہنڈریڈ) عدالت تعلقہ قریب قریب عدالت صوبہ کے مماثل تھی صرف فرق اس قدر تھا کہ یہ حصہ صوبے کی عدالت تھی[1]۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کی تشکیل بھی اسی طریقے سے ہوئی جو اس کا طریقہ تھا۔ نیز یہ شاید قدیم قبائلی مجلس کی قائم مقام تھی اور اس کا میر مجلس صاحب تعلقہ یا تعلقے کا الڈرمن تھا۔ بعض امور کے لئے شیرف صدارت کرتا تھا۔ یہ بھی عدالتی مجلس تھی اور اسی طریقے سے اس کی کارروائی بھی عمل میں آتی تھی۔ زیادہ غور طلب بات یہ ہے کہ جہاں تک اس کی عدالتی کارروائی کا تعلق ہے اپنے حدود اختیار میں یہ عدالت صوبہ کے ساتھ ہم ردیف تھی۔ ایک ہی مجموعۂ قوانین کی تاویل اور نفاذ کراتی تھی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو مقدمہ ایک عدالت میں دائر ہوسکتا تھا وہی دوسری عدالت میں بھی دائر ہوسکتا تھا۔ یہ بات فریقین کی اور خصوصاً مدعی کی خواہش پر۔ نیز مقدمے کی اہمیت پر منحصر تھی کہ فلاں مقدمہ فلاں عدالت میں رجوع ہونا چاہئے۔ خفیف معاملے اور نیچ طبقوں کے مقدمے عدالت صوبہ میں دائر نہیں ہوسکتے تھے۔ دونوں عدالتوں کا مقابلہ کیا جائے تو عدالت صوبہ رجوع مقدمات کے لئے زیادہ استعمال کی جاتی تھی۔ یہی عدالت جملہ عام تجارتی اور فوجداری اغراض کے لئے مناسب اور موزون سمجھی جاتی تھی۔

---

[1] اسٹبز حسب بالا، ۸۰-۸۴۔

عدالت صوبہ کو مرکزی حکومت کبھی کبھی انتظامی اغراض کے لئے استعمال کرتی تھی۔ ہم کو چند ایسے مراسلے ملتے ہیں جو بادشاہ نے اس عدالت کے عہدہ داروں کے نام لکھے تھے اور ان کے توسط سے عدالت کو مخاطب کرنا مقصود تھا۔ اگر سیکسنی سلطنت اور کچھ دن قائم رہتی تو غالباً آگے چل کر اس قسم کے معاملات میں مجلس صوبہ کا عمل دخل ترقی پا جاتا۔ مقامی امن قائم رکھنے۔ جرائم کی سزا دینے۔ اور افراد کو قابو میں رکھنے کا کام اکثر و بیشتر عدالت صوبہ سے لیا جاتا تھا۔ جہاں تک امور کو توالی عام حکومت کے فرائض میں شامل تھے اس عدالت کو علانیہ انگلستان کی عدالت کوتوالی سمجھنا چاہئیے۔ دسویں صدی کے وسط کے قریب شاہ اڈگر کے عہدِ حکومت میں چوروں کے تعاقب اور گرفتاری کے لئے ایک مشہور قانون بنا جس کے لئے عدالت تعلقہ کو ذمہ دار قرار دیا گیا۔ اور اس طریقے سے اس کی شکل وہ ہو گئی جو فرنگی انتظامات میں بہت پہلے اسی غرض کے لئے قائم تھی۔ اڈگر کی قانون سازی سے یہ بھی قرار پایا کہ ہر شخص کا ایک ضامن (borth) یعنی ایک ایسا سربرآوردہ ملت ہونا چاہئیے جو اس شخص کو قانونی خلاف ورزی کی علت میں انصاف کے لئے پیش کرے یا خود اس شخص کی سزا کا ذمہ دار ہو ملزم کے فرار ہونے کی صورت میں خود ضامن سزا پائے۔ تقریباً اسی زمانے میں ٹتھنگ (tithing) کے موجود ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ یہ ایک ایسا ادارہ تھا جو غالباً واقل میں تعلقہ کے بہ نسبت قصبے سے زیادہ متعلق تھا۔ اس ادارے میں بالعموم دس یا بارہ ہزار آدمیوں کی ایک تعداد مجموعی طور پر صاحب ٹتھنگ سمجھی جاتی تھی اور یہ سب مل کر مجرمین کی گرفتاری کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ یہ دو ادارے تاریخی دور میں طریق فرنک پلیج (frank pledge) کی بنیاد بن گئے۔

شاہی امن۔ شاہی امن ایک ایسا ادارہ ہے جس کو ہم سیکسنی قانونِ فوجداری کے کسی بیان میں نظرانداز نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے علم میں یہ تمام جرمن مملکتوں میں پایا جاتا ہے۔ مزید برآں دورِ مابعد کے ارتقاء قانون میں اس کی بہت اہمیت ہے۔ ایک مضرت یا فعل قبیح باعثِ نقضِ امن سمجھا جاتا تھا۔ ایک معمولی مضرت تو قومی یا صوبہ یا شیرف کے امن کا نقض سمجھی جاتی تھی۔ لیکن جو مضرت بادشاہ یا شاہی املاک کے خلاف۔ یا بادشاہ کے قریب سرزد ہوتی تھی وہ باعثِ نقضِ امن شاہی متصور

ہوتی تھی۔ اور بھاری بھر کم جرمانوں سے اس کی سزا دی جاتی تھی۔ اس شاہی امن کی حفاظت کا اختیار کسی مقامی حلقے کو بھی عطا کیا جاتا تھا اور تعلقے یا صوبے میں شیرف اس کا اعلان کرتا تھا۔ چنانچہ یہ اضافہ قومی امن کے علاوہ ہوتا تھا۔ اور اس میں زائد سزائیں دی جاتی تھیں۔ اس قسم کی خاص حفاظت کا حق بادشاہ اپنی زبانی یا تحریری حکم از اد۔ مقامات رہنونی یا میلوں کے خاص موقعوں کے لئے دے سکتا تھا۔ شاہی نقض امن کی سزا دینا خاص بادشاہ کے اختیار میں تھا۔ یعنی اس کا شمار ان مقدمات میں نہیں تھا جو بہ حیثیت ناظم صوبہ شیرف کے تفویض تھے۔ اس کے خاص جرمانے تھے جو خود بادشاہ لیتا تھا۔

ویہہ ۔ ویہہ ایک چھوٹا علاقہ ہے جس میں تعلقے اور صوبے کے مقابلے میں بالکل ابتدائی اور قدیم ترین ادارہ ہونے کے آثار موجود ہیں۔ ویہہ بالعموم تعلقے کی ایک شاخ ہے لیکن یہ کوئی کلیہ نہیں۔ کیوں کہ اس وقت بعض ایسے دیہات موجود تھے جو ایک سے زیادہ تعلقوں کے اجزا تھے اور بعض کسی تعلقے کے اجزا نہیں تھے۔ لیکن مقامی حکومت اور عدل گستری کے تدریجی سلسلے کا لحاظ کرتے یہ کچھ غلط نہیں ہے کہ وہ تعلقے کی ایک شاخ تھی۔ ویہہ کی آبادی تعلقے کی آبادی سے کم اور اس کا درجہ بھی گھٹیا تھا اور اس کے فرائض کو توالی بھی محدود تھے۔ اکثر و غالب صورتوں میں دیہہ از روئے قاعدہ و واقعہ تعلقہ کا جزو ترکیبی تھا اور زمانوں اور غالباً سیکسنوں کے زمانے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تنظیم تعلقہ کی ایک اکائی تھا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ قدیم سیکسنی آبادکاروں میں دیہی آبادی موجود تھی جیسا غالباً تھی تو دور مابعد کے دیہہ انھیں کے قائم مقام ہوں گے۔ اور یہ انگلستان میں دیہات یا ڈرف (dorf) کے نمایندے ہیں جن کے آثار کہیں کہیں بر اعظم میں پائے جاتے ہیں اور اسی تعلق کے ساتھ پائے جاتے ہیں جو انگلستان میں دیہہ کا تعلقے کے ساتھ تھا۔ علماء اس بات پر متفق نہیں ہیں کہ دیہہ میں ایک چھوٹی قومی عدالت بھی موجود تھی۔ گو شواہد تو دونوں طرح اس کی تائید پر مائل ہیں۔ ایک استقرائی استدلال ہے کہ امور ملت کی باہمی تنظیم ضروری تھی۔ دوسرے واقعہ ہے کہ بعد کو منیر کی جاگیری عدالت میں جو کام ہونے لگا اس کی یہی خصوصیت ہے۔ فتح کے بعد

کے ایام میں ویہہ گویا مینر میں مدغم ہوگیا اور مینر کی عدالت جاگیری دیہاتی عدالت
کے فرائض انجام دینے لگی۔ یہ فرائض ان معاملات سے متعلق تھے کہ جن کی حکومت
میں فی الجملہ بہت کم اہمیت تھی۔ معاملات یہ تھے کاشت کا انتظام۔ غلے کی حفاظت۔
اندرون قصبہ حدود اراضی کے متعلق نزاعات اور حقوق کا تصفیہ۔ خفیف مقدموں
اور فوجداری خلاف ورزیوں کا تدارک۔ بڑے مقدمات دیہاتی عدالت میں نہیں
بلکہ براہ راست تعلقے میں رجوع کئے جاتے تھے۔

دیہی اور جاگیری عدالتوں کا انضمام۔ یہ مملکت کی باضابطہ ذیلی تقسیمیں
جن کا مطلب حدود اختیار کوتوالی اور عمال سرکاری کی نگرانی تھا فتح کے وقت تک
خانگی اداروں کے پیدا ہونے کی وجہ سے بہت کچھ ٹوٹ پھوٹ گئیں سیکسنوں
کے وسطی اور آخری دور کی یہ نمایاں خصوصیت ہوگئی تھی کہ خانگی جاگیریں پیدا ہوگئیں
اور رسم جوار کا عام رواج ہوگیا جس سے غرباء اپنی حفاظت کی خاطر ذی اقتدار لوگوں
کے ساتھ ماتحتانہ تعلق پیدا کرنے لگے۔ اس کے علاوہ ماتحتانہ زمینداری کی ایسی
مختلف شکلیں پیدا ہوئیں جو اس وقت تک تاریکی کے پردے میں پڑی ہوئی ہیں۔
ان جاگیروں کے ساتھ جو اکثر رقبے میں ایک۔ یا دو۔ یا کئی دیہات۔ یا کبھی تعلقے
کے برابر تھیں مقامی اختیارات اور فرائض کوتوالی شامل ہوگئے اور جس طریقے سے یہ
شامل ہوئے وہ بھی سادہ اور معمولی ہے۔ یعنی جس امیر کے ماتحت کئی زرعی غلام
تھے اس کا قدرتی فرض تھا کہ ان غلاموں کے باہمی نزاعات کے حقوق کا فیصلہ کرے
اور ان خلاف ورزیوں کی سزا دے جو باہم مضرت رساں اور نقص امن کے باعث
ہوں (کیونکہ حکومت اس معاملے کی طرف توجہ نہیں کرتی تھی) جس وقت جاگیر و ویہہ کا
علاقہ ایک ہوگیا ویہہ کی اصلی عدالت جاگیری عدالت میں ضم ہوگئی اور دونوں عدالتیں
ایک ہوگئیں کیونکہ قدرتی طور پر اس کا احساس ہوا ہوگا کہ ایک ہی طبقہ اور ایک ہی
قسم کارروائی کے لئے دو عدالتیں رکھنا فضول ہے۔ اور جب جاگیر تعلقہ پر پھیل گئی
اس وقت غالباً اسی طریقے سے بلامنظوری عدالتوں کا ادغام عمل میں آیا ہوگا۔
مگر یہاں مملکت کا مفاد اس قدر آسانی سے نظرانداز نہیں ہوسکتا تھا۔ چنانچہ
یہاں بادشاہ کا عمل اکثر ظاہر ہوتا ہے۔ اکثر مثالیں ایسی ہیں کہ بادشاہ نے

باضابطہ قانون سے تعلقہ یا جزء تعلقہ کے حدود و اختیارات چند خانگی ہاتھوں میں دیدئے اور اس طریقے سے ایک واقعہ کو جو قانون کے دائرے سے باہر عمل میں آیا تھا قانونی طور پر تسلیم کرلیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی حکومتوں کی باضابطہ تنظیم میں خانگی جاگیروں اور خانگی حدود و اختیارات نے اپنا گھر کرلیا اور نظام تعلقہ اور شاہی عطائے آزادی کے لئے جو فتح کے بعد مضبوط ہوگئے ایک زبردست بنیاد کا کام دیا۔

عدالتی کارروائی۔ ان تمام عدالتوں میں خانگی ہو کہ سرکاری طریقۂ کارروائی جس سے مقدمات کی سماعت ہوتی تھی ایک ہی تھا۔ اگرچہ یہ طریقے ہمکو دقیانوسی اور بھدے معلوم ہوتے ہیں مگر اس زمانے کی عام قوتِ فیصلہ کا یہی مقتضا تھا۔ اس سے ایک بے ڈھنگا سا انصاف حاصل ہوتا تھا یہ طریقۂ کارروائی ان مقامی عدالتوں میں فتح کے بعد دو سو سال تک جاری رہا اور کئی صدیوں آگے تک یہ لائق عمل رہا۔ سیکسنی عدالتوں کا درجہ قدیم اور جدید عدالتی کارروائیوں کے بیچ میں پڑتا ہے۔ قدیم جب کہ خانگی انتقام ہوتا تھا یعنے ایک شخص اپنے دیگر ساتھیوں کی مدد سے اپنا آپ انصاف حاصل کرلیتا تھا، اور جدید جب کہ مملکت خانگی عمل کو خارج کرکے تمام کارروائی خود عمل میں لاتی ہے، سیکسنی دور میں ایک شخص خود بہت کچھ کرلیتا تھا جس کا وہ آج مجاز نہیں ہوتا یعنے وہ اپنے فریق ثانی کو خود عدالت میں طلب کرتا تھا، تاریخ پیشی معین کرتا تھا اور بعض صورتوں میں وہ عدالت کے فیصلے کی خود تعمیل کرواتا تھا۔ لیکن کارروائی کا ایک بڑا حصہ مملکت کے ہاتھ میں آگیا تھا اور بقیہ حصے کے لئے مملکت شخص مذکور کی تائید کرتی تھی۔ جو کام کرنے کا وہ شخص مجاز تھا ان کو معین و جاری کرتی تھی۔

ان قدیم مقدموں میں حلف کو بہت اہمیت تھی۔ حصول انصاف کا ایک ذریعہ سمجھ کر حلف کی بنا پر جو فیصلہ صادر کیا جاتا تھا اس کے متعلق دو امور کا مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اوّل کہ یہ عدالتیں چھوٹی چھوٹی آبادیوں کی عدالتیں تھیں۔ ان عدالتوں کے اراکین باہم ہمسایہ ہوتے تھے۔ ہر شخص کا چال چلن سب کو اچھی طرح معلوم تھا اور ان لوگوں کے معاملات سیدھے سادے نیز ایک دوسرے کو بخوبی معلوم ہوتے تھے۔ دوم یہ کہ ظہور معجزات پر دلی اعتقاد تھا۔ حلف لینا گویا خدائے تعالیٰ

کو گواہ بناتا تھا اور دروغ حلفی کے متعلق یقین تھا کہ اس کی اسی وقت یا بعد کو سخت سزا ہوتی ہے۔ اس قسم کے بہت سے قصے زبان زد تھے اور ان پر یقین کیا جاتا تھا کہ جھوٹی قسم کھانے والوں پر کس طرح خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔ اس وقت ایسا کون ساسخت جان پاپی ہوگا جو اپنے جاننے والوں کے سامنے دانستہ جھوٹی قسم کھائے اور اس کے لڑکھڑانے۔ ہچکچانے اور رنگ فق ہونے سے یہ بھید نہ کھل جائے کہ وہ جان بوجھ کر بلا مول لے رہا ہے۔ جب کوئی ایسی علامت ظاہر ہوتی تھی یا حلف کا جملہ منہ سے بر ابرادا نہ ہوتا تھا تو ایسی صورت میں وہ شخص مقدمہ ہار جاتا تھا۔

فریقین کے حاضر عدالت ہونے کے بعد پہلی کارروائی یہ ہوتی تھی کہ مدعی پہلے حلف لے کر اپنا دعوائے پیش کرتا تھا۔ بعض اوقات اس کی تائید کے لئے اور لوگ بھی اس کے ساتھ ہوتے تھے جو اس کے فریق (Secta) کہلاتے تھے۔ پھر مدعا علیہ اپنی صفائی میں بشرط امکان حلف لے کر مدعی کے پیش کردہ واقعات کی تردید کرتا تھا۔ اس کے بعد عدالت اپنا فیصلہ صادر کرتی کہ دونوں میں سے فلاں فریق کو ثبوت پیش کرنا چاہئے۔ یہ عدالت کا ابتدائی فیصلہ ہوتا تھا اور اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ دونوں میں سے کونسا فریق بظاہر حق بجانب ہے۔ اکثر یہ ہوتا کہ جب مدعی علیہ اپنی صفائی میں حلف لینے میں کامیاب ہوگیا تو ہمیشہ بار ثبوت اسی پر عائد کیا گیا کیوں کہ قدرتی طور پر اسی کے ساتھ ایک حسن ظن پیدا ہو جاتا تھا لیکن خاص مقدمات میں جو گاہے ماہے ہوتے تھے ثبوت کا بار مدعی پر ڈالا جاتا تھا۔ ثبوت دوسرے اجلاس عدالت میں پیش ہوتا تھا۔ بعض وقت ثبوت کے لئے گواہ پیش ہوتے جو اپنے آسامی کے بیان دعوے کے متعلق اپنے دیکھنے یا سننے کی قسم کھاتے تھے۔ بالعموم ثبوت کے لئے اس شخص سے جو پہلے حلف لے چکتا دوبارہ لیا جاتا لیکن جس وقت اس کے ساتھ اور موئدین حلف بھی ہوتے تھے جو اپنے فریق کے دعویٰ کی سچائی کے متعلق نہیں بلکہ اس بات کی قسم کھاتے تھے کہ اس کا حلف صحیح ہے۔ موئدین حلف کی تعداد جو ایک شخص کو پیش کرنے پڑتے تھے رواج سے معین تھی اور فریقین کی حیثیت کے مطابق گھٹتی بڑھتی تھی۔ مگر عدالت اس بات کی مجاز تھی کہ کسی مقدمے میں موئدین کی تعداد معین کرے اور اس بات کا فیصلہ کرے

کہ یہ لوگ مجموعی آبادی میں سے نہیں بلکہ خود عدالت کی مرتبہ فہرست اسماء میں سے پیش کئے جائیں۔ تعداد مطلوبہ کے پیش کرنے پر مقدمے کی جیت ہو جاتی تھی اس کارروائی کی ظاہری رسم میں جو غایت مضمر ہے اس کا سمجھنا کچھ دشوار نہیں ہے۔ طلب ثبوت سے عدالت یہ چاہتی تھی کہ مقدمۂ زیر بحث کے متعلق عامۃ الناس کی رائے معلوم ہو جائے اور موئدین حلف کے فراہم کرنے کا جو طریقہ تھا اس سے عدالت کے فیصلے کو ایک خاص شکل میں خوب کس دینا مقصود تھا موید حلف کسی مقدمے کی بابت جو رائے ظاہر کرتا اس کے متعلق کم از کم یہ تصور تھا کہ اس پر بڑی بھاری ذمہ داری ہے کیونکہ ایک شخص گو مدعیٰ علیہ کے موافق ایک عام فیصلے کو ماننے کے لئے آمادہ ہو سکتا ہے لیکن موید حلف کی حیثیت سے ایک معین حلف اٹھانے کے لئے کبھی راضی نہیں ہو سکتا۔ تقریباً ہمیشہ یہی ہوا کہ جس فریق پر بار ثبوت عائد کیا گیا اس کو موئدین کی مطلوبہ تعداد دستیاب ہو گئی۔ جوں جوں آبادی بڑھتی گئی اور معاملات زیادہ پیچیدہ ہوتے گئے مجالس مقامی کے معلومات اس قابل نہیں رہے کہ دروغ حلفی کے سد باب کے لئے کوئی واقعی قید و بند لگا سکے۔ چنانچہ اس عمل درآمد کے آخری دور میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ طریق ثبوت کے ساتھ بہت سی بدعنوانیاں لاحق ہو گئی ہوں گی۔

فوجداری مقدمہ کی شکل بالکل دیوانی مقدمے کی طرح تھی یعنے فریق متضرر یا اس کے ورثاء اور ملزم کی نزاع کے لئے ایک ہی کارروائی تھی۔ مگر فوجداری مقدمے میں ثبوت کی ایک اور شکل یعنے آزمایش غیبی سے بھی اکثر مدد لی جاتی تھی جو دیوانی مقدمے میں بھی ممکن تھی۔ آزمایش غیبی کا نظریہ تھا کہ جب عدالت اپنے فیصلے میں مذبذب ہو یا کسی مقدمے میں جو ملزم کے صریحاً خلاف ہو مگر باوجود ثبوت کے ہنوز مشتبہ ہو تو ایسی صورت میں یہ آزمایش گویا آسمانی فیصلے کے لئے ایک آئینی اور مذہبی درخواست ہوتی تھی۔ بالعموم دونوں اقسام مقدمات میں تائید حلف کی کارروائی اختیار کئے بغیر فریق کو یک لخت آزمایش کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا پڑتا تھا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ عملی طور پر تائید حلف کی کارروائی کی تکمیل ممکن نہیں تھی۔ مگر فرانکوں میں یقینی طور پر اور اگر ہم بعد کے ثبوت پر اعتماد کریں تو اغلب یہ ہے کہ سیکسنوں میں بھی یہ طریقہ رائج تھا کہ جو شخص موئدین

حلف کی مطلوبہ تعداد فراہم نہیں کر سکتا تھا اس کو بذریعہ آزمایش غیبی اپنے مقدمے کو ثابت کرنے کا ایک اور موقع دیا جاتا تھا۔ جب ملزم کے خلاف جرائم کی ایک لمبی فہرست ہوتی وہ قانوناً تائید حلف کی کاروائی کا مستحق نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کو بلا شرکت آزمایش کا حکم ہوتا تھا۔ اس کا باعث درحقیقت عامۃ الناس کا عام فیصلہ تھا جس کی ایک مثال امریکی طریق انتقام خانگی" (lynch law) سے ظاہر ہے کہ جو ملزم سنگین جرم کا مرتکب ہو وہ اغلباً مجرم ہے اس لئے تائید حلف کی کاروائی کے لئے اس کا درخواست کرنا بے فائدہ ہے۔ اپنے روزمرہ کے معاملات میں سکسن دو قسم کی آزمایشیں استعمال کرتے تھے اور دونوں کے ساتھ رعب دار مذہبی رسوم ادا ہوتے تھے۔ ایک پانی کی آزمایش تھی جس میں یہ ہوتا تھا کہ ایک شخص کے ہاتھ پیر باندھ دیئے جاتے اور وہ کسی حوض میں ڈال دیا جاتا تھا۔ اگر وہ ایسا ڈوبتا کہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا تو وہ بے گناہ ثابت ہوتا تھا۔ دوسرے گرم لوہے کی آزمایش تھی۔ سلاخ کا وزن پہلے سے طے شدہ ہوتا تھا ملزم کو یہ سلاخ ایک معین فاصلے پر لے جانی پڑتی تھی چند روز کے بعد آبلہ دیکھا جاتا تھا اور اس کی نوعیت پر اس کے جرم کا ثبوت کا انحصار ہوتا تھا۔ تیرھویں صدی کے اوائل میں یہ آزمایش متروک ہو گئی۔ لیکن دوسرے پرانے طریقے دیوانی سے زیادہ فوجداری سماعتوں میں عرصے تک جاری رہے اور ان کی جگہ جدید طریقے رائج ہوئے۔

سزائے موت گاہے ماہے دی جاتی تھی اور وہ بھی سیکسنوں کے دور مابعد میں اور سزائے قید تو اور بھی شاذ و نادر ہی ہوتی تھی۔ لیکن بالعموم شخص متضرر کے پسماندوں کو ہرجانہ ادا کرنے سے جرائم سے براءت ہو سکتی تھی اسے بوٹ (bot) کہتے تھے اس کے ساتھ سلطنت کو بھی نقص امن کی پاداش میں جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا اور یہ وائٹ (wite) کہلاتا تھا۔ ہر آزاد شخص کے لئے زر دیت کی مقدار معین تھی یعنے از روئے قانون ملک میں جو اس کا رتبہ تھا اس کے مطابق اس کی حیثیت کی مستقل زر معین تھی چنانچہ اس کے قتل ہو جانے کی صورت میں مجرم کو یہ زر تاوان ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ بعض مرتبہ خود اس کے افعال قبیح کی پاداش میں یعنے خود اس کی براءت کے لئے جرمانے کا

تعین اسی سے ہوتا تھا۔ دیگر افعال قبیح کے لئے بھی معین رقموں کی ادائی ہوتی تھی اور یہ رقمیں فعل قبیح کی نوعیت اور فریق متضرر یا ضرر رساں کے مرتبے کے مطابق معین ہوتی تھیں۔ اور یہ ملک کے مختلف حصوں میں مختلف تھیں۔ بعض مقدمات میں جو مجرم اپنے الزام کی جواب دہی سے انکار کرتا اس کے خارج از قانون ہونے کا اعلان کیا جاتا اور ایسی حالت میں وہ جہاں ملتا مار ڈالا جاتا تھا یا قدیم طریقہ انتقام خون کا نشانہ بنتا تھا۔ جب سلطنت ابتدائی بستیوں کے مجموعے سے آگے بڑھ گئی تو یہ فوجداری سزائیں تائید ملف کے طریقے کی طرح ناموزوں ثابت ہوئیں اور نارمن فتح کے بعد تو بالکل غائب ہی ہو گئیں۔

برو۔ فانگی حدود اختیارات کے ساتھ جاگیریں تو پیدا ہو چکی تھیں ان کے علاوہ سیکسنوں کے مقامی تنظیم کے سلسلے میں ایک اور مقامی نئی چیز داخل ہو گئی اور وہ برو یا تجارتی مفہوم میں ادیہہ ہے۔ انگریزی برو جو ایک جداگانہ عضویت اور ایک علیحدہ آبادی کا مرکز ہے اس کے شروعات زمانے سے معرض بحث میں ہیں اور آئندہ بھی اس کے متعلق کسی قطعی فیصلے کی امید نہیں۔ یہ اغلب ہے کہ بطور آبادی کے مرکز کے برو ایک نہیں بلکہ کئی طرح سے قائم ہوئے ہوں گے۔ کہیں ایک قلعہ بند جگہ ہو گی جو حفاظت کی ضامن تھی۔ کہیں تجارتی شاہراہوں کا مرکز ہو گا۔ اور کہیں یہ ضرورت ہو گی کہ کسی مقبول عام درگاہ کے زائرین کی ضرورتیں مہیا کی جائیں۔ ان چیزوں نے لوگوں کو ایک جگہ قیام کرنے کی طرف مائل کیا لیکن آخری نتیجہ دیکھو تو بستی اور اس کے دستور کی نوعیت کی صورت میں ایک ہی ہے۔ ابتدا کے مسئلے کی بہ نسبت تاریخی نقطۂ نظر سے یہ بات زیادہ اہم ہے کہ یہ مقامی حکومت کے عام ڈھچر سے علیحدہ نہیں ہوا بلکہ سیکسن مقامی تنظیم کے دیگر اجزا کے ساتھ برو کو بھی بہت جلد ایک خود اختیاری جز بننے کا موقع مل گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نارمن فتح کے پہلے ہی سے برو کو مملکت کے ساتھ ترقی کرنے کے لئے ایک راستہ مل گیا۔ غالباً اکثر صورتوں میں برو ابتدائً علاقے کے مفہوم میں دیہہ یا جزو دیہہ ہو گا اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ اسی دیہہ کی حیثیت میں حسب قاعدہ اس کی تنظیم عمل میں آئی ہو گی اور اس کو مقامی حکومت خود اختیاری

ملی ہوگی۔ بعض صورتوں میں وسعت اور اہمیت کی وجہ سے اور بعض میں ہمسایہ علاقے کے ساتھ تاریخی تعلق کے باعث (اور لنڈن کی صورت میں تو یہ دونوں باتیں تھیں) ہرو کی تنظیم دیہہ کی جگہ تعلقے کی سی ہوگئی۔ لیکن دونوں صورتوں میں عملی نتیجہ ایک ہی نکلا یعنی ایک ایسا مقامی سوراج مل گیا جو بجائے الگ تھلگ رہنے کے تعلقے یا صوبے کے وسیع دائرہ حکومت میں دیگر ہم جنس اجزاء کے ساتھ خود بخود منسلک ہوگیا۔ بڑے قصبوں کے حدود کے اندر ایک طرف حلقے (Wards) تھے جن کو ایک حد تک مقامی سوراج حاصل تھا اور اس کا تعلق پورے بلدیہ سے وہی تھا جو دیہات کا تعلقے سے ہے۔ دوسری طرف ہمسایہ امرا کے زیر نگین حلقوں (Soken) میں یعنے بلدیے کے ان حصوں میں جو امرا سے متعلق تھے اور جہاں ان کے ماتحت لوگ متمکن تھے خانگی حدود اختیارات بھی دکھائی دیتے ہیں اور ان پر امرا وہی اختیارات استعمال کرتے تھے جو اپنی جاگیروں پر کرتے تھے۔ اگرچہ سیکسنی تاریخ کے آخری دور میں شہری جدوجہد بیشک خاطر خواہ ترقی نظر آتی ہے مگر قومی زندگی میں بلدیے کی وہ اضافی اہمیت کبھی نصیب نہیں ہوئی جیسے انگریز تاریخی زمانے کے اوائل میں ہوئی۔ یہ وہ اہمیت ہے جو ان بے شمار منشورات قصبات کی شکل میں جن کا زیادہ تعلق رچرڈ اور جان کے عہدہائے حکومت سے ہے ظاہر ہوتی ہے۔

معاشرے کے چار طبقے انگلستان کی آبادی اس کے علاقوں کی طرح صاف تدریجی طبقوں میں بٹی ہوئی تھی۔ مگر ہم کو یہاں ایک مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ یہ کہ علاقوں کی تقسیم کے برخلاف سلطنت کے مختلف حصوں کی آبادی میں بہت کم باضابطگی تھی۔ عام خصوصیات کا لحاظ کیا جائے اور معمولی اختلاف حالات اور اصطلاحات نظر انداز کئے جائیں تو سیکسنی مملکت میں آبادی کے چار بالکل الگ الگ طبقے تھے یعنے امراء۔ آزاد۔ نیم آزاد اور غلام لیکن یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ گو یہ چار طبقے نوعی معنی میں بین طور پر ایک دوسرے سے الگ تھے لیکن اگر ہم افراد کو پیش نظر رکھیں تو یہ حق۔ امتیاز۔ اور حیثیت کے درمیانی کثیر مراتب کی بنا پر ایک دوسرے سے

ہر بوط تھے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیکسنوں کے زمانے میں معاشرہ ایک سیال حالت میں تھا یعنے معاشری طبقے فرقہ داری قیود سے معرا تھے اور ایک شخص اپنی حد سے اوپر اور نیچے خاندانی تعلق پیدا کر سکتا تھا اور یہ بالعموم ہوتا بھی تھا۔ چنانچہ حقیقت اراضی کی بناء پر تعلقے کی جو زمینداریاں تھیں ان کے بے شمار مراتب خدمت گزاری کی صورت میں خاندانوں کی یہ سیال حالت دکھائی دیتی تھی۔

اُمراء۔ تمام سیکسنی مملکتوں میں طبقۂ امراء نہایت درجہ معین تھا۔ اگر ہم سیکسنی تاریخ کے تمام دور کو اپنے سامنے رکھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ امارت کا یہ رتبہ صاف طور پر دو ماخذوں سے حاصل ہوتا تھا۔ ایک پیدائش۔ دوسرے بادشاہ کی خدمت چونکہ دیگر مملکتوں کے بہ نسبت کینٹ کے متعلق اطمینان بخش ثبوت موجود ہے اس لئے یہ بات اغلب ہے کہ سب ٹیوٹانی مہاجرین اپنے ساتھ انگلستان میں ایک ایسی پیدائشی امارت لائے جس کی ابتدائی تاریخ کا سلسلہ قبیلے کی قدیم تاریخ سے مل جاتا ہے۔ جس طریقے سے جدید حالات کی وجہ سے ایسی بادشاہی قائم ہوئی جس کا پہلے وجود نہ تھا اور مملکت اور عوام پر اس کا زبردست پنجہ نکلا اسی طریقے سے ایک شخص کو بادشاہ کے قرب اور شاہی ملازمت کے اعزاز سے ایک ایسا رتبہ اور امتیاز حاصل ہو جاتا جو عام آزاد شخص کے بہ نسبت قوانین یا اعلیٰ زرِ دیت کی شکل میں صاف ظاہر ہونے لگا۔ کیا عجب ہے کہ شروع ہی سے بادشاہ کے مقربین میں نئے لوگوں کے علاوہ اکثر ایسے لوگ شامل ہو گئے ہوں جو پرانے امیر تھے اور یہ دونوں قدیم و جدید ایک ہی طبقہ میں ایسے گھل مل گئے کہ وہ اب سوائے ان خاندانوں کے جن کا وجود ایک دو پشتوں کا ہے ان کی اصل کا پتہ لگانا ممکن نہیں۔ یہی نوعِ امارت ہے جو ہمیں نارمنی فتح کے وقت دکھائی دیتی ہے۔

سیکسن امارتِ خدمت کو گیستھ اور تھین کی دو اصطلاحوں سے ظاہر کرتے تھے۔ گیستھ قدیم اصطلاح ہے کہ اور اس سے وہ طبقہ مراد ہے جس کی نوعیت بالکل فوجی تھی اور یہ بادشاہ کے ساتھ خبردار ہمنشینی (Comitatus)

کے شخصی رشتے سے منسلک تھا جس کا ہی توس اپنی جرمانیہ کے نمبر صوبیں اور چودھویں باب میں ذکر کرتا ہے۔ ملک میں آباد ہونے کے بعد ہی ان لوگوں کو بادشاہ کی طرف سے عطیات اراضی مل گئے اور اس طرح یہ صاحب اراضی امارت بن گئی مگر ساتھ ہی اس پر فوجی خدمت کی خاص قید عائد رہی۔ یہ جگہ جس میں بادشاہ کی ذاتی خدمت یعنے نبرد آزمائی، ہمنشینی اور دربار کے دیگر فرائض شامل تھے (اور ان میں سے بعض غالباً گیستھ کے تفویض نہیں ہوئے ہوں گے انھیں نے لے لی اور یہ تھین ضرور زمانہ کے ساتھ اسی طرح تغیرات کے چکر میں آئے گو یہ تغیر بہت آہستہ اور تاریخ کے دور مابعد میں ہوا چنانچہ اس لفظ کا استعمال فتح کے بعد بھی باقی رہا گو یہ ملک کے مختلف اقطاع میں بے شمار معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

سیکسن امیر کو چند ایسے امتیازات حاصل تھے جو اس کو عام آزاد شخص سے ممتاز کرتے تھے۔ اس کا زر دیت چھ گنا زیادہ تھا، عدالت میں اس کے حلف کی چھ گنی اہمیت تھی، ٹیتھنگ کی شرکت سے یہ مستثنےٰ تھا اور وہ اپنے زیردست کے نیک چال چلن اور اس کی عدالت کی حاضری کی خود اپنی ذات پر ذمہ داری لے سکتا تھا۔ ان آزاد شخصوں پر بھی جو جاگیری زمینوں سے وابستہ تھے امیر کو اختیارات حاصل تھے۔ کلیسا اور مملکت کے اعلےٰ عہدوں کا یہی طبقہ اہل سمجھا جاتا تھا گو از روئے قانون یہ لازمی نہیں سمجھنا چاہئے جیسا کہ ہر موقع پر ہوتا ہے خاندانی امارت عہدوں کے پر کرنے میں بھی غیر معمولی اعزاز کی حامل تھی۔ اگرچہ امارت کے ساتھ مجلس عقلا کی رکنیت کا کوئی حق شامل نہیں تھا مگر بادشاہ طبقہ حکام کے علاوہ امرا میں سے ان لوگوں کو طلب کرتا تھا جو اس سے پہلے کے کسی جلسے میں شریک ہوئے تھے۔ اگرچہ امرا کا طبقہ باضابطہ اور معین تھا مگر بالعموم سیکسنی مملکت میں حکومت کے علے الرغم اس کی کوئی مطلق العنان حیثیت نہیں تھی۔ اور یہ کبھی ایسا طبقہ نہیں بنا کہ اس میں پہونچنے کے لئے تحت سے ترقی کرنے والے خاندانوں کے لئے کوئی راستہ نہ ہو۔

احرار ۔ قدیم سیکسن معاشرے کے متعلق جو معلومات ہیں ان سے ہمارے دل میں جو خیال پیدا کرتے ہیں ان پر بھروسہ کیا جائے تو معاشرے کا زیادہ تر حصہ

ان آزاد اشخاص پر مشتمل ہوگا۔ امراء سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے جو ابعد کو خصوصاً
زمانۂ جاگیری میں "احرار بلند مرتبت" (hiber homo) سمجھے جانے لگے ہم
ان کو اکثر "عام احرار" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ ایسا طبقہ تھا جو دو طبقوں
کے بیچ میں تھا، اوپر امراء اور نیچے کلی یا جزی غیر آزاد لوگ۔ طبقۂ امراء کی طرح
یہ بھی مختلف ناموں سے مثلاً (Ceorl Villaanus. Sokeman) سے موسوم
ہوتے تھے جن کے معنوں کو ملک کے مختلف اقطاع اور مختلف اوقات میں
ایک نیا رنگ چڑھایا گیا۔ تاریخ کے قدیم دور میں اس طبقے کی ملک میں کثیر تعداد تھی
اور یہ رعایائے ملک کا بڑا حصہ تھا اور یہ ایک نوعی طبقہ تھا جس سے دیگر طبقوں
کی حیثیت اور قانونی قدر کا زردیت اور حلف کی شکل میں اندازہ لگایا جاتا تھا۔
اس طبقے کے اراکین کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ مواضعات میں بود و باش
کرتے تھے اور وہاں سے اپنی اراضی پر جو آس پاس کے میدانوں میں
بکھری ہوئی تھیں کھیت باڑی کرنے کے لئے باہر جاتے تھے۔ ان میں بعض مواضعات
ایسے تھے جو سنہ ۱۰۶۶ء تک آزاد تھے اور اپنے معاملات کو اپنی دیہی مجلسوں
(Tun. mote) میں خود طے کر لیتے تھے۔ لیکن اکثر مواضعات کسی نہ کسی رئیس
کے زیر حکومت آگئے اور اس کے ماتحت ہوگئے۔ بالعموم کامل حر کی جو امیب
نہیں سمجھا جاتا تھا مقبوضہ زمین ایک ہائیڈ (hide) یعنی اوسطاً ۱۲۰ ایکڑ ہوتی
تھی اور اس کے ساتھ مویشی اور آلات تھے جو اس قدر زمین کے لوازم تھے۔
لیکن احرار کی مقبوضہ اراضی کی مقدار بہت کچھ تغیر پذیر تھی اور یہ بات مسلمہ تھی
کہ ایک عام حر جو پانچ ہائیڈ زمین کا مالک ہو وہ امراء کے طبقے میں داخل ہو سکتا ہے۔
احرار از روئے قانون ہنڈ تھنگ میں داخل کئے جاتے تھے۔ عدالت ضلع اور
تعلقے کی مقامی حکومت کے باضابطہ انصرام اور مملکت کی فوج کا اہم پردار
تھا۔ اگرچہ یہ لوگ اس نظام زراعت کی تنظیم میں جو مینر کے نام سے
سیکسنی دور میں قائم ہو رہی تھی کثیر تعداد میں شامل ہو رہے تھے مگر یہ نظام
صرف معاشی خصوصیت رکھتا تھا اور اکثر و بیشتر مثالوں میں اس نے احرار
کی قانونی حیثیت پر کوئی ضرب نہیں لگائی۔ تاہم اگر تمام سیکسنی زمانے کو ایک ساتھ

لیا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ بحیثیت مجموعی معاشی۔ معاشرتی۔ اور سیاسی اعتبار سے اس طبقے کی اہمیت کم ہوتی جا رہی تھی اور یہ طبقہ آہستہ آہستہ نابود ہو رہا تھا۔ قدیم قوانین میں اس کی جو تصویر کھینچی گئی ہے اس کا مقابلہ کرتے ہوئے نارمنی فتح کے وقت کی مملکت میں اس کی بہت کم اہمیت دکھائی دیتی ہے۔ تاہم طبقے کی حیثیت میں یہ بالکل معدوم نہیں تھا اور کتاب بند وبست کے زمانے تک بھی یہ علانیہ باقی رہا اور اگر زیادہ تعداد میں نہیں تو معدودے چند اراضی اس طبقہ کے قبضے میں رہ گئی تھیں جو کسی رئیس اعلےٰ کے دست نگر نہیں ہوئیں۔

غلام زرعی غلام۔ جب ہم ان لوگوں کی طرف توجہ کرتے ہیں جو پورے طور پر آزاد نہیں تھے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ ذرا زیادہ دشوار ہے اور یہاں حقوق اور مراتب کے بے شمار مدارج ہیں[1]۔ جب ہم نیچے سے چل کر پہلے غلام کو لیتے ہیں تو اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ سکسنوں میں اس طبقے کی اصطلاحی تعریف یہ تھی کہ اس کے کوئی حقوق نہیں بلکہ وہ اشیاء اور مویشی کا حکم رکھتے ہیں اور جائداد ذخیرے کا ایک جز ہوتے ہیں جن کو ان کا آقا فروخت کر سکتا ہے۔ یہ بیرونی بردہ فروشی اور غلاموں کی برآمد کا سلسلہ فتح کے کچھ عرصے بعد مسدود ہوا لیکن سکسن دور میں خانگی غلاموں کی بھرتی بند نہیں ہوئی۔ خود سکسن قبیلوں کی باہمی جنگوں میں گرفتاریاں اور معاشی افلاس نے اس طبقے کو بڑھایا تھا۔ دوسری طرف یہ صاف ظاہر ہے کہ ادارۂ غلامی کی فراوانی کے خلاف عام رجحان نے جو یہاں عمل کیا اس کی رفتار براعظم کے مقابلے میں بہت سست تھی۔ کلیسا کی تعلیم تھی کہ غلام آزاد کرنا ثواب کا کام ہے اور اس بات پر زور دیا جاتا تھا کہ غلام کی اکتسابی جائداد اور اس کے خاندان کی قانونی حیثیت کے متعلق اس کا حق تسلیم کر لینا چاہئے۔ لیکن دوسرے مقامات کی طرح انگلستان میں غالباً کچھ معاشی اسباب تھے جن کے باعث غلامی کی سختی سے مخالفت ہونے لگی۔ مالک نے دیکھا کہ غلام کا زیادہ مطلب صرف یہ ہے کہ اس کو ایک جھونپڑا اور ایک قطعۂ زمین دیدیا جائے جہاں وہ اپنے آقا کے مفروضہ کام کرنے کے بعد بچے کھچے وقت اپنے لئے کاشت کرے۔

---

[1] شیمنی حسب بالا، ۷۹، ۳ - ۷۲ ، اسٹبز حسب بالا، ۸۹

شروع شروع میں تو واقعاً اور زمانۂ وسطیٰ کے اختتام تک انگلستان کے طریق پر غلام کی حاصل کی ہوئی زمین، مکان، اور مویشی اس کی ملک نہیں بلکہ اس کے آقا کی ملک سمجھی جاتی تھی۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ انسدادِ غلامی کے سلسلے میں یہ پہلا قدم تھا، یعنے غلام ایک زرعی غلام کی صورت میں مبدل ہو گیا کیونکہ اس کو مستقل طور پر ایک مکان اور قطعۂ زمین پر متمکن ہونے کی اجازت مل گئی۔ مالک اور دوسرے لوگ ان چیزوں کو قطعی اسی کی ملک سمجھنے لگے۔ یہ چیزیں غلام کی اولاد کو منتقل ہونے لگیں۔ اور بہت جلد عدالتہائے بیٹھنر نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ جب تک رئیس جاگیردار کے مقابلے میں وہ خدمتیں انجام پاتی رہیں جواز روئے رواج شرطِ قبضۂ زمین قرار پانے لگی تھیں یہ اشیاء ضبط نہیں کی جا سکتیں، اور بہت دن نہیں گزرے کہ جس طرح عدالتِ صوبہ و تعلقہ اراضی معافی کے ورثا کے باہمی نزاعات کا فیصلہ کرتی تھی اسی طرح عدالتِ بیٹھنر بھی ان ماتحتانہ مقبوضاتِ اراضی کی وراثت کے متعلق ورثا کے باہمی نزاعات کو اپنی طرف رجوع کرنے لگی، اور انتقالِ جائداد کے حق کی تصدیق عدالت کی تحریروں سے لازمی ہو گئی۔ اپنے محدود حلقے میں یہ رواج گویا قانون بن گیا یعنے قانونِ رواجی اور قانونِ بیٹھنر ہو گیا اور اس قانون کے تحت مرورِ زمانے کے ساتھ غلام کو ایسے حقوق مل گئے جن کی وہ خود حفاظت کرنے کا اہل تھا۔ دوسرے الفاظ میں غلام ایک زرعی غلام بن گیا۔

زرعی غلام ۔ زرعی غلام اور معمولی غلام میں اصطلاحی فرق یہ ہے کہ زرعی غلام کو ایک کامل حُر کے جملہ حقوق تو نہیں مگر چند حقوق ضرور حاصل تھے۔ زمانۂ وسطیٰ کی زرعی غلامی ایک بیچ کا درجہ ہے جہاں سے زمانۂ قدیم کی غلامانہ خدمت گزاری دورِ جدید کی آزادانہ خدمت گزاری میں مبدل ہو گئی۔ دوسرے الفاظ میں یہ ایک انقلابی منزل ہے جس کی بہ حیثیت مجموعی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں اس وقت غلام اور کامل حر کے درمیان ہر ایسی درمیانی شکل موجود تھی جس کا تعین ہو سکتا ہے واقعہ یہ ہے کہ وقتِ واحد اور ایک ہی بیٹھنر میں حق اور معاشی مفاد کے بہت سے مدارج ملے جلے موجود تھے۔ تاریخی دور کی کامل شہادتوں کے

حاصل ہونے تک انگلستان کے اس نیم آزاد طبقے کے متعلق اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں اور نہ اس سے زیادہ کہا جا سکتا ہے قانون عامہ میں زرعی غلام کے ساتھ ایک حد تک انسان کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔ اس کو ایک مختصر زر دیت حاصل تھا۔ مالک کے جسمانی تشدد اور بدسلوکی کا دروازہ بند تھا۔ اس کا حق ازدواج تسلیم کر لیا گیا تھا، اور عدالت فوجداری کے سامنے اس کی ذمہ داری براہ راست یا بہ وساطت آقا مسلم تھی لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان لوگوں میں جو پہلے کاشتکار تھے پے در پے معاشی زوال آنے کی وجہ سے تمام سیکسنی دور میں زرعی غلاموں کے لیے میں برابر اضافہ ہوتا رہا ان لوگوں کے ساتھ صرف چند حقوق وابستہ تھے جو برابر محفوظ رہے بلکہ ان کے زوال سے ان دونوں طبقوں کا درمیانی فرق مٹ گیا جو نیچے سے ترقی کر رہے تھے اور وہ جو برابر آزاد رہے۔

زمینداری کے اقسام - سیکسنوں میں زمینداری کی اشکال میں اتنا تنوع نہیں تھا جتنا ان کی تقسیم رجال میں تھا اگرچہ یہ شکلیں قریب قریب شخصی مدارج کے ساتھ ساتھ چلتی تھیں۔ قبضۂ اراضی کی دو بڑی شاخیں تھیں، آزاد و غیر آزاد۔ لیکن اس دوران میں ان قبضہ جات اور شخصی مراتب میں اکثر تغیرات ہوتے رہے ہیں۔ خواہ وہ سیکسن ہوں یا فرانک، ایک نہیں کئی جرمن قبائل کے معاشی اور قانونی ادارات میں ایسی علامتیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رومن صوبوں میں آباد ہونے کے وقت ان لوگوں کو زراعتی زینے پر ترقی کئے ہوئے کچھ زیادہ پشتیں نہیں گزری تھیں۔ ان دیہاتوں کے ساتھ ساتھ جو کسی رئیس کی جاگیر میں شامل تھے اور اس کے تابع تھے ایسے آزاد دیہات بھی موجود تھے جن میں قومی مشترکہ ملک اور اور متحدہ کاشتکاری پائی جاتی تھی۔ کم از کم انگلستان میں تو ایسے قومی دیہات نارمنی فتح کے بعد تک قائم رہے ہیں۔ ان میں جو زراعتی تنظیم موجود تھی وہ آئندہ نظام جاگیر کی عمارت کے لئے ایک بہت ہی مناسب بنیاد ثابت ہوئی ہر گاؤں کی مزروعہ زمین دو یا تین بڑے بڑے کھیتوں میں بٹی ہوئی تھی۔ اور ہر کھیت پر ہر سال ایک ہی طریقے سے کاشت ہوتی تھی۔ انفرادی کاشت

کے لئے ان کھیتوں کے قطعے کر دئے گئے تھے اور گاؤں کا ہر خاندان ان قطعوں کے ایک معین مجموعے پر قابض تھا۔ خاندان کے مقبوضات مقابلۃً چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تمام کھیت میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور ان کا تصرف اور استفادہ اس بڑے کھیت کے مشترکہ قواعد کے تابع تھا جس میں یہ ٹکڑے واقع تھے اور ان کی توریث اور انتقال دیہہ کے رواج کا پابند تھا۔ مزروعہ زمین کے علاوہ دیہات میں وسیع شاملاتی چراگاہیں اور جنگل تھے جو اس زمانے میں لوگوں کے لئے بیحد کارآمد تھے۔ ان چیزوں میں ہر باشندہ کا حق اس کی مزروعہ زمین کی مقدار کے تناسب سے مقرر تھا۔

اب ایک شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ پُرآشوب زمانے میں اس گروہ کا ایک امیر مقتدر کی پناہ میں چلے جانے کے لئے مجبور ہونا کیا دشوار تھا اور نیز جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ان رقوم اور خدمتوں کے متعلق جو اس حفاظت کے عوض میں عطا ہوتی تھیں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ وہ شہرائط قبضۂ اراضی کے لوازم ہیں، چنانچہ جو زمین اصل میں آزاد تھی وہ رفتہ رفتہ تابع اور غلامانہ بن گئی۔ یہ بات بھی یقینی معلوم ہوتی ہے کہ انگلستان کے چند اقطاع میں مثلاً مغرب اور غالباً دیگر مقامات میں، ایسی آبادیاں بن گئیں جو شروع ہی سے ایک رئیس کے تابع اور غیر آزاد کاشتکاروں کا مجموعہ تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان آبادیوں کی طرف برابر عرصے تک میلان جاری رہا اور اگر اس میں کوئی رکاوٹ پیدا ہوئی تو ڈینوں کے جدید ٹیوٹانی آبادکاری کی وجہ سے شمال میں ہوئی اور اس کے ذریعے سے گویا ابتدائی حالات لوٹ آئے نتیجہ یہ ہوا کہ جس وقت نارمن حکمراں بنے جاگیرداری کا ہر طرف سکہ رواں ہو گیا تھا۔ آزاد دیہہ ایک غیر معمولی شاذونادر بات ہو گئی لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نظام خواہ وہ جاگیر خواہ قانونی ملت یا ایک زراعتی تنظیم سمجھا جائے اس قدر پختگی کے ساتھ مکمل اور ملک پر اس قدر غالب نہیں ہوا جس قدر فتح کے بعد ہوا۔

اگر حکومت کی طرح ہم اوپر سے نظر ڈالیں (بالشر طیکہ اس وقت کی حکومت اس موضوع کو عام قانون عامہ کا جزو سمجھتی ہو) تو انگلستان کی قبضۂ اراضی دو میں سے کسی ایک حق کی بناء پر قائم تھا۔ یا وہ قبائلی زمین ہو گی یا سندی۔ قبائلی زمین کا

قبضہ کسی تحریری سند یا با ضابطہ شہادت کی بنا پر نہیں بلکہ بستی کے قانونِ رواج
یعنے قبائلی قانون یا قبائلی حق کی بنا پر تھا۔ اس قبضے کی شہادت صرف لوگوں کا حافظہ
اور علم تھا اور اس کے حق کے متعلق جو نزاعات پیدا ہوتے تھے وہ صوبے اور تعلقے کی
مقامی عدالتہائے ملت میں طے ہوتے تھے۔ اگرچہ یہ ایک صاحب خاندان کی
مقررہ ملک سمجھے جانے لگے تھے مگر اس کے باوجود ان میں ابتدائی قومی ملک کی
شان باقی رہ گئی تھی۔ ان زمینوں کا ترکہ بذریعۂ وصیت نامہ نہیں ہو سکتا تھا بلکہ
اس کی توریث رواج کے مطابق عمل میں آتی تھی اور یہ اراضی متعلقۂ قبیلہ کی منظوری
کے بغیر منتقل نہیں ہو سکتی تھی علاوہ اس زمین کے جو ایسی ہو، جس کو کسی نے اپنی زندگی میں
میں اکتساب کیا ہو یا اس کا موروثی حصہ ہو، ایسے اضافے کا تصفیہ ایک شخص اپنی
خواہش کے مطابق کرسکتا تھا۔

اس کے برخلاف سندی زمین اسے کہتے تھے جس کا قبضہ ایک تحریری حق یعنے
دستاویز اراضی یا فرمان کی بنا پر تھا اس کو قابض اپنی خواہش کے مطابق نہ منتقل کرسکتا تھا
نہ بذریعۂ وصیت اپنے ورثا کو ترکہ کرسکتا تھا۔ ایسی زمین پر پادشاہ کی عطا سے اور
مجلس عقلا کی منظوری سے قبضہ ہوتا تھا اور فرمان شاہی میں اس کا اندراج ہوتا تھا۔
مجلس عقلا کی منظوری اسی نوع کی تھی جیسے قبائلی زمین کے انتقال میں مقامی ملت
کی منظوری۔ اس قسم کی عطا سے بے شمار جائدادیں اراضی کلیساؤں اور خانقاہوں
کو اکثر اور امرا کو بعض اوقات دی گئیں۔ ان زمینوں کے دئے جانے کے وقت
انھیں سوائے "واجبات ثلاثہ" (**Trinoda Necessitas**) کے اکثر
ملکی ذمہ داریوں سے آزاد کر دیا گیا زمیندار کو مقامی جاگیردارانہ اقتدار اور اختیارات
دے دئے گئے۔ ہمارے پاس اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ بعض مرتبہ قابض اراضی
کو ایسی زمین بھی دی گئی جو قبائلی زمین کے طور پر خود اسی کی تھی، مگر اس عطا کی غرض
یہ تھی کہ وہ زمین کے منتقل کرنے اور وصیت کرنے کا مختار ہو جائے۔ قابض کے
لاولد فوت ہو جانے کی صورت میں ایسی مقبوضہ زمین پادشاہ کو واپس مل جاتی تھی سندی زمین
کے متعلق صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ شکل قبائلی زمین کے مقابلے میں بہت بعد کو پیدا ہوئی
جس کو سیکسنوں نے اپنے ابتدائی آبادکاری کے بعد اسی طرح سیکھا تھا جس طرح

تحریری سند کے لئے فنشور کا طریقہ سیکھا۔

ان دونوں قسموں میں کسی زمین پر جو شخص قابض ہوتا تھا وہ ایک محدود میعاد کے لئے دوسرے شخص کو منتقل کر سکتا تھا اور انتقال ایک دستاویز کے ذریعہ ہوتا کہ کن مقررہ شرائط کے مطابق قبضہ رکھا جائے اور کس وقت معطی کو واپس کی جائے۔ قبضہ کی میعاد اکثر تین پشت ہوتی تھی یعنے یکے بعد دیگرے تین آدمی قابض رہتے تھے ایسی زمین کو زمین مستعار (Laen land) کہتے تھے۔ اس کا تعلق چونکہ مملکت اور قبیلے سے تھا اس لئے یہ ایک طرح کا قرضہ تھا اور ملک کی شکل میں مبدل نہیں ہو سکتا تھا۔ معطی ہر حالت میں مالک تھا۔ چنانچہ سکسنی نظم و نسق میں زمین کے ساتھ جو فرائض وابستہ تھے ان کے متعلق قابض جدید مملکت کے سامنے نہیں بلکہ صرف معطی کے سامنے ذمہ وار تھا کیونکہ اس حالت میں مملکت معطی کو ہی ذمہ دار مالک سمجھتی تھی۔ چونکہ منجملہ ان فرائض کے ایک فوجی خدمت بھی تھی اس لئے جدید انتظام نے ایسا تعلق پیدا کر دیا جو بظاہر عطیۂ خدمت فوجی کے مماثل ہو گیا۔ بلکہ بعض اوقات تو یہ تعلق جاگیری ہی سمجھا جانے لگا۔ لیکن مماثلت بہت بعید ہے اور بہت کچھ کھینچ تان کا نتیجہ ہے کیونکہ سکسن معطی لہ کا قبضہ کسی خدمت کے لئے نہیں تھا بلکہ صرف وہ ذمہ داریاں اس پر عائد ہو جاتی تھیں جو پہلے سے زمین سے متعلق ہوتی تھیں اور اس جدید تعلق سے چاہے قبائلی زمین ہو یا سندی اس میں اور دیگر زمینوں میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ صورت بالکل ایسی تھی جیسے زمانہ جاگیری میں جاگیری پٹہ داری کا حال تھا جس میں مستاجر زمین کے متعلقہ فرائض (Forinsec Service) یعنی ان فرائض کا ذمہ دار تھا جو اس کے قریب تر رئیس کے اوپر اور اس کے علاوہ پادشاہ کو واجب الادا تھے۔ لیکن اس طریقے سے وہ جاگیری مستاجر نہیں بن جاتا تھا۔

نظام جاگیری۔ اس بات پر غور کرنے کے لئے کہ آیا انگلستان میں نارمن فتح سے پہلے نظام جاگیری کا وجود تھا پہلے ہمیں اس بات کا تعین کرنا چاہئے کہ لفظ جاگیری کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ معمولی استعمال میں تو یہ اصطلاح بالعموم غیر معین اور مبہم معنوں میں استعمال ہوتی ہے جس میں تمام قسم کے حکمرانہ تعلقات خواہ معاشی ہوں یا سیاسی شامل کر لئے جاتے تھے اور اس کا خیال نہیں کیا جاتا تھا کہ

واقعی ان کی نوعیت کیا ہوگی اگر ہم اس لفظ کو اسی مفہوم میں استعمال کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ چند کیفیات کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے جاگیری کہے جا سکتے ہیں، لیکن ادارات کا ایک طالب علم اس مبہم اور عام مفہوم سے مطمئن نہیں ہو سکتا ایسے طالب علم کو تو اختلافات دیکھنے چاہئیں اور اداروں کی مقررہ خصوصیت متعین کرنی چاہئے ورنہ اس کا علم بیکار ہوگا اور بہت سی چیزوں کے سمجھنے میں دقت ہوگی یہ سب سے پہلے لفظ "نظام" کا استعمال غور طلب ہے اگر اس لفظ کے ساتھ "باقاعدہ" کا مفہوم شامل کیا جائے تو یہ استعمال غلط ہوگا کیونکہ جاگیریت کی فروعات میں نہ صرف مختلف ممالک بلکہ ایک ہی ملک کے مختلف اقطاع میں بہت کچھ تنوع پایا جاتا ہے جاگیریت نے صرف اس قدر کام کیا کہ جو تعلقات اس سے وابستہ تھے ان کو اول سے لے کر آخر تک باہم منسلک کر کے ایک عضویاتی مجموعے کی شکل بنا دیا اور اسی مفہوم میں ہم اسے نظام کہہ سکتے ہیں۔

سیاسی جاگیریت - یہ دیکھنے کے لئے کہ جاگیریت میں تعلقات اور اغراض کے دو مختلف النوع مجموعے تھے مغربی یورپ کی جاگیریت کا ایک تھوڑا سا مطالعہ کافی ہے کہ گیارھویں اور بارھویں صدی میں اس کی کیا حالت تھی۔ ایک طرف ہم کو ایسی جاگیریت ملتی ہے جس میں روسائے جاگیردار و خوانین مبارزین و وابستگان دربار و قلعے اور شہر طلب ہوتی تھیں۔ اس خاص جاگیریت کا اصل مقصد کچھ فروسیت ہی نہیں تھا۔ بلکہ اس فروسیت کے کمال پر پہنچنے تک تو اس جاگیریت کا خاتمہ ہی ہو چکا تھا کہ اس کا اصل کام یہ تھا کہ اس زمانے میں جب کہ خیالات کی عدم مطابقت اور ذرائع رسل و رسائل کے فقدان کی وجہ سے ایک وسیع مملکت میں مجموعی حکومت کا قیام ناممکن تھا یہ معاشرے میں ایک حد تک سیاسی عضویت پیدا کر دے جاگیریت کا یہ پہلو خاص تر سیاسی تھا۔ اپنی جاگیر کی طرف سے جو خدمتیں ایک ماتحت اپنے رئیس کے لئے بجالاتا تھا وہ سب سیاسی ہوتی تھیں۔ ان خدمتوں کے ذریعے سے فوج جمع کی جاتی اور عدالت مجلس مشورہ اور مقننہ ترتیب دی جاتی تھیں چونکہ مدافعت اس زمانے میں بڑی ضروری چیز تھی اس لئے اس نوع جاگیریت کی شان نمایاں طور پر فوجی تھی لیکن اس کا کام صرف یہی نہیں تھا کہ مدافعت کا سامان کرے۔ ہر ایک بیرن حکومت کا ایک مستعد کارندہ بھی تھا جس سے حکومت کے تمام کام لئے جاتے تھے۔ حکام نظم و نسق اور جس وقت مرکزی حکومت کی ازسرنو تشکیل ہوئی ہے عادل اور

بڑے عہدہ داران شاہی اسی طبقے سے مقرر کئے جانے لگے۔ اس زمانے میں جب کہ مرکزی حکومت کا وجود صرف برائے نام تھا جاگیریت نے بڑی خدمت کی۔ صرف بیرونی ہی کے وجود سے امن قائم تھا اور قانون کا نفاذ ہوتا تھا اور ان لوگوں کی وفاشعاری زینہ بہ زینہ یعنے ہر ماتحت کی اس کے رئیس کے ساتھ اور رئیس اعلےٰ کی بادشاہ کے ساتھ ایک ایسا سلسلہ تھا جس نے آنے والے بہترین زمانے کے لئے مملکت کا ایک تصور اور مملکت کا ایک آئینی وجود زندہ چھوڑ دیا۔ جاگیریت کی یہ قسم رومن اداروں کے وجود سے اس وقت پیدا ہوئی جب کہ شہنشاہیت کا شیرازہ بکھر رہا تھا۔ اس کی ترقی بہت آہستہ اور تدریجی ہوئی اور نویں صدی کے اختتام کے قریب ہم کہہ سکتے ہیں کہ درحقیقت اس وقت جاگیریت نظام سیاسی کے جامے میں صورت گیر ہوئی اور یہ بالکلیہ پختہ ہوئی تو دسویں صدی میں جاکر ہوئی۔ مغربی یورپ کے بڑے جاگیری دور گیارھویں اور بارھویں صدی کے زمانے میں تھے۔ تیرھویں صدی میں یہ جلد جلد زائل ہونے لگی اور چودھویں صدی میں تو اس کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔ آیندہ زمانے کے لئے جو اس نے معاشری ورثہ چھوڑا ہے وہ دورِ جدید کا نظام نسلیت ہے

دوسری طرف یہ ہوا کہ جس زمانے میں یہ سیاسی عضویت معاشرے پر مسلط ہونے لگی تھی اس کے قیام کے لئے زراعتی عضویت کی ایسی پختہ بنیاد ڈل گئی جو خود اسی کی طرح اسی زمانے میں اور انہیں اسباب کے زیر اثر گونئے اور جداگانہ عناصر اور ادارات میں سے مشتق ہوئی تھی۔ یہ ملیر کی عضویت تھی جس کا اوپر ذکر آچکا ہے کہ اس کو دیہی آبادی اور اس کی اراضی پر قائم ہونے کے لئے کوئی دقت نہ تھی اور آگے چل کر اس پر اس سے زیادہ تفصیل سے بحث ہوگی۔ اس عضویت کے بہت سے ظاہری رخ بظاہر سیاسی جاگیریت کے بہت کچھ لگ بھگ نظر آتے ہیں یعنے اس نے بھی کثیر محکومانہ حقوقِ اراضی پیدا کئے اور رئیس کے ماتحت بہت سے اشخاص پیدا کر دئے اور ایک رئیس کے خانگی اختیارات کو غیر آزاد متاجروں پر جاری کیا اور کبھی کبھی چند آزاد افراد بھی ان اختیارات کے تحت آگئے۔ لیکن دونوں کے اداراتی خصوصیات اور اغراض کو دیکھو تو بالکل مختلف تھے۔ اس زمانے میں سرمائے کو لگانے کی کوئی خاص شکل ممکن تھی تو صرف زراعت تھی اور کاروبار کی تقریباً یہی ایک

شکل باقی رہ گئی تھی، چنانچہ زمانۂ جاگیرداری میں اگر معاشرہ زندہ تھا تو صرف
کاشتکاروں کے دم سے تھا۔ بیرن کو اپنی جاگیر کی طرف سے سیاسی خدمتوں کی شکل میں
مملکت کو گویا ایک لگان ادا کرنا پڑتا تھا۔ وہ اپنے جاگیری مینروں کے معاشی محاصل
سے آمدنی حاصل کر کے یہ خدمتیں بجا لاتا اور اپنے رتبے کو قائم رکھتا تھا۔ اسی طریقے سے
پادشاہ قائد مملکت کی حیثیت سے اپنی خاص آمدنی اپنے جاگیری مینروں سے وصول
کرتا تھا۔

دورِ مابعد کی رومن شہنشاہیت کے دیگر اداروں کے ساتھ جو ایک دوسرے
سے متبائن تھے جاگیریت کی یہ دونوں شقیں بھی نہ صرف اپنی اصل میں مختلف تھیں بلکہ
جب تک یہ دونوں ساتھ ساتھ موجود رہیں ان کے اداروں اور قانون میں بھی بین فرق رہا۔
زمانۂ جاگیری میں بھی کبھی خلط ملط نہیں ہوئے۔ اس زمانے میں فوجی اور معاشی عطیات اراضی
یعنے امیرانہ عطیات اور محکومانہ مقبوضات ایک دوسرے سے بالکل الگ رہے۔
ایک قطعۂ زمین پر وقتِ واحد میں دو مختلف اشخاص دونوں قسم کی حقیتوں کے ساتھ
قابض رہتے تھے۔ مینر ایک فوجی جاگیر تھا جس پر بیرن منجانب پادشاہ قابض ہوتا تھا
اور یہ ان خدمتوں کے لئے تھی جو بیرن کو بہ حیثیت ایک نائٹ کے اپنی طرف سے
ادا کرنی پڑتی تھیں ساتھ ہی اسی مینر کے ایک بڑے حصہ پر محکوم اور آزاد مستاجرین قابض تھے۔
یہ اپنے عطیاتِ اراضی کے عوض میں محنت کرتے تھے اور اس محنت سے پیدا کرنے کی کاشت
ہوتی اور آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ لیکن دونوں عطیاتِ اراضی میں علانیہ فرق تھا۔ دونوں
اپنے الگ الگ قواعد و قانون کے پابند تھے جن کا نفاذ ان کی جداگانہ عدالتوں میں
ہوتا تھا۔ جس طرح جاگیریت کی یہ دونوں شقیں اپنی اصل میں مختلف تھیں اور اپنی تاریخ
کے ایک بڑے دور میں الگ الگ رہیں اسی طرح ان کا آخری انصرام بھی بالکل
مختلف ہی ہوا۔ سیاسی جاگیریت تو تیرھویں صدی کے وسط سے غائب ہونے لگی تھی
کیونکہ مملکت کو امورِ سلطنت کے انصرام کے اس سے بہتر طریقے معلوم ہونے لگے تھے، اور
چودھویں صدی تک تو اس کا نام و نشان نہیں رہا۔ برخلاف اس کے زراعتی انتظام
کے اچھے طریقے بہت دیر میں معلوم ہوئے اس لئے یہ نظامِ مینر مع اپنے قانون اور
عدالت کے قریب دو سو سال تک جاری رہا یہاں تک کہ سترھویں صدی میں چند امرکانی

نوآبادیوں میں بھی اس کی نقل اتاری گئی۔ چنانچہ اس وقت ہمارے پاس مستعمراتی عدالت مینر کے مطبوعہ کاغذات موجود ہیں۔

نظام مینر۔ انگلستان کے سیکسن دور میں زمین کی کاشت اور غلامانہ کاشتکاری کے انتظامات جن کا اوپر ذکر آگیا ہے معاشی جاگیریت کے بالکل مشابہ تھے اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ نظام جاگیری کی یہ شق نارمن فتح سے پہلے انگلستان میں جاگزیں ہوگئی تھی۔ وہ حالات جو تمام رومن شہنشاہیت میں اس کی ترقی کے موافق ثابت ہوئے نیز وہ ادارے جن سے یہ شق پیدا ہوئی ہے برطانیہ میں بھی موجود تھے۔ غالباً یہ صحیح ہے کہ مینر اپنے مکمل دستور کے ساتھ عام طور پر نہیں پایا جاتا تھا اور اس نام کا تو یقینی پتہ نہیں تھا۔ لیکن اس نظام کا جس قدر حصہ بھی موجود تھا اس کو مکمل نظام سے تمیز کرنا ذرا مشکل ہی ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس تنظیم مینر کی تکمیل میں صرف تھوڑی سی کسر باقی تھی اور درحقیقت کسی اداراتی تغیر کی ضرورت نہ تھی۔ مینر والے خانگی اختیارات پوری طور پر ترقی پاچکے تھے اور ان سے مقامی عمومی عدالتوں کے حدود اختیارات اس قدر مغلوب ہوگئے تھے یا ان سے ملحق ہوگئے تھے کہ نارمنوں کو ان کے متعلق اپنی طرف سے کچھ کرنا نہیں تھا کہ ان کی ترقی مسدود کی جائے۔

برخلاف اس کے انگلستان میں سیاسی جاگیریت کا وجود نہیں تھا۔ دوسرے الفاظ میں یہ نہیں تھا کہ شہریوں کے عام فرائض یعنے ان کی فوجی عدالتی اور مقننانہ خدمتیں ان خانگی ذمہ داریوں میں مبدل ہوگئی ہوں جن کا ایک شہری دوسرے شخص کے مقابلے میں پابند ہو اور اس کی عطیہ زمین کی طرف سے اپنے شخصی تعلق کی بنا پر ذمہ داریاں پوری کرتا ہو۔ البتہ اس کے ابتدائی اور متفرق اجزا پائے جاتے ہیں جن سے جاگیریت کا شاید نشو و نما ہوا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہی ندما کا ذاتی تعلق جس کا اوپر ذکر آچکا ہے سیکسن مملکت میں بہت دیر تک قایم رہا اور یہ لوگ حسب قاعدہ ایسی زمینوں پر قابض تھے جن کے ساتھ چند خاص ذمہ داریاں وابستہ تھیں یعنے بادشاہ کی خدمت کریں اور اس کے وفادار رہیں۔ جو ارذات اور جوار اراضی کے طریق میں خاطر خواہ ترقی ہوچکی تھی اور اس طریقے سے بہت سے آزاد لوگ اور آزاد اراضی غلامانہ تعلق میں آگئے تھے۔ بعض صورتوں میں یہ لوگ اپنے رئیس کے مقابلے میں ایسا

حلف لیتے تھے جو قریب قریب حلف وابستگان کے لگ بھگ ہوتی تھی۔ یہ تعلق بعض دفعہ "وابستگی" (Vassalage) کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا اس پر کچھ اعتراض بھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ ہمعصر فرنگی سلطنت میں قریب قریب اسی قسم کے تعلقات کے لئے جو یہاں کی طرح ابھی ناقص تھے بالکل یہی اصطلاح استعمال ہوتی تھی۔ لیکن اس اصطلاح سے اس ادارے کا مفہوم نہیں لینا چاہیئے جو بعد کو پیدا ہوا۔ سیاسی جاگیریت پیدا ہوئی تو صرف دو چیزوں کے ملنے سے ہوئی۔ ایک ذاتی وابستگی دوسرے مشروط الخدمت جاگیر۔ جس وقت ایک وابستہ کو وابستہ سمجھکر جاگیر دی گئی اور جاگیر دینے کی وجہ سے وہ فوجی اور دیگر خدمتوں کا ذمہ دار سمجھا گیا تو اس وقت سمجھنا چاہیئے کہ مغربی یورپ کا نظام جاگیری عالم وجود میں آگیا۔ اگرچہ یہ بعید از قیاس ہے مگر ایک شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ سیکسن انگلستان میں اس مرکب نتیجہ کا صرف ایک جزو ترکیبی ترقی پا چکا تھا مگر اس بات کا ثبوت نہیں کہ آیا اس زمانے میں اس کے دونوں اجزائے ترکیبی باہم مل گئے تھے۔ لیکن ایسی جاگیر جو وابستگان کے انعام کے طور پر تصور کی جائے اور جس کے ساتھ ایسی خاص وفاداری و خدمت گزاری مشروط ہو جو قبضۂ زمین کی حقیت قرار پائے نارمنی فتح ہی کے ساتھ انگلستان میں آئی۔

امورِ مملکت کے انصرام کے لئے جو ذرائع اور ضابطے سیکسن حکومت کو حاصل تھے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خصوص میں یہ حکومت اس قبیلہ واری مملکت سے کچھ زیادہ بہتر نہیں تھی جو ابتدائی توطن کے بعد پہلے پہل انگلستان میں پیدا ہوئی۔ اب تک تصور یہ تھا کہ فوجی خدمت مع مصارفِ ضروری ہر آزاد رکنِ ملت پر واجب ہے اور اس کی عدم تعمیل پر ایک بڑا جرمانہ مقرر تھا جو "جرمانۂ فوجی خدمت" (Fyrd wite) کہلاتا تھا لیکن واقعاً آزاد اشخاص کے اراضی پر قابض ہو جانے اور مملکت کے وسیع ہونے سے تقریباً اسی قسم کے مسائل پیدا ہو گئے تھے جیسے اس سے بڑی فرانکی سلطنت کے کیرولنجی حکمرانوں کے لئے دشواری سے خالی نہ ثابت ہوتے تھے اور تقریباً اسی طریقے سے ان کو حل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ چونکہ جاگیری علاقہ جات کے پھیلنے سے بہت سے آزاد لوگ محکومانہ تعلق میں داخل ہو گئے تھے اور زمانۂ گرما کی مہمات کا ان لوگوں پر جو اب بالکل زراعت پیشہ ہو گئے تھے خاطر خواہ بار پڑنے لگا تھا اس لئے آزادوں کی

فوجی بھرتی اب بہت کم قابلِ اعتماد تھی اور اس کی تعمیل بھی مشکل سے خالی نہ تھی۔ بعد کے
سیکسن دور میں میلان اس طرف ہو گیا تھا کہ خدمت گزاریوں کا تمام بار زمین پر ڈالا جائے
اور مالکِ زمین کو اس کی جائداد کے تناسب سے ایک خاص خدمت کا ذمہ وار
ٹھیرایا جائے یا تمام اراکینِ سلطنت کو ایک معین رقم کا اس طرح ذمہ وار بنایا جائے کہ
سب مل کر اپنے سپاہیوں کے مختصر مصارف کا بار اٹھائیں لیکن ان تدابیر کو یہاں
ایسا عملی جامہ نہیں پہنایا گیا جیسا فرانس کی سلطنت کے قبل جاگیری زمانے میں کیا گیا تھا۔ اور
تا زمانِ فتح مملکت یہ مسئلہ کہ خاطر خواہ فوجی خدمت کس طرح حاصل کی جائے کبھی حل نہیں ہوا۔

محاصلِ عامہ۔ محاصلِ عامہ کے شعبے میں حکومت کی کل اور بھی ناقص تھی موجودہ
مفہوم کے مطابق اس وقت کوئی باضابطہ محاصل نہیں تھے۔ محصول ڈین جو بظاہر
اجزائے محاصل کے بہت الگ تھلگ ہے دسویں صدی کے آخر میں عائد کیا گیا تھا۔
اس کا اوپر ذکر ہوا ہے کہ اس کی غرض یہ تھی کہ ڈینی حملہ آوروں کا منہ بھر کر ملک سے باہر
کر دیا جائے۔ اڈورڈ تائب کے عہدِ حکومت کو چھوڑ کر گیارھویں صدی میں یہ عمل اکثر
وقفے دیکر جاری رہا اور اس کی شرح فی ہائیڈ زمین دو شلنگ تھی۔ لیکن فتح کے بعد تک
اس میں باضابطہ سالانہ محصولِ جاریہ کی شان نہیں پیدا ہوئی۔ صرفِ خاص کی آمدنی جو دیوانی
آمدنی سے ہنوز ممیز نہیں تھی اس کا ایک بڑا حصہ دو ذرائع سے جمع ہوتا تھا۔ ایک
مداخلِ اراضیِ صرفِ خاص۔ دوسرے صوبے پرگنے اور بلدیوں کی مقامی عدالتوں کے جرمانے
اور ضبطیوں سے جو رقوم حاصل ہوتی تھیں ان میں پادشاہ کا ایک خاص حصہ تھا۔
یہ تو ہم ثابت نہیں کر سکتے کہ محاصل کے یہ دو ذرائع ۱۰۶۶ء سے پہلے یکجا ہو کر شیرف
کی تحصیل جمع بندی میں داخل ہو گئے تھے لیکن کم از کم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ جمع بندی
کے اس طریق میں بہت کچھ ترقی ہو چکی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ یکجائی مقامی حلقوں میں
اور غالباً بعض اوقات اضلاع میں عمل آئی تھی اور جمع بندی کا کام مقامی منتظلین یعنے
غالباً شیرفوں کے سپرد تھا۔ قانونی عدالتوں کے جرمانوں کے علاوہ جو بعد کو شیرف کی
تحصیل میں داخل ہو گئے تھے چند فوجداری جرائم بھی تھے جو بعد کو "استغاثہ جاتِ تاج"
(Pleas of the crown) کہلانے لگے۔ ان کے جرمانے پادشاہ کے لئے مخصوص
تھے اور شیرف کو ان کا علحدہ حساب دینا پڑتا تھا۔ ان جرائم میں سے کم از کم تین ایسے

ہیں جو قدیم سیکسن زمانے سے چلے آتے ہیں یعنے نقض امن شاہی ۔ مداخلت بیجا بہ خانہ اور مداخلت بہ انصاف مثلاً ایک خارج از قانون کو پناہ دینا ۔ ممکن ہے کہ دیگر جرائم بھی اس فہرست میں شامل ہوں جن کا تعلق سب جگہ نہیں تو کم از کم سلطنت کے چند حصوں سے ہو ان جرائم کے تمام جرمانے بالکلیہ بادشاہ کو واجب الادا تھے اور ان میں بھاری بھر کم جرمانے اور کامل ضبطیاں بھی شامل تھیں ۔

ان کے علاوہ دیگر ذرایع آمدنی ایسے بہت نہیں تھے جن کے متعلق ہم یقین کے ساتھ یہ کہہ سکیں کہ یہ سیکسن بادشاہوں کو حاصل تھے اور جو تھے بھی وہ اکثر کلیساؤں کو عطا کئے اور لوگوں کو مرحمت کئے گئے تھے ۔ ان میں مختلف قسم کے محاصل راہداری تھے جو بلدیات ۔ بازارات اور بنادر میں لئے جاتے تھے ۔ منافع ٹکسال تھا جو اس زمانے میں مقابلۃً بہت ترقی یافتہ نہیں تھا ۔ تباہ شدہ جہاز تھے جن پر زمانہ وسطیٰ میں حق حاصل تھا ۔ اور وہ فیس تھی جو خاص شاہی حفاظت ۔ مختلف حقوق اور امتیازات کے عطا کے وقت لی جاتی تھی ۔ چند مصارف کی سلطنت کو بچت بھی تھی کیونکہ یہ اہل ملک کی خدمات اور صرفے سے پورے ہو جاتے تھے ۔ ان میں سے مشہور "واجبات ثلاثہ" (Trimoda Necessitas) ہیں یہ ایک زمین کا محصول تھا کہ قابض اراضی پرپلوں کی مرمت ۔ قلعوں کی حفاظت ۔ و مدافعت ۔ اور جنگ میں شریک ہونے کی ذمہ داری تھی ۔ اس وقت خزانے کا کوئی مستقل انتظام یعنے شیرف کی جمع بندی وصول کرنے اور اس کے حسابات کی تنقیح کرنے کا کوئی طریقہ رائج نہیں ہوا تھا ۔ لیکن ایک رسمی خزانہ داری ضرور تھی جو غالباً بعد کی کیفیت کی بنیاد ثابت ہوئی ۔ خزانے کے چند اصول بھی استعمال کئے جاتے تھے مثلاً سکوں کی قدر فلزاتی کا تعین کیا گیا تھا جس کو تبییض (Blanching) کہتے ہیں ۔

جس وقت سیکسن سلطنت کا خاتمہ ہو گیا مرکزی حکومت کے آئندہ ارتقا کا منظر کچھ امید افزا نہیں تھا ۔ ارل جو مقامی نائب حکومت تھا اس کی طاقت شاہی اقتدار کے علی الرغم پچھلی پشت سے برابر بڑھ رہی تھی ۔ ارلیات کا ایک بڑا حصہ ہیٹ کر گاڈون اور لیوفرک کے رقیب خاندانوں کے ہاتھ میں آ گیا تھا اور اڈورڈ نائب کی پچیس ۲۵ سال کی حکومت کے اثناء میں قوم کو یہ سبق مل گیا تھا کہ بادشاہ کو بہت کمزور سمجھنا چاہئے ۔ مقامی اور خاندانی رقابتیں دونوں یکساں اپنا اثر دکھا رہی تھیں اور ولیم فاتح نے

جو مضبوط حکومت قایم کی تو اس نے دستور کی اطمینان بخش اور تیز ترقی کے لئے راستہ صاف کر دیا۔
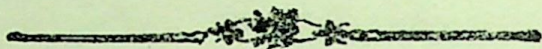
BIBLIOGRAPHICAL NOTE:—H. M. Chadwick, *Anglo-Saxon Institutions*. 1905. L. M. Larson, *The King's Household before the Norman Conquest.* 1904. F. *Liberman, Die Gesetze der Angelsachsen,* 3 Bde, 1898-1916; *The National Assembly in the Anglo-Saxon Period* 1913. F. W. Maitland, *Domesday Book and Beyond*, 1897; *Township and Borough* 1898. W. A. Morris, *The Office of Sheriff in the Anglo-Saxon Period.* E. H. R. *XXXi* 20, 1916. F. Seebohm, *The Village Community*, 1890. Sir, P Vinogradoff, *Villainage in England,* 1892; *The Growth of the Manor*, 1911.

باب ۲

نارمنی فتح

۱۰۶۶ء میں ولیم اول کا فوجی غلبہ جس کو ہم نارمنی فتح کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس قدر عظیم الشان تھا کہ اس کے بعد تمام ملک اس کے قبضے میں آگیا۔ اگرچہ فتح کے بعد فرانسیسی بولنے والوں کی ایک کثیر تعداد یہاں آکر آباد ہوگئی تھی لیکن مفتوحہ ملک پر قابو رکھنے کے لئے کسی وسیع آبادکاری کی ضرورت نہ تھی اور نہ کوئی ایسی آبادکاری عمل میں آئی۔ چونکہ جنگ ہیسٹنگز کے چند ہفتوں کے اندر ولیم کو اہل لندن اور سربرآوردگان قوم نے اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا تھا اور چند مقامی اور متفرق مزاحمتوں کے سوا جو بعد کو ہوئیں کوئی متحدہ مزاحمت بھی پیش نہیں آئی تھی اس لئے ظاہر ہے کہ ولیم حکومت ملک میں جو تغیر چاہتا کرسکتا تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ کوئی تبدیلی چاہتا ہی نہیں تھا۔ بلکہ اس کی یہ دانستہ خواہش تھی کہ کوئی تبدیلی ہی نہ ہو یا جہاں تک ہوسکے بہت کم تبدیلیاں ہوں۔ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ جو کچھ بڑے بڑے تغیرات ملک میں واقع ہوئے وہ کچھ اس کے دانستہ ارادے سے نہیں ہوئے بلکہ وہ ایسے ہوئے کہ ان کا ہونا ناگزیر تھا۔ بات یہ ہے کہ اجزائے حکومت کے جو گنے چنے طریقے ولیم کو معلوم تھے ان کے ساتھ ان تغیرات کا پیدا ہونا ایک اتفاقی امر تھا۔ یہ بات بھی غالباً صحیح ہے کہ اس زمانے میں یہ تغیرات ولیم اور دوسروں کے نزدیک

اس قدر انقلابی اور گہرے نہیں تھے جس قدر اب ہم کو معلوم ہوتے ہیں۔ چونکہ ادارتی انتظام کی بہت سی فروعات ایسی تھیں جو انگلستان اور نارمنڈی دونوں ملکوں میں یکساں نہیں اس لئے کسی تغیر کی ضرورت نہ تھی۔ چند اہم صورتوں میں تغیرات ضروری تھے چنانچہ ان کے گہرے اثرات ہم کو صاف دکھائی دیتے ہیں مگر سچ تو یہ ہے کہ جو میلان ان تغیرات کے باعث ہوئے ہیں وہ مدت سے اپنا کام کر رہے تھے اور سیکسن مملکت کو ایسے ادارتی نتائج کے قریب کھینچے جا رہے تھے جن کے ہم شکل نتائج اس کے پہلے نارمنڈی میں پیدا ہو چکے تھے۔ نارمن فتح نے صرف اس ترقی کو یکدم آگے بڑھا دیا اور اس کا جو نتیجہ نکلا وہ بالکل وہی تھا جو خود بخود اپنے وقت پر پیدا ہو جاتا۔ ملکیت اراضی کو چھوڑ کر جس قدر تغیرات ہوئے ہیں وہ اس قدر خفیف ہیں کہ معاصرین کا ان پر کافی غور نہ کرنا اور قلمبند کرنے کے قابل نہ سمجھنا کچھ اچنبھے کی بات نہیں ہے۔

ولیم اول کے عہد کی دستوری تاریخ خود بخود دو حصوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔ ایک وہ تغیرات ہیں جو فتح کے سبب سے وجود میں آئے۔ دوسرے وہ ادارات ہیں جو تقریباً اپنی حالت پر قائم رہے۔ اگر مبالغہ نہ ہو تو ان دو حصوں کی عام وضاحت اس طرح ہو سکتی ہے کہ عام یا مرکزی حکومت تو متغیر ہوئی لیکن مقامی ادارات پر صرف ایک ہلکا اثر پڑا۔ مگر جب ہم اس مضمون پر روشنی ڈالتے ہیں تو ان دونوں حصوں کے درمیان ایک بیّن خطِ فاصل کھینچنا ناممکن معلوم ہوتا ہے کیونکہ مرکزی حکومت کا بہت کچھ حصہ ایسا بھی ہے جو نہیں بدلا برخلاف اس کے مقامی حکومت کے شعبے میں اہم تبدیلیاں کی گئیں جن پر اس موضوع کے سلسلے میں غور کیا جائیگا۔ عام وضاحت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ تقسیم کچھ غلط نہیں ہے اور ہمارے مواد کی ترتیب کے لئے بھی بہت مفید ہے حقیقت یہ کہ مرکزی یا قومی حکومت نارمن ہو گئی اور مقامی حکومت عرصے تک سیکسن رہی۔

مرکزی حکومت کی تبدیلیاں ۔ مرکزی حکومت ملک کے شعبے میں دو تغیرات ایسے ہیں جن کا پلّہ بہ لحاظ اہمیت سب میں بھاری ہے۔ ایک یہ کو سیکسن شاہی کی جگہ ایک زبردست شاہی اقتدار قائم کیا گیا اور دوسرے سیاسی جاگیریت قائم کی گئی۔ ان دونوں میں سے کسی کی نوعیت معمولی نہیں ہے یعنے ان کا صرف مفہوم اتنا محدود نہیں ہے جو ان اصطلاحوں کی تنگ تاویل سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ ان کی نوعی

شامل تھی یعنے ان کے ساتھ ساتھ بہت سے ذیلی یا باہم رشتہ تغیرات شامل تھے۔ یہ بات بھی صحیح ہے کہ تغیرات کے ان دونوں مجموعوں کو ہم ایک دوسرے سے بالکل جدا نہیں کر سکتے بلکہ اپنی اصلی حالت میں ان کا کم و بیش چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہم ان پر جو الگ الگ بحث کرتے ہیں تو صرف اپنی سہولت کے لئے کرتے ہیں۔

اس وقت اور آگے چل کر جب ہم ایسے ادارات کو پیش نظر رکھکر جانچنے لگیں جو اپنے میں نوعی خصوصیت رکھتے ہیں تو ہمیں ایک غلط فہمی سے بچنا ضروری ہے۔ کسی ادارے کی ماہیت یا اس ادارے کے اصولی اور عملی تغیر کو بغیر اصطلاحی الفاظ کے ظاہر کرنا بعض وقت بہت مشکل ہو جاتا ہے اور اصطلاحوں سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان اداروں کے متعلق ہم جو خیال ظاہر کرتے ہیں ان کے معاصر بھی وہی خیال ظاہر کرتے تھے، مگر یہ خیال اکثر غلط ہوتا ہے۔ مثلاً نارمن شاہی کو لو جس مواد سے ہم اس کی تمام تاریخ پڑھتے ہیں۔ اس کی نظری اور عملی ماہیت کے متعلق ہم ایک تصور قائم کر لیتے ہیں جو اس زمانے کے لوگوں کے ذہن میں بالکل نہ تھا۔ ہمارا مطمح نظر ہوتا ہے، ان کا کوئی مطمح نظر نہیں تھا۔ تیرھویں صدی کے وسط سے پہلے انگلستان کے ارباب حل و عقد نے اپنی حکومت کی نوعیت کے متعلق کوئی نظریہ نہیں بنایا تھا۔ اگرچہ یہ بات ان افراد کے لئے جو اپنے زمانے کی گویا تاریخ بنا رہے تھے نہ صرف ناممکن بلکہ ناقابل فہم تھی، تاہم کسی ادارے یا کسی تاریخی تغیر کے اظہار میں جو الفاظ ہم استعمال کرتے ہیں اور اس غرض سے استعمال کرتے ہیں کہ اس کی ماہیت خوب واضح ہو جائے وہ بھی تاریخی فصاحت کے طور پر کبھی غلط نہیں ہو سکتے۔

پادشاہ کی مطلق العنانی۔ طاقت کا لحاظ کیا جائے تو سکسن پادشاہی بہت طاقتور تھی اور جب تک کنیوٹ نے حکومت کی ہے یہ بات بالکل صحیح تھی لیکن صورت حال یہ ہے کہ فتح سے ایک پشت پہلے سے یہ کمزور ہاتھوں میں ہو کر گزرتی رہی اور ان ارلیات کے پیچھے چھپ گئی جو آخری سکسن دور میں پیدا ہوئے تھے۔ عملی اور اداراتی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ انگلستان میں اب تک مستحکم اور دیرپا مرکزی حکومت کی کوئی روایت قایم نہیں ہوئی تھی جو نارمن حکمرانوں کو حاصل تھی نہ کوئی ایسی معین اداراتی عضویت کا وجود تھا جو ایک طاقتور حکومت کو عمل میں لانے کے لئے ضروری ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں لحاظ سے ۱۰۶۶ء کی

نارمن حکومت ۱۲۱۶ء کی جان کی حکومت سے گری ہوئی تھی لیکن اڈورڈ ثانی کی حکومت سے بہت بڑھی ہوئی تھی جو اول الذکر سنہ میں قائم تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا دور اندیش اور لایق بادشاہوں کو اسی سیکسنی بنیاد پر طاقتور شاہی قائم کرنا نہایت آسان ہوگیا۔ درحقیقت بات یہ ہوئی کہ نارمن شاہی مع اپنی روایتوں اور عملدرآمد کے ایک ہی جنبش میں سیکسنی شاہی کی پوری طور پر قائمقام ہوگئی سیکسنی شاہی بالکل غائب ہوگئی اور نارمن شاہی نے اس کی جگہ لے لی اور انگلستان میں بھی وہ اسی طرح غالب ہوگئی جس طرح نارمنڈی میں تھی۔

نارمن شاہی کو حکومت میں جو اقتدار اور درجہ حاصل تھا اس کا باعث یہ نہیں تھا کہ اس زمانے کے لوگ کسی نصب العین کو اپنے سامنے رکھتے تھے کہ بادشاہی ایسی ہونی چاہئے یا مملکت اور اس کے دستور کا کوئی نظری تصور ان کے مدِ نظر تھا۔ اگلی صدی میں البتہ ایسے نصب العین کہ بادشاہی ایسی ہونی چاہئے انگریزی ادارات کی تاریخ میں ضرور اثر ڈالنے لگے تھے لیکن فتح کے سبب سے مرکزی حکومت کی نوعیت میں جو تغیرات ہوئے ہیں ان میں ایسے نصب العین کا نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ صرف بات اس قدر تھی کہ نارمنڈی کے رئیس نے اپنی حکومت انگلستان میں منتقل کردی اور اس کے ساتھ ایسے ادارات اور طریقۂ کار لائے جو اس کے نزدیک ضروری تھے۔ انگلستان میں ڈیوک اس وجہ سے بالکلیہ مقتدر ہوگیا کہ نارمنڈی میں وہ اسی طرح مقتدر تھا اور ہمیشہ مقتدر رہ چکا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس چیز کے متعلق نہ اس نے کبھی سوچا تھا نہ دوسروں نے بلکہ قدرتی طور پر یہی ہونا چاہئے تھا۔ کسی احساس اور اعتراض کے بغیر سب کچھ تبدیلی ہوگئی جو درحقیقت اپنے نتائج میں انقلابی تھی۔

یہ آئندہ بتایا جائیگا کہ شاہی مطلق العنانی کے قیام کے لئے کس قدر مواد اور کون سی دستوری سہولتیں بہم پہنچی تھیں لیکن سردست یہ بات جتانا ضروری ہے کہ وہ کلیتہً ایک مطلق العنان حکومت تھی۔ نارمن مملکت کی ساخت اور آلات میں کوئی ایسی باقاعدہ دستوری سبیل نہیں رکھی گئی تھی جس کے ذریعے سے کوئی مشیت بادشاہ کے خلاف کام کرسکتی یا کم از کم اپنے کو ظاہر کرسکتی۔ قانون جاگیری نے بیشک ایسی سبیل رکھی تھی جس پر بعد کو غور کیا جائے گا مگر وہ ایسی نہیں تھی جس کو ہم دستوری کہہ سکیں۔ اس کو

عمل میں لانے کے ذرائع تو صرف بغاوت اور خانہ جنگی تھے۔ چنانچہ زمانۂ حال کی دستوری حکومت کے راستے میں جو پہلا قدم اٹھایا گیا وہ یہ تھا کہ منشور اعظم میں ایک ایسا طریقہ ایجاد کرنے کی کوشش کی گئی جس سے بادشاہ کے خلاف بغیر خانہ جنگی کے مشیت کا اظہار ہو سکے۔ اور یہ فتح کے ڈیڑھ سو سال کے بعد ہوا۔ اس زمانے میں بادشاہ کی ذات بالکل اسی طرح سے گویا مملکت بنی ہوئی تھی جس طرح فرانس کے لوئی چہاردہم کے عہد میں سلطنت کے عہدہ دار مثلاً صدر اعظم مہتمم خزانہ اور شیرف بادشاہ کے خادم تھے۔ مقامی حکومت سے بالاتر جس قدر مملکت کے کل پرزے تھے سب اسی کے تھے اور ان کل پرزوں کو متحرک کرنے والی طاقت محض بادشاہ کی مرضی تھی۔ جب بادشاہ قوی ہوتا اور زور سے حکومت کرتا تو مملکت کا انتظام درست رہتا تھا اور جب وہ کمزور اور متلون ہوتا تو تمام انتظام درہم برہم ہو جاتا تھا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مملکت کا تمام رقبہ ایک بیرن کے مینر کی طرح بادشاہ کی جاگیر اور اراضی خاص کے مترادف تھا اور اس کی مالگزاری بادشاہ کی خانگی آمدنی تھی۔ انصاف اس کی عطا تھی اور یہ حق اسی کو حاصل تھا کہ سب سے اپنا انصاف منوائے۔ قانون کی خلاف ورزی خود بادشاہ کی ذاتی مضرت تھی۔ عدالتیں اور عادل سب اس کے آلۂ کار تھے۔ مجلس عظمیٰ جو قومی مجلس سمجھی جاتی تھی وہ خود بادشاہ کا کام کرنے کے لئے تھی تو ہم کا کام نہیں اس مجلس کو عرضداشت پیش کرنے کے سوا کسی آغاز تحریک کا حق حاصل نہیں تھا۔ اس مجلس کی قراردادیں خود بادشاہ کی قراردادیں ہوتی تھیں اور جب تک بادشاہ منظور نہ کرے وہ غیر مصدقہ ہوتی تھیں۔ اور یہ وہ چیز ہے جو موجودہ مملکت میں اقتدار اعلیٰ کے اقتناع مطلق سے تعبیر کی جائیگی۔ غرض بادشاہ اس بات کا مدعی تھا کہ مملکت اور مملکت کے متعلقات اور اس کے تمام افعال اسی کے ہیں۔ یہ ہے انگلستان کی اس زمانے کی واقعی حالت جو مغربی یورپ کے کسی مقام کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

شاہی اقتدار کے خاص اسباب۔ لیکن یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ بادشاہ کے یہ انتہائی اختیارات محض اس کے زعم سے قائم تھے بلکہ اس کو بعض زبردست سہولتیں بھی حاصل تھیں جو اس کے اقتدار کے لئے زبردست بنیاد کا کام دیتی تھیں۔ پہلی بات جو سب سے زیادہ اہم تھی وہ بادشاہ کی فوجی طاقت تھی جو بادشاہ کے ہر مخالف اجتماع سے برتر تھی۔ یہ فوجی برتری دو چیزوں پر قائم تھی۔ ایک بادشاہ کی عظیم الشان ذرائع

جاگیری دوسرے عامہ فوج ردیف۔ پادشاہ کے ذرائع جاگیری دو قسم کے تھے۔ ایک تو بادشاہ کی ذاتی زمینیں تھیں جن کو وہ اراضی صرفخاص کے طور پر اپنے قبضے میں رکھتا تھا۔ اور یہ اراضی ان کثیر سے کثیر میزوں سے تقریباً دگنی تھی جو پادشاہ کسی ایک بیرن کو عطا کرسکتا تھا اور اس کے دو سوتیلے بھائیوں سے قطع نظر کی جائے تو سلطنت کے تمام ذرایع معاش میں پادشاہ کا تناسب حد سے زیادہ تھا۔ مگر یہ مینر صرفخاص تھے اور یہ صرف بالواسطہ فوجی طاقت کو سہارا دیتے تھے۔ یہ کچھ سیاسی شاہی جاگیریں نہ تھیں بلکہ ان کی حیثیت صرف معاشی جاگیر کی سی تھی۔ اور انگلستان میں ان کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ اگر شاہ فرانس صرف علاقۂ صرفخاص کا مالک تھا تو شاہ انگلستان تمام سلطنت کا مالک تھا۔ یہ مینر شاہی آمدنی کا ذریعے تھے جو ہر بیرن کی آمدنی سے کہیں بڑھی ہوئی تھی لیکن ساتھ ہی یہ اس آمدنی کا اصل ذریعہ تھے جس کو ہم مداخل مملکت کہتے ہیں۔ اجرائے حکومت کا تمامتر بوجھ اس شاہی دولت پر پڑتا تھا اور اسی روپے سے ایک حد تک فوجی طاقت کی سربراہی بھی ہوتی تھی۔ بیرنوں کی طرح پادشاہ کو بھی تنخواہ دے کر مبارز رکھنا پڑتا تھا کیونکہ اس وقت فوجی خدمت انھیں سے پوری ہوتی تھی۔ غالباً اس سے زیادہ اہم پادشاہ کے دوسرے جاگیری ذرائع یعنے جاگیرات مبارزی تھے جو براہ راست پادشاہ سے عطا ہوتے تھے in Capite اور فوجی خدمت کے لئے مشروط تھے۔ عہد ولیم کے بعد ہی یہ ہوا کہ ان میں سے اکثر بالکل چھوٹے قطعات ہو کر رہ گئے کہیں ایک مبارزی جاگیر اور کہیں اس سے بھی کم لیکن ان کا قبضہ معاشی نہیں بلکہ فوجی حقیت کی بنا پر تھا۔ اس کے بعد ان لوگوں کا درجہ تھا جو ایک سے لے کر پانچ تک مبارزی جاگیروں کے مالک تھے اور جو چھوٹے بیرن سمجھے جاتے تھے اور ان لوگوں کو پادشاہ کے خلاف مواد جمع کرنا نہایت مشکل تھا ان کے اوپر بڑے بیرنوں کے مقبوضات تھے اور ان کی تعداد یہاں تک تھی ولیم کے بھائی رابرٹ آف مارٹین کے ۷۹۶ پرگنے یا اس کے دوسرے بھائی اوڈو اسقف بے یو کے ۴۳۹ پرگنے تھے۔ ان بیرنوں کو بھی کسی واحد شورش میں پادشاہ کے خلاف جمع ہونا بہت دشوار تھا اور ایسا کبھی تو کیا ۱۱۷۳ کی بغاوت میں بھی نہیں ہوا۔ پادشاہ کے لئے اپنی فوجی طاقت جمع کرنا بہت آسان تھا لیکن بیرنوں کے لئے اپنی طاقتیں جمع کرنا اتنا آسان نہ تھا۔ فوج ردیف Fyrd جو احرار کی عام بھرتی کا سیکسن نام تھا

ہنوز باقی تھی اور یہ بادشاہ کی طاقت کا ایک جداگانہ سرچشمہ بنی ہوئی تھی۔ اور یہ فوج ردیف اس زمانے میں یورپ کی دیگر جاگیری مملکتوں کی فوج کے مقابلے میں زیادہ زوردار تھی ہنری اول کے ابتدائے عہد میں اور ۱۱۷۳ء میں جو بیرنوں کی زبردست شورشیں ہوئیں تھیں اس وقت اس فوج ردیف نے بادشاہ کی اہم خدمت انجام دی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بادشاہ کی عظیم الشان آمدنی اور عظیم الشان فوجی طاقت اس کے اقتدار کے دو زبردست اسباب تھے لیکن ان کے علاوہ دوسری اور چیزیں بھی تھیں جو بادشاہ کا اقتدار بڑھاتی تھیں۔ یہ بات خاص طور پر اہم تھی کہ جاگیریت جس طرح نارمنڈی میں اس کا عملدرآمد تھا اور جس طرح وہ انگلستان میں منتقل کردی گئی تھی بیرنوں کے لئے ایک رکاوٹ تھی کہ کوئی بیرن خواہ اس کی بیرنی کتنی بڑی کیوں نہ ہو اس کو ایک خودمختار ریاست نہیں بنا سکتا تھا۔ برخلاف اس کے براعظم میں جہاں ایسی بیرنیاں قائم ہوئیں حالات ایسے ہوئے کہ بیرنوں نے بلا وقت تمام ضلع میں حکومت کے انتظامی فرائض خود اپنے ہاتھ میں کرلئے اور مقامی عدالتوں کی جو مرکزی عدالت کے ساتھ ماتحتی تھی اس کو توڑ دیا۔ یوں نظری اعتبار سے ممکن ہے کہ کچھ ماتحتی ہو مگر حقیقت حال میں نظم و نسق اور معدلت میں بادشاہ سے بے نیاز ہو جانا حقیقی خودمختاری کے مترادف تھی۔ انگلستان میں ایسی مطلق العنانی ممکن نہ تھی۔ شیرف جو مقامی انتظامی عہدہ دار تھا اس پر بادشاہ ہمیشہ اچھی خاص گرفت رکھتا تھا۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ خانقاہوں اور خانگی روسا کو عدالتی اختیارات کے بہت سے عطایا حاصل تھے اور بعض مرتبہ ان عطایا میں مجرمین کا قصاص بھی شامل تھا لیکن ان "آزادیوں" کے باعث مرکزی معدلت گستری میں کوئی مداخلت نہیں ہوتی تھی۔ اگر کوئی مداخلت ہوتی تھی تو وہ مقامی عدالت میں ہوتی تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ نارمنی دور میں سرے سے اس بات کا احساس ہی نہیں تھا کہ ایسی کوئی مداخلت ہوئی بھی ہے۔ مقامی معدلت گستری پر شاہی عدالت کے ذریعے جو شاہی قیاوت عمل میں آتی تھی وہ پہلے کے بہ نسبت اس وقت بہت گہری اور موثر ہوگئی تھی نیز ایک رئیس کو حصول "آزادی" سے اور مملکت کو اس کی عطا سے جو فائدے اور نقصان ہوتے تھے وہ محض مالی تھے یعنی عدالت کے فائدے ایک خانگی شخص کے ہاتھ منتقل ہوگئے تھے۔ مگر کوئی بیرن خواہ وہ کتنا ہی ذی اقتدار کیوں نہ ہو شاہی انصاف کی ذمہ داری سے بچا ہوا نہیں تھا اور اس کے اسامی کو یہ حق حاصل تھا کہ خود عدالت

بیرنی کی بیجا دست درازیوں کے خلاف شاہی حمایت کے لئے مدافعہ کرے۔ انگریز بیرن کو بادشاہ کے خلاف کوئی قلعہ رکھنے کا اختیار نہیں تھا۔ قلعے سب بادشاہ کے تھے اور بیرن بادشاہ کی طرف سے صرف اس کے قلعہ دار تھے۔ صرف بغاوت ہی کی حالت میں ایک بیرن حکمرانِ وقت کے خلاف قلعے میں قدم جما سکتا تھا۔

ان کے علاوہ بادشاہ کو چند اخلاقی فائدے بھی حاصل تھے جو مادی تو نہیں تھے مگر حقیقت سے دور بھی نہیں تھے۔ رسم تاجپوشی کی تدہین بادشاہ کو "مقدس" بناتی تھی۔ اس زمانے کے خیالات کے مطابق اس رسم سے بادشاہ کو ایک خاص قسم کا "حق منجانب اللہ" حاصل ہوتا تھا اور اس طریقے سے بغاوت ایک حد تک کفر کا حکم رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ نارمنوں کا یہ دستور قدیم فرانکی مملکت سے چلا آرہا تھا کہ ہر ذیلی اسامی اپنے رئیس کی وفاشعاری کی قسم کھاتے ہوئے بادشاہ کی وفاشعاری کا پہلو باقی رکھتا تھا اور کبھی کبھی بادشاہ تمام زمینداروں سے براہ راست اپنی حلف وفاداری لیتا تھا۔ اگرچہ کھلی بغاوت کے وقت تمام تحتانی اسامیوں کو یہ حیثیت طبقے کے یہ حلف بادشاہ کی وفاداری پر مجبور نہیں کر سکتا تھا تاہم اس سے ایک باقاعدہ شورش کھڑی کرنے میں بہت سی دقتوں کا سامنا ہوتا ہوگا اور اکیلے شخص کے لئے بغاوت کرنا تو ناممکن ہو جاتا ہوگا۔ انگلستان کا نارمن بادشاہ ہر اعتبار سے مملکت کا جزو اعظم تھا اور طاقت میں اس زمانے کے یورپ کے تمام حکمرانوں سے بڑھا ہوا تھا۔ اس کا اقتدار اس قدر حاوی تھا کہ بلاطی ارلیات (Palatine earldoms) بھی کبھی سیاسی مطلق العنانی کے دعوے نہیں کر سکیں حالانکہ وہ خاصی اور بڑی اور خاطر خواہ مربوط ریاستیں تھیں جن کو انتظامی اور عدالتی اختیارات حاصل تھے اور جہاں شاہی شقوں کو دخل نہیں تھا۔

نارمن ارل۔ سیکسنی دور میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ ارل اور شیرف ایسے دو عہدہ دار تھے جو صوبوں میں مرکزی طریق حکومت و نظم و نسق کی نیابت کرتے تھے۔ اپنے وطن میں حکومت کر کے نارمن اس قابل ہو گئے تھے کہ ان دونوں عہدوں کو اچھی طرح سمجھیں اور ان کو جاری رکھیں۔ نارمن ڈیوک کے کونٹ اور ابتدائی سیکسن الڈرمن میں بیّن فرق تھا۔ کونٹ زیادہ تر جاگیردار تھے عہدہ وار نہ تھے۔ ڈین فتح کے بعد جو کایا پلٹ ہوئی تو دورِ مابعد کے سیکسن ارل نارمن طرز کے قریب تو ہو گئے لیکن پھر بھی کلیتہً اس کے مطابق نہیں ہوسے۔

نارمن فتح نے تو اور بھی وسیع تغیرات کر دیئے سیکسن نام "ارل" تو باقی رہ گیا لیکن اس نام کے سوا پرانے ادارے کی کوئی اور بات باقی نہیں رہی ۔ ۱۰۶۶ء کے بعد ارل کسی معنے میں عہدہ دار نہیں رہا ۔ اگرچہ اس کا خطاب اب تک ایک صوبے Shire سے حاصل تھا جو اب کونٹی کہلانے لگا تھا اور اب تک اس کو بعض صورتوں میں صوبے کی عدالتی آمدنی یعنے ثلث بھی وصول ہوتی تھی مگر سوائے بلاطی ارلیات کے صوبے کی حکومت سے اس کو کوئی سروکار نہیں رہا تھا ۔ اس کا نام محض ایک خطاب ہو کر رہ گیا تھا جس سے امارت کا ایک درجہ معلوم ہوتا تھا ، اور اگر کسی خاص صورت میں اس خطاب کے ساتھ کوئی اور چیز شامل ہو جاتی تھی تو خاص عطیئے سے اس کا اظہار ہوتا تھا ۔ اس قسم کے عطایا سے عدالت اور انتظامات کے شاہی حقوق اور اختیارات بلاطی ارلیات کو خصوصاً چسٹر کو ویلز کی سرحد پر اور ڈرہم کو جو اسکاچستان کی سرحد پر اسقف کے قبضے میں تھی دیئے گئے تھے ۔ عام ضابطہ سے یہ ایک طرح کا انحراف تھا اور انگلستان میں سرحدوں کی پر آشوب حالت کا لحاظ کرتے فوجی اغراض کے لئے ان کی ضرورت تھی ۔ تاہم عام الفاظ میں ارلیہ سرکاری ادارے کی حیثیت سے فتح کے بعد باقی نہیں رہا ۔

نارمن شیرف ۔ نارمن لوگ سیکسن شیرف کے عہدے کو ارل کے عہدے سے بہتر سمجھ سکتے تھے ۔ مغربی فرانکی مملکت سے ان کو vicecomes "نائب کونٹ" کا ایک عہدہ ہاتھ آیا تھا ۔ یہ عہدہ دار کونٹ کے تمام علاقے یا اس کے مقامی حصے میں کونٹ کی نیابت کرتا تھا ۔ کونٹ نارمنڈی کا علاقہ اتنا بڑا تھا کہ اس کو مجبوراً مختلف اضلاع میں اکثر نائب مقرر کرنا پڑتے تھے ۔ یہاں یہ لوگ کونٹ کے مفاد کی دیکھ بھال کرتے اور وہ مالی فرائض انجام دیتے تھے جو قریب قریب سیکسن شیرف کو انجام دینا ہوتا تھا ۔ نارمنی فتح کے وقت انگریزی عہدہ نارمن عہدے سے زیادہ پختہ اور اپنی نوعیت میں زیادہ مستقل تھا اور ظاہر ہے کہ اسی عہدے سے اس ترقی کا راستہ معلوم ہو گیا جو آگے چل کر ان دونوں عہدوں نے حاصل کی اور ہم کہہ سکتے ہیں ۔ یہ ترقی اس عہدے کی سیکسن تاریخ کا لازمی تتمہ تھی ۔

چونکہ شیرف صوبے میں بادشاہ کا نائب تھا جو بادشاہ کے اختیارات چلاتا اور اس کے مفاد کی دیکھ بھال کرتا تھا اس لئے جوں جوں بادشاہ کا اقتدار بڑھتا گیا شیرف کا اقتدار بھی بڑھتا گیا ۔ دوسری طرف شیرف کے مقامی اختیارات سے مرکزی حکومت کو

مائید ہوتی تھی اور اس میں زور پیدا ہوتا تھا کیونکہ شیرف سکسین زمانہ کی طرح نارمن دور میں بھی مرکزیت کا زبردست آلۂ کار تھا۔ بالعموم صوبے کا بڑا بیرن یہاں کا اور بعض وقت آس پاس کے کئی صوبوں کا شیرف مقرر کیا جاتا تھا اور اس تقرر میں گاہے ماہے موروثی حق کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ مگر انگلستان میں کبھی ایسا خطرہ نہیں پیدا ہوا جو بعد کی کارولنجی مملکت میں کونٹوں کی طرف سے پیش آیا تھا کہ ایک روز یہ خدمت خاندانی جائداد میں مبدل ہو جائے گی اور خودمختار ریاست کا مرکز بن جائے گی۔ نارمن ملوکیت بے انتہا طاقتور تھی اور اس میں اتنا زور تھا کہ شیرف کو اپنی عہدہ داری کی حد سے آگے بڑھنے نہیں دیتی تھی اور سخت ذمہ دارانہ حالت میں رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ شیرف کو ان مالی سختی گیریوں سے بھی روکا جاتا تھا جو شیرف صوبے کے چھوٹے چھوٹے لوگوں پر کرتا تھا اور ایسے کرنے کے اس کو مواقع حاصل تھے۔ ولیم اول کے عہد میں نہیں تو اس کے بعد ہی شیرف اپنے صوبے کی ایک مقررہ رقم بادشاہ کے خزانہ میں داخل کرنے لگا اور یہ رقم حکومت کے سالانہ مداخل کے طور پر معین کر دی گئی تھی۔ یہ رقم جو شیرف کے مداخل کہلاتی تھی۔ ایک قسم کا لگان Ferm تھی۔ اس کی تکمیل دو ابواب سے ہوتی تھی۔ ایک صوبے کے پرگنہ جات صرفِ خاص کی آمدنی اور دوسرے مقامی عدالتی کارروائیوں کی وصولات مقررہ مداخل جمع کرانے کے بعد جو فاضلات رہ جاتے تھے وہ شیرف کا معاوضہ ہوتے تھے۔ لیکن کبھی کوئی صوبہ ایسے لوگوں کے تفویض نہیں کیا گیا کہ وہ سب سے زیادہ رقم داخل کرنے کے لئے تیار تھے۔

صوبہ اور ہنڈرڈ کی مقامی انصاف رسانی سے تو شیرف کا تعلق تھا ہی جو سکسین دور کی طرح اس وقت بھی برابر قائم رہا مگر اس کے علاوہ مقامی شاہی انصاف رسانی سے بھی جو نارمنوں کی آمد کے ساتھ رائج ہوئی تھی شیرف کا گہرا تعلق ہو گیا۔ مرکزی عدالت Curia Regis کو اضلاع میں پھیلانے کی غرض سے جو مقامی شاہی عدالتیں ولیم نے اکثر قائم کیں ان کے اجلاس کے لئے بادشاہ کے تحریری تشقے سے اراکین مقرر ہوتے تھے جن میں شیرف کو اکثر میر مجلس یا منجملہ دوسرے اراکین کے ایک رکن مقرر کیا جاتا تھا۔ ان عدالتوں میں جو جرمانے عائد ہوتے تھے ان کو شیرف اپنے زائد مداخل کے طور پر جمع کرتا تھا۔ ان شاہی اور مقدمات تاج Pleas of the Crown کی جیسے جیسے بعد کو غور کیا جاتا گیا جوں جوں اہمیت بڑھتی گئی شیرف کے عہدے میں بھی اس اہمیت کا اضافہ ہوتا گیا۔ اگرچہ شاہی انصاف رسانی کے

ان جدید انتظامات سے پہلے بہل شیرف کے اختیارات بڑھ تو گئے مگر آخر میں یہی انتظامات دوسرے اسباب کے ساتھ اس کے اختیارات کی بیخ کنی کے باعث ہوئے۔ شیرف کا شاندار زمانہ فتح سے لے کر تیرھویں صدی کے اوائل تک رہا اور یہ وہ زمانہ تھا جب وہ مرکزی حکومت کا جزو لاینفک بنا ہوا تھا۔ تقریباً اس تمام دور میں شیرف ایک ایسا آلۂ کار تھا جس کی مدد سے حکومت سلطنت کی مقامی اکائیوں میں اپنے فرائض انجام دیتی تھی اور کماحقہ مرکزیت پیدا کرتی تھی۔ شیرف حسب ذیل امور کے لئے مرکزی حکومت کے سامنے تنہا ذمہ وار تھا مقامی مالی معاملات میں مرکزی حکومت کے اغراض۔ قیام امن۔ انصاف رسانی۔ اور فوجی خدمت کی فراہمی جو مملکت کا حق تھا۔ اس کے اختیارات اور اس کی اہمیت اس وقت زائل ہونے لگی (اور وہ بھی سرعت کے ساتھ) جب تیرھویں صدی میں مملکت کو ان امور کے انصرام کے دوسرے بہتر طریقے دستیاب ہو گئے اور آخر کو شیرف صرف عدالتوں کا عاملانہ عہدہ دار ہو کر رہ گیا۔

کلیسا۔ طاقتور بادشاہی کے وجود میں آنے سے کلیسا میں جس قدر فوری تغیر ہوا ہے اس قدر انگلستان کی ملکی جدوجہد کے کسی شعبے میں نہیں ہوا۔ یہ تغیر دو مخالف سمتوں سے عمل میں آیا یعنے کلیسا وقت واحد میں خودمختار بھی ہوا اور پابند بھی۔ فتح سے پہلے ولیم نارمن کلیسا پر اس قدر حاوی تھا کہ سیکسن دور میں کسی وقت مرکزی حکومت کو یہ بات نصیب نہ تھی۔ یہ تسلط اس نے پورے کا پورا انگلستان کی طرف منتقل کر دیا اور کلیسا کی سیادت اپنے قبضے میں لے لی جو اگرچہ بعد کو رفتہ رفتہ کمزور ہوتی گئی اور بعض وقت تو بہت ہی ضعیف ہو گئی تھی لیکن یہ کبھی بالکل ہاتھ سے نہیں گئی۔ مورخ اڈمار Eadmer ولیم کے بعد کے بیس سال کی بابت لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ بادشاہ کا منشا یہ تھا کہ کلیسائے انگلستان پر اپنے اختیارات قائم کرے جو نامنڈی میں اس کو اور اس کے آباواجداد کو حاصل تھے اور یہ مورخ تین قاعدے بتاتا ہے جو ولیم کے عہد میں مملکت اور کلیسا کے باہمی تعلقات کو معین کرنے کے لئے جاری کئے گئے تھے جن پر واقع میں عرصے تک عملدرآمد رہا اور قانون ملک کے اس شعبے میں یہ بنیادی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ یہ تھے کہ بغیر پادشاہ کی رضامندی کے کسی پوپ کو انگلستان میں تسلیم نہ کیا جائے اور جب تک پہلے پادشاہ کو نہ دکھایا جائے اس وقت تک پوپ کا کوئی مراسلہ ملک میں نہ لیا جائے۔

بغیر بادشاہ کی منظوری کے انگریزی کونسلوں کی کوئی قانون سازی مصدقہ نہیں ہے اور اگر
بیرن و عہدہ داران سرکاری کو بغرض سماعت کلیسائی عدالتوں میں طلب کرنا ہو، ان کو
خارج از ملت کرنا ہو اور ان کو سخت مذہبی سزائیں دینا ہو تو پہلے بادشاہ کی منظوری
ضروری ہے۔ اگرچہ اس طریقے سے ملکی حکومت کا کلیسا پر پہلے سے زیادہ تسلط قایم
کیا گیا لیکن ساتھ ہی کلیسا کی مرکزی تنظیم کو بہت کچھ ترقی بھی دی گئی۔ عمالِ مذہب کے
اخلاق اور معلومات کا معیار بلند کیا گیا اور اس مذہبی اصلاح کی ترویج کے لئے جو خانقاہ
کلیونی (فرانس) کے ساتھ وابستہ تھی، جس کا اب تک کوئی احساس نہ تھا راستہ صاف کیا گیا۔
روم کی پاپائیت کے ساتھ جو اس زمانے میں مرکزیت قائم کر کے قیصریت کی شکل اختیار
کر رہی تھی انگریزی کلیسا کے خاطر خواہ روابط قائم کئے گئے۔ اگرچہ بعد کو یہی تغیرات انگلستان
میں کلیسا اور مملکت کے درمیان سخت کشمکش کا باعث ہوئے لیکن پہلے پہل ان تغیرات
نے جو اثر ڈالا اگلیسیۃ اچھا تھا۔

ایک اور واقعے سے جس میں ادارتی اہمیت تھی کلیسا کو عظیم الشان مطلق العنانی
حاصل ہوئی۔ ایک اعلان کے ذریعے سے جو غالباً اس کے اوائل عہد میں نافذ کیا گیا تھا
ولیم نے ایک قانون کا اعلان کیا جو بادشاہ اور مجلس عظمیٰ کی قرارداد ہونے کی وجہ سے
قانون موضوعہ کی شان رکھتا تھا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ ملکی اور مذہبی عدالتیں
جدا کر دی گئی ہیں۔ آیندہ کسی اسقف کو مذہبی مقدمات کی سماعت کے لئے عدالت
ہنڈریڈ میں آنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ جہاں وہ چاہتا مذہبی قانون کے مطابق عدالت
قائم کر سکتا تھا۔ اب دنیوی لوگوں کو مذہبی فیصلوں کے صدور میں شرکت کرنے کی
ضرورت نہ تھی، البتہ سرکاری عہدہ دار بشرط ضرورت ان فیصلوں کی تعمیل کروانے
میں مدد دے سکتے تھے۔ اس ذریعے سے صرف یہی نہیں ہوا کہ انگریزی کلیسائی عدالت
کو آزادانہ اختیارات مل گئے بلکہ ملک پر مذہبی قانون کا پورا اثر پڑنے لگا جو اس
زمانے میں ایک عظیم الشان فنی مجموعہ کی صورت میں ڈھل رہا تھا۔ نیز اس کے ساتھ
مرکزی مجلس کلیسا کو دنیوی دست اندازی سے بہت کچھ آزاد کر دیا گیا اور اس کو
بہت کچھ قانون سازی کی آزادی دی گئی، اگرچہ یہ قانون سازی ہنوز بادشاہ کے
اختیار نامنظوری کے تابع تھی۔

نظام جاگیری ۔ جاگیریت کے رواج سے دستور کے عام اسلوب اور تبادیل میں جو تغیرات ہوئے وہ پہلے باب میں مختصر طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں۔ تاہم جاگیریت اور اس کا کام موجودہ دماغوں کے لئے سمجھنا اس قدر مشکل ہے اور اس کی ترویج کے اس قدر عظیم الشان نتائج ہیں کہ اس کا کسی قدر دہرانا فائدے سے خالی نہیں ہے۔

نظام جاگیری کے کام کو سمجھنے کے لئے سیاسی اور معاشی جاگیریت کے باہمی فرق کو خوب ذہن نشین کرنا ضروری ہے گو یہ چیز آسانی سے ذہن نشین نہیں ہوتی۔ انگلستان کے لئے صرف سیاسی جاگیریت نئی چیز تھی اور تاریخ دستوری میں ناظرین جاگیریت کے متعلق یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ خاص طور پر ایک معاشرتی تنظیم تھی یا ملک کے امرا کو عطایا اور اعزاز دینے کا ایک طریقۂ کار تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اجرائے حکومت کا ایک ذریعہ تھا۔ معاشی جاگیریت تو خود انگلستان میں موجود تھی اور بہت ترقی یافتہ حالت میں تھی لیکن فتح کا اثر یہ ہوا کہ غالباً یہ جغرافی نقطۂ نظر سے سلطنت کے تمام طول و عرض میں پھیل گئی اور یہ معیّن اور پختہ ہو گئی۔

ہم کو اس قضیئے سے شروع کرنا چاہیئے کہ جاگیری دور میں ایک ہی قطعۂ زمین پر دو مختلف اشخاص دو مختلف حیثیت اراضی کی بنا پر قابض تھے اور دو مختلف نظام قانون کے تابع تھے۔ جاگیریت کے یہ دونوں پہلو ایک ہی قطعۂ زمین کی اکائی پر قائم تھے۔ معاشی پہلو سے تو یہ منیر کہلاتا تھا اور سیاسی پہلو سے مبارزی جاگیر منیر کی حیثیت میں پہ سلطنت کی زراعتی تنظیم کا ایک جز تھا اور اس کا مقصد معاشی تھا یعنے یہ ایک ذریعۂ آمدنی سمجھا جاتا تھا۔ اس کا مزروعہ رقبہ دو حصوں میں منقسم تھا ایک جاگیردار کی نیر۔ دوسرے عطیات ارضی یعنے آزاد اور غیر آزاد ساکنان نیر کے مقبوضات نیر کے آسامی جاگیردار کی دی ہوئی اراضی پر قابض تھے اور یہ قبضہ مختلف قسم کی خدمات اور رہر بابی ادائیوں کے لئے مشروط تھا۔ گیارھویں صدی میں محض رقمی ادائیاں نسبتہً بیکار ہو گئیں ہر بابی ادائیاں رہیں جاگیردار کے لئے خاص اہمیت رکھتی تھیں اور جسمانی محنت زمین کی کاشت میں لگائی جاتی جس سے اس کی آمدنی کا بڑا حصہ حاصل ہوتا تھا۔

اس زمانے میں آزاد اور غیر آزاد اسامیوں کی خدمات میں خاص فرق یہ تھا کہ

اول الذکر خدمات مقدار میں معین تھیں اور جاگیردار کی خواہش سے گھٹ بڑھ نہیں سکتی تھیں۔ یوں تو آزاد اور محکوم دونوں کا یکساں فرض تھا کہ عدالت مینر یا عدالت جاگیر میں جہاں سے رئیس جاگیردار کو خاطر خواہ آمدنی ہوتی تھی حاضر ہو کر عدالت کو ترتیب دیں۔ مگر اس عدالت کو سوائے اس جرائم فوجداری کی معمولی سماعت کے جو دیہہ میں ہوتے تھے کسی اور امر سرکاری سے تعلق نہ تھا۔ اور مینر کی تمام عضویت اور جملہ خدمات جو جاگیردار کے لئے انجام دی جاتی تھیں ایک معاشی مقصد پر مبنی تھیں یعنے جاگیردار اس غرض سے آمدنی مہیا کرتا تھا تاکہ وہ اس آمدنی سے اپنے بالا دست رئیس کے موعودہ واجبات پورا کر سکے اور موجودالوقت معاشرے میں اپنا اعزاز قائم رکھ سکے۔ یہ مینر جو بغرض آمدنی ایک رئیس کے قبضہ و تصرف میں ہوتا تھا جاگیری مینر کہلاتا تھا (domain manor) لیکن لفظ جاگیر "domain" کا یہ استعمال اس کے دوسرے معنی یعنے زمین اسیر کا لحاظ کرتے جو اندرون پرگنہ ہوتی تھی کسی قدر مختلف ہے۔ یہ معاشی استعمال تھا تاکہ دونوں قسم کے مینر ایک دوسرے سے ممیز ہو جائیں۔ ایک وہ جو آمدنی کے لئے تھے دوسرے وہ جو جاگیری خدمات کی شرائط پر وابستگان کو دیئے جاتے تھے۔ جاگیریت کے تدریجی سلسلے میں تمام درجے والوں کو لازمی طور پر جاگیری مینر حاصل تھے۔ یہ سلسلہ ایک تحتانی مبارز سے شروع ہو کر بیرنوں کے تمام تدریجی طبقوں میں سے ہو کر بادشاہ تک جاتا تھا۔ تحتانی مبارز کا مینر اندرون جاگیر مختصر ہوتا تھا۔ فوقانی بیرنوں کے تصرف میں درجہ بدرجہ ایسے مینر تھے جو ان کا اعزاز قائم رکھنے کے لئے کافی تھے اور پادشاہ کے مینر ان تمام مینروں سے بھی بڑھے ہوئے تھے جو ایک مالدار سے مالدار بیرن کے تصرف میں ہوتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ پادشاہ کو اپنی آمدنی میں سے مملکت کے بعض مصارف پورے کرنے پڑتے تھے۔

اصل میں اگر غور کیا جائے تو معاشی نظام جاگیریت ان ہی جاگیری مینروں کا نام تھا جن میں معاشی مشروط الخدمت قبضہ اراضی کا طریقہ اور رواجی قانون نافذ تھے جن پر اس قبضے کی بنیاد قائم تھی۔ سیاسی نظام جاگیری بھی اس کی ہمشیرہ اور اسی زمانے کا ایک دوسرا انتظام تھا۔ اس میں گو مینر ہی تھے لیکن ان کی خدمات علیحدہ تھیں جو اپنے خاص قانون کی پابند تھیں۔ اس نظام تدریجی کا سرگروہ بھی بادشاہ ہی تھا اور اس حیثیت میں

پادشاہ تمام اراضی سلطنت کا مالک تھا یا قانون دانوں کے ٹھیٹ منطقی استدلال کے مطابق وہ اس کی سلطنت خدا کی عطا کردہ تھی ۔ تمام زمیندار ہر حالت میں اس کے اسامی تھے ۔ یہ لوگ یا تو پادشاہ کے اسامیان اعلےٰ تھے یا درمیانی رئیس تھے جو پادشاہ اور اسامیوں کے بیچ میں پڑتے تھے ۔ تمام اراضی سلطنت میں سے جن کا شمار رفتہ رفتہ ہیٹروں میں ہونے لگا تھا پادشاہ نے چند ہیٹروں کو جاگیرات صرفخاص کے طور پر اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا ۔ اور بقیہ اراضی کو اپنے اسامیان اعلےٰ یعنے چھوٹے اور بڑے بیرنوں پر حسب حیثیت تقسیم کر دیا تھا ۔ جو خدمات پادشاہ ان اسامیوں سے معاوضے میں حاصل کرتا تھا ان سب کی سیاسی خصوصیت تھی اور ان ہی خدمات سے مملکت کے اکثر کاروبار انجام پاتے تھے ۔ سب سے زیادہ عام خدمت تو فوجی خدمت تھی اور فوج کے لئے تو بالخصوص مملکت کو نظام جاگیری پر انحصار کرنا پڑتا تھا ۔ اسی طریقے سے دوسری جاگیری خدمت سے مملکت کو مجلس عظمیٰ یا عدالتِ شاہی حاصل ہوگئی جو بذات خود مرکزی مجلسِ منفذہ اور عدالت عالیہ بھی تھی ۔ اس اس زمانے میں بھی جبکہ مرکزی عدالت نے عدالتی ادارات میں جو اپنی خاص نوعیت رکھتے تھے اور واقع میں مستقل تھے اور رفتہ رفتہ فنی بن رہے تھے امتیازات پیدا کرکے چھانٹنا شروع کر دیا تھا یہ خیال برابر جما ہوا تھا کہ جج بیرن ہوتے ہیں یا بیرنوں کے ہمرتبہ ہوتے ہیں ۔ مرکزی نظم ونسق کی کل کے چلانے والے بھی یہی وابستگان شاہی تھے جن کے کوئی مشاہرے نہیں ہوتے تھے بلکہ یہی ہیٹر ان کی خدمات کے معاوضے میں دئے جاتے تھے ۔ اس زمانے کے عملدرآمد سے دونوں قسم کے ہیٹروں میں علانیہ فرق پڑ گیا تھا ۔ ایک جو ان خدمات کے لئے تھے اور دوسرے جو فوجی خدمت کے لئے مشروط تھے اول الذکر ہیٹروں کو سارجنٹیاں کہتے تھے ۔ ان میں بڑی سارجنٹیاں وہ تھیں جن کی متعلقہ خدمتیں نمایاں اعزاز رکھتی تھیں ، اور چھوٹی سارجنٹیاں وہ تھیں جن کی خدمت بالکل معمولی یا تقریباً ذلیل تھی ۔ گو یہ سارجنٹیاں فوجی عطیات نہیں تھیں تاہم جاگیری تھیں اور در اصل جاگیری عہد میں آج کل کی گویا سول سروس کے مماثل تھیں ۔

ہر آسامی اعلےٰ اپنی جاگیر حاصل کرنے کے بعد اس کا اسی طرح سے انتظام کرتا جیسا خود پادشاہ کرتا تھا ۔ مثال کی خاطر فرض کرو کہ پادشاہ ۴۰ ہم سپارزوں کی خدمت

کے لئے ارل آف سرے کو ۰ ۸ ہیئر عطا کرتا ہے تو ارل سیر کے ہینڈوں کے طور پر ۳۰ ہیلز خود رکھ لیتا ہے اور باقی ۵۰ کو ۵ ہم مبارزین کی خدمت کے لئے اپنے وابستگان کے سپرد کر دیتا ہے اور یہ عام قاعدہ تھا کہ بڑے بیرن اپنی معاشرتی اور سیاسی قدر و منزلت بڑھانے کے لئے پادشاہ کی مطلوبہ خدمت سے زیادہ مبارزین کو جاگیردار بناتے تھے ذیلی وابستگان کو جاگیریں دینے کا جو یہ طریقہ تھا وہ "عطائے شکمی جاگیرات" کہلاتا تھا۔ ارل کے وابستگان بھی اپنی جاگیروں کا وہی انتظام کرتے تھے اور یہ سلسلہ آخری اکائی تک چلا جاتا تھا جس حد پر ہم یہ فرض کر کے آئے ہیں کہ ایک چھوٹا مبارز ہے جس کے قبضے میں ایک ہی ہیلیز ہے۔ اول سے لیکر آخر تک ان تمام وابستگاں کے ذمے نہ صرف فوجی واجبات ہوتے تھے بلکہ تمام مروجہ خدمات جاگیری بھی ہوتے تھے جن میں عدالتی خدمت بھی شامل تھی۔ ہر رئیس اپنے اسامیوں کی تعداد کو ملحوظ رکھ کر اپنی خاص عدالت بیرنی رکھتا تھا یہ عدالت وابستگانِ جاگیردار کے مقدمات جاگیری قانون کے مطابق فیصل کرتی تھی اور وہ مقدمات فیصل کرتی تھی جو مقبوضات اراضی سے متعلق تھے اور وابستگاں کے آپس کے اور رئیس کے تعلقات پر اثر ڈالتے تھے۔

جاگیری خدمات۔ متداولہ جاگیری خدمات میں جن کا رئیس کیلئے ادا کرنا ایک وابستہ کے لئے لازم تھا چند رقمی ادائیاں بھی شامل تھیں جن کو احتیاط سے ان رقوم سے جدا کرنا چاہیے جو معاشی نوعیت رکھتی تھیں۔ جب ایک وابستہ بہ حیثیت وارث کے اپنی جاگیر پر قابض ہوتا تھا تو اس کو ایک نذرانہ (Retevium) ادا کرنا پڑتا تھا اور یہ گویا اس کی جاگیر کا معاوضہ بازیافت تھا نظریے کے اعتبار سے اس کا مطلب یہ تھا کہ وابستہ اور اس کے وارث کے قبضہ و تصرف کے درمیان رئیس کی ملکیت حائل ہے اسامی اعلےٰ کے متعلق یہ عمل ہوتا تھا کہ پادشاہ کی ملکیت مکمل ہو جاتی تھی اور جاگیر کا واقعی قبضہ جس کو "قبضۂ اولی" (Primer Seisin) کہتے تھے سرکاری حکام حاصل کر لیتے تھے۔ نذرانے کے عطا کرنے کے بعد وارث کو رسم اطاعت ادا کرنے اور حلف وفاشعاری اٹھانے کا حق دیا جاتا تھا اور باضابطہ "تشریف" کے ذریعے سے اس کو جاگیر کا قانونی قبضہ ملتا تھا۔ غرض یہ نذرانہ ایک ایسی رقم تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ ہر آنے والی نسل کو یہ بات یاد رہے کہ قابض زمین صرف ایک اسامی ہے مالک نہیں ہے۔

اس نذرانے کے علاوہ اور بھی رقوم تھیں جن کو امداد aids, *auxilia* کہتے تھے اور یہ بھی جاگیری ذمہ داریاں سمجھی جاتی تھیں۔ یہ رقوم خاص موقعوں پر ادا ہوتی تھیں یعنے جب رئیس پر غیر معمولی مصارف کا بار پڑ جاتا تھا تو اسامی اس کی اعانت کرتے تھے۔ یہ انگلستان میں اس وقت ہوتا تھا جبکہ بادشاہ کا بڑا بیٹا مبارز بنایا جاتا اور بادشاہ کی لڑکی (بالعموم بڑی لڑکی) کی پہلی شادی ہوتی تھی اور جب خود بادشاہ اسیر جنگ ہوکر زرفدیہ ادا کرنے پر مجبور ہوتا تھا۔ نیز بعض اوقات خاص مواقع پر جبکہ رئیس جاگیردار کو اپنی مرہونہ زمینوں کا یہودیوں کے ہاتھ سے فک رہن کرانا ہوتا تھا تو ایک زائد امداد طلب کی جاسکتی تھی اور اس کے متعلق توقع کی جاسکتی تھی کہ اسامی کبھی اس سے انکار نہیں کرے گا۔ لیکن یہ امدادیں اختیاری تھیں اور غیر جبری کہی جاتی تھیں۔ ادا کرنے والوں کی قبل از وقت رضامندی کے بغیر یہ جمع نہیں کی جاسکتی تھیں۔ یہ رقوم نہ تو محاصل تھیں نہ معاشی وصولات بلکہ ان کا تعلق رئیس جاگیردار اور اس کے وابستگان کے باہمی رشتہ سے تھا چنانچہ ان کے آپس کے طے شدہ تعلقات کے مطابق ان کی تاویل کرنی چاہیئے۔

اسی طرح کے دیگر اصول تھے جن کی بنا پر رئیس جاگیردار کو اور حقوق حاصل تھے اور جب ان کا وقت آتا مالی نقطۂ نظر سے ان کی اہمیت بہت بڑھ جاتی تھی۔ جب تک وارث جاگیر نابالغ رہتا اس وقت تک رئیس جاگیردار اپنے حق ولایت کی بنا پر جاگیر پر قبضہ کر لیتا تھا کیونکہ اس کے متعلق نظریہ یہ تھا کہ نابالغ وارث اپنے واجبی خدمات انجام دینے کے قابل نہیں ہے۔ رئیس پر از روئے قانون یہ لازم تھا کہ اپنے وابستگان کی اولاد کو تعلیم دلائے اور ان کی حیثیت کے مطابق ان کا کفیل ہو۔ جاگیردار متوفی کی بیوہ کے حقوق جہیز میں ہاتھ ڈالنے کا اس کو حق نہیں تھا۔ لیکن ان ذمہ داریوں کو چھوڑ کر وارث کے سن بلوغ کو پہنچنے تک جاگیر کی تمام آمدنی اسی کی تھی اور اس پر اس کی کوئی جوابدہی نہ تھی۔ اگر جاگیر کی وارث لڑکی ہوتی تو از روئے قانون جاگیری رئیس کو یہ حق تھا کہ اس لڑکی کی شادی کا انتظام کرے یعنے اس کو یہ حق تھا کہ اس کے شوہر کا انتخاب کرے اور اس کے متعلق نظریہ یہ تھا کہ خود رئیس کو اس امر کا یقین ہونا چاہیئے کہ آیا وہ شوہر واجبی خدمات انجام دینے کے قابل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ حق ایک مالی حق تھا چنانچہ یہ حق انتخاب طالب ازدواج یا خود وارثہ یا اس کے خاندان کے ہاتھ

روپے کے عوض میں فروخت کر دیا جاتا تھا۔ جب وابستہ کی نسل ختم ہو جاتی تھی تو از روئے اصول بازگشت جاگیر رئیس کی ملکیت کی طرف عود کر جاتی تھی یا کسی سنگین جرم کی وجہ سے اس کے مقبوضات ضبط ہو جاتے تھے۔ اور جب مجرم ایک تحتانی وابستہ ہوتا تو ایسی صورت میں بادشاہ بھی اپنے حق قبضۂ اولی کی بنا پر ایک سال اور ایک دن کے لئے اس پر قبضہ کر لیتا تھا۔

ان سیاسی عطیات اراضی کی درآمد سے ملک میں جو تغیر واقع ہوا وہ اپنی فوری اشاعت اور اہل انگلستان کو متاثر کرنے میں ان تمام تغیرات سے بڑھ چڑھ کر ہے جو فتح کے بعد پیدا ہوئے کیونکہ اس کا تعلق انتقال اراضی سے ہے جو سیکسنوں سے نکل کر نارمنوں کے ہاتھ میں آئی۔ کسی قانون کو وضع کر کے یا کسی اعلان عام سے یہ تغیر نہیں کیا گیا نہ یہ اچانک ہوا بلکہ جوں جوں ولیم ضبط شدہ جائدادوں کو اپنے ساتھیوں پر تقسیم کرتا گیا یا بعض صورتوں میں ان کے پرانے مالکوں کو واپس کر دیا۔ الغرض یہ تغیر رفتہ رفتہ عمل میں آیا۔ غالباً یہ کبھی نہیں ہوا کہ جان بوجھکر یا پہلے سے پیش بندی کر کے یہ تبدیلی کی گئی ہو۔ تمام مقبوضہ اراضیات جو بادشاہ کی عطیات تھیں ان کی حقیت جاگیری قرار دی گئی اور سیاسی تنظیم کی بنیاد بنائی گئی۔ بات یہ ہے کہ یہی ایک قدرتی صورت تھی اور یہی ایک انتظام تھا جو نارمنوں کے سمجھ میں آتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ یہ انتظام بالکل عام کر دیا گیا مثلاً اراضی کلیسا بھی اس کے تحت کر دی گئی۔ اگرچہ کلیسا اور خانقاہوں کے ہاتھ انہیں بالعموم سیکسنوں کے زمانے کی دی ہوئی زمینیں باقی تھیں مگر اب وہ جاگیری کر دی گئیں۔ اساقفہ اور رہبان بادشاہ کے وابستگان بن گئے اور ان کے عطیات اراضی کے خاص حصے بیرنی بنا دیے گئے جن کا قبضہ اسی قسم کی خدمات کے لئے مشروط تھا جو دنیوی بیرنوں پر واجب تھے تمام کلیسائی اراضی کسی طرح بیرنی نہیں ہو سکتے تھے بلکہ کلیسا اور رہبان کی پرورش کے لئے ایک حصہ مختص رہتا تھا۔ ان آخر الذکر اراضی کا قبضہ بالعموم ایسی حقیت اراضی کی بنا پر تھا جس کو جاگیر خیرات و مبرات frank almoign کہتے تھے یعنے ان کے متعلق کوئی خدمت نہ تھی بلکہ یہ محض مذہبی خدمات کے لئے مثلاً ارواح صلحاء کی دعائے مغفرت کے واسطے وقف تھے۔ اس کے علاوہ ہر کلیسا کے قبضے میں ایسے اراضی بھی تھے جن کو "دنیوی جاگیر" (Lay fees) کہتے تھے یعنے ان کا قبضہ

منجانب سطحی اس غرض سے دیا جاتا تھا کہ قابض ایک دنیا دار کی طرح معمولی خدمات انجام دے۔
یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ ولیم نے انگلستان میں نظام گیری جاری کیا تو شاہی اقتدار کو مستحکم کرنے کی غرض سے اس میں بہت اہم تراش خراش کر دیے لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ اس کا کوئی ایسا ارادہ تھا۔ پھر اس کی پیش بندی سمجھنا تو بالکل خلاف عقل ہے اور یہ بات کہ اکثر بڑے بیرنوں کے مقبوضات اراضی مختلف اضلاع میں بکھرے ہوئے تھے سلطنت کی تدریجی تسخیر کا قدرتی نتیجہ تھا اور دوسرا سبب یہ تھا کہ ان کے سیکسن پیشروؤں کی جائدادیں جو سب کی سب چند نارمنوں کو دی گئی تھیں وہ بھی اسی طرح سے بکھری ہوئی تھیں۔ براعظم کی جاگیری مقبوضات پر بھی یہی بات صادق آتی تھی۔ صرف وہ بیرن مستثنےٰ تھے جو فرانکی کونسٹ یا ڈیوک کے قائمقام تھے جو کسی زمانے میں ضلع کے گورنر تھے۔ کم از کم بعض صورتوں میں مثلاً۔ چیشر۔ کارنوال۔ شراپشیر اور کنٹ کے متعلق ولیم نے تو ظاہر کر دیا تھا کہ کسی جائداد کے ایک شخص کے ہاتھ میں جمع ہوجانے سے جو تقریباً ایک مقامی ریاست بن سکتی ہے مجھے کوئی ڈر نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے تمام زمینداروں سے خواہ وہ اس کے قریب تر آسامی ہوں یا نہ ہوں حلف اطاعت طلب کیا تھا مگر یہ رواج کچھ نارمن جاگیریت کی جدت نہ تھا بلکہ یہ فرانکی ملوکیت سے ورثے میں ملا تھا اور علمی نقطۂ نظر سے دیکھو تو پادشاہ کو اس سے کچھ فائدہ بھی نہ تھا۔

اب اس وقت یہ دیکھا جائے گا کہ جاگیریت ایک نظام سیاسی کی حیثیت میں تین اصولوں پر مشتمل تھی جو آئندہ دستوری ترقی پر عظیم الشان اثر ڈالتے رہے ہیں منجملہ ان کے اول ملکی خدمت کی ذمہ داریاں تھیں جو پہلے سرکاری طور پر ہر شہری پر واجب تھیں لیکن بعد کو یہ خانگی ذمہ داریاں ہوگئیں جو مشروط الخدمت قبضۂ زمین کے معاوضے میں ایک شخص کی طرف سے دوسرے پر واجب ہوتی گئیں۔ اس کی ایک بہت ہی سہل مثال جاگیری فوجی خدمت ہے مگر عنقریب ہم دیکھیں گے کہ یہ مثال مرکزی مجلس کے سلسلے میں کام آئیگی۔ دوسرا اصول اسی سے نکلتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حکومت کے اکثر عام پہلوؤں میں پادشاہ اور اس کی رعایا کے باہمی تعلقات ایک خاص معاہدے کی رو سے منضبط تھے جس کو کوئی فریق دوسرے فریق کی رضامندی کے بغیر نہیں بدل سکتا تھا جاگیری رواج کی رو سے دونوں فریق پر یعنے پادشاہ کی بیرنوں پر اور بیرنوں کی بادشاہ پر جو خدمات واجب تھیں ان کے متعلق ایسے خاص

سمجھے جاتے تھے جو کسی کی خواہش سے بدل نہیں سکتے تھے۔ ان دونوں اصولوں کا ارتقاء دستور پر بہت نتیجہ خیز اثر پڑا ہے۔ تیسرا اصول یہ تھا کہ زمین کا قابض و متصرف محض اسامی تھا مالک نہیں تھا۔ اس اصول نے بھی انگلستان کے قانون اراضی اور جائداد کے ارتقاء پر اس سے کچھ کم نتیجہ خیز اثر نہیں ڈالا جس کے نتائج اب تک باقی ہیں جو بعد کو ظاہر کئے جائیں گے۔

مرکزی مجلس ۔ انگریز نارمن مرکزی مجلس یا "دربار شاہی" ایسا ادارہ تھا جو شیرف کے ادارہ سے ہیئت میں بالکل مختلف تھا غالباً اس سے یہ بات اور زیادہ واضح ہوتی ہے کہ حکومت کے افعال و فرائض کس قدر خلط ملط تھے۔ اپنی شکل و شباہت اور اپنے اکثر مفوضہ فرائض کے اعتبار سے یہ مجلس اپنی پیشرو سکسن مجلس کے ایسی مماثل معلوم ہوتی ہے جیسے ہم شیرف کی صدارت میں صاف دیکھ کر آئے ہیں۔ دیکھنے کو یہ ان لوگوں کی مجلس تھی جو ملک و مذہب کے سربرآوردہ شاہی محلات کے عہدہ دار اور شاذ صورتوں میں ایسے لوگ تھے جن کو بادشاہ بلانا چاہتا تھا لیکن حقیقت میں نارمن فتح نے ایک جدید اصول ترکیب پیدا کر دیا جو سب پر حاوی تھا۔ اس اصول سے ایک بین الوارتی تغیر عمل میں آیا چنانچہ ہمیں اس کی ٹھیٹ بنیاد کا پتہ لگانے کے لئے سکسن مملکت کو نہیں بلکہ فرانکی مملکت کو دیکھنا پڑتا ہے یہ جدید اصول ترکیب جاگیری تھا یعنے مجلس عظمیٰ جاگیری بنائی گئی مگر از روئے فرائض نہیں بلکہ از روئے ترکیب و ساخت بنائی گئی۔ اکابر ملک و مذہب اس مجلس کی شرکت سے جو فرائض ادا کرتے تھے وہ اب نہ مملکت سے متعلق تھے نہ بادشاہ سے بحیثیت فرمانروائے ملک کے بلکہ اس کا تعلق نفس بادشاہ کی اس صورت سے تھا جو رئیس و ابستگان دولت ہونے کی حیثیت اس کو حاصل تھی بجنسہ اس طرح سے جیسے خوان وابستوں کے وابستگاں اسی نوع کی مجلسوں میں شرکت کرتے تھے۔ بعض خاص مجلسوں کے ارکان کی صورت میں یہ اصول جاگیری منطبق نہیں ہوتا مگر ان شاذ استثنائی شکلوں کو مجلس مذکور کی قدیم تر خصوصیت کی باقیات نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ یہ بادشاہ کے قدیم تر فرائض کی باقیات ہیں اور بادشاہ کے خاص شاہی اختیارات کی علامت ہیں جو حکومت ملکی میں اس کو حاصل تھے۔ یہی ادارہ لازمی اور استثنائی دونوں خصوصیتوں کے ساتھ تمام جاگیری مملکتوں میں پایا جاتا ہے جو فرانکی شہنشاہیت میں قائم ہوگئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ادارے کے ساتھ کہیں کہیں مقامی کیفیات بھی شریک تھیں۔

چنانچہ اینگلو نارمن مجلس عظمیٰ کی جاگیری خصوصیت سے اس وجہ سے انکار کرنا کہ یہ کینیٹی مجلس سے ظاہری ہئیت اور فرائض میں لگ بھگ تھی گویا یورپ اور لاطینی مشرق کے اس قسم کے تمام اداروں کی جاگیری خصوصیت سے انکار کرنا ہوگا۔

یہ بات سمجھنے سے پہلے کہ اس ادارے کا حکومت میں کیا حصہ تھا جہاں تک ممکن ہو وضاحت کے ساتھ اس پیچیدہ چیز کو سمجھنا ضروری ہے کہ اس مجلس کے شرکاء اس کی چھوٹی اور بڑی دونوں شکلوں میں سوائے حجم کے کسی طرح فرق نہیں کرتے تھے۔ چھوٹی مجلس ایسی جماعت تھی جو بڑی مجلس کے اجلاسوں کے درمیانی وقفوں میں نشست کرتی تھی مگر وہ کچھ ایسی کمیٹی نہ تھی جو بڑی جماعت کے تفویض کئے ہوئے فرائض کو انجام دیتی تھی اور اس کی جوابدہ تھی۔ ہمارا طبعی تقاضہ تو یہ ہے کہ ہم اس کو ایک کمیٹی سمجھیں لیکن اس زمانہ میں کوئی شخص اس کے متعلق ایسا خیال نہیں رکھتا تھا۔ یہ خود بڑی جماعت تھی جو سکڑ کر چھوٹے دائرے میں آگئی تھی اور اس فعل کے باعث وہ لوگ تھے جو حکومت سے براہ راست وابستہ تھے یا بادشاہ کے مقرب تھے اور غالباً ایسے لوگ بھی جو اتفاق سے باریاب ہو جاتے تھے۔ حجم سے عمل کو کوئی تعلق نہ تھا۔ امور مملکت میں چھوٹی کونسل وہی کر سکتی تھی جو بڑی کر سکتی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ یہی چھوٹی مجلس ایسا مستقل اور مستند اول ادارہ تھی کہ اینگلو نارمنی مملکت کے تمام امور اسی کے ذریعے سے انجام پاتے تھے اور اسی کے ذریعے سے ان کی نگرانی ہوتی تھی۔ اس ادارے کی دونوں شکلوں میں جو مطابقت تھی اس کو ہمارے تجزیہ طلب دماغ اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے۔ تاہم اس واقعے کی غیر معمولی اہمیت سے انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ غیر منفسم ادارہ جس میں ابتدائی حکومت کے اکثر مناصب جمع تھے اپنی تمام اشکال کے ساتھ ایک ایسا منبع بن گیا جس سے ادارات کے وہ بے شمار سلسلے نکل آئے جو زمانہ جدید کی مملکت میں موجود ہیں۔ یہی بات یعنی مرکزی جماعت کی دونوں شکلیں اس کے تمام فرائض و اختیارات کو بلا امتیاز عمل میں لاتی تھیں دور مابعد کی تاریخ میں بھی ظاہر ہوتی ہے، چنانچہ اس وقت شاخ در شاخ ادارات و مناصب کی جو بھول بھلیاں سامنے آتی ہیں ان کے اس وقت تک قائم رہنے کا اندیشہ ہے جب تک ابتدائی کیفیات اچھی طرح ذہن نشین نہ کرلی جائیں۔

اس مجلس کو صدر حکومت کا ایک آلہ اور دستور کا ایک عنصر سمجھنا چاہیئے۔ اس کے متعلق خاص بات یہ ہے کہ یہ مملکت کے تمام فرائض کو بغیر اس کے کہ ان کے

درمیان کوئی اداراتی امتیاز پیدا کرے خود عمل میں لاتی یا ان کے عمل کی نگرانی کرتی تھی۔ یہ اعلےٰ مقننہ تھی اور اس زمانے میں جس حد تک قوم کے مختصر کاروبار جدید قانون یا رائج الوقت قانون کی ترمیم کے مقتضی ہوتے تھے یہ گاہے ماہے مقننانہ کام کرتی تھی۔ یہ عدالت عالیہ بھی تھی چنانچہ اس میں اہم مقدمات یا اہم اشخاص کے مقدمات کی سماعت ہوتی اور ان کے فیصلے ہوتے تھے۔ غالباً وہی مجلس تھی اور یہی اس کی عدالتی نشست تھی کہ جس نے کچھ دن پہلے قانون ملک کو بدل دیا تھا۔ مملکت کے تمام عاملانہ اور انتظامانہ جد وجہد کی باگ اسی مجلس کے ہاتھ میں تھی۔ چھوٹے بڑے تمام عاملانہ اور انتظامی حکام اسی کے جوابدہ تھے اور جب ہم اس مجلس کی مقننانہ کارروائی کی مثالیں جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس زمانے میں عمل میں آتے تھے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں درحقیقت اکثر و بیشتر ایسے قانون ہیں جو یا تو انتظامی احکام تھے یا انتظامی عملدرآمد کی تبدیلیاں تھیں۔

مقامی قانون کی تبدیلیاں۔ مقامی ادارات اور مقامی قانون میں فتح کے سبب سے جو تغیرات ہوئے وہ نسبتہً بہت ہی خفیف ہیں۔ جغرافی اعتبار سے صوبہ اور ہنڈریڈ اپنی حالت پر قائم رہے۔ فرائض، اختیارات اور طریقۂ کارروائی کے اعتبار سے صوبہ اور ہنڈریڈ کی عدالتوں میں تو کوئی تغیر نہیں معلوم ہوتا البتہ مذہبی مقدمات کے علیحدہ کر دینے سے جس حد تک تغیر ہو سکتا ہے وہ اختیارات میں ہوا۔ جس قدر ہم کو اس کی تفصیل معلوم ہے نارمنڈی کی مقامی عدالتوں کی کارروائی بالکل اسی قسم کی تھی جو انگلستان کی عدالتی کارروائی تھی چنانچہ نارمنوں کو کسی تبدیلی کی ضرورت نہ تھی۔ تاہم نارمنڈی میں اور خاص طور پر ان مقدمات کے سلسلے میں جو اراضی یا اثبات جرائم سے متعلق تھے شہادت کا ایک طریقہ یعنے شہادت بذریعۂ جنگ یا "عدالتی محباولہ" رائج تھا جو سکسنوں کے ہاں نہیں تھا۔ اس طریقے کو نارمنوں نے جاری رکھا لیکن انگریز اس بات پر مجبور نہ تھے کہ خود اپنے میں یا نارمنوں کے ساتھ تمام مقدمات میں اسی طریقے پر عمل کریں۔ مقدمے کی سماعت میں محباولہ "آزمایش غیبی" کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا لیکن دراصل وہ آزمایش غیبی سے مختلف تھا۔ عدالت صوبہ کو عدالتِ شاہی کے مقامی اجلاس کے لئے استعمال کرنا ایک اور اہم عملی ایجاد تھی جس پر اگلے باب میں

بحث کی جائے گی۔

مشترکہ ذمہ داری ۔ نارمنی دور کے اوائل میں غالباً ولیم اول کے عہد حکومت میں سیکسنوں والی دیہی گھرانوں کی مشترکہ ذمہ داری (Tithing) شخصی ضمانتوں کے طریق سے متاثر ہو کر طریق فرینک پلیج (Frankpledge) یعنے مجموعی ذمہ داری کی شکل میں تبدیل ہو گئی اور تین سو سال سے زیادہ تک انگریزی مقامی حکومتوں میں اپنا کام کرتی رہی ۔ اگر سب نہیں تو تقریباً تمام انگلستان میں یہ قاعدہ تھا کہ سب کو فرینک پلیج اور ٹائی تھنگ میں شریک ہونا پڑتا تھا ۔ دس بارہ اشخاص مل کر آئینی صاحب ٹائی تھنگ ہو جاتے تھے مگر اس سے وہ لوگ مستثنیٰ تھے جو صاحب جائداد خصوصاً زمیندار تھے کیونکہ اس جائداد سے خود ان کی کفالت منصور تھی یا جو کسی ذمہ دار شخصیت کے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ سے یعنے اس کے گھر میں رہنے کی وجہ سے اس کے زیر حمایت تھے ۔ دیہہ کا یہ فرض تھا کہ بارہ سال سے زیادہ عمر کے تمام باشندگان ذکور کو ٹائی تھنگ میں شریک کرے ۔ جب عدالت میں کسی ملزم کی مشترک ذمہ داری میں عدم شرکت ثابت ہوتی تھی تو دیہہ پر جرمانہ عائد کیا جاتا تھا لیکن جب باوجود شریک ہونے کے جماعت ذمہ دار ملزم گرفتار کر کے پیش نہ کرتی تھی تو اس جماعت پر جرمانہ کیا جاتا تھا ۔ یہ مجموعی ذمہ داری کا ایک طریق تھا اور اس کی غایت یہ تھی کہ مشتبہ مجرمین کی گرفتاری عمل آئے کیونکہ گرفتاری اس زمانے میں ایک بہت ہی دشوار گذار کام تھا ۔ عدالت کے پرانے کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بعض مرتبہ دیہہ اور ٹائی تھنگ محض عدم قدرت کی وجہ سے اس معاملے میں کامیاب نہ ہوتے تھے تو ان پر دھڑلے سے جرمانے کئے جاتے تھے ۔ مجموعی ضمانت بشرط پابندی ایک اچھا طریقہ تھا اور اس زمانے میں انتظامی مشکلات کے حل کے لئے اس سے بہتر طریقہ کوئی نہیں ہو سکتا تھا ۔

ایک ایسے زمانے میں جس کا سنہ ہم یقین سے نہیں بتا سکتے شیرف اس امر کی تنقیح کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا کہ آیا اہل صوبہ باقاعدہ شریک ذمہ داری ہوتے ہیں اور مجموعی ذمہ داری کا کام برابر چلتا ہے یا نہیں چنانچہ وہ ایک طرز عمل سے جس کو شیرف کا دورہ کہتے ہیں اپنی ذمہ داری پوری کرتا تھا یعنے ہنڈریڈ میں دورہ کرتا تھا اور سال میں دو مرتبہ عدالت ہنڈریڈ کے مخصوص اجلاس کا ملاحظہ ہو " مجموعی ضمانت کا

معائنہ" کرتا تھا۔ جاگیری زمانے میں بہت سی چیزیں جو حکومت سے متعلق تھیں وہ خانگی نگرانی میں چلی گئیں، چنانچہ یہ فرض بھی جو مقامی کوتوالی اور امن و امان قائم رکھنے کے لئے بہت ضروری تھا اکثر و بیشتر صورتوں میں رئیس جاگیردار کو دے دیا گیا۔ عدالت ہنڈریڈ اس کے قبضے میں آگئی اور اس عدالت سے اکثر صورتوں میں شیرف نکال دیا گیا۔

خانگی عدالتیں ۔ خانگی اختیارات کا وہ نیم معاشی نیم کوتوالی نظام فتح سے پہلے تقریباً عام طور پر ترقی پا چکا تھا اور اب اس کو نارمنوں نے مسدود نہیں کیا بلکہ صرف اتنا ہوا کہ جوں جوں مجموعی ضمانت کے طریقے میں ترقی ہوئی اور جدید فوجداری انصاف کا آہستہ نشو و نما ہونے لگا مقامی کوتوالی پر سرکاری نگرانی بہت زیادہ سخت ہو گئی۔ اپنے وطن میں نارمن اس قسم کی خانگی عدالتوں سے واقف تھے، اس لئے انگلستان آکر ان کو ان میں دست اندازی کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ سیکسنوں نے خانگی ہدوسا کو جو عدالتہائے ہنڈریڈ کے اختیارات عطا کر دیئے تھے ان کو بادشاہوں نے نہ صرف فراخ دلی سے تسلیم کر لیا بلکہ خود اپنی طرف سے بھی ان میں اضافہ کیا اور بہت دن نہیں ہوئے تھے کہ دیگر رعایتوں کی عطا کے ساتھ خود مجموعی ضمانت کے اختیارات کو بھی خوشی سے حوالے کر دیا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نارمنی مملکت کی مرکزیت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ ان عطیات سے معطی و معطی لہ دونوں کا منشا کچھ سیاسی آزادی نہ تھا بلکہ رسوم عدالت اور جرمانوں کے ذریعے مالی آمدنی مقصود تھی۔ ان عطیات سے کوئی مطلق العنانی میں کوئی قابل لحاظ اضافہ نہیں ہوا حالانکہ مرکزی حکومت نے ان عدالتوں کو اپنے قبضے میں لینے کی اس وقت حقیقی کوشش کی ہے جب کہ نارمنوں کو ملک میں آئے ہوئے دو سو سال سے زیادہ ہو چکے تھے۔

سیاسی جاگیریت کے ساتھ نارمنوں نے خانگی عدالت کی ایک جدید قسم بھی داخل کی جو صحیح معنوں میں جاگیری عدالت تھی یا امتیاز کی غرض سے اس کا بہتر نام عدالت بیرنی ہو سکتا ہے۔ یہ رئیس کی عدالت تھی جو اسکے وابستگان اور اسامی متعلق کے لئے مقصود تھی۔ اس کے حدود اختیار میں ان لوگوں کے مقبوضات، ان کے باہمی تعلقات اور ان خدمات کے مسائل داخل تھے جو ان کے رئیس کی طرف سے ان پر واجب تھے۔ تنظیم اور طریقۂ کارروائی کے اعتبار سے یہ اس زمانے کی دیگر عدالتوں کے مماثل تھی۔ عدالت تعلقہ (ہنڈریڈ) کی طرح یہ بھی ایک عدالتی مجلس تھی جو سماعت اور شہادت کے لئے اسی عدالت کے طریقے

استعمال کرتی تھی۔ رئیس یا اس کا نائب اس کا میر مجلس ہوتا تھا مگر یہ جج نہیں بلکہ معدل تھے۔ مگر جس قانون کا یہ نفاذ کرتی تھی وہ تعلقہ (ہنڈرڈ) کا قانون نہ تھا جیسے "ذی اختیار عدالت مطلق" میں چلتا تھا (Franchisal Court) نہ عدالت جاگیری کا رواجی قانون تھا بلکہ صحیح معنوں میں وہ جاگیری قانون تھا جو رئیس اور اس کے وابستگان کے باہمی تعلقات کو پابند کرتا تھا۔

اس طریقے سے نارمنی انگلستان میں تین قسم کی نجی عدالتیں تھیں اور جیسا از روئے عمل ان میں امتیاز تھا اسی طرح نظری طور پر ہم ان میں بین تفریق کرسکتے ہیں۔ ایک عدالت بیرنی تھی جس کو سیاسی جاگیریت میں رئیس اور آزاد معطی لہم کے باہمی تعلقات سے کام پڑتا تھا دوسرے عدالت تعلقہ تھی جو نجی لوگوں کے ہاتھ میں تھی جس کا اچھا نام عدالت "مطلق (Franchisal Court) ہوسکتا ہے کیونکہ یہ عدالت و مطلق اختیارات (Franchise) کے عطا کے ساتھ قائم کی گئی تھی یعنے اس کو مقامی حکومت او مقامی حکام سے بے نیاز کردیا گیا تھا جس کو بالعموم انگلستان میں "آزادی" (Liberty) کہتے تھے۔ تیسرے عدالت جاگیری یا صحیح معنوں میں عدالت مینر جسے معاشی جاگیریت کے میدان میں مینر اور اس کے اسامی ان کے باہمی تعلقات اور ان کے اور ان کے رئیس کے تعلقات سے کام پڑتا تھا۔ سہولت اور کفایت کی غرض سے ان عدالتوں سے خصوصاً آخر الذکر دو عدالتوں سے ایک دوسرے کا کام لیا جاتا تھا مگر ایسا نہیں کہ جس سے ان کے مخصوص اختیارات میں الجھن ہو جائے یا ان کا درمیانی اختلاف دور ہو جائے یا ان کے مختلف قوانین کا جس کی وہ تاویل کرتے تھے درمیانی فرق مٹ جائے عدالت بیرنی ہے، جو بعض اوقات "عدالت معزز" (Honour) کہلاتی تھی کیونکہ بیرنی کو بعض اوقات "اعزاز" کا نام دیا جاتا تھا، غیر کام شاذ و نادر لیا جاتا تھا اگرچہ کبھی کبھی ان مقدمات کے لئے جو اسی رئیس کی عدالت جاگیری سے مرافعے کے لئے آتے تھے یہ عدالت مرافعہ کا کام دیتی تھی۔

آبادی کے طبقے۔ انگلستان کی آبادی انھیں طبقات اور مراتب میں بٹی رہی جس طرح سیکسنی انگلستان میں تھی۔ جدید امارت پہلے کی بہ نسبت زیادہ طاقتور اور زیادہ محدود ہوگئی اور غیر امارتی پیدایش والوں کو اس میں داخل ہونا ظاہر بہت مشکل ہوگیا۔ ٹھیٹ جاگیری عطیات اراضی یعنے سیاسی جاگیری ہمیشہ امیرانہ عطیات سمجھے جاتے تھے

اور صرف ایک ارل کو مستثنیٰ کر دیا جائے تو جاگیری معطی لہم کے مابین رتبہ اور حیثیت کے کوئی قانونی امتیازات نہ تھے۔ جس طرح سیکسنوں کے زمانے میں تھا اس وقت بھی عام آزاد شخص کی زمینداری جو غیر جاگیری اور اکثر غیر فوجی حقیت تھی بالعموم زرعی عطیہ (Socage tenure) سمجھی جاتی تھی۔ اور یہ امیر اور زرعی غلام کے بیچ میں پڑتی تھی اور سب سے نیچے کی سطح میں غیر آزاد لوگوں کے مختلف مدارج شامل تھے۔ یہ بات ناممکن تھی کہ ملک کی آبادی نارمنی فتح جیسے انقلاب میں سے ہو کر گذرے اور کوئی شخص تباہی میں نہ آئے، سیکسن لوگ بالعموم موجودہ شواہد کی بہ نسبت کہیں زیادہ گھاٹے میں آئے۔ معدودے چند سیکسن امیر نارمنی امارت میں داخل ہوئے اور جہاں تک عام آزاد اشخاص کا تعلق ہے ان کا اضافی اثر جاتا رہا۔ مقامی اور ملکی معاملات میں ان کی علانیہ قدر و منزلت گھٹ گئی اور ان کی پچھلی حالت نے عود کیا تو ایک زمانے کے بعد۔ نیز اس میں کوئی شک نہیں کہ اس اس طبقہ کے بہت سے افراد نیچے کے طبقے میں دب کر رہ گئے۔ دیگر سیکسنی طبقوں کے مقابلے میں اگر زرعی غلاموں کو کوئی نقصان نہیں ہوا تو اس تغیر سے انھیں کچھ حاصل بھی نہیں ہوا بر خلاف اس کے ممکن ہے کہ سب سے ذیلی طبقے کے افراد کو کچھ حاصل ہوا ہو۔ زرعی غلاموں کی اصلاح عام معاشی ترقی کے بعد ہوئی اور عام احرار یا آزاد اشخاص نے عدالتی اصلاحات کی ترقی کے ساتھ جو بارھویں صدی میں ہوی بہت جلد اپنے پچھلے اقتدارات حاصل کر لئے۔

پادشاہ اور بیرن۔ فتح کے بعد پادشاہ اور بیرن ایک دوسرے کے ایسے حریف ہو گئے گویا یہ اس وقت دو سب سے زیادہ پر زور طاقتیں تھیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اگر بیرنوں کے گروہ میں پادری بھی شامل کر لئے جائیں (چنانچہ حکومت کے نقطۂ نظر سے شامل کرنا چاہئے) تو صرف یہی طاقتیں تھیں جو اس زمانے میں ملکی جد وجہد اور حکومت کو متاثر کرتی تھیں۔ متوسط اور ذیلی طبقوں کو آبادی میں ابھی یہ رتبہ نصیب نہیں ہوا تھا کہ وہ ملکی معاملات میں اپنا زور دکھائیں اور نہ اس وقت ایسے اوارتی کل پرزے موجود تھے جن کے ذریعے سے ان کی آواز کی شنوائی ہو سکے۔ دونوں بڑی طاقتوں میں پادشاہ کا زور بڑھا ہوا تھا لیکن بیرنوں کے قبضے میں جاگیری معاہدے کی صورت میں جس سے شاہی اختیارات محدود ہوتے تھے اصول کا ایک ایسا ہتھیار تھا جس میں آیندہ ہونے والی

"محدود شاہی" کی بنیاد ودیعت تھی یہ حقیقت میں شاہی اختیارات کا عظیم الشان غلبہ تھا جو خود اپنی آپ تباہی کا باعث ثابت ہوا۔

اس وقت تک بادشاہ اور بیرنوں میں سے کسی کو مستقبل کے متعلق نہ وسعت نظر حاصل تھی نہ دستوری ترقی یا مخصوص حقوق کا واضح تصور تھا۔ بادشاہ کو اپنے اختیارات کی آئندہ بنیادیں مستحکم کرنے کا بہت کم خیال تھا، صرف فکر یہ تھی کہ اس وقت من مانے اختیارات استعمال کریں۔ کوئی بیرن ملکی معاملات میں اپنے حصہ لینے کو خوشی سے نہیں دیکھتا تھا کہ وہ اس کا امتیازی حق ہے یا اجرائے حکومت پر اس کو اثر ڈالنے کا خاصہ موقع حاصل ہے، بلکہ یہ اس کے لئے ایک زبردستی کا بوجھ تھا۔ ایسی آبادی میں ملکی خدمتگزاری کے بلند خیالات نہیں پائے جاتے، اور افراد جہاں تک ہو سکے ملکی معاملات میں اپنا حصہ کم کرکے خوشی سے اپنا پہلو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تقریباً ہر چیز بادشاہ کی رائے اور فیصلے پر منحصر تھی اگرچہ اس میں کوئی پیشبندی اور کوئی ادارتی مقصد شامل نہیں تھا۔

BIBLIOGRAPHICAL NOTE :— G. B. Adams, *Local King's Courts in the Reign of William I, yale Law Journal XXIII*, 90, 1914; *Private Jurisdiction in England*, A H. R. *XXIII* 596. 1918. C. M. Anderews, *The Old English Manor*. 1892. H. Bœhmer, *Kirche und Staat in England und in der Normandie in* XI *und* XII *Jahrhundert*, 1899. C. H. Haskins, *Norman Institutions*, 1918. F. W. Maitland, *Domesday Book and Beyond* 1897 W. A. Morris, *The Frankpledge System* 1910. J. H. Round, *Feudal England* 1895. F. M. Stenton, *William the Conqueror*, 1908. Sir, P. Vinogradoff, *Villainage in England* 1892; *English Society in the Eleventh Century* 1908; *The Growth of the Manor*, 1911.

باب ۳

نارمنی دور

نارمنی فتح کے پیدا کئے ہوئے تغیرات کی اہمیت اس بات میں ہے کہ ان کو توضیحات اور تاویلات کی روشنی میں دیکھا جائے محض ادارات کے نقطۂ نظر سے ان کی بہت کم اہمیت ہے۔ جہاں تک ادارات کا تعلق ہے ایک بڑی تبدیلی ہوئی ہے جو جاگیریت کی درآمد کا لازمی نتیجہ تھا یعنے ایک تو مجلس عظمٰی کی ترکیب بدل گئی دوسرے جدید قانون اراضی یعنے خالص جاگیری حقیت اراضی کا قانون رائج ہوگیا۔ برخلاف اس کے توضیحات اور تاویلات میں جو تبدیلیاں ہوئیں وہ بہت گہری تھیں اور کم از کم ایک بات میں تو بہت معنی خیز ہیں کہ دستور میں انھوں نے بادشاہ کی حیثیت پر بہت بڑا اثر ڈالا تیرھویں صدی کے وسط تک جب کہ پارلیمنٹ کا عروج ہونے لگا ہے کوئی اہم موضوع دستوری دلچسپی کا تھا تو یہی بادشاہ کا اقتدار اور اس کا خوش آیندہ مستقبل تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بارھویں صدی کے نصف آخر میں جو عدالتی اصطلاحات عمل میں آئی ہیں وہ بھی عظیم الشان اور دیرپا اہمیت رکھتی تھیں لیکن انجام کار یہ اہمیت کچھ دستوری ثابت نہیں ہوئی یعنے اس نے تمام نظام حکومت کی خصوصیت پر کچھ اثر نہیں ڈالا۔ بلکہ ان کی صرف ایک ادارتی اہمیت تھی کیونکہ حکومت کے ذیلی امور سے اس کا تعلق تھا۔ تاہم اوائل میں جس طرح ان کی ادارتی شان تھی اسی طرح دستوری بھی تھی اور یہ اس وجہ

سے نمی کہ یہ اصلاحات شاہی اقتدار پر براہ راست اثر ڈالتی تھیں ۔ شاہی اقتدار اور اس کا مستقبل ایک ایسی چیز ہے جو فتح کے بعد کی دو سو سال کی تاریخ میں اساسی حیثیت رکھتی ہے ۔ اگر ہم اس کو ایک حل طلب مسئلے سے موسوم کریں تو اس زمانہ کا مسئلہ یہ تھا کہ آیا بادشاہ اس قابل ہو جائے گا کہ اپنے اختیارات جو اس وقت اداراتی نہیں بلکہ صرف ایک علمدرآمد کی حد تک تھے اور قانون سے نہیں بلکہ توضیحات و تاویلات سے ماخوذ ہوئے تھے دستوری اختیارات کی صورت میں ایسے بدل دے گا جو مستقل طور پر قانون و ادارات میں جگہ کرلیں گے ۔ یا اس بات کا امکان ہے کہ خود سر اختیارات کو مقید کرنے کے لئے قانون جاگیری میں جو بالکل نامکمل اور ابتدائی قیود موجود ہیں وہ ترقی کر کے دستور کے واجب العمل اصول بن جائیں گے ۔

شاہی اقتدار کا وہ عنصر جو شاہی "اختیار خصوصی کہلاتا ہے اور جس کی زمانۂ حال تک تمام تاریخ دستوری میں اہمیت چلی آرہی ہے اس کی پہلے ہی سے وہ حیثیت تھی جو کم از کم نیم اداراتی کہی جا سکتی ہے ۔ یعنے عدالتیں اس کو تسلیم کرتی تھیں اور سمجھتی تھیں کہ بادشاہ کو خود ان سے بھی بالاتر اختیارات حاصل ہیں ۔ جس وقت سے لوگ اپنی حکومت کے متعلق قیاس آرائی کرنے لگے ہیں بادشاہ کے اختیار خصوصی پر اس قدر شد و مد سے بحث ہوتی رہی ہے اور فروعات کے مختلف رخ اپنی توضیح میں وقتاً فوقتاً اس قدر ادلتے بدلتے رہے ہیں کہ اب اس کے متعلق یہ فیصلہ کرنا کہ قرون وسطیٰ میں اس کی کیا حالت تھی کوئی آسان کام نہیں ہے ۔ بلکہ شاید یہ ناممکن ہی ہے کیونکہ مرور زمانہ کے ساتھ اس تصور کا ارتقا ہوا تھا ۔ تاہم یہ بھی ضروری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تاریخ دستوری کا مطالعہ شروع کرتے ہوئے اختیار خصوصی کی اساسی کیفیت معلوم کی جائے ۔ لیکن ہمیں پھر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جو الفاظ ہم پچھلے واقعات کے اظہار کے لئے استعمال کرتے ہیں ان سے یہ مطلب نہیں کہ اس زمانہ کے لوگ بھی یہی الفاظ استعمال کرتے تھے اور اسی طریقے پر سے اپنے واقعے کو ظاہر کرتے تھے ۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بادشاہ کا اختیار خصوصی وہ کام کرنے کا اختیار تھا جو دوسرے نہیں کر سکتے تھے اور اس طریقے سے کرنے کا اختیار تھا جو دوسرے اس طریقے سے نہیں کر سکتے تھے ۔ مثلاً صرف بادشاہی ہمسایوں کی ایک جوری کو حکم دے سکتا تھا کہ کسی واقعے کی نفی یا اثبات کرے برخلاف

اس کے کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں کر سکتا تھا طریق جوری اختیار خصوصی کی کاروائی تھی اور یہ خود بادشاہ کی گویا اپنی چیز تھی۔ موٹے الفاظ میں بادشاہ کا اختیار خصوصی ان امور کے کرنے کا اختیار تھا جو اس کو صریح قانون یا رواجی قانون یا بادشاہ کے خود ساختہ معاہدات کی رو سے ممنوع نہ تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمیشہ بادشاہ کو خود اس کے وعدوں کا پابند کرنا اور ہر بات میں اس کو قانون کا پیرو بنانا آسان نہ تھا۔ اکثر اعتبارات میں یہ بات مانی ہوئی تھی کہ بادشاہ کی ذات قانون سے برتر ہے بادشاہ کے خلاف نالش نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ دوسروں کے ایسے حقوق کی حفاظت کر سکتا تھا جو قانون غیر موضوعہ نہیں کر سکتا تھا اور اسی طریقے سے قانون نصفت اور عدالت نصفت کا پورا نظام پیدا ہوا جب تک بادشاہ کی رضامندی نہ ہوتی کوئی قانون نہیں بنتا تھا اپنی معافی سے بادشاہ کسی فیصلہ عدالتی کو منسوخ کر سکتا تھا کچھ دنوں بعد تو اس کو یہ اختیار بھی حاصل ہو گیا کہ وہ قانون موضوعہ یا قانون موضوعہ کے کسی ایک جزیا اس کے کسی خاص انطباق کو جو خود اس کا منظور ہوتا تھا منسوخ کر سکے۔ صرف خدا کے سامنے وہ اپنے افعال کا جوابدہ تھا۔ اس دنیا کی حکومت میں وہ خدا کا نمائندہ تھا اور اس حیثیت میں وہ نہ صرف غیر معمولی اختیارات سے مزین تھا بلکہ حق و انصاف کی حفاظت کا بھی ذمہ دار تھا۔ لیکن اس کے برعکس ایک اور قانون خصوصاً قانون عامہ اور خود بادشاہ کے صریح معاہدے تھے جن سے بادشاہ بالاتر نہیں تھا۔ چنانچہ ان دونوں متضاد تصورات کی مخالفت اور مصالحت کہ بادشاہ قانون سے ارفع ہے یا قانون بادشاہ سے ارفع ہے قانون اور اختیار خصوصی کی یہ باہمی کشمکش تاریخ دستور انگلستان کے ایک بڑے حصے پر محیط ہے۔

دستوری ارتقا کے اولین مدارج کے متعلق تو کوئی بحث نہیں ہو سکتی۔ ولیم اول نے تو اعتدال سے حکومت کی تھی اور اپنے رتبے سے فائدہ اٹھا کر اس نے اپنے اقتدار کو انتہائی حد پر پہنچانے کا کبھی خیال نہیں کیا تھا۔ گو ولیم ثانی کے متعلق تو ایسے شواہد نہیں ہیں۔ جیسے ہم چاہتے ہیں تاہم اتنے ضرور ہیں کہ ان کے زور سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے بھی ایسا خیال نہیں کیا تھا۔ چند بین مثالیں ہمارے ہاں موجود ہیں اور پھر اس کے بھائی ہنری کے فرمان تاجپوشی کے دعووں میں اس کے افعال ذمیمہ دکھلائے گئے ہیں جن کا مطلب یہ تھا کہ یہ غیر آئینی ہیں۔ ان چیزوں سے کسی قدر صاف معلوم ہوتا ہے کہ ولیم دوم نے اپنے حقوق کو جو جاگیردار اعلیٰ کی حیثیت میں جو خود بخود منطقی طور پر پیدا ہوتے تھے انتہائی

حد کو پہنچا دیا اور بعض صورتوں میں ایسے مطالبات کو حق بجانب بتایا تھا جو بالکل جدید تھے۔ اگرچہ اس سے دینی اور دنیوی دونوں طرح کے امراء کا نقصان ہوا لیکن کلیسائی جاگیرات کی وصولات تو بالخصوص جدید سمجھی گئی تھیں اور جب کوئی جاگیر خالی ہوتی تھی تو ایسے موقع پر ولیم اول اپنے اختیار تصرف کو استعمال کرتا تھا اور اس حد تک کرتا تھا کہ بظاہر اراضی کو اپنے قبضے میں کر لیتا تھا اور سامان ہتروکہ کی فہرست مرتب کر لیتا تھا تاکہ کوئی چیز ضائع نہ ہو اور آمدنی کلیسا کے ہاتھ میں چھوڑ دی جاتی تھی لیکن اس کے بیٹے نے ٹھیٹ منطقی استدلال کے مطابق اپنے حقوق استعمال کئے وہ آمدنی کو اس طریقے سے اپنے تصرف میں لایا جس طریقے سے ایک دنیوی نابالغ جاگیردار کی صورت میں لائی جاتی تھی نیز اس کے نزدیک کلیسائی جاگیر بازگشت بھی ہو جاتی تھی اور کلیسا کے مفاد کا لحاظ کئے بغیر کلیسائی اراضی دوسروں کو عطا کر دیتا تھا۔ دنیوی بیرنوں کے معاملے میں اس نے صرف نذرانے ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ اس پر یہ الزام ہے کہ اس کے مطالبات جاگیر کی پوری قیمت تک پہنچ جاتے تھے۔ غیر معمولی وصولات کو حق بجانب کرنے کے لئے اس نے حق ازدواج کو بھی نہیں چھوڑا اور اس حق کو اس نے ایک بیوہ اور متوفی بیرن کی وارثہ پر بھی منطبق کیا۔

گو واضح ثبوت نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ولیم دوم نے انگلستان میں بالعموم وہ اختیارات استعمال کئے جو اس قدر خودسرانہ اور غیر محدود تھے کہ جبریت کے درجے پر پہنچ گئے تھے۔ اس کے عہد حکومت میں دو مرتبہ بیرنوں نے بغاوت کرنے کی کوشش کی جو اس زمانے کا گویا جاگیری علاج تھا۔ پہلی مرتبہ تو ان کی اتنی فوج تھی کہ ایک دفعہ تو بادشاہ کے لئے بہت خطرناک صورت ہو گئی تھی لیکن انھیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی اس لئے کہ ولیم کی طاقت بے انتہا تھی۔ یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ اسی خطرے سے بادشاہ کچھ نادم سا ہو گیا۔ اس نے انگریزوں سے مدد کی التجا کی اور اچھی حکومت کے وعدے کر لئے۔ اگر یہ معاہدے اس وقت ہمارے پاس ہوتے تو ہمیں بیش بہا معلومات حاصل ہوتے۔ لیکن جونہی خطرہ دور ہو گیا وہ اپنے پچھلے طریقۂ حکومت پر عود کر آیا۔ رینلف فلمبرڈ اس کا ایک لائق اور زبردست وزیر تھا جس کو ولیم نے گوشۂ گمنامی سے نکال کر درہم کی اسقفی تک پہنچایا تھا جو تمام سلطنت میں سب سے طاقتور اور سب سے زیادہ سیر حاصل تھی۔ یہ کہنا

قرین قیاس ہے کہ یہ شخص نہ صرف بادشاہ کی ہر خواہش پوری کرنے کے قابل تھا بلکہ تکمیل خواہش کے لئے نت نئی تدبیریں تراشتا تھا۔ جہاں تک ہم غور کر سکتے ہیں ولیم کے تمام مطالبات وہی تھے جو از روئے استدلال جاگیردار اعلیٰ کے مسلمہ حقوق سے مستنبط ہوتے تھے اگر مقدار رقم کو جو وصول کی جاتی تھی قطع نظر کیا جائے تو اس کے تمام اضافے کم از کم ڈیڑھ سو سال تک شاہان انگلستان کے نہ صرف مسلمہ حقوق سمجھے گئے بلکہ اسی رفتار سے ان میں برابر ترقی ہوتی گئی۔

ہنری اوّل کا "منشور تاجپوشی"۔ ایک طرف ولیم دوم کی اچانک موت واقع ہوئی دوسرے اس کے بڑے بھائی رابرٹ کی عدم موجودگی تھی کہ بیرنوں کو ان کا موقع مل گیا۔ اس کے چھوٹے بھائی ہنری نے اپنی پادشاہت کے لئے بیرنوں کو ترغیب دے کر اپنے ساتھ کر لیا۔ لیکن اس غرض کے لئے وہ یہ وعدہ کرنے پر مجبور ہو گیا کہ ایک طرف وہ اپنے بھائی کے جابرانہ افعال کو چھوڑ دے اور دوسرے اپنے باپ کے عملدرآمد کو بحال کرے۔ یہ معاہدات منشور کی ایک خاص شکل میں ایسے مدون کئے گئے جیسے ایک خانگی شخص کسی وعدے کی بابت ایک باضابطہ قانونی دستاویز یا سند عطا کرتا ہے۔ اس کو ہم ہنری اوّل کے منشور تاجپوشی سے موسوم کرتے ہیں۔ اس منشور کے قواعد اس اصول پر مبنی تھے کہ ولیم دوم نے جو کام کئے تھے ان کے کرنے کا وہ مجاز نہیں تھا اس لئے وہ امور خلاف قانون اور ظالمانہ تھے۔ پہلے پارے میں ہنری نے اپنے وعدوں کی اس طرح توجیہ کی ہے کہ بیجا جبر ستانیوں سے ملک پر بہت ظلم ہوا ہے اور پھر اس کا وعدہ ہے کہ تمام قبیح رواج جن سے سلطنت انگلستان پر بیجا ظلم ہوئے ہیں اٹھا دئے جائیں گے۔ دوسرے الفاظ میں بادشاہ نے صاف الفاظ میں یہ بات تسلیم کر لی کہ چند امور ایسے ہیں کہ بادشاہ ان کے کرنے کا قانوناً مجاز نہیں ہے منجملہ ان کے بعض امور کو وہ آگے چل کر گناتا ہے۔ جو جو چیزیں وضاحت کے ساتھ منشور میں بیان کی گئی ہیں وہ تقریباً سب کی سب بادشاہ اور بیرنوں کے جاگیری تعلقات سے متعلق ہیں ان امور کا لحاظ کرتے یہ منشور اصل میں جاگیریت کے معاہدے والے اساسی تعلقات کی تکمیل اور تمثیل ہے یعنے ایک خاص قطعہ زمین دیا جائے تو رواج کے مطابق اس کے عوض میں متعلقہ خدمات انجام دینی چاہئیں اور اس طریقے سے اس منشور کو وسیع جاگیری معاہدہ کے دائرے میں ایک خاص معاہدہ سمجھنا چاہئیے کہ اگر بادشاہ اپنے وعدوں

کی پابندی کرے تو بیرنوں پر بھی بادشاہ کی تائید فرض ہے ۔

یہی مفہوم ہے جسکی وجہہ سے تاریخ دستوری میں اس منشور کی بہت اہمیت ہے ۔ اگرچہ منشور کے خاص معاہدوں کی خود ہنری نے پابندی کی نہ بعد کے پادشاہوں نے لیکن جس تصور پر اس منشور کی بنا رکھی گئی تھی وہ ہمیشہ آنکھوں کے سامنے جما رہا ۔ اب وہ تصور کیا ہے اسکو ۱۲۱۵ء کے بیرن نہیں ظاہر کرسکتے تھے لیکن ہم اس کو اس طرح بیان کرسکتے ہیں کہ چند امور ایسے ہیں کہ ان کو بادشاہ تنہا نافذ نہیں کرسکتا اور اس کا اقتدار چند قیود کے تابع ہے جن کی پابندی کرنا بادشاہ پر لازم ہے ورنہ بیرنوں کو یہ حق ہے کہ بادشاہ کو پابندی کے لئے مجبور کرے ۔ نارمنی اور انجوی دور میں جب کہ مقتدر سلاطین حکمراں تھے یہ اصول بالکل پوشیدہ رہا لیکن جب ایک دوسرے خود سر حکمران کا زمانہ آیا جس کی حکومت غیر آئینی تھی تو بیرن اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھاکر پھر اس اصول کی طرف نہ صرف عود کر آئے بلکہ اس وقت اس کی خوب وضاحت کردی ۔ چنانچہ جب منشور اعظم مرتب کیا گیا تو وہ ہنری اوّل کے منشور تاجپوشی کے نمونے پر کیا گیا اور اسی منشور اعظم کی بدولت یہ اصول محدود ملوکیت کا سنگ بنیاد بن گیا ۔

منشور اعظم کی تاریخ کے چند دنوں بعد ہی ہنری کو انگریزاور نارمنی بیرنوں کے ایک بہت ہی خوفناک اجتماع کا سامنا کرنا پڑا جس سے اس کا تخت بڑے خطرہ میں آگیا ۔ ان لوگوں کو یہ خوف تھا کہ پادشاہ کی طاقت حد سے بڑھ جائے گی کئی سال کے بعد جاکر آخر کو یہ کشمکش نارمنڈی میں بادشاہ کے جب دلخواہ ختم ہوئی اس فتح کے بعد ہنری نے تقریباً (۳۰) سال حکومت کی اور اس تمام طولانی دور میں اس کے اقتدار کو کبھی دھکا نہیں لگا ۔ یہ وہ دور تھا جس میں شاہی اختیارات کی مسلسل ترقی ہوتی رہی مگر اس ترقی کا رخ قانون و ادارات کے علی رخ کی طرف نہیں تھا اور اصل اس طرف ترقی کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی ۔ گو ہنری اوّل کے عہد کے تغیرات کے متعلق ہمارے شواہد بہت مختصر اور پراگندہ ہیں مگر وہ ہم کو اس امر کا یقین دلانے کے لئے کافی ہیں کہ اس وقت ان تمام ترقیوں کی داغ بیل پڑ گئی جو اس کے نواسے ہنری دوم کے عہد میں عمل میں آئیں ۔ اور ان کا یہاں تک اثر ہوا کہ انگلستان کی شاہی مطلق العنانیت نے دستور میں اپنی خاطر خواہ جگہ کرلی ۔

دونوں زمانوں میں شاہی اقتدار میں جو دستوری ترقی ہوئی اس کی خصوصیت خاص طور پر قانون اور عدالتی ادارات میں ترقی تھی ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انگریزوں کے

بعض ادارات ایسے ہیں مثلاً طریق جوری کہ ان کو ہم خاص طور پر ظالمانہ اقتدار کے خلاف آزادی کی حفاظت کا ذریعہ سمجھتے ہیں مگر یہ بھی دراصل انتہائی مرکزیت کے آلات تھے جو بادشاہ کے ہاتھ میں کام کرتے تھے۔ ہنری اوّل کے عہدِ حکومت میں جو حقیقی کام ہوا ہے اس کے متعلق ہمارے معلومات بالکل ناقص ہیں لیکن جو دھندلے نشانات دستیاب ہوتے ہیں وہ بھی کام کے ہیں اور اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ اس زمانے میں قانون کا غیر معمولی شوق تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ تمام تاریخ قانون میں کوئی اور طویل عہد ایسا نہیں ہے جس میں یقین کے ساتھ قانون کا اس قدر شوق اور مطالعہ پایا جاتا ہو جیسے اس عہد کے آخری ۲۵ سال تھے۔ اس زمانے کے ہمارے پاس رائج الوقت قانون انگلستان کے سات یا غالباً صحت کے ساتھ کہیں تو آٹھ کم و بیش مکمل مجموعے موجود ہیں۔ اگر رائج قانون نہیں تو کم از کم یہ ایسا قانون تھا جس کو مؤلفین متروک نہیں سمجھتے تھے۔ ممکن ہے کہ فرمان تاجپوشی کے سبب سے ان کتابوں کے لکھنے کا شوق بڑھ گیا ہو کیونکہ بادشاہ نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اپنے باپ کے عہد کی تبدیلیوں کو قائم رکھ کر "عہد اڈورڈ کے قوانین" بحال کر دوں گا۔ اس وقت قوانین اڈورڈ یا کسی خاص مجموعۂ قوانین کی مانگ نہیں بلکہ سکیسنی نظام قانون کی مانگ تھی جو اپنی قدامت کی وجہ سے زیادہ مستند سمجھا جاتا تھا اور وعدے سے کچھ قانونی ذوق کی بنیاد نہیں پڑی تھی بلکہ وعدہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اس ذوق کی پہلے ہی سے ابتدا ہو چکی تھی۔ بہر حال مؤلفین کی آپس کی یہ کوشش تھی کہ حسب ذیل تین باتوں میں سے ایک یا زیادہ کام کریں ایک اس بات کا اظہار کہ سکیسنی قوانین کیا تھے دوسرے ولیم اوّل کی قانون سازی کے کیا نتائج تھے۔ تیسرے سکیسنی اور نارمنی قوانین کا کس طرح اختلاط ہوا جو اس زمانے کی عدالتوں میں رائج تھے۔

"آئین ہنری"۔ ان میں سب سے زیادہ دلچسپ اور مفید وہ کتاب ہے جس کا نام "آئین ہنری" (Legis Henria) ہے اس کتاب کا منشا وہ قوانین دکھلانا ہے جو موجود الوقت عدالتوں میں رائج تھے، در ظاہر ہے کہ اسی موضوع سے یہ کتاب بحث کرتی ہے۔ سنہ ۱۱۱۶ء میں یا اس کے عین بعد ہی یہ کتاب لکھی گئی تھی گو اس کا مولف غالباً ایک شاہی جج تھا لیکن یہ کتاب خانگی تالیف تھی سرکاری نہ تھی۔ اس کتاب میں موجود الوقت مروجات کی جو تصویر کھینچی گئی ہے اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ کتاب دو مختلف نظام قانون

پیش کرتی ہے ایک سکسنی دوسرے نارمنی جاگیری جو عدالتوں میں یک ساتھ رائج تھے اور اس وقت تک ان دونوں میں امتزاج کے آثار نہیں پیدا ہوئے تھے یہ امتزاج اب عنقریب ہونے والا تھا جس سے قانون رواج کا وہ نشوونما ہوا جو گلین ویل کی کتاب میں دکھلایا گیا ہے اور جو قانون رواج کی سب سے پہلی اور بڑی تصنیف ہے لیکن اس وقت یہ دونوں نظام جداگانہ حیثیت رکھتے تھے اور ایک دوسرے سے الگ تھے حالانکہ دونوں کا نفاذ ایک ہی قسم کی عدالتوں میں ہوتا تھا - ہم یہ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ چند سکسن قوانین جو آئین ہنری میں مندرج تھے وہ پہلے ہی سے منسوخ العمل نہیں تھے تاہم یہ ہمیں معلوم ہے کہ اکثر قوانین منسوخ نہیں تھے اور اس امر کا یقین ہے کہ گو قوانین "اڈورڈ" کسی مضبوط بنیاد پر قائم نہیں تھے تاہم منشور ہنری اوّل میں جو اس کا حوالہ دیا گیا ہے اس سے حکومت کے نصب العین کو قانون کے مطابق زندہ رکھنے میں بہت مدد ملی اور اسی نے آگے چل کر ایسے مستقل قوانین پیدا کئے جو محدود شاہی کے قیام کے باعث ہوئے -

قانون کے ایک بڑے شعبے میں یعنے قانونِ فوجداری میں ہم کو کسی قدر صاف نظر آتا ہے کہ پرانے سکسن قوانین نارمنی قوانین کے مقابلے میں پیچھے ہٹ رہے تھے اور ناپید ہو رہے تھے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس تغیر کا شاہی اقتدار سے گہرا تعلق ہے جو فتح کے سبب سے بہت بڑھ گیا - "آئین ہنری" میں معلوم ہوتا ہے کہ جرمانوں (bots and wites) کا طریقہ پورے زور پر تھا - غالباً سابق کی طرح یہ مقامی عدالتوں میں بھی جاری تھا کیونکہ نارمن بھی اپنے وطن میں یہی طریقہ استعمال کرتے تھے اور تبدیلی کی کوئی وجہ نہ تھی - پرانے طریقے کے ساتھ جدید نظام کا نشوونما ہوا اور اس صدی کے دوران میں جدید نظام نے قدیم کو مغلوب کر لیا - اس نشوونما کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پہلی منزل میں دو پرانے خیالات کے ارتقا یا صرف ان کی توسیع ہوئی - ایک تو مخصوص مقدماتِ فوجداری یا دوسرے الفاظ میں شاہی مقدمات تھے جن کی سماعت خاص پادشاہ یا شاہی عدالتوں کے لئے مخصوص تھی اور شرف کے عام حدود اختیارات میں شامل نہیں تھی؛ دوسرے شاہی امن کا تصور تھا جو پہلے باب میں بیان کیا گیا ہے - ان دونوں میں سے یہی پہلا تصور ہے "جو آئین ہنری" میں خاص شرح و بسط کے ساتھ دکھلایا گیا ہے - بادشاہ کے مخصوص مقدمات کی سکسنی فہرست تو بہت مختصر تھی جو پہلے بیان کر دی گئی ہے مگر اب وہ بہت لمبی اور بہت ہی مکمل ہو گئی تھی اور یہ فہرست بتاتی ہے کہ اس خیال میں ترقی ہو گئی کہ

کسی جرم کا ارتکاب گو بادشاہ کے خلاف ایک جرم سے ترقی ہو گئی تھی۔ اس فہرست میں بغاوت، قتل، سرقہ، آتش زنی، شاہی مراسلات کی تحقیر، تلبیس سکہ اور جرائم تشدد شامل ہیں۔ منجملہ ان جرائم کے نقض امن سلطانی بھی اس فہرست میں داخل ہے، اور اس تصور کی جو پہلی منزل ہے وہ تعیین جرم یعنے قرار داد جرم کے سلسلے میں نہیں بلکہ سزا کی نوعیت میں ہوئی تھی۔ یعنے اسی صدی کے دور مابعد میں یہ عمل ہونے لگا تھا کہ ہر جرم کو زبردستی نقض امن سلطانی قرار دے کر شاہی جرائم میں شامل کیا جانے لگا ہنری اول کے عہد میں یہ بات مسلمہ تھی کہ سنگین جرم کا مرتکب پادشاہ کے رحم پر (in misericordia regis) یعنے جان اور جائداد دونوں ضبط ہو سکتے تھے۔ بادشاہ کو اختیار تھا کہ جس طرح وہ مناسب سمجھے قصاص کرے، ایک عضو کاٹ لے، تمام جائداد ضبط کر لے یا بھاری بھرکم جرمانہ عائد کرے۔ جن جرائم کے ارتکاب سے ایک مجرم بادشاہ کے رحم کا محتاج ہوتا تھا ان کی فہرست "آئین ہنری" میں علاوہ ہی ہے جو شاہی مقدمات فوجداری کی ہے جو تبدیلی ہوئی ہے وہ شاہی اور مرکزی انصاف کے تصور میں توسیع ہے اور اس سے مقامی انصاف یعنے مقامی عدالتوں اور جرمانوں کے مقامی طریق (botes & wites) کو یقیناً نقصان پہنچا۔

رائج الوقت قانون فوجداری کے دوسرے رخ دیکھے جائیں تو ان سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ مقامی حکومت کے مقابلے میں نامہنی مرکزی حکومت کا پلہ کہیں بھاری تھا اور اس سے اس امر کی صراحت بھی ہوتی ہے کہ اس زمانے میں مجرمین کی گرفتاری کتنی مشکل تھی اور مجموعی ذمہ داری کی کیا نوعیت تھی۔ جب کوئی شخص مقتول پایا جاتا تھا تو جس تعلقے میں اس کی نعش ملتی تھی اس پر یہ ذمہ داری تھی کہ یا تو قاتل کو پیش کرے یا یہ ثابت کرے کہ مقتول انگریز نہیں تھا۔ یہ ثابت کرنے کی کارروائی جس کو احضار انگریزاں (Presentment of Englishry) کہتے ہیں بہت پیچیدہ تھی۔ جب ان میں سے کسی کی تکمیل نہ ہوتی تھی تو تعلقے کو ایک بھاری جرمانہ جس کو دیت (Murdrum) کہتے ہیں ادا کرنا پڑتا تھا۔

مگر آخر میں شاہی اقتدار کی جو تائید اور توسیع ہوئی ہے وہ فوجداری انصاف کی ترقی سے زیادہ دیوانی انصاف کی ترقی سے ہوئی ہے۔ ہنری اول کے عہد میں اس ترقی کی بہت ہی خفیف سی جھلک پائی جاتی ہے مگر یہ بھی یہ کہنے کے لئے کافی ہیں کہ دیوانی انصاف کے اصول۔ ادارات اور تنظیم میں جو عظیم الشان اضافے ہوئے اور جو ہنری دوم کے

عہد کو ممتاز کرتے ہیں ان کی داغ بیل اس کے نانا کے عہد میں پڑ چکی تھی ۔ مگر ہمیں کامل اصلاحات
کی بحث کو آئندہ دور کے لئے اٹھا رکھنا چاہئے اور چونکہ معلومات کی کمی ہمیں روکتی ہے اس
لئے یہاں ہم کو چاہئے کہ ادارات کے اولین آثار ترقی سے آگے نہ بڑھیں جو نارمنی فتح کے سبب
سے انگلستان میں آئے ۔

اس ارتقا کے نقطۂ آغاز تین ادارات ہیں جن سے آئندہ توسیع شروع ہوتی ہے ۔
یہ یا تو انگلستان کے لئے بالکل جدید تھے یا ایسی بعدی شکل میں موجود تھے کہ ان کی سیکسنی نہیں
بلکہ علانیہ نارمنی لکھنا پڑتا ہے ۔ یہ ادارات ۔ شقہ جات ۔ جوری اور شاہی گشتی جج ہیں ۔
شقے کو سیکسن استعمال کرتے تھے اور اسی بنا پر بعض لوگ اس کے بعد کے استعمال کو سیکسنوں کے
باقیات سمجھتے ہیں لیکن یہ بات تعجب سے خالی نہیں ہے کہ وہ شقے جن کا عدالتی ترقی میں
بہت بڑا حصہ ہے بعض فرانکی شقوں کے مماثل ہیں اور سیکسنی نمونہ کے پیرو نہیں ہیں شاید
یہ بھی صحیح ہے کہ شقے میں ایک اور بات بھی ہے جس کی وجہ سے سیکسن اور نارمن شقے دونوں
بہت جلد باہم مدغم ہو گئے لیکن اس کی ترقی کا محرک تو نارمنی ادارہ ہی تھا ۔ ابتداءً شقہ
بادشاہ کا ایک حکمنامہ ہوتا تھا جس میں شیرف یا دیگر حکام سلطنت کو یا کسی خانگی شخص
کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ فلاں مقررہ کام انجام دیا جائے اس طریقے سے شقے کی حالت
ایک قوت محرکہ اور حاکمانہ کی سی تھی جس کو مرکزی حکومت نے اس زمانے کے عدالتی تغیرات
کو جاری کرنے اور عمل میں لانے کے لئے اختیار کیا تھا ۔ خود شقے کی ترقی اس بات میں تھی کہ
اس کی ہیئت رفتہ رفتہ اس کارروائی کے عین مطابق کیجانے لگی جس کی وہ تحریک کرتا تھا
اس لئے رفتہ رفتہ شقوں کی توفیر اور ترتیب عمل میں آگئی ۔

جوری ایک شاہی ادارہ تھا۔ عمل توسیع میں ادارۂ جوری کو ایک محور یا غالباً
ایک مسبب سمجھنا چاہئے کیونکہ کثیر التعداد مقدمات میں دیکھا گیا کہ یہی جوری استعمال کرنے کی
خواہش تھی جو شقہ جات کی توسیع اور گشتی ججوں کے تقرر کی باعث ہوئی ۔ جوری سیکسنی ادارہ
نہ تھا ۔ نارمنوں کو یہ طریقہ فرینکی شہنشاہت سے ورثے میں ملا تھا اور اس شہنشاہیت میں
یہ زمانۂ قدیم سے غالباً رومنوں کے زمانے سے چلا آتا ہے مگر اس تمام دوران میں جب کہ فرینک
اور نارمن اس طریقے کو استعمال کرتے تھے اس میں ترقی کا کوئی میلان نہیں پایا جاتا تھا ۔
اس کی ترقی کی جو موجودہ شکل ہے وہ فتح کے بعد پیدا ہوئی ۔ جب یہ طریق سنہ ۱۰۶۶ء میں

انگلستان میں منتقل کیا گیا تھا اس وقت بالکل سیدھے الفاظ میں یہ ایک آلہ تھا جو واقفکار اشخاص کی گواہی سے کسی متنازع فیہ یا مطلوبہ واقعے کی تحقیقات کا کام دیتا تھا۔ منتخب اشخاص حاکم کے روبرو جو اس موقع کے لئے مقرر کیا جاتا تھا طلب کئے جاتے تھے اور ان کو حلف دیا جاتا تھا (Jure) امر زیر بحث ان کے سامنے پیش کیا جاتا تھا اور ان سے یہ پوچھا جاتا تھا کہ آیا امر زیر بحث صحیح ہے یا غلط۔ واقف نہ ہونے کی صورت میں وہ اپنی عدم واقفیت کا اظہار کر سکتے تھے لیکن ان کا انتخاب یہ سمجھ کر کیا جاتا تھا کہ وہ ضرور واقف ہوں گے۔ اہل جوری کا تعداد میں ۱۲ ہونا، سب کا متفق الرائے ہونا، جیوری کے سامنے شہادت کا پیش کرنا اور کسی جورر کی برخاستگی جبکہ وہ مسئلہ زیر بحث کے متعلق پہلے ہی سے اپنی رائے قائم کرے یہ سب بعد کے اضافے ہیں جو اصل ادارے میں داخل ہو گئیں۔ شروع میں جوری محض ایک شاہی یا خصوصی ادارہ تھا اس کو صرف بادشاہ استعمال کرتا تھا اور یہ صرف شاہی عدالت اور شاہی جج کے سامنے کام کرتا تھا۔ اس سے بہت بڑا فائدہ یہ تھا کہ امر متنازع فیہ یا جس واقعے کی تحقیق مطلوب ہوتی تھی اس کی ان اشخاص کی حلفیہ گواہی سے تصدیق ہو جاتی تھی جو غالباً واقفکار ہوتے تھے اور پڑوس سے تصدیق ہوتی تھی جہاں شہادت کا بہم پہنچنا اغلب ہے۔

اس واقعہ کا سبب کہ شاہی جج کیوں عام طور پر مقرر کئے جانے لگے اور کیوں گشتی ججوں اور گشتی عدالتوں کے مستقل اور دائمی نظام کا قطعی انتظام کیا گیا دراصل جوری کے استعمال کی خواہش تھی۔ یہ خواہش کرنے والے صرف افراد ہی نہیں تھے جو یہ چاہتے تھے کہ اپنے قانونی نزاعات کے واقعات کو اچھی طرح ثابت کریں اور دقیانوسی اور غیر اطمینان بخش طریقۂ کارروائی کو چھوڑ دیں بلکہ خود بادشاہ بھی تھا۔ خود بادشاہ بھی جوری کو انتظامی معاملات میں یعنی عہدہ داران مقامی کے رویّے کی نگرانی، اجرائے محاصل، اور پھر ان مسائل میں جس میں حکومت کا فائدہ تھا دھڑلّے سے استعمال کرتا تھا۔ شروع سے یہ عملدرآمد تھا کہ خاص رعایت سے بادشاہ بہ وصول فیس خانگی اشخاص کو اس امر کی اجازت دیتا تھا کہ اپنے مقدمات کی سماعت کے موقع پر شاہی مقامی عدالتوں میں شاہی ججوں کے روبرو جوری سے کام لیں۔ نہ صرف ان مقدمات میں بلکہ جملہ مقدمات میں ججوں کے لئے بمنزلہ حکم ہوتا تھا کہ منجانب بادشاہ کام کریں اور ساتھ ہی جوری کی اجازت یا حکمنامہ ہوتا تھا کہ مقررہ مقصد کے لئے جس کی صراحت ہوتی تھی جوری کام میں لائی جائے

اگرچہ قدیم مقدمات میں اس قسم کی صراحت بہت ہی دھندلی سی نظر آتی ہے۔

جو جج مقرر کیا جاتا تھا وہ بالعموم اس ضلع کا شیرف ہوتا تھا جہاں یہ مقدمہ پیدا ہوتا تھا بعض اوقات اور لوگ بھی اس کے ہمراہ کام کرنے کے لئے شریک کئے جاتے تھے بعض اوقات ایک یا کئی جج بغیر شیرف کی معیت کے مقرر کئے جاتے تھے۔ اگر ہمیشہ نہیں تو اکثر یہ ہوتا تھا کہ جج ان مقامات میں جاتے تھے جہاں فریقین سکونت رکھتے تھے اور ایسے مقام پر مقدمے کی سماعت کرتے تھے جہاں ثبوت فراہم کرنا بہت آسان تھا۔ دوسرے الفاظ میں جج بادشاہ کے قاصد (missi) ہوتے تھے جو عدالت ان کے استقبال اور مقدمے کی سماعت کے لئے طلب کی جاتی تھی وہ مقامی عدالت یعنی عدالت تعلقہ یا صوبہ یا کئی تعلقے اور صوبوں کی متحدہ عدالت ہوتی تھی۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بادشاہ کے "قاصد" شاہی عدالت (curia regis) کا اجلاس کرتے تھے اور پرانی مقامی عدالتوں کے آلات استعمال کرتے تھے۔ اوائل میں اس عدالت میں سوائے جوری کے استعمال کے جو متنازع فیہ واقعے کے ثبوت کے لئے ہوتی تھی کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ انصاف کے ان جدید انتظامات میں سب سے پہلے جو بڑا اضافہ کیا گیا وہ یہ ہے کہ کئی کئی صوبوں کو ملا کر ان کے حلقے بنائے گئے اور ہر حلقے کے لئے ججوں کی ایک جماعت مقرر کی گئی تاکہ وہ مقدمات کی سماعت کے لئے دورہ کریں۔ ممکن ہے کہ ان مقدمات کی سماعت کے متعلق اجازت ملنی ضروری ہو۔ دوسرے الفاظ میں اس طریق کو مستقل اور دائمی بنانے کا یہ پہلا قدم تھا۔ اس ترقی کے موہوم سے آثار جو نظام عدالت سے مربوط تھے ولیم ثانی کے عہد میں تو پائے جاتے ہیں لیکن ولیم اول کے عہد میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ لیکن ہنری اول کے زمانے میں تو اس کی بے شمار مثالیں ہیں کہ اس وقت اس طریقے کا باضابطہ استعمال تھا لیکن اتنی تفصیل نہیں کہ ہم صراحت کے ساتھ اس کا ٹھیک موقع محل بتا سکیں۔

کتاب بندوبست۔ ولیم نے اپنے ایک مقصد کے لئے اس آلہ کا ایسا استعمال کیا تھا اور ایسی پختہ شکل میں کیا تھا جیسے اس کے پر پوتے ہنری دوم کے عہد میں مسلسل استعمال ہونے لگا۔ اس استعمال کا مقصد ان واقعات کا جمع کرنا تھا جن کی ترتیب سے ایک لاثانی فہرست تیار کی گئی جو چند دنوں کے بعد "کتاب بندوبست" کہلانے لگی۔

آج بھی ہم اس کو ڈومزڈے بک یا "وثیقۂ قیامت" سے موسوم کرتے ہیں یعنے ایسا وثیقہ کہ جس کے متعلق کوئی مرافعہ قابل سماعت نہ ہو۔ یہ بندوبست یا تشخیص ایک قسم کی تحقیقات تھی جو ۱۰۸۶ء میں تمام سلطنت میں کی گئی اور اس سے اجرائے محاصل اور محصول ڈین کا تعین کیا گیا اس سے یہ دریافت کرنا مقصود تھا کہ ہر جائداد اراضی کا کون مالک ہے اور اس کی کیا مالیت ہے ان واقعات کے جمع کرنے کے لئے شاہی مامور جن کو بیرن جج یا قائم مقام کہتے تھے اور جو دوسرے الفاظ میں "قاصد (missi) تھے ہر صوبے میں غالباً ہر حلقے میں جو کئی صوبوں پر مشتمل تھے بھیجے گئے۔ ان سے ملنے کے لئے عدالت صوبہ اسی طریقہ سے طلب کی گئی جس طریقہ سے بعد کو گشتی ججوں کے دورے میں بلائی گئی۔ بعض اوقات تمام باشندگان صوبہ اہم مقدمات کا فیصلہ کر لیا کرتے تھے لیکن تحقیقات اور پیمائش کا کام حسب قاعدہ ہر ہنڈریڈ کی حلفی جوری سے طے پاتا تھا اور یہ جوری اس طریقے سے حاضر ہوتی تھی جیسے بعد کو انصاف کی عدالتوں میں آنے لگی۔ نیز جواب طلب مسائل بھی اسی جوری کے سامنے پیش کئے جاتے تھے۔ ان سے یہ دریافت کیا گیا کہ شاہ اڈورڈ کے زمانے میں اور بوقت تحقیقات ہر منیر اور اس کے قابض کا کیا نام ہے، اس میں کتنے ہائڈ شامل ہیں اور رئیس جاگیردار کی زمین سیر میں اور آسامیوں کی اراضی میں کتنے ہل جوتے جاتے ہیں۔ زمین مزروعہ کی مقدار دریافت کرنے کا یہ ایک سرسری طریقہ تھا۔ پھر انھوں نے مینر کی آبادی کی طبقہ واری تقسیم کی احرار۔ زرعی غلام (cotters) سرف اور جنگلات اور سبزہ زاروں کی تعداد چراگاہوں گرنیوں اور ماہی تالاب کی تعداد دکھلائی اور یہ دکھلایا کہ شاہ اڈورڈ کے زمانے میں اور ولیم کے عطا کرتے وقت اور تحقیقات کے وقت مینر کی کیا مالیت تھی۔ ان تمام واقعات کو یکجا کر کے کتاب بندوبست میں درج کیا گیا۔ غرض یہ کتاب ایک مخزن معلومات ہے جس سے گیارھویں صدی کی انگلستان کی معاشی حالت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ہمارے نقطۂ نظر سے یہ اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل لحاظ ہے کہ یہ پورے طور پر اس جدید نظام عدالت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی جو ایک صدی کے بعد قائم کیا گیا۔

جب بادشاہ کی مقامی عدالتیں قائم ہونے لگیں تو سلطنت کو ادارات کے اعتبار سے متحد کرنے کا اور سیکسنی اور نارمنی ادارات کو جوڑ کر واحد شیرازہ بنانے کا

پہلا دروازہ کھل گیا، کیونکہ "فاسد" ان مقامی عدالتوں کی صدارت کرتے تھے اور وہی پرانی عدالت استعمال کرتے تھے اور پھر اس میں شاہی گشتی ججوں کے باضابطہ نظام کی پیش بندی تھی جس میں جوری اور شقہ جات ایسی ترقی پاگئے کہ جدید کارروائی کے اجزا بن گئے اور قانون غیر موضوعہ تمام اقطاع سلطنت میں مروج ہو گیا۔ اگرچہ اس مشترک سرمائے میں نارمنی مواد کے مقابلے میں سیکسنی مواد اکثر آنکھوں سے اوجھل معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ سیکسنی ادارات نے اپنا اثر ڈالنے میں کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ جس طرح ہم عدالت صوبہ اور ہنڈ ریڈ کی حالت کو دیکھ کر آئے ہیں سیکسنی ادارات نے ہر جگہ ایک ٹھوس بنیاد چھوڑ دی تھی جس پر جدید عمارت قائم ہوئی۔ اس عمل اتحاد کے دو درجے ہیں۔ ایک درجہ تو وہ ہے جس کا ابھی ابھی ذکر ہوا اور جس پر ہم عنقریب خاطرخواہ روشنی ڈالنے والے ہیں۔ وہ یہ کہ بعض نارمنی ادارات کو جو مرکزی حکومت سے متعلق تھے صوبوں تک پہنچا یا گیا اور پرانے سیکسنی مقامی ادارات کے ساتھ ان کو ملا دیا گیا تاکہ نئے نتائج پیدا ہوں یہ نتائج یعنے شقہ جات، جج اور جوری کا استعمال بھی درحقیقت جدید تھے۔ کارروائی کے اسی درجے سے موجودہ سیکسنی نظام عدالت پیدا ہوا۔ دوسرا درجہ بعد کو یعنے تیرھویں صدی کے وسط میں پیدا ہوا اور یہ گویا ردِ عمل تھا یعنی بعض نتائج جو پہلے عمل کے اثر سے مقامی حکومت اور مقامی طریقہ کارروائی کے لئے خاص ہو گئے تھے ترقی دے کر ان کو مرکزی حکومت کے ادارات سے ملا دیا گیا تاکہ اس امتزاج سے نئے نئے نتائج پیدا ہوں۔ اس دوسرے درجے سے نیابتی حکومت کی سیکسنی شکلیں اور پارلیمنٹ پیدا ہوئی۔

اکسچکر کی ابتدا۔ جس دور سے اس باب کا تعلق ہے اس میں صرف عدالتی تنظیم ہی نہیں تھی جو سرعت کے ساتھ ترقی کر رہی تھی بلکہ طریق نظم و نسق بھی تھا۔ یا زیادہ قطعیت کے ساتھ بیان کیا جائے تو وہ خاص مقام بھی شامل تھا جس سے اس زمانے کا تمام نظم و نسق وابستہ تھا یعنے انتظام مالیات۔ ملکی مداخل کے معاملے میں جو سیکسنی حکومت وصول کرتی تھی سیکسن نارمنی حکومت نے کوئی بڑا اضافہ نہیں کیا۔ آمدنی کے مستقل مدات تو وہی رہے اور گو مدات کی کسی قدر آمدنی بڑھ گئی مگر ان کی تعداد میں کوئی زیادہ اضافہ نہیں ہوا۔ اگرچہ جاگیری مداخل کی آمدنی جو غیر مستقل تھی کبھی کبھی مقدار میں زیادہ ہو جاتی تھی لیکن ابھی اس میں ایسی ترقی نہیں ہوئی تھی جیسے بعد میں ہوئی اور یہ مستقل و قابل اعتماد

آمدنی بن گئی ۔ مرکزی حکومت کی بدولت جس میں شیرف بھی شریک تھا نہ صرف مداخل کی جمع بندی میں ترقی ہوئی بلکہ جائداد اور کاروبار کے محفوظ ہونے کی وجہ سے جمع شدنی رقومات میں بہت اضافہ ہوا ۔ اس زمانے میں بھی شیرف اپنے صوبے کی طرف سے مملکت کے تمام مالی اغراض کا ذمہ دار تھا اور نذرانے کی طرح نارمنوں کے مروجہ جدید وصولات کی جمع بندی اکثر شیرف ہی کے ذمہ ہو گئی ۔ ابھی ہنری اوّل کا عہد حکومت ختم نہیں ہوا تھا کہ شیرف کے حساب کو جو وہ خزانے میں پیش کرتا تھا ایک مکمل اور پیچیدہ شکل دی گئی تھی اور اب اس کو مجلس خزانہ کے روبرو حساب پیش کرنا پڑتا تھا چنانچہ یہ طریق کا رکئی پشتوں تک باقی رہا ہے ۔

یہ بات یقین سے نہیں بتائی جا سکتی کہ حساب دینے کا عجیب و غریب طریقہ جو مجلس خزانہ کے ساتھ مربوط تھا اور مجلس خرد کا یہ خاص اجلاس جو اس غرض کے لئے مخصوص تھا اور جس کو غالباً دوسرے معمولی اجلاس سے ممتاز کرنے کی غرض سے مجلس خزانہ (اکسچکر) کہنے لگے تھے کب شروع ہوئے ۔ بات یہ ہے کہ جس قدر ہم اس مضمون کا کھوج لگاتے ہیں اسی قدر یہ بہت قدیم تر معلوم ہوتے جاتے ہیں اور اس زمانے میں تو سب سے زیادہ دیرینہ شہادت بس یہی ہے کہ یہ نارمنوں کا نہیں بلکہ زیادہ تر انگریزوں کا مروجہ ہے ۔ شمار کرنے کا جو خاص طریقہ تھا اسی سے اکسچکر (Exchequer) نام نکلا ہے مجلس خرد کے سرکاری ارکین جن کے ساتھ وہ ایک غیر آدمی اور اندراجات کرنے والے اہلکار ہوتے تھے ایک میز کے ارد گرد بیٹھتے تھے اس پر مربع دھاری دار (Chequered) کپڑا یا دوسرے الفاظ میں ایسا کپڑا بچھا ہوتا تھا جس پر پنیس ۔ شلنگ ۔ پونڈ اور اجزاء پونڈ کے لئے مربع خانے بنے ہوئے ہوتے تھے ۔ ان خانوں کے اوپر گنتی کی تختیاں رکھی جاتی تھیں اور جیسا جیسا حساب ہوتا یہ تختیاں ادھر اُدھر سرکائی جاتی تھیں اور یہ ایک طریق لوحۃ الحساب تھا اس مجلس محاسبہ کے سامنے شیرف سال میں دو مرتبہ حاضر ہوتا تھا ۔ یوم عید الفصح (Easter) کو ابتدائی حساب دینے اور یوم میکائیل (Michaelmas) کو آخری حساب دینے کے لئے ۔ تنقیح بہت سخت ہوتی تھی اور تحریری وثائق کے مطابق ہر مد کی جانچ کی جاتی تھی شیرف کے پاس شاہی احکام کی بنا پر روپیہ خرچ کرنے اور ان شاہی مدوں کے وصولات کی جمع بندی کے لئے جو پہلے صرف خاص میں داخل ہونے کی وجہ سے

شیرف کی جمع بندی میں شامل تھے ۔ کچھ روپیہ چھوڑا جاتا تھا ۔ اس کے ساتھ جرائم فوجداری کے جرمانے بھی تھے جو اگرچہ اس جمع بندی میں داخل نہیں تھے مگر عادلوں کے اہشلہ میں ان کا اندراج ہوتا تھا نیز جائداد بازگشت اور ایسی زمینیں بھی تھیں جو بادشاہ کے قبضے میں آجاتی تھیں اور جمع بندی میں داخل نہ تھیں ان کے علاوہ وہ قرضے بھی تھے جن کو جمع کرنے کا اس کو حکم دیا جاتا تھا اور وہ رقمیں تھیں جو مختلف لوگ استشناؤں اور عنایاتِ شاہی کے معاوضے میں ادا کرتے تھے اس کے علاوہ شیرف کو ان نذرانوں کا جو دوران سال میں باقی رہ جاتے تھے اور ان اراضی کا جو زیرِ نگرانی ہوتی تھیں حساب دینا پڑتا تھا ۔ جب حسابات کی اس طرح تکمیل ہوجاتی تو مستقل شکل میں ان کا ایک عام سالانہ گوشوارہ بنایا جاتا تھا اور ان گوشواروں کے چند سلسلے ہوتے تھے جن کو ہم نلکوں کے کاغذ (Pipe Rolls) کہتے ہیں ۔ ان میں سب سے قدیم تر گوشوارہ جو ہم تک پہنچا ہے وہ سنہ ۱۱۳۰ کا ہے لیکن اس سنہ کے کئی سال پہلے سے اس قاعدے کا عملدرآمد ہوچکا تھا ۔ اسٹیوں کے عہد کا ہمارے ہاں کوئی گوشوارہ (Pipe Roll) نہیں ہے بلکہ اس کا لگاتار سلسلہ ہنری ثانی کے دوسرے سال سے شروع ہوتا ہے ۔

چونکہ یہ مملکت جاگیری تھی اور اس کا دستور بالکل سادہ اور نوعی تھا اس میں سے حکومت کے علیحدہ علیحدہ ادارات کا صورت گیر ہونا زیادہ تر اس بات پر موقوف تھا کہ اصولِ تفرق سے کام لیا جائے ۔ چنانچہ اس عمل تفرق سے یہ ہوا کہ گیارھویں صدی کے ابتدائی ادارات الگ الگ ہو گئے اور اس سلسلے سے ان کے مختلف فرائض جو وہ پہلے ادا کرتے تھے جدید ادارات کی شکل میں مبدل ہو گئے ۔ مجلس خرو پر اس عمل تفرق کا خاص اثر پڑا کیونکہ یہ مجلس مرکزی حکومت کا ایک مستقل آلۂ نگرانی تھی ۔ تقریباً تمام امور مملکت اس کے زیر اقتدار تھے تاریخ میں ہم کو مختلف مقامات پر فرائض کی تخصیص اور پھر اس کے بعد کی تفرق پر روشنی ڈالنی پڑے گی یہاں ہمیں اپنی دانست کے مطابق اس سلسلے کی پہلی کڑی بیان کرنی ہے جو سب میں معیاری ہے پہلی بات یہ ہوئی کہ مجلس کے مالی نگرانی کے فرائض کو علیحدہ کرکے اس کے ایک خاص اجلاس کے تفویض کر دیا گیا ، اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس کے لئے ارکین کو مجلس پر خاص ذمہ داری عائد کی گئی ۔ پہلے پہل تو مجلس کا ایک اجلاس تھا جس کو مالی فرائض کے متعلق خاص توجہ کرنی پڑتی تھی لیکن

ساتھ ہی اس اجلاس میں یہ لوگ دوسرے امور بھی انجام دے سکتے تھے۔ اکسچکر کی یہ حیثیت ایک سو سال یا اس سے زیادہ عرصے تک قائم رہی اور آخر کار انجام یہ ہوا کہ خود اس کے فرائض میں بھی تفریق ہو گئی یعنے ایک مالی اکسچکر اور دوسرے عدالتی اکسچکر ہو گیا یا دوسرے الفاظ میں ایسا اکسچکر جو عدالت ہائے قانون عرفی میں شامل تھا۔

ولیم اوّل کے عہد سے اس کے بیٹے ہنری اوّل کے عہد تک تقریباً ۵۰ سال کے دوران میں بادشاہ کا اقتدار برابر بڑھتا گیا کیونکہ ان بادشاہوں میں زور تھا۔ بیرنوں کی شورشیں ناکام ہو گئی تھیں اور ایسے رواج قائم کئے گئے جو پہلے غیر قانونی تھے مگر بعد کو مان لئے گئے تھے اور حکومت، عدالت اور نظم ونسق کے تمام کل پرزے درست ہو گئے۔ لیکن جب یہ دور ختم ہوا تو اس دستوری مطلق العنانی پر جو ابھی صورت پذیر ہو رہی تھی ایسی مصیبت نازل ہوئی جس سے بمشکل اس کی جان بچ سکی۔ ہنری اوّل کے بعد اس کا بھانجا اسٹیون اس کا جانشین ہوا۔ اس کا اقتدار دو وجہ سے کمزور تھا۔ اوّل تو اس کا حق بادشاہی ہنری کی بیٹی مٹلڈا کے دعوے کی وجہ سے جو والی آنژو کی بیوی تھی معرض بحث میں تھا۔ دوسرے وہ خود بھی ارادہ کا کچا اور اس قابل نہیں تھا کہ لوگوں کو اپنی تائید پر مجبور کر سکے۔ اس زمانے میں جب کہ ہر چیز بادشاہ کی شخصیت پر منحصر تھی اور دستور اس قدر مستحکم نہیں ہوا تھا کہ طبیعتوں میں جاگزیں ہو جاتا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مملکت میں گڑبڑ ہو گئی۔ جدید مالی اور عدالتی انتظامات تتر بتر ہو گئے۔ انگلستان کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ اگر مرکزی اقتدار کی ڈوری ڈھیلی پڑ جائے تو اس کے ایک جاگیری معاشرہ کا کیا حشر ہو گا۔ مگر باوجود اس کے کوئی چیز ایسی ہاتھ سے نہیں گئی کہ پھر واپس نہیں آ سکتی تھی بلکہ قانون کے شعبے میں کچھ ترقی بھی کی گئی اور نارمنڈی میں تو اس سے بھی زیادہ ہوا چنانچہ جب مٹلڈا کا بیٹا ہنری دوم ۱۱۵۴ء میں اسٹیون کا جانشین ہوا تو اس نے آسانی سے دو سال کے دوران میں اپنے نانا ہنری اوّل کے عدالتی انتظامات اور طاقتور ملوکیت کو از سر نو قائم کر دیا۔

ایک شعبے میں اسٹیون کی کمزوری سے ایسے دستوری نتائج ظہور پذیر ہوئے جو اپنے سیاسی پہلو میں دوسری اور تبدیلیوں سے بہت پائدار ثابت ہوئے۔ کلیسا مملکت دستور کا ایک اہم عنصر تھا، اس پر بادشاہ کو وہ اقتدار کبھی حاصل نہیں ہوا جو

ہنری اوّل کو اس کے بھائی کی طرف سے ملا تھا۔ اس زمانے میں جب کہ ولیم اوّل نے انگلستان فتح کیا اور سیکسنی کلیسا کو حکومت کے اس قدر تابع کر دیا جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، مغربی لاطینی کلیسا میں بڑی بھاری اصلاح ہو گئی تھی جو پایہ تکمیل کو پہنچ رہی تھی۔ یہ ایک اصلاحی تحریک تھی جس کا آغاز دسویں صدی میں خانقاہ کلیونی (Cluny) میں ہوا تھا۔ اس کا اصل مقصد ایک ایسی دستوری ترقی کرنا تھا کہ جس سے کلیسائے روما کی حکومت پوپ کے زیر سایہ ایک مطلق العنان اور مجموعی ملوکیت کی شکل میں تبدیل ہو جائے یہ تحریک پورے طور پر کامیاب ہو رہی تھی چنانچہ گیارھویں صدی کے اختتام پر یورپ کی ملکی حکومتوں کے دوش بدوش ایک ایسی قیصرانہ حکومت قائم کر دی گئی جس میں ہر سلطنت کے تمام کلیسا جمع تھے اور اس کے تابع تھے اور اس میں وہ تمام اعضا موجود ہو گئے جو ایک مملکت میں ہوتے ہیں یہ صورت حال ایسی تھی کہ اس سے مناقشہ پیدا ہونا لازمی تھا۔ انگلستان کی کلیسائی تنظیم اپنے خاص شعبوں میں ملکی حکومت میں شریک تھی۔ قانون کے وسیع شعبے مثلاً ازدواج۔ طلاق۔ وراثت بظاہر کلیسائی عدالت سے متعلق تھے۔ اپنی جاگیرات کی طرف سے کلیسا کو فوج۔ مقننہ اور عدالت کی خدمت کرنا لازمی تھا۔ جاگیری حکومت کو خاطر خواہ چلانے کے لئے اساقفہ جاگیردار کی قطعی ضرورت تھی کیونکہ یہ دنیا دار جاگیرداروں سے زیادہ تعلیم یافتہ اور وسیع نظر ہوتے تھے۔ برخلاف اس کے اگر عالمگیر قیصرانہ کلیسا ہو جاتا تو اس سے جو مشکل پیدا ہوتی وہ بھی ظاہر ہے۔ ہر مملکت کا کلیسا ایسی کلیسائی ملوکیت کا جز لاینفک ہوگا جو اس کے تابع رہے اور اس کی خدمت مقدم سمجھے ورنہ بغیر اس کے ایسی ملوکیت کا قیام ناممکن تھا۔ تنازع ہونے میں کوئی شک نہیں تھا اور چونکہ دونوں طرف کے دعاوی میں بہت کچھ صداقت تھی اس لئے مصالحت کی ایک ہی سبیل تھی یعنے باہمی سمجھوتہ۔

اس کشمکش کا پہلا اور سب سے زیادہ ٹیڑھا رخ وہ ہے جو اساقفہ کی دو طرفہ حیثیت سے پیدا ہوا تھا کہ یہ لوگ ایک طرف جاگیری حکومت کے اور دوسری طرف دینی بادشاہت کے ضروری کارکن عہدہ دار تھے۔ سوال یہ تھا کہ اسقف کا تقرر کون کرے اور اس کو کون اختیارات دے اور اولاً وہ کس کا ذمہ دار ہو کلیسا۔ یا مملکت۔ اس پر ہنری اوّل کے ابتدائی زمانے میں بادشاہ اور اسقف اعظم کنٹربری انسلم کے درمیان شدومد سے بحث و تکرار ہوئی اور جس سمجھوتے پر یہ بحث ختم ہوئی وہ وہی تھا جو پوپ اور شاہنشاہ

کے درمیان چند سال کے بعد ہوا یعنے اسقف کو منتخب کرنا کلیسا کا کام ہے اور بادشاہ کا کام یہ ہے کہ اس سے حلفِ اطاعت لے کر اس کی جاگیر اس کو بحال کر دے اور جاگیر بحال کرنے کے بعد اُس کے اسقف ہونے کی تقدیس عمل میں آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس طریقے سے بادشاہ کو ایک اختیار امتناع مل گیا کیونکہ جب بادشاہ جاگیرات یعنے عطیۂ اراضی اسقفی روک سکتا تھا تو کلیسا اس بات پر شکل سے اڑ سکتا تھا کہ اس شخص کی تقدیس کی جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس سے بہتر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا تھا، مگر اس سے کلیسا کا حقیقی فائدہ تھا اور بادشاہ کا قطعی نقصان چونکہ اس تغیر کے تمام نتائج یکدم نہیں بلکہ رفتہ رفتہ ظہور پذیر ہوئے تھے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کا باعث توطن ہے۔ قدیم روایت کے خلاف اب کلیسا کی حیثیت حکلکت کے اطاعت گزار خادم کی سی نہ تھی۔ اس نے بادشاہ کی حکومت کے دوش بدوش ترقی کی اور ایک خود مختار اور رقیبانہ اقتدار کی صورت اختیار کر لی۔ اس کے قوانین اور عدالتی فیصلے بیرونی حکمران کے دئے ہوئے تھے اور اس کی اراضی جدید فدائی مذہبی حلقوں کی آماجگاہ بن گئی تھیں۔

کلیسائی عدالتوں کے حدودِ اختیارات

ہنری اول کو اس تغیر کے بعد اس کے نتائج دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ اس کی حکومت اس قدر زور دار تھی کہ اس کی رعایتوں کا کوئی برا نتیجہ نہیں پیدا ہوا تھا۔ لیکن اسٹیون کی حالت بالکل دوسری تھی۔ پہلے تو وہ اس بات پر مجبور تھا کہ کچھ نیا ضمانہ وعدے کر کے مختلف اصحاب غرض کی تائید حاصل کر لے اور یہ ایک کھلا لیین دین تھا۔ اور اس سے بادشاہ اور امرا کا باہمی قانونی تعلق اس قدر مضبوط ہو گیا جیسے ہنری اول کے فرمان سے ہوا تھا اگرچہ اس کا طریقہ کسی قدر مختلف تھا۔ اسٹیون کا پہلا فرمان عام الفاظ میں ہے اور اس سے ہنری کے فرمان کی محض توثیق ہوتی ہے مگر دوسرا فرمان مخصوص ہے اور یہ حقیقت میں کلیسا کو دیا گیا تھا۔ اس فرمان کی عطا جدید ہو یا جدید سمجھی جائے ایسے عدالتی اختیارات پر مشتمل تھی جو کلیسائی عدالتوں کو مذہبی اشخاص اور ان کے افعال کے متعلق دئے گئے تھے۔ اس فرمان کے الفاظ کی تاویل ایک طرح نہیں بلکہ کئی طرح سے کر سکتے ہیں لیکن یہ یقینی ہے کہ اس وقت اس کا مقصد یہ تھا کہ تمام مقدمات جو پادریوں سے متعلق ہوں ملکی عدالت سے نکال کر کلیسائی عدالتوں کے سپرد کر دئے جائیں۔ یہ کلیسا کی عملی حکومت میں ایک ترقی کی شکل تھی جو مملکت کے اندر ہو رہی تھی کے لئے کلیسا

بہت عرصے سے ہاتھ پیر مار رہا تھا اور کبھی کامیابی نہیں ہوتی تھی۔

جس وقت ہنری دوم تخت نشین ہوا ہے اس کے سامنے یہ حالات تھے جب امن و امان کو از سر نو قائم کرنے کی غرض سے وہ سب سے پہلے عدالتی نظام کو بحال کرنے بیٹھا ہے تو اس کے سامنے فوراً یہ چیز آئی کہ قوم کا ایک بڑا اور اہم حصہ ملکی عدالتوں کے قابو سے باہر ہے۔ پادریوں کے ارتکاب جرم کی سماعت صرف کلیسائی عدالتوں میں ہوسکتی تھی اور پھر ان کی سزائیں بھی معقول نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ جب ہنری اس خرابی کو یک قلم دور کرنے پر آمادہ ہوا تو اسقف اعظم کنٹربری ٹامس بکٹ سے جو خود ہنری کا مقرر کیا ہوا آدمی تھا وہ نزاع ہوئی جو تاریخ میں بہت مشہور ہے۔ ہمارا تعلق اس نزاع کے صرف دستوری پہلو سے ہے۔ ہنری اس بات میں تو کامیاب ہوگیا تھا کہ اسقف اعظم سے قلمرو کے قدیم رواجوں کی پابندی کا وعدہ لے لے اور اگر ٹامس اس وعدے کی پابندی کرتا تو اس معاملے کا بادشاہ کے موافق تصفیہ ہو جاتا، کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ ملکی عدالتوں کے حدود و اختیارات کی بابت پچھلی تاریخ کے اعتبار سے بادشاہ کا دعویٰ بالکل صحیح تھا لیکن ہنری اس سے آگے بڑھنا چاہتا تھا اور جب اسقف کے سامنے یہ معاملہ جس انداز سے آخری فیصلے کے لیے پیش کیا گیا تو وہ بھی اس کے انکار کرنے میں کچھ حق بجانب تھا۔ عدالت کی دونوں قسموں کے باہمی تعلقات کی ایک مستقل روداد تیار کرنے کے لئے بادشاہ نے مجلس عظمیٰ سے اس امر کا مطالبہ کیا کہ سلطنت کے قدیم رواجوں کی ایک یادداشت (Recc nition) پیش کرے۔ یہ یادداشت اصل میں ایک جوری کا باضابطہ جواب تھا جو تحقیقات کے لئے مقرر کی گئی تھی۔

یہ وثیقہ جس کو ۱۱۶۴ء کے "قواعد کلرنڈن" کے نام سے یاد کرتے ہیں عہد ہنری کے عظیم الشان وثائق کی پہلی قسط ہے۔ ممکن ہے کہ اس کو ایک جوری نے مرتب کیا ہو مگر ہمیں یہ نہیں معلوم کہ یہ جوری کس طرح مقرر کی گئی تھی، وثیقے کی شکل تو قریب قریب مجلس عظمیٰ کے بنائے ہوئے قانون کی سی ہے۔

قواعد کلرنڈن قواعد کلرنڈن میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا تھا کہ ملکی عدالت کو ایسے ملزم کے جرم کی سماعت کا حق حاصل ہے جس کا تعلق کسی مذہبی حلقے سے ہو بلکہ ملکی عہدہ داروں کو یہ حق ہے کہ اس کو گرفتار کرلے اور قرار داد جرم کے لئے ملکی عدالت کے روبرو پیش کرے اور اس کے بعد سماعت کے لئے کلیسائی عدالتوں کے حوالے کردے جو مجرم ہونے کی صورت میں اس کو اس کے کلیسائی رتبے سے معزول کر سکتے ہیں۔ پھر فیصلہ سنانے اور سزا دینے کے لیے ملزم ملکی عدالت کے حوالہ کیا جائے۔ لیکن قواعد کلرنڈن اس خاص موضوع سے بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ گو اس میں پوپ کی طرف کوئی خاص طور پر اشارہ نہیں کیا گیا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ ان قواعد میں ولیم اول کے تینوں قواعد از سر نو پیش کئے گئے، قرار پایا کہ کلیساؤں کو نذرانہ دینے کے حق کے متعلق نیز ملکیت اراضی کے متعلق جو نزاعات ہوں وہ دیوی عدالت میں پیش ہونے چاہئیں بشرطیکہ

یہ ثابت نہ ہوا کہ یہ اراضی دعاگوئی اوقاف کے طور پر کلیسا کے قبضے میں ہے۔ اس کے علاوہ قواعد میں شرح وبسط کے ساتھ اسقف کی جاگیری حیثیت اس طرح قرار دی گئی ہے کہ وہ بادشاہ کا ایک وابستہ ہے۔ بکٹ نے قواعد کی پابندی کرنے سے انکار کر دیا حالانکہ دوسرے اسافقہ نے مان لیا تھا۔ چنانچہ بادشاہ اور اسقف اعظم کے درمیان کشمکش کا سلسلہ ایسی تیزی سے بڑھا کہ حد کو پہنچ گیا اور آخر کو ٹامس کے قتل پر ختم ہوا۔

اس سے بادشاہ کے خلاف جو ردعمل ہوا اس کا ہونا لازمی تھا اور بادشاہ کو بظاہر کلیسا کی مصالحت کے لئے اپنے انتہائی دعاوی کو چھوڑنا پڑا گو حقیقت میں اس نے اپنے وعدوں کی ایسی دل سے پابندی نہیں کی جیسی اس کے نانا نے کی تھی۔ آخر میں بادشاہ کو ان تمام امور پر اختیار حاصل ہو گیا جنہیں قواعد کلرنڈن میں طلب کیا گیا تھا، سوائے ایسے پادریوں کی سزا کے جن کے جرائم غداری کی حد تک نہیں پہنچتے تھے۔ غداری اور سزائیں مملکت کے ہاتھ میں رہیں سنگین جرائم کی صورت میں پادری قدیم زمانے سے مستثنیٰ تھے اور اسے انگریزی قانون میں ”استحقاق قسیس“ (Benefit of clergy) کے نام سے موسوم تھا جو شخص سنگین جرم کا ملزم قرار دیا جاتا وہ اپنے پادری ہونے کا دعوے پیش کر سکتا تھا یعنے وہ یہ جواب دے سکتا تھا کہ میں پادری ہوں اور اس طرح مملکت میری سماعت نہیں کر سکتی اور سزا نہیں دے سکتی۔ اگر اس کا دعوے معینہ قواعد کے مطابق صحیح ثابت ہو جاتا تو وہ مذہبی عدالت کے سپرد کر دیا جاتا اور اس طرح وہ ملک کی مقررہ سزا سے بچ جاتا تھا۔

Bibliographical Note :— C. H. Haskins, *Norman Institutions*, 1918 ; *The Abacus and the King's Curia*, E. H. R. *xxvii*, 101, 1912. W. A. Morris, *The Office of Sheriff in the Early Norman period*, E. H. R., *xxxiii*, 45, 1918. R. L. Poole, *The Exchequer in the Twelfth Century* 1912. J. H. Round, *Geoffrey de Mandeville, 1892* ; *Feaudal England*, 1895 ; *The Commune of London* 1899 ; *The King s Serjeants and officer of State*, 1911. T. F. Tout ; *The Administrative History of Mediæval England*, 2 vols, 1920.

باب ۴

قانون اور مرکزیت

ہنری دوم کے عہد میں جو اصلاحات کی گئیں وہ اگرچہ آئندہ قانونی اور دستوری تاریخ میں غیر معمولی نتائج کی باعث ہوئیں مگر اور لوگ تو کجا خود ہنری کو اس بات کا قبل از وقت اندازہ نہ تھا کہ ان اصلاحات کے آخر میں کیا نتائج ہونے والے ہیں اور ہنری کے متعلق تو یہ بات معلوم ہے کہ معمولی سیاسی مسائل میں بھی جو اس کے سامنے آتے تھے وہ کوئی خاص پیش بینی نہیں کر سکتا تھا۔ اصلاح کے مسئلے پر غالباً اس نے یہ سمجھ کر نظر ڈالی ہوگی کہ وہ ایک سیاسی مسئلہ ہے یعنے مرکزی حکومت بہت کمزور ہوگئی ہے لہٰذا اس کی طاقت بحال کرنی چاہئے، ملک میں جرائم اور بدنظمی بہت ہوگئی ہے لہٰذا اس کو دور کرنا چاہئے، جان ومال کی حفاظت ہونی چاہئے۔ اس زمانے کے خیال کے مطابق بادشاہ کا اولین فرض جس کو خود ہنری بھی سمجھتا تھا یہ تھا کہ وہ انصاف کا بول بالا کرے۔ اچھا بادشاہ وہ ہے جو ایسا "شیر انصاف" ہو جیسے لوگ اس کے نانا کو موسوم کرتے تھے۔ اور ہنری نے اس بات کی قسم کھائی تھی کہ میری دلی خواہش ہے کہ میں اپنے نانا کے قدم بقدم چلوں۔ اگرچہ مرکزی حکومت کو اس امر کی ضرورت تھی کہ فرائض حکومت خاطر خواہ انجام دئے جائیں لیکن ایک مسلک حکومت

قرار دینے میں جو ہنری اپنے سامنے رکھتا تھا زیادہ فائدہ تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں
کہ اس وقت یہی چیز محرکِ عمل تھی۔ اس زمانے میں نظم و نسق اور عدل گستری کے اعضا
ایک ہی تھے۔ انصاف کی کل درست کرنے کے معنی یہ تھے کہ مداخل مالگزاری کی اصلاح
کی جائے اور شاہی آمدنی میں اضافہ کیا جائے۔ عدالتوں کی درستی کے معنی یہ تھے کہ خود
مداخلِ سرکاری کی اصلاح کی جائے کیونکہ اس سے رسوم عدالت اور جرمانوں میں
جو بادشاہ کو ملتے تھے اور جو ہر حالت میں آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ تھا اضافہ ہوتا تھا۔
اب جو ارباب حکومت اس تغیر کے ذمہ دار تھے، خواہ وہ بادشاہ ہو یا اس کے وزرا،
خود ان کے اغراض علحدہ تھے۔ یہ ایک ہی دور ہے جس میں طریق انصاف، عدالتوں
کی تنظیم اور حصول انصاف کی کارروائی میں عظیم الشان اصلاح عمل میں آئی۔ یہ قیاس کرنا
بے وجہ نہیں ہوگا کہ ان اصلاحات کی پہلی ہی سے ضرورت تھی اور ان کی پیش بینی کر لی گئی تھی۔
حکومت کو اس بات کا یقین تھا کہ حصول انصاف کو سہل تر بنانا اور اس کے طریقوں
کو سادہ اور قابلِ اعتماد بنانا ضروری ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں ایسے جلیل القدر
قانون دان اور ارباب حل و عقد پیدا ہوئے جن کو عملی حکومت میں بھی بڑا دخل تھا۔

عدالتی تنظیم قانون اور ضابطۂ عدالت کے شعبے میں اس زمانے کی اداراتی پیداوار
ایسی دیرپا ثابت ہوئی کہ اس وقت اس کو جس شکل میں ڈھالا گیا تھا اس میں بہت کم تغیر ہوا۔
اگرچہ اس زمانے کی دستوری پیداوار بھی اسی طرح مستقل ثابت ہوئی بلکہ قوم کی تاریخ میں
اس کی اہمیت اس سے بھی زیادہ ہے، مگر آج اس کی جو شکل دکھائی دیتی ہے وہ ایسی ہے
کہ اس وقت ہنری کے وزرا اس کو ہرگز نہیں پہچان سکتے۔ ہاں ہنری کے
جلیل القدر عادل رچرڈ دی لوسی رانلف گلینویل اینگلو سیکسن دنیا میں جہاں جائیں گے
ہر قانونی عدالت کو اپنی ہی پائیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اکثر چیزیں ان کو اجنبی
معلوم ہوں گی اور اکثر چیزیں بالخصوص اصلی قانون میں ایسی ملیں گی کہ ان کو وہ نہیں
پہچان سکیں گے مگر آلات و ضابطۂ عدالت کو وہ ایک ہی نظر میں پہچان لیں گے کہ یہ سب انہیں کی
بنائی ہوئی چیزیں ہیں اور ان کو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ کس طریقے سے یہ چیزیں اپنی
ابتدائی بنیاد سے ڈھل کر آ رہی ہیں کیونکہ تمام اینگلو سیکسنی مملکتوں کا قانون عرفی و قانون
حق رسی نیز ان کی عدالتی تنظیم انہیں لوگوں کی قائم کی ہوئی ہیں۔ اس باب میں اداراتی زندگی

کا پہلو جو اس زمانے کا فوری نتیجہ ہے ہمارے خاص طور پر مدِ نظر رہے گا، لیکن ساتھ ہی دستوری پیدا وار کو بھی ہمیں برابر ذہن نشین رکھنا چاہئے۔

مختصر الفاظ میں اس زمانے کی دستوری پیداوار مرکزیت تھی۔ عدالتی نظام کو جو جدید شکل میں ڈھالا گیا اور حصول انصاف کے جو جدید طریقے پیدا کئے گئے وہ در اصل مرکزیت کی ترتیب تھی۔ ان جدید طریقوں کا اثر یہ ہوا کہ ہر گوشے میں نارمنی مرکزی حکومت گھس گئی۔ اور اس نے ہر شخص پر اپنا ہاتھ ڈالا۔ نارمنوں کی مرکزی حکومت ایک مسلسل مطلق العنان حکومت تھی اور ایسی قطعی مطلق العنانیت تھی کہ اس پر دستوری اشکال کا پردہ تک نہیں ڈالا گیا تھا۔ اس وقت جو تبدیلی ہو رہی تھی وہ یہ تھی کہ نارمنوں کی مطلق العنان حکومت دستوری شکل اختیار کر رہی تھی اور قانون و ادارات کا جامہ پہن رہی تھی۔ اگر یہ کوشش بار آور ہو جاتی یعنے اگر حکومت اس حالت کو چھوڑ کر جو اس کی عادت میں داخل ہو گئی تھی جملہ تنظیم اور آلات حکومت کی روح اور ضروری تاویل کی صورت میں مبدل ہو جاتی تو اس سے ایسا ثبات اور استقلال پیدا ہو جاتا کہ آئندہ ورآمد کے لئے راستہ بند ہو جاتا۔ جہاں تک خود ہنری دوم کے عہد کے نتائج کا تعلق ہے اس نے اس سلسلے میں جس قدر ہو سکتا تھا سب کچھ کیا اور توقع سے زیادہ کیا جو آلات تجویز کئے گئے تھے ان سے بارھویں صدی کے لئے ایک عجیب استوار مرکزیت پیدا ہو گئی، اب یہ آنے والے زمانہ کا کام تھا کہ اس کو مستقل کرے۔

تاریخ دستور انگلستان میں نارمنی فتح کے بعد یہ دور تغیر کا سب سے پہلا اور عظیم الشان دور ہے۔ اور اپنی نمایاں خصوصیات میں سے ایک میں تاریخ کے دیگر ازمنۂ تغیر کے ساتھ برابر کا شریک ہے۔ اس دور کا امتیاز اس بات میں بہت کم ہے کہ اس میں جدید ادارات ایجاد ہوے بلکہ اس بات میں ہے کہ اس میں بڑے ادارات کا وسیع پیمانے پر یا جدید طریقے سے استعمال ہوا۔ تبدیلیوں کے بڑے مدات وہ ادارات تھے جو نارمنی فتح کی بدولت انگلستان میں آئے تھے یعنے شاہی عادل، گشتی عدالتیں شقہ جات اور جوری۔ ان مخصوص تغیرات میں سے اکثر ایسے ہیں کہ جن کا زمانہ گزشتہ میں خاکہ پایا جاتا ہے۔ یعنے یہ ہنری کے باپ کے زمانے میں جب کہ وہ نارمنڈی میں تھا یا اس کے نانا کے زمانے میں جب وہ انگلستان آیا تھا پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کو جوڑ کر ایک مربوط عضوی نظام میں مرتب کرنا اور ان کو مرکزی حکومت کے آئندہ ادلہ میں مستقل طور پر شامل کر دینا اور اس آلہ کو معین ضابطوں کے تحت ایسے پیش کرنا کہ

جو شخص چاہے اس سے فائدہ اٹھائے یہ سب ہنری کا کام تھا۔ صرف چند موزنوں کے متعلق ہم یقین کے ساتھ یہ بتا سکتے ہیں کہ کیا اختراعات کی گئیں اور کس ترتیب سے کی گئیں اور ان کی تاریخ کیا تھی۔ ہمارا بہترین کام یہ ہو سکتا ہے کہ ہم منطقی استدلال کے مطابق اس مضمون پر بحث کریں، جو اساسی چیزیں ہیں ان کو پہلے بیان کریں اور یہ دیکھیں کہ دوسری چیزیں ان میں کیسی شامل ہو گئیں۔ لیکن ان مخصوص واقعات کی بناء پر جو ہماری واقفیت میں ہیں جہاں جہاں ردوبدل کرنا پڑے گا ان کو بھی جہاں تک ممکن ہو دیکھنا چاہئے۔

مقامی عدالت شاہی۔ اصلاحات کی تمام فہرست میں مقامی عدالت شاہی ایسی چیز ہے جو منطقی اور عملی دونوں پہلوؤں سے اساسی تھی۔ جو کچھ تغیرات کئے گئے اور ان کو جوڑ کر ایک منتظم مجموعے کی صورت میں لایا گیا ان کے متعلق بادشاہ کی بڑی غرض یہ تھی کہ مقامی حلقوں میں عدالت شاہی کا اجلاس ہو جو مقامی مقدمات پر غور کرے اور ایسے شرائط قائم کرے جو سب عدالتوں پر حاوی ہوں۔ اس بات کا ثبوت نہیں کہ دوسرے آلات مثلاً عادل۔ شقہ جات، باجوری سوائے "عدالت شاہی" کے کبھی بادشاہ یا مرکزی حکومت کے اغراض کے لئے یا شاہی اجازت سے استعمال کئے گئے تھے۔ جب شقے کے ذریعے سے مقامی سماعت کے لئے حکم ہوتا تھا تو وہ سماعت ہمیشہ شاہی عدالت میں شاہی عادلوں کے روبرو ہوتی تھی۔ یہ امر کہ یہ تمام کل پرزے بادشاہ کے ذاتی تھے۔ اور اس کے استعمال کے لئے اجازت لینا اور یہ قیمت خریدنا پڑتا تھا اس زمانے میں قبیح نہیں سمجھا جاتا تھا۔

لیکن یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہو گا کہ مقامی عدالتہائے شاہی صوبے اور ہنڈریڈ کی مقامی عدالتوں کے قدیم نظام میں حارج ہوتی تھیں۔ اگلی صدی کے اختتام پر جدید عدالتیں سوائے خفیف مقدمات کے جملہ امور میں قدیم عدالتوں کے قایم مقام بن گئیں گو ان دونوں حدود و اختیارات میں ایک حد تک مسابقانہ تنگ و دو بھی کہ اوائل میں یہ عدالتہائے عوام میں حارج نہیں ہوئیں۔ بارھویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں بھی یہ عدالتیں اپنی ترکیب ضابطہ کارروائی اور فرائض کے ساتھ اسی طرح قائم رہیں جس طرح گیارھویں صدی میں تھیں عدالت ہنڈریڈ کی حالت یہ تھی کہ تمام عدالتیں خانگی رؤسا کے ہاتھ میں برابر ضم ہو رہی تھیں۔ ہنری اول کی وہ اصلاح جس کی ہمارے ہاں دستاویزی شہادت موجود ہے مقامی عدالتوں سے متعلق ہے۔ اس نے پرانے قواعد کو جہاں تک ان کے اوقات اور مقامات کا تعلق ہے

بحال کر دیا تھا اور اس بات کا سد باب کر دیا تھا کہ مقامی عہدہ دار اپنے فائدے کے لیے ان کو بے قاعدہ استعمال نہ کریں۔ اور ان مواقع کے لیے جب خود بادشاہ کے اغراض کے لئے استعمال ہوتے تھے کارروائی کے چند ضابطے بنا دیئے تھے۔ یہ بات خلاف قیاس نہیں ہے کہ خود بادشاہ کے استعمال کرنے سے ان میں پہلے پہل ایک نئی جان پیدا ہوگئی جو کسی دوسری طرح ممکن نہیں تھی۔

جب عادل اپنے متعلقہ دورے پر نکلتے تھے تو ان سے پہلے ہر صوبے کے شیرف کے نام شقہ آتا تھا جس میں حکم ہوتا تھا کہ عادلوں کا ایک اجلاس منعقد کرے۔ یہ اجلاس صوبے کا وہ معمولی اجلاس عدالت نہیں تھا جس کا شیرف وقتاً فوقتاً منعقد کرتا تھا تاکہ صوبے کے معمولی امور انجام پائیں بلکہ یہ خاص اجلاس تھا اور اس کے انعقاد کی خاص غرض یہ تھی کہ صوبے میں عدالت شاہی کے اجلاس کے لئے مقامی طبقے کے ضروری کل پرزے جمع کئے جائیں۔ اور اس طریقے سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں یہ عدالت کی بہترین ساخت تھی جو اس عدالت کو جب کہ بادشاہ کے اکثر افراد اور خانقاہوں اور بلدیات جیسے سندی جماعتوں کو جو مقبول بارگاہ تھے استثنا اور حق رائے دہی عطا کرنے اور اس طریقے سے تقریباً تمام طبقات کو شرکت سے سبکدوش کرنے سے پہلے حاصل ہوگئی تھی ہنری نے تمام مستثنیات اور اختیارات خصوصی معطل کر دیئے۔ اس عدالت میں دیہی اور دینیوی اکابر اور جملہ معافی دار اور ہر دیہ سے ریو اور چار قانونی آدمی اور ہر بلدیہ سے ۱۲ قانونی بلدی بلائے جاتے تھے کہ اصالتاً مجلس میں شرکت کریں۔ بڑے لوگوں کو فوراً یہ حق حاصل ہوگیا کہ یہ وکیل کے توسط سے نمایندگی کر سکتے ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ ان کی طرف سے جواب دینے کے لئے ایک شخص وہاں ہوتا تھا اور عادل جو کام سپرد کرتا اس کے انصرام کے لئے تمام صوبہ موجود ہوتا تھا۔

عدالت کی کارروائی اس طرح شروع ہوتی تھی کہ پہلے بادشاہ کا شقہ پڑھا جاتا تھا۔ اور اس میں نہ صرف یہ حکم ہوتا تھا کہ عدالت کا اجلاس ہو بلکہ اس سے عادلوں کو اختیار دیا جاتا تھا کہ وہ کام کریں اور شاہی آلات سے کام لیں۔ پھر ایک عادل مجلس کو مخاطب کر کے گشتی عدالت (iter) کے مقاصد کی تشریح کرتا اور اس نظام کے فوائد دکھلاتا تھا۔ پھر جوریاں ترتیب دی جاتی تھیں۔ تمام صوبے میں سے پہلے چار مبارز منتخب کئے جاتے تھے اور ان سے حلف لیا جاتا تھا۔ یہ لوگ ہر ہنڈریڈ سے دو مبارز

منتخب کرتے تھے اور یہ بھی حلف دادہ ہوتے تھے اور یہ دو مبارز دس اور مبارز منتخب کرتے تھے اور جب اتنے مبارز دستیاب نہ ہوتے تو آزاد اور قانونی لوگ منتخب کئے جاتے تھے اور یہ سب تعلقے کی جانب سے جوری مرتب کرتے تھے۔ ان جوریوں کے روبرو تحقیقات کی وہ فہرست پیش کی جاتی تھی جس کے متعلق عادلوں کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ وہ خلفیہ مقامی شہادت لیں۔

فہرست تحقیقات ۱۱۹۴ء۔ ۱۱۹۴ء کی گشتی عدالت میں

جو فہرست جوریوں کے روبرو پیش کی گئی تھی۔ وہ اس وقت تک موجود ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے عادلوں کے کام کی واضح مثال سامنے آجاتی ہے۔ پہلے جوریوں کو ایسے تمام مخصوص مقدمات فوجداری کی جن کی سماعت ضروری ہوتی تھی رپورٹ پیش کرنی پڑتی تھی، جو قدیم ہو یا جدید ابتدائی عدالتوں میں غیر منفصلہ رہجاتے تھے۔ اس کے بعد ان کو ایسے خاص مقدمات فوجداری کی رپورٹ دینی ہوتی تھی۔ جن کی سماعت کے لئے بذریعہ متفقہ اجلاس عدالت کی اجازت لی جاتی تھی یا بغرض سماعت مرکزی عدالت سے عدالت صوبہ میں واپس کئے جاتے تھے۔ بعد کو یہ (Nisi prius)(Cases) کہلانے لگے تھے یعنے ایسے مقدمات جو وسٹ منسٹر کی عدالت عرفی سے عدالت گشتی میں منتقل ہوئے ہوں۔ پھر اس کے بعد انتظامی امور کی ایک طویل فہرست پیش ہوتی تھی جن میں بادشاہ بذات خود دلچسپی لیتا تھا اور جو عام طور پر شیرف کے زیر نگرانی ہوتے تھے۔ اس فہرست سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح گشتی عادل شیرف کے رویے پر خاطر خواہ نظر رکھتے تھے اور کس طرح یہ عدالت آلہ نظم ونسق اور آلہ مرکزیت کا کام دیتی تھی۔ ان تمام چیزوں کی بحد معلومات رپورٹ دی جاتی تھی کہ کتنی قابل بازگشت ہیں۔ کتنے گرجا خالی ہیں جن کے اماموں کو بادشاہ مقرر کرتا ہے۔ کتنے نابالغ اور شادی طلب ہیں۔ کتنی امدادیں ہیں جو اب تک وصول نہیں ہوئیں۔ کتنی اراضی اور مویشی منفرد ق ہیں اور کتنی قسم کے جرائم کا ارتکاب ہوا ہے۔ محصول لگانا، شاہی ہیروں کے انتظام اور ذخائر کی تنقیح کرنا، یہودیوں کی جائداد اور ان کے وصول طلب قرضوں کو درج رجسٹر کرنا یہودیوں کے مقبوضہ کفالتوں کے متعلق نئے ضوابط کی تعمیل کروانا، اور اس امر کی رپورٹ دینا کہ اس دوران میں سرکاری عہدہ داروں نے کونسی جائدادیں ضبط کی ہیں اور ان کے اسباب کیا ہیں، سب ان کا کام تھا۔ جب آج ہماری کسی گشتی عدالت میں عادل بڑی جوری کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ صوبے کے محبس کا معائنہ کریں اور وہ اس بات کی

رپورٹ کریں کہ گزشتہ دورے کے بعد سے شیرف نے اس کا کس طرح انتظام کیا ہے تو ایسی صورت میں عادل ایک انتظامی فرض ادا کرتا ہے اور یہ ایسا فرض ہے جو براہ راست بارھویں صدی کی اصلی گشتی عدالت کی طرف سے وراثتہً آرہا ہے۔ اگرچہ جس صوبے کی رپورٹ دی جاتی تھی بہت چھوٹا ہوتا تھا مگر اس زمانے میں چیوری والوں کا کام برائے نام نہیں ہوتا تھا بلکہ غلطی کرنے پر ان کو بھاری بھرکم جرمانے ادا کرنے پڑتے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بارھویں صدی کے سلاطین گشتی عدالت کے فوجداری اور انتظامی امور میں غیر معمولی دلچسپی لیتے تھے کیونکہ ان امور پر جس قدر توجہ کی جاتی تھی اسی قدر زیادہ آمدنی حاصل ہوتی تھی نظم ونسق اچھا ہوتا اور حکومت مضبوط ہوتی تھی۔ لیکن یہ قیاس کرنا بھی بے وجہ نہیں ہے کہ سلاطین دیوانی مقدمات میں بھی جو عدالت میں پیش ہوتے تھے دلچسپی لیتے تھے۔ عدالت کے دیگر امور کے مقابلے میں ان مقدمات، کی اہمیت ہر حالت میں بڑھنے والی تھی۔ انتظامی امور کے انصرام کے لئے جن کی عادل نگرانی کرتے تھے حکومت نے ڈیڑھ دو سو سال کے درمیان میں رفتہ رفتہ دوسرے طریقے پیدا کر لئے لیکن اسی دوران میں گشتی اور باقی تمام شاہی عدالتوں کے دیوانی مقدمات کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ یہ مقدمات شروع ہی سے پرانی عدالتوں کو چھوڑ کر جدید عدالتوں میں دھڑا دھڑ آنے لگے تھے۔ اس کی محض یہ وجہ نہیں تھی کہ اچھی حکومت ہونے سے ملک کی خوشحالی میں اضافہ ہو گیا تھا بلکہ بڑی وجہ یہ تھی کہ جدید شاہی عدالتوں میں مقدمہ بازوں کو سماعت کے اچھے طریقے حاصل ہوتے تھے اور بالخصوص یہاں جوری کا انتظام تھا۔

قدیم عدالتوں میں مقدمات کی سماعت کا جو طریق کارروائی تھا وہ پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ان عدالتوں میں حقیقت مقدمہ کی بابت رائے عامہ معلوم کرنے کے بہت خراب طریقے تھے یعنی تائید حلف لی جاتی تھی اور درمیانی اور آخری فیصلے ہوتے تھے اس پر طرہ یہ کہ فریقین مقدمہ کے مابہ النزاع معاملات کی صداقت دریافت کرنے کے جو ذرائع تھے وہ بھی ناقص تھے۔ شاہی عدالتوں سے عظیم الشان فائدہ یہ تھا کہ ان عدالتوں میں حقیقی واقعات کے پتہ لگانے کے بہترین اور قابل اعتماد ذرائع دستیاب ہوتے تھے۔ قدیم طریقۂ کارروائی میں ایسی چیزوں پر بھروسہ کیا جاتا تھا جو تقریباً اتفاقات کہے جا سکتے ہیں لیکن اب مقدمہ باز جوری سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ یہ اہل جیوری ہمسایوں میں سے منتخب

ہوتے تھے جن کا واقعات سے واقف ہونا بہت اغلب تھا۔ ان کو عادل یہ ہدایت کرتے تھے کہ وہ اپنی دانست کے موافق اور حلف لے کر مقررہ سوال کا جواب دیں۔ ان کے جواب پر کوئی مواخذہ نہیں ہوتا تھا۔ جس شخص کو یہ اعتماد ہوتا کہ اس کا مقدمہ سچا ہے اور وہ واقعات کو عدالت کے سامنے لا سکتا ہے تو وہ پنچایتی سماعت کی خواہش و فکر کرتا تھا۔ خواہ انتظامی مقدمہ ہو یا قانونی۔ جوری کے ذریعے واقعات معلوم کرنے کی جو کارروائی تھی اس کو تحقیقات (Inquisition) کہتے تھے اور جوری کا باضابطہ جواب قرار داد یا راے عادق (Verdictum) کہلاتا تھا۔

شقے کی ابتدا۔ جوری آلہ حکومت کا کوئی باضابطہ جز نہیں تھا۔ یہ ایک شخصی عمل تھا جو بادشاہ کی ذات سے وابستہ تھا اور یہ فرانکی بادشاہوں سے ورثے میں ملا تھا۔ شقے صرف غیر معمولی اور اکثر ایسی صورتوں میں استعمال ہوتے تھے جن کی نوعیت انتظامی ہوتی تھی۔ مثلاً اجرائی محاصل عہدہ داران شاہی کا رویہ اور حصول جائداد شاہی۔ اور ان سے مقصد ان واقعات کو ثابت کرنا ہوتا تھا جن پر فیصلہ منحصر کیا جاتا تھا۔ جب کوئی غیر سرکاری شخص اپنے مقدمے میں عدالت کے روبرو بذریعۂ فیصلہ جوری اپنے واقعات معلوم کرنا چاہتا تو جوری کے لئے اس کو بادشاہ کی ذاتی اجازت لینی پڑتی تھی اور بغیر اجازت کے جوری حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔ یہ اجازت شقے کے ذریعے دی جاتی تھی اور اس میں مقدمے کی صراحت ہوتی اور عادل کو اس کی سماعت کا اختیار دیا جاتا تھا۔ اسی طریقے سے قانون عرفی کا یہ اصول کہ ہر مقدمہ شقے سے یعنے اصل شقے سے شروع ہونا چاہئے پیدا ہوا اور اسی سے یہ اصول بھی قرار پایا کہ شقے میں صحت کے ساتھ سماعت نالش کی صراحت ہونی چاہئے کیونکہ کسی ایک مقدمے کے متعلق اجازت ملنے سے کہ جوری یا عادل استعمال کئے جائیں یہ حق پیدا نہ ہوتا تھا کہ وہی دوسرے مقدمات میں استعمال ہو سکتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ شروع ہی میں عادل اس شخص کو جس کے پاس غلط شقہ ہوتا تھا، ہدایت کر دیتے تھے کہ اگر وہ درخواست دے تو صحیح شقہ مل سکتا ہے اسی سے قانون عرفی کی تشکیل کے دور اولین کی ایک بڑی خصوصیت بھی پیدا ہو گئی یعنے نالشوں کی تقسیم اور شقہ جات کی کثرت۔

خانگی اشخاص کو شقہ جات عطا کرنے کا عملدرآمد کہ وہ اس سے بادشاہ کے آلات جوری اور عادل سے فائدہ اٹھانے لگے۔ تقریباً فتح کے عین بعد ہی شروع ہو گیا تھا۔

جہاں تک اب ہم کہہ سکتے ہیں پہلی پشت میں اس عملدرآمد کی رفتار بہت دھیمی رہی لیکن ہنری اول کے عہد میں اس کا کثیر رواج ظاہر ہے۔ اور اس عہد میں نقشے کی ظاہری شکل پر بہت زیادہ توجہ کی گئی۔ لیکن جہاں تک انگلستان کا تعلق ہے ہنری دوم نے اپنے اوائل عہد میں ہی سب سے پہلے اس چیز کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کو بہت ترقی دی۔ اور یہ قرین قیاس ہے کہ یہ کام ایک یا کئی "قوانین" کے ذریعے جن کو (Assize) کہتے تھے عمل میں آیا تھا۔ لیکن اس وقت ان قوانین کے الفاظ موجود نہیں اور نہ ان کی تاریخیں ہم یقین سے بتا سکتے ہیں۔ ان قوانین سے یہ تیقن ہو گیا تھا کہ خاص مقدمات میں جو بار بار آتے تھے۔ ہر شخص شاہی عدالت میں جوری سے کام لے کر اپنے مقدمے کی سماعت کرا سکتا تھا۔ اس میں شرط صرف یہ لگائی گئی کہ وہ ضروری شقے کے لئے درخواست دے۔ اور معینہ رسوم عدالت ادا کرے۔ اس کا درحقیقت مطلب یہ تھا کہ ان مقدمات میں یہ جدید کارروائی باضابطہ عدالتی کارروائی کا ایک جز بن گئی تھی اور تمام قوم کے فائدے کے لئے رکھی گئی تھی۔ گشتی عدالتوں کے طریق کو باقاعدہ بنانے کے ساتھ ان قوانین نے پادشاہ کے خاص آلۂ حکومت اور مرکزیت کو مملکت کے دستوری آلات کا جامہ پہنا دیا۔

وہ خاص قسم کے مقدمات جن کو (Assize) کہتے تھے شمار میں پانچ تھے۔ ان میں تین وہ ہیں جن کو مقدمات قبضہ اراضی کہتے ہیں۔ نارمن فرانسیسی میں ان کے یہ نام ہیں بیدخلی جدید (Novel disseisin) "وفات جدی" (Mort d'ancestor) اور تقرر کلیسائی" (Daarrcin Presentment) مقدمہ (Utrum) اور مقدمہ کلاں (Grand assize) پہلے تین مقدمات قبضہ اراضی میں جوری کے سامنے یہ امر پیش نہیں کیا جاتا تھا کہ اصل مالک کون ہے بلکہ صرف یہ سوال پیش کیا جاتا تھا کہ آیا مدعی زبردستی محروم جائداد کیا گیا ہے۔ پہلے دو مقدمات میں جو اراضی سے متعلق تھے اور تیسرے میں کہ کلیسا کے گزارے کے لئے معاش دی جا سکتی ہے یا نہیں۔ حقیقت کے سوال کو متعاقب تصفیئے کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ مقدمہ (Utrum) یہ امر پیش کرتا تھا کہ جو قطعہ زمین کلیسا کے قبضے میں ہے آیا وہ محض دعاگوئی کے لئے حاصل ہے یا معمولی جاگیری اصول کے طور پر ہے اور مقدمہ کلاں ایسے مدعا علیہ کے فائدے کے لئے تھا جس کا حق اور حقیت معرض بحث میں ہوتی تھی اور جو اپنے معاملے کو عدالتی "مجادلے" کے ذریعے سے نہیں بلکہ جوری کے ذریعے تصفیہ کرانا چاہتا تھا۔

بارھویں صدی میں مقدمات کی جو نوعیت پیدا ہوئی اور جن میں مقدمہ باز بادشاہ کی اختیاری جدید کارروائی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے وہ سب جاگیری مقدمات تھے جو سب سے پہلے جاگیری عدالت میں رجوع ہوتے تھے۔ جو مقدمات حقیت قبضۂ دوامی سے متعلق ہوتے تھے وہ بھی اس کارروائی سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اوائل میں ان سب مقدمات کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا۔ صرفی قبضہ جات اس سے محروم تھے۔ جب شاہی آلات کے استعمال کے لئے درخواست پیش ہوتی تو اس کے عام معنی یہ تھے کہ مقدمہ جاگیردار کی عدالت سے علیحدہ کرکے شاہی عدالت میں منتقل کردیا جائے۔ اس منتقلی سے جاگیردار کا نہ صرف یہ نقصان ہوتا تھا کہ وہ خود اپنے لوگوں کے مقدمات کی سماعت سے محروم ہو جاتا تھا۔ بلکہ اس سے زیادہ یہ کہ سماعت سے جو رسوم عدالت اور جرمانے ملتے تھے ان سے بھی اس کو ہاتھ دھونا پڑتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں بیرنوں کو ضبطی جائداد کے مماثل معلوم ہوتی ہوں گی اور اگر ممکن ہوتا تو وہ اس پر اعتراض کرنے سے کبھی دریغ نہ کرتے کہ بادشاہ کو اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ جدید کارروائی سے ان مقدمات پر بھی اثر پڑا ہوگا جو ابتداءً عدالت ہنڈرڈ و عدالت صوبہ میں دائر ہوتے تھے۔ لیکن یہاں بھی اس جدید کارروائی کے تحت کام بہت سادہ اور فطری اصول کے بنا پر ہونے لگا۔

شقہ حقیت۔ شقہ جات اسائز کے علاوہ بادشاہ کی خاص اختیاری کارروائی نے دو اور شقے پیدا کردیئے اور ان شقوں نے تو اس سے زیادہ کام کیا یعنے مقدمات کو بیرنی عدالت سے بالکل خارج کردیا۔ ان میں سے ایک وہ شقہ حقیت ہے اور دوسرا وہ شقہ ہے جس کا نام (Præcipe) کہتے تھے۔ شقہ حقیت وہ شقہ تھا جس میں یہ ہدایت ہوتی تھی کہ حق، حقیت یا ملکیت کے مقدمات کی سماعت کی جائے اس شقے کا مخاطب براہ راست رئیس عدالت کے طرف ہوتا تھا۔ اور اس کو حکم ہوتا تھا کہ شقہ یافتہ مدعی کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ اور اس میں یہ معنے پنہاں ہوتے تھے کہ رئیس بعض وجوہات کی بنا پر جس کا ذکر نہیں کیا جاتا تھا انصاف کرنے کے لئے راضی نہیں ہے۔ اس کے آخر میں ایک فقرہ یہ بھی ہوتا تھا کہ اگر رئیس انصاف نہ کرے تو پھر دوسرا شخص جو بالعموم شیرف ہوگا انصاف کرے گا۔ یعنے رئیس کے انصاف نہ کرنے کی صورت میں سماعت مقدمہ کے لئے

شاہی مامور مقرر ہوتا تھا اور اس کو عدالتی کارروائی کا اختیار دیا جاتا تھا۔ شقہ محض اس اصول وحق پر مبنی تھا کہ بادشاہ کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا ہر شخص کے ساتھ انصاف ہوتا ہے یا نہیں۔ لیکن شقہ پہلے عدالت بیرنی کے حق سماعت کو پورے طور پر تسلیم کر لیتا تھا۔ قانوناً اس کا تعلق اس اصول سے تھا کہ عدل گستری کے نقص اور بے اعتنائی کا مرافعہ ہونا چاہیئے۔ اور یہ کمزوری اور بے اعتنائی تمام جاگیری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ اصولاً ماتحتوں کو یہ حق حاصل ہوتا تھا کہ جب ان کا رئیس انصاف سے انکار کرے تو وہ اس کے رئیس اعلیٰ کے روبرو اپنے مقدمات رجوع کریں۔ بادشاہ نے اس مرافعہ کے استعمال کو بہت سہل بنا دیا اور یہ صاف طور پر سمجھا دیا کہ عدالتہائے بیرنی میں تنقیح کرنا کہ وہاں انصاف ہوتا ہے یا نہیں خود شاہی عدالتوں کا کام ہے۔ اس حد تک تو بیرن کوئی شکایت نہیں کر سکتے تھے کیونکہ بادشاہ علانیہ اپنے حقوق کے دائرے کے اندر تھا۔

شقہ حکم (Præcipe) تو بہت آگے نکل گیا۔ اس نے بیرنی عدالتوں کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ یہ شقہ مدعی کو دیا جاتا تھا اور شیرف کے نام ہوتا تھا اس میں یہ ہدایت ہوتی تھی کہ مدعی علیہ کو یہ حکم دے کہ زمین زیر نزاع فوراً مدعی واپس کر دے یا شاہی عدالت میں حاضر ہو کر جواب دعویٰ پیش کرے کہ ایسا کیوں نہیں کیا گیا، یعنے اس نے شاہی احکام کی کیوں تعمیل نہیں کی۔ اس کے جواب دعویٰ سے اس مقدمے کا دوسرا رخ اور سماعت مقدمہ کا ایک حصہ جو عدالت شاہی میں جاری تھی واضح ہو جاتا تھا۔ شقے میں یہ فرض کر لیا جاتا تھا کہ مدعی کا دعویٰ برحق ہے اور اس اصول پر مبنی تھا کہ ہر کس و ناکس کے ساتھ انصاف کرنا بادشاہ کا فرض ہے۔ یہ شقہ قانون جاگیری اور رئیس جاگیردار کے حقوق کو بالکل پس پشت ڈال دیتا تھا۔ اور اس کا انحصار بالکلیہ شاہی عہدے کے اس اعلےٰ تصور پر تھا کہ بادشاہ صرف رئیس قلمرو ہی نہیں بلکہ دنیا کی حکومت الہیٰہ کا نائب بھی ہے۔ یہی نظریہ تھا۔ جو زمانۂ وسطیٰ میں بادشاہ کے متعلق سمجھا جاتا تھا۔ اس طریقے سے مملکت کی جاگیری حکومت پر فوری ضرب لگی اور عدالتی اختیارات جو خانگی ہاتھوں میں چھوڑ دیئے گئے تھے ان کے بازیافت کی یہ سب سے بڑی کوشش تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے صرف ایک ہی قسم کے مقدمات پر اثر پڑا اگر یہ پورے نظام تغیر کا ایک اہم حصہ تھا۔ اور اگر اس کو بہ حیثیت مجموعی دیکھا جائے تو اس سے ایک طاقتور مرکزی آلۂ حکومت کی تشکیل عمل میں آئی

جو اس زمانے میں یورپ میں کہیں نہیں پایا جاتا تھا۔

مستقل مرکزی عدالت۔ عدالتی کارروائی میں جو ترقی ہوئی اور پھر اس کے ساتھ جدید آلات۔ عدالت پیدا ہونے سے جو کام کی کثرت ہوئی تو اس کا اثر صرف اسی بات میں گشتی عادلوں کا انتظام حکومت کا مستقل عنصر ہے یہ ہی ختم نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ گشتی عدالتیں خود ایک جدید اضافے یعنے ایک مستقل مرکزی عدالت کی تخلیق کا باعث ہوئی ہیں۔ جس کے لئے خاص عادل مامور ہوئے یہ عدالت۔ اسی قسم کے مقدمات کی سماعت کرتی تھی جو گشتی عدالتیں کرتی تھیں اور وہی بادشاہ کی اختیاری کارروائی بھی کام میں لاتی تھی۔ عملاً یہ بھی ایک گشتی عدالت ہی تھی جو ہمیشہ اجلاس کرتی تھی۔ یہ عدالت بعد کو "عدالت نالشات دیوانی" (Court of Common Pleas) کہلانے لگی لیکن یہ عدالت غالباً دو رابعہ کی عدالتہائے قانون عرفی یعنی عدالت شاہی اور عدالت مال کی طرح نہیں تھی جو چھوٹی کونسل کے عدالتی فرائض سے مشتق ہیں، بلکہ یہ خاص پیداوار تھی جو وضع قانون یا اس طریقے سے جو اس زمانے میں وضع قانون کا طریقہ تھا قائم کی گئی تھی۔ تاکہ جدید کارروائی کے فوائد ہر وقت بہم پہنچ سکیں۔

ایک زمانے تک یہی عدالت قانون عرفی کی مرکزی عدالت بنی رہی۔ کونسل نے بہ حیثیت عدالت خواہ اس کی چھوٹی شکل ہو کہ بڑی اپنے عدالتی کام کے لئے جدید طریقہ کارروائی کو کبھی نہیں اختیار کیا۔ البتہ اس کی دو شاخیں جو عدالت شاہی اور عدالت مال کہلاتی ہیں وہ قانون عرفی کی عدالتیں ہو گئیں اور انہوں نے ایک صدی یا ایک صدی سے زیادہ زمانہ کے بعد غاصبانہ طور پر جدید طریقہ کارروائی کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ تاہم وضع قانون کے ذریعہ جو عدالت نالشات دیوانی قایم ہوئی تو اس سے آئندہ ترقی کے لئے ایک تحریک پیدا ہو گئی۔ اس سے یہ ضابطہ بن گیا کہ جدید عدالت میں جو ادق مقدمات پیدا ہوں وہ فیصلے کے لئے کونسل کے تفویض کئے جائیں۔ ایسی تفویضیں بڑھتی گئیں اور اس سے کونسل میں کام کی نوعیت مخصوص ہو گئی جو بعد کو "حضوری شاہی" (Coram rege) کہلانے لگی اور جو متعاقب تفریق ہوئی تو اسی سے "عدالت شاہی" (King's bench) پیدا ہوئی۔

قانون عرفی۔ اس جدید نظام کی مزید پیداوار قانون عرفی (Common Law) ہے جو خود اس نظام کے بانیوں کے وہم و گمان میں نہ تھا لیکن انگلستان تاریخ میں اس کی اہمیت و نتائج نہایت بالشان حیثیت رکھتے ہیں۔ سیکسنوں کے زمانے میں

مقامی عدالتوں میں رواجی قانون نے جو ترقی پائی تھی اس کا ہر صوبے میں جداگانہ طرز کا تھا اور اس کے باوجود کہ قانون جاگیری اس پر مسلط کر دیا گیا تھا اس کی حالت بالکل نہیں بدلی تھی۔ قانونِ جاگیری ایسا قانون تھا کہ ہر جگہ یکساں ہونا اس کی نمایاں خصوصیت تھی اور قبضہ اراضی جیسے اہم مقامی معاملے کی وہ تنظیم کرتا تھا۔ بارھویں صدی کے قانون نگار اس کو سمجھ گئے تھے گو ان کے سامنے یہ تصور ہی نہیں تھا کہ قانون عرفی کا کیا مستقبل ہوگا تاہم انھوں نے اس بات کو محسوس کیا ہوگا کہ گشتی عادل جو واحد مرکزی عدالت سے صدور کرتے اور ہر صوبے میں اپنے ساتھ ایک ہی عدالت ایک ہی قانون ہمراہ لے جاتے ہیں یہ عادل دراصل تمام سلطنت کے لئے ایک مشترک قانون بنا رہے ہیں۔ چنانچہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ یہ لوگ اس کو مشترک قانون یا قانونِ عرفی (Common law) کے نام سے موسوم کرنے لگے جس طرح ہم آج کرتے ہیں، یعنے ایسا قانون جو ہر جگہ یکساں ہے، اور آج تمام انگریزی سمجھنے والی دنیا میں اس کا یہی مفہوم لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مقامی قانون کے بہترین اجزا مرکزی قانون میں بہت جلد جذب ہو گئے اور مقامی قانون آہستہ آہستہ غائب ہو گیا۔ یہ نتیجہ یعنے تمام سلطنت میں یکساں قانون کا رائج ہو جانا ایک منفی طریقے سے پیدا ہوا تھا اور یہ بہت بڑی دستوری اہمیت رکھتا ہے۔ قرونِ وسطیٰ کے اختتام کے قریب جب تجارت میں روز افزوں ترقی ہونے لگی تو اس وقت ایسے قانون کی ضرورت لاحق ہوئی جو ہر جگہ یکساں ہو۔ اس وقت انگلستان اپنے مرکزی قانون کی بدولت اس ضرورت کے پورا کرنے کے قابل ہو گیا تھا اور اس بات کی ضرورت نہ تھی کہ قیصری روما کا قانون اخذ کیا جائے جو زیادہ تر مطلق العنانیت کی طرف مائل تھا۔ کچھ اور عرصے کے بعد جب سترھویں صدی میں دستوری کشمکش ہوئی تو قانون عرفی کی گرفت بادشاہ کے خلاف ایک پکی زبردست آہنی دیوار بن گئی۔

قانونِ عرفی کے ماخذ۔ قانونِ عرفی کے ماخذوں پر غور کرنے کے لئے ہمیں ضابطہ قانون اور اصل قانون میں تمیز کرنا چاہئے۔ جدید عناصر جو قانون عرفی کے ہونے کے باعث ہوئے وہ ضابطے سے متعلق تھے گو تمام ضابطہ جدید نہیں تھا۔ یہ نیا حصہ کہ اس وجہ سے پیدا ہوا کہ بادشاہ نے قوم کو عدالتوں کا ایک جدید مجموعہ اور مدعیٰ علیہ کو عدالت میں حاضر کرنے کا ایک جدید طریقہ، اور شہادت کا ایک جدید اسلوب عطا کیا تھا۔ اور یہ سب ضابطہ یعنے طریقۂ کارروائی کی تبدیلیاں تھیں۔ پھر کل تغیر میں بعض اساسی چیزیں بھی تھیں گشتی عادل

تنفذ۔ اور چوری۔ جس چیز نے نہایت زور سے قانون عرفی کے پیدا ہونے میں مدد دی ہے وہ جدید عدالتی نظام تھا۔ لیکن قانون اصلی جس سے قانون عرفی کی تشکیل عمل میں آئی ہے وہ کم از کم دور زیر بحث میں سکسنوں کا پرانا مقامی قانون نارمنوں کا مقامی قانون (جو قریب قریب سیکسنی قانون کے کاٹ چھانٹ تھا) اور قانون جاگیری تھے۔ اگر ہنری اوّل کے عہد کی کتب قوانین میں ہم کو سیکسنی اور جاگیری قانون بلا اختلاط ایک دوسرے کے دوش بدوش دکھائی دیتے ہیں، تو دوسری طرف ہنری دوم کے عہد کی کتاب گلین ویل میں قانون کے یہ دونوں نظام جدید عدالتوں میں ایک ہی قالب میں ڈھلتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ اس کتاب میں قدیم اور جدید میں تمیز کرنے کے لئے ہم کو کوشش کرنی پڑے گی اور اس کے لئے تاریخی تجزیے سے کام لینا ہوگا اور پہلی نظر میں دونوں کے درمیان کچھ فرق محسوس نہیں ہوگا اس لئے کہ کتاب میں سوائے قانون عرفی کے کوئی اور چیز نہیں پائی جاتی۔ یہ مرکب مجموعہ وہ بنیاد ہے جس پر موجودہ قانون عرفی کی عمارت قائم ہے۔ اس کے بعد ہی قانون عرفی کی ترقی کا سب سے پہلا اور بڑا دور شروع ہوا۔ اس دور میں قدیم نظام کی ترقی نہیں بلکہ جدید نظام کی ترقی عمل میں آئی یعنے شقوں کی کثرت اور اس کے تحت نالشات کی مختلف قسموں میں تقسیم ہوئی۔ یہ دیکھنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ قانون کی ترقی میں عدالتی فیصلوں کا اثر بھی فوراً محسوس ہونے لگا تھا۔ بریکٹن جو گلینویل کے دو پشت کے بعد ہوا ہے اور قانون عرفی کا دوسرا بڑا مصنف ہے اس بات کے ثبوت میں کہ قانون کیا ہے دو سو طے شدہ مقدمات کے نظائر پیش کرتا ہے۔

قانون نصفت۔ قانون عرفی ہی صرف اینگلو سیکسنی دنیا کے قانون کی اہم تر قسم نہیں ہے بلکہ دوسرا قانونی نظام بھی جس کو نصفت یا حق رسی کہتے ہیں ایک بڑی پیداوار ہے اور اس کی بنیاد بھی قانون عرفی کے ساتھ ہی ساتھ پڑی۔ لیکن یہ بنیاد کچھ علیحدہ نظام کی صورت میں نہیں پڑی بلکہ یہ قانون عرفی کے ہمرکاب تھا اور اپنے اصولوں کی جس پر اس کی بنیاد قائم ہے توضیح کرتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر ہم صرف ان اصولوں کو مد نظر رکھیں جو ہنری دوم کے اصلاحات کی بنیاد تھے تو یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ قرون وسطی کے اختتام کے وقت ان اصولوں پر جو قانون قائم تھا وہ قانون عرفی نہیں بلکہ قانون نصفت تھا۔ تاریخی ارتقا کے دوران میں جو قانون بارھویں صدی کے

سیاسی اصولوں سے گریز کر رہا تھا وہ قانون عرفی تھا اور جو ان کا پابند تھا وہ قانون حق رسی تھا۔ عہد ہنری کی اختراعات میں خاص چیز وہ ہے جس سے بعد کو قانون نصفت کی تخصیص عمل میں آئی یعنے ان کا تعلق بادشاہ کے اختیاری ادارات سے تھا جو مملکت اور قوم سے نہیں بلکہ خاص طور پر بادشاہ سے متعلق تھے، اور بادشاہ نے اپنی عنایت اور مہربانی سے اس کو عوام الناس کے فائدے کے لئے وقف کر دیا تھا تاکہ اس کی بدولت انصاف کے بہترین اور قطعی ذرائع حاصل ہوں۔ لیکن یہ ابھی ہر شخص کا معمولی حق قرار نہیں دیا گیا تھا بلکہ ہر مقدمہ اور شہادت میں جو عادلوں کے سامنے پیش کی جاتی تھی ان کی اجازت کے لئے خاص طور پر التجا کرنی پڑتی تھی۔ گو ایسی درخواستیں ہمیشہ منظور ہی ہو جاتی تھیں۔

مگر شاہی اختیارات خصوصی کے وہ اصول جو ان تغیرات کی تہ میں تھے وہ درحقیقت ان اصولوں سے زیادہ وسیع تھے جن پر ہم اب تک غور کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور امر بھی تاریخ دستوری میں بہت اہمیت رکھتا ہے جس پر نظام نصفت نے بعد کو بہت زور دیا یہ ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ شفقے کے ارتقا پر اس خیال نے اثر ڈالا تھا کہ بادشاہ دنیا کی حکومت الٰہیہ کا نائب ہے اور اس کا فرض ہے کہ سب لوگوں کے ساتھ انصاف کرے اس زمانے میں جب کہ عامہ طور پر لوگ طاقت کو حق سمجھنے کے عادی ہو گئے تھے اور طاقتوروں کو کسی قسم کی مخالفت کا ڈر نہ رہا تھا، اس وقت لوگوں کا اس شاہی اختیار کو انتہائی حد پر پہنچانے کی کوشش کرنا اور اس کو قوم کی آزادی کا منافی نہیں بلکہ ضامن سمجھنا کوئی اچنبے کی بات نہیں ہے۔ چنانچہ لوگ یہی کہتے تھے کہ پیش بینی کے فقدان کی وجہ سے جب کہ انسان ہر امکانی پہلو کی پہلے سے پیش بندی نہیں کر سکتا بعض مرتبہ قانون سے ناانصافی سرزد ہو جاتی ہے اگر قانون کماحقہ، خلاف ورزی کا تدارک نہ کر سکے اور ہر حق کی کماحقہ، حفاظت نہ کر سکے تو اس وقت بادشاہ کا فرض ہے کہ وہ خود آگے بڑھ کر تدارک کرے اور حق کی حفاظت کرے گو قانون اس کے منافی ہی کیوں نہ ہو۔ بادشاہ قانون سے برتر ہے؛ حصول انصاف کے لئے وہ قانون کو معطل اور اس سے گریز کر سکتا ہے؛ یہ اسی اختیار خصوصی کی باقیات ہیں کہ انگلستان میں اب تک عاملہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ سزا یافتہ مجرم کو معافی دے سکتا ہے۔ بارھویں صدی میں اس اصول میں صرف خوبی ہی خوبی نظر آتی تھی۔ اور اس وقت اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ بعد میں آنے والے حکمران اپنے زمانے کی دستوری کشمکش میں اس سے بہت کچھ فائدہ اٹھائیں گے۔

لہٰذا تیرھویں صدی کے اختتام کے قریب جب کہ قانون عرفی اپنے ضابطوں اور اپنی مخصوص مقررہ شکلوں سے ٹلتا نہیں تھا اور یہ دعویٰ کرتا تھا کہ تحریری معاہدے کے جو قطعی شرائط ہوں گے ٹھیک ان ہی کے مطابق حقوق کی توضیح و تشریح ہو گی، اس وقت لوگوں کو یہ کہنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ بادشاہ اپنے فریضے اور اختیارات خصوصی کی بناء پر جو اس کو حصول انصاف کے لئے حاصل ہیں دخل دے سکتا ہے اور ایسے نقصانات کا تدارک کر سکتا ہے جو قانون عرفی کی سخت پابندی کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں ۔ یہ چیز ہم کو اڈورڈ اول کے عہد میں ایسی معلوم ہوتی ہے گو اسی وقت اس کی ابتداء ہوئی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت تحریری وثائق کی اس قدر کثرت ہو گئی اور خود وثائق اس خوبی سے محفوظ کئے گئے کہ معلوم ہوتا ہے گویا یہ کہ یہ چیزیں اڈورڈ کے زمانے ہی میں وجود میں آ رہی تھیں حالانکہ ان کو شروع ہوئے عرصہ ہو چکا تھا ۔ اس دور کی صرف یہ بات نئی تھی کہ قانون عرفی معین شکلوں میں اس قدر جکڑ گیا کہ اب اس کا بدلنا ممکن نہیں تھا ؛ اور جو چیز پہلے سے موجود تھی وہ بادشاہ اور اس کی کونسل کے منتشر اختیارات تھے اور یہ وہ آلہ تھا جس کے توسط سے بادشاہ کام کرتا تھا۔ اور اس کے ذریعے سے وہ حصول انصاف کے لئے قانون کی ایسی کیفیتوں میں دخل اندازی کرتا تھا جب اس کی ظاہری شکلیں اس کی روادار نہ تھیں ۔ اگر تیرھویں صدی کے آخر میں بادشاہ کا یہ طرز عمل تھا تو ظاہر ہے کہ یہ عمل از روئے اصول وہی تھا جو بارھویں صدی میں رہ چکا تھا ۔ اگر بادشاہ نے اپنے اختیارات خصوصی سے ایسی جدید عدالتیں اور ضابطے جاری کئے تھے جن کو ملک کا روایتی قانون تسلیم نہیں کرتا تھا تو اس کی غرض صرف یہ تھی کہ قوم کو حصول انصاف کے بہترین اور قابل اعتماد ذرائع حاصل ہو جائیں ۔

قانون نصفت کے ابتدائی مدارج ۔ اگرچہ قانون نصفت یا حق رسی کا ایک بڑے نظام قانون کی شکل میں ترقی کرنا بعد کی چیز ہے لیکن اس کے ابتدائی مدارج میں اس کی آئندہ ترقی کا عکس پڑ رہا تھا اور بعض شکلیں جو زمانہ حال میں پائی جاتی ہیں وہ اس وقت مقرر ہو چکی تھیں ۔ جس طرح قانون عرفی میں ایک مقدمہ شقے سے شروع ہوتا تھا اسی طرح قانون نصفت بھی ایک عرضداشت سے شروع ہوتا تھا ۔ عرضداشت بادشاہ کی خدمت میں دی جاتی تھی کہ وہ انصاف کے لئے دخل دے جب کہ انصاف کے لئے کوئی دوسری صورت نہ تھی ۔ عرضداشت میں ہمیشہ بادشاہ اور اس کونسل کو مخاطب

کیا جاتا تھا کیونکہ کونسل بادشاہ کے عمل خصوصی کا آلہ تھا۔ نظام قانون حق رسی اور عدالت حق رسی یا عدالت چانسری کا ارتقا اس تفریق فرائض کا ایک رخ ہے جو کونسل سے الگ ہوئے تھے۔ اور اس سے بالکل مختلف ہے جو عدالت قانون عرفی میں ہم دیکھ کر آئے ہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قانون کی تاریخ میں قانون حق رسی اور قانون عرفی کا جو باہمی فرق ہے وہ ضابطہ اور عدالت کی صورت میں اتنا اہم نہیں ہے جس قدر حفاظت حقوق اور تدارک خلاف ورزی کی صورت میں ہے۔

نظام عدالت میں جو اولین تغیرات عمل میں آئے ہیں وہ سلطنت کے دو بڑے عہدوں کے اولین تغیرات سے وابستہ ہیں۔ نارمنی دور کے پہلے سو سال میں صدر اعظم (Justiciar) بادشاہ کا خاص عادل تھا۔ اس کو عادل اعظم یا عادل اعلےٰ (Summus or Capitalis Justice) یہ بادشاہ کا وکیل بھی تھا اور بعض وقت اس کی حیثیت وزیر اعظم کی سی ہوتی تھی۔ بعد کو اس کی حیثیت وہی ہو گئی جو زمانہ مابعد میں بادشاہ کے نیابت میں متولی سلطنت کی ہوتی تھی۔ اب چونکہ شاہی عدالتوں کے لگا تار اجلاس ہونے لگے تھے اور شاہی عادل مستقل طور پر نشست کرنے لگے تھے، نیز اس عہدے کے وزارتی فرائض دوسرے طریقے سے پورے کئے جا رہے تھے، اس لئے اس عہدے کی اہمیت جاتی رہی اور تیرھویں صدی کے وسط کے بعد تو یہ عہدہ سرے سے غائب ہی ہو گیا۔ امیر نصفت (Chanceller) کے عہدے کی تاریخ بالکل جداگانہ ہے۔ یہ اصل میں بادشاہ کے عبادت خانے یا پیش اماموں کا اعلیٰ افسر تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ابتدا میں عدالتی امور سے اس کو کوئی تعلق بھی نہیں تھا۔ لیکن بادشاہ کے پیش امام خود بادشاہ کے معتمد پیشی بھی ہوتے تھے جو شاہی مراسلات کو مرتب کرتے تھے اور ان عرضداشتوں کو وصول کرتے تھے جو بادشاہ کے ملاحظے میں پیش ہوتی تھیں۔ لیکن جب شقوں کا جن کی نوعیت شاہی مراسلات کی تھی عظیم الشان ارتقا ہوا۔ اور اس کے مخصوص الفاظ پر روز بروز توجہ ہونے لگی تو امیر نصفت کے دفتر یعنے چانسری کا جہاں شقے لکھے جاتے تھے جدید طریقۂ کارروائی سے فوری تعلق ہو گیا اور اس کی اہمیت بہت بڑھ گئی اور بعد کو عرضداشتوں کے کثیر استعمال کے ساتھ ساتھ نصفت کے امکانات پہلے سے بہت زیادہ وسیع ہو گئے چنانچہ آگے چلکر اسی بنیاد پر لارڈ چانسلر کے عہدے کا مرتبہ اعلیٰ اور اس کے حقیقی اختیارات قائم ہو گئے۔

جدید ضابطۂ فوجداری۔ جن تغیرات پر ہم اب تک غور کرتے آتے ہیں وہ سب کچھ قانون دیوانی کی ترقی تھی۔ لیکن اس زمانے میں فوجداری قانون اور فوجداری سماعتوں میں بھی اسی طرح کی تبدیلیاں ہو رہی تھیں اور یہ تبدیلیاں بھی کچھ کم اہم اور مستقل نہ تھیں۔ انسداد جرائم کے سلسلے میں اس زمانے کی خاص دقت یہ تھی کہ جرم کے ارتکاب کرنے والوں کا کیونکر پتہ لگایا جائے اور کیونکہ ان کو گرفتار کر کے عدالت کے سامنے سماعت کے لئے پیش کیا جائے۔ جدید ضابطے کا مقصد ایک طرف اس مشکل کو حل کرنا تھا پھر اس کے ساتھ ملزم کی تحقیقات کا قابل اعتماد طریقہ بہم پہنچانا تھا۔ صرف ایک تغیر یعنے ایک ادارے کے جاری کرنے سے جس کو "بڑی جیوری" (Grand Jury) کہتے ہیں دونوں مقاصد کی تکمیل ہو گئی۔ یہ جدید ادارہ زمانہ حال کی "بڑی جیوری" (Grand Jury) کی طرح نہیں تھا اور اسے حقیقی معنوں میں "بڑی" بھی نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی "چھوٹی جیوری" نہیں تھی۔ یہ جیوری جو الزام قائم کرتی تھی، تمام صوبے سے مرتب نہیں کی جاتی تھی بلکہ صوبے کے ایک حصے سے طلب کی جاتی تھی۔ یہ بالعموم اپنے معلومات سے کام لیتی تھی۔ (آج کل کے بڑی جیوری کے مقابل) اس کا کام یہ نہیں تھا کہ عہدہ داران عامہ کے سامنے جو شہادت ہو اس پہ استنباط کرے بلکہ یہ اپنے ذاتی علم کی بنا پہ استدلال کرتی تھی۔ اس کا کام صرف قرارداد جرم کی حد تک نہیں تھا کہ اس کے بعد اصل سماعت ہوتی بلکہ یہ خود سماعت کا لازمی جزو تھا۔

حقیقی عمل دیکھو تو جدید ضابطہ فوجداری گشتی عدل گستری کے جدید نظام سے پیوستہ تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ گشتی عدالت کو دستور کا ایک باضابطہ عنصر بنانے سے ہنری دوم کا مقصد یہ تھا کہ مجرمین کی تعزیر میں قوم کی مقامی علم کو جہاں کہیں جرم کا ارتکاب ہو شریک کیا جائے۔ یہ ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ صوبے میں آنے سے عادلوں کا پہلا فرض یہ ہوتا تھا کہ وہ پہلے جوری مقرر کریں اور ان کو حلف دے کر اس بات پر مجبور کیا جاتا تھا کہ تمام "شاہی مقدمات" یعنے فوجداری جرائم سے جو قابل سماعت ہوں عادلوں کو مطلع کریں۔ اس دستیقے سے جو جدید طریقہ سماعت کے باعث معلومات حاصل کرنے کے لئے پہلا اور واضح وثیقہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ پادشاہ اور مجلس عظمیٰ نے یہ قانون بنایا کہ تحقیقات جیوری کے ذریعہ سے ہو اور جیوری حلف لے کر سچ سچ ظاہر کریں

کہ آیا بادشاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد سے ان کے تعلقے یا دیہہ میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو یا تو ملزم ہیں یا بالعموم ان پر شبہہ کیا جاتا ہے کہ وہ قزاق، قاتل یا چور رہیں یا قزاق، قاتل یا چور کے معاون رہیں۔ جب یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ جیوری نے اس اس شخص پر جس پر جرم کے ارتکاب کا شبہہ ہوتا تھا۔ کوئی الزام نہیں لگایا تو پنچوں پر سخت جرمانہ کیا جاتا تھا۔ اس زمانے میں جب کہ جرائم کثرت سے ہوتے تھے اور وہ خوف و مروت کی وجہ سے اکثر سزا سے بچ جاتے تھے۔ یہ ایک اچھا طریقہ ثابت ہوا جس سے مرکزی حکومت کے ہاتھ مضبوط ہو گئے اور امن قائم ہو گیا۔ آج تک اس سے بہتر طریقہ نہیں مل سکا گو بلاشبہہ آبادی کی کثرت اور معاشرت کی پیچیدگی کی وجہ سے طریقۂ عمل کے چند پہلو بدل دئیے گئے ہیں۔

فوجداری کی جدید سماعت میں پرانی کارروائی کا وہ حصہ بالکل اڑا دیا گیا، جو "آزمایش غیبی" سے پہلے عمل میں لایا جاتا تھا۔ اس میں خدائے تعالیٰ کو گواہ بنانا، پیش حلفی اور تائید حلف سرے سے نہیں تھے۔ تمام لوگوں کی رائے دریافت کرنے کے لئے کہ کون مجرم تھے، پرانی سماعت کے بعد سے طریقوں کے مقابلہ میں حلف وادہ جیوری بہت بہتر طریقہ تھا۔ اور جیوری کے فیصلے سے عام لوگوں کی رائے کا انکشاف ہوتا تھا۔ اس کے متعلق یہ خیال تھا کہ اس طرح ملزم ایسے زینے پر پہنچا دیا جاتا ہے جہاں اس کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں اور سوائے ذریعۂ آزمایش کے اس کے لئے کوئی دوسرا طریقہ باقی نہیں رہتا۔ سنہ ۱۲۱۶ء تک ملزم کی اس آخری اس چارہ کار کی اجازت دی جاتی تھی کہ وہ اپنی برأت ثابت کرے۔ لیکن اس شعبے میں کلیسا نے اس کو ممنوع قرار دیا۔ پھر ایک طویل تجربے کے بعد کہ ملزم کو کسی اور بہتر طریقہ سے آخری چارۂ کار کا موقع دیا جائے۔ ایک دوسری یعنی چھوٹی جیوری کے متعلق استدعا کرنے کا عمل در آمد جاری ہو گیا کہ یہ پہلی جیوری کے فیصلے کے بعد اپنا فیصلہ صادر کرتی تھی۔ چنانچہ چودھویں صدی کے وسط کے بعد سے یہ جدید طریقہ جاری ہو گیا یعنی چھوٹی جوری تمام صوبے سے مرتب ہوتی تھی اور بڑی جوری کے ساتھ ملزموں کو پیش کرنے میں مدد دیتی تھی۔

بعض تبدیلیاں جن پر ہم غور کرتے آئے ہیں قانون عرفی کی تشکیل کی طرح قدرتی ترقی کا نتیجہ تھیں، اور بعض ایسی تھیں جو دانستہ وضع قانون کے ذریعے پیدا کی گئی تھیں۔ اسی زمانے میں لفظ (Assize) کے ایک ایسے قانون کے ہوتے رہے جو باضابطہ

وضع کیا گیا ہو اور ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ پانچوں اسائیز باضابطہ طور پر وضع ہوئے ہوں گے۔ گو سوائے "بڑے اسائیز" کی تاریخ کے جس کا کسی قدر اعتماد کے ساتھ ۱۱۷۹ء تعین کیا جاسکتا ہے ہم ان قوانین کی ٹھیک تاریخیں نہیں بتا سکتے۔ ہنری کے عہد کے بعض قوانین ایسے ہیں جو اس کے باپ کے یا اسٹیون کے عہد سے آرہے تھے۔ ۱۱۶۴ء میں قانون (Utrum) کے اور ۱۱۶۶ء میں قانون "بیدخلی جدید" (Novel disseisin) کے جو حوالے پائے جاتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سنین میں ان دونوں قوانین کا اچھی طرح سے علم تھا۔

ان قوانین کے علاوہ اس عہد کے نمایاں وثیقوں کا ایک سلسلہ ہے جو ہمارے زمانے تک پہنچا ہے۔ ان میں سے بعضوں کے متعلق ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جس شکل میں وہ ابتداءً بنائے گئے تھے وہ موضوعہ قوانین کی شکل تھی۔ ۱۱۶۴ء کے ضوابط کلیرنڈن کے متعلق تو پہلے ذکر ہوچکا ہے کہ اس میں ایسے فقرات تھے جو اکثر امور کے متعلق ابتدائی قوانین سمجھے جاسکتے ہیں۔ ۱۱۶۶ء کا قانون کلرنڈن تو وضع شدہ قانون ہے۔ یہ بالخصوص جدید ضابطۂ فوجداری اور گشتی عدالتوں سے متعلق تھا۔ جن کا پہلے ذکر ہوچکا ہے۔ ۱۱۷۰ء کی (Inquest of sheriff) شیرفون کی تفتیش درحقیقت گشتی عادلوں کے نام ایک حکم تھا کہ وہ شیرفوں اور مقامی عہدہ داروں کی تنقیح کریں کہ آیا وہ اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال تو نہیں کرتے۔ اس سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ جدید عدالتیں شاہی عہدہ داروں پر سخت نگرانی رکھتی تھیں اور مرکزیت کے ایک بڑے زبردست آلے کا کام دیتی تھیں۔ ۱۱۷۶ء کا قانون نارتھمپٹن قانون کلرنڈن کا نقش ثانی تھا۔ اس سے ضابطۂ فوجداری اور گشتی عدالت دونوں طریق کو مزید ترقی حاصل ہوئی۔ اس زمانے کا ایک مورخ جو ادارتی امور سے خاص طور پر واقف ہے لکھتا ہے کہ ۱۱۷۸ء اور ۱۱۷۹ء میں گشتی معدلت گستری اور عدالتوں کے متعلق مزید ضوابط بنائے گئے تھے لیکن ان تاریخوں میں جو کچھ عمل میں آیا ان کے متعلق کوئی وثائق محفوظ نہیں کئے گئے۔ ۱۱۸۱ء کا قانون اسلحہ سلطنت کی فوجی طاقت اور اسلحہ کے متعلق تھا کہ سب آزاد اور احرار جنگ میں حصہ لینے کے لئے ہتھیار مہیا رکھا کریں۔ یہ فرض کیا جاتا تھا کہ دوران جنگ میں ہر آزاد شخص سے کام لیا جاسکتا ہے۔ یہ قانون اس قسم کے اکثر قوانین

کے لئے نمونہ ثابت ہوا جو بعد کو بنائے گئے۔

ان وثائق کے علاوہ دو بہت دلچسپ کتابیں اب تک محفوظ ہیں یہ دونوں غالباً ہنری کی زندگی کے آخری عشرے میں لکھی گئی تھیں اور دونوں اس زمانے کے ادارات سے بحث کرتی ہیں۔ جن ادارات کو یہ مصنف بیان کرتے ہیں، ان سے دونوں بخوبی واقف معلوم ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ واقفیت ان کے ذاتی غور و خوض کا نتیجہ تھا۔ "مکالمۂ محکمۂ مال (The Dialogue of exchequer) کا مصنف رچرڈ ولد نجل ہے جو انگلستان کا خازنِ اعلےٰ تھا۔ اس کا خاندان زمانۂ دراز سے اکسچکر کی خدمات انجام دے رہا تھا۔ یہ کتاب استاد و شاگرد کے ایک مکالمے کی شکل میں ہے۔ اور مکالمے سے اس زمانہ کا نظام مالیات حصول مالگزاری کا طریقہ اکسچکر اور حساب کتاب رکھنے کا طریقہ بالتفصیل معلوم ہوتا ہے۔ جو کتاب گلینویل کے نام سے موسوم ہے اس کے متعلق پہلے ہی اشارہ کیا جا چکا ہے یہ شخص جدید عدالتوں کے عاولوں میں ایک نہایت ہی جلیل القدر عادل تھا۔ اس کتاب کی بہترین تعریف مختصر الفاظ میں یوں ہو سکتی ہے کہ یہ قانونِ انگلستان کی کتابوں کے عظیم الشان سلسلے کی پیش رو تھی جس میں براکٹن، لٹلٹن، فورٹسکیو، کک، اور بلیکسٹن شامل ہیں۔ اس کی کتاب کا نام "اقتباسات قوانین و رواجات سلطنت انگلستان ہے" اور یہ جدید نظامِ قانون سے بالتفصیل بحث کرتی ہے جن کو جدید عدالتیں ایک مرتب مجموعے کی صورت میں یعنے آنے والے قانونِ عرفی کے قالب میں ڈھال رہی تھیں۔ یہ کتاب مکالمے کی طرح اس کتاب سے دوسری چیزوں کے متعلق بھی ضمناً بہت سے معلومات حاصل ہوتے ہیں۔

یہ تغیرات جو قانون اور عدالتی ادارات میں عظیم الشان نتائج کا باعث ہوئے ہیں، اور اوائل میں تو ان کے نتائج تاریخ دستوری میں بہت مہتم بالشان تھے، ان کے متعلق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ آیا یہ خود بادشاہ کی پیش بینی اور اس کی ذاتی تحریک کے باعث وجود میں آئے تھے۔ سیاسی معاملات کی ادھیڑ بن یعنے ان پیچیدہ مسائل کے حل کرنے میں کہ اپنی وسیع قلمروں کو ملا کر کس طرح ایک واحد مملکت بنایا جائے۔ ہنری اپنے زمانے کے دوسرے لوگوں کی طرح تھا اور مستقبل کے متعلق وہ کوئی خاص پیش بینی نہیں کر سکتا تھا چنانچہ اس خصوص میں تو اپنے رقیب فلپ آگسٹس شاہ فرانس سے کہیں پیچھے تھا۔ لیکن جہاں تک حکومتِ انگلستان کا تعلق ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہنری شروع ہی سے

خود بخود سمجھ گیا تھا کہ قیامِ امن اور طاقتور مرکزی حکومت کا مسئلہ کیا معنی رکھتا ہے اور اس کی تکمیل کے لئے کیا ذرائع اختیار کرنے چاہئیں۔ اگرچہ جدید تدابیر کے متعلق صلاح دینے والے دوسرے لوگ تھے۔ لیکن جب تک خود بادشاہ ان کی تائید نہ کرتا ان کا عمل میں لانا تو کجا ان کا اختیار کرنا بھی ممکن نہیں تھا اور یہ تائید اس کے عہدِ حکومت کے پہلے دن سے آخر تک بلا فصل برابر جاری رہی۔ وہ انگلستان جو کم از کم ایک حد تک بدنظمی کا شکار ہو گیا تھا۔ اور حقیقت میں بغیر کسی طاقتور بادشاہ کے زبردست پنجے کے آلۂ حکومت امن و عافیت کے ساتھ خود بخود نہیں چل سکتا تھا۔ ہنری کے آخری ایام میں آ کر ایک ایسی قلمرو ہو گئی جس میں جان و مال غیر معمولی طور پر محفوظ ہو گئے، حکومت کی کل اس قدر مضبوطی سے قائم کی گئی تھی کہ وہ خود بخود چل سکتی تھی اور عہدہ داروں کی ایک جماعت ایسی تیار ہو گئی تھی کہ وہ بغیر بادشاہ کے مداخلت کے بھی کام چلا سکتے تھے۔

بیرنی حقوق کی قطع و برید۔ یہ نتائج اس زمانے میں بغیر ان طریقوں کے حاصل نہیں ہو سکتے تھے جو ایک حد تک انقلابی تھے اور اس واقعے میں ایک بڑے انقلاب کا امکان موجود تھا۔ ہنری دوم نے ایک طاقتور حکومت قائم کر دی اس نے مرکزیت کی ایسی کل قائم کر دی جس کی اس زمانے میں نظیر نہیں تھی۔ اس مطلق العنان حکومت کو جو اب تک محض رسم و رواج پر مبنی تھی ہمیشہ کے لئے دستورِ مملکت کی شکل میں جاگزین کرنے کے لئے ہنری نے غیر معمولی پیش قدمی کر دی وہ بجا طور پر باور کر سکتا تھا کہ اس کا کام مستقل ہو گا اور اس کا دستور اپنے وقت پر عادت اور رواج میں داخل ہو جائے گا۔ اس مقصد کے پورا کرنے میں اس نے جاگیری امارت کے ایسے حقوق بھی پامال کر دیئے جن کی قانون سے بخوبی صراحت ہوتی تھی۔ اس میں کسی کو بھی نہیں چھوڑا صرف اسی بات پر حصر نہیں تھا کہ یہ مرکزیت بیرنوں کے لئے جو محکومیت سے دور بھاگتے تھے ہمیشہ کے لئے خطرناک تھی یا بادشاہ کا یہ غیر معمولی اقتدار ہنری کے کسی جانشین کے قبضے میں جو اتنے محتاط نہ ہو اس بات کی دائمی ترغیب کی بنیاد تھی کہ وہ بیرنوں کی مخالفت میں اور ان کی طاقت توڑنے کے لئے اور زیادہ خود مختاری سے کام لے گا۔ بلکہ اس میں آئندہ زمانے کے لئے ایک دوسرا فیصلہ کن عنصر تھا کہ ہنری بیرنوں کے حقوق جائداد کی قطع و برید کئے بغیر اپنے آلاتِ حکومت پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ اس کل کو مستقل بنانے کی شرط یہ تھی

کہ شکیوں پر بیرنوں کو جو خانگی اختیارات حاصل تھے اور ان سے آمدنی اور بدل کے جو فوائد حاصل ہوتے تھے ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ کچھ کم ایک صدی کے بعد ایسا ہی ہوا۔ یہ ہمیں نہیں معلوم کہ آیا عہد ہنری کے بیرن ان ہونے والے نتائج کو سمجھتے تھے یا نہیں اور ان تبدیلیوں کے مخالف تھے یا نہیں جیسے ان کو ہونا چاہیئے تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ۱۱۷۳ء اور ۱۱۷۴ء کی جاگیری شورش میں کچھ نہ کچھ عام سبب ضرور تھا، لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ سبب درحقیقت کیا تھا۔ البتہ ایک دوسری پشت کے متعلق تو ہم اس قدر ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت ہنری کے دستور کے میلانات صاف طور پر سمجھ میں آ گئے اور شاہی اختیارات کے استعمال پر حدود قائم کر دئیے گئے۔

BIBLIOGRAPHICAL NOTE :— G. B. Adams, *The Origin of the English Constitution,* 1920; *The Origin of English Equity, Columbia Law Review XVI* 87, 1916. M. N. Bigelow, *The History of Procedure* 1880. H. Hall, *Court Life under the Plantagenets* 1890. C. H. Haskins, *Norman Institutions,* 1918. R. L. Poole, *The Exchequer in the Twelfth Century* 1912. F. M. Powicke, *The Loss of Normandy 1913.* J. B. Thayer, *Evidence at the Common Law,* Pt , 1896.

باب ۵

منشورِ اعظم

اس بات کا بہت جلد امتحان ہوگیا کہ ہنری کے دستوریں کتنا زور استقامت ہے اور یہ صلاحیت ہے یا نہیں کہ بادشاہ کی موجودگی اور تائید کے بغیر یہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے رچرڈ اول جو ۱۱۸۹ء میں اپنے باپ کے مرنے کے بعد تحت پر بیٹھا اس کو نہ تو امورِ سلطنت سے دلچسپی تھی نہ انگلستان سے۔ جب تک اس کا بڑا بھائی زندہ تھا اس کی قسمت میں صرف اکوئٹین کا ڈیوک ہو کر رہنا لکھا تھا چنانچہ اسی پُر آشوب صوبے میں اس کی جوانی کا تمام زمانہ گزرا اس زمانے کی جنگجو زندگی اور زمانۂ جاگیری کے روزمرہ جنگ و جدل کی طرف جس کی اس زمانے میں گرم بازاری تھی رچرڈ کو ایک طبعی میلان تھا اور اس میلان ان صوبے کے حاصل کئے ہوئے تجربوں اور تربیت سے اور بھی تقویت ہوتی گئی۔ اپنے بادشاہ ہونے کے بعد یہ صرف دو دفعہ اور ہر دفعہ صرف تھوڑے دنوں کے لئے انگلستان آیا تھا برخلاف اس کے اس نے اپنی تمام عمر یا تو صلیبی جنگوں میں صرف کی یا بادشاہ فرانس کے ساتھ لگاتار کشمکش میں تاکہ براعظم میں اس کا پلّہ بھاری ہو جائے۔ انگلستان کے ادارات یا تو اپنے حال پر چھوڑ دئے گئے یا یوں کہو کہ کہیں تو ان عہدہ داروں کی نگرانی میں چھوڑ دئے گئے تھے جو ہنری دوم کی درس گاہ کے تعلیم یافتہ تھے اور ان عہدہ داروں نے ان ادارات کو اس عہد کے اکتھنا

کے مطابق چلایا۔ عدالت کا جدید نظام اس خوبی سے قائم کیا گیا تھا کہ اس میں کسی خاص نگرانی کی ضرورت ہی نہ تھی اور اس کو ہم صرف اس قدر کہہ کر ختم کر سکتے ہیں کہ منشور اعظم کے عطا ہونے کی تاریخ تک یہ فطری ترقی کے راستوں سے برابر آگے بڑھتا گیا۔

اس زمانے کی جدید پیشقدمی تمام تر مالیات کے سلسلے میں ہوئی یعنے قومی اجرائے محاصل کی داغ بیل ڈالی گئی۔ عام بات یہ سمجھنی چاہئے کہ بارھویں صدی کے آخری دس سال میں مملکت کے ذرائع آمدنی بالکل وہی تھے جو سو سال پہلے تھے۔ زر سکوک کا استعمال آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا اور اکثر صورتوں میں جنسی وصولات رقمی وصولات کی شکل میں بدل چکے تھے۔ اس صدی میں مملکت کی رقمی آمدنی بھی ایک اور بدل خدمت کے ذریعے بڑھ گئی تھی جو کم از کم ہنری اول کے پچھلے زمانے سے چلا آتا ہے۔ یہ زرسپر (scutage) کی وصولات تھیں جو جاگیردار اپنی واجبی فوجی خدمت کے عوض میں ادا کرتے تھے۔ اس بات کا امکان ہے کہ فرانسیسی مہمات کی مشکلات اور مصارف کی وجہ سے جو اکثر ضروری ہوتے تھے انگلستان میں پہلے ہی سے تنخواہ یاب فوجوں کی ضرورت اور اس بات کی ضرورت پیدا ہو گئی تھی کہ مبارزین اپنی ذاتی خدمات کے معاوضے میں رقم ادا کریں۔ بہر حال بارھویں صدی کے تقریباً وسط سے اس وقت تک جب تک مملکت کو فوج کے لئے خاص طور پر نظام جاگیری پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا زرسپر کا شمار اہم تر وصولات میں ہوتا تھا۔ مگر ان میں سے کسی ذریعۂ آمدنی کی نوعیت قومی محصول کی سی نہ تھی۔

یہ پہلے ہم دیکھ چکے ہیں کہ نارمنوں نے محصول ڈین کو سکسنوں سے ورثے میں پایا تھا اور یہ عام محصول اراضی کے لگ بھگ تھا۔ ولیم اول و دوم نے یہ محصول گاہے ماہے عائد کیا تھا اور ہنری اول کے عہد کے آخری حصے میں یہ ملک کے سالانہ محصول کی طرح تقریباً مسلسل عائد کیا گیا۔ اسٹیون کے عہد میں یہ پھر متروک ہو گیا تھا مگر ہنری دوم نے اس کو پھر جاری کر دیا گو گاہے ماہے اس کا استعمال ہوتا رہا اگر ہم صرف اس اتفاقی شہادت پر اعتماد کریں جو ہمارے ہاں موجود ہے تو پھر اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن ہماری شہادت کی نوعیت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ اس سے یہ بات مانتے ہوئے بہت تامل ہوتا ہے کہ یہ محصول اس تمام دور میں ایسا مسلسل اور باقاعدہ جاری رہا ہو جس طرح بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے۔ البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ محصول اراضی کی یہ جو کسی قدر بدلی ہوئی شکل ہے ایک ایسا ذریعہ

ثابت ہوئی جس سے تیرھویں صدی کے حقیقی محاصل پیدا ہوئے۔

رچرڈ کے عہد سے عین پہلے ایک اور ذریعۂ آمدنی عالم وجود میں آیا تھا اور وہ ایک عام محصول تھا جو جنگ صلیبی کی غرض سے عائد کیا گیا۔ شاید اس محصول کا خیال کچھ اس عالمگیر "عشر" سے ہوا ہوگا جو کلیسا کو ادا کیا جاتا تھا کیونکہ جنگ صلیبی میں حصہ لینا کلیسا کا فرض منصبی تھا اور کچھ جاگیری امداد وابستگان سے پیدا ہوا ہوگا جو رئیس کے جنگ صلیبی کے لئے ادا کی جاتی تھی یہ چیز فرانس میں عام تھی اور اس ملک میں سب سے پہلے ۱۱۴۶ء میں عائد کی گئی تھی۔ فرانس کی تقلید میں ہنری دوم نے ۱۱۶۶ء میں یہی محصول اپنے تمام ممالک محروسہ میں عائد کیا اور پھر یہ ۱۱۸۴ء یا ۱۱۸۵ء میں عائد کیا گیا۔ مگر ۱۱۸۸ء کا "عشر صلاح الدین" (saladintithe) بھی ایک مشہور مثال ہے جس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے محاصل بلاواسطہ کی بنیاد پڑ گئی یعنی ایسے محاصل آمد کا آغاز ہو گیا جو زمانۂ حال کی مملکتیں شخصی جائداد و آمدنی پر عائد کرتی ہیں۔ اور یہ محصولِ اراضی سے جداگانہ ہوتا ہے۔ یہ ان تمام محاصل کی ابتدائی مثالیں ہیں جس کو مجلسِ عظمیٰ نے تمام طبقات سے وصول طلب قرار دیا تھا۔ "عشر صلاح الدین" کی جمع بندی ہر حلقۂ مذہبی میں ایک کلیسائی اور غالباً ماموریہ کے ذریعے عمل میں آتی تھی۔ جب کوئی شخص مقررہ محصول کے ادا کرنے سے اختلاف کرتا تو مقامی جوری اس کا فیصلہ کرتی۔ جوری کا یہ استعمال بالکل ابتدائی جوری کی طرح تھا اور اگلے سو سال کے دوران میں مملکت کے اجراسے محاصل میں بہت کثرت سے اس کی تقلید کی گئی۔

پہلا عام محصول۔ بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ حکومت اپنی ضروریات کے لئے تحصیل مالگذاری کے تمام جدید ذرائع استعمال کرنے پر مجبور ہو گئی کیونکہ ۱۱۹۳ء اور ۱۱۹۴ء میں رچرڈ کے زر فدیہ کی بابت ایک لاکھ پونڈ شہنشاہ کو ادا کرنے کے لئے رقم جمع کرنی تھی اور اس زمانے کے ذرائع آمدنی کا لحاظ کرتے یہ بہت بڑی رقم تھی۔ آج سے تقریباً تیس سال پہلے ہیٹلنڈ نے لکھا ہے کہ اس تاوان کی "تکمیل کے لئے جو محاصل عائد کئے گئے تھے اب تک مورخین ان کو قطعی طور پر معین نہیں کر سکتے"۔ آج بھی ہم کو یہی کہنا پڑتا ہے۔ صرف چند چیزیں ایسی ہیں جو تحقیق سے معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی مرتبہ محصول ناکافی ہوا تو سلطنت پر یکے بعد دیگرے تین مختلف زمانوں میں محاصل لگائے گئے تھے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہیں تین قسموں کے محاصل اس زمانے میں رائج تھے۔ ایک محصول فوجی جاگیروں پر تھا جس کو زر سپر (scutage)

یا بعض اوقات "زرِ امداد" (Aids) کہتے تھے لیکن اوّل الذکر نام ہی صحیح ہے کیونکہ ان خدمات میں استثنا ہی کیا جاتا تھا جو ملک سے باہر انجام دینی ہوتی تھیں۔ اراضی پر ایک اور جداگانہ محصول تھا جس کو (hidage) یا ایک ہائڈ کی زمین کا محصول یا (carueage) یا ایک ہل کی زمین کا محصول کہتے تھے اس کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ان زمینوں کا محصول تھا جو فوجی خدمت کے لئے مشروط نہیں تھیں۔ دوسرا محصول جائداد ذاتی اور محصول آمدنی تھا جیسے "عشر صلاح الدین"۔ اس سلسلے میں پہلی مرتبہ اس چیز کا بھی ذکر آیا ہے جو کئی پشتوں تک آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہوگیا تھا یعنی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سسٹرشین راہبوں سے اُن کی ایک سال کی پیداوار حاصل کرلی گئی۔ لیکن اجرائے محاصل کی ارتقا میں بڑی چیز یہ ہے کہ ذاتی جائداد اور آمدنی کے محاصل جو صلیبی جنگوں کے لئے شروع ہوئے تھے وہ مملکت کے اغراض میں منتقل کردئے گئے۔ ان محاصل کی گرانباری کے متعلق اس زمانے کی تاریخوں میں بڑی بھاری شکایتیں دکھائی دیتی ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ انگلستان ایک مالدار ملک تھا اور اس میں دولت کے بھرپور سرچشمے تھے۔ نارمنوں کی سخت گیر حکومت کی بدولت بدنظمی اور خانہ جنگی کا سدباب ہوگیا تھا اور دولت جمع کرنا اور بھیڑوں کی پرورش جیسا کاروبار کرنا بہت آسان ہوگیا جو اندرونی استحکام کے بغیر پنپ نہیں سکتے۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک زمانے تک انگلستان ایسا ملک رہا کہ اس کی دولت اور ذرائع محاصل کا دارومدار اشیائے مصنوعہ کی پیدائش پر نہیں بلکہ پیداوار خام پر تھا۔

۱۱۹۸ء میں ایک اور قدم آگے بڑھایا گیا یعنے ذاتی جائداد پر محصول کے تعین کرنے کا طریقہ جو مقامی حلقے کے حلفی نمائندوں کے ذریعے ہوتا تھا محصول اراضی کے لئے بھی قرار دیا گیا۔ پانچ شلنگ کا ایک محصول مزروعہ زمین (carucate) پر لگایا گیا اور محصول لگانے کے لئے جو لوگ مامور کئے گئے تھے انھوں نے زمین مزروعہ (carucate) کے لئے ایک سو ایکڑ کا یکساں پیمانہ معین کردیا۔ جس طریقے سے تحقیقات ڈومزڈے میں ہوا ہے عدالت صوبہ ان ماموروں کے ساتھ نشست کرتی تھی۔ لیکن ہر دیہہ میں محصول کا تعین کرنے والے وہاں کے ریو اور چار اشخاص ہوتے تھے اور ہنڈریڈ میں ان کی امداد کے لئے دو منتخب مبارز لئے جاتے تھے۔ اس محصول کے تعین اور جمع بندی کے لئے وہ اعضا مقرر کئے گئے تھے جو آئندہ صدی میں بھی تھوڑی سی تبدیلیوں کے ساتھ کام میں لائے گئے۔

ان اعضا میں اور ان کے کام میں (جو جوری کے کام سے بہت ہی قریب تھا) ان مقامی نمائندوں کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے جو یہ قومی خدمت انجام دیتے تھے۔ اس مسئلے پر بعد کو غور کرنا ہو گا کہ اس طریقۂ کارروائی کا ان مقامی نمائندوں سے جو مجلس عظمی میں بڑھائے گئے یا (دوسرے الفاظ میں مبدا) پارلیمنٹ سے کیا امکانی تعلق ہے۔

باوجود ان محاصل عائد کرنے کے جو اس زمانے کے لحاظ سے حد سے متجاوز تھے رچرڈ کو ہمیشہ روپیہ کی ضرورت ہی رہی۔ اس نے خدمات، حقوق استثنا اور اختیارات خصوصی فروخت کر کے روپیہ جمع کیا۔ ۱۱۹۷ء کے آخر میں ایک نیا واقعہ پیش آیا جس کو بعض وجہ بہت مبالغہ آمیز اہمیت دی گئی ہے۔ رچرڈ نے معمولی جاگیری بھرتی کے بجائے بیرنوں سے یہ مطالبہ کیا کہ فرانس میں ایک سال بھر کام کرنے کے لئے تین سو مبارز بہم پہنچائیں۔ مجلس عظمی میں جب اس مطالبے پر غور کیا گیا تو لنکن اور سالسبری کے اساقفہ نے اس سے انکار کر دیا اور یہ دعوی کیا کہ ہماری جاگیرات پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ ہم انگلستان کے باہر خدمت کریں۔ گو ان کا یہ ادعا صحیح نہ تھا لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ وہ منصوبہ ناکام رہا۔ اس واقعے کی جملہ تفصیل سمجھنا مشکل ہے لیکن اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح اہل ملک بادشاہ کے رویئے پر نظر رکھنا اور اس کو سختی کے ساتھ قانون کا پابند بنانا چاہتے تھے۔ اس کو اجرائے محاصل کی رضامندی کا ایک زینہ نہیں سمجھنا چاہتے بلکہ اس کو ہم آگے والے انقلاب کا پیش خیمہ سمجھ سکتے ہیں جو منشور اعظم کا باعث ہوا

مطلق العنانیت کا منتہا - جان کے عہد میں انگریزی نارمنی مطلق العنانیت جو ہنری دوم کی مرکزیت والی تدابیر کی وجہ سے بہت مستحکم ہوئی تھی انتہا کو پہنچ گئی۔ چارلس اعظم کے انتقال کے چھ سو سال کے بعد تک مغربی یورپ کی کسی عیسائی مملکت میں غیر محدود اور غیر متزلزل اقتدار کی کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جو انگلستان میں جان کو حاصل تھی۔ اس نے کئی سال تک پوپ انوسنٹ سوم کے تلے ہوئے وار کا مقابلہ کیا جو قرون وسطی کے تمام پوپوں میں سب سے زیادہ طاقتور تھا جس کی تائید پر ایک منظم کلیسا تھا اور جس کے اختیارات میں بظاہر کوئی کمزوری نہ تھی۔ گو انگریز بیرنوں کی روزافزوں مخالفت کلیسا کے ساتھ شریک تھی لیکن یہ متحدہ مخالفت بھی جان کو شمہ برابر اس وقت تک سرنگوں نہیں کر سکی جب تک پوپ کی منظوری سے فرانسیسی فوج انگلستان پر حملہ آور نہیں ہوئی۔ اگرچہ

اس نے فوراً ہتھیار ڈالدیئے لیکن ہتھیار ڈالنا بھی اس پائے کا تھا کہ اس نے پوپ کو اپنی تائید پر آمادہ کر لیا اور اس کو مجبور کیا کہ پوپ نہ صرف فرانس بلکہ انگریز بیرنوں کے خلاف اس کی حمایت کرے۔ یہ پوپ کا ایک "وابستہ" ہوگیا اور انگلستان کو اس نے پوپ کی جاگیر بنا دیا گر یہیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جاگیری خدمات برائے نام تھیں اور صرف ایکہزار مارک سالانہ ادائی تک ہی محدود تھیں۔

تھوڑے دنوں تک ایسا معلوم ہوا کہ بادشاہ کے تمام اختیارات صحیح سالم ہیں اور وہ خطرہ سے بچ گیا ہے لیکن اس بات کے کثرت سے آثار پیدا ہو رہے تھے کہ ایک کھلی مخالفت ابھی سر پر ہے اس نے جو فوجیں جمع کی تھیں اور ان فوجوں کو لے کر انگلستان کی مدافعت کے لئے براعظم میں جاکر فرانس پر حملہ کرنے کا جو منصوبہ باندھا تھا وہ ناکام رہا کیونکہ بیرنوں نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور بعضوں نے صاف کہدیا کہ ہماری جاگیری ذمہ داریاں یہیں اس بات پر مجبور نہیں کرتیں کہ ہم انگلستان کے باہر جاکر اپنی خدمات بجا لائیں۔ بادشاہ بہت برافروختہ ہوا اور حالت غیظ میں اس نافرمانی کی سزا دینے کے لئے تیار ہوگیا لیکن اسٹیوان لنگٹن اسقف اعظم کنٹربری نے اس کو روک دیا اور یہ بات یاد دلائی کہ آپ نے ابھی ابھی عمدہ قوانین جاری کرنے کی قسم کھائی ہے اور آپ بغیر عدالت کے فیصلے کے کسی بیرن کو سزا نہیں دے سکتے۔ اس حلف میں جو اس نے پاپائی اخراج ملت کے کفارے کے وقت اٹھایا تھا یہ وعدہ کیا تھا کہ میں اپنے آباؤ اجداد اور خاص طور پر اڈورڈ تائب کے قوانین (Laga Edwarde) کو بحال کر دوں گا۔ غالباً یہ کوئی بھی نہیں جانتا تھا اڈورڈ تائب کے قوانین درحقیقت کیا ہیں۔ یہ الفاظ براہ راست ہنری اوّل کے فرمان تاجپوشی سے ماخوذ کیئے گئے تھے لیکن تمام سننے والے اس کا یہ مطلب سمجھتے تھے کہ اس سے مراد اس کے باپ کے ان بدعات کو ترک کر کے جو غیر منصفانہ عملدرآمد کا باعث ہوئی تھیں پھر قدیم نظام قانون اختیار کرنا ہے جو سب کے نزدیک بہت کچھ منصفانہ تھا۔

مخالف فریق کے سرغنوں کی درحقیقت کوشش یہ تھی کہ پچھلے زمانے میں سے ایک ایسی بنیاد حاصل کیجائے کہ جس پر کھڑے ہوکر بادشاہ کے خودسرانہ افعال کو قانون کے پنجے میں جکڑ دیں۔ اس لئے بعضوں نے یہ خیال کیا تھا کہ اس کے لئے مجلس عظمیٰ کو یا

حلف تاجپوشی کو ایک خاص طریقے سے استعمال کرنا چاہیئے یا فرمان ہنری اوّل کی از سر نو تجدید کرنی چاہیئے۔
غالباً یہ آخری چیز تھی جس سے ان کو کام کرنے کا ایک اصول یعنی یہ اساسی معاہدہ جاگیر ہاتھ آگیا۔
جاگیریت کے قانون داد و ستد کی جملہ کارروائیوں کی تہ میں ایک معاہدہ مضمر تھا جو رؤسا و
وابستگان دونوں کو یکساں طور پر پابند بناتا تھا گو شرائط معہودہ ایک سی نہ تھی۔ مثلاً
ایک جاگیری خدمات ہیں جن سے ملکی امور انجام پاتے تھے۔ ان کی بابت بادشاہ وابستگان
سے بغیر ان کی رضامندی کے ایسے مزید مطالبات نہیں کر سکتا جو قانون و رواج سے معین
نہیں تھے یعنے ایسی فوجی خدمت جو ضرورت سے زیادہ ہو اور ایسی فوجی خدمت جو
غیر مشروط اوقات اور مواقع میں لی جائے۔ وہ خانگی عدالتی اختیارات کو توڑ نہیں سکتا
تھا اور بیرنوں کی مروجہ جاگیری سماعت کے علاوہ کسی اور طریقۂ سماعت کے لئے مجبور نہیں کر سکتا
تھا خواہ الزام کچھ ہی ہو۔ گو ہم یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ جان درحقیقت اس معاہدے کے
ہر نقض کا ملزم تھا مگر اتنا تو درست ہے کہ بیرن اس کے ملزم ہونے پر یقین رکھتے تھے۔ اور کھلم کھلا کہتے تھے۔ اس کے
بدترین مظالم جو ہم تحقیق سے جانتے ہیں یہ ہیں کہ اس نے بہت سے اشخاص کو اپنے مجرد فیصلے
سے سزائیں دیں اور لوگوں سے جب موقع ملا زبردستی بڑی بڑی رقمیں وصول کیں۔ زرسپر
بھی جو تقریباً ایک سالانہ محصول اراضی کی طرح جمع کیا جاتا تھا جان نے اپنے جاگیری حقوق
سے زیادہ لیا اور مقدار میں ضرورت سے زیادہ بڑھاتا گیا۔ اگرچہ ہنری دوم کے اصلاحات
جو ہم کو صاف نظر آتے ہیں ملک کے لئے بہت مفید تھے اور آئندہ ترقی کے لئے بنیاد کا
کام دیتے تھے مگر عام معنوں میں دیکھا جائے تو بیرنوں کے خیال کے مطابق یہ ان کے
حقوق اور جائداد پر ایک کاری ضرب تھی اور اس خیال کی قانون جاگیری سے کچھ تائید
بھی ہوتی تھی۔

بیرنوں کا موقع۔ جب ۲۷ جولائی سنہ ۱۲۱۴ء کی جنگ بووین میں بادشاہ اور اس کے
حلیفوں کو جو فلپ شاہ فرانس کے خلاف اس نے جمع کئے تھے شکست ہوگئی تو بیرنوں کو
ایک موقع ہاتھ آگیا۔ ستمبر میں وہ فرانس سے صلح کرنے پر مجبور ہو گیا لیکن جب اکتوبر میں
وہ انگلستان واپس ہوا تو بظاہر اس کا ارادہ یہ تھا کہ یہاں اپنے اقتدار کو جوں کا توں
قائم کرے چنانچہ فوراً اس نے اس مہم کے لئے جو ابھی ابھی ختم ہوئی تھی زرسپر کا مطالبہ کیا۔
اس طرف بیرنوں نے مزاحمت کی ٹھان لی۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے غالباً

قسم کھاکر باہم ایکا کر لیا تھا اور یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ فرمان ہنری اول کو اپنے دعوے کی بنیاد بنائیں اور اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ عید میلاد عیسوی کے بعد سب مل کر بادشاہ کے سامنے اپنے مطالبات پیش کریں اور بادشاہ انکار کرے تو خانہ جنگی سے اس کا تدارک کریں۔ جنوری کو لندن میں ان کا اجتماع ہوا۔ اگرچہ جان کا مطالبہ کہ اپریل کے اختتام تک توقف کیا جائے منظور کر لیا گیا مگر جب بیرنوں کو اپنے خلاف جان کی تیاریاں دیکھ کر تشویش ہوئی پھر وہ ختم میعاد سے پہلے ہی میدان میں کود پڑے اور دو مہینے تک نامہ و پیام اور جارحانہ کاروائیاں عمل میں آتی رہیں، مئی کو "خلع اطاعت" کا باضابطہ فہمائش نامہ بھیجا گیا جو از روئے قانون جاگیری ہر وابستہ کو اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے جب کہ ان پر دست درازی ہوتی ہو اپنے رئیس کے پاس بھیجنا ضروری تھا۔ بیرنوں کا آخر کار لندن پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد دونوں طرف سے بیرنوں کے حقوق کو باضابطہ تسلیم کرنے کے شرائط طے ہو گئے اور اس وثیقے کو جس میں یہ حقوق منضبط کئے گئے تھے یعنی منشور اعظم (magna carta) کو بادشاہ نے ۱۵ جون کو رنی میڈ کے مقام پر جو اسٹینس کے قریب اور لندن اور ونڈزر کے بیچ میں واقع ہے منظور کر لیا۔

منشور اعظم ۔ یہ اب تک کہا جاتا ہے کہ منشور اعظم کی اہمیت میں مبالغہ نہیں کیا جا سکتا اس فقرے کی صداقت اس بات پر موقوف ہے کہ اس کو کس نظر سے دیکھنا چاہئے۔ اگر وہ صرف رائج الوقت قانون کا ایک وثیقہ سمجھا جاتا ہے جس کی وثیقہ سازوں نے ممکنہ تاویل کی تھی اور وہ اس حد سے آگے نہیں بڑھا تھا جہاں تک ان لوگوں کے سیاسی اور دستوری خیالات کی پہنچ تھی تو اس صورت میں اس کی اہمیت میں مبالغہ ہو سکتا ہے اور اکثر ہوا ہے۔ جن حقوق کا اس میں مطالبہ کیا گیا ہے تقریباً سب فرانس اور یورپ کی اکثر مملکتوں کے رائج الوقت قانون میں تسلیم کرلئے گئے تھے البتہ اس سے جو دستوری نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ صرف انگلستان ہی میں ہوئے ہیں۔ اگر اس کو اس روشنی میں دیکھا جائے کہ وہ ایک رجحان کی ابتدا ہے اور اس عمل ترقی کی پہلی منزل ہے جو اس دن سے آج تک بغیر رکاوٹ کے آگے بڑھتی رہی ہے تو پھر ایسی صورت میں اگر ہم اس کو تمام تاریخ انسانی کا اہم ترین دستوری وثیقہ بھی کہیں تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ اس وثیقے کو وضاحت سے سمجھنے کے لئے اور یہ دیکھنے کے لئے کہ اس نے کیا کام کیا ہے۔ ان

دونوں زاویہ ہائے نگاہ کو جن سے اس پر غور کیا جاتا ہے جہاں تک ہو سکے ایک دوسرے سے الگ رکھنا چاہئے۔

اس منشور کے بنانے میں بیرنوں کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ کوئی جدید قانون بنائیں۔ بادشاہ کے ساتھ ان کی تمام مخالفت اس دعوے پر مبنی تھی کہ بادشاہ کا سلوک ان کے ساتھ خلاف قانون رہا ہے اور اس سے اس بات کا وعدہ لینا چاہئے کہ وہ آیندہ قانون کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ چونکہ ان کو تجربہ سے یہ معلوم ہوا تھا کہ بادشاہ پر اعتماد نہیں ہو سکتا اس لئے جو خاص امور ان کے ذہن میں تھے ایسی واجب تعمیل شکل میں قلمبند کئے گئے جو قانونی ہبہ اور انتقال جائداد کی ہوتی ہے اور صرف یہی ایک شکل تھی جس سے وہ واقف تھے۔ بادشاہ پر ان کی پابندی لازمی تھی۔ انھوں نے چند امور کا ضرور اضافہ کیا تھا جن میں سے بعض صحیح بھی نہیں تھے۔ صرف مواد قانون کے طور پر دیکھا جائے تو ان کے سارے کے سارے مطالبات بالکل واجبی تھے۔ انھوں نے کوئی جدید قانون نہیں بنایا بلکہ پرانے قانون کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ اس محدود نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو منشور اعظم مستقبل کا نہیں بلکہ ماضی کا ایک وثیقہ تھا اور اس زمانۂ ماضی سے متعلق تھا جو جلدی جلدی غائب ہو رہا تھا۔ انگریزوں کی آزادی کے وہ ادارتی رخ جو عنقریب شروع ہو کر انگلستان کے دستور کو منقلب کرنے والے تھے منشور اعظم میں بالکل نہیں پائے جاتے۔ اجرائے محاصل کی رضامندی۔ پارلیمنٹ مع طریق نیابتی۔ احضار ملزم جیوری کے ذریعے سے سماعت اپنی تاریخی شان میں سنہ ۱۲۱۵ء میں مفقود تھے۔ برخلاف اس کے منشور اعظم میں قانون جاگیری مندرج کیا گیا ہے اور اس کی تمام بنیاد رئیس اور وابستہ کے جاگیری تعلقات پر رکھی گئی ہے۔ ان چیزوں کی قوم کے سامنے پہلے سے اہمیت غائب ہونے لگی تھی اور پچاس سال کے اندر خود بیرنوں نے ان حقوق سے بے اعتنائی کرنی شروع کر دی تھی جن کے لئے وہ شاہ جان کے عہد میں بیحد مصر تھے۔ اور اگر ہم منشور کو صرف منشور کے رنگ میں دیکھیں اور ان نتائج کا کوئی لحاظ نہ کریں جو ان سے برآمد ہوئے ہیں تو منشور کی قیمت ایسے وثیقے سے بڑھ کر نہیں ہو گی جس میں رائج الوقت قانون کے چند نکات اور بیرنوں کا نقطۂ خیال درج ہو کہ وہ شاہ جان کے کردار اور خود اپنے حقوق کے متعلق کیا سمجھتے تھے۔

منشور اعظم کی تاریخی اہمیت۔ منشور اعظم کی تاریخی اہمیت اس اصول میں تلاش کرنی چاہئے

جس پر یہ منشور قائم کیا گیا تھا نہ ان گنے چنے ضابطوں میں جو آج ہی جمع کر دیئے گئے ہیں ۱۲۱۵ء میں۔ اس اصول کے معنے صرف اس قدر تھے کہ رئیس اور وابستہ کے وہ اساسی تعلقات کیا ہیں جو معاہدے سے ماخوذ تھے اور وہ اس زمانے کے مسائل پر کس طرح منطبق ہو سکتے ہیں یعنے کسی طریقے سے اس امر کا اطمینان ہونا چاہیئے کہ آئندہ کے لئے بادشاہ معاہدے کی پابندی کرے گا۔ خوش قسمتی سے یہ اساسی اصول منشور اعظم میں اس طرح نہیں ظاہر کیا گیا کہ واضح شکل میں سامنے آجائے چونکہ یہ خود بخود مترشح ہوتا تھا اس لئے مسلمہ سمجھکر چھوڑ دیا گیا کہ لوگ خود یہ نتیجہ نکال لیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو اس نوبت پر چھوڑ دیا گیا کہ اگر اس کو بعد کے آنے والے چاہیں تو پھیلا کر عام اصول کی شکل میں لاسکیں اور قومی ترقی کے بدلنے والے ہر رخ پر منطبق کر سکتے تھے۔ اصول یہ ہے کہ مملکت میں رعایا یا قوم کے لئے ایک مجموعۂ قوانین اور حقوق موجود ہے اور بادشاہ کو اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا اصول جو اگرچہ خاص طور پر ۱۲۱۵ء کے مناسب حال تھا یہ پیدا ہو گیا کہ اگر بادشاہ ان حقوق کا لحاظ نہ رکھے تو مخالفانہ شورش اور تشدد کے ذریعہ اس کو مجبور کیا جا سکتا ہے۔ یہ اصول براہ راست قانونِ جاگیری سے اخذ ہوتا تھا اور منشور کی دفعہ ۶۱ میں صراحت کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ یہی دو اصول ہیں جن پر دستور کی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ اگرچہ باضابطہ اور مسلمہ دستور سے ان کا ایک دور کا تعلق ہے مگر اب یہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ منشور اعظم نے دنیا میں آزاد حکومت کی جو بڑی خدمت انجام دی ہے تو وہ انھیں کی وساطت سے۔ یہاں منشور کے صرف انھیں حصوں پر روشنی ڈالنے کا خیال ہے جن کو آئندہ زمانے میں بہت کچھ اہمیت حاصل ہوئی خواہ وہ اہمیت حقیقی ہو یا ظاہری، یا جن کی خصوصیات صاف صاف ظاہر ہو گئیں۔

منشور اعظم کی ابتدا ایسی دفعہ سے کی گئی ہے جس میں صرف اظہار بیان سے یعنے عطائے منشور کے پیشتر واقعات اور ان لوگوں کے نام دیئے گئے ہیں جنھوں نے بادشاہ کو منشور بنانے کی صلاح دی تھی۔ اس میں بیرنوں کی جماعت کے علمبردار شامل نہیں کئے گئے۔ اس کے بعد ہی زمانہ وسطیٰ کے خیال کے مطابق کہ کلیسا کو فوقیت حاصل ہے وہ دفعہ آتی ہے جس میں کلیسا کو عام الفاظ میں اور بادشاہ کے سابقہ فرمان کے حوالے سے حقوق اور آزادیاں دی گئی ہیں جن کا خاص اندازہ ہے اس زمانے میں کلیسا کا بڑا مقصد یہ تھا

کہ اسافقہ اور راہبوں کے انتخاب میں بلا شرکتِ غیرے آزادی ہونی چاہئے ۔ منشور کی متعاقب اشاعتوں میں تو اس دفعہ کو زیادہ زیادہ عام الفاظ میں لایا گیا تھا ۔ اور جہاں تک عمل کا تعلق ہے ہنری سوم نے تو اپنے آپ کو خود اس وعدے کا پابند نہیں سمجھا جو اس دفعہ میں باقی رہ گیا تھا ۔

پہلا باب اس دفعہ پر ختم ہوتا ہے جو عطایا سے متعلق ہے ۔ اور یہ انتقال اراضی اور دستاویزات کی نہایت پختہ اور ہر وجہ تشکیل سے لیا گیا تھا جو اس زمانے میں رائج تھی ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تشکل کے اختیار کرنے سے بیرن یہ چاہتے تھے کہ اس عطا کو قانونی طور پر ایسا واجب تعمیل کر دیں نہ تو خود یا بادشاہ اس کو توڑ سکے نہ اس کے جانشین ۔ یہ صحیح ہے کہ جو الفاظ اس زمانے میں رائج تھے ان کی رو سے ایک شخص دوسرے شخص کو زمین ہبہ کر دیتا تھا اور اس طریقے سے معطی اور اس کے ورثا کے مقابلے میں معطی لہ اور اس کے ورثا کو بلا شبہ ایک کامل حقیقت مل جاتی تھی مگر قانون میں اس بات کی صراحت نہ تھی کہ آیا ایک حکمراں اپنے جانشینوں کو اس عطا کا پابند کر سکتا ہے تا وقتیکہ وہ خود اس کی توثیق نہ کریں ۔ لیکن دو سو سال کا عملدرآمد یہ ہے کہ آنے والے ہر بادشاہ سے ایک مرتبہ اور بعض بادشاہوں سے خاص وجوہ کی بنا پر کئی مرتبہ توثیق کرانا قرینِ عقل سمجھا گیا ۔

جاگیری عملدرآمد اور اجرائے محاصل

۔ دو[2] سے لے کر چھ[6] تک تمام ابواب جاگیری عملدرآمد سے متعلق ہیں جہاں بادشاہ اور بیرنوں کے مفاد آپس میں لڑ جاتے تھے اور یہ نذرانہ، تولیت اور ازدواج کے مسائل تھے ان ابواب سے معلوم ہوتا ہے کہ منشور کے ابتدائی حصے ہی میں بیرنوں کا جاگیری مفاد بہت چھایا ہوا تھا اور ان کے مطالبات ناواجبی بھی نہیں تھے ۔ ان تمام امور میں بادشاہ کے قانونی حقوق صاف طور پر تسلیم کر لئے گئے تھے اور صرف کوشش یہ تھی کہ بدعنوانیوں سے ان کی حفاظت ہو ۔ یہ بات واضح نہیں ہے کہ آیا اس سے پہلے نذرانے کی مقدار جو بادشاہ کے معطی لہم یکم از کم بیرنوں کے معطی لہم ادا کرتے تھے از روئے قانون معین تھی لیکن یہ اچھا ہوتا کہ وہ معین ہو جاتی کیونکہ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ جان نے اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر توریث جائداد کے لئے ناجائز نذرانے اور محاصل وصول کئے تھے ۔ تولیت کے معاملے میں مشکل یہ تھی کہ وارث کی جائداد جن لوگوں کے سپرد کی جاتی تھی وہ بعض مرتبہ بد رویہ ہوتے تھے اور موقع سے

فائدہ اٹھا کر من مانے کھینچنا چاہتے تھے ۔ یہ تجویز عارضی جاگیر کے دو آدمیوں کے سپرد کی جائے بالکل نئی تھی اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ بعد کو اس تجویز پر کبھی عمل نہیں کیا گیا ۔ لیکن عدالتوں کے اسناد سے معلوم ہوتا ہے کہ اراضی کو بربادی سے بچانے کے لئے توجہ کے ساتھ ضروری قوانین کی پابندی کرائی جاتی تھی ۔

ابواب ۱۲ اور ۱۴ ان ابواب میں شمار کئے جاتے ہیں جن کو خاص دستوری اہمیت حاصل ہے کیونکہ ان سے اجرائے محاصل کی بابت حق رضامندی کا پتہ لگتا ہے ۔ اگرچہ یہ دفعات ۱۲۲۵ء کی دوسری اشاعت میں جو قانون انگلستان کا منشور اعظم بن گئی خارج کر دیئے گئے مگر میرے خیال میں یہ یقینی ہے کہ ان دفعات نے پارلیمنٹ کے اس حق کو قائم کرنے میں بہت کام کیا ہے اور پھر یہ واقعہ ہے کہ ایک صدی ختم ہونے سے پہلے ہی منشور کی روایت کے مطابق ان ابواب کو پھیلا کر پھر قدرے شامل کر دیا گیا ۔ لیکن دوسرا سوال جو ایک مورخ کے لئے کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا یہ ہے کہ ۱۲۱۵ء میں بیرنوں نے ان سے کیا مطلب لیا تھا ۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ہم کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اس میں اجرائے محاصل کا موجودہ مفہوم ملحوظ نہیں تھا ۔ اس ضابطہ کا تعلق صرف جاگیری امداد اور زر سپر کی جاگیری وصولات سے تھا ۔ زر امداد کئی صدیوں تک اور زر سپر ایک صدی تک جاگیری دنیا میں معمولی وصولات کے طور پر جاری رہ چکے تھے ۔ چونکہ زر امداد رواج سے معین تھا اور زر سپر ایک قانونی خدمت کا رواجی معاوضہ تھا اس لئے اگر قطعیت کے ساتھ بحث کی جائے تو ان کے لئے مجلس عظمیٰ کی کسی کارروائی کی ضرورت نہ تھی ۔ مگر زر امداد کے معاملے میں ایسی کارروائیاں بالعموم ہوتی رہی ہیں اور زر سپر کے لئے تو کم از کم ایک دفعہ ضرور ہوئی ہے ۔ لیکن یہ مطالبہ کہ زر سپر کو جائز بنانے کے لئے مجلس عظمیٰ کی رضامندی ضروری ہے اور جو لوگ مجلس میں حاضر نہ ہوں وہ اس کارروائی کے پابند ہیں کہاں تک درست تھا یقین سے یہ نہیں کہا جا سکتا ۔ کیونکہ اس سے ایک جاگیری اسامی کے حق میں یہ مداخلت ہوتی تھی کہ اگر وہ زر سپر ادا کرنے کی جگہ خدمت کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا اور غالباً اس ضابطے کے بنانے سے بیرنوں کا منشا بھی یہ نہیں تھا ۔ اس باب کا اہم تر جزیہ تھا کہ ایسی غیر معمولی امداد کے لئے جو با ضابطہ جاگیری رواج میں داخل نہ ہو جس کی وجہ سے بادشاہ اور بیرنوں کے باہمی معاہدے سے خارج ہو اس کے لئے ادا کرنے والوں کی

"مرضی" اور رضامندی ضروری ہے۔ اس معاملے میں بیرن وہ چیز طلب کرتے تھے جو ان کو از روئے قانون حاصل تھی۔ ان کا منشا یہ نہیں تھا کہ ایک جدید حق قایم کریں بلکہ بادشاہ کو پرانے حق کا پابند بنانا چاہتے تھے۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں اس حق پر جو زور دیا گیا ہے اس سے یہ فائدہ ہوا کہ یہ حق جاگیری تنظیم سے نکل کر زمانۂ حال کی مملکت کے بڑی خصوصیات میں منتقل ہو گیا۔ آخری دفعہ کا غالباً یہ مطلب تھا کہ بیرن لندن کے لئے فرانسیسی بلدیہ (Commune) کی حیثیت حاصل کرنا چاہتے تھے یعنے ایک شخصیہ کے طور پر اس شہر کے وہ تعلقات بادشاہ کے ساتھ قائم کرنا چاہتے تھے جو خود انکے اس کے ساتھ تھے۔

جاگیری مجلس عظمیٰ۔ باب ۱۴ کی تاویل کرنے میں سب سے پہلے ہمارے سامنے یہ مسئلہ آتا ہے کہ مرضی (Consilium) کے کیا معنی ہیں۔ اکثر علما یہ سمجھتے ہیں کہ (Consilium) اور (Concilium) کے الفاظ ہم معنے ہیں اور حقیقت میں بارھویں اور تیرھویں صدی کے وثائق میں یہ الفاظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہے ہیں کہ لیکن (Consilium) اصطلاح میں چھوٹی کونسل کا نام ہرگز نہیں ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی قریب قریب اسی طرح محقق ہے کہ یہ لفظ بڑی کونسل کے لئے استعمال نہیں ہوا۔ اس کے لئے سوائے شاذ و نادر مثالوں کے (Concilium) کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ تاہم (Consilium) کا لفظ اکثر بڑی کونسل کی کاروائی کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ یہ بڑی مجلس کی کاروائی ہوتی تھی کہ قوانین وضع ہوتے تھے اور فیصلے ہوتے تھے میرے خیال میں یہ بات یقینی سمجھنا چاہیے کہ یہاں سلطنت کی مجلس عام (Common council ofthe Kingdom) کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا مگر سلطنت کے عام فیصلے کے حاصل کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے اور اس کا تعلق بیشک بڑی مجلس سے ہے باب ۱۴ میں شرکاء مجلس کی جو تخصیص کی گئی ہے اس سے اس نکتے میں کوئی شبہ نہیں باقی رہتا۔ مجلس صرف بادشاہ کے معطی لہم سے مرکب تھی۔ بڑے بیرن علحدہ علحدہ اور چھوٹے بیرن شیرف کے وساطت سے ہر صوبہ کے عام طلب نامہ کے ذریعہ بلائے جاتے تھے۔ بلانے کا یہ طریقہ وہ تھا جو بیرنوں کے بعض واجبی خدمات کے مطالبہ کے وقت بھی استعمال ہوتا تھا۔ غرض ہم اپنے پیش کردہ اصول کو اپنے الفاظ میں اس طرح ظاہر کر سکتے ہیں کہ غیر معمولی امداد کے لئے ادا کرنے والوں کی

رضامندی لازمی ہے۔

باب ۱۴ کے متعلق دو امور اور غور طلب ہیں۔ یہاں جاگیری مجلسِ عظمیٰ حکومت کے صرف ابتدائی فرض یعنے مملکت کے لئے روپے کی فراہمی کی ذمہ دار بنائی گئی ہے۔ اور یہ زمانۂ حال کی مقننہ کا اولین فرض ہے۔ یہ اس حقیقت کی بہت اچھی مثال ہے کہ بیرنوں کی جاگیری مجلس مملکت کا مرکزی آلہ تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں نیابتی تصور نام کو نہیں تھا۔ اس مجلس کا قیام اس وجہ سے تھا کہ یہ چھوٹے بڑے معطی لہم اعلیٰ کی مجلس ہو۔ اب رہا آخری دفعہ کا یہ اصول کہ جو لوگ غیر حاضر ہوں وہ حاضرین کی کارروائی کے پابند ہوں گے کوئی اصول نیابت نہیں ہے بلکہ یہ اجرائے محاصل کی ضرورت کے اعتبار سے تھا۔ یہ یقینی ہے کہ "عشرِ صلاح الدین" اور عہدِ رچرڈ کے اجرائے محاصل میں اس اصول پر عمل کیا گیا۔ زرِ سپر کے معاملہ کو مستثنیٰ کر دینا چاہئے کیونکہ کم از کم نظریّے کے طور پر اس کا مطلب یہ تھا کہ ہر بیرن کو یہ اختیار ہے کہ وہ خدمت کرلے یا بدل خدمت ادا کر لے۔ زمانۂ حال کے بعض نقادوں کی طرح یہ خیال کرنا کہ بیرنوں کو ان دفعات کے بیدھے سادے اور قطعی دفعات سے بہت آگے جانا چاہئے تھا اور آئندہ آنے والے خطرات کی روک تھام کے لئے کچھ عام دستوری اصول مقرر کرنا چاہئے تھا ایک ایسی خواہش ہے جو ان لوگوں کے لئے ناممکن تھی۔

جدید نظامِ عدالت۔ ۱۷ سے لے کر ۲۴ تک جملہ ابواب براہِ راست جدید نظامِ عدالت سے متعلق ہیں جس کی ہنری دوم نے ابتدا کی تھی۔ ان ابواب سے یہ قطعی ثابت ہوتا ہے کہ گو بیرنوں نے اس نظام کے چند پہلوؤں پر اعتراض کیا ہوگا مگر انھوں نے پورے کے پورے نظام پر کبھی ہاتھ ڈالنا نہیں چاہا۔ منجملہ اور امور کے جو ان ابواب میں شامل ہیں جدید طریقۂ کارروائی کی سادگی اور سہولت قابلِ غور ہے جو باوجود ہر قسم کی مخالفت کے اپنا استقلال پیدا کر چکی تھی۔ باب ۱۷ عدالت مقدماتِ عامہ سے (Court of Common pleas) متعلق ہے جس کو ہنری دوم گشتی عدالتوں کے سلسلے میں قائم کیا تھا۔ پچھلے عملدرآمد کے مطابق جو کچھ دنوں تک رہا تھا اس باب نے یہ قانون بنا دیا کہ خواہ بادشاہ کہیں رہے لیکن یہ مرکزی عدالت ہمیشہ ویسٹ منسٹر میں قائم رہے گی۔ چند مقدمات وہ تھے جو مقدماتِ پیشی شاہی (Coram reges) کے نام سے ممتاز ہونے لگے تھے اور دو تین پشتوں تک مقدمات عدالتِ شاہی (King's Bench) کے نام سے یاد کئے جاتے تھے اور عدالتِ شاہی

(King's Bench) کے پیدا ہونے کے باعث ہوئے۔ پادشاہ جہاں جاتا یہ مقدمات اس کے ساتھ ساتھ جاتے تھے۔ مقدمات کی ان دونوں قسموں میں اب تک کوئی بین فرق پیدا نہیں ہوا تھا لیکن اس باب کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ اس نے قانون عرفی کی عدالتوں کو علیحدہ کر کے ایک قانونی شکل دیدی تھی

ابواب ۱۸-اور ۱۹ آئین عدالتہائے قبضہ (Possessory assizes) سے بحث کرتے ہیں جو جدید نظام عدالت کے ضروری اجزا ہیں اور اب انہیں بیرونی جماعت کی باضابطہ منظوری حاصل ہو گئی۔ باب ۱۸ میں ان عدالتوں کی کارروائی سے متعلق جو فردعات وضع کئے گئے تھے وہ اطمینان بخش ثابت نہیں ہوئے اس لئے بہت جلد منسوخ ہو گئے۔ نظام عدالت کی اس توضیح سے ابواب ۲۰ تا ۲۲ تک بھی خود بخود سامنے آجاتے ہیں۔ ان ابواب کا مقصد تمام طبقات آبادی کو اس بار سے بچانا تھا جس کو ہم زمانہ حال کے قانون میں بیجا جرمانے کہتے ہیں ظاہر ہے کہ تمام طبقات مساوی طور پر اس کے تحت آجاتے تھے۔ پچھلے دو ابواب کے نسبت یہ ابواب زیادہ وسیع ہیں کیونکہ ان میں فوجداری اور دیوانی مقدمات کے تمام جرمانے شامل ہیں۔ ان ابواب کا صاف منشا یہ تھا کہ روپیہ کی جبر ستانی میں عدالتوں کا ہاتھ رکا جائے اور دیگر ابواب کی طرح یہ بھی جان کی طرز حکومت پر روشنی ڈالتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ملکِ مطلق اور ہل بیل (Wainage) کا استثنا عام اصول پر مبنی تھا اور اس کی کیفیت۔ تاجروں کے مال کی سی تھی اور اس سے غرض ان لوگوں کا فائدہ تھا جو ہی سے براہ راست متعلق تھے۔ مگر اس سے جس طرح زمیں میز کا فائدہ مقصود تھا تقریباً اسی طرح قابض زمین کا بھی فائدہ تھا۔ باب ۲۰ کے آخری دفعہ کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس میں ایک ایسے ادارے کو تسلیم کیا گیا ہے جو جوری کے قریب قریب تھی اگرچہ اس سے پہلے باب ۱۸ میں اس کے لئے کچھ قاعدے مقرر کر دیئے گئے تھے۔ باب ۲۱ کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیرنوں کو جرمانوں سے محفوظ رکھنے کے لئے آزاد لوگوں کی جوری کی ضرورت ہے جو پہلے کے دفعات میں رہ گئی ہے قرین عقل بات یہ تھی کہ باب ۲۴ باب ۶۶ کے بعد ہی آجاتا کیونکہ یہ بھی نظام عدالت سے بحث کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا زینہ تھا جس کے ذریعے سے تمام فوجداری کا کام بالآخر بادشاہ کے ہاتھ میں منتقل ہو گیا اور اس قسم کے جملہ مقدمات رفتہ رفتہ شاہی عدالتوں کی سماعت کے لئے چھوڑ دیئے گئے

کوتوالی کے صرف خفیف مقدمات مقامی عدالتوں کی سماعت کے لئے رہ گئے۔

پھر اس کے بعد دلچسپ دفعات کا ایک سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ منجملہ ان کے ابواب ۳۰ اور ۳۱ بطور مثال ہیں کیونکہ یہ ایک مخصوص شکل میں اس اصول کو ظاہر کرتے ہیں جو زمانۂ حال کے قانون دستوری میں ان الفاظ سے داخل ہوگیا ہے کہ بغیر مناسب معاوضے کے کوئی خانگی ملک سرکاری استعمال میں نہیں لائی جاسکتی۔ باب ۳۴ خاص طور پر اہم ہے کیونکہ اس کی رو سے یہ ممنوع قرار دیا گیا کہ شقہ (Præcipe) کے ذریعے سے کوئی مقدمہ خانگی عدالت سے شاہی عدالت میں منتقل کیا جائے اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیرن شاہی عدل گستری کے ایک پہلو کو کس نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے۔ شاہی عدالتوں سے جو تصادم ہورہا تھا تو اس میں بیرنوں کے عدالتی اختیارات غائب ہورہے تھے اگرچہ بظاہر اس ضابطے کی پابندی کی جاتی تھی لیکن خانگی عدالتوں سے مقدمات کے باہر جانے کا جو سلسلہ پڑ گیا تھا وہ نہیں رک سکا۔ اور دوسری نصف صدی کے آخر تک یہ حالت ہوگئی کہ خود بیرن بھی اس سے چشم پوشی کرنے لگے۔ ابواب ۳۵ اور ۴۱ کو جو تجارتی اغراض کے لئے تھے کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ منشور کا دائرہ کس قدر وسیع تھا اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیرن اس بات سے واقف ہوگئے تھے کہ تاجروں کی جدوجہد میں ان کا کیا مفاد مضمر ہے اور دوسری صدی میں جاکر اس میں ایک دستوری شان پیدا ہوگئی۔

اس کے بعد ابواب کا وہ مجموعہ ہے جو حکومت کے مقابلے میں افراد کی آزادی چاہتا ہے۔ اگر یہ سب نہیں تو کم از کم ان کا ایک حصہ عام الفاظ اور موجودہ دستوری زبان میں ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ باب ۳۶ کے متعلق بعض اوقات یہ خیال کیا گیا ہے کہ وہ "احضار ملزم" کے شقے کا باعث ہوا ہے لیکن بات یہ ہے کہ شقۂ مذکور حال کے شقے کا پیشرو نہیں ہے بلکہ اس نے ایک محدود دائرہ استعمال میں اس حقیقت کی ایک حد تک تکمیل کردی ہے۔ ۱۲۱۵ء کے بعد سے جو تجربہ ہوا اس کے بموجب باب ۳۵ کے دائرے میں توسیع کردی گئی گو یہ اصول وہ ہے کہ جن پر انگریزی قانون کا یہ اصول قائم ہے کہ "بڑی جوری کے احضار اور الزام کے بغیر کوئی شخص کسی جرم کبیرہ یا کسی دوسرے سنگین جرم کا جوابدہ نہیں گردانا جاسکتا" اور سوائے ایسی امکانی علت کے جس کی حلف یا

اثبات سے تائید ہوتی ہو وارنٹ جاری نہیں ہو سکتا"۔ باب ۴۰ بھی جس کا مقصد یہ ہے کہ "انصاف کا دروازہ سب کے لئے یکساں طور پر کھلا رہے گا" انگلستان کے دستور کے "قانون حقوق" سے بالکلیہ وابستہ ہے۔ باب ۳۹ کے متعلق تو بہت کچھ بحث ہوتی رہتی ہے لیکن امر متنازع فیہ اس دستوری اصول پر جو اس میں وضع کیا گیا ہے کوئی اثر نہیں پڑتا اصول یہ ہے کہ "بغیر باضابطہ قانونی کارروائی کے کوئی شخص جان و مال اور آزادی سے محروم نہیں کیا جائے گا" اب رہا یہ سوال کہ آزاد شخص کے لفظ میں کون سے طبقات شامل کئے گئے تھے ۱۲۱۵ء کے بیرنوں کا منشاء دیکھنے کے لئے اہم ہو تو ہو۔ ورنہ اور طرح سے یہ محض علمی دلچسپی کی خاص چیز ہو گی کیونکہ منشور کے عطا ہونے کے عین بعد ہی اس میں نہ صرف بیرنی جماعت بلکہ وہ تمام لوگ جو از روئے قانون آزاد تھے شامل کر لئے گئے ہمسر رتبہ لوگوں کی تجویز کے معنی بعد کو جیل کر سماعت جوری لئے جانے لگے۔ مگر ۱۲۱۵ء میں اس کے یہ معنی نہ تھے۔ اس کا اصلی مفہوم اس طرح اب تک قائم ہے کہ ارکین دارالامرا کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے متعلق مقدمات کی سماعت وہ خود دارالامرا ہی میں کرتے ہیں۔

خلع اطاعت کا حق۔ باب ۶۱ منشور کے اہم ابواب میں سے ہے کیونکہ اس سے قانون اور حق کی وہ بنیاد جس پر بیرن اپنے کو عامل سمجھتے تھے اور وہ مقاصد جو ان کے پیش نظر تھے، معلوم ہوتے ہیں اگر ہم اس کو دستور مملکت کا ایک جز سمجھیں تو یہ ایک غیر معمولی چیز ہو گی کیونکہ اس سے ایسی دو چیزیں طے پا گئیں جو بظاہر ایک متمکن حکومت کی منافی معلوم ہوتی ہیں۔ اولاً یہ حکومت کے اختیار سے مقدمات کے ایک خاص دائرے میں اس کا اولین فرض یعنی عدالتی فرض سلب کر لیتا ہے اور اس کو ایک خود ساختہ جماعت کے تفویض کر دیتا ہے اور دوسرے یہ کہ بادشاہ کے خلاف شورش اور جنگ کو جائز قرار دیتا ہے۔ تاہم دستور مملکت کا تصور یا ہمارے مفہوم کے مطابق دستوری قانون کا تصور ۱۲۱۵ء کے بیرنوں کے ذہن میں نہیں آ سکتا تھا اور اگر ہم منشور کو یہ سمجھیں کہ وہ صرف قانون جاگیری کا مرقع بنایا گیا تھا تو پھر یہ چیز عیاں ہو جاتی ہے کہ بیرنوں کے مقصد اور حق سے جس کا وہ مطالبہ کرتے تھے کیا تعلق ہے مغربی یورپ کا قانون جاگیری اسامی وابستہ کے اس حق کو تسلیم کرتا تھا کہ وہ اپنے کو ناانصافی سے بچانے کے لئے خلع اطاعت کر سکتا ہے اور اپنے رئیس کے خلاف تلوار کھینچ سکتا ہے اور ایسی حالت میں

اس پر غداری کا کوئی الزام نہ ہوگا۔ بیرن اس وقت اسی حق پر چلتے تھے۔ اور اس سے کچھ
دنوں پہلے بادشاہ کو انھوں نے حسب ضرورت باقاعدہ اطلاع بھی دے دی تھی کہ ہم اپنی
اطاعت کو واپس لے رہے ہیں۔ وہ جان کے اخلاق و عادات سے یہ سمجھے ہوئے تھے کہ وہ
کچھ بھی وعدہ کیوں نہ کرے۔ یہ سوال پھر از سر نو پیدا ہونے والا تھا کہ آیا ان کو دوبارہ ہتھیار
اٹھانا چاہیے یا نہیں۔ لیکن ان کی خواہش یہ تھی کہ اس صورت حال کو پھر پیدا ہونے
نہ دیا جائے اور اس طریقۂ کار کو نہ صرف اس کے اصول استعمال بلکہ اس کے دائرے میں
بھی محدود رکھا جائے۔ انھوں نے اس غرض کے لئے یہ طریقہ تجویز کیا کہ جب بادشاہ
وعدہ شکنی کرنے لگے تو اس پر ایک دباؤ ڈالا جائے اور قرارداد یہ تھی کہ تشدّد کا چارۂ کار
اختیار کرنے سے پہلے اس طریقے کو آزمایا جائے۔ اس طریقے کے ناکام ہونے کی صورت میں
پھر شورش کا عام حق تھا جس انھوں نے صرف اس تجویز کے آزمانے کے لئے ملتوی کر دیا تھا۔
لیکن اپنے تحریری بیان میں بیرنوں نے بادشاہ کی معزولی کے حق کو درج نہیں کیا
حالانکہ اس سے یہ مطلب خود منطقی طور پر برآمد ہوتا ہے۔

اگرچہ یہ ایک بھدا اور مہمل طریقہ تھا لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ تاریخ میں
اس اصول کو دستوری شکل میں لانے کی یہ پہلی کوشش تھی کہ حکومت کو مملکت کے
اساسی قوانین کی متابعت کرنی چاہیے اور بیرنوں نے واقع میں اسی اصول کی پیروی
کی تھی حالانکہ وہ اپنے افعال کے حقیقی معنوں سے اس طرح واقف نہیں تھے جس طرح
ہم ہیں۔ پرانے تجربوں میں سے کوئی چیز ایسی موجود نہ تھی جس سے ۱۲۱۵ء کے لوگ
سبق حاصل کر سکتے جو ادبی ذخیرہ ان کے ہاتھ میں تھا اس میں "محدود شاہی" کے اداراتی
اشکال کی کوئی نظری بحث موجود نہ تھی۔ تاہم اس طریقۂ کار کا بھدا پن بھی یہ ظاہر کئے
بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس پہلی کوشش میں انگلستان کی تاریخ دستوری کی تہ لے لی گئی اور اس
شان و شوکت کی پیش بندی کر دی گئی جو آخر میں تاریخ دستوری کو نصیب ہونے والی تھی کیونکہ سچ پوچھو تو یہ
اس بات کی کوشش تھی کہ بادشاہ کو بغیر خانہ جنگی اور انقلاب کے اساسی قوانین کا پابند
بنایا جائے اور خانہ جنگی اور انقلاب کو صرف آخری چارۂ کار سمجھا جائے۔ انگریزی دستور
کی یہ مختصر سی شکل ہے جو یہاں پیش کی گئی ہے اور یہ حکومت کو جمعیت قومی کے
سامنے جوابدہ بنانے کا ایک ایسا پختہ طریقۂ کار تھا کہ اس میں آئے دن ان کی خانہ جنگی کا ڈر

نہیں تھا۔

قانون کا تفوق ۔ غرض منشورِ اعظم کا اصلی کام یہ ہے کہ اس نے دو اساسی اصول قائم کر دئے جو آج بھی تمام انگریزی دستور اور اس کے تمام مشتقات کی تہ میں موجود ہیں اور اسی طرح موجود ہیں جس طرح ۱۲۱۵ء میں تھے۔ پہلا اصول یہ ہے کہ ہر مملکت کی سیاسی عضویت کی تہ میں چند ایسے قوانین ضرور ہوتے ہیں کہ ان کی بادشاہ کو یا (زمانۂ حال کے الفاظ میں) حکومت کو متابعت کرنا لازمی ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر حکومت ان قوانین کی متابعت سے انکار کرے تو قوم اس کو متابعت کے لئے یہاں تک مجبور کر سکتی ہے کہ حکومت کو نکال کر دوسری حکومت اس کی قائم مقام کر سکتی ہے۔ گو تیرھویں صدی کے بعد سے اس دوسرے اصول کو باضابطہ قانونی شکل نہیں دی گئی تھی لیکن فی نفسہ یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود نہیں تھا۔ خود تیرھویں صدی میں یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ قانون کی پابندی کرانے کے لئے بغاوت کا حق حاصل ہے۔ اس حق کے یہ معنی نہیں تھے کہ وہ بادشاہ کو معزول کر سکتے ہیں بلکہ بعد کے نازک موقعوں پر جب کہ دستور کو سخت خطرہ لاحق تھا قوم اس انتہائی حق کو "جو قانون کی فوقیت" سے خود بخود پیدا ہوتا تھا بلا تامل استعمال کرتی تھی۔ ہمیں چاہئے کہ صرف امریکہ کے "اعلان آزادی" کو مع اس کے اصولی ادعا کے اپنے پیش نظر رکھیں اس کا مطلب یہ تھا کہ شاہِ انگلستان جو کچھ کر رہا ہے وہ آبادکاروں کے قانونی حقوق پر جو خود بھی انگریز ہیں دست درازی کر رہا ہے اور امریکانی آخر یہاں تک پہنچ گئے کہ "وہ یعنی انگریز کسی آزاد قوم کے حکمران ہونے کے قابل نہیں ہے"۔ جس اصول پر امریکانی اعلان آزادی کی بنیاد رکھی گئی تھی وہ بالکل وہی ہے جس پر منشورِ اعظم مبنی تھا۔ صرف فرق اس قدر ہے کہ اعلان آزادی کو آبادکاروں نے پیش کیا تھا اور زمانۂ حال کی اصطلاحوں کے ساتھ پیش کیا تھا۔ یہ لوگ قوم کے چند اجزا تھے جو تمام قوم کو انقلاب سے متاثر نہیں کر سکتے تھے۔ تاریخ انگلستان کے ہر زمانے میں جب کبھی یہ سوال پیدا ہوا اور انگلستان کے ارتقائے آزادی کے دوران میں جب کبھی نازک موقع آیا اسی دوسرے اصول کو انگریزوں کے آباو اجداد اپنی بنیاد سمجھتے رہے اور اسی بنیاد پر انھوں نے رفتہ رفتہ آزاد حکومت کی وہ عمارت کھڑی کر دی جس میں آج ہم زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ منشورِ اعظم کے پیش کئے ہوئے مخصوص اور انفرادی اصول آنے والی نسلوں کے بدلتے ہوئے

معاشرتی سیلاب میں بہہ گئے ہوں لیکن قوم کی صحیح رائے اس بات پر اڑی رہی کہ ہر بادشاہ
یکے بعد دیگرے اور بعض بادشاہ کئی کئی دفعہ منشورِ اعظم کی پابندی کا وعدہ کریں اور منشور کی
عطا کی ہوئی آزادیوں کی توثیق کریں۔ ان مطالبات میں انھوں نے کبھی اپنے بادشاہوں
کو ایسے قوانین کا پابند بنانا نہیں چاہا جو متروک ہو گئے تھے بلکہ وہ ایسے اساسی تصور کا پابند
بنانا چاہتے تھے جو ان کے مخصوص ضابطوں کی تہ میں مضمر تھا یعنے وہ تصور جس سے حاکم محکوم
کا تعلق ظاہر ہوتا ہے اور یہ سیکسنی دنیا میں تقریباً ضرب المثل ہو گیا ہے جب اس کو زمانہ حال
کی اصطلاحوں میں اچھی طرح ظاہر نہیں کیا گیا تو تیرھویں صدی میں تو اس کا اظہار ناممکن تھا
مگر مفہوم تو ہی لیا جاتا تھا ان وعدوں اور توثیقات کی تجدید کا سلسلہ قرون وسطیٰ کے آخر تک
چلتا رہا یہاں تک کہ پارلیمنٹ کی فوقیت عام طور پر تسلیم کر لی گئی اور حالیہ دستور کے
تمام راستے نمایاں ہو گئے لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پندرھویں صدی میں ان کا سلسلہ صرف
اس وقت منقطع ہوا جبکہ دستوری ملوکیت کا تخیل ہر انگریز دل و دماغ کے لئے ایک
عادت ثانی ہو گیا تھا۔

منشور کی منظوری کے بعد جو ہفتے گزرے ان میں شاہ جان کے عمل سے ظاہر ہوتا تھا
کہ وہ اپنے کو منشور کے ضابطوں کا پابند بنانا چاہتا ہے۔ لیکن یہ کہنا خلاف قیاس نہیں ہے کہ
اس نے کبھی بھی ایفاء وعدہ کا خیال نہیں کیا موسم گرما کے ختم ہونے سے پہلے اس نے ایک
کثیر فوج جمع کر لی تھی اور ادھر پاپائی فرمان نے اس کو منشور کی ذمہ داری سے آزاد کر دیا تھا۔
اب بیرنوں کو یہ صاف معلوم ہو گیا کہ اگر بادشاہ کے مقابلے میں اپنے معاملے کو بچانا ہے تو پھر
انتہائی تدابیر کی طرف قدم بڑھانا لازمی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنا رشتہ اطاعت
توڑ ڈالا، جان کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ لوئی کو جو جان کی بھتیجی کا شوہر اور فرانس کے تخت
کا وارث تھا اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ پھر خانہ جنگی شروع ہو گئی لیکن اس وقت جان پہلے
سے زیادہ طاقتور تھا اور باوجود لوئی کی تائید کے بیرن کوئی پیشقدمی نہیں کر سکے۔ یہ
بتانا ناممکن ہے کہ لوئی کی کامیابی کا نتیجہ کیا ہوتا، مگر ۱۲۱۶ء اکتوبر کے مہینے میں جان کا جو
اچانک انتقال ہو گیا تو بالکل بساط الٹ گئی۔ اس کا جانشین ہنری سوم صرف نو سال
کا بچہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے خلاف کوئی شکایت نہ تھی اور پھر جدید رہنما نے حکومت
ولیم مارشل ارل پیمبروک کو بیرنوں کے مطالبات کے ساتھ خاص ہمدردی بھی تھی۔

بیرنوں نے لوئی کا ساتھ چھوڑ دیا اور حکومت کے ساتھ اتحاد کر لیا چنانچہ ۱۲۱۶ء میں منشور اعظم کی دوسری اشاعت کو پیش کر کے اس اتحاد کو اور بھی استحکام دیدیا گیا جب نومبر ۱۲۱۷ء میں باغی بیرنوں اور لوئی کو شکست ہو گئی اور لوئی واپس چلا گیا تو پھر منشور کی تیسری اشاعت کی گئی اور اس نسخے کو ہنری سوم نے فروری ۱۲۲۵ء میں از سر نو شائع کیا لیکن اب بھی اس مرتبہ کوئی اہم تبدیلیاں نہیں ہوئی تھیں اور اس طرح یہ قانون انگلستان کا آخری منشور اعظم ہو گیا۔

متعاقب اشاعتوں کی تبدیلیاں۔ پہلی دو متعاقب اشاعتوں میں ۱۲۱۵ء کے اصل منشور کے کئی ابواب حذف کر دئے گئے اور دیگر ابواب میں اہم تبدیلیاں کر دی گئیں۔ بعض لوگ محذوفات پر ضرورت سے زیادہ زور دے کر اس جذبے کا اندازہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان اشاعتوں میں کام کر رہا تھا منجملہ ان کے ابواب ۱۲ - ۶۱ کے متعلق اکثر یہ سمجھا گیا ہے کہ وہ غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔ لیکن باب ۶۱ کو قائم رکھنا بہت مشکل تھا اس وقت منشور کا جاری کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ کامیاب انقلابیوں کا مطالبہ ہے بلکہ حکومت کی جانب سے اس کا اجرا ہوا تھا جس کو حکومت ایک واجب التعمیل قانون سمجھتی تھی اور اس کی پابندی کا وعدہ کرتی تھی۔ اگر یہ قابل اعتماد تھا اور اس کو قابل اعتماد بنانا مقصود تھا تو پھر بادشاہ کو قانون کا پابند بنانے کے لئے خاص ضابطوں کی خواہ منشور اعظم میں اس کا ذکر ہو یا نہ ہو کیا ضرورت تھی۔ جاگیری قانون کا عام اصول تو جوں کا توں قائم رہا اور اس کی طرف ہمیشہ توجہ دلائی جا سکتی تھی۔ یہی بات باب ۱۲ پر بھی صادق آتی ہے۔ ۱۲۱۶ء کی متعاقب اشاعت میں اصلی منشور کے کئی اصول کو مشکوک حالت میں دکھایا گیا ہے (dubitabiba) منجملہ ان کے وہ ضابطے ہیں جو زر سپر سے متعلق ہیں اور ظاہر ہے کہ باب ۱۲ میں بیرنوں کے نزدیک یہی بڑی چیز تھی۔ اس بات کے اظہار میں کہ زر سپر کے متعلق مجلس عظمیٰ کو کیا کارروائی کرنی چاہئے بیرن اپنے حقیقی ارادے اور خواہش سے بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ ۱۲۱۷ء کے منشور کے باب ۴۴ میں یہ اصول طے کر دیا گیا کہ زر سپر صرف اسی طریقے سے لیا جائے جس طریقے سے ہنری دوم کے عہد میں لیا جاتا تھا اور اس سے غالباً اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ۱۲۱۵ء میں بیرنوں کی حقیقی نیت کیا تھی اور آیا قطعیت قانون کا لحاظ کرتے ان کے جملہ مطالبات حق بجانب تھے۔

جان کے دستور میں جو تبدیلیاں کی گئیں ہیں ان میں یہ تبدیلی ایک معیاری تبدیلی ہے۔ یہ تبدیلیاں اس غرض سے ہوئی تھیں کہ قانون کی قطعی اور صحیح تشریح ہو جائے۔ بعض تبدیلیاں ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا وہ اس تجربہ سے ضروری ثابت ہوئیں جو دستور کو بطور قانون موضوعہ کے عدالتوں میں نافذ کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ بعض ان مطالبات کی ترمیم سے جو بادشاہ کے حق میں نامنصفانہ تھے اور اکثر اضافے ہیں جو قانون کی حقیقی تشریح کی غرض سے کئے گئے۔ تاہم ۱۲۱۶ء کی اشاعت میں جو جدید تبدیلیاں ہوئی ہیں اور جن میں اکثر اضافے ہوئے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں کچھ اور اثرات کام کر رہے تھے۔ سابق فرامین کی بہ نسبت اس نسخہ میں جدید قسم کی قانون سازی پائی جاتی ہے یہ نسخہ ان معاملات سے وسیع بحث کرتا ہے جو حکومت اور نظم و نسق سے متعلق ہیں۔ اس کی کچھ توجہ اس طرف تھی کہ بڑے بیرنوں کے مفاد کو ان کے اسامیوں کے مقابلے میں بچایا جانا چاہیے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تمام سلسلۂ ہائے مابعد میں اس اصل اصول میں کوئی ترمیم نہیں کی گئی کہ ملک میں مسلمہ قانون کا ایک ایسا مجموعہ ہے کہ بادشاہ کو قوم کے ساتھ سلوک کرنے میں اس کی پابندی ضروری ہے۔

توثیقات کی غرض و غایت۔ ۱۲۲۵ء کی اشاعت سے لیکر قرون وسطیٰ کے اختتام تک دستور اعظم کی طرف اکثر توجہ دلائی گئی ہے گو زمانہ مابعد کی بہ نسبت پندرھویں صدی میں یہ حوالے کچھ کم ہوئے ہیں۔ ان میں دو قسم کے حوالے ایسے ہیں جو اکثر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک تاریخوں میں دوسرے سرکاری وثائق مثلاً اور رولوں کے کاغذات (Rolls) میں۔ تاریخی حوالے بالعموم حکومت یا حکومت کے عہدہ داروں کی خلاف ورزیوں سے متعلق ہیں جو اکثر حقوق کلیسا کے ساتھ ہوتی رہتی تھیں۔ سرکاری حوالے مختلف قسم کے ہیں کچھ تو دفعات کی متضاد یا دوسری طرح کی تاویلات ہیں یا کچھ ان کا محض انطباق ہے اور کچھ ان کے نفاذ کے متعلق ہدایات ہیں اور اکثر ایسی ہیں کہ مقدمات مرجوعہ عدالت کے بارے میں دستور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اس کا قانون واجب التعمیل ہے۔ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ تخفیف شدہ ابواب از کار رفتہ نہیں ہو گئے تھے بلکہ یہ اب تک بعض اوقات دستور کے اجزا سمجھے جاتے تھے، اور اس بات کا ثبوت ہے کہ کبھی کبھی دستور کے متعلق یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسا اساسی قانون ہے کہ پارلیمنٹ بھی

اس کی تابع ہے۔ ہنری سوم سے لے کر ہنری چہارم تک تمام بادشاہوں سے اس کی توثیق کا مطالبہ کیا گیا اور ہر بادشاہ نے کئی دفعہ باضابطہ توثیق کی تھی مگر ہنری پنجم اور ہنری چہارم نے صرف ایک دفعہ کی تھی۔ اڈورڈ سوم کے ابتدائے عہد سے لے کر ہنری چہارم کے آخری عہد تک یہ قاعدہ ہو گیا تھا کہ پارلیمینٹ کے قوانین کا سلسلہ قوانین منشور کی توثیق سے شروع ہوتا تھا۔ جیسے ابھی کہا گیا ہے کہ ان توثیقات سے منشور کے تمام ضابطوں کو حرف بہ حرف بطور واجب التعمیل قانون کے قائم رکھنا مقصود نہیں تھا ان میں سے کئی ضابطے متروک ہو گئے تھے۔ ان کا مقصد صرف بادشاہ کو اس اساسی اصول کا پابند بنانا تھا کہ بعض شعبوں میں بادشاہ کے افعال قانون کے تابع ہیں۔

Bibliographical Note.—G. B. Adams, *The Origin of the English Constitution 1920.* L.W. Vernon Harcourt, *His Grace the Steward and Trial of Peers, 1907.* W. S. McKechnic *Magna Carta, 1914. Magna Carta Commemoration Essays, 1917.* S.K. Mitchell; *Taxation under John and Hendry III, 1914.* K. Norgate, *John Lackland, 1902.* F.M. Powicke, *The Loss of Normandy 1913.*

باب ۶

دستور اور قانونِ عرفی کا ارتقا

منشورِ اعظم سے تاریخِ دستورِ انگلستان کا ایک عہد ختم اور دوسرا عہد شروع ہوتا ہے یہاں سے زمانۂ سابق کی مطلق العنان اور غیر ذمہ دار بادشاہی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ محدود شاہی کا پایہ پڑتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک عرصہ تک تبدیلی خفیف اور ترقی بہت آہستہ ہوتی رہی مگر وہ اصول جس پر ایک زمانے میں دستوری ملوکیت کی تعمیر کی گئی پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے بعد وہ کبھی محو نہیں ہوا اور اس کی اساسی اہمیت زائل نہیں ہوئی۔

منشورِ اعظم کی بذاتِ خود کوئی اہمیت نہیں ہے اگر اس کو قانونِ جاگیری کا ایک مجموعہ سمجھا جائے تو اس میں دوسرے اور مجموعۂ قوانین کی طرح کیا ترقی کی گنجائش ہے۔ یہ بات تو آئندہ آنے والے زمانہ کی خصوصیت پر موقوف تھی کہ منشور کے پیش کئے ہوئے اصول ترقی کر کے دستور پر حاوی ہو جائیں، یا از یاد رفتہ ہو کر نظر انداز ہو جائیں۔ اگر جان کا جانشین خود اس کی طرح یا اس کے پوتے ایڈورڈ اول کی طرح طاقتور بادشاہ ہوتا یا کوئی ایسا بادشاہ ہوتا جس کو منشور کے آنیوالے نتائج کے متعلق کچھ بھی بدگمانی ہوتی تو اس کے لئے منشور کو بالکل پس پشت ڈالدیتا اور اس کے ہر نتیجہ خیز اشارے کا سدِ باب کرنا مشکل نہیں تھا۔

شاہی سلسلہ جانشینی کے واقعات میں یہ بھی ایک خوش آئند واقعہ ہے کہ منشور کے بعد ہی ایک کمزور بادشاہ کا طویل عہد حکومت آگیا۔ ہنری سوم ۱۲۱۶ء میں تخت نشین ہوا اور ۱۲۷۲ء تک حکومت کی۔ دستوری آزادی کا جو بیج ۱۲۱۵ء میں غیر شعوری طریقے سے بویا گیا تھا ہنری کے طویل عہد اور اس کے کردار نے اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ اس کا مستقبل کیا ہوگا۔ ہنری ان معنوں میں ایک بڑا بادشاہ نہیں تھا جن معنوں میں اس کا باپ تھا۔ وہ خود سر نہیں تھا۔ اس کو یقین تھا کہ میں ایک اچھا بادشاہ ہوں اور اپنے کو اچھا حکمران ثابت کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ ظاہر پرست تھا اور اپنی عقل و دانش کا بہت معتقد تھا۔ لیکن اس میں ذہانت اور قوت ارادی بہت کم تھی۔ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی شخص کی اثر میں رہتا تھا جو اس کی طبیعت پر ہمیشہ حاوی ہوتا اور اس بات کا اس کو احساس تک نہ ہوتا تھا۔ کبھی وہ اس بات کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکا کہ عوام کے جذبات کی رو کس طرف کو جاری ہے حالانکہ اس کو سمجھنا اور اس پر غور کرنا ضروری تھا۔

بیرونی مصاحب۔ بادشاہ کے خصائص کے ساتھ ارتقائے دستور کا پہلا تعلق اس وقت پیدا ہوا جبکہ باہر سے بادشاہ کے مصاحبوں کے پے در پے سیلاب آکر انگلستان میں متوطن ہونے لگے۔ پہلا سیلاب تو ان لوگوں کا تھا جو اس کے باپ کے غیر ملکی ہوا خواہوں میں سے باقی رہ گئے تھے مثلاً اسقف ونچسٹر اور پیٹر ڈے روش۔ دوسرا سیلاب اس کی بیوی کے اقربا کا تھا جو سیوائے سے آیا تھا اور تیسرا خود اس کے اقرباد کا تھا جو اس کی ماں کے عقد ثانی کے سلسلے میں پواٹو سے آیا تھا۔ یہ لوگ نہ صرف پادشاہ کے عطاکردہ زرین انعامات پاتے مثلاً مالدار شادیاں کرتے اور بڑی بڑی جائدادوں کے ولی بنتے تھے جس سے انگریز بیرنوں کو قلبی تکلیف ہوتی تھی کیونکہ حقیقت میں خود یہ ان مواقع کے حقدار تھے۔ وہ اہم خدمات پر بھی فائز ہوتے اور حکومت میں اثر پیدا کرتے تھے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہی لوگ ان عام برائیوں کے ذمہ دار ہیں جو غلط حکمت عملی اور اس کے عملدرآمد کی وجہ سے پیدا ہو رہی تھیں اور ایسی صورت میں انگریزوں کا پادشاہ کے غیر ملکی ہوا خواہوں اور انگریز رعایا کے درمیان فرق کرنا ضروری تھا۔

یہی صورت حال اس عہد کی ناگزیر مشکلات کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ نزخون کا

برابر چڑھتا جس سے اس کے باپ کے عہد کے مسائل پیچیدگی میں پڑ گئے تھے ہنری سوم کے عہد کے اکثر حصے میں برابر جاری رہا اخراجات حکومت کے اخراجات تو بہت بڑھ گئے مگر اس تناسب سے شاہی مداخل میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ سترھویں صدی کے بیرنوں کے لئے ان الجھنوں کا سمجھنا ناممکن تھا جو ان حالات کی وجہ سے حکومت پر عائد ہو رہی تھیں۔ مگر ان کا یہ خیال بے موقع نہیں تھا کہ پادشاہ کے مسلسل رقمی مطالبات اسی وجہ سے ہوتے ہیں کہ وہ بے پروائی کے ساتھ اصراف کرتا ہے اور اپنے مصاحبوں پر روپیہ کا مینہ برساتا ہے اگر پادشاہ اس فیصلے کے جواب میں کوئی عذرات پیش کر سکتا تو وہ شاید یہ ہوتے کہ کبھی اس کو کفایت شعاری آئی نہ روپیہ کی قدر معلوم ہوئی نہ اس بات کی تمیز ہوئی کہ اپنی خواہشوں اور مملکت کی حقیقی ضروریات میں کیا فرق ہے۔ گو پچھلے تجربات تبدیلی چاہتے تھے لیکن اس کے باوجود مملکت کا پرانا تصور ابھی تک جاگزیں تھا۔ پادشاہ سلطنت کو اپنی جاگیر اور املاک سمجھتا تھا اور سلطنت کی تمام آمدنی اس کی ملک تھی کہ جس طرح چاہے اس کو تصرف میں لائے۔ بیرن ہمیشہ اپنی طرف سے یہ درخواست کرتے تھے کہ "پادشاہ کو صرف اپنی آمدنی پر انحصار کرنا چاہیئے"، یعنے اپنے اور نیز مملکت کے تمام مصارف کو اپنی جائز آمدنی سے ایسا پورا کرنا چاہیئے جیسا ایک جاگیردار اپنی آمدنی سے پورا کرتا ہے۔

اس طریقے سے یہ حالات پوپ کے رقمی مطالبات کی وجہ سے جو انگلستان پر عائد ہو رہے تھے اور بھی زیادہ الجھ گئے۔ دنیوی مملکتوں کی طرح پاپائیت کے مصارف حکومت بھی روز بروز بڑھ رہے تھے اور اس وجہ سے سخت مشکلات کا سامنا تھا۔ چنانچہ اس بات کی کوشش ہو رہی تھی کہ تمام یورپ میں آئندہ آمیز قوانین اختیار کر کے مداخل میں اضافہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں انگلستان جو خاص طور پر مصیبت کا شکار ہوا اس وجہ سے کہ اول تو یہ پوپ کا ماتحت تھا اور دوسرے دولت کی فراوانی نے بھی اس ملک کو خاص طور پر آمادۂ محصول گیری بنا رکھا تھا عشر کی مذہبی وصولیات تو خیر وقتاً فوقتاً سے ہوتی تھیں مگر کلیسائی جانشینوں (Provisors) کے علاوہ آمدنی کی ترقی ایسی تھی کہ اس سے سخت شکایات پیدا ہو گئیں کلیسائی جانشینی دراصل اس حق کا نام تھا کہ کوئی کلیسائی جائداد یا پیشِ امامی یا خدمت خالی ہونے کے بعد یہ کس کو دی جا سکتی پاپاؤں نے رفتہ رفتہ ان تقررات کے حق کو ترقی دی۔ چنانچہ ان کی مالی مشکلات میں یہ

ان کے لئے بہت اچھا اور منفعت بخش ذریعہ ثابت ہوا پاپائی دربار سے جو عہدہ دار انگلستان کی خدمات پر مامور ہوتے تھے وہ خود تو روما میں کام کرتے تھے مگر یہاں کسی ناظر کے توسط سے اپنے فرائض انجام دیتے تھے اور ان خدمات کی تنخواہ یہاں سے وصول کرتے تھے۔ اگر انگریز پادری ان تقررات پر ناک بھوں چڑھاتے تھے اور اس کو ایک کھلی بدعنوانی سمجھتے تھے چنانچہ بیرنوں کے ساتھ یہ لوگ بھی اس صدائے احتجاج میں برابر کے شریک ہو گئے کہ انگلستان انگریزوں کے لئے ہے "۔

ایک قسم کا قومی احساس۔ ہنری سوم کے عہد میں جو دو تغیرات عمل میں آئے تھے ان کو ان حالات نے نہ صرف ترقی دی بلکہ ان کو پیدا کیا۔ ایک تو قومی احساس کا عروج ہے جس میں قومیت کے موجودہ تصور کی ابتدا بھی اور ملت کے تشخصیہ ہونے کا تخیل آگے بڑھ رہا تھا کہ یہ حکومت اور مملکت سے علحدہ چیز ہے اور حکومت اس کی خدمت کے لئے ہے اس امر کی وضاحت میں کہ قومی احساس کیسے آگے بڑھا اور اس میں کیا واقعات ہوئے بہت کچھ مبالغہ کا اندیشہ ہے۔ ایسی قوم جس کو ہم زمانہ حال میں عمومی کہتے ہیں یعنے جس میں شہر اور دیہات ہم سطح ہوں اور تمام طبقات کو مساوی سیاسی حقوق حاصل ہوں اور ہر چیز کے قرارداد کے تصوری اختیار ہوں۔ اس کا قرون وسطی میں کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ زمانہ وسطی کی قومی ملت تو ایسی چیز تھی کہ اس کے تمام طبقے الگ الگ تھے ہر گروہ کی نظر ابھی تک اپنے ذاتی مفاد پر لگی ہوئی تھی اور اس طرح سے حقیقی عضوی یک جہتی کا صورت گیر ہونا تو بہت مشکل تھا لیکن اگر زیادہ نہیں تو یہ بھی مشکل تھا کہ کم از کم ہر شخص موجودہ مملکت کی طرح آگے قدم رکھکر اپنا رجحان معین کرے اور ملکی معاملات کے ایک پہلو سے دلچسپی لے اور اسی حد تک عملی حصہ لے۔ ہنری سوم کے عہد میں جو چیز ظاہر ہوتی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ اس عہد میں اس نتیجے کی موہوم داغ بیل پڑ رہی تھی جو بالآخر وجود میں آنیوالا تھا۔ تاہم جو کچھ بھی ہو رہا تھا وہ اس زمانے کے لحاظ سے معمولی تبدیلی نہ تھی بلکہ اس وقت بھی اس کے معنی یہ تھے کہ ایک جدید سیاسی اثر اور مملکت کا ایک جدید تخیل پیدا ہو رہا ہے اور وہ بھی دوسرا تغیر ہے جو اس عہد کو خاص طور پر نمایاں کر دیتا ہے۔

نظام جاگیری جس سے مملکت کی ایک تشکیل عمل میں آئی تھی تیرھویں صدی میں آ کر اس کے تمام عملی پہلو پارہ پارہ ہو رہے تھے اس کی بڑی خدمت یہ تھی کہ اس زمانے میں جب کہ

سیاست منتشر تھی یہی مملکت کی شیرازہ بندی کرتا تھا۔ اب اس کی ضرورت باقی نہ تھی۔ اس
کے مقتضانہ ۔ عادلانہ ۔ فوجی اور مالی خدمات مملکت ختم ہو چکے تھے اور ان تمام خدمات
کے انجام دینے کے اس سے بہتر طریقے پیدا ہو رہے تھے۔ ان کے معدوم ہونے کے ساتھ
اس تغیر میں جو قومی احساس کا باعث ہوا ہے جاگیری مملکت کا عام مفہوم بھی غائب ہو گیا۔
پہلے کی طرح اب پادشاہ رئیس وابستگان نہیں سمجھا جانے لگا اور سلطنت اب اس کی بیرونی
اور اس کی جاگیر نہیں سمجھی جاتی تھی۔ کہ جس طرح چاہے اس کو تصرف میں لائے۔ اب اس
کی جگہ یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ پادشاہی ایک عہدہ ہے اور بادشاہ کا اصل فرض یہ ہے
کہ وہ ملت کا فائدہ دیکھے اور اس کی خدمت کرے خواہ یہ فائدے خود پادشاہ کے ذاتی
فائدوں سے کیوں نہ ٹکراتے ہوں یہ مجموعہ جسے معاصر "ملت" کہتے تھے اور جس کو ہم ابھی "قوم"
کے نام سے موسوم نہیں کر سکتے آہستہ آہستہ ایک شخصی وحدت یعنی ایک متحدہ شخصیہ کی صورت
میں آ رہی تھی یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ اس کے لئے ایسے اغراض اور مقاصد ہو سکتے تھے جو پادشاہ
کے ذاتی مقاصد سے متصادم ہوتے اور ان کو نقصان پہنچتا۔ ایسی صورت میں پادشاہ
کے مفاد کو سرنگوں ہونا چاہئے تھا اور ملت اس بات پر اڑ سکتی تھی کہ اس کے
مطمح نظر کا بول بالا ہو اگرچہ یہ نشو ناعظم کا محدود تصور تھا کہ بیرنوں کو پادشاہ کی دست درازیوں
سے اپنے ان حقوق کو بچانے کا حق حاصل ہے جو اپنے اساسی اصولوں سے مشتق تھے جن پر
مملکت کے جاگیری عضویت تعمیر کی گئی تھی لیکن اب یہ خیال زمانہ حال کے قومی مملکت
کے تصور میں اور حکومت اور ملت محکوم کے تعلقات کی صورت میں بہت پھیل رہا تھا۔

ہنری سوم کی بدعنوانیاں ۔ جو کچھ ہو رہا تھا اس کے اصل مفہوم کی وضاحت
کی کوشش میں یہ خیال نہ ہونا چاہئے کہ یہ ایک محض نظری یا تصوری تغیر تھا یا کسی بہترین
صورت حال کو پیش نظر رکھ کر اس کی افتاد کی گئی تھی۔ بات یہ ہے کہ اس کی وجہ چند خاص
بدعنوانیاں تھیں اور یہ چند خاص شکایتوں کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ انگریز بیرنوں
کو اس بات کی سخت شکایت تھی کہ پادشاہ نے غیر ملکی مصاحبوں پر جن عنایات کی
بھرمار کی ہے وہ خود بیرنوں کا حق ہے۔ پادشاہ جس جوش و خروش سے ملک کے باہر
اپنے ایسے اغراض کی تکمیل کرتا تھا جس سے قوم کو کوئی تعلق نہیں تھا مگر ان کے لئے قوم
کو روپیہ بھرنا پڑتا تھا اس سے انگریزوں میں جو اپنے کو پادشاہ کی "قدرتی رعایا" سمجھتے تھے

کے خلاف ایک مجموعی ہستی اور مجموعی مفاد کا احساس پیدا ہو گیا جو لوگ اس ہلچل میں شریک تھے ان سے یہ کہا جاتا تھا کہ وہ ایک طرف انگریزا اور غیر انگریزا اور دوسری طرف اپنے مفاد اور بادشاہ کے جداگانہ مفادمیں تمیز کریں۔ جوں جوں یہ عہد آگے بڑھتا گیا بادشاہ اور ملت محکوم کے تعلقات کا یہ جدید تصور زیادہ روشن اور حاوی ہوتا گیا مگر ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی قوم کی عملی ذہنیت نے اس واقعے کی ایسی نظری توجیہ نہیں کی جو جامع ہوتی بلکہ اپنے زمانہ کے وہ اغراض جن لئے جو اس وقت مسلط تھے اور ان کو قانونی شکل میں پیش کر دیا۔ بات یہ ہے کہ بادشاہ کو مفادِ ملّت کا پابند بنانے کے لئے ان لوگوں نے دستورِ اعظم کے اصول کا ایک جدید انطباق پیدا کر دیا تھا۔

پہلے پہل یہ خیال دامنگیر معلوم ہوتا تھا کہ اگر بادشاہ سے دستورِ اعظم کی پابندی کا ازسرِ نو بیّن الفاظ میں وعدہ لیا جائے تو بادشاہ کے ہاتھ بندھ جائیں گے اور وہ ان بدعنوانیوں کے ارتکاب کی جرأت نہیں کر سکے گا جن کی بیرنوں کو شکایت تھی۔ چنانچہ دستور کی پہلی توثیق جو ۱۲۲۳ء میں عمل میں آئی وہ اسی مفہوم میں ہوئی تھی اور یہ اسی قسم کے بے شمار وعدوں کی پہلی کڑی ہے جو اگلی دو صدیوں میں عمل میں آئے ہیں۔ بادشاہ نے تجدید کو ایک خاص دستور کی شکل میں منظور کیا جس کو "دستور خرد" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور اسقفِ اعظم کنٹربری نے ایک مذہبی خطبے میں قدیم اخراجِ ملّت کے اصول کو پھر زندہ کر کے کہا کہ اس دستور کی خلاف ورزی کرنے والے سب مذہب سے خارج ہو جائیں گے۔ لیکن یہ بہت جلد معلوم ہو گیا کہ بادشاہ کے ایسے وعدے کافی نہیں ہیں جس طرح ہنری کے باپ کے عہد میں ہوا تھا ہنری کے عہد میں بھی یہ پیچیدہ سوال پیدا ہو گیا کہ اگر بادشاہ اپنے وعدوں کی پابندی نہ کرے تو اس کے ساتھ کیا طرزِ عمل اختیار کرنی چاہیئے۔ ساتھ ہی یہ بھی ٹھیک تھا کہ جن بدعنوانیوں کی اس وقت شکایت کی گئی تھی وہ گزشتہ عہد کی بدعنوانیوں سے مختلف تھیں۔ ہنری سوم جس بات کا ملزم تھا وہ سب کچھ جاگیری قانون کی خلاف ورزیاں نہیں تھیں بلکہ زیادہ تر ایسی بدعنوانیاں تھیں جو انصرامِ حکومت سے متعلق تھیں یعنی مملکت کا روپیہ برباد ہوتا اور مملکت کے مفاد کو خود اپنے اور اپنے مصاحبوں کے مفاد پر قربان کیا جاتا۔

ان حالات میں یہ بات بہت جلد سمجھ میں آ گئی کہ اگر ان بدعنوانیوں کا صحیح معقول

میں سدباب کرنا ہے تو بادشاہ پر دباؤ ڈالنے کی کوئی دستوری شکل ایسی دریافت کرنی چاہئے جیسے پچھلے بیرنوں نے منشور کے باب ۶۱ میں اختیار کی تھی۔ اگرچہ تھا قب اشاعتوں میں یہ باب حذف کر دیا گیا تھا مگر ابھی یہ باب اور اس کا طریقۂ کار فراموش نہیں ہوا تھا اس میں تجویز یہ تھی کہ اگر بادشاہ اپنے وعدوں کی خلاف ورزی پر اڑ جائے تو اس کو بیرنوں کی ایک مجلس کے تابع کر دینا چاہئے جو خود بادشاہ کے سامنے جوابدہ نہ ہو۔ اس وقت جو پیچیدگی تھی وہ تمام انصرام حکومت کے متعلق تھی چنانچہ اس کے لئے مجلس عظمیٰ نے ۱۲۴۴ء میں دستور کی ایک وسیع ترمیم تجویز کر لی اور اس کو آئینی شکل میں پیش کر دیا۔ تجویز یہ تھی کہ مملکت کے بڑے حکام جن کو مجلس عظمیٰ مقرر کرے گی اور جو مجلس کی سامنے جوابدہ ہوں گے ہمیشہ بادشاہ کے ہمراہ رہیں گے اور یہی بادشاہ کے نام سے حکومت چلائیں گے۔ دوسرے الفاظ میں مجلس عظمیٰ نے انصرام حکومت کو بادشاہ کے ہاتھ سے نکال کر اپنے قبضے میں لے لیا اور ایک قطعی دستوری تجویز کی صورت میں اس امر کا یقین کر لیا کہ آیندہ حکومت کا انصرام بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح مجلس چاہے گی۔ یہ بہ یک نظر معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں اور موجودہ صورت حال میں جو موجودہ دستور کی پیداوار ہے کس قدر صریح مشابہت ہے۔ اس وقت بھی حکومت کا انصرام ایسی ہی جماعت کرتی ہے اور بادشاہ کے نام سے کرتی ہے جو حقیقت میں پارلیمنٹ کی ایک کمیٹی ہوتی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دونوں کے طریقۂ کارروائی میں زمین آسمان کا فرق ہے موجودہ دستور میں بظاہر کوئی ادارہ ایسا نہیں ہے جو بادشاہ کے اختیارات محدود کرے۔ نہ ہی ہر کوئی عہدہ دار رسمی طور پر پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ وار نہیں ہے سچ پوچھو تو انگریزی دستور کی آخری منزل مقصود تھی جس کا ۱۲۴۴ء میں صرف عکس پڑا تھا ظاہر ہے کہ اس زمانے کے ادارتی تجربات اسی نتیجے کی راست رہنمائی کر رہے تھے لیکن اس نتیجے کے حاصل کرنے کے لئے ایک پیچیدہ طریقۂ کار کی ضرورت تھی جو اپنے وقت پر منکشف ہو گیا۔

قواعد اکسفورڈ۔ ہم یہ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ آیا ۱۲۴۴ء کی تجویز کو فی الواقع عملی جامہ پہنایا گیا یا نہیں اگر یہ واقعہ ہے تو پھر یہ بھی صحیح ہے کہ بادشاہ بہت جلد اس سے آزاد ہو گیا۔ اور پچھلی بدعنوانیاں پھر اپنے پورے زور سے چلنے لگیں۔ اگرچہ وقفے وقفے سے اس قسم کی اصلاحی کوششیں ہوتی رہیں مگر سب ناکام ہوئیں۔ مگر تا ۱۲۵۸ء

کی کوشش خاطر خواہ تھی جس سے بادشاہ پر قابو پانے کے طریقے تجویز کئے گئے۔ اس وقت ایک دستور تجویز کیا گیا جو مکمل کہا جا سکتا ہے اور یہ کم و بیش کئی مہینوں تک پورے طور پر زیر عمل رہا اپریل ۱۲۵۸ء میں لندن میں مجلس عظمٰی کا اجلاس ہوا جس کو اس زمانہ میں رفتہ رفتہ پارلیمنٹ کا نام دیا جا رہا تھا۔ اور اس سے بادشاہ نے درخواست کی کہ مالی مشکلات میں اس کی مدد کرے۔ اس زمانے میں یہ مالی مشکلات حد سے زیادہ ہو گئی تھیں اور اس کی وجہ صرف یہ نہیں تھی کہ بادشاہ فضول خرچ تھا اور بیرونی مصاحبوں پر داد و دہش کرتا تھا جو اس وقت دربار میں بہت ذی اثر تھے۔ بلکہ بادشاہ نے زبردستی اپنی مشکلات خود بڑھا لی تھیں اور وہ اس طرح کہ پوپ کی طرف سے اپنے بیٹے اڈمنڈ کے لئے سسلی کا تاج قبول کر لیا تھا اور اس جزیرے کو خاندان ہوہن شٹوفن سے فتح کرنا پڑ رہا تھا۔ بیرنوں نے بادشاہ کو روپیہ منظور کرنے سے انکار کر دیا اور اصلاحات کا مطالبہ کیا ہنری کو سپر ڈالنی پڑی اور ضروری تغیرات کو عمل میں لانے کے لئے ۲۴ اراکین کا ایک ماموریہ مقرر کیا گیا جس میں ۱۲ آدمی بادشاہ کے اور ۱۲ بیرنوں کے مقرر ہوئے تھے اس ماموریہ نے جون میں آکسفورڈ کی مجلس عظمٰی کے ملتوی شدہ اجلاس کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کی اور اس وقت جو دستور اختیار کیا گیا تھا وہ "قواعد آکسفورڈ" کے نام سے موسوم ہے۔

جیسے اکثر کہا گیا ہے اس جدید دستور نے درحقیقت بادشاہی کو ماموریہ کی صورت میں بدل دیا۔ بادشاہ فی الواقع گویا معطل کر دیا گیا اور حکومت میں جو بادشاہ کی جگہ تھی اس پر مجالس اور ماموریوں کے وہ سلسلے قائم ہوئے جو مجلس عظمٰی کے سامنے ذمہ وار تھے گو یہ بادشاہ کے نام سے کام کرتے تھے۔ جملہ محکمہ جات حکومت کی نگرانی کرنے اور بادشاہ پر گرفت رکھنے کے لئے ۱۵ آدمیوں کی ایک مجلس بنائی گئی جو ایک مستقل کمیٹی کے طور پر کام کرنے لگی۔ ان کے اراکین میں سے ۵ اراکین بیرنوں کی جماعت میں سے تھے۔ ۱۲ آدمیوں کی ایک دوسری جماعت علیحدہ بنائی گئی کہ یہ سال میں تین مرتبہ ۱۵ آدمیوں کی کمیٹی کے ساتھ اجلاس کر کے پارلیمنٹ کے اقتدار اور فرائض کو کام میں لائے ۲۴ آدمیوں کی پہلی جماعت اس غرض سے بحال رکھی گئی کہ وہ کلیسا کے متعلقہ مسائل پر غور کر لے۔ ان کے علاوہ ۲۴ آدمیوں کی ایک اور جماعت مقرر کی گئی جو بادشاہ کی مطلوبہ امداد کا فیصلے کرتی تھی یہ بھی طے کیا گیا کہ بڑے عالمانہ عہدہ دار مثلاً صدر اعظم۔ چانسلر۔ اور مہتمم خزانہ اور

مقامی عاملانہ عہدہ دار مثلاً شیرف کو جدید حکومت مقرر کرے اور یہ لوگ جدید حکومت کے سامنے ذمہ دار ہوں ۔

آگے چل کر یہ ثابت ہوگا کہ اس جدید دستور نے اس مواد کو جس کی ۱۲۵۸ء میں خام بنیاد رکھی گئی تھی اور ۱۲۶۴ء میں اس کی کچھ توسیع ہوئی تھی بہت پھیلا دیا ۔ اس نے بادشاہ کو بالکل مسلوب الاختیار کر دیا جس پر کوئی بھروسہ نہیں ہو سکتا تھا ۔ اور ایک ایسی حکومت مقرر کر دی جو براہِ راست پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار تھی ۔ اگرچہ یہ پارلیمنٹ اس زمانے میں ایسی نیابتی جماعت نہیں تھی جیسے بعد کو ہوئی مگر یہ بیرنوں کی حد تک اس طبقۂ ملت کی نائب تھی جو اس زمانے تک تنہا انصرام مملکت میں براہ راست حصہ لیتا تھا ۔ جیسے پہلے بیان کیا گیا ہے ۱۲۵۸ء کا تجربہ جس کی کوشش یہ تھی کہ منشور اعظم کے تصور کو عملی اور قابل عمل ادارات کی شکل میں ظاہر کیا جائے تیرھویں صدی کی بڑی کامیابی ہے ۔ ان معنوں میں یہ آئندہ زمانے کے لئے زمانۂ وسطیٰ کے تجربے کی ایک موثر نظیر تھی یعنے کوشش یہ تھی کہ محدود شاہی کو ایسے اوارتی قالب میں لایا جائے جو زمانۂ موجودہ کی بالواسطہ طریقہ ذمہ داری کے برخلاف پارلیمنٹ کے سامنے بلا واسطہ ذمہ دار ہو ۔

حقیقی کام کے لحاظ سے "قواعد اکسفورڈ" کچھ دیرپا ثابت نہیں ہوئے بادشاہ کو بہت جلد بیرنوں کے خلاف ایک مخالف جماعت کھڑی کرنے کا موقع مل گیا اور ۱۲۶۱ء میں اس نے "قواعد" کی آئندہ پابندی سے انکار کر دیا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خانہ جنگی شروع ہو گئی ۔ ۱۲۶۳ء کے آخر میں یہ سمجھوتہ ہوا کہ بادشاہ اور بیرنوں کے باہمی تنازعات شاہ فرانس لوئی نہم کے فیصلہ ثالثی کے سپرد کئے جائیں ۔ لیکن جب شاہ فرانس نے "قواعد اکسفورڈ" کے خلاف فیصلہ صادر کیا تو اس کو بیرنوں نے نہیں مانا ۔ اگرچہ شاہ فرانس نے یہ شرط قرار دی تھی کہ بادشاہ کو منشور کی پابندی کرنی چاہیئے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کا سلسلہ جاری رہا ۔ ۱۲۶۴ء کے موسم بہار میں جنگ لیوئس میں بیرنوں کی فوجوں نے سائمن ڈی مانٹفرٹ ارل لیسٹر کے ماتحت شاہی فوجوں پر فیصلہ کن فتح پائی اور خود بادشاہ اور اس کے بیٹے اڈورڈ کو قید کر لیا ۔ سائمن نے ایک سال سے زیادہ بادشاہ کو گرفتار کر رکھا اور بادشاہ کے نام سے خود حکومت کی ۔ یہ کام ایسا تھا کہ اس میں بہت سی مشکلیں تھیں اور اس سے پارلیمنٹ کی شروعات کے سوا کوئی دستوری ترقی عمل میں نہیں آئی ۔

بیرنوں کی مخالفت ۔ ماہ اگست ۱۲۶۵ء کی جنگ ایوشام کے بعد جس میں سیمن ڈی مانٹفرٹ قتل ہوگیا اور اس کی فوج تتر بتر ہوگئی تھی اڈورڈ جس کی فوجی تدبیر سے یہ کامیابی حاصل ہوئی تھی حکومت پر حاوی ہوگیا۔ اکثر واقعات سے مترشح ہوتا ہے کہ اڈورڈ کو فریق مخالف کے تمام مطالبات کے ساتھ جو واقعی بدعنوانیوں سے متعلق تھے پوری ہمدردی تھی اور ۱۲۶۷ء میں جو "قانون مارلبرو" پاس کیا گیا تو اس میں معتدبہ اصلاحات شریک کی گئیں اور یہ قانون تیرھویں صدی کے نصف ثانی کے عظیم الشان سلسلۂ قوانین کی پہلی کڑی ہے۔ تاہم اس میں "قواعد اکسفورڈ" کی وہ ادارتی تبدیلیاں اختیار نہیں کی گئیں جس کا مقصد بادشاہ کے اختیارات کی حد بندی کرنا تھا لہٰذا اس بحرانی کیفیت کے اثرات صرف اس قدر ثابت ہوئے کہ محدود شاہی کا خیال بالکل تازہ ہوگیا اور اس کو عمل میں لانے کی گو چند دنوں کے لئے سہی ایک مثال قائم ہوگئی ۔ ان واضح نتائج کے علاوہ ایک اور چیز بھی یاد رکھنی چاہئے اور وہ مخالفت کا وجود ہے جو بیرن بادشاہ کے ساتھ کرنے لگے تھے ۔ اگرچہ یہ چیز بہت کم محسوس ہوتی تھی لیکن کم موثر نہ تھی ۔ اس سے مراد جاگیردار بیرنوں کی مخالفت نہیں ہے جو شاہی اقتدار سے باہر نکل کر اپنی چھوٹی علداریوں میں آزاد ہونا چاہتے تھے ۔ بلکہ ایک بڑے طبقے کی مخالفت مراد ہے جس میں ایک مجموعی وحدت کا نمایاں جذبہ پایا جاتا تھا اور تمام ملت محکوم کی نمایندگی کا مدعی تھا ۔ اور نیز مدبر مملکت اور مرکزی نظم و نسق کے انصرام میں اپنے خاص حقوق کا طلبگار تھا ۔ ہنری سوم اور اس کے جانشینوں کے عہد ہائے حکومت میں بیرنوں کی جو کشمکش ہوئی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیرن محض خود غرضانہ طور پر خود اپنا مطلب منفعت چاہتے تھے اور موقتی فائدے کے علاوہ کوئی بہت بڑا مدعا ان کے ذہن میں نہیں تھا ۔ مگر بات یہ ہے اسی مخالفت کی بدولت بادشاہ کو قابو میں لانے کی بہت سی نظیریں جمع ہوتی گئیں اور قانون اور آئینی دقائق میں ۔ بعض عظیم الشان دستوری اصول مدون ہوگئے ۔ بیرنوں کی مخالفت میں اگرچہ آخری انجام کار کی کوئی پیش بینی نہ تھی اور وہ اپنی تدابیر کے صحیح مفہوم سے بہت کم واقف تھے تاہم اس سے دستور کی حفاظت ہوگئی اور پارلیمنٹ کے آنے تک دستور میں ایک جان پڑ گئی ۔ یہ پارلیمنٹ انجام کار کے دیکھنے میں اسی طرح قاصر تھی جیسے خود بیرن تھے ۔ لیکن اس کی حکمت عملی میں استقلال اور تسلسل تھا اور یہ دستور کی حفاظت اور ترقی کے لئے تیار تھی

جاگیروں کے اثرات کا زائل ہونا۔ ان عظیم الشان دستوری نتائج کے علاوہ جو اس عہد میں بادشاہ اور بیرنوں کی باہمی کشمکش کی بدولت ظہور میں آئے تھے۔ بے شمار چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں بھی واقع ہوئیں۔ جن کی اہمیت ناقابلِ فراموش ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں سیاسی جاگیریت جلد جلد زائل ہو رہی تھی۔ سلطنت ہر طرف سے بیرنوں کی خدمات سے بے نیاز ہو رہی تھی حالانکہ یہ خدمات ایک زمانے میں انصرامِ حکومت کے لئے ناگزیر تھیں۔ فوجی جاگیری خدمت بھی جو ایک زمانے میں مملکت کا بڑا سہارا تھی اب غیر ضروری ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی بجائے تنخواہ یاب سپاہیوں کی بہت قدر ہونے لگی تھی اور ان بیرنوں اور ان کے خدام سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا رہا تھا جو اگرچہ بالکل تنخواہ یاب سپاہی نہ ہوں مگر اپنی خدمت کی جاگیری میعاد ختم ہونے کے بعد تنخواہ لے کر میدان میں ٹھہرتے تھے۔ اس خدمت کی قدر و قیمت اس قدر گھٹ گئی تھی کہ اب بیرنوں سے بہت کم مطالبہ ہوتا تھا کہ اپنے ذمے کی فوجیں، پوری کی پوری میدان میں لائیں۔ اور اس قسم کی جلد جلد نظیریں قائم ہو رہی تھیں کہ اگر بیرن اپنی معینہ تعداد مبارزاں میں سے ایک مختصر تعداد بھی بہم پہنچا دیں تو ان کی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے۔

جاگیرداروں کی عدالتی خدمت میں جو تغیر ہو رہا تھا وہ بھی اسی تیزی سے ہو رہا تھا۔ اگر مجلس عظمیٰ کی عدالتی حیثیت دیکھی جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی معیار کیفیت اور طریقۂ کارروائی جوں کی توں رہی۔ اور یہی بات چھوٹی کونسل پر بھی جبکہ وہ بطور عدالت کے کام کرتی تھی صادق آتی ہے۔ یہ عدالتی مجلسیں اب تک اسی حالت میں تھیں جیسے جاگیری زمانے میں تھیں۔ لیکن جب ہم جدید عدالتی ادارات اور کونسل کی دوسری شاخوں پر غور کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جن خطوط پر بارھویں صدی میں ترقی شروع ہوئی تھی انہیں خطوط پر یہ ترقی برابر سرعت کے ساتھ آگے بڑھتی جاتی تھی۔ پیشہ ور عادل ان جدید عدالتوں کے لازمی اجزا ہونے لگے تھے اور بیرنی مجلس کا پرانا نظریہ از یاد رفتہ افسانہ ہوتا جا رہا تھا۔ یہ ادعا بھی باقی نہ تھا کہ یہ عدالتیں بیرنوں کے لئے عدالتہائے امرا کے طور پر کام دیں گی۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ چیز چھوٹی یا بڑی کونسل کے کسی نہ کسی شکل میں پوری ہو جاتی۔ شقوں کی کثرت اور نالشات کی تفریق اور منفصلہ مقدمات کی کثیر تعداد کی وجہ سے قانون عرفی بہت ترقی کر گیا تھا۔ اور زمانہ سابقہ کے

برخلاف اب اس کے لئے خاص معلومات کی ضرورت تھی۔

قانون عرفی پر دوسرا بڑا مقالہ برکٹن (Bracton) کا ہے جو اس صدی کے قریب قریب وسط میں لکھا گیا ہے۔ اگرچہ اس میں پہلے مقالے گلینویل کے عام اسلوب کی تتبع کی گئی ہے لیکن یہ حجم میں اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس مقالہ میں ایک بہت ترقی یافتہ قانون پیش کیا گیا ہے اور مفصلہ مقدمات کی سیکڑوں نظائر گنائے گئے ہیں۔ لیکن بادشاہ کے اختیارات خصوصی کے صریح مظہر ہونے کی وجہ سے قانون عرفی کی اشکال میں اب تک جو لچک اور اقسام مقدمات پر منطبق ہونے کی قابلیت تھی وہ زائل ہو رہی تھی۔ اور قانون عرفی اب جامد ہو رہا تھا اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ ہر جدید مقدمے کو اگر قانون عرفی کی عدالت میں دائر کرنا ہو تو اس کے معینہ دفعات کے تحت لانا چاہئے۔ ان عدالتوں کے نقصان کی تلافی کرنے کے لئے چھوٹی کونسل نے نہایت کشادہ دلی کے ساتھ عام عدل گستری کا کام شروع کر دیا تھا کہ خاص مقدمات کی دادرسی کے لئے بادشاہ کے پاس عرضداشتیں پیش کی جائیں تاکہ اس طریقے سے زیادہ آزادی کے ساتھ بادشاہ کے آلۂ اختیار خصوصی کا کام دیں کیونکہ ہر شخص کے لئے انصاف کرنا بادشاہ کا کام ہے۔ اس طرح طریقہ چانسری اور قانون نصفت کی ترقی کا راستہ پڑ گیا۔ ضابطۂ فوجداری میں "آزمائش غیبی" کو (جو جوری کے قرار داد الزام کو جانچنے کا ذریعہ تھا) چھوڑنے سے ایک بہت بڑا تغیر شروع ہو گیا۔ اور یہ کلیسا کے مخالفانہ فیصلے کی پیروی تھی لیکن عدالتیں اب تک ایک ایک چیز کو اول بدل کر تجربہ کر رہی تھیں۔ اور دوسری جوری یعنے بڑی یا الزامی جوری اور چھوٹی جوری کے موجودہ نظام کو صورت پذیر ہونے کے لئے ایک اور صدی کی ضرورت تھی۔ اس عہد کے دوران میں ششماہی عدالتوں (Assizes) اور خاص طور پر ایسے عادلوں کا جو ان عدالتوں کے لئے عارضی طور پر مقرر کئے جاتے تھے بہت رواج ہو رہا تھا۔ برخلاف اس کے مرکزی گشتی عدالت وسیع تر دائرہ اختیار کے ساتھ وقفے وقفے سے صوبوں میں دورہ کرتی تھی اور عرصے تک نصفت کے اختیار خصوصی کو بھی استعمال کرتی تھی کیونکہ اس کے متعلق خاص طور پر یہ سمجھا جاتا کہ یہ بادشاہ کی خاص طور پر نیابت کرتی ہے۔ عدالت اور قانون کی یہ تمام ترقیاں جاگیری اثر سے آزاد تھیں یا اگر اثر تھا بھی تو بہت ہی موہوم سا تھا۔

اسی طریقے سے جاگیرداروں کے خانگی اختیارات عدالت کی سمت میں بھی

صاف معلوم ہوتا تھا کہ جاگیری اثر اور جاگیری مفاد زائل ہو رہا ہے۔ اس انقلاب کے نتائج جو ۱۲۵۸ء میں تو اعد اکسفورڈ کے بننے کے باعث ہوئے ہیں۔ خانگی اختیارات عدالت پر بہت کچھ روشنی ڈالتے تھے لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس زمانے کی غرض و غایت اس سے مختلف تھی جو ۱۲۱۵ء کے منشور میں ظاہر کی گئی تھی۔ اس وقت بیرنوں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ بادشاہ سے اپنی آزادی قایم رکھیں یا اپنی سیاسی حیثیت کو بچائیں بلکہ ان کا مقصد بالکل مالیاتی تھا۔ سب سے بڑی بحث انتظام عدالت اور سماعت مقدمات کے متعلق تھی اور یہ بادشاہ اور بیرنوں کے درمیان نہیں بلکہ بیرنوں اور ان کی عدالتوں کے اہل معاملہ کے مابین تھی۔ اہل معاملہ اپنے آپ کو اس انتظام عدالت سے علیحدہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور بیرنوں کو اپنے حقوق کے بچاؤ میں بڑے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ یہ تنازع اکثر و بیشتر ان عدالتہائے عامہ سے متعلق تھا جو خانگی ہاتھوں میں تھیں اور ممکن ہے اس کارروائی کا بہت پہلے سے سلسلہ پڑ گیا ہو۔ چنانچہ اس صدی کے آخر میں اس نے عدالتی اختیارات خانگی یا بیرنی یا دوسرے الفاظ میں جاگیری عدالتی اختیارات کا خاتمہ کر دیا یہاں تک کہ بیرنی عدالت برائے نام اور اس کے اختیارات صرف خیالی ہو کر رہ گئے۔ اس کا باعث دراصل بادشاہ کے اختیارات قانون عرفی کی ترقی تھی جس کے خلاف منشور اعظم کے دفعہ (۱۸) نے قدیم جاگیری قانون کی طرف توجہ دلائی تھی۔ جو بے فائدہ ثابت ہوئی باب ۱۸ میں مقدمات قبضہ آراضی کی جو منظوری دی گئی تھی وہ ایک مہلک رعایت تھی اور بیرنی عدالت کے لئے ممکن نہ تھا کہ شاہی عدالتوں کے مستحکم اور باضابطہ عدل گستری کے مقابلے میں اپنا قدم جما سکے۔ نیز ان عدالتہائے عامہ کے خلاف جو بیرنوں کے قبضے میں تھیں بادشاہ نے پہلے ہی سے تحقیقات وثایق (Qus warrents) کی کارروائی شروع کر دی تھی۔ اس میں امر کو قانونی شہادت سے یہ ثابت کرنا ہوتا تھا کہ انھوں نے کس حق کی بناء پر عدالت پر قبضہ کیا ہے۔ اور اسی کارروائی کی بدولت آیندہ عہد حکومت میں اس قسم کی بہت سی "آزادیاں" مملکت کے مقامی اختیارات عدالت میں ضم ہو گئیں۔

انتظامی تبدیلیاں۔ انتظامی ادارات کے شعبے کو دیکھو تو اس میں بھی نظام جاگیری سے موجودہ طریق نظم و نسق کے طرف اسی طرح تحویل ہو رہی تھی جس طرح دوسرے

شعبوں میں تھی۔ لیکن یہاں ایسی وضاحت ممکن نہیں ہے جیسے دیگر مضامین میں ہو سکتی ہے کیونکہ تیرھویں صدی کی تاریخ نظم و نسق کا اب تک پورے طور پر مطالعہ نہیں ہوا ہے۔ تاہم ہم کو ہنری کے عہد میں ان تغیرات کے شروعات ملتی ہیں جن کے اگلے مدارج سے ہم زیادہ واقف ہیں۔ جس طرح فوجی مشروط الخدمت میز انواج مملکت کے جاگیری عطیات تھے اسی طرح سارجنٹیاں نظم و نسق کے جاگیری عطیات تھیں۔ سارجنٹی کی مشروط الخدمت کا رقمی ادائیوں کی صورت میں منتقل ہو جانے سے جو بہت ہو رہا تھا اور جس کو تاجر (Arrentation) کہتے تھے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مملکت کو محض جاگیری خدمات سے بہتر جو انتظامی ضروریات کے لئے دوسرے خدمات مل رہی تھیں اسی طرح شاہی محل کے بڑے بڑے عہدوں کا نام اعزازی خطابات میں آہستہ آہستہ بدل رہے تھے، اور اصلی فرائض ماتحتین انجام دینے لگے تھے جو محل کے حقیقی ملازم ہو گئے تھے۔ اگرچہ چانسلر اور مہتمم خزانہ جیسے چند عہدہ داروں میں ایک دوسرا تغیر ہوا تھا کہ یہ پہلے سے زیادہ کارآمد عہدہ دار ہو گئے تھے مگر اس تغیر کے بھی یہی معنی ہیں۔

ایک تفریق جو اس عہد میں آہستہ آہستہ ہو رہی تھی جس کا اب تک پورے طور پر مطالعہ نہیں ہوا ہے وہ چھوٹی کونسل کا زمانۂ مابعد کی جماعتوں میں تقسیم ہونا ہے یعنی عدالت شاہی (King's Bench) عدالت نصفت اور انتظامی یا مجلس صلاح کار ہے۔ اس طرح یہ عدالتی اور انتظامی دونوں قسم کی تبدیلی تھی۔ یہ زمانۂ مابعد کی کونسل جہاں تک اس کے فرائض اور درجے کا تعلق ہے، سابق کونسل کے ساتھ ساتھ جاری رہی۔ ہم یہ بھی یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ کونسل حسب حال رہی یعنے اگرچہ اس نے چند فرائض کی خاص انجام دہی کو جدید جماعتوں کے سپرد کر دیا مگر اس کو اختیار رہا کہ جب چاہے وہ اپنے فرائض کو اپنے قبضے میں لے لے۔ کیونکہ یہ بادشاہ کے اختیار خصوصی کا گویا ایک آلہ تھا۔ بحیثیت مجلس انتظامی کے کونسل میں جو تبدیلی ہنری سوم کے عہد میں ہوئی وہ یہ ہے کہ اس کے مشیرانہ فرائض میں بہت زور پیدا ہو گیا، یعنے ایک بادشاہ کو مشورہ دینے کا فرض دوسرے تدبیر مملکت کی رہنمائی میں خاطر خواہ حصہ لینا۔ اس مفہوم میں رکن مجلس کا ایک جداگانہ عہدہ بن گیا جس کے تقررات بہت احتیاط سے کئے جاتے تھے اور عہدے کا حلف بھی مقرر تھا گو یہ ظاہر ہے کہ کوئی صلاح کار کونسل علیحدہ نہیں بنائی گئی تھی۔

ایڈورڈ اول جس نے عرصے تک امور سلطنت میں بطور کار آموز کے کام کیا تھا ۱۲۷۲ء سے اپنے باپ ہنری کا جانشین ہوا۔ اس کا ۳۵ سالہ عہد حکومت اسی تعمیری کام کی وجہ سے عظیم الشان حکومتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ جو انگلستان کی سیاسی اور دستوری دونوں تاریخوں میں عمل میں آیا۔ اس عہد کے دستوری شعبے میں ہم کو دو موضوع ملتے ہیں جو بہ لحاظ اہمیت دوسرے موضوعات سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ایک قانون عرفی اور عدالتی ادارات کی ترقی اور دوسرے پارلیمنٹ کی شروعات اور اس کا ارتقا۔ اس باب میں ہم کو دونوں موضوع پر بحث کرنا ہے۔

ایڈورڈ کو انگریز جسٹی نین کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے اور ایک مفہوم میں یہ نامناسب بھی نہیں ہے لیکن اس لقب میں اتنے وسیع معنی نہیں ہیں جتنے اسے پہنائے جاتے ہیں۔ جسٹی نین جس قانونی جدوجہد کے لئے خاص طور پر مشہور ہے وہ صرف ضابطہ سازی ہے، جدید ترقی نہیں، لیکن اڈورڈ میں ہم کو یہ دونوں اسباب شہرت نظر آتے ہیں۔ اگرچہ اڈورڈ کے عہد کے پہلے نصف حصے میں جو بڑے بڑے قوانین کا سلسلہ تیار ہوا وہ سب کچھ قانون عرفی کی سابقہ ترقی کی ضبط تحریر پر مشتمل تھا اور وہ کچھ اس طریقے سے کہ ہم اس کو صحیح طور پر ضابطہ سازی کہہ سکتے ہیں بشرطیکہ اس لفظ کے معنی بہت تنگ اور محدود نہ سمجھے جائیں۔ لیکن جن قوانین کو ضبط تحریر میں لایا گیا وہ سب کچھ محض عدالتوں کا بنایا ہوا مجموعۂ قانون نہیں تھا جو اس وقت رائج تھا۔ بلکہ در اصل ان امور کا ایک سلسلہ تھا جو اس عہد کی عمل ترقی کی ترجمانی کرتا تھا۔ لیکن ان امور کا اثر ایک طرف قانونی اور دوسرے طرف عدالتی ادارات پر اس قدر حاوی تھا کہ یہ دونوں زمانۂ سابق کے مرادف تھے اور ان قوانین کو آیندہ ترقی کا ایک ابتدائی زینہ بنا رہے تھے۔ تاہم اکثر قانون موجہ جو برکٹن میں ہم کو نہایت واضح اور روشن حالت میں ملتا ہے اور جو قانون عرفی کے آئندہ مجموعے میں جاری رہتا ہے اس کا قوانین موضوعہ میں کوئی وجود نہیں۔ اور ان قوانین کا اکثر حصہ ایسا ہے جو یا تو براکٹن میں نہیں پایا جاتا یا براکٹن کے قانون کو ایک درجہ آگے بڑھا دیتا ہے۔

لفظ "قانون موضوعہ" (Statute) ایڈورڈ کے زمانے میں ہر نوعِ ضابطہ کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ جو حکومت کے اختیار سے جاری ہو اور دوامی سمجھا جائے

اور اس بات کے کسی حوالے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی کہ یہ کس طریقے سے وجود میں آیا ہے۔ چنانچہ اس کے کوئی خاص معیّن اور اصطلاحی معنی نہیں تھے جو بعد کو پیدا ہوئے۔ آگے چل کر یہی نام ایسے ہی ضابطوں کے لئے اختیار کر لیا گیا۔ اور یہ کچھ نامناسب بھی نہیں تھا کیونکہ قانون کی ترقی پر ان کا خاصہ اثر تھا۔ مگر ہر صورت میں یہ نہیں فرض کرنا چاہئے کہ ہر موضوعہ قانون اس زمانے کی ابتدائی پارلیمنٹ نے وضع کیا ہوگا۔ ان معنوں میں قوانین موضوعہ کی ایک طویل فہرست ہے جو پہلے بیس سال کے دوران میں پاس ہوئے۔ قانون موضوعہ ویسٹ منسٹر اوّل اپنے مقام سے موسوم ہے جہاں یہ وضع ہوا۔ یہ ۱۲۷۵ء میں بنا۔ یہ ایسا جامع ہے کہ اکثر امور پر حاوی ہے۔ دوسرے سال قانون رگمین (Rageman) کے نام سے اس کا ضمیمہ نکلا۔ قانون گلوسٹر ۱۲۷۸ء میں پاس ہوا جو السائر محدالتقول اور تحقیقات و تنائج کی کارروائی سے متعلق ہے۔ قانون دست مردہ (Mortmain or *De viris religiosis*) ۱۲۷۹ء میں بنا۔ قانون اکٹن برنل یا قانون تجاراں ۱۲۸۳ء میں بنا اس میں اس رواج کو قانونی کی شکل میں لایا گیا تھا جو اکثر مقامات میں مروّج تھا کہ تاجروں کے وصول طلب قرضے درج رجسٹر ہونے چاہئیں تاکہ قانونی تصفیے کے بعد یہ بہت جلد وصول ہو جائیں۔ قانون ویلز اور قانون رہڈلن (Rhuddlan) ۱۲۸۴ء میں بنے۔ مقدم الذکر نے قانون عرفی کو ملک ویلز میں جاری کیا۔ اور دوسرے کا منشا یہ تھا کہ قانون عرفی کے مقدمات کی سماعت عدالت خزانہ میں نہ ہونی چاہئے۔ بشرطیکہ ان سے بادشاہ کو براہِ راست تعلق نہ ہو۔ قانون ویسٹ منسٹر دوم، قانون ونچسٹر اور (Circumspecte agatis) ۱۲۸۵ء میں بنے۔ مقدم الذکر قانون سے جو اراضی اور دیگر مضامین سے بحث کرتا ہے اور دوسرا اسلحہ اور کوتوالی سے متعلق ہے اور تیسرا مذہبی عدالتوں کا دنیوی عدالتوں سے تعلق ظاہر کرتا ہے۔ قانون ویسٹ منسٹر سوم یا قانون انتقال اراضی (Quia emporters) ۱۲۹۰ء میں بنا۔

"سختہ جات ہنڈریڈ"۔ تخت پر بیٹھتے ہی ایڈورڈ نے ان تحقیقات کا کام سرعت سے از سر نو آغاز کیا جو اس کے باپ کے زمانے میں شروع ہوا تھا مگر اس کو اپنے تک نہیں پہنچایا گیا تھا۔ تمام سلطنت کے طول و عرض میں اس نے مامور روانہ کئے تاکہ ہر مقامی حلقے میں اس زمانے کی مخصوص کارروائی کے مطابق اس بات کی تحقیق کریں

کہ خانگی رؤساء کے ہاتھ میں کس قسم کے "حقوق" یا اختیارات ہیں جو عام معدلت گستری کے راستے میں خارج ہوتے ہیں۔ اس تحقیقات کا مواد "تختہ جات ہنڈریڈ" (Hundred Rolls) میں جمع کیا گیا ہے۔ مقامی روداد کا یہ مجموعہ تیرھویں صدی کے لئے اس قدر اہم ہے۔ جس قدر تحقیقات کتاب بندوبست گیارھویں صدی کے لئے اہم ہیں۔ تحقیقات وثایق Quo warranto کی تمام کارروائیاں انھیں تختہ جات پر مبنی ہیں۔ ان کی پہلی شکل قانون گلوسٹر سے وجود میں آئی۔ اس میں ماموروں کو یہ حق دیا گیا تھا کہ ملک میں دورہ کریں۔ اور رؤساء سے یہ دریافت کریں کہ وہ کس حق کی بنا پر عوام کی معدلت گستری کے فرائض انجام دینے کے مدعی ہیں۔ بریکٹن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات انگریزی قانون میں مستحکم ہو چکی تھی خواہ قبضہ کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو بادشاہ کے خلاف حق بر بنائے قدامت نہیں پیدا ہو سکتا۔ جن قانون دانوں نے ماموروں کے روبرو بادشاہ کی نیابت کی انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ بیرنوں کو عطائے "استحقاق" کے متعلق فرمان یا یا کوئی دوسری قانونی شہادت پیش کرنی چاہئے ورنہ یہ حقوق بادشاہ کے طرف عود کر جائیں گے۔

مشکل سے کوئی صورت ایسی ہوگی جن میں مطلوبہ ثبوت پیش ہو سکا اور اس تحقیقات کی بیرنوں نے بڑی سخت مخالفت کی۔ تاہم اڈورڈ کو نہ اس کی پروا تھی اور نہ اسے عقلمندانہ فعل سمجھا کہ جو اسے حاصل ہو چکا تھا اس پر اضافہ کرنے کی کوشش کرے ۱۲۹۰ء میں اس نے یہ تسلیم کر لیا کہ رچرڈ اول کی تخت نشینی سے ایک صدی کا طویل تصرف حقیت کا کافی ثبوت ہے۔ اگرچہ اکثر و بیشتر صورتوں میں مقامی عدالتی اختیارات خانگی قبضے سے نہیں چھوٹ سکے مگر کم از کم اس بات پر سختی سے زور دیا گیا کہ یہ حق عطائے شاہی کے تابع ہے اور اس حق کے استعمال میں مملکت کا حق افضل ہے اس کے علاوہ وہ حدود و اختیارات جو غصب کئے جا سکتے تھے اور جدید پیدا ہوتے تھے ان کا سد باب کر دیا گیا۔ ان اصولوں کے مطابق تحقیقات کا اس قدر کامیابی کے ساتھ عمل میں آنا خود ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت سے جب سے ہنری دوم نے اپنی اصلاحات شروع کی تھیں سو سال کے دوران میں نظام عدلیہ یعنے قومی معدلت گستری کے اصول اور مملکت کے اراضی اور ان کی وسعت میں عظیم الشان ترقی ہو رہی تھی۔ یہ بات غور طلب ہے کہ یہ کارروائیاں

عدالتہائے ملک یعنے عدالتہائے ہنڈریڈ سے متعلق تھیں جو خانگی قبضے میں تھیں۔ اور ان میں بالعموم ایسے امور بھی شامل ہوتے تھے جیسے ضمانت امن (Frank pledge) شاہی تنقیح جات کا اجرا اور مقدمات شاہی فوجداری (Pleas of the Crown) کی سماعت ملزم کی سزا اور اکثر صورتوں میں سنگین سزا یا ایسے مقدمات میں جرمانوں کی تحصیل اور ان کا تصرف بیرنوں کے مخصوص حدود و اختیار جن کا تعلق ان کے معاشی مفاد سے تھا، جوں کے توں باقی رہے اور یہ امریکہ کے توطن کے بعد وہاں کی نوآبادیوں تک میں موجود تھے۔ اسی طریقے سے ٹینیٹ بیرنی یا جاگیری عدالتی اختیارات بھی علیٰ حالہٖ باقی رہے لیکن وہ اس قدر گھٹ گئے تھے کہ صرف چھوٹے معافی داروں کے مقدمات کی جن کا رتبہ بیرنوں سے زیادہ نہیں تھا سماعت کرتے تھے اور عدالت بیرن کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے۔ اس کی گزشتہ عظمت کی دو یادگاریں باقی رہ گئی تھیں۔ ایک تو اس کا نام تھا "عدالت بیرنی" دوسرے یہ قاعدہ تھا کہ مقام عدالت کے لئے کم از کم دو معافی دار ضروری ہیں کیونکہ غیر آزاد آسامی جاگیری آسامی کا کام انجام نہیں دے سکتے تھے گو یہ واقعہ ہے کہ حقیقی جاگیری آسامی اب شریک نہیں ہوتا تھا۔

قوانین اراضی۔ ایڈورڈ کی تمام قانون سازیوں میں قوانین اراضی کا پلہ بہت بھاری ہے کیونکہ آئندہ زمانے پر ان کا گہرا اثر ہے اور یہ آج تک قریب قریب اسی شکل میں قائم ہیں جس میں وہ مرتب کئے گئے تھے۔ یہ قوانین ان بیشمار مسائل کو سلجھانے کی غرض سے مرتب کئے گئے تھے جو نظام جاگیری کے زوال سے ظہور میں آئے تھے۔ اس زوال کا نتیجہ یہ تھا کہ اراضی کے معاشی اغراض باقی تھے اور سیاسی اغراض غائب ہو چکے تھے۔ ایڈورڈ کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اس قانون سازی سے اس کا مقصد یہ تھا کہ امارت کا زور توڑ کر شاہی طاقت مضبوط کرے اور اس نے سیاست اور قانون میں اس قدر گہری بصیرت پائی تھی کہ اس کے متعلق ہم اچھی طرح یقین کر سکتے ہیں کہ وہ دیگر سلاطین سے بہت زیادہ اس معاملے کو سمجھتا تھا کہ آخری نتیجہ اس کے لئے مفید ہوگا لیکن یہی مسائل جاگیریت کے زوال کے ساتھ یورپ کی اکثر سلطنتوں میں بھی پیدا ہو چکے تھے اور اسی طریقے سے حل کئے گئے تھے چنانچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ انگریز مقنن ان مسائل سے باخبر تھے اور ایڈورڈ کے پیدا ہونے کے پہلے ہی انہوں نے اس کے حل کرنے کی کوشش کی تھی۔

اس تبدیلی سے جو جاگیری تعلقات سے زمانۂ حال کے تعلقات کے طرف عمل میں آرہی تھی ان اسامیوں کا جو "خدمتگذار جاگیر" کے قابض تھے علانیہ فائدہ ہو رہا تھا اور جاگیردار کا نقصان ۔ جاگیری قانون کی نظر میں ایک اسامی محض اسامی تھا اور اس قانون کی غلط تاویل کی وجہ سے اس کو مالک کے کوئی حقوق نہیں دیئے جاتے تھے ۔ یہ اس زمانے کا قوی میلان تھا کہ اسامی ہی کو مالک سمجھنا چاہیئے اور اس کو مالک کے جملہ حقوق دیئے جائیں اور تیرھویں صدی شروع ہوتے ہی یہ میلان زیادہ قوی ہوگیا یہ میلان آخر میں بارور تو ہوا مگر ایڈورڈ کی قانون سازی اس کے خلاف ایک ردِ عمل ثابت ہوئی، اور رد عمل بھی ایسا تھا کہ اس کی وجہ سے انگریزوں کے قوانین الاراضی پر آج تک جاگیری اثر قائم ہے اور اس سے زیادہ ہے جو دوسرے ممالک میں پایا جاتا ہے چونکہ پارلیمنٹ بڑے بڑے بیرنوں کے ہاتھ میں تھی اس لئے یہ لوگ بادشاہ کے ذریعے سے (جو سب سے بڑا زمیندار تھا) ایسے قوانین منوا لیتے تھے جن سے ان کا فائدہ تھا ۔ اس بات کے سمجھنے کے لئے کہ قانون اراضی کی کس طرح ابتدا ہوئی اور اس کے ارتقا کے منازل کیا ہیں اور پھر قانون کے دوسرے پہلو کیا ہیں جو انیسویں صدی تک اس سے پیدا ہوئے تو یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیئے کہ قانون دان اصحاب اور عدالتیں اسامیوں کے ساتھ خاص ہمدردی رکھتی ہیں اور یہ سمجھتی تھیں کہ اسامیوں کو بھی اراضی کے ساتھ من مانے تصرف کرنے کا حق حاصل ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ قانونِ اراضی کی ترقی گویا مقننہ اور عدالتوں کے مابین ایک طرح کا مجادلہ تھا ۔

قانون سازی کے مدارج پہلے درج کر دئے گئے ہیں ۔ اب یہاں ہم ان مدارج کا لحاظ کئے بغیر آسان مسائل کو چھوڑ کر پیچیدہ مسائل حل کرنے کے لئے آگے بڑھیں گے ۔ جوں جوں معاشی منفعت یعنے آمدنی کی طرف زیادہ توجہ بڑھتی گئی زمیندار کی نظر میں جاگیری لوازم یعنے نذرانہ، تولیت، ازدواج، بازگشت کی قدر و قیمت بھی بڑھتی گئی ۔ اصل جاگیریت میں ان لوازم سے کبھی معاشی فائدہ مقصود نہیں ہوتا تھا بلکہ ان سے یہ بات ثابت ہوتی تھی کہ زمیندار مالک ہے اور وابستہ ایک اسامی بازگشت اس وقت عمل میں آتی تھی جب کہ وابستہ کی نسل ختم ہو جاتی یا وہ کسی سنگین جرم کی سزا پاتا ۔ بازگشت کو اس وجہ سے خاص اہمیت تھی کہ اس سے تمام جاگیر مع اپنی تمام مالیت کے زمیندار کے قبضے میں عود کر جاتی تھی ۔ اس کے بعد منفعت کے اعتبار سے تولیت کا درجہ ہے کیونکہ اس سے وارث کی کمسنی کے دوران

میں زمیندار کو جاگیر کی تمام آمدنی حاصل ہوتی تھی، صرف شرط یہ تھی کہ وہ وابستہ کی اولاد کی تعلیم و تربیت ان کے حیثیت کے مطابق کرے حق ازدواج تولیت میں داخل تھا یالڑکی کے وارث ہونے کی صورت میں یہ مسئلہ درپیش ہوتا تھا اور قسمت سے جب اچھی بولی لگ جاتی تو اس کی مالیت کے قریب قریب آمدنی ہوجاتی سب سے کم اہمیت نذرانے کی تھی لیکن اس سے بھی ہر پیڑھی میں ایک مرتبہ جاگیر کی یکسالہ آمدنی حاصل ہوجاتی تھی۔

انتقال اراضی - سب سے آسان مسئلہ وہ تھا جب کہ معطی لہم اپنی خواہش سے کلیسا اور خانقاہ کو اپنی کل یا کچھ زمین دیتے تھے اور یہ قرون وسطی میں اکثر معطی لہم کرتے تھے کلیسا اور خانقاہ کے لئے تو کوئی موت ہی نہ تھی نہ اس کی شادی ہوتی تھی چنانچہ بازگشت، تولیت، ازدواج یا نذرانہ جیسے جاگیری اتفاقات کی کبھی کوئی صورت پیش نہیں آتی تھی جس سے زمیندار کا فائدہ ہوتا - زمین گویا ایک مردہ ہاتھ میں چلی جاتی تھی یعنے وہ "دست مردہ" کو عطا کر دی جاتی تھی۔ اس کا ایک بہت آسان علاج تھا جو تمام یورپ میں اختیار کیا گیا۔ "قانون دست مردہ" اس قسم کی انتقال الاراضی کو قطعاً مسدود کر دیا کہ ایسا انتقال معطی اعلی کی صریح رضامندی کے بغیر ممکن ہی نہیں اور اس کے خلاف ورزی کی صورت میں ضبطی کی سزا مقرر کی گئی - اگر اس پر عمل ہوتا تو ظاہر ہے کہ بہت آسان علاج تھا لیکن اس کے لئے کثرت سے اجازے دئے جاتے تھے اور پھر اس قانون نے خود ایسے طریقے پیدا کئے جو قانون دانوں کی معنی آفرینی اور عدالتوں کی عیاری سے ملکر اس تمام قانون سازی پر پانی پھیر دیتے تھے۔

جس مسئلے کو قانون انتقال الاراضی حل کرنا چاہتا تھا وہ اس کے بہت الگ تھا - ابتدائی جاگیریت نے ذیلی انتقالات کے عمل کو روکنے کی طرف کبھی توجہ نہیں کی بلکہ اسمیں ہر معطی لہ کو یہ آزادی تھی کہ خود اپنی جاگیر کے حلقے میں ماتحت جاگیردار پیدا کرے جو معطی کو بالادست جاگیردار سمجھے اور وہ خدمات انجام دے جو خود اس کی جاگیر کے لئے مشروط تھیں - حقیقۃً نظام جاگیری کا اصول یہی چاہتا تھا کہ جہاں تک ہوسکے یہ کاروائی جاری رہے بشرطیکہ سلطنت کے کاروبار کا پورے طور پر لحاظ ہوتا ہو - یہ مسئلہ اس وقت اس وجہ سے پیدا ہوا تھا کہ جاگیری قدر میں بڑا فرق پڑ گیا تھا - فرض کرو کہ ب جو ا کا ذیلی جاگیردار ہے ج کو اپنے اراضی کا ایک حصہ عطا کرتا ہے - ایسی صورت میں اگر ب کے اراضی

کی بازگشت ہو جائے یا اس کے سلسلے میں تولیت واقع ہو تو ا کو اس تمام حصے کے منافع سے ہاتھ دھونا پڑے گا جو ج کے قبضے میں ہے ۔ وہ صرف ان خدمات کا دعوے کر سکتا ہے جن کے معاوضہ میں ج نے ب سے اراضی حاصل کی تھی اور یہ خدمات مالیت یا دگان کے اعتبار سے بہت کم تھیں قانون انتقال الاراضی کے ذریعے سے بالادست جاگیرداروں نے یہ کوشش کی تھی کہ کم از کم ایک حد تک اپنے آپ کو اس نقصان سے بچالیں ۔ اس میں یہ طے پایا کہ اوپر کی مثال میں اور ایسی تمام صورتوں میں ب خوشی سے اپنی آراضی منتقل کر سکتا ہے مگر جب وہ آراضی منتقل ہو جائیں تو ج ب کے ماتحت نہیں بلکہ ا کے ماتحت ہوگا اور وہ ا کو ب کی خدمات کا حصہ ادا کرے گا جو ب کی اراضی میں سے اس کو حاصل ہیں ۔ یعنے دوسرے الفاظ میں اس قانون کے معنی یہ ہیں کہ ذیلی انتقالات سے جو حقیقیں وجود میں آئیں ان کے تمام جاگیری لوازم ب کی طرف نہیں بلکہ اس کے بالادست جاگیردار ا کے طرف منسوب ہوں گے اصولاً اس میں جاگیردار کو نقصان سے بچنے کے اس سے پہلے بھی مواقع حاصل تھے اور وہ جب چاہتا ذیلی انتقالات کو روک سکتا تھا کیونکہ معطی لہ زمین کی منتقلی کے لئے اس کی رضامندی حاصل کرنے پر مجبور تھا لیکن اس قاعدہ کا نفاذ علی العموم (سوائے بادشاہ کے متاجرین اعلے کے) نہیں ہوتا تھا ۔ اب اس قانون نے ان لوگوں کو جو ملک دوامی کے حقدار تھے حق مطلق دے دیا تھا کہ وہ اپنی جلد بد شرائط کے تحت انتقال اراضی کر سکتے ہیں ۔ بادشاہ کے متاجرین کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا ۔ ان لوگوں کو انتقال اراضی کے لئے ویسے بھی اجازت کی ضرورت تھی لیکن عملاً قانون کے دوسرے حصے ان لوگوں پر منطبق کر دئے گئے اور اس طرح جاگیری مفہوم میں ذیلی انتقال آراضی کا خاتمہ کر دیا گیا ۔ اس عملدرآمد کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ تمام زمیندار جو جاگیری حقیت رکھتے تھے رفتہ رفتہ بادشاہ کے ساتھ براہ راست وابستہ ہو جائیں اور متاجرین اعلیٰ کی تعداد بڑھے اور اس ذریعے سے جاگیرانہ خود مختاری اور جاگیری حقوق میں وسعت نہ ہو سکے پائے ۔

قانون عطایا ہائے مشروط قانون ویسٹ منسٹر دوم کا ایک حصہ ہے ۔ اگرچہ اس کا تعلق ایک بہت ہی پیچیدہ معاملے سے ہے مگر اس وقت سے بھی زیادہ آئندہ زمانے کے لئے اس کی اہمیت تھی ۔ یہ عام جاگیری عملدرآمد تھا کہ معطی خریدار کا مطلق ملک دوام

منتقل نہیں کرسکتا تھا بلکہ ایک محدود حق ملکیت عطا کرتا تھا۔ اور صورتوں کی طرح اس میں بھی
قانون جاگیری قدیم ٹیوٹانی اصولوں کا تتبع کرتا تھا جاگیریت کے اساسی اصول کی رو سے ہر فروشندہ کے لئے
یہ جائز تھا کہ وہ عطا کے ساتھ جس قسم کے شرائط چاہے وابستہ کرے۔ کیونکہ اس صورت میں بھی جب کہ مطلق
ملک دوام منتقل کی جاتی تھی اطاعت اور خدمت کے متعلق مختلف شرائط عائد کئے جاتے جس
کی پابندی لازم تھی ورنہ زمین مسترد ہو جاتی تھی کیونکہ جاگیریت کے معاشی پہلو کا پلہ سیاسی پہلو کے
مقابلے میں بھاری ہو رہا تھا اس سے وہ مواقع کثرت سے پیدا ہو رہے تھے جن کی بنا پر اراضی
بذریعۂ بازگشت واپس ہو جاتی تھی اور اس میں معطی کا کھلا فائدہ تھا۔ اس کے علاوہ اس میں
خریداروں کو جو زمینداریاں قائم کرنا اور ان کو مستحکم کرنا چاہتے تھے فائدہ نظر آنے لگا کیونکہ
اس طریقے سے وہ اپنی اولاد کو انتقال ملکیت یا نقصان سے بچا سکتے تھے۔

عود اراضی ۔ ایک ہی مثال لیجئے جو عام مثال ہے اور جس کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں
فرض کیجئے کہ الف فروشندہ ہے اور وہ ب اور اس کی اولاد نرینہ کو جو قانونی اور جائز اولاد ہے
زمین عطا کرتا ہے۔ اگر یہ عطا قانون کے مطابق ہے تو ظاہر ہے کہ مقررہ ورثا کے علاوہ
کوئی دوسرے لوگ اس عطا کے وارث نہیں ہو سکتے۔ اور اس میں بازگشت کا بہت موقع
ہے۔ ایسی بازگشت کے لئے جو مشروط عطا سے متعلق تھی عود کی اصطلاح استعمال ہونے لگی
کہ زمین معطی کو عود یعنے واپس ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ نہ تو معطی لہ کو نہ اس سلسلے
کے قابض مابعد کو یہ اختیار تھا کہ اپنے ورثا کو زمین سے بے دخل کردے کیونکہ عطا میں تمام ورثا
اور متعلقین کے نام تو درج نہیں کئے جاتے تھے۔ مگر چند مخصوص ورثا کا نام ضرور معطی لہ کے ساتھ
دستاویز میں مندرج ہوتا تھا ہر قابض کو یکے بعد دیگرے زمین سے صرف حین حیات
فائدہ اٹھانے کا حق تھا۔ اس عطا سے جاگیر بالکلیہ منتقل نہیں ہوتی تھی بلکہ اس میں سے
گویا کچھ حصہ منقطع (taille) کر لیا جاتا تھا اس لئے خریدار کو ملک دوام نہیں بلکہ
"ملک منقطع" حاصل ہوتی تھی۔ اور اس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ "ملک منقطع" (entaille)
کا قابض ہے یعنے اس کی جائداد منقطع ہے۔ مشروط عطا کی وجہ سے عود کے جو مواقع پیدا
ہو گئے تھے وہ خود ایسے حقوق تصور کئے جاتے تھے جو معطی کے قبضے میں باقی رہ گئے ہوں اور
وہ انھیں اپنی حسب خواہش ایک تیسرے فریق کے ہاتھ فروخت کرسکتا تھا۔ یعنے وہ اپنے
حق عود کو فروخت کرسکتا تھا یا اگر وہ چاہے تو اس کو تقسیم بھی کرسکتا تھا اور اصل عطا میں

یا بعد کی عطا میں اس کا ایک قطعہ دوسرے کو منتقل کر سکتا تھا ۔ وہ اپنی زمین ڈ اور اس کے جائز اولاد نرینہ کو عطا کر سکتا تھا اور اس کا حق عود اس کے بھائی ج یا اس کی بیٹی کو عطا کر سکتا تھا اور اس کے متعلق وہی شرائط ہو سکتے تھے جو زناء کے سلسلے میں تھے یعنے اس صورت میں ب کو پہلی نسل ختم ہونے کی صورت میں زمین مسترد نہیں ہوتی تھی بلکہ قائم رہتی تھی یا ج کے دوسرے سلسلے کو مل جاتی تھی ۔ اس طریقہ سے حق بقیہ پیدا ہو گیا اور حقداران بقیہ کا سلسلہ قائم ہو گیا ۔

یہ سب کچھ جاگیری اصولوں کی سیدھی سادی توسیع تھی اور اس کو قانونی بنانے کے لئے کسی قانون سازی کی ضرورت نہ تھی لیکن اس سے آزادانہ انتقال اراضی کا راستہ بند ہوتا تھا اور اگر بقیہ کا وارث اپنے حقوق بیچنا چاہتا تو اس کو وہ منفعت نہیں ہوتی تھی جو اصل معطیٰ لہ کو ہوتی تھی ۔ دوسری صورتوں کی طرح قانون داں اور عدالتیں جائداد کی بھی مطلق بیع وشرا کے موئد تھے اور انھوں نے ایک سہی تاویل کر کے ”انقطاع“ کو توڑنے کی ایک سبیل نکال لی تھی ۔ عطا کے متعلق یہ تاویل کر لی گئی کہ یہ ب اور اس کے ورثاء کی ہے بشرطیکہ خود ب کے نرینہ وارث ہوں اور وارث نرینہ کے پیدا ہوتے ہی ب اس بات کا مجاز گردانا گیا کہ وہ ملک دوام کو دوسرے شخص کے نام منتقل کر سکتا ہے حالانکہ وہ خود اس پر اب تک قابض نہ تھا ۔ قانون عطایائے مشروط اس فیصلہ کے خلاف مرتب کیا گیا تھا جو عدالتیں صادر کر رہی تھیں ۔ اس قانون نے اس تاویل کو غیر قانونی قرار دیا اور اس بات کا اعلان کیا کہ عطیات مشروط کی تاویل شرائط عطا کے مطابق کرنی چاہیے اس سے جاگیریت کی ترقی از سر نو انھیں اصول پر دوبارہ شروع ہو گئی جو اس کے لئے مناسب تھے اور طریق انقطاع ہمیشہ کے لئے مستقل ہو گیا لیکن حقیقتہً اس چیز نے قانون دانوں کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ انقطاع کو توڑنے کا کوئی اور طریقہ پیدا کریں ۔

انسداد انقطاع ۔ کتاب ہذا کے اغراض کا لحاظ کرتے ہوئے اس تمام تاریخی ارتقاء کی تفصیل دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے جس میں ایسے قوانین کو اور بالخصوص قانون عطایائے مشروط کو توڑنے کی غرض سے جو آزادانہ انتقال اراضی کے مخالف تھے متعدد تدبیریں مستقل طور پر اختیار کر لی گئیں حالانکہ ان کی مخالفت میں پارلیمنٹ کی طرف سے کئی قوانین نافذ ہوئے تاہم دو بڑے نتائج کو مختصر طور پر یہاں ظاہر کر دینا لازمی ہے ۔ عطائے ”دست مردہ“

کے خلاف سابق میں جو ضابطے بنے تھے ان کو "سازشی مقدمات" سے جن کو "مقدمات استحصال"
کہتے تھے سابقہ پڑتا تھا ۔ ا ایک قطعۂ زمین ل کی خانقاہ کو دینا چاہتا ہے مگر اس کو اس عطا کی
اجازت نہیں ملتی ۔ باہمی سمجھوتہ سے خانقاہ زمین مذکور کے لئے ا کے خلاف عدالت میں
مقدمہ دائر کرتی ہے اور زمین مذکور پر ا سے زیادہ اپنا حق ثابت کرتی ہے اور ا مقدمے کو
عدم پیروی میں کھو دیتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عدالت کے فیصلے سے زمین خانقاہ کے نام
منتقل ہو جاتی ہے ۔ یہ چیز اس کارروائی کی بنیاد ہو گئی جس کو بعد میں "استحصال عام" کہنے لگے
اس کو پندرھویں صدی کے آخر میں ایک مستقل شکل دے دی گئی اور انقطاع کو توڑنے اور
اس کے انسداد کرنے کے لئے استعمال کی جانے لگی ۔ یہ استحصال عامہ ایسی چیز تھی جس کو
اصول "ضمانت نامہ" (Doctrine of warranty) نے بہت پھیلا دیا ۔ گو اس اصول کی بعض شکلیں
سیکسنوں کے زمانہ سے چلی آتی ہیں ۔ لیکن یہ شکل جدید خاص طور پر مالک کی حقیت کو
زیادہ مستحکم بنانے کے لئے استعمال ہوتی تھی ۔ ا سے ایک "منقطع جائداد" خریدنے
کی خواہش میں ب متذکرۂ بالا مقدمہ دائر کرتا ہے لیکن ا بجائے عدم پیروی کے
ایک تیسرے شخص ج کو شہادت کے لئے طلب کرتا ہے اور ج کے متعلق وہ بیان
دیتا ہے کہ میں نے اس شخص سے زمین حاصل کی ہے اور وہ اس بات کا "ضامن"
ہے کہ میری حقیت ثابت کرے ۔" ج عدالت میں حاضر ہوتا ہے اور ذمہ داری تسلیم کرتا ہے
اور اس طریقہ سے عدالت میں ا کا قائم مقام ٹھہر جاتا ہے لیکن پھر غائب ہو کر مقدمے
کو عدم پیروی کی علت میں کھو دیتا ہے تاکہ عدالت کے فیصلے میں زمین ب کے نام
منتقل ہو جائے ۔ اس طریقۂ عمل سے ا کے ورثا کے دعاوی قطعی طور پر سوخت ہو جاتے ہیں
کیونکہ ان ورثا سے یہ کہا جائے گا کہ تم کو ب کے خلاف نہیں (جو درحقیقت قابض ہوتا تھا)
بلکہ ج کے خلاف چارہ جوئی کرنی چاہئے ۔ ج کے فرائض ادا کرنے کے لئے بہ نظر احتیاط
ایسا شخص منتخب کیا جاتا تھا جس کی کوئی جائداد نہیں ہوتی تھی اور یہ بالعموم عدالت کا
کوئی ملازم ہوتا تھا ۔ امتداد زمانہ سے اس بناوٹی سماعت کی کارروائی کی بھی ضرورت
نہیں رہی اور اب یہ کافی سمجھا جانے لگا کہ عدالت میں مثلیں اس طرح مکمل ہو جائیں کہ
گویا سماعت عمل میں آئی تھی اور وہ بھی رسوم عدالت ادا ہو جائیں ۔ استحصال عام کا
سلسلہ انیسویں صدی تک جاری رہا ۔ اور اب آ کر انسداد انقطاع کے آسان تر طریقے

پیدا کئے گئے۔

آزادانہ انتقال اراضی کے ان مخالف قوانین کو توڑنے کا ایک دوسرا طریقہ یہ تھا کہ جائداد الف کے نام ایک شخص کے نام منتقل کر دی جاتی تھی کہ اس سے دوسرا شخص فائدہ اٹھائے یہ بھی ایک پرانے عملدرآمد کی ترقی یافتہ شکل تھی اور اس سے دوسرے بے شمار اغراض پورے ہوتے تھے۔ ملکیت قانوناً الف کے قبضے میں ہوتی تھی اور عملاً اس جائداد کا تمتع و تصرف ب کو حاصل ہوتا تھا۔ اس طریقۂ عمل سے جو ایڈورڈ اول کی قانون سازی کے بعد ترقی پا گیا اصول تمتع کی نشوونما ہوئی اور ہمارے زمانے میں جب کہ اس میں اور بہت سے وسیع اغراض شامل ہو گئے یہی قانون امانت بن گیا۔ جس طرح اصول استحصال کی ترقی ہوئی اسی طرح اس کی تاریخ بھی ارتقائی مدارج ظاہر کرتی ہے۔ ابتدائی مراحل بالکل سیدھے سادے ہیں مگر ارتقاء اس قدر منطقی ہے کہ یہ ابتدائی مراحل خود انتہائی مراحل کی تشریح کرتے ہیں۔

اگر الف کسی کلیسا یا خانقاہ کو کوئی جائداد اراضی دینا چاہتا تو وہ قانون "دست مردہ" کے بموجب براہ راست نہیں دے سکتا تھا اس لئے وہ بجائے کلیسا کو دینے کے ب کے نام منتقل کرتا تھا۔ ہبہ نامہ میں اس امر کا اظہار کرتا تھا کہ یہ زمین کلیسا کے تمتع کے لئے دی جاتی ہے۔ قانوناً یہ ہبہ کلیسا کے نام نہیں بلکہ ب کے نام ہوتا تھا اور معطی ب کو اس جائداد کا امین بناتا تھا کہ کلیسا کو اس زمین کے انتظام اور تصرف کی اجازت دے۔ یہ امانت کے لئے بدل ضروری تھا کیونکہ اگر ب کلیسا کو اراضی کے انتظام اور تصرف کا موقع نہ دے تو اس کے خلاف کوئی قانونی چارہ جوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ دستاویز کے ظاہری ثبوت کی بناء پر زمین ب کی ہوتی تھی اور قانون عرفی اس واقعے کے پیچھے نہیں جاتا تھا۔ تاہم قانون "دست مردہ" سے تو پہلو بچ جاتا تھا کیونکہ بظاہر کلیسا کو کوئی زمین نہیں دی جاتی تھی۔ اگرچہ ایک دوسرے قانون سے یہ طریقۂ عمل اپنی اس سادہ شکل میں بہت جلد ممنوع ہو گیا تھا مگر چونکہ یہ اکثر بہت سی ضروریات میں کام آسکتا تھا اور اس کی شکل میں تبدیلی کرنی بھی آسان تھی اس لئے اس کا بے شمار اغراض میں کثرت سے استعمال ہونے لگا۔ اس کے ذریعے سے لوگ اپنی لازمی جاگیری ادائیوں سے بچ سکتے تھے، قانون عطایائے مشروطہ کے مطابق انقطاع کو توڑ سکتے تھے، غداری کی بعض سزاؤں سے بچ سکتے تھے اور چونکہ مشروط جاگیری اراضی وصیت نامہ کے ذریعے

دوسرے کو ورثہ میں نہیں دی جا سکتی تھیں اس لئے یہ کیا جا سکتا تھا کہ یہ اراضی اپنی آخری وصیت اور بعد ہی کے تمتع کے لئے چھوڑی جاتی بجائے ایک کے کئی امین نامزد کئے جاتے تھے اور ان کو اختیار دیا جاتا تھا کہ جو جگہ خالی ہو اس کو وہ پُر کر دیں تاکہ اس طریقہ سے ایک ایسا برائے نام مالک حاصل ہو جائے جو کبھی نہ مرے ۔ ان مختلف شکلوں کو توڑنے کی غرض سے مختلف قوانین بنا لئے گئے مگر وہ سب بیکار ثابت ہوئے ۔ ان سے بچنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ نکال لیا گیا ۔ چند دنوں کے بعد ہی قانون نصفت نے اس پر توجہ کی اور انصاف اور ضمیر شناسی کا لحاظ کر کے خاص طور پر پندرھویں صدی میں امانت پر زور دینا شروع کر دیا غرض اس کی ابتدا تو معمولی تھی لیکن آگے چل کر اس طریقہ عمل نے غیر معمولی ترقی کی جو اب تک موجود ہے ۔ اسی کے دوش بدوش قانون نصفت کا بھی ایک بہت بڑا مجموعہ تیار ہو گیا ۔

G. B. Adams, *The Origin of the English Constitution 1920.* J. F. Baldwin ; *The King's Council, 1913.* C. Bemont, *Simon de Montfort 1884.* F. G. C. Hearnshaw, *Leet Jurisdiction in England, 1908.* C. L. Kinsford, *The Song of Lewes 1890* K. Norgate, *The Minority of Henry III, 1912.* R. Pauli *Simon de Montfort*, Translation of U. M. Goodwin 1876. G. W. Prothers, *Simon de Montfort 1877.* T. F. Tout, *The Administrative History of Medical England*, 2 vol., 1920, Edward I, 1893.

باب ۷

پارلیمنٹ کی ابتدا

جس طریقے سے تیرھویں صدی کی قانونی ترقی تمام سکسنی دنیا کے لئے غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی اسی طریقے سے اور اسی زمانے میں ایک اور اداراتی تبدیلی وقوع پذیر ہو رہی تھی جس کے اثرات بھی عالمگیر ہیں کیونکہ اس کے نتائج انیسویں صدی میں اس قدر وسیع ہو گئے کہ اس سے تمام اقوام عالم مستفید ہونے لگے - اس تغیر کی نوعیت یہ تھی کہ مجلس عظمی پارلیمنٹ کی شکل میں بدل گئی اور یہ تحویل انیسویں صدی کے ختم ہونے سے پہلے کلیتہً نہیں تو قریب قریب مکمل ہو گئی -

اس تحویل کو ایک تبدیلی کے نام سے موسوم کرنا نہایت نامناسب ہوگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ قدیم مجلس عظمیٰ خفیف سی تبدیلیوں کے ساتھ جدید پارلیمنٹ کی صورت میں قائم رہی اور آج دارالامرا میں قریب قریب اسی طرح قائم ہے جس طرح ہنری دوم کے زمانے میں تھی - جس طریق عمل سے پارلیمنٹ صورت پذیر ہوئی وہ یہ تھا کہ مجلس عظمیٰ کے اجلاسوں میں قوم کے چند ایسے عناصر شریک کئے گئے جن کی اس زمانے میں جب کہ

نظام جاگیری کا سکہ رواں تھا مجلس میں کوئی وقعت نہ تھی ۔ پارلیمنٹ کی ابتدا کی ٹوہ لگانے کے لئے ہم کو ان مراحل کا پتہ لگانا چاہئے جن سے یہ عناصر شریک کئے گئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ اس جدت کے ممکنہ اسباب کیا تھے ۔

تیرھویں صدی میں ایک ایسا عظیم الشان معاشی اور معاشرتی تغیر وقوع پذیر ہو رہا تھا جس کا ایک اثر اس صدی کے وسط کے بعد ہی فوراً محسوس ہونے لگا۔ یہ تبدیلی دراصل قدیم جاگیری حکمراں طبقے کے ساتھ ساتھ دو جدید طبقات کا ملکی معاملات میں دلچسپی لینا تھا اگر یہ کہنے میں مبالغہ ہے کہ یہ دلچسپی اس حد تک پہنچ گئی تھی جس کو ہم زمانہ حال میں سیادت مملکت سے تعبیر کرتے ہیں تو کم از کم اس دلچسپی کا تعلق اس سیاسی مسلک سے ضرور تھا جس کا اثر خود معاملات عامہ پر پڑتا تھا ۔ یہ جدید طبقات اپنی تائید اور ذرائع کی بدولت خود حکمران طبقات یا دوسرے الفاظ میں اس زمانے کی حکومت کے لئے بھی نہایت اہم ہو گئے ۔ ان دو طبقات میں ایک صوبجات کے مبارز تھے اور دوسرے قصبات کے بلدی تھے ۔

مبارز اور بلدی ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مبارزوں کا طبقہ تو پرانا تھا اور جاگیری طبقات میں ان کا شمار تھا لیکن اس تبدیلی کی وجہ سے جو تیرھویں صدی میں وقوع پذیر ہو رہی تھی یہ چند حیثیتوں میں جو انگلستان کے لئے خاص تھیں ایک جدید طبقہ بن گیا تھا ۔ اس کے انوکھے پن اور اہمیت پر بعد کو بحث کی جائے گی ۔ مبارز چھوٹے بیرنوں میں سب سے چھوٹا سمجھا جاتا تھا اور چونکہ اس کے پاس ایک مبارزی جاگیر یا اس سے بھی چھوٹی جاگیر ہوتی تھی اسے بھی بادشاہ کے مستاجرین اعلیٰ میں شمار کیا جاتا تھا ۔ لیکن اسے سیاسی جاگیریت سے کوئی بڑا تعلق نہیں تھا ۔ اس کو صرف ایک عدالت پرگنہ حاصل تھی جس سے اس کو کسی قسم کی سیاسی خودمختاری کی توقع نہیں ہو سکتی تھی ۔ اس کی فوجی خدمت کوئی بڑے فخر کی چیز نہ تھی اور جو درباری فرائض اس کو بادشاہ کے ہمراہ انجام دینے ہوتے تھے تو جہاں تک ہم کہہ سکتے ہیں ان کا یہ حال تھا کہ سوائے خاص مواقع کے یہ کبھی پورے نہیں ہوئے ۔ جب تیرھویں صدی میں سیاسی جاگیریت کے زوال سے جملہ جاگیری طبقات پر اثر پڑا تو اس سے مبارز بھی بہت جلد متاثر ہوئے اور دوسروں سے زیادہ ہوئے یہ حقیقت ان مطالبات کی روشنی میں زیادہ واضح ہوتی ہے جو

قواعد اکسفورڈ کے سلسلے میں ہوئے تھے ۔ اسی اثنا میں یہ طبقہ بہ نسبت پہلے کے بہت پھیل رہا تھا
ان چھوٹے اسامیان اعلےٰ اور ذیلی اسامیوں میں جو ایک ہی مبارزی جاگیر پر متصرف تھے اور
درمیانی روساء کے ماتحت تھے صرف ایک رسمی اور مصنوعی فرق تھا اور یہ رسمی فرق بھی
ایڈورڈ اول کے طویل عہد کے اوئل میں مٹ گیا ۔ بیس پونڈ مالیت کے تمام صاحبان اراضی
خواہ وہ کسی کے تحت کیوں نہ ہوں سب کو ایک ہی طرح کے فوجی ضوابط اور ایک ہی طرح کے قیود
مبارزیت میں جکڑ دیئے گئے ۔ اس صدی میں جب فیمتیں چڑھیں تو چھوٹی جاگیروں کے مالکوں
کو بھی کافی آمدنی ہونے لگی اور از روئے قانون وہ ایسے مبارز ہو گئے جیسے وہ حقیقت میں
اس سے پہلے ہی رواج کی بناء پر اس گروہ میں شامل تھے ۔ اس طبقے کا وجود انگلستان کے
دیہاتی شمار کی ابتدا سمجھنی چاہیئے ۔ ان لوگوں کو گشتی نظام عدالت کی وجہ سے غیر معمولی
اہمیت حاصل کر چکے تھے اضلاع کے انتظامات میں خاص سیاسی دلچسپی ہونے لگی اور رفتہ رفتہ
ان کو محسوس ہونے لگا کہ انھیں جو ذاتی یا پبلک دلچسپی ہے وہ اس دلچسپی سے مختلف ہے
جو بڑے بیرنوں کو ہے ۔ یہ ایک ٹھوس طبقہ تھا جس کی بہت ہی مضبوط حیثیت تھی ۔
اس طبقے کی اچھی خاصی آمدنی تھی اور اس کا رنگ مقامی تھا ۔ جوں جوں طبقہ واری احساس
ترقی کرتا گیا یہ طبقہ اپنے مطمح نظر اور مفاد کی ترجمانی اور حفاظت کے لئے تیار ہوتا گیا ۔

بلدی طبقہ مبارزوں کے طبقے سے جدید تھا ۔ زمانہ ماضی میں تو کجا خود زمانہ حال
میں بھی اس کی بہت زیادہ قدامت نہ تھی ۔ اس طبقہ کی طاقت اس بات میں مضمر تھی کہ اس
کی دولت تجارت کی روز افزوں ترقی کی وجہ سے بڑھ رہی تھی ۔ دوسرے ان کے ہاتھ
میں نقد سرمایہ تھا ۔ انگلستان میں خاص طور پر خام اشیاء پیدا ہوتی تھیں جس کی وجہ
سے تجارت جو خاص طور پر قصبات میں نظر آتی تھی ابتدائی صنعت و حرفت کے مقابلے
میں ملک کے لئے بیحد مفید تھی کیونکہ صنعت و حرفت کا دائرہ ابھی وسیع نہیں ہوا تھا
ملک بیرونی حملوں کے خطرے اور تباہ کن خانہ جنگیوں سے آزاد ہو گیا تھا اس لئے وہ
ان کی پیداوار کو بہت جلد ترقی دینے کے قابل ہو گیا تھا جو آئندہ ملک کی خاص پیداوار
بن گئی خود بارھویں صدی میں اس امر کی طرف توجہ ہو چلی تھی کہ ان کی تجارت سے حکومت کو
بہت کچھ آمدنی حاصل ہو سکتی ہے ۔ رچرڈ اوّل کے عہد تک منشوری قصبات کی تعداد
علانیہ بڑھتی گئی اور جان کے عہد میں تو اس کی رفتار اور بھی تیز ہو گئی تھی ۔ جب نارمنی فتح

سے نظام جاگیری کی اشاعت ہوئی تھی تو اس سے مقامی آزادی میں جو سیکسنوں کے مقامی تنظیم کی بدولت قائم تھی کوئی فرق نہیں آیا تھا لیکن اتنا ضرور ہوا تھا کہ قصبات بادشاہ یا دیگر رئیسوں کے تابع ہو گئے اور اکثر قصبات اساقفہ اور کلیساؤں کے قبضے میں آ گئے۔ چونکہ قصبات رئیس سے متعلق ہو گئے اس لئے وہ اراضی جاگیر میں شامل ہو گئے اور اس لئے زرعی غلاموں کی طرح قصبات بھی محاصل اور جھگڑ بندیوں کی مار میں آ گئے تھے۔

ہر قسم کے حقوق کو بذریعہ منشور منتقل کرنے کا طریقہ جو انجام جاگیریت میں بہت ترقی پا چکا تھا ایسی چیز تھی جس سے ذی اختیار بلدیات کو کم و بیش مذکورہ بالا حد بندی سے دامن چھڑانے کا اچھا موقع تھا۔ انگلستان میں بلدیات کو بذریعہ منشور جو حقوق دئے گئے ان میں جملہ حقوق تو صرف ان کو دئے گئے جن پر نظر عنایت تھی ورنہ کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ دئے گئے۔ ان حقوق کی چار قسمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک اس حق سے آزادی جو کسی رئیس کو زرعی علاقوں پر حاصل تھا مثلاً اس ازدواج کے سلسلے میں اس کو جرمانہ لینے کا حق حاصل تھا دوسرے معاشی حقوق مثلاً محصول راہداری یعنے میلہ وغیرہ کے حق سے آزادی۔ تیسرے قانونی حقوق یعنے قیام عدالت کا حق اور وہ اس طرح سے کہ دیگر عدالتوں اور سماعت جوری سے بے نیاز ہو جائے چوتھا حکومتی حق یعنے سرکاری عمال کے بغیر شاہی مطالبات یعنے "محصول بلدیہ" (firma burgi) خود جمع کر سکیں اپنے عمال کا خود انتخاب کریں اور اپنی مقامی حکومت کے لئے خود ہی قواعد بنائیں اکثر منشوری بلدیات جن کو کامل حقوق حاصل تھے ایسے تھے جن کی حیثیت صوبے میں جداگانہ ہنڈریڈوں کی سی ہو گئی تھی لیکن ان میں سے چند ایسے تھے جو قرون وسطی کے اختتام سے پہلے ہی صوبوں کی حیثیت حاصل کر چکے تھے اور اس میں ان کو خود اپنے ناظم صوبہ یعنے شیرف ضلع کے انتخاب کا حق حاصل تھا ان بلدیات کو کامل حقوق حاصل تھے ان کی عدالت صوبے میں جداگانہ اکائیوں کے طور پر نمائندگی ہوتی تھی اور جو گشتی عدالتوں کے ساتھ اجلاس کرتے تھے۔

طریق نیابت۔ اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ مجلس عظمی کی شرکت کے لئے بعض اوقات ایسے لوگ بھی بلائے جاتے تھے جن کا بادشاہ سے کوئی جاگیری تعلق نہ ہوتا تھا تاہم بارھویں صدی میں انگلستان کے لئے یہ بات ناممکن تھی کہ مجلس میں کثیر اراکین

بلا لحاظ زمینداری اس لئے بلائے جائیں کہ وہ غیر جاگیری طبقات اور قصبوں کی نمایندگی کریں۔
یہ بات تیرھویں صدی میں جاکر ممکن ہوئی اور یہ اس کی پوری علامت ہے کہ جاگیری
خیالات رو بہ انحطاط تھے۔ پارلیمنٹ کی تشکیل اس طرح ہوئی کہ جاگیری مجلس عظمیٰ میں
جدید عناصر بلا لحاظ جاگیریت داخل کئے گئے تاکہ آبادی کے ان طبقات کی نمایندگی
ہو جو جاگیری نہ تھے۔ یہ ایک نوعی تغیر تھا اور یہ تغیر اسی طرح ہوا تھا جس طرح اس سے
پہلے قدیم ٹیوٹنوں کی قومی مجلس جاگیری مجلس عظمیٰ میں مبدل ہو گئی، یہ گویا جدید اصول
ترکیب یعنی اصول نیابت کا جاری کرنا تھا لیکن تبدیلی کی وسعت میں مبالغہ نہیں
کرنا چاہیے۔ یہ بات یاد رہے کہ پارلیمنٹ میں جو جدید عناصر داخل کئے گئے ان کے متعلق ہم
یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ اس صدی میں ان عناصر کو سوائے اپنے مفاد کے دوسرے
طبقوں کے متعلق بھی اپنے فرائض استعمال کرنے کی اجازت تھی یا مواقع حاصل تھے۔
نیز ساتھ ہی ساتھ قدیم مجلس عظمیٰ بھی جوں کی توں قائم رہی۔ باوجود اس تغیر کے اس نے
مدت تک تنہا پارلیمنٹ کا کام کیا اور ایک زمانے تک اس کے متعلق اختیارات اور فرائض کے
آثار باقی رہے۔ اس موقع پر صرف جدید عناصر اس کے اندر جمع ہو گئے مگر یہ عناصر
اس میں ضم ہو کر اس کے ایسے اعضا نہیں بنے کہ اسکی نوعیت بدل جائے۔

اس طریق نیابت کے ماخذ کے متعلق علما آپس میں متفق نہیں ہیں۔ غالباً آخری
فیصلہ یہ ہوگا کہ اصول تو ایک ماخذ سے حاصل ہوا ہے اور اداری تشکیلیں جن کے توسط
سے یہ اصول دستور میں رونما ہوا ہے دوسرے ماخذ سے حاصل ہوئے ہیں۔
بہر حال یہ یقینی ہے کہ نیابت کا اصول سب سے پہلے کلیسائی اجتماعات و مجالس
کے متعلقہ وثائق میں پایا جاتا ہے اور اس کے لئے جو اصطلاحات ہیں ان سے
قریب قریب وہی مفہوم ظاہر ہوتا ہے جو اس وقت ہے۔ دوسری طرف یہ بات بھی
ظاہر ہے کہ جن ابتدائی اور رسمی مدارج سے غیر جاگیری نمایندوں کو مجلس عظمیٰ میں
شامل کیا گیا تھا ان پر کلیسا کا قطعی اثر نہیں تھا۔ ان واقعات میں جو اس وقت ظہور پذیر
ہوئے ہم کو پہلے یہ دیکھنا ہے کہ جب کہ مقامی مجموعوں کے مبعوث مجلس میں لائے گئے تو
اس وقت موجودہ مفہوم میں نیابت کا تصور موجود نہیں تھا کیونکہ اس تصور کے
یہی صرف یہی معنی نہیں ہیں کہ وفد اپنے مجموعے کی تیار کی ہوئی قرار دادوں کو مجلس

ہیں لاکر پیش کریں بلکہ یہ بھی معنے ہیں کہ جب یہ وفید مجلس میں آئیں تو ان کو اس بات کے پورے اختیارات ہوں کہ وہ مجلس میں حصہ لے سکیں اور مجلس کے دیگر اراکین کے ہم پلہ اپنی ملت کی ترجمانی کرسکیں اور غیر منفصلہ مسائل پر بحث کرکے ان کو طے کرسکیں جن میں سے بعض مسائل ایسے بھی ہوں جو مبعوثین کے انتخاب کے بعد پیدا ہوئے ہوں پھر دوسری چیز ہمیں یہ دیکھنی ہے کہ جب مبعوثین کو طلب کرنے کا طریقہ روز بروز بڑھتا گیا تو کس طرح نیابت کا اصول داخل ہوگیا۔ اگرچہ یہ تصور اس قدر واضح نہیں تھا جس طرح بعد کو تیرھویں صدی میں واضح ہوا لیکن اتنا تو تھا کہ لوگ اس کو جان بوجھ کر استعمال کرتے تھے۔ یہی ابتدائی مراحل ہیں جن سے یہ دونوں چیزیں مسلسل تجربوں کے ساتھ ترقی کرتی گئیں اور زمانہ حال کے نیابتی تصور میں صورت گیر ہوگئیں۔

ان واقعات کے حقیقی تسلسل پر غور کرتے ہوئے جو مجلس عظمیٰ کو پارلیمنٹ کی صورت میں مبدل کرنے کے باعث ہوئے ہیں اس معنے خیز نکتہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ اس وقت کسی شخص نے یہ محسوس نہیں کیا تھا کہ کوئی اہم تبدیلی وقوع پذیر ہورہی ہے اس کی طرف کوئی خاص توجہ بھی منعطف نہیں ہوئی وثائق دیکھے جائیں یا تواریخ ان دونوں میں کہیں اس بات کا ثبوت نہیں کہ اس تبدیلی کے متعلق کوئی چیز غیر معمولی سمجھی گئی تھی اور یہ خیال ہوا تھا کہ متداولہ طریقۂ عمل میں کوئی خلل پڑرہا ہے ابتدائے پارلیمنٹ کے متعلق جو بھی توجیہ کی جائے اس کی نوعیت ایک ہی ہوگی، یعنے اس کے ابتدائی مدارج انھیں خطوط پر طے ہوتے تھے جو پہلے سے مانوس تھے۔ اور جو اپنے طریقۂ عمل میں عام رواج اور موجود الوقت خیالات سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھے۔ شاہی عدالت میں جن عناصر کا اضافہ ہوا اور اس اضافے کے بعد سب پہلی نصف صدی میں یہ لوگ جو کام کرتے تھے وہ اس کے عین مماثل تھا جو اسی طبقے کے اراکین پہلے سے کرتے تھے اور حالات بھی وہی تھے۔ اس طرح اس زمانہ کے لوگوں کو یہ نہ معلوم ہوسکا کہ ورثہ حالات میں کوئی خاص فرق پڑرہا ہے۔

استفسار کا جواب۔ بالعموم خیال کیا جاتا ہے کہ پارلیمنٹ کے ارتقا میں جو مسلسل ہوا ہے سب سے پہلا قدم وہ تھا جو ۱۲۵۴ء میں اٹھایا گیا تھا۔ اس سنہ

کے اوائل میں بادشاہ گیسکنی میں تھا اور اس کو اپنے مصارف کے لئے روپیہ کی غیر معمولی ضرورت محسوس ہو رہی تھی - اس نے سوچا کہ انگلستان میں ان لوگوں سے زر امداد حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو اصالتاً بادشاہ کی امداد کے لئے نہیں آئے تھے پچھلے سنین میں اس کو جو تجربے حاصل ہوئے تھے وہ کچھ خوشگوار نہ تھے جس قدر اس کو رضامندی کی توقع تھی اسی قدر انکار کا بھی ڈر تھا - معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے کسی صلاح کار نے یہ رائے دی کہ اگر صوبوں کی رضامندی قبل از وقت حاصل کر لی جائے اور یہ رضامندی سرکاری طور پر کونسل کے سامنے پیش کر دی جائے تو پھر کامیابی کی زیادہ توقع ہو سکتی ہے غالباً یہ بھی خیال کیا گیا کہ اگر بادشاہ کی ضرورتیں واضح طور پر ظاہر کر دی جائیں اور شیرف ان کو صحیح روشنی میں عدالتہائے صوبہ میں پیش کر دیں تو وہ اس محصول کے لئے فوراً تیار ہو جائیں گے - بہر حال یہی قرار داد ہوئی - دوسری فروری کو ملکہ اور نواب کارنوال نے جو بادشاہ کی عدم موجودگی میں اجرائے حکومت کرتے تھے شیرفوں کے نام اس حکم کا مراسلہ جاری کیا کہ وہ اس تجویز کے مطابق عمل کریں - مراسلے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فیصلہ عدالت صوبہ میں ہونا چاہئیے اور مبارزوں کا کام صرف اس قدر ہو کہ اس کو مجلس شاہی میں پیش کر کے اس کی سرکاری طور پر تصدیق کرا دیں ہماری اس تاویل کا صحیح ہونا اس مراسلے کے الفاظ سے اور زیادہ مصدقہ ہو جاتا ہے جو اسی روز اسقف اعظم کنٹربری کے نام جاری کیا گیا تھا جس میں اس کو ہدایت کی گئی تھی کہ اپنے ماتحت پادریوں کا جلسہ منعقد کر کے ان کو توجہ دلائے کہ وہ بھی دل کھول کر امداد دیں اور ان میں سے چند ہوشیار آدمی کونسل میں جائیں اور مقدار اور طریقہ امداد کی تصدیق کریں - اس سے صاف ظاہر ہے کہ وفیدوں کا کام صرف اس فیصلے کو پیش کر دینا تھا جس کو مقامی جماعت پہلے ہی طے کر لیتی تھی - یہاں زمانۂ حال کی نیابت کا کوئی مفہوم نہیں پایا جاتا سوائے اس کے توفیدیں سے یہ معنے نکال لئے جائیں کہ مبارز اپنے ضلع کے فیصلے کو ظاہر کر کے اپنے ضلع کی ترجمانی کرتے تھے -

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ ۱۲۵۴ء میں اختیار کیا گیا اور اضلاع سے مبارز طلب کئے گئے بہت دیرینہ تھا اور یہ اس طرح تھا کہ عدالت صوبہ کے مقدمات منفصلہ کی مثلیں مرکزی عدالت شاہی میں بھیجی جاتی تھی - یہ عمل درآمد کوئی غیر معمولی نہیں تھا

اور عدالتوں کی امثلہ میں اس کا اکثر ثبوت ملتا ہے جس میں سنہ ۱۲۵۴ء کے واقعے کی جملہ خصوصیتیں موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں عدالت صوبہ اور شاہی مجلس کو براہ راست رشتۂ اتحاد ظاہر ہوتا ہے جو پہلے سے قائم تھا اور اکثر استعمال ہوتا تھا۔ سنہ ۱۲۵۴ء میں مبارزین نے بھی یہی کیا تھا۔ یعنے یہ لوگ شاہی کونسل میں بغرض تصدیق ایسی مثل لاتے تھے جو عدالت صوبہ میں پہلے سے طے ہو چکی تھی۔ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ان لوگوں کا یہ کام جوری کے کام سے بہت کچھ ملتا جلتا تھا۔ یہ لوگ مجلس شاہی کو مقامی حذمات اور قرار دادوں سے واقف کراتے تھے۔ اس کا عملی نتیجہ بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ لیکن اگر دونوں کارروائیوں کا پہلو بہ پہلو مقابلہ کیا جائے تو بلاشبہ یہ بات واضح ہو جائے گی کہ سنہ ۱۲۵۴ء میں دو مبارزوں کا فعل جوری کے بہ نسبت ان مبارزوں کے فعل سے ملتا جلتا ہے جو عدالت کی مثل لے جاتے تھے۔

مبارزی نیابت ۔ یہ کام تو سنہ ۱۲۵۴ء میں ہوا لیکن تقریباً سو سال پہلے سے مبارزین امور مملکت میں حصہ لیتے تھے۔ ہم پڑھ چکے ہیں کہ جب ہنری دوم نے مرکزی عدالتی تنظیم قائم کی تو اس کے تحت یہ لوگ سب سے پہلے صوبہ کے کاروبار میں اس طرح شریک ہوئے کہ یہ اول تو سنہ ۱۱۹۴ء کے ماہو یئہ کے بموجب قرار جرم کے لئے جوری کا انتخاب کرتے تھے اور اگر مبارزین کافی ہوتے تو انہی سے یہ جوری مرتب ہوتی تھی۔ اسی طریقے سے اسائزوں کی جوری کا گراند اسائز کی جوری کا بھی انتخاب کیا جاتا تھا۔ ان چار مبارزین کے طریقۂ انتخاب کے متعلق جو عدالت صوبہ میں یہ امور انجام دیتے تھے یہ کہا جا سکتا ہے گو یقینی نہیں کہ انہیں مجلس عدالت میں منتخب کیا جاتا تھا بہر حال سنہ ۱۲۵۴ء میں بھی انتخاب کی ایک صورت موجود تھی۔ عدالت صوبہ کی جو دوسری کارروائیاں تھیں جیسے صوبہ کی جانب سے دوسری عدالت میں مثل مکمل کرنا۔ عذر غیر حاضری کی تحقیقات کرنا۔ اور حدود کے تعین کی غرض سے اراضی کا معائنہ کرنا وغیرہ اس میں یہ طریقے استعمال کئے جاتے تھے۔ یہ بھی ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ لوگ اجرائے محاصل میں (جس کی نوعیت قومی تھی) مقامی اورات کے لئے کام کرتے تھے اور بعض صورتوں میں (جن کی طرف اب تک توجہ نہیں کی گئی) یہ لوگ مجلس شاہی میں اپنے صوبوں کی جانب سے ایسی رود اد پیش کرتے تھے جو انتظامی

خصوصیت رکھتی تھی ہنری سوم کے عہد میں یہ صورتیں حسب ذیل تھیں ۱۲۲۰ء میں
میں عدالتِ صوبہ میں دو مبارز اس غرض سے منتخب کئے گئے کہ صوبہ کے لئے ہل کے محصول
کا تعین کریں اور جمع کریں، ۱۲۲۵ء میں ہر ہنڈریڈ سے چار مبارز اس غرض سے منتخب
کئے گئے تھے کہ پندرھویں حصے کا تعین کریں اور جمع کریں ۱۲۲۶ء میں ہر آٹھ صوبوں
میں سے چار چار مبارز اس غرض سے بلائے گئے تھے کہ کونسل کو یہ رپورٹ دیں کہ شیرف
اپنے صوبوں میں کیا رویہ رکھتے ہیں اور پھر ۱۲۲۷ء میں ۲۷ صوبوں سے ایسے مبارز
طلب کئے گئے تھے اور اس کی غرض بھی یہی تھی۔ مبارزوں کو ۱۲۳۲ء میں یہ کام سپرد
ہوا کہ چالیسویں حصے کا جو تعین ہوتا تھا اس کی نگرانی کریں اور ۱۲۷۳ء میں یہ کام تھا کہ
تیسویں حصہ کی نگرانی کریں۔ ۱۲۳۵ء اور ۱۲۴۲ء میں یہ کام تھا کہ زرِ سپر کی جمع بندی
میں مدد دیں۔ لکسپر ۱۲۵۵ء میں یعنی ۱۲۵۸ء کے واقعہ سے چار سال کے بعد ہر صوبے میں
چار مبارز اس غرض سے منتخب کئے گئے تھے کہ شیرفوں کے متعلق رپورٹ پیش کریں۔
لہٰذا ۱۲۵۴ء میں مبارزوں کا مجلس شاہی میں اس غرض سے بلایا جانا کہ صوبہ کی جانب
سے اس فیصلے کا اظہار کریں جو ایک مجوزہ محصول کے متعلق عدالتِ صوبہ میں طے ہوا
تھا ہر شخص کو بالکل معمولی اور روزمرہ کی کارروائی معلوم ہوتی ہوگی۔

لیکن ۱۲۵۴ء میں مبارزوں نے جس مجلس کے سامنے رپورٹ پیش کی وہ
بڑی کونسل نہ تھی بلکہ چھوٹی کونسل تھی اور ظاہر ہے کہ ان کا کام بھی بہت محدود تھا
ممکن ہے کہ یہ پہلا قدم ہو لیکن یہ بہت بڑا قدم نہیں تھا اور ابھی بہت کچھ کرنا باقی تھا
ہاں یہ ممکن ہے کہ تیرھویں صدی میں یہ اس سے زیادہ اہم معلوم ہوا ہو جو ہم کو نہیں
معلوم ہوتا کیونکہ بعد کے واقعات جلد جلد وقوع پذیر ہو گئے۔ ستمبر ۱۲۶۱ء میں
ہنری سوم نے شیرفوں کے نام تشقے جاری کئے اور اس میں یہ بتلایا کہ شورہ پشت بیرنوں
نے ہر صوبے سے تین مبارز طلب کئے ہیں تاکہ سینٹ آلبنز پر ان سے مل کر ایک تاریخ
کو "سلطنت کے عام امور کے متعلق بحث کریں"۔ شیرفوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ ان
مبارزوں کو بادشاہ سے ونڈسر میں ملنے کے لئے جمع کریں تاکہ یہ لوگ بادشاہ سے
اسی دن گفتگو کریں جس روز بیرن بادشاہ سے مل کر صلح کی گفتگو کرنے والے تھے۔
اگرچہ مبارزین صوبوں سے کسی مرکزی جماعت کے ساتھ نشست کرنے کے لئے

بلائے گئے تھے لیکن اس کے علاوہ شفقہ میں ایک اہم بات یہ ہے کہ جو مبارز بادشاہ اور بیرن دونوں کی جانب سے بلائے گئے تھے وہ ایسے ملکی امور پر بحث کرنے کے لئے بلائے گئے تھے جو کبھی صوبوں میں اس سے پہلے بغرض فیصلہ زیر بحث نہیں آتے تھے۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ ان مبارزوں کے طریقہ انتخاب کا ہم کو علم نہیں نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ انہوں نے کس جماعت کے ساتھ نشست کی تھی ہم اس کو تشکیلِ پارلیمنٹ کے سلسلے میں ایک کڑی تصور کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد کی پیش قدمی بالکل ظاہر ہے اور اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن کی اس زمانے سے توقع کی جا سکتی ہے۔ لیوس کی فتح کے بعد سائمن ڈی مونٹفرٹ نے ۱۲۶۴ء جون کے مہینے میں واقعی حکمران انگلستان کی حیثیت سے (گو بادشاہ کے نام سے) یہ حکم جاری کیا تھا کہ آیندہ اجلاس پارلیمنٹ کے لئے ہر صوبہ سے چار قانون دان اور ہوشیار مبارز لندن بھیجے جائیں اور اس کے لئے ان کا انتخاب صوبے کی رضامندی اور تمام صوبے کی جانب سے عمل میں آئے تاکہ اکابر ملک و مذہب کے ساتھ مل کر بادشاہ اور سلطنت کے امور پر بحث کریں۔ اس واقعے میں پہلی دفعہ وہ تمام چیزیں جمع ہو گئیں جو تبدیلی کی ابتدا کے لئے ضروری تھیں۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس وقت نیابت کا تصور موجود تھا یا طریق نیابت قائم کر دیا گیا تھا۔ جس پیش قدمی کا ہم سراغ لگا رہے ہیں وہ گویا محض ایک اداراتی تیاری تھی لیکن اس تیاری کا سلسلہ اب بہت آگے کو نکل گیا تھا گو ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ اور اس میں یہ قابلیت پیدا ہو گئی تھی کہ جب نیابتی تصور کا وقت آ جائے تو اس کا وہ پورے طور پر مظاہرہ کر دے۔ یہ بات ہمیں نہیں بھولنی چاہیئے کہ چوتھی جون کا مراسلہ جو بظاہر بادشاہ کا مراسلہ تھا حقیقت میں ان شورہ پشت بیرنوں کی جانب سے جاری کیا گیا تھا جو ابھی ابھی لیوس میں کامیاب ہوئے تھے۔ یہ جدت انقلابی فریق کی جانب سے عمل میں آئی تھی جو جو انقلابی تاثرات سے متاثر تھے۔ مگر ان میں ایسی کچھ بھی نہیں تھی جس طرح ہونی چاہیئے اس لئے یہ جدت ایسی نہیں تھی جیسے ایک دیرینہ اور مرتب حکومت کی طرف سے عمل میں آتی۔ اور بالکل ممکن تھا کہ اس تبدیلی کو باضابطہ اختیار کرنے میں کچھ دیر لگے۔

ڈی مونٹفرٹ کی پارلیمنٹ - اور قی تیاری کی تکمیل کے لئے ۱۲۶۴ء کی پیش قدمی کے بعد ایک اور قدم اٹھانا ضروری تھا سائمن ڈی مونٹفرٹ نے دسمبر ۱۲۶۴ء میں مراسلات جاری کر کے جنوری ۱۲۶۵ء کی مشہور پارلیمنٹ طلب کی - جنگ لیوئس کے بعد سے بیرنوں میں ارل سائمن کا فریق بہت ہی کمزور ہو گیا تھا اس لئے اس پارلیمنٹ میں صرف پانچ ارل اور اٹھارہ بیرن بلائے گئے اور غالباً سائمن نے ہر صوبہ سے دو مبارز اور اس کے علاوہ جو اس پارلیمنٹ کی خاص اختراع ہے شہروں اور بلدیات سے دو دو نمایندے اس غرض سے بلائے تھے کہ طبقۂ متوسط سے تعلقات پیدا کر کے اپنی طاقت بڑھائے - اس آخری صورت کے لئے جو مراسلات جاری کئے گئے تو شیرف کے نام نہیں بلکہ قصبات کے نام جاری کئے گئے تھے گو بعد میں یہ شیرف کے نام بھی جاری ہونے لگے تھے -

ان شقوں میں پچھلے جون کے شقوں کی بہ نسبت سوائے شہریوں اور بلدیوں کے نام طلب ناموں کے کوئی بات نہ تھی اور جو ثبوت ہم کو ملتا ہے اس کے زور سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ دسمبر کے طلبنامے اتنے صاف اور واضح نہیں ہیں جیسے جون کے ہیں - تاہم یہ اغلب ہے کہ سمجھنے والے ان کے معنے ایک ہی طرح سے سمجھے ہوں گے اور ایک ہی طرح سے ان پر عمل ہوا ہوگا - اگر ہمارا یہ مفروضہ درست ہے تو ہم کو یہ فرض کرنا پڑے گا کہ جون اور دسمبر دونوں میں انتخاب اور نیابت ہوئی ہوگی اور امور زیر بحث میں تعاون ہوا ہوگا - میرے خیال میں یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ جون کے شقوں میں مونٹفرٹ کا اتنا ہی ہاتھ ہے جس قدر کہ دسمبر کے شقوں میں اور دونوں کو درحقیقت ایک ہی صورت سمجھنی چاہئے اس طریقے سے اس پوری اختراع کا سہرا اسی کے سر ہوگا اور اس کا ہمارے پاس تازہ ترین اور خاطر خواہ ثبوت موجود ہے - اس ثبوت میں نہ صرف بلدیوں کی شرکت نظر آتی بلکہ صوبوں کے مبارزوں کی شرکت بھی ہے جن کو مجلس شاہی میں جہاں تک کہ طلبناموں کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے پورا رتبہ دیا گیا تھا خواہ بحث و مباحثہ میں ان کا یہ رتبہ نہ ہو - بشپ اسٹبز کے بیان کے بموجب یہ بات یقینی ہے کہ یہ جلسہ دراصل کوئی دستوری جلسہ نہ تھا یہ بیرنوں کے فریق کی ایک انقلابی مجلس تھی لیکن ان اشکال کے اعتبار سے جن کی

پابندی کی گئی یہ مجلس دستوری ضرور تھی۔ ظاہر ہے کہ سب باتوں کے لئے بہت جانفشانی بھی کی گئی تھی۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سائمن ڈی مونٹفرٹ اور اس کے مؤیدین کے نظریئے کے مطابق یہ قانونی طور پر مجلس عظمیٰ کی ایک تشکیل تھی۔

اگرچہ سائمن ڈی مونٹفرٹ کی اس پارلیمنٹ میں انگلستان کی تاریخی پارلیمنٹ کے تمام ترکیبی عناصر موجود ہیں مثلاً امراء ارا کین صوبہ اور ارا کین بلدیہ، مگر اس بات کا بھی امکان ہے کہ آیندہ زمانے پر اس کے اثرات دکھانے میں مبالغہ کیا جائے۔ بات یہ ہے کہ سب باتوں کے باوجود اس پارلیمنٹ کا تعلق اس دور سے ہے جس کو تیاری کا دور کہنا چاہئے۔ یہ آغاز تغیر کا عہد ہے تکمیل کا نہیں۔ سوائے اس محدود مفہوم کے کہ اس میں پہلی دفعہ جدید عناصر جمع ہوئے تھے کسی اور مفہوم میں اس کو دارالعوام کی ابتدا سمجھنا غلط ہوگا۔ اس وقت نہ کوئی بات طے ہوئی اور نہ کوئی خاص ضرورت پوری ہوئی، بلکہ اس سے صرف امور آئندہ کا عکس پڑ رہا تھا اور ہمارے لئے اس کی اہمیت صرف اس واقعے میں ہے کہ وہ وسیع معاشی اور معاشرتی تغیرات حکومت کے اشکال پر اثر ڈالنے لگے تھے جن سے آخر میں دستوری اور قانونی صورتیں معین ہوگئیں، اور اس بات کا ہم پتہ لگا سکتے ہیں کہ اگر یہ تغیرات پہلے سے نہیں تھے تو اس صدی کے شروع سے انگلستان میں پیدا ہو رہے تھے۔ یہ محرکات اس نتیجے کو پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ اس زمانے میں جبکہ جاگیریت کے زیادہ شدید تصورات سرعت کے ساتھ غائب ہو رہے تھے اور صرف طبقات کی حکومت رائج تھی یہ بات لازمی تھی کہ اہل بروکا بیساہیں طبقہ جس کے حکومت کے ساتھ خاص اغراض وابستہ تھے نیز جس کی طاقت روز بروز بڑھ رہی تھی اور طاقت کو خاطر خواہ موثر کرنے کے ان کو ذرائع بھی حاصل تھے، مرکزی مجلس میں خود بخود کھنچ آئے اس شرکت میں اس کی طرف سے اس قدر خواہش اور زور نہیں تھا جس قدر خود اس طبقے کی تائید اور رضامندی لازمی سمجھی گئی تھی یہ تغیرات یورپ کے اکثر ممالک میں رونما تھے اور ان سے یہی دستوری نتائج نکل رہے تھے۔ اگر اس تحریک کی تاریخ دیکھی جائے تو انگلستان کا درجہ دیگر ممالک سے پیچھے ہی ہے۔

گو اہل بروکا قدیم ترادارے میں شریک ہونا یقینی تھا مگر نہ اس میں کوئی ایسی

چیز تھی نہ اس زمانے کے حالات اس جدید ادارے کی تشکیل و نوعیت معین کر سکتے تھے، اور
یہ مسئلہ آیندہ زمانہ کے لئے غیر معمولی اہمیت رکھتا تھا۔ دستور کا وجود اس سوال کے
جواب پر منحصر تھا اور اسی قدر منحصر تھا جس قدر منشور اعظم کے ان تصورات پر جو باقی
رہ گئے تھے اور وسیع کر دئے گئے تھے، کیونکہ بیرنوں کی مخالفت تو بے اثر تھی خود پارلیمنٹ
نے ایک صدی کے اندر ہی محدود ملوکیت قائم کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ چودھویں صدی
کے وسط کے پہلے سے بیرنوں نے اپنے آپ کو توقع کے مطابق تعمیری کام کے نا اہل
ثابت کر دیا تھا۔ ضوابط آکسفورڈ کو ان کی کوششوں کی معراج سمجھنا چاہئے اس لئے
اس حد سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ دستور کا مستقبل یعنی محدود ملوکیت کا
امکان اس جدید ادارے کی نوعیت پر منحصر تھا جو اس تشکیلی زمانے میں رونما ہو رہا تھا۔

دور تبدیلی ۔ سنہ ۱۲۶۵ء تا سنہ ۱۲۹۵ء ۔ یہاں صرف اس بات کی
ضرورت ہے کہ ہم ان اشکال کا مطالعہ کریں جو تجربے کے اس دور ارتقا میں سنہ ۱۲۶۵ء سے
سنہ ۱۲۹۵ء تک اس ادارے نے اختیار کیں ان سے یہ بات سمجھ میں آ جائیگی کہ اس ادارے
کو موجودہ صورت کے علاوہ کسی دوسری کمزور شکل میں ڈھالنا بہت آسان تھا، یا
دوسرے الفاظ میں، بالکل معمولی کوشش کسی حقیقی اور ذی اثر پارلیمنٹ کے قیام کو
روک سکتی تھی۔ ہنری سوم کے عہد کے بعد کی دو پارلیمنٹوں میں جو سنہ ۱۲۶۷ء اور سنہ ۱۲۶۹ء
میں منعقد ہوئیں سوائے مجلس عظمیٰ کے ارکان کے کسی اور کا ثبوت نہیں ملتا۔ ایڈورڈ اول
کی پہلی پارلیمنٹ میں جو سنہ ۱۲۷۵ء کے موسم بہار میں منعقد ہوئی شیرف کے توسط سے
چار مبارز ہر صوبے سے اور چار بلدی ہر بلدیہ سے بلائے گئے تھے مگر سنہ ۱۲۹۵ء سے
پہلے پھر اس شکل کی پیروی نہیں کی گئی۔ یہ لوگ اس وجہ سے بلائے گئے تھے کہ اکابر ملک
کے ساتھ مل کر امور سلطنت طے کریں۔ سنہ ۱۲۸۲ء کے موسم خزاں میں ایڈورڈ نے جب کہ
وہ صوبوں اور بلدیات سے علیحدہ علیحدہ مراسلت کرکے روپیہ جمع کرنے کی کوشش
کر چکا تھا دو مجلسیں طلب کیں۔ شمال کے پانچ صوبوں کی یارک میں اور دیگر صوبوں
کی نارتھمپٹن میں بلائی گئیں۔ ان میں ہر صوبہ سے چار مبارز اور ہر بلدیہ اور شہر
سے دو نمایندے بلائے گئے تھے اور اس بات کا تصفیہ ہو گیا تھا کہ مبارزوں
اور شہری نمایندوں کے اختیارات پورے ہوں گے۔ سنہ ۱۲۸۳ء ستمبر کے مہینے میں

ایک مجلس شہر وزبری کے مقام پر اس امر کو طے کرنے کے لئے بلائی گئی کہ داؤد شاہ ویلز کے ساتھ (جو گرفتار ہو گیا تھا) کیا سلوک اختیار کرنا چاہئے۔ مبارزین کے لئے شیرفوں کے نام مراسلے بھیجے گئے کہ ہر صوبے سے دو مبارز بھیجے جائیں اور دیگر شہروں کو براہ راست مراسلے بھیجے گئے کہ ہر جگہ سے دو نمایندے آئیں۔ مراسلات کے بموجب مبارزوں اور نمایندوں کا کام یہ تھا کہ داؤد کے مسئلے کو طے کریں۔ مبارزوں کے متعلق تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی حد تک یہ مسئلہ طے کر لیا تھا مگر ممکن ہے کہ بلدیوں نے اس مسئلے سے اپنے کو علٰحدہ کر لیا ہو کیونکہ رفتہ رفتہ اس کی صورت مقدمۂ غداری کی سماعت کی سی ہو گئی تھی اور اس میں انھیں قانوناً حصہ لینے کا کوئی اختیار نہ تھا چنانچہ اغلباً انھوں نے تنہا ایکٹن برنل میں اس قانون کو جسے "قانونِ تجاران" (De mercatoribus) کہتے ہیں منظور کر لیا ہو گا جو قانونی شکل میں "بادشاہ اور مجلس شاہی" کا حکم تھا۔ ۱۲۹۰ء ہی کے آخر میں اساقفہ اور بیرنوں کی ایک مجلس عظمیٰ منعقد ہوئی جس نے پارلیمنٹ میں بادشاہ کی بیٹی کی شادی کے لئے امداد منظور کی۔ یہ امداد اپنے لئے اور تمام قوم کے لئے جس حد تک کہ وہ اس کے قائم مقام تھے منظور کی۔ جولائی کے مہینے میں دوسری مجلسوں کے لئے ہر صوبہ سے دو مبارز بلائے گئے اور ان کو بحث اور منظوری کے پورے اختیارات تھے مگر "قانونِ انتقالِ اراضی" بغیر ان کی انتظار شرکت کے پاس کیا گیا اگرچہ مبارزوں کے اغراض براہ راست اس قانون سے وابستہ تھے۔ پادریوں نے ۱۲۹۴ء میں اپنی ایک علٰحدہ مجلس میں بادشاہ کے لئے امداد منظور کر دی اور دنیوی امرا نے خود اپنے طور پر ایک اور علٰحدہ مجلس میں امداد منظور کر دی جس کے لئے ۸ اکتوبر کو صوبے سے دو مبارز بلائے گئے تھے تا کہ سنہ ۱۲۹۰ء کے الفاظ میں "مشورہ کریں اور منظوری دیں" دوسرے روز دو دو اور بلائے گئے تا کہ "یہ لوگ بحث سنیں اور جو کچھ ہم کہیں ان پر عمل کریں"، لیکن کوئی بلدی قائم مقام نہیں بلایا گیا۔ اور اسی سال تاجروں نے بادشاہ کے لئے اون پر زائد محصول منظور کر لیا۔

اس فہرست میں جو چیز سب سے زیادہ معنے خیز ہے وہ ایسے ممالک ہیں جہاں یہ دو شکلیں دکھائی دیتی ہیں یعنی ایک مرکزی پارلیمنٹ کا صوبہ داری مجلسوں میں، اور دوسرے پارلیمنٹ کا مختلف طبقات کی جداگانہ مجلسوں میں بٹ جانا،

یہی وہ چیز ایسی ہے جس سے بعد میں شاہان فرانس نے مجلس طبقات ،، کو کمزور کرنے اور اس کو بادشاہ کی خدمت کا پابند بنانے میں خاطرخواہ کام لیا تھا۔ جب شکلیں پیدا ہوئیں تو نہ کسی نے اس کی مخالفت کی نہ اس کی طرف کوئی خاص توجہ کی اور اس میں جو خطرہ تھا وہ بروقت صاف نہیں دکھائی دیتا تھا۔ اگر مختلف تاریخوں میں دیکھا جائے تو یہ مجلسیں اپنے علیحدہ علیحدہ میدان عمل میں دوسری صدی کی پوری پارلیمنٹ سے کچھ کم طاقتور نہیں تھیں۔ اس بات کا پتہ نہیں کہ آیا پارلیمنٹ ان نظائر کا راستہ اختیار کر کے ترقی کرتی تو اس میں کوئی مشکل حائل ہوتی یا نہیں۔ یہ سچ ہے کہ بادشاہوں نے بعض اوقات پارلیمنٹ کی دقت سے بچنے کے لئے بعض طبقات سے علیحدہ علیحدہ گفت و شنید کا سلسلہ جاری رکھا تھا اور یہ طریقہ چھوڑا تو صرف اس وقت جب انھوں نے دارالعوام کے ارکین کو مختلف طریقوں سے ہموار کرنے کا عمل جاری کیا، اور رکنیت کی بدعنوانیاں تو کم از کم ایڈورڈ اول کے عہد تک میں جاری رہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اگر یہ نظائر موثر ہوتے تو انگریزی مفہوم کے مطابق نہ پارلیمنٹ بنتی نہ دستور۔

اس بحران سے پارلیمنٹ اور دستور محض لاعلمی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے بچ گئے۔ شاہان فرانس چارلس پنجم اور چارلس ہفتم کی طرح جو چند پشتوں کے بعد برسر حکومت ہوئے اگر ایڈورڈ اول بھی پارلیمنٹ کے آیندہ مستقبل کو پہچاننے کے قابل ہوتا اور یہ سمجھ سکتا کہ طاقتور پارلیمنٹ کا انعقاد ملوکیت کے لئے خطرناک ہے تو جہاں تک اب ہم غور کر سکتے ہیں وہ پارلیمنٹ کا غالباً سد باب کر دیتا، اور یہ اس کے لئے کچھ ناممکن بھی نہ ہوتا۔ ایڈورڈ اول کے عہد کے ختم ہونے کے بعد سد باب ناممکن ہو گیا اور ایڈورڈ دوم کے تخت سے معزول ہونے کے بعد تو یہ قطعی ناممکن ہو گیا۔

ترقی کے آثار ۔ اس دور کی تمام بدنظمیوں میں غور سے دیکھا جائے تو کچھ نہ کچھ ترقی ضرور نظر آئے گی۔ ایک چیز تو یہ ہے کہ کونسل میں اکابر ملک و مذہب کے ساتھ مقامی رقبوں کے نمایندوں کی شرکت روز بروز رواج پذیر ہو رہی تھی اگو اب تک اس بات کا ثبوت نہیں ملا کہ کس قسم کے قواعد اور متعین شکلیں طے ہو رہی تھیں لیکن یہ عملدرآمد روز بروز عام ہو رہا تھا۔ اس دور میں یہ واقعہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عدالت شاہی

میں نمایندے بھی بلائے جاتے تھے جو قدیم اراکین کے ساتھ نشست کر کے ملکی امور میں حصہ لیتے تھے لیکن یہ بات ثابت کرنے کے لئے کوئی مواد نہیں کہ یہ لوگ بعد کے زمانے کی پارلیمنٹوں کی طرح کچھ آزادانہ بحث کے لئے بلائے گئے ہوں اور فیصلہ طلب امور میں ان کو حقیقی رائے دینے کی اجازت دی گئی ہو۔ یہ دونوں چیزیں غیر یقینی ہیں۔ ممکن ہے کہ اپنے متعلقہ معاملات میں ان کو یہ بات حاصل ہو۔ لیکن یہ لوگ جو مقامی رائے پیش کرتے تھے وہ اہم سمجھی جاتی تھیں اور فیصلہ کرنے والے اپنے عمل میں دوسری چیزوں کے ساتھ اس کو بھی پیش نظر رکھتے تھے۔ شقوں میں یہ جو خواہش ظاہر کی گئی تھی کہ نمایندے کامل اختیارات سے ملبوس ہوں اس کے معنے غالباً صرف اس قدر تھے کہ ان لوگوں کے پاس مناسب دستاویز ہونے چاہئیں تاکہ ان کی رپورٹ مصدقہ سمجھی جائے اور قوم امور منفصلہ کی پابند ہو۔

اس دور کے واقعات سے یہ بات بھی ثابت ہونی چاہئے کہ مجلس میں جدید عناصر کو شامل کرنے کی یہ غایت نہیں تھی کہ اجرائے محاصل میں قبل از وقت مقامی رضامندی حاصل کی جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بھی ایک بڑا محرک تھا۔ متوسط طبقے سے (جواب جدید قائم ہو رہا تھا اور حقوقِ زمینداری حاصل کر رہا تھا اور جس کے ہاتھ میں بہت کچھ قابل محصول ذرایع موجود تھے) غیر معمولی مداخل وصول کرنے کے لئے پرانے جاگیری طریقے کافی نہیں تھے اور اکثر بلدیات کے لئے تو جو اراضی صرفخاص سے باہر تھے ان طریقوں سے قطعی کام نہیں چل سکتا تھا۔ تیرھویں صدی کے حالات کی وجہ سے یہ جاگیری اصول کہ غیر معمولی محصول کے لئے قبل از وقت منظوری ضروری ہے حکومت میں اس قدر جاگزیں ہو گیا تھا کہ ۱۲۱۵ء کے بعد سے پھر اس کی خلاف ورزی نہیں ہوی یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ جوں جوں اجرائے محاصل کی وسعت ہوتی گئی یہ اصول بھی پھیل کر جملہ محاصل پر منطبق ہو گیا لیکن یہ بھی ظاہر ہے اور داؤد کے مقدمے کے سلسلے میں جو شقے جاری ہوئے تھے ان سے اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے کہ مسائل حکومت اور بالخصوص ان مسائل کے متعلق جن میں کوئی خاص شبہ ہوتا تھا باوجود غیر معمولی مصارف کے باعث ہوتے تھے حکومت مقامی رقبوں کی یکساں منظوری حاصل کرنا چاہتی تھی۔ چونکہ

قرونِ وسطیٰ میں ذرائع آمد و رفت کی وقت تھی اور رائے عامہ کے حصول اور اظہار کے وہ ذرائع نہ تھے جو اب حاصل ہیں اس لئے اس وقت مجموعی رائے کی دریافت اور تعین کا یہی ایک ممکن طریقہ تھا کہ صاحب علم و فہم مبعوثین ایک جگہ جمع کئے جائیں اور یہ طریقہ حکومت اور اجرائے محاصل دونوں مسائل کے کام آتا تھا یہ واقعہ بڑی حد تک بعد کو آنے والی باتوں کی کلید ثابت ہوتا ہے۔ اگر ہم اس مسئلے کی اصل حقیقت سمجھنے میں کامیاب ہو جائیں جو تیرھویں صدی کے ذرائع رسل و رسائل کی مشکلات کی وجہ سے پیدا ہوا تھا جب کہ لوگ اس بات سے واقف ہونے لگے تھے کہ مشترکہ اغراض کیا ہیں اور عہدہ بطبقات کون سے ہیں جن کی رائے معلوم ہونی چاہئے اور ان کے ذرائع ملک کی خدمت میں صرف ہونے چاہئیں تو اشکال و مقاصد سب ہمارے سامنے آجائیں گے۔

۱۲۹۵ء کے نمونے کی پارلیمنٹ۔ ۱۲۹۵ء کے نام نہاد نمونے کی پارلیمنٹ میں تیس سالہ تجربہ گویا جمع کر دیا تھا اور جیسے بعد کے زمانے کا خیال ہے اس میں وہ تجربہ مستحکم اور محفوظ کیا گیا۔ صرف اسی مفہوم میں اس پارلیمنٹ کو نمونہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ پچھلی ترقی کی معراج ہے۔ اور اس سے یہ مطلب نہ لینا چاہئے کہ کیسی مطمح نظر کے مطابق تھا یا بعد کو اس کی تقلید کی گئی، کیونکہ اس نے صرف بلحاظ ترکیب نمونے کا کام دیا تھا نہ بلحاظ تنظیم۔ تاہم یہ پارلیمنٹ غیر معمولی طور پر قوم کے تمام طبقات کی نمایندہ تھی۔ ۱۲۹۵ء میں موسم گرما کے اختتام کے قریب ایڈورڈ اول سخت مشکلات میں گھرا ہوا تھا۔ ویلز کی باغیوں کی کشمکش ابھی ابھی ختم ہوئی تھی جس میں بہت روپیہ صرف ہوا تھا۔ فرانس کے خلاف جنگ ہنوز جاری تھی اور اسکاچستان کی جنگ کا آغاز ہو رہا تھا۔ اس کو ضرورت بھی تھی اور خواہش بھی کہ قوم اس کے خارجہ مسلک میں تائید کرے اور حسب ضرورت بھاری بھرکم اخراجات برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں محرکات جو ایڈورڈ کے دل میں کام کر رہے تھے وہ اس پارلیمنٹ کی خاص نوعیت کے باعث ہوئے۔

اکابر ملک و مذہب کے سوا، جو قدیم مجلس عظمیٰ کے ارکین تھے صوبوں سے دو دو مبارز اور بلدیات سے دو دو بلدی بلائے گئے۔ نیز ان شقوں کے نام نہاد۔

(premunientes) فقرے کے ذریعے سے جو اساقفہ کے نام جاری کئے گئے تھے ذیلی پادری بھی بلائے گئے تھے۔ پادریوں کے یہ نمایندے پارلیمنٹ کا فی الوقت ایک عنصر بن گئے، مگر یہ عنصر مستقل نہیں ہوا۔ جب پارلیمنٹ جمع ہوئی تو یہ جاگیری معاشرے کے تین "طبقات" کے مطابق تین ایوانوں میں تقسیم کی گئی جن میں سے ایک میں پادری دوسرے میں بیرن اور تیسرے میں بلدی نشست کرتے تھے۔ مبارز بیرنوں کے ساتھ شریک ہوکر دوسرا طبقہ بن گئے اور حقیقت میں جاگیری تصورات کے مطابق اسی سے ان کا تعلق بھی تھا۔ ہر طبقے نے اپنے اوپر جداگانہ محصول عائد کیا اور ہر طبقے کی شرح بھی دوسروں سے مختلف تھی۔ یہ ترکیب اور تنظیم وہ ہے جو فرانس کے مجلس طبقات میں بالآخر مستقل ہوگئی اور یہ مجلس طبقات بھی قریب قریب اسی زمانے میں بن رہی تھی۔ ایڈورڈ اس قاعدے میں کسی قسم کا دستوری اصول یا نظیر نہیں سمجھتا تھا اور اس نے بعد کو جو (۱۲) پارلیمنٹیں طلب کیں تو ان میں صوبوں اور قصبات کا کوئی نمایندہ نہیں تھا، بلکہ صرف تین پارلیمنٹیں ایسی ہیں جن میں ۱۲۹۵ء کی تقلید کی گئی۔

۱۲۹۵ء کی پارلیمنٹ طلب کرنے سے اس دور کے اکثر طالب علم یہ سمجھتے ہیں کہ ایڈورڈ اول کے ذہن میں طریق نیابت کا روشن تصور موجود تھا اور اس نے دانستہ اس بات کا ارادہ کرلیا تھا کہ مرکزی حکومت کے آلۂ قانون سازی میں اس طریق نیابت کو ہمیشہ لگائے رکھے لیکن یہ تصور اصل واقعات کے مطابق نہیں ہے۔ ایڈورڈ انگریز بادشاہوں میں ایک بڑا مدبر ضرور ہے لیکن اگر وہ مستقبل کی اس درجہ پیش بندی کرسکتا تو تاریخ میں شاید سب سے بڑا مدبر مانا جاتا۔ اس کا تدبر اس بات میں مضمر تھا کہ اس نے صاف طور پر یہ دیکھ لیا کہ اس کو کیا کرنا ہے، اور خاص طور پر اس بات میں کہ اس نے انگلستان کی عظمت کو جسے وہ عظمت سمجھتا تھا بڑھانے کی کوشش کی۔ نیز اس کا تدبر اس بات میں مضمر تھا کہ وہ ان آلات کو جن سے اس کو کام کرنا پڑتا تھا اپنے مقصد میں لگانا چاہتا تھا اور اس میں پوری نہیں تو نمایاں کامیابی ضرور ہوئی۔ غالباً اس کو اس رومن مقولے کے استعمال سے جو ۱۲۹۵ء کے شقہ میں درج کیا گیا تھا اور جس کا اس سلسلے میں اکثر حوالہ دیا گیا ہے یعنی Ouod omnes tangit ab omnibus approbetur) جو چیز سب سے متعلق ہو سب اس کو منظور کریں۔ اسوقت تک تقویت

نہیں ہوئی جب تک اس نے اسے اپنے شقوں میں دیکھ نہ لیا غالباً اس کے معنے اس کے نزدیک یا اس شخص لئے جو اس کے درج کرنے کا ذمہ دار تھا ان پچھلے فقروں سے زیادہ نہیں تھے جن پر پہلے روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ ہم صاف طور پر دیکھ سکتے ہیں کہ ایڈورڈ اول اور اس کے زمانے کے لوگ حقیقت میں کیا کر رہے تھے کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ کس قسم کے واقعات پیش آنے والے تھے، لیکن وہ پیش بینی نہیں کر سکتے تھے اور یہاں اکثر موقعوں پر نہ پہلے سے کوئی منصوبہ باندھا گیا تھا نہ سوچ بچار کر کے اس کا ارادہ کیا گیا تھا۔ ہم کو حقیقت میں یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ تیرھویں صدی کے اختتام تک انگلستان میں جو کچھ ہوا وہ نوعیت اور معنوں کے اعتبار سے اس کام سے بالکل مختلف تھا جو اسی زمانے میں مغربی یورپ کے اکثر ممالک میں ہو رہا تھا۔ انگریزی پارلیمنٹ کو تاریخ میں جو عظمت حاصل ہے تو اس وجہ سے ہے کہ جب اس کے ابتدائی مراحل گزر گئے تو اسے چند خاص طریقوں سے استعمال کیا گیا اور اس کو خاص معنے پہنا ئے گئے۔

بعض لوگ پارلیمنٹ کو ان عناصر کے اعتبار سے جس سے یہ مرکب ہوئی ہے اس گشتی عدالت کی مجلس سے مطابق کرتے ہیں جو ہنری دوم کے اصلاحات کے لحاظ سے قائم ہوئی تھی لیکن یہ خلاف قیاس ہے۔ اس صدی کے وسط کے شقوں سے جو عدالت صوبہ کے لئے جاری ہوئے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ عدالت میں تین عناصر کا اجتماع ہوتا تھا ایک بیرن جن میں مذہبی بیرن بھی شامل ہیں، دوسرے آزاد لوگ، تیسرے بلدی، مبارزوں کا درجہ بیرنوں اور آزاد لوگوں کے بیچ میں پڑتا تھا۔ تیرھویں صدی کے اختتام تک بھی یہ بات پایۂ یقین کو نہیں پہنچی تھی کہ مبارز کسی عنصر کے ساتھ اپنے کو ہمیشہ کے لئے مربوط کریں لیکن یہ بات تو اس وقت ظاہر ہو گئی تھی کہ وہ جدید عنصر جن کی قدیم کونسل میں کوئی نشست نہ تھی زائد کئے گئے تھے اور ان طبقات کے لحاظ سے جو اس میں شامل تھے اس کو عدالت صوبہ سے مطابق کیا گیا، یہ دو عناصر کم از کم نظریئے کے طور پر زمانہ حال تک بیرنوں کے عنصر سے اور ایک دوسرے سے پارلیمنٹ میں علیحدہ رہے۔

ان اضافوں کا آخر کو یہ اثر ہوا کہ مجلس عظمیٰ میں ایک ترکیبی تغیر عمل میں آیا یعنے جدید اور قدیم میں ایک ادارتی فرق پڑ گیا۔ یہ ایسا تغیر تھا کہ اپنی نوعیت اور معنوں کے

اعتبار سے ٹھیک اس تغیر کے مشابہ تھا جس سے سیکسنوں کی قومی مجلس جاگیری دور
کی مجلس عظمیٰ میں منتقل ہوئی تھی۔ یہ تغیر بھی گزشتہ تغیرات کی طرح جدید اصول ترکیب
کے پیدا ہونے سے وجود میں آیا تھا۔ یہ اصول ترکیب اصول نیابت تھا یا وہ اصول تھا
جو بعد میں چل کر اصول نیابت بن گیا۔

اگر ابتدائے پارلیمنٹ کے دور کے متعلق یہ کہیں کہ وہ ۱۲۹۵ء کی پارلیمنٹ پر
ختم ہو جاتا ہے تو کچھ بیجا نہ ہوگا لیکن اس وقت تک جدید ادارہ پورے طور پر نمایاں نہیں تھا
نہ حکومتی ادارات میں اس کی جگہ متشخص ہوئی تھی۔ ابھی یہ پارلیمنٹ اس بڑے کام
کی اہل نہیں ہوئی تھی جو آخر میں وہ انگریزی دستور کی تشکیل کے سلسلے میں کرنے والی تھی؛
یعنے منشور اعظم کی جاری کردہ روایت کی حفاظت کرنا اور اس کو آگے بڑھا اور مثال
کے بعد مثال جمع کرنا جس سے محدود ملوکیت پیدا ہوئی۔ اگر اس روایت کو باقی رکھنا
تھا تو فی الحال بیرنوں کی مخالفت ہی اس کو ترقی دے سکتی تھی۔ اگرچہ یہ مخالفت
بہت زیادہ قابل اعتماد اور یکجہت نہیں تھی لیکن اس روایت کی محرک بن چکی تھی۔ یہ ایک
دلچسپ بات ہے کہ ۱۲۹۵ء کی پارلیمنٹ کے بعد ہی دوسرا قدم آگے کو اٹھایا گیا اور
جو اصول اس وقت قائم کیا گیا تھا اسی پر دوسری صدی کی تمام پارلیمنٹی ترقی قائم کی گئی۔

محاصل بلا منظوری جاری کئے گئے۔ ۱۲۹۵ء کی پارلیمنٹ کی رسمی
منظوریاں ایڈورڈ کو اس کی مالی مشکلات سے نجات نہیں دلا سکیں اور جنگ فرانس
اور اسکاٹستان کی مشکلات اور ناکامیوں کی وجہ سے یہ مشکلات بڑھتی ہی رہیں۔
ایڈورڈ کی طرح نہ بیرنوں کو جنگ سے دلچسپی تھی نہ عوام کو اور اس کو حسب ضرورت
پے در پے منظوریوں سے روپیہ حاصل کرنا ناممکن معلوم ہوا۔ پادری بھی ملکی اجزائے محاصل
کی مخالفت کر رہے تھے اور ۱۲۹۶ء میں پوپ بانی فیس ہشتم کے فرمان
(Clericus Laicod) "پادری اور عامانی" سے پادریوں کو یہ حکم ہو گیا تھا
کہ وہ اس قسم کے محاصل مملکت کو نہ دیں۔ ان حالات میں ایڈورڈ نے یہ سمجھ لیا کہ ملک کی
حفاظت کے لئے بغیر قبل از وقت منظوری کے محاصل لگانا مناسب ہوگا، اور اس میں
کوئی شک نہیں کہ اس کا ایسا سمجھنا ایمانداری پر مبنی تھا۔ انھی اسباب کی بنا پر،
اس نے قوم کو توجہ دلائی کہ میرا یہ فعل حق بجانب ہے۔ ایک بے ضابطہ مجلس میں اس نے

جو طلب نامہ اور ترکیب کے اعتبار سے نہ پارلیمنٹ تھی نہ مجلس عظمیٰ، بیرنوں اور شہریوں
سے رقمی منظوری کا ایک وثیقہ حاصل کرلیا اور اس اُون کو جو تاجر باہر بھیجنا چاہتے تھے ضبط کرلیا
اور قیمت ادا کرنے کا رقعہ دیدیا؛ نیز پادریوں کو تو اس نے قریب قریب قانون بدر
کرکے ان کے اراضی کا ایک بڑا حصہ ضبط کرلیا۔

بیرنوں کی شکایات۔ یہ محاصل ایڈورڈ کی تمام طبقات رعایا پر بہت
گرانبار ثابت ہوئے اور ان سے عام مخالفت بھڑک اٹھی۔ بڑے بیرنوں کے لئے تو
اور اسباب تھے جن سے وہ تحقیقات وثائق کی کارروائیوں میں بہ حیثیت طبقہ کے اپنی اپنی
انفرادی شکایتوں میں بادشاہ کی مخالفت پر آمادہ ہوگئے۔ ان لوگوں نے مخالف فریق
کے رہنماؤں کا اسی طرح ہاتھ بٹایا جس طرح انھوں نے ۱۲۱۵ء اور ۱۲۵۸ء میں
کیا تھا، لیکن یہاں بہ نسبت پچھلے زمانے کے یہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ شخصی اسباب
اور خود غرضانہ خواہشات کا اثر تھا۔ اگر بیرنوں کا یہ منشا تھا کہ عام موقع سے فائدہ
اٹھا کر اپنے اغراض پورے کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت انھیں
ایک اچھا موقع مل گیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت اسکو ایک دستوری بحران سمجھنا چاہیئے تھا۔
اگر یہ ایک پشت کے بعد ہوتا تو یہی سمجھا جاتا۔ اس اصطلاح کا پورا مفہوم ۱۲۹۷ء کے دل و دماغ
سمجھنے سے قاصر تھے لیکن یہ دستوری نکتہ ہی تھا جسے انھوں نے حل کیا اور اس حل
کو دستوری لباس میں ملبوس کردیا۔ ظاہر ہے کہ بیرنوں کا مطالبہ اور رعایت جو
انھوں نے حاصل کی وہ ان کے پچھلے مخالفانہ عمل کے سلسلے کی ایک کڑی تھی اور
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ منشور اعظم کے بعد محدود ملوکیت کی ترقی میں ایک بہت بڑا اضافہ
ہوگیا۔

بیرنوں کی قطعی مخالفت اور انکار کے باوجود کہ ہم بادشاہ کے ساتھ کام کرنے
کے لئے تیار نہیں ہیں ایڈورڈ نے ۱۲۹۷ء کی گرمیوں میں اپنی فوج کو فلینڈرز میں
لیجانے کی تیاریاں جاری رکھیں۔ ماہ اگست کے وسط میں بیرنوں نے خود اپنے
اور ملک کی جملہ آبادی" کے نام سے اپنی شکایتوں کی ایک روداد بادشاہ کے سامنے
پیش کی اور بادشاہ سے درخواست کی کہ ان کی تلافی ہونی چاہیئے۔ ان کی شکایتیں
یہ تھیں کہ بھاری بھرکم محاصل نے ہمیں قلاش کردیا ہے، قانون اور رواج کے

مطابق ہمارے ساتھ سلوک نہیں کیا گیا، منشور اعظم اور فرمان جنگلات کے قواعد کی پابندی نہیں کی گئی، اور ان پر بادشاہ نے جدید کروڑگیری عائد کی ہے جس کی مقدار ان کے بیان کے مطابق تمام ملکی مالیت کے ایک خمس کے برابر تھی۔ چونکہ ایڈورڈ اس وقت جہاز میں بیٹھنے کے لئے تیار تھا۔ اس نے اس لئے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور کہا کہ میں بغیر کونسل کے جس کا ایک حصہ پہلے سے فلینڈرز پہنچ گیا ہے اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ وہ ۲۲ تاریخ کو جہاز میں بیٹھ گیا اور اپنے بیٹے ایڈورڈ کو جو ابھی چھوٹا تھا بطور متولی کے چھوڑ گیا کہ بیرنوں کے مطالبات منظور کر لے اس وقت سب یہ بات مانتے تھے کہ اس کو ایسا کرنا چاہیئے۔ اکتوبر کے اوائل میں اس کے بیٹے نے مراعات اجرا کر دیں اور نومبر کی ۵ تاریخ کو باپ نے باضابطہ منظوری کی صورت میں اس کی توثیق کر دی جس کو "توثیق مناشیر" کہتے ہیں۔

اس وثیقے میں دفعات ۱۶ اور ۱۷ ایسے ہیں جو آیندہ زمانے پر دائمی اثر ڈالتے ہیں۔ پانچویں دفعہ میں ایڈورڈ کے محاصل اور ناجائز آمدنیاں گنائی گئی ہیں اور اس کے بعد چھٹی دفعہ کا اعلان یہ ہے کہ ہم نے اپنے اور اپنے جانشینوں کے لیے ہمیشہ کے علاوہ اساقفہ۔ صدر اساقفہ۔ راہبین۔ پادری اور مقدس کلیسا کے جملہ متعلقین کے نئے نیز اور بیرنوں اور ملک کی جملہ رعایا کے لئے یہ منظور کیا ہے کہ خواہ کوئی کام ہو اور سب کا فائدہ کیوں نہ ہو ہم ملک سے اس قسم کی امداد محاصل (mises) اور (prises) نہیں لیں گے۔ سوائے ان قدیم امداد اور (prises) کے جو واجبی اور مروجہ ہیں۔ دفعہ اون کی جدید کروڑگیری یعنے (male tote) سے متعلق ہے اور اس میں ضابطہ یہ مقرر ہوا کہ بادشاہ بغیر اہل ملک کی مشترکہ رائے و خوشنودی کے نہ یہ کروڑگیری وصول کرے نہ کوئی دوسری سوائے اون، پوست اور چمڑے کی کروڑگیری کے، جو عوام کی جانب سے پہلی کی منظورہ ہے ہمارے اور ہمارے جانشینوں کے لئے رہے گی"۔ دفعہ (۶) میں بادشاہ کے لئے جن امور کی تخصیص کی گئی ہے وہ منشور اعظم کے دفعہ (۱۲) کے مطابق ہیں اور دفعہ (۷) میں اس قدیم دستور کا حوالہ دیا گیا ہے جس کو ۱۲۷۵ء میں ایڈورڈ نے منظور کیا تھا۔ اسی زمانہ کا ایک اور وثیقہ بھی ہے جس کی ٹھیک تاریخ ہم نہیں بتا سکتے۔ غالباً وہ بیرنوں کے مطالبات کی ایک رودداد اور توثیق کا ایک غیر سرکاری اقتباس ہو مگر بعد کو

جب کہ وہ "قانون" (De tallagio non concedendo) کے نام سے موسوم ہوا حالانکہ وہ کوئی باضابطہ قانون نہیں تھا - اس میں (tallage) کو ان محاصل میں شامل کیا گیا ہے جن کی منظوری حاصل کرنا ضروری ہے - یہ ممکن ہے کہ بالکل بے پروائی سے یہ لفظ استعمال کر دیا گیا ہو گا حالانکہ اس زمانے میں (tallage) کی حقیقت کوئی بھولا نہیں ہو گا یہ ان زرعی غلاموں کی آمدنی کا نام تھا جو مع اپنی جملہ جائداد کے رئیس جاگیر دار کے قبضے و تصرف میں سمجھے جاتے تھے اس لئے (tallage) کوئی محصول نہیں تھا بلکہ اسکو مشغول سرمایہ کا منافع کہنا چاہئے اور اس طرح یہ بالکل ایک علٰحدہ چیز تھی - نہ تو بیرنوں کو اس بات پر اصرار کرنے کا کوئی حق تھا کہ بادشاہ اس منافع سے دست بردار ہو جائے اور نہ اس کو کبھی ایسا خیال آیا ہو گا کہ اس نے کبھی اس قسم کی دست برداری دی ہے کیونکہ ۱۳۰۴ء ہی میں اس نے اراضی صرف خاص پر (tallage) عائد کیا -

اجرائے محاصل کا اصول - ۱۲۹۷ء کے وثیقے کو توثیق منا شر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن اس نام سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کو تاریخ میں کیا درجہ حاصل ہے بلکہ اس سے یہ بات اور بھی پوشیدہ ہو جاتی ہے - یہ اس بنیاد کا ایک حصہ ہے جس پر دستور کی عمارت قائم کی گئی ہے اور اس طرح "توثیق" خود منشور اعظم سے کچھ کم اہم نہیں ہے اگر ہم وہ اساسی اصولوں کو قطع نظر کر دیں جو ہر چیز میں مضمر ہیں تو منشور کا سب سے اہم قاعدہ جس کا تعلق تعمیر دستور سے ہے یہ قاعدہ ہے کہ ہر غیر معمولی محصول کے لئے، یعنے ہر ایسے محصول کے لئے جو مروجہ جاگیری محصول اراضی میں شامل نہیں ہے پہلے منظوری حاصل کر لینی چاہئے - یہاں جتنے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ سب جاگیری الفاظ ہیں لیکن لفظ "امداد" کے استعمال سے بہت وسیع معنے پیدا ہو گئے ہیں - اس میں کوئی شک نہیں کہ اس زمانے کے لوگوں کے نزدیک "امداد" کبھی کبھی عائد نہ ہونے والے غیر جاگیری محاصل ہی شامل ہو جاتے تھے خواہ پہلے ایسا سمجھا جاتا ہو یا نہیں، یہ مشرح اصول اس صدی میں نہ صرف جاگیری بلکہ غیر جاگیری محاصل کے لئے مقتدر اصول بن گیا - پھر جیسے ہم پہلے دیکھ چکے ہیں غیر جاگیری محاصل میں برابر ترقی ہوتی رہی اور یہ اس صدی کی خصوصیت ہے - گو ۱۲۱۵ء کے منشور کا یہ قاعدہ ہنری سوم کی ۱۲۱۶ء کی اشاعت ثانی سے خارج کر دیا گیا - لیکن اس اخراج سے عمل میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا - مروجہ

جاگیری قانون میں یہ چیز شامل رہی اور اس طرح اس کی ان قواعد سے بھی زیادہ پابندی ہوئی جو منشور میں باقی رکھے گئے۔ ۱۲۹۷ء کے توثیق منشور نے منشور اعظم کی روایت کو بحال کر دیا اور بادشاہ اور اس کے جانشینوں کو سختی کے ساتھ اس کی پابندی کے لئے مجبور کر دیا۔ اگرچہ اس وقت یہ چیز جاگیری الفاظ میں ظاہر نہیں کی گئی، مگر اس کو پھیلا کر اس میں تمام غیر جاگیری محاصل شامل کر دئے گئے جن کا اس زمانے میں علم تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ جن لوگوں نے اس وثیقے کو مدوّن کیا ہے وہ سوائے جاگیری مطالبات کے جملہ اشکال محاصل کو شامل کرنا چاہتے تھے اور ان کو یقین تھا کہ انھوں نے انھیں شامل کر لیا ہے۔ آیندہ جب کبھی یہ سوال اٹھایا گیا تو اس اصول کی یہی تعبیر کی گئی۔ اس کے بعد سے ہر انگریز بادشاہ نے اس کو عمل کا اساسی قاعدہ سمجھا اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا اس کے پہلے جملہ بادشاہ یکے بعد دیگرے آمدنی کی جدید شکلیں پیدا کرتے اور یہ ادعا کرتے کہ ان پر یہ اصول منطبق نہیں ہوتا یا ان محاصل کو ناجائز طور پر وسیع کر کے اس اصول کے دباؤ سے بچنے کی کوشش کرتے رہے ہوں لیکن ۱۲۹۷ء سے یہ اصول دستور کا ایک اساسی قانون بن گیا کہ بادشاہ کو اپنی آمدنی کے لئے پہلے سے منظوری لینا لازم ہے۔ لہٰذا توثیق کی اس خاص صورت میں آکر یہ اصول چودھویں صدی میں اقتدار پارلیمنٹ کی، اور پھر تمام دستور کی بنیاد بن گیا۔

BIBLIOGRAPHICAL NOTE.—G. B. Adams, *The Origin of the English Consitiution*, 1920. E. Barker, *The Dominican Order and Convocation*, 1913. N. S B Gras, *The Earty English Customs System*, 1918. D. Pa:quet, *Les Origines de la Chambre des Co nmunes*, 1914. L. O. Pike, *Constitutional History of the House of Lords*, 1894. A. F. Pollard, *The Evolution of Parliament*, 1920. G. W. Prothero, *Sinon de Montfort*, 1877. L. Reiss, *Ursprung des Englischen Unterhauses, Historische Zeitschrift*, lx, 1, 1888. A. B. White, *The Concentration of Representatives*, *A. H. R.*, xix 735, 1914.

باب ۸
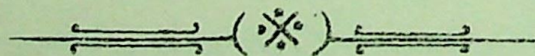
پارلیمنٹ کا ارتقا

تاریخ دستوری میں چودھویں اور سترھویں صدی دو بڑے دور ہیں جن میں اقتدار پارلیمنٹ کی ترقی عمل میں آئی اگرچہ سولھویں اور انیسویں صدی میں بھی پارلیمنٹ کی بہت کچھ ترقی ہوئی ہے لیکن ان دو ازمنہ ترقی میں جو اضافی پیشقدمی ہوئی ہے وہ اس نقطۂ آغاز کا لحاظ کرنے جہاں سے ان ازمنہ کی ترقی شروع ہوتی ہے اس کا مذکورہ دو ازمنہ ترقی سے مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اگر چودھویں صدی کے آخر میں یہ بات حاصل ہوی تھی کہ مملکت کے اندر پارلیمنٹ کی جگہ مستحکم ہوگئی تھی اور معین حقوق کا معتدبہ مجموعہ اس کے ہاتھ میں آگیا تھا جسے پارلیمنٹ نے بادشاہ کے مقابلے میں گویا جیت لیا تھا اور اگر اس کو ہم بیرنوں کی مخالفت کا قائمقام تسلیم کرلیں کہ یہ دستور کے اساسی اصولوں کی محافظ ہے تو ابتدائے صدی میں اس کی حالت بالکل دوسری معلوم ہوگی۔ تیرھویں صدی کی جملہ ترقی کے باوجود جب چودھویں صدی آئی تو اس وقت تک پارلیمنٹ کا رنگ روپ نکھرا نہ تھا اور اس کی ترکیب تنظیم اور طریقہ کار روائی میں ابھی تک تعیّن نہیں ہوا تھا۔

ہم انگریزی دستور کے متعلق یہ سمجھنے کے عادی ہوگئے ہیں کہ اس میں ایک پارلیمنٹ ہے یا زیادہ قطعیت کے ساتھ ایک دارالعوام ہے جو قوم کی نمائندگی کرتا ہے اور حکومت کے تمام افعال و فرائض پر حاوی ہے لہذا اس کے خلاف یہ بات ذہن نشین کرانے میں بڑی

مشکل پیش آئے گی کہ چودھویں صدی کے اوائل میں نہ صرف انگلستان میں بلکہ تمام یورپ میں پارلیمنٹ نیابتی حکومت کا صرف ابتدائی آلہ تھا۔ آگے چل کر اس کی جو کیفیت ہوئی اور جس حد تک یہ عملی حکومت میں دخیل ہونے لگی یہ سب ابھی توضیح طلب تھے۔ ابتک کسی چیز کا تعین نہیں ہوا تھا۔ جدید ادارے کے حقوق و فرائض واضح اور معین نہیں تھے اور اس کے آئندہ امکانات کے متعلق بھی کوئی علم نہیں تھا۔ چونکہ پارلیمنٹ جاگیری مجلس عظمیٰ کی قائم مقام تھی اور اس نے اِن اصولوں کو ورثہ میں پایا تھا جو تیرھویں صدی میں اجرائے محاصل کی بابت قائم ہوگئے کہ قوم کا ہر طبقہ اپنے محاصل کے متعلق خود اظہار رضامندی کرے اس طریقے سے پارلیمنٹ کے لئے ایک نقطۂ آغاز مل گیا جہاں سے اسنے حصول اقتدار کے لئے پیشقدمی شروع کردی۔ یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ پارلیمنٹ کہاں تک اس فائدے کے مفہوم سے واقف تھی۔ زیادہ سے زیادہ ہم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک صرف نقطۂ آغاز تھا جسطرح دور تشکیل کے متعلق ہم ابھی ابھی کہہ آئے ہیں اسی طرح یہاں بھی پورے امکان کے ساتھ ہمیں یہ کہنا چاہئے کہ اس راستے میں جو قدم رکھا گیا ان کی رہنمائی میں حکومت کا کوئی نظریہ یا کسی آزاد دستور کی پیش بینی نہیں تھی بلکہ اس میں اس زمانے کا محض عملی مقصد شامل تھا۔

طریق نیابت کا آغاز۔ قومی مداخل و مخارج کو پورے طور پر ہاتھ میں لینے کے لئے بہت سخت اور طویل کشاکش کی ضرورت تھی۔ جہاں تک قانون سازی کا تعلق ہے جدید ادارے کے لئے اس وقت تک کوئی نقطۂ آغاز دستیاب نہیں ہوا تھا اور تدبر حکومت کے تعین کے متعلق تو پارلیمنٹ اپنا مستقبل پورے طور پر جانتی ہی نہیں تھی چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پارلیمنٹ نے خود اس ارادے سے ہاتھ اٹھالیا اور اپنے آئندہ اقتدار کی بنیاد رکھی تو اس بیخبری میں رکھی کہ اسکو اپنے کام کا کچھ پتہ ہی نہیں تھا۔ تاہم زمانۂ حال کی پارلیمنٹی حکومت اس وقت تک وجود میں نہیں آسکی جب تک اسکو یہ تین امور حاصل نہیں ہوے۔ اول تمام قومی مداخل و مخارج پر پارلیمنٹ کا پورا اختیار؛ دوسرے پارلیمنٹ کا مطلق حق قانون سازی جس میں دارالعوام کو مساوی شرکت حاصل ہو؛ تیسرے عام تدبیر حکومت کے تعین کا اختیار جو حکومت کی نوعیت اور مقصد کی رہنمائی کرے۔ چودھویں صدی کے آخر تک ان میں سے ایک چیز بھی ایسی مستحکم

نہیں ہوئی تھی کہ آئندہ کے خطرے سے محفوظ ہو جاتی تاہم ان تمام چیزوں میں سے کم از کم پہلی چیز ایسی ہے کہ اس میں تو بہت کچھ ترقی ہو چکی تھی اور نسبتہً بہت کم کام باقی تھا۔

گو چودھویں صدی کے اوائل میں بھی پارلیمنٹ اپنی ترکیب اور اپنی اندرونی تنظیم کا لحاظ کرنے میں معین اور واضح نہیں ہوئی تھی مگر یہ امور بہت جلد طے ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یہ بات ذہن نشین ہوتی گئی کہ ذی اختیار پارلیمنٹ میں دو عناصر یعنے صوبوں اور بلدیات کے نمائندے شامل ہونے چاہئیں مجلس عظمٰی میں یہ جدید عناصر نہ تھے تاہم اس کے قدیم اختیارات عرصے تک باقی رہے اور چھوٹی کونسل بھی جو بادشاہ کے ساتھ مل کر کام کرتی تھی قائم رہی اور برابر پارلیمنٹ کے اختیارات پر کافی ضرب لگاتی رہی لیکن اس صدی سے جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا گیا۔ ان چیزوں کی اہمیت زائل ہوتی گئی اور بہت مختصر ہو کر رہ گئی چنانچہ اگر پارلیمنٹ کو اپنے اصلی رنگ میں دیکھا جائے تو وہ اپنے اختیارات قانون سازی اور دیگر حقوق کے ساتھ قدیم نہیں بلکہ ایک جدید ادارہ تھی۔

کامل تنظیم کا اس کی ترکیب سے گہرا تعلق تھا۔ عام پادریوں کے نمایندوں کا جو مذہبی عنصر تھا وہ اس صدی کے وسط سے پہلے یعنے پارلیمنٹ سے یہ کہہ کر کنارہ کش ہو گیا کہ ہم خود اپنی مجلسوں میں جن کو مجالس کلیسائی (کانوو کیشن) کہتے ہیں پارلیمنٹی فرائض ادا کرینگے جو پادریوں کی قانون ساز مجلسوں کے طور پر ایک صدی تک جاری تھیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ یہ لوگ اپنے محاصل کا اجرا خود اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے۔ اس سے نہ صرف یہ واضح ہوتا ہے کہ تیرھویں صدی میں ہر طبقے کو یہ جداگانہ حق حاصل تھا کہ وہ مملکت کو جو کچھ دے اس کو وہ خود طے کر لیا کرتے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان طبقوں کو کچھ ڈر لگا ہوا تھا کہ یہ حق نائب ہو رہا ہے۔ چند دنوں تک تو یہ لوگ (prenu nientes) کے فقرے کی رو سے پارلیمنٹ میں برابر بلائے جاتے تھے لیکن بحیثیت طبقے کے انھوں نے کبھی شرکت نہیں کی اور ۱۶۶۴ء تک محاصل کی منظوری کا حق اپنے ہی ہاتھ میں رکھا۔ ان لوگوں کی کنارہ کشی سے یہ ہوا کہ پارلیمنٹ صرف دوسرے اور تیسرے طبقوں پر ہی مشتمل رہی کیونکہ اساقفہ اور راہب بیرنوں کے ساتھ دارالامرا میں برابر نشست کرتے رہے اور اپنے کو صرف پادری نہیں بلکہ مجلس عظمٰی کے اراکین بھی تصور کرتے رہے۔

مبارزوں کا بلدیوں کے ساتھ شریک ہونا۔ گو پادریوں کی کنارہ کشی سے یہ مسئلہ صاف طور پر طے نہیں ہوا کہ جدید ادارے میں ایوانوں کی تعداد کیا رہے گی۔ تیرھویں صدی کا یہ عام طریقہ تھا کہ جدید عناصر مجلس عظمیٰ کے ساتھ ایک ایوان میں نشست کرتے تھے۔ یورپ میں ہر جگہ طرز عمل یکساں نہیں تھا۔ اراگان میں مبارزوں نے اپنا ایوان علیحدہ بنا لیا تھا اور اکثر ممالک میں یہ بیرنوں کے ساتھ شریک تھے۔ سوئیڈن میں چار ایوان تھے کیونکہ احرار دیہات جداگانہ ایوان میں بیٹھتے تھے۔ اسکاچستان میں صرف ایک ہی ایوان رہا۔ مگر شہروں کے نمائندے اپنے آپکو بالکل جداگانہ عنصر تصور کرتے تھے اور جمعیت میں بھی انکی حیثیت منفرد ہوتی تھی۔ انگلستان میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ آیا مبارز ایوان بالائی میں ہمیشہ بیرنوں کے ساتھ شرکت کریں یا ایوان زیریں میں بلدیوں کے ساتھ شریک ہو جائیں۔ یہ سوال اڈورڈ سوم کے عہد کے پہلے حصے میں حل ہو گیا تھا۔ اگرچہ مبارز صاحب اراضی اعیان کی ایک شاخ تھے لیکن وہ حیثیت میں ذرا گرے ہوئے تھے تاہم یہ لوگ نئے شہروں کے تاجر طبقے کے ساتھ شریک ہو کر دار العوام کی تشکیل پر راضی ہو گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انگلستان میں اس خاص صورت کا پیدا ہونا کچھ خاص حالات کا نتیجہ تھا جنھیں پچھلے باب میں مختصراً بیان کر دیا گیا ہے۔

تاجر شہری حقیقت میں چھوٹے بیرنوں کے ہم پایہ تھے اور عدالت صوبہ میں ان کا ایک ہی درجہ تھا۔ اب چودھویں صدی عیسوی میں معاشرت میں بھی یہ لوگ ان کے ہم پایہ سمجھے جانے لگے ان کے بیٹے اور بیٹیوں کے مبارز خاندانوں میں بلا مخالفت شادی بیاہ ہونے لگے تھے وہ زمین بھی خرید سکتے تھے اور جب چاہتے بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے خاندان کو مبارز خاندان بنا سکتے تھے۔ اگر چھوٹے اور بڑے بیرنوں کے درمیان مفاد اور رواج کے قیود زیادہ ہو رہے تھے تو یہ قیود چھوٹے بیرنوں اور بلدیوں کے درمیان ٹوٹ رہے تھے۔ چودھویں صدی میں انگریز مبارز ہمیشہ کے لئے بلدیوں کے ساتھ مربوط ہو گئے اور دار العوام کی تشکیل ہوئی تو انھیں دو طبقات کے اجتماع سے ہوئی۔ تشریح کے طور پر ہم کو زیادہ سے زیادہ صرف اس قدر کہنا چاہئے کہ مبارز اور بلدی ایک دوسرے کے ساتھ کافی مانوس تھے اور ان کے باہمی ملاپ میں زیادہ وقت پیش نہیں آئی۔

اس غیر ارادی واقعے کو غالباً پارلیمنٹ کی اس ترقی اختیارات سے بہت گہرا تعلق ہے جو چودھویں صدی میں سرعت کے ساتھ عمل میں آ رہی تھی، کیونکہ یہ ترقی پارلیمنٹ کے

دونوں ایوان کی یکساں نہیں بلکہ صرف دارالعوام کی تھی۔ اگر دارالامرا کو فی نفسہ دیکھا جائے تو اس صدی کے اوائل میں اس کی اہمیت کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن اواخر صدی میں مقابلۃً اس کی بہت کم اہمیت رہ گئی تھی۔ بات یہ تھی کہ اس زمانے میں دارالعوام میں اہلیت رہنمائی قابل تعریف پائی جاتی تھی اس میں خود اعتمادی تھی اور یہ احساس تھا کہ ہم امرا اور شاہی وزرا سے کم نہیں ہیں۔ یہ بات اس زمانے میں تو کیا اس کے بعد مدت تک برِ اعظم یورپ کے تیسرے طبقے میں نہیں پیدا ہوئی۔ اکثر علمائے سیاسیات نے ان دو ایوانی مقننہ کو بہت سراہا ہے اور بعض تو اس کو سیکسنوں کی سیاسی ذہنیت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان تمام دساتیر میں جو انگریزی دستور سے ماخوذ ہوئے ہیں اس شکل کو ترجیح دی گئی اور عملاً یہ ترمیم مستحسن ثابت ہوئی ہے۔ تاہم تشکیل پارلیمنٹ کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چودھویں صدی کا یہ فعل کسی دانستہ خیال کا نتیجہ نہیں تھا نہ اس معاملے میں کسی غیر معمولی سیاسی ذہنیت کو کام میں لایا گیا تھا بلکہ یہ ایک حسن اتفاق تھا یعنے پادریوں کا کنارہ کش ہونا زیادہ تر اس نتیجہ کا باعث ہوا۔

ہم جانتے ہیں کہ دارالامرا دراصل قدیم مجلس عظمیٰ ہی کی دوسری شکل تھی، چنانچہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پارلیمنٹ کی تشکیل سے دارالامرا وجود میں آیا، گو اسمیں شبہ نہیں کہ اسکی وجہ سے طبقۂ امرا کی تشکیل ضروری ہوی۔ اس میں یہ بات درحقیقت بہت اہم ہے کہ بیرنوں کی جگہ زمانۂ حال کے امرا (یعنی معاشری امرا) نے اسوقت تک نہیں لی جبتک کہ پارلیمنٹ کا دستور پورے طور پر منتظم نہ ہوگیا۔

ایک امیر دارالامرا میں صرف اس وجہ سے بلایا جانے لگا کہ وہ ایک بیرن ہے اور اس کو بیرنی حاصل ہے جس کا وقت واحد میں صرف ایک ہی مالک ہو سکتا تھا۔ دیگر اراکین خاندان کو دارالامرا میں کوئی نشست نہیں ملتی تھی گو دارالعوام میں جانے کا ان کو اختیار تھا بلکہ انکی حیثیت جملہ قانونی معاملات میں عوام کی سی سمجھی جاتی تھی۔ اس واقعے سے یہ بات پیدا ہوگئی کہ انگریزی امارت نے کسی فرقے کی صورت اختیار نہیں کی اور اسمیں کبھی یہ کیفیت نہیں رہی کہ موروثی حقوق اور قرابت کی وجہ سے دوسرے اسمیں داخل ہی نہ ہو سکیں بلکہ ایک طرف ان میں عوام برابر شامل ہوتے جاتے تھے تو دوسری طرف یہ عوام میں اپنے بہترین خصوصیات کا اضافہ کرتے تھے۔

پارلیمنٹ کا مداخل پر قابو پانا۔ دور ارتقا میں داخل ہوتے ہی پارلیمنٹ کو حصول اقتدار کا ایک سنگ بنیاد مل گیا جس کا قیام توثیق منشور کے اصول کی صورت میں ۱۲۹۷ء میں عمل میں آچکا تھا اس کے ذریعے سے یہ طے ہو گیا تھا کہ بادشاہ کو اپنے مداخل کے لئے قبل از وقت منظوری لینا ضروری ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ پارلیمنٹ اس اصول کے استعمال سے صرف بتدریج واقف ہوئی اور صرف بتدریج ہی مملکت میں اپنی جگہ مستحکم کر سکی یہ بات تو پہلے ہر شخص جانتا تھا کہ یہ اصول اسقدر جامع نہیں ہے جس قدر اس اصول کے بنانے والے سمجھتے تھے۔ یہ صرف ایک اصول کی ابتدا تھی اور یا اہمیت اختیارات کو ترقی دینے کا اصل کام ابھی باقی تھا اور اسکی تکمیل کا دارومدار اس بات پر تھا کہ سب سے پہلے تین امور کی تکمیل کیجائے جن کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اول مداخل ملک کے جملہ اشکال پر پارلیمنٹ کا اقتدار؛ دوم قانون سازی میں دارالعوام کو مساویانہ رائے دینے کا حق؛ سوم تمام تدبیر مملکت کی نگرانی اور رہنمائی میں پارلیمنٹ کا پورا اختیار۔ یہی مقاصد کی ترقی ہے جو کسی میں کم اور کسی میں زیادہ تمام چودھویں صدی کی تاریخ پیش کرتی ہے۔

توثیق منشور کے تقریباً عین بعد ہی دوسرا قدم اٹھایا گیا۔ پہلے بہت آہستہ آہستہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی کہ جو آلہ کار ۱۲۹۷ء میں ہاتھ آیا ہے اسکو بادشاہ کے خلاف کسطرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہم پہلے پڑھ آئے ہیں کہ دستور کی حصانت پارلیمنٹ نہیں بلکہ ابھی تک بیرنی مخالفت ہی کے ذریعے سے ہوتی تھی لیکن یہ ارتقائے دستور آہستہ آہستہ بیرنی راستے کو چھوڑ کر پارلیمنٹ کی حفاظت اور سیادت کا رخ کر رہا تھا۔ ایڈورڈ دوم کو تخت پر بیٹھے ہوئے کچھ زیادہ مہینے نہیں ہوے تھے کہ اس نے اپنے خلاف ایک مستقل اور زوردار مخالفت کھڑی کر دی۔ اگرچہ یہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ یہ مخالفت جو ایڈورڈ کے خلاف کھڑی ہوئی تھی وہ ان تمام مخالفتوں کے بہ نسبت جو اسوقت تک ظہور پذیر ہوئی تھیں۔ بہت تنگ نظر اور خود غرضانہ تھی تاہم اس نے تیرھویں صدی کے نظائر کی بھی پیروی کی اور اپنے مطالبات اور نتائج کو دستوری جامے میں پیش کیا اور منشور اعظم کے اساسی اصولوں کو مزید ترقی دی۔ ۱۳۰۹ء کی پارلیمنٹ میں جو محض مجلس عظمیٰ نہیں تھی بلکہ جدید نوعیت کی پارلیمنٹ تھی بادشاہ کے محاصل کی منظوری اس شرط پر دی گئی کہ بادشاہ عوام کی پیش کردہ شکایات کی فہرست پر جو دستاویز منظوری کے ساتھ منسلک ہے غور کرے اور انکا ازالہ کرے۔ فہرست

بذات خود کچھ اہم نہیں ہے اور اس سے کوئی دستوری ترقی ظاہر نہیں ہوتی اور پھر رقمی منظوریوں کے ساتھ ضروری شرائط کا منسلک کرنا پارلیمنٹی کارروائی کی مسلمہ خصوصیت ایک یا کئی پشتوں کے بعد بنی۔ لہٰذا پارلیمنٹ کی مسلسل تاریخ کو کہ وہ کسطرح بادشاہوں کے مالی ضروریات پر قابو پاکران کو عطاء اصلاحات، پر مجبور کرتی تھی ۱۳۰۹ء یا اس کے پہلی کی ناقص مثالوں سے شروع کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ تاہم اس بات پر غور کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ جب یہ چیز ممکن ہوگئی تو جدید پارلیمنٹ نے بہت جلد اس ہتھیار کے تجربے شروع کر دیئے اور ایسی مثالیں قائم کردیں جن کی بعد کو تقلید ہونے لگی۔

دستوری نقطۂ نظر سے اڈورڈ دوم کا عہد (۱۳۰۷ء سے ۱۳۲۷ء) بہت اہم ثابت ہوا کیونکہ اول تو اس عہد نے ٹھوس اضافے کر کے محدود ملوکیت کی عمارت کھڑی کرنے میں مدد دی مگر اس سے بھی زیادہ اس نے بادشاہ کو مجبور کرنے کی مثالیں قایم کردیں اور ان سے بعد کو حقیقی دستوری بحرانوں میں بہت مدد ملی۔ حلف تاجپوشی میں ایک جدید دفعہ بڑھائی گئی اور اس سے وہ ترقی نہایت وضاحت کے ساتھ قید قلم میں آگئی جو ۱۲۱۵ء سے منشور اعظم کے اساسی اصولوں کے متعلق جاری تھی۔ اڈورڈ سے یہ سوال کیا گیا کہ "حضور کیا آپ اس کو منظور کرتے ہیں کہ آپ ان قوانین اور عمدہ رواجات کی پابندی کریں گے جو آپکی قلمرو کی رعایا اختیار کرنا چاہے اور کیا آپ خدائے تعالیٰ کی عظمت کو سامنے رکھ کر اپنی پوری قوت کے ساتھ ان کی حمایت اور تائید کریں گے"۔ ۱۳۱۱ء میں بیرنول نے ۱۲۵۸ء کی نظیر کی تقلید کر کے پھر شاہی اختیارات کو ایک قانون کی روسے جس کو احکام (Ordinances) کہتے ہیں تفویض کر دیا اور تمام بڑے عہدوں کی ماموری کو بیرنول کی منظوری پر منحصر کردیا۔ ان "احکام" کی بدولت اکثر معاملات بیرنوں کے نقطۂ خیال کے مطابق طے ہوگئے لیکن انکی اسپرٹ وہی تھی جو قواعد آکسفورڈ کی تھی چنانچہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے دستوری ارتقا کو کچھ آگے بڑھایا ہو بلکہ صرف ایک جدید اور حالیہ مثال قایم کردی۔

۱۳۲۲ء میں پھر بادشاہ اسقدر طاقتور ہوگیا کہ پارلیمنٹ کے ایک قانون سے جسکی دستوری اہمیت میں غیر معمولی مبالغہ کیا جاتا ہے احکام (Ordinances) کو منسوخ کر دیا گیا۔ اس قانون میں یہ جملہ شامل تھا "جو معاملات ہمارے آقا اعلیٰحضرت اور ان کے

جانشینوں کے لئے اور ملک و قوم کے لئے انجام دیئے جائیں گے وہ پارلیمنٹ میں ہمارے آقا اعلیحضرت ملک کے پیشوایان مذہب ارل۔ بیرن اور عوام کی منظوری سے جیسا کہ ابتک رواج رہا ہے غور کر کے منظور اور طے کئے جائیں گے" بعض لوگ ان الفاظ کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ اس سے عوام کو جملہ قانون سازی میں اظہار رائے کا حق مل گیا تھا اور بعض یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حق صرف دستوری قسم کی قانون سازی کی حد تک تھا لیکن یہ دونوں استنباط خلاف قیاس ہیں۔ الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ اس سے پچھلے عملدرآمد کو بدلنا مقصود نہیں تھا اور سچ تو یہ ہے کہ کوئی تبدیلی بھی نہیں کی گئی کیونکہ یہ امور اس واقعے سے عرصے کے بعد عوام کو حاصل ہوئے۔ یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ لفظ عوام" (commanalis) پر کوئی خاص زور دیا گیا ہو۔ اس جملے سے صرف اس قدر ترقی معلوم ہوتی ہے کہ مملکت میں پارلیمنٹ کی جگہ مشخص ہوگئی۔

پادشاہ کی معزولی۔ ۱۳۲۷ء میں شاہ اڈورڈ کو ایسے انقلاب نے معزول کردیا جسکی وجہ سے اس کا کوئی موٗید باقی نہیں رہا تھا۔ معزولی کی اصل وجہ تو بادشاہ کے ساتھ ذاتی مخالفت تھی لیکن "فرد" الزام نے اس معزولی کو دستوری صورت دیدی اور یہ مثال رچرڈ دوم اور جیمس دوم کے حالات میں بہت ہی مفید ثابت ہوئی۔ بیرنوں کے مخالف گروہ کا حقیقی کام جو اس عہد میں انجام پایا ہے وہ ان الفاظ میں جمع ہے۔ بیرنی مخالفت کو جو زیادہ سے زیادہ سراہا جاسکتا ہے وہ اسطرح ہے کہ اس نے جسقدر راہل ملک کو قانونی حکومت کے تابع کردیا اسیقدر بادشاہ کو بھی اس کا تابع کردیا۔ منشور اعظم کا سب سے بڑا اصول کہ بادشاہ قانون کے تابع ہے اس میں بہت کچھ مغالطہ آمیز تعبیر کا احتمال تھا اور بیرنوں کا مسلک انکو ایک حد تک اس الزام کا مورد بناتا تھا۔ صاف روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بیرنی مخالفت کے مقاصد یہ تھے کہ قانون کی ہمہ گیر طاقت حاصل کیجائے اور بادشاہ کے اختیارات کو جو بادشاہ قانون کو توڑ کر یا اکی چشم پوشی کر کے استعمال کرسکتا تھا، کم کیا جائے۔"

اس صدی کے باقی حصے میں یعنی اڈورڈ سوم (۱۳۲۷ - ۱۳۷۷) اور اس کے پوتے رچرڈ دوم (۱۳۷۷ - ۱۳۹۹) کے عہد ہائے حکومت میں دستور کے اثباتی قوانین پر کثیر اضافے کئے گئے اور ساتھ ہی دوسرے اضافوں کے لئے راستہ صاف کیا گیا جیسے پہلے

کیا گیا ہے ان اضافوں کے ذریعے سے حکومت میں دارالعوام کے اختیارات بڑھا دیئے گئے۔

اجرائے محاصل پر قابو۔ اس دور کی بہت بڑی ترقی اجرائے محاصل پر قابو پاتا ہے۔ پارلیمنٹ نے شروع سے فراہمی آمدنی کے اختیارات کو تو اپنے ہاتھ میں کر لیا تھا۔ اس سے آگے بڑھکر اب وہ مداخل کے طریقوں پر تنقید اور تنقیح بھی کرنے لگی۔ جب ۱۲۹۷ء سے لوگوں نے توثیق مناشیر میں بادشاہ کو اس بات پر مجبور کیا تھا کہ بغیر قبل از وقت منظوری کے کوئی محصول عائد نہ کرے تو انھوں نے یہ سمجھا ہو گا کہ اس طریقے سے مداخل کے جملہ ذرائع کا سدِ باب ہو گیا لیکن چند سال کے بعد ہی انکو اپنی غلطی معلوم ہونے لگی۔ چودھویں صدی میں سب سے زیادہ کثیر المنافع پیداوار جو انگلستان سے برآمد کیجاتی تھی وہ اون تھی اور انگلستان کا اون ان مالدار دستکار شہروں کے لئے جو رود بار انگلستان کے دوسری جانب نشیبستان میں ترقی کر رہے تھے بڑی بھاری درآمد تھی۔ خانقاہوں اور صاحب ثروت سے اون خریدنے کے لئے اجنبی تاجر انگلستان میں سفر کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو انگریزی دستور سے دلچسپی تھی نہ اس بات سے کہ اجرائے محاصل کے ذریعے بادشاہ پر قابو حاصل کیا جائے۔ برخلاف اسکے وہ تو یہ دیکھتے تھے کہ ساحلی شہروں۔ منڈیوں اور پرخطر راستوں کی حفاظت کے لئے بادشاہ انکو اختیارات دیدے تو اچھا ہے، اور اس کے عوض میں یہ لوگ بادشاہ کو بہت کچھ دینے کے لئے تیار تھے۔ خود ملکی انگریز تاجر جو اگرچہ تعداد میں بہت کم تھے موقتی فائدہ کو نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ اون کے گٹھے پر محصول درآمد لگانے کے متعلق بادشاہ اور تاجروں کے درمیان معاملہ طے ہونا کچھ مشکل نہ تھا اور اس کا جمع کرنا بھی بہت آسان تھا اور محصول خوب ملتا تھا کیونکہ نہ صرف پیداوار کی کثرت تھی بلکہ اون کی قیمت بھی اونچی تھی۔ پارلیمنٹ کے لئے یہ معاملہ نبٹنا کچھ آسان نہ تھا کیونکہ اڈورڈ سوم نے اسپر بہت زور سے بحث کی تھی کہ اہل ملک محصول ادا نہیں کرتے بلکہ باہر والے ادا کرتے ہیں۔ اگرچہ پارلیمنٹ اس دھوکے کو سمجھ گئی تھی اور یہ حجت پیش کی تھی کہ محصول دراصل خریدار سے لیا جاتا ہے۔ تاہم اس عہد کے آخر میں جاکر بادشاہ کو ہمیشہ کے لئے اس عملدرآمد سے دست بردار ہونے کے لئے مجبور کیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جدید کڑوڑگیری عائد کرنیکا یہ طریقہ کہ تاجروں کے ساتھ علیحدہ گفت و شنید کی جائے۔ تیرھویں صدی کی طبقہ واری اجرائے محاصل کے اصول پر مبنی تھا۔ نیز توثیق مناشیر

میں بادشاہ کو یہ موقع دیا گیا تھا کہ وہ قدیم جاگیری امداد اور دیگر وصولات کے ذریعے مداخل بڑھاسکتا ہے۔ ان میں سے صرف (tallage) جو جاگیری قصبات پر عائد کیا جاتا تھا ایسا تھا جو مالگزاری کے طور پر وصول کیا جاسکتا تھا۔ ۱۳۱۲ء اور ۱۳۳۲ء میں (tallages) لئے گئے لیکن اس زمانے میں قصبات نہایت زور سے اپنی آواز بلند کرسکتے تھے اس لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ قصبات طویل مدت تک ایسی جابرانہ وصولات تسلیم کرلیں گو وہ کیسے ہی گاہے ماہے کیوں عائد نہ کئے جائیں۔ ۱۳۳۲ء میں پارلیمنٹ کی درخواست پر (جبکہ پارلیمنٹ نے ایک عام محصول منظور کردیا تھا) ایڈورڈ سوم نے (tallage) منسوخ کردیا اور یہ وعدہ کیا کہ "بجز اس صورت کے جو میرے آبا و اجداد نے اختیار کی تھی" اس کو میں پھر اختیار نہیں کروں گا۔ حقیقت میں یہ کوئی باضابطہ تنسیخ نہیں تھی لیکن اس کے بعد پھر (tallage) طلب نہیں کیا گیا۔

تاجروں کے ساتھ علٰحدہ گفت و شنید کرنے کا اختیار ایک بہت ہی اہم معاملہ تھا کیونکہ انپر ہر سال محصول عائد ہوتا تھا۔ اون کی پیداوار کی بہت قیمت آتی تھی اور ملک کی دولتمندی اسی پر منحصر تھی۔ ۱۳۰۲ء میں ایڈورڈ اول نے تاجروں کے ساتھ اون اور دوسرے اشیا پر (parva or nova custuma) مختصر یا جدید محصول عائد کردیا یہ ۱۳۱۱ء کے احکام (Ordinances) سے منسوخ ہوگیا لیکن ۱۳۲۲ء میں پھر ایڈورڈ دوم نے اس کو جاری کردیا اور ایڈورڈ سوم کی تخت نشینی کے وقت جس نے بعد کو اپنی مجلس کے ساتھ اسی قسم کے اور محاصل لگائے تھے یہ موثق ہوگیا۔ ان وصولات کے خلاف پارلیمنٹ یا عوام نے بار بار توجہ دلائی یا اسی قسم کا اور محصول منظور کرکے اپنے اختیار کی تائید میں ایک نظیر قائم کرنے کی کوشش کی۔ ۱۳۵۳ء میں جدید کروڑگیری کے قواعد میں قانون اجناس (Statute of staples) شامل کرکے پارلیمنٹ نے اول الذکر کو قانونی شکل میں مبدل کردیا۔ ۱۳۴۰ء میں رقمی منظوریوں کو مشروط قرار دیکر یہ قانون وضع کیا گیا کہ اسکے بعد کوئی محصول یا امداد بغیر پیشوایان مذہب، ارل۔ بیرن اور عوام کی منظوری کے عائد نہیں کئے جاسکتے "اور منظوری بھی پارلیمنٹ میں ہونی چاہئے۔ اس قانون کا مقصد محض توثیق مناشیر کے نقائص کا ازالہ کرنا تھا تاہم پادشاہ طوعًا و کرہًا اس کے لئے راضی ہوا تھا اس لئے ۱۳۶۲ء اور ۱۳۷۱ء میں پھر اس ممانعت کی تجدید ضروری ثابت ہوی۔

تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ جہاں تک تجربے سے معلوم ہوتا تھا اس عہد کے نظائر سے توثیق منانشیر کی بہت کچھ کمی پوری ہوگئی اور اب قانونی مداخل کی منظوری ۱۲۹۷ء کی طرح مبہم فقرے میں یعنے "قلمرو کی عام رضامندی" میں نہیں بلکہ صاف اور واضح طور پر پارلیمنٹ کے ساتھ وابستہ کردی گئی تھی جس میں دارالعوام برابر کا شریک تھا۔

پارلیمنٹی تعین اخراجات۔ نیز ان تجربوں سے پارلیمنٹ اس ہتھیار کی خصوصیت سے واقف ہوگئی جو اقتدار محاصل سے اس کو حاصل ہوا تھا۔ ۱۳۳۹ء میں عوام نے اپنی شکایات پیش کر کے رقمی منظوری کو دوسری پارلیمنٹ کے لئے ملتوی کر دیا اور ۱۳۴۰ء میں اصلاحات کی ایک باضابطہ فہرست تیار کی جس کو منظوری کے شرائط قرار دیکر اسکے ساتھ منسلک کر دیا اور ان کے متعلق پادشاہ نے رضامندی ظاہر کی۔ ۱۳۴۴ء میں پھر اس مثال کی پیروی کی گئی اور ۱۳۴۸ء میں اس بات پر زور دیا گیا کہ محصول کی منظوری سے پہلے شکایات کی تلافی ہونا چاہئے۔ سنہ ۱۳۴۰ء اور ۱۳۴۴ء میں اس سے زیادہ وسعت کے ساتھ اس مثال کی پیروی کی گئی۔

فرانس کے ساتھ جو طویل جنگ ہوئی اور جس سے ایڈورڈ سوم کا عہد بھرا پڑا ہے اس سے ایسے حالات پیدا ہوئے جو پارلیمنٹ کے لئے مفید مطلب تھے۔ پادشاہ کو برابر روپیہ کی ضرورت لاحق ہو رہی تھی اور وہ خود یہ سمجھتا تھا کہ اسوقت پارلیمنٹ جو مراعات طلب کر رہی ہے اس سے فرانسیسی مہم کی توقعات کہیں زیادہ اہم ہیں۔ ایڈورڈ سوم کے سوا کسی اور سابق انگریز پادشاہ کو اسقدر کثرت سے رقمی منظوریوں کے لئے درخواست نہیں کرنی پڑی چونکہ ارکین پارلیمنٹ گراں بار مصارف جنگ سے واقف نہ تھے اسلئے یہ سمجھتے تھے کہ روپیہ ضرور برباد جاتا ہے ان لوگوں نے بادشاہ سے حساب طلب کرنا چاہا اور بادشاہ سے پوچھا کہ "ہم نے آپ کو پچھلے سال جو روپیہ دیا تھا اس کو آپ نے کیا کیا"، مگر بادشاہ جنگ کے بھاری بھرکم مصارف سے ناواقف نہ تھا اور یہ قرین قیاس ہے کہ بادشاہ کے پاس اپنی دیانت داری ثابت کرنے کا سہل طریقہ یہی تھا کہ اس نے پارلیمنٹ کو خزانہ داروں کے تقرر کی اجازت دے دی کہ یہ لوگ منظورہ رقم جمع کر کے خرچ کریں اور خزانہ داروں کو یہ اجازت دی کہ پارلیمنٹ میں اپنا حساب پیش کریں یا پارلیمنٹ کی کمیٹی ان خزانہ داروں کی جانچ پڑتال کرلے۔

گذشتہ منظوری کے حساب کی جانچ کرنے کے لئے۔ سنہ ۱۳۴۰ء میں ایک پارلیمنٹی کمیٹی مقرر کی گئی اور ۱۳۴۱ء میں یہ قانون بنا کہ اس غرض کے لئے مامور مقرر کئے جائیں۔

سنہ ۱۳۴۴ میں پارلیمنٹ نے یہ مطالبہ کیا کہ منظورہ رقم صرف اسی مد میں صرف کی جائے جس کے لئے یہ طلب کیجاتی ہے۔ سنہ ۱۳۴۸ میں پارلیمنٹ نے محض اسکاجستان کے خلاف ملک کی حفاظت کیلئے روپیہ منظور کیا۔ سنہ ۱۳۵۳ میں اون کے محصول کو صرف جنگ کے استعمال کیلئے مقرر کیا گیا۔ سنہ ۱۳۷۰ میں پارلیمنٹ نے دو اشخاص جن کو پارلیمنٹ میں حلف دیا گیا تھا اس غرض کے لئے مقرر کئے کہ منظورہ رقم اپنے قبضے میں لیکر اس کو کسی اور جگہ نہیں بلکہ صرف جنگ کے لئے صرف کریں۔ ایڈورڈ اپنے ارادوں کی صداقت سے واقف تھا اور وہ اس سادے طریقے سے پارلیمنٹ کو قائل کرنا چاہتا تھا کہ میں نے رقم صرف اسی طرح صرف کی ہے جس طرح وعدہ کیا تھا۔ یہ بات بادشاہ اور پارلیمنٹ کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ ان مبادیات کا جو بظاہر بے لوث معلوم ہوتی تھیں کیا نتیجہ نکلے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ پارلیمنٹی تعین اخراجات یعنے قومی مداخل کو حکومت کے مصارف کے لئے بالکلیہ معین کرنے کا پہلا زینہ تھا۔ زمانہ حال کی اینگلو سیکسنی پارلیمنٹیں اسکو منظوری مداخل کے اساسی اصول سے زیادہ اہمیت دیتی ہیں کیونکہ اس طریقے سے گو بالواسطہ سہی لیکن بڑی حد تک مسالک حکومت پر قابو حاصل ہوتا ہے۔ اگر کسی کام کے لئے پارلیمنٹ کی رائے نہ ہو کہ اس کے لئے روپیہ صرف کیا جائے تو حکومت کو وہ کام چھوڑنا پڑتا ہے۔ تاہم چودھویں صدی میں لوگ اس امکان کو نہیں دیکھ سکے اور اگرچہ یہ عملدرآمد ایڈورڈ سوم کے عہد میں شروع ہوکر رچرڈ دوم کے عہد میں قاعدہ بن گیا تھا اور لنکاسٹری دور میں اسکو بہت پھیلایا گیا تھا لیکن پندرھویں صدی میں ابھی پارلیمنٹ نے اسقدر ترقی نہیں کی تھی کہ اس حق کو اچھی طرح سمجھ سکتی اور اسکی حفاظت کر سکتی۔ مصارف حکومت کا تمام جزو کل جو آج پارلیمنٹ کے اقتدار میں نظر آتے ہیں وہ سترھویں صدی کے آخر میں جاکر پیدا ہوئے جبکہ پارلیمنٹ کے پورے اختیارات قائم ہو گئے تھے۔

دارالعوام ۔ پارلیمنٹ کو جملہ محاصل پر اقتدار حاصل کرنا اسقدر مشکل نہیں تھا جسقدر دارالعوام کا قانون سازی میں مساوی آواز حاصل کرنا۔ اجرائے محاصل کی تو ایک پرانی کارروائی یہ تھی کہ رقمی منظوریاں جداگانہ طبقات کیجانب سے عمل میں آیا کریں اور یہ پارلیمنٹ کو گویا ورثے میں ملی تھی۔ اب اس کو پھیلا کر جدید حالات پر منطبق کر دیا گیا۔ قانون سازی میں اس قسم کی توریث تھی نہ توسیع۔ قانون سازی ایک ایسی کارروائی ہے جس میں قانون ساز

کو اپنے کام سے پوری واقفیت رکھنی پڑتی ہے اور اس طریقے سے یہ اجرائے محاصل کے نسبت نئی چیز تھی۔ گو جاگیری زمانے میں بہت کچھ قانون سازی ہوئی تھی لیکن اسکی نوعیت زمانہ حال کی قانون سازی سے جداگانہ تھی۔ قانون سازی مجلس کے عدالتی فرائض کے ساتھ وابستہ تھی اور جاگیری نظریہ یہ تھا کہ جسطرح قانونی مقدمات میں بادشاہ کو تنہا فیصلے کا حق حاصل ہے۔ اسی طرح کسی چیز کا قانون قرار دینا بھی اسی کا اختیار ہے۔ اگرچہ دونوں صورتوں میں فیصلے بادشاہ کے بیرنوں کی رائے اور منظوری سے ہوتے تھے کہ دونوں صورتوں میں بادشاہ کا فیصلہ ناطق ہوتا تھا اور بیرنوں کو سوائے عرضداشت پیش کرنے کے کسی ہدایت کا حق حاصل نہیں تھا۔ چنانچہ جو مجتمع ہو کر نئے دارالعوام کی تشکیل کا باعث ہوئے وہ جاگیری قانون سازی میں بالکل مفقود تھے۔ اگرچہ مبارز کبھی کبھی چھوٹے بیرنوں کی حیثیت میں مجلس عظمیٰ میں شریک ہوجاتے تھے لیکن قیاس یہ ہے کہ مجلس کے فیصلوں پر ان کا کوئی اثر نہیں تھا۔

تیرھویں صدی میں آہستہ آہستہ تبدیلی ہوئی اور قانون کا ایک واضح تصور پیدا ہوگیا۔ اس صدی کے وسط سے پہلے قانون موضوعہ اور قانون رواجی میں فرق محسوس ہونے لگا تھا۔ لفظ (Statute) قانون موضوعہ کے لئے استعمال ہونے لگا تھا اور اس کے متعلق یہ بات تسلیم کیجاری تھی کہ یہ ایسی چیز ہے کہ خواہ رواج کچھ بھی ہو عدالتیں اسکے ماننے پر مجبور رہیں۔ ابتک قانون سازی کے قدیم و جدید طریقوں میں اور قوانین موضوعہ اور "احکامات" کے درمیان کوئی فرق نہیں تھا اور دونوں الفاظ استعمال ہورہے تھے۔ کیونکہ ابھی جدید طریقہ شروع نہیں ہوا تھا لیکن جسطرح ہم "قانون تجاران" کی منظوری کی کیفیت دیکھ آئے ہیں یہ صرف اس صدی کی چیز تھی کہ جب تیسرے طبقے کو جدید حیثیت حاصل ہوگئی تو اس سے قانون سازی کی کارروائی پر معتد بہ اثر پڑنے لگا۔ اگرچہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے ۱۲۹۵ء کی نمونہ پارلیمنٹ نے کوئی قانون نہیں بنایا مگر یہ اس بات کی ابتدا سمجھی جاسکتی ہے کہ جدید عناصر مجلس عظمیٰ کی قانون سازی میں شریک ہوکر حقوق اور امکانات سے فیضیاب ہونے لگے۔ لیکن پہلے پہل یہ حقوق اور امکانات وہی تھے جو مجلس عظمیٰ کو حاصل تھے۔ چودھویں صدی میں پارلیمنٹ کو سوائے عرضداشت پیش کرنے کے کسی ہدایت کا حق حاصل نہیں تھا۔ بلکہ بادشاہ اور اس کی مجلس عظمیٰ یا

پادشاہ اور اسکی چھوٹی کونسل کو بعض اوقات قانون سازی کا حق حاصل ہوتا تھا۔

ان حالات میں پارلیمنٹ کی وہ کشمکش ہمارے سامنے آتی ہے۔ جو چودھویں صدی میں قانون سازی کے سلسلے میں شروع ہوی۔ اس بات کو بھی ہم واضح کر آئے ہیں کہ موجودہ طریق قانون سازی میں جو خاص عملی وقت حل طلب تھی وہ یہ نہیں تھی کہ دارالعوام کا پرانا حق ازسرنو حاصل کیا جائے کہ مسلمہ عرضداشت کی صورت میں قانون سازی جاری کی جاسکے یہ کوئی مشکل چیز نہیں تھی مشکل تو یہ تھی کہ جدید قانون سازی کا بلاشرکت غیرے حق قائم ہوجائے، کونسل کی قانون سازی کے پرانے طریقوں کو میدان سے ہٹا دیا جائے اور جملہ قانون سازی پارلیمنٹی عرضداشتوں تک محدود کردی جائے۔ چودھویں صدی میں دارالعوام نے اپنا یہی مقصد قرار دیا ممکن ہے کہ یہ غیر شعوری طور پر کیا گیا ہو یا اسوجہ سے ہو کہ اسوقت جو عملی مقصد ان کے مدنظر تھا اسکی تکمیل کا ان کے پاس یہی واحد ذریعہ تھا۔ بہر حال یہ اسقدر سنگلاخ کام تھا کہ کئی پشتوں کے بعد جاکر اسکی پوری تکمیل ہوسکی۔

مشکل یہ تھی کہ فہرست قوانین میں جو قانون درج کیا جاتا تھا وہ عرضداشت عوام کے مطابق ہونا چاہئے تھا۔ قدیم عملدرآمد یہ تھا کہ جو باضابطہ قانون اس فہرست میں درج کیا جائے وہ عرضداشت میں سے کیا جائے اور یہ بالعموم پارلیمنٹ کے برخاست ہونے کے بعد لکھا جاتا تھا۔ اس سے پادشاہ کو پارلیمنٹ سے بروقت بحث مباحثہ کئے بغیر ایسے قوانین میں دست اندازی کرنے کا موقع ملتا تھا جو اس کو ناپسند ہوتے تھے بعض صورتوں میں تو کچھ نہیں کیا جاتا تھا اور عرضداشت چپکے سے اڑا دی جاتی تھی۔ ۱۳۴۱ء میں اڈورڈ سوم نے پارلیمنٹ کے ان مطالبات کو جو پارلیمنٹ کے برخاست ہونے سے پہلے منظور کرلئے گئے تھے قانون ماننے سے انکار کردیا بعض دفعہ قانون کے نفاذ کو بدلنے کے لئے ایک استثنائی دفعہ بڑھادی جاتی تھی اور بعض دفعہ وہ ضابطہ اڑا دیا جاتا تھا جو اس قانون کے نفاذ کے لئے ضروری ہوتا تھا اور بعض مرتبہ اسمیں ایسے اضافے کردیئے جاتے تھے کہ اسکے انطباق کی شکل بدل جائے۔ ان غیر منظم عملدرآمد کی بدعنوانیاں اڈورڈ سوم کے عہد سے زیادہ رچرڈ دوم کے عہد میں حد کو پہنچ گئیں لیکن ان کے لئے جن اصولوں کی ضرورت تھی ان کا پچھلے دور ہی سے احساس پیدا ہوچلا تھا۔ ۱۳۴۳ء اور ۱۳۷۰ء میں پارلیمنٹ نے ان قوانین کے خلاف عرضداشت پیش کی جن کو بادشاہ اور پادریوں نے بغیر پارلیمنٹ کے استمزاج کے پاس کرلیا تھا۔

سنہ ۱۳۴۰ میں خود پارلیمنٹ نے ایک کمیٹی اس غرض سے مقرر کی کہ پارلیمنٹ کی عرضداشتوں کو قوانین کی صورت میں بدل دیا کرے۔ سنہ ۱۳۴۱ میں پارلیمنٹ نے اس بات پر زور دیا کہ پارلیمنٹ میں جو جواب دیا جائے اس میں کوئی تبدیلی نہ ہونی چاہیے۔ قانون مزدوران سنہ ۱۳۴۹ میں پہلے ایک حکم کی صورت میں تھا بعد کو قانون بن گیا۔ یہی بات قانون پیداوار مجریہ سنہ ۱۳۵۳ پر صادق آتی ہے۔ سنہ ۱۳۶۳ میں پارلیمنٹ سے یہ پوچھا گیا کہ آیا پارلیمنٹ کسی امر کی قانون سازی کے متعلق شاہی احکام کو پسند کرتی ہے یا باضابطہ قانون کو پارلیمنٹ نے احکام کو پسند کیا تاکہ انہیں آسانی سے ترمیم ہو سکے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ احکام کی خصوصیت ایسی مستقل نہیں سمجھی جاتی تھی جیسے باضابطہ قوانین کی۔

کونسل کے احکام ۔ اگرچہ چودھویں صدی میں یہ بات مان لی گئی تھی کہ ہر وضع قانون میں عوام کو رائے دہی کا حق ہے لیکن اس رعایت سے یہ مسئلہ بالکلیہ حل نہیں ہوا تھا۔ جس طرح مختلف بادشاہوں نے مالی قیود سے آزاد ہونے کے لئے نئے نئے محاصل ایجاد کئے اسی طرح جب انھوں نے پارلیمنٹ کے قیود سے نکل کر قانون سازی میں ذرا زیادہ آزادی کی خواہش کی تو پرانے اختیارات کی روایت میں (جو ایک زمانے میں بادشاہ اور کونسل کو حاصل تھے) بہت کچھ گنجایش نکال لی۔ کونسل کی قانون سازی کے باقیات یعنے احکام اور فرامین شاہی میں از سر نو جان ڈالنے کی کوشش کرنے لگے آج بھی کونسل کے احکام (Ordinances) میں جو قدیم قانون سازی کی باقیات ہیں بہت وسیع گنجایش موجود ہے گو اب ان احکام پر پارلیمنٹ سخت نگرانی کرتی ہے۔ ان احکام نے انگلستان اور ممالک متحدہ امریکہ کے درمیانی تعلقات پر جو اثر ڈالا ہے وہ ہمیں یاد ہے چنانچہ زمانۂ حال کا ایک انگریز عالم اپنے ملک کے متعلق یہ کہتا ہے کہ "اس زمانے میں ہم پر احکام شاہی کے ذریعے سے، جو مقننہ کی براہ راست گرفت سے باہر ہیں بہت کافی وسعت سے حکومت ہوتی ہے اور اکثر لوگ اس سے بہت کم واقف ہیں۔

تیسری مد یہ تھی کہ تدبیر مملکت کو قبضے میں لیا جائے۔ اس خصوص میں پارلیمنٹ نے چودھویں صدی میں جو ترقی کی کہ وہ دوسرے شعبہ ہائے ترقی کے بہ نسبت بہت کم تھی۔ ہم یہ مختصر طور پر دیکھ آئے ہیں کہ کس طرح بادشاہ کی مالی دست نگری سے فائدہ اٹھا کر زمانۂ حال کے تعین اخراجات کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ اس عملدرآمد کی ترقی سے یہ

اقتدار بھی حاصل ہو سکتا تھا لیکن اس سلسلے میں سوائے داغ بیل ڈالنے کے اور کچھ نہیں کیا گیا۔ بیرونی مخالفت کے قدیم طریقے میں بھی کوئی ترقی نہیں کی گئی حالانکہ یہ طریقہ ابھی سب کو یاد تھا کیونکہ ۱۳۴۱ء میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ بڑے عہدہ داروں اور عادلوں کا تقرر پارلیمنٹ ہی میں ہونا چاہیئے۔ مگر اس صدی کے وسط کے بعد ہی ایک اور طریقہ کار پیدا کیا گیا جو زمانہ وسطیٰ کے حالات سے مناسب تھا اور جب اس سے کام لیا گیا تو یہ غیر پارلیمنٹی مسلک کا سد باب کرنے میں بہت موثر ثابت ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایک خاص تدبیر مملکت پر تسلط پانا بظاہر چھوٹی سی بات تھی۔ برخلاف اس کے اس طریقہ کار کا دائرہ بہت وسیع تھا اور اس کو زمانہ وسطیٰ کی محدود ملوکیت کے قیام کیلئے اداراتی مظاہرے کی بہترین کوشش سمجھنا چاہیئے یعنے یہ ایسے اداراتی اشکال پیدا کرنے کی کوشش تھی جس کے ذریعے سے بلا خوف انقلاب اور خانہ جنگی بادشاہ پر قابو حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اس روشنی میں دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ آج تک محدود ملوکیت کا سب سے اعلیٰ اور سب سے زیادہ کامیاب اداراتی مظہر رہا ہے اور کامیاب بھی اسقدر کہ بطور نظریہ کے یہ آج تک انیگلو سیکسن دستور کا ایک بڑا جزو سمجھا جاتا ہے یہ "مواخذے کی کارروائی" ہے۔ سب سے پہلے یہ طریق کار ۱۳۷۶ء میں ایڈورڈ کے وزرا کے خلاف ذرا نامکمل حالت میں اور پھر ۱۳۸۶ء میں رچرڈ کے وزیر ارل سفک کے خلاف استعمال کیا گیا۔

مواخذے کی کارروائی۔ مواخذے کی کارروائی واضح کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ممالک متحدہ کے دستور کا بھی مشہور جز ہے جو انگریزی دستور سے منتقل ہوا ہے۔ صرف اسقدر کہنے کی ضرورت ہے کہ چونکہ پارلیمنٹ کا جدید عنصر یعنے دار العوام قدیم عدالت شاہی کا جز نہیں تھا اور اس طریقے سے اس کو سماعت مقدمات کے فرائض کا کوئی متروکہ نہیں ملا تھا اس لئے یہ جدید طریقہ عمل میں مستغیث جماعت کے طور پر آزادانہ کام کرنے لگی۔ یہ کارروائی اصولاً وزرا کی ذمہ داری پر جس حد تک ازمنہ وسطیٰ میں ذمہ داری کے معنے سمجھے جاتے تھے مبنی تھی۔ یہ اصول اس مقولے میں کہ "بادشاہ سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہو سکتی" ظاہر کیا جانے لگا۔ یہ سیاسی مقولہ کچھ مطلق العنان شاہی کا محور نہیں ہے گو یہ بظاہر اس سے یہی مفہوم مترشح ہوتا ہے بلکہ یہ وہ سنگ بنیاد

جس پر محدود ملوکیت کی عمارت قائم کی گئی ۔ اس سے اس امر کا ادعا نہیں کیا جاتا کہ حکومت
سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوگی یا حکومت سے جو حرکت بھی سرزد ہو وہ جائز ہے ۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت سے غلطی سرزد ہو تو اسکا ذمہ دار بادشاہ نہیں بلکہ وزرا
ہوں گے سنہ ۱۶۲۶ء میں ڈیوک بکنگھم کا مواخذہ شروع کرتے ہوئے جو چارلس اول کے
شاہیت پرست خیالات کے خلاف پارلیمنٹ کا پہلا قدم تھا۔ دارالعوام
میں سر ڈڈلے ڈگیس نے کہا تھا کہ "انگلستان کے قوانین نے ہمیں سکھلایا ہے کہ سلاطین
ناجائز اور غیر آئینی امور کے متعلق حکم نہیں دے سکتے" چنانچہ جو کچھ بُرے کام ہوں گے
ان کے عامل ان کے جوابدہ ہوں گے۔

اس تاویل میں جو مواخذے کے متعلق کی گئی تھی۔ دو چیزیں نظر آتی ہیں ایک
دستور کی ترقی میں اصول مواخذہ نے کیا حصہ لیا دوسرے یہ کسطرح ان پچھلی کوششوں میں
مدغم ہوگیا جو محدود ملوکیت کو وزارتی جامہ پہنانے کے لئے کی گئی تھیں۔ اگر بادشاہ
ذاتی طور پر اپنے افعال کا ذمہ دار قرار دیا جائے تو ہمیشہ خانہ جنگی کا ایک بڑا خطرہ لگا رہیگا
کیونکہ تاریخ میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک بدترین بادشاہ کی تائید پر کوئی نہ کوئی فریق
ضرور کھڑا ہو جاتا ہے لیکن اگر وزیر کو سخت ذمہ داری میں جکڑا جائے تو اس میں بہت کم
خطرہ باقی رہتا ہے۔ جب بادشاہ کے وزرا کو تلقین کردی جائے گی کہ اگر وہ پارلیمنٹ
کے منشا کے خلاف بادشاہ کی حکمت عملی کو پورا کریں گے تو اپنے افعال کے وہ سختی سے
جوابدہ ہوں گے تو طرح سے غیر ذمہ دار خود سر بادشاہوں کا راستہ مسدود ہو جائے گا۔
یہ ظاہر ہے کہ مواخذے کی کارروائی زمانہ حال کی حکومت کابینہ کی طرح وزارتی
ذمہ داری کے اصول پر مبنی تھی لیکن زمانہ وسطیٰ کا اصول زمانہ حال کے اصول سے نہ صرف
تصور بلکہ طریقہ نفاذ میں اسقدر مختلف تھا کہ اپنے مبدا اور نوعیت میں دونوں
ایک دوسرے سے متباین نہ تھے یہ تباین بعد کو تفصیل سے دکھایا جائے گا۔ یہاں یہ
بیان کردینا کافی ہے کہ زمانہ حال کا ایک وزیر رسمی طور پر پارلیمنٹ کے سامنے
ذمہ دار نہیں بلکہ بادشاہ کے سامنے ذمہ دار ہے۔ اسپر جو حقیقی ذمہ داری ہے وہ
بالواسطہ اور درپردہ ہے۔ قرون وسطیٰ کا وزیر براہ راست اور قطعاً پارلیمنٹ کے
سامنے ذمہ دار تھا مواخذے کی کارروائی ایسی تھی جیسے فوجداری سماعت ہوتی ہے۔

پارلیمنٹ کا ایوان زیریں یعنے دارالعوام مستغیث جماعت کے طور پر کام کرتا تھا۔ وزیر ملزم کے خلاف الزامات مرتب کرتا تھا اور اس کو دارالامرا کے سامنے سماعت کے لئے پیش کرتا تھا اور دارالامرا ان عدالتی فرائض کے سلسلے میں جو قدیم مجلس عظمیٰ کو حاصل تھے۔ بطور عدالت کے کام کرتا تھا۔ سماعت کا انجام کبھی وزیر کی برات پر ہو جاتا تھا اور دارالامرا اس کو مجرم قرار دیکر اسپر سنگین سزائیں عائد کرتا تھا اور کبھی سزائے موت بھی دی جاتی تھی۔ یہ ذمہ داری اسقدر سخت بلاواسطہ اور براہ راست ہوتی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ خود پارلیمنٹ ہی نے وزرا کا تقرر کیا ہے۔ بعض صورتوں میں زمانہ وسطیٰ کی پارلیمنٹوں نے درحقیقت ایسا تقرر کیا بھی ہے۔ تاہم اس کا مقصد اور نتیجہ دونوں ظاہر ہے۔ یہ زمانہ وسطیٰ کے ان تجربوں کی آخری اور بہترین شکل تھی جس کا منشا یہ تھا کہ منشور اعظم کے پچیس بیرنوں کی مجلس یا قواعد اکسفورڈ کے ماموروں کی طرح پادشاہ پر حقیقی ذمہ داری عائد کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو انقلاب اور خانہ جنگی کا خطرہ نہ پیدا ہو۔ یہ قرون وسطیٰ ہی کی پیداوار تھی اور چونکہ یہ اس خصوص میں اچھی ثابت ہوئی تھی اس لئے یہ زمانہ حال کے دستور میں منتقل ہوگئی اور اب اس کی حیثیت پچھلے باقیات سے زیادہ نہیں ہے۔

مواخذہ اس بات کی علامت اور بیّن ثبوت ہے کہ چودھویں صدی میں پارلیمنٹ کا زور بڑھ گیا تھا لیکن اگر اس کو ایک ادارہ سمجھا جائے تو اسکی اہمیت محض ظاہری اہمیت سے کبھی زیادہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کو ایک نتیجہ سمجھنا چاہیئے اور نتیجہ بھی ایسا کہ اس نے نہ صرف اس صدی کی تمام ترقیوں کو بیک وقت ظاہر کر دیا اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس صدی کی ترقی کے تمام راستے ایک محور پر جمع ہو کر آئندہ ترقی کے لئے ایک زوردار محرک بن گئے۔

مختلف امور یعنے مالیات۔ قانون سازی اور ایک حد تک تدبیر مملکت میں پادشاہ کو تابع بنا کر اختیارات قایم کرنا ایک بہت بڑا کام تھا جو پارلیمنٹ انجام دے رہی تھی۔ یہ مجموعہ قوانین کو وسیع کر رہی تھی ایسے قوانین جن کی پابندی منشور اعظم کے ادعا کے مطابق پادشاہ پر لازم تھی' یا یوں کہنا چاہیئے کہ پارلیمنٹ قوانین میں تبدیلی کر رہی تھی۔ سیاسی جاگیریت اب باقی نہیں رہی تھی۔ مملکت کے واجبی خدمات کے لئے

جن کا انجام دینا ایک زمانے میں ضروری تھا اور اب نئے نئے طریقے نکل آئے تھے۔ جن حقوق پر بیرنوں نے منشور اعظم میں بہت زور دیا تھا وہ سب متروک اور از دیا د رفتہ ہو گئے تھے خود بیرن ہی غائب ہو رہے تھے اور انکی حالت زمانہ حال کے امرا کی سی ہوتی جاتی تھی۔ جو اپنی قدیم جاگیر خود مختاری کے مقابلے میں خطاب۔ آمدنی اور دربار شاہی کی نشست زیادہ اہم سمجھ رہے تھے۔ لیکن منشور اعظم کے اصل اصول متروک ہوے تھے نہ از دیا د رفتہ بلکہ یہ پچھلے زمانے کی تمام ترقی اور تحویل میں بھی کبھی نظر سے اوجھل نہیں ہوے تھے اور پادشاہ ان قوانین کی پابندی کے لئے مجبور تھا جن کو قوم ترقی کے ہر زینے پر اپنے مفاد اور اپنے اساسی حقوق کے لئے ضروری سمجھتی تھی۔

جدید اساسی قوانین۔ اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ چودھویں صدی میں پارلیمنٹ نے مملکت میں اپنے لئے جگہ کرلی اور آئندہ اختیارات کی بنیادیں ڈالکر پادشاہ کو اجرائے محاصل قانون سازی اور تدبیر مملکت میں جکڑ دیا اگرچہ قانون سازی اور تدبیر مملکت میں یہ جکڑبندی بہت کم تھی لیکن ان سے آئندہ ترقی کے امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ اس نے مملکت کے لئے جدید اساسی قوانین بنائے جو منشور اعظم کے مرتبہ اصول جاگیریت کی بدلی ہوی شکل تھی اور جنھوں نے خود انکی جگہ لے لی۔ یہ دستور ملک کی جدید بنیادیں تھے جن سے شاہی اختیارات محدود ہوئے اور یہ ان اصولوں کے علاوہ تھے جو منشور اعظم کے بنائے ہوے باقی رہ گئے تھے جیسے قوانین رسد اور عدالت۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان قیود کو قایم کرکے پارلیمنٹ دستور کی محافظ بن گئی تھی کیونکہ دستور انھیں پر قائم ہو گیا اور یہ قیود اب اس "بیرنی مخالفت" کے قائم مقام تھے۔ جو پوری تیرھویں صدی میں اور چودھویں صدی کے ابتدائی حصے میں تحدید اختیارات شاہی کے فرائض ادا کرتی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ تبدیلی محدود ملوکیت کی تعمیر میں بہت مفید ثابت ہوی۔ بیرنی مخالفت جو غیر منظم، تنگ نظر اور خودبیں ہونے کے ساتھ اکثر ذاتیات پر مبنی ہوتی تھی اور جس سے تسلسل مقصد قائم رکھنا تو کجا شعوری طور پر نظام جمع کرنا بھی ناممکن تھا۔ اسکے قبضے سے اب مخالفت کی باگ ایسے ادارے کے ہاتھ میں چلی گئی جس کی جد و جہد کبھی موقوف نہیں ہوئی اور جس نے حاصل کی ہوی چیز کو کبھی از دیاد رفتہ ہونے نہیں دیا۔ اسمیں مسلسل ترقی اور زمانہ سازی کی صلاحیت تھی۔ مواخذے کی کارروائی

کا اس اصول پر قایم ہونا کہ شاہی حکمتِ عملی کے ناخدا براہِ راست پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوں اور اس طریقے سے پادشاہ پارلیمنٹ کے زیرِ اقتدار ہو جائے اس بات کا ادراکی اظہار تھا کہ دستور کی صیانت پارلیمنٹ کے قبضے میں آگئی ہے۔ اب ہم سب اجزا کو جمع کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت صرف دستور کا ایک سرسری خاکہ تیار کر دیا گیا تھا جس میں بعد کو پورا رنگ بھرا گیا اور یہاں سے محدود ملوکیت کا اصول برابر آگے بڑھتا گیا۔ اگرچہ اسکے خلاف کہیں ردِ عمل بھی ہوا ہے لیکن یہ ترقی مسلسل تھی کیونکہ کوئی اصول ہمیشہ کے لئے کبھی نظر انداز نہیں ہوا۔

پارلیمنٹ کی فوقیت۔ اس تبدیلی کے بیان کرنے سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ پارلیمنٹ اپنے اس موقف سے واقف تھی جو اس نے حاصل کیا تھا اور اپنی حیثیت کے وسیع معنوں کو سمجھی ہوئی تھی۔ اس سے بعد کی پشت میں جو واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ جن کی بنا پر ہمارا یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ بادشاہ اپنے طور پر صورتِ حال سے باخبر تھا۔ اس سے آیندہ شاہی اختیارات پر جو اثر پڑنے والا تھا اور اس کی روک تھام کے لئے پادشاہ نے جو کوشش کی اس مواد سے پارلیمنٹ کی واقفیت میں بہت اضافہ ہوگیا چونکہ رچرڈ دوم کمسنی میں پادشاہ ہوا تھا اس لئے اسی دوران میں پارلیمنٹ کی حقیقی فوقیت ثابت ہوگئی اور ایڈورڈ سوم کے عہد کے نظائر بھی موثق کر لئے گئے۔ خود کونسل ہی جو شاہی جدوجہد کا خاص آلہ تھا پارلیمنٹ کے ہاتھ میں گویا کٹھ پتلی بن گئی۔

چودھویں صدی کا آخری ربع وہ زمانہ تھا جبکہ ہر طرف انقلابی ولولے دکھائی دیتے تھے۔ اس زمانے میں ایک عظیم الشان معاشی تغیر واقع ہو رہا تھا جو زرعی مزدوروں کی حالت پر مستقل اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ کچھ کالی وبا کا نتیجہ تھا جو ۱۳۸۱ء کی کاشتکاروں کی شورش اور زرعی غلامی کے جلد جلد خاتمے کا باعث ہوئی۔ وکلف اور اس کے پیرو مذہب اور دینیات کے پردے میں انقلابی تعلیم دے رہے تھے جس کے ممکنہ انطباق سے سیاست میں بھی انقلابی کیفیت رونما ہو رہی تھی۔ حکومت کے سلسلے میں اس انقلاب کو فروغ ہونا ضروری تھا کیونکہ اس زمانے میں پارلیمنٹ کے اختیارات تیزی سے بڑھ رہے تھے؛ ساتھ ہی فرقہ واری کشمکش پھیل رہی تھی

اور دوسری طرف بادشاہ کی روش میں بھی تبدیلی ہو رہی تھی۔ فرقہ وارہی کشمکش ایڈورڈ سوم کے آخری زمانے سے چلی آرہی تھی اور ان حالات میں جبکہ شاہی جانشینی کے لئے اصول کلانیت کو پہلی دفعہ شد و مد کے ساتھ عمل میں لایا گیا تھا اس کشمکش کو اور ترقی ہوگئی۔ کمسن ہونے کے باوجود رچرڈ اپنے دادا کا جانشین ہوگیا حالانکہ اس کے مقابلے میں اس کے چچا پختہ عمر والے۔ دولتمند۔ ذی اثر۔ اور کافی حوصلہ مند آدمی تھے۔ اگر بادشاہ کی حکمتِ عملی کے متعلق جو تاویل ہمنے کی ہے اس کی صحت کا ہمیں یقین ہوتا تو رچرڈ دوم کا عہد ہمیں زمانہ وسطیٰ کی تاریخ دستوری میں بہت زیادہ دلچسپ اور سبق آموز نظر آئے گا۔ یہ عہد پارلیمنٹ کی حاصل کی ہوی تمام ترقی کو یکجا کرکے دستوری ملوکیت کو جس کا درحقیقت پہلے سے وجود تھا بے نقاب کردیتا ہے اور گو یہ دستوری ملوکیت اپنی حکومت کے تمام اجزا میں سازنہیں ہوئی مگراس کا ایک خاکہ ضرور تیار ہوگیا۔

بادشاہ کی کمسنی سے فائدہ اٹھاکر پارلیمنٹ نے ان نظائر پر عمل کرنا شروع کردیا جو اس کو دونوں طرف سے ورثے میں ملے تھے، ایک بیرنی مخالفت سے (یعنے کونسل اور عہدہ داروں کے تقرر پر قابو پانا) دوسرے پارلیمنٹ کے اختیارات سے جو ایڈورڈ سوم کے زمانے میں حاصل ہوئے (یعنے اجرائے محاصل اور اخراج، عطائے رعایات اور بلا شرکت غیرے قانون سازی پر اقتدار حاصل کرنا) جب رچرڈ سن بلوغ کو پہنچا تو بہت تیز مزاجی ظاہر کرنے لگا، فضول خرچی کرنے لگا اور ملکی مفاد کو اپنی خود غرضی کے بھینٹ چڑھانے لگا نیز وہ کسی قسم کے دباؤ اور تنقید کو برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ اس عہد کے پر آشوب زمانے میں بادشاہ کے خلاف دو طاقتوں کا اجتماع ہوگیا۔ ایک بیرنوں کی دیرینہ مخالفت اور دوسرے پارلیمنٹ کی جدید مخالفت۔ گر پارلیمنٹ کے اختیارات تو ایڈورڈ سوم کے انتقال کے پہلے سے کئی مرتبہ تسلیم کئے جاچکے تھے اور وہ اس طریقے سے کہ دارالعوام میں وہ لوگ شامل کئے جاتے تھے جو کسی نہ کسی فریق کے ہمخیال ہوتے تھے۔ اور یہ کام شیرف کے ذریعے سے انجام پاتا تھا کیونکہ یہی نمایندے بھیجتا تھا۔

جب رچرڈ سِن بلوغ کو پہنچا تو مخالفت کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا اس کو علانیہ

ایڈورڈ دوم کا حشر یاد دلا کر دھمکی دی گئی اور دو دفعہ اس بات پر مجبور کیا گیا کہ پارلیمنٹ یا "امرائے مرافعہ" کے سامنے سر تسلیم خم کرے۔ آخر کو اس نے اچانک وار کر کے امرائے مرافعہ کو زیر کر دیا اور اپنے بالغ ہونے کا اعلان کر دیا اس کے بعد آٹھ سال تقریباً دستوری حکومت کے گزرے۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ کے کردار بدل گئے ہیں لیکن بہت سوں نے یہ بھی سمجھا کہ وہ صرف انتقام کے لیے موقع کی تاک میں ہے۔ اس لئے کہ جو بادشاہ کچھ نہ کچھ ملوکیت کے معنی سمجھتا ہو کیا وہ اپنی اس حیثیت کو محسوس نہیں کر سکتا تھا جو دستور کی ترقی کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی کہنے کے لیے ہمارے یہاں کوئی قطعی ثبوت موجود نہیں ہے کہ رچرڈ اس چیز کو سمجھ گیا تھا اور اس نے شخصی اور غیر محدود شاہی حکومت کے ازسرنو قائم کرنے کا ارادہ کر لیا تھا جو اس کے آبا و اجداد کو حاصل تھی۔ تاہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے اپنے عہد کے آخری زمانے میں جو کچھ کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنی حیثیت سمجھ جاتا اور بہت ہشیاری سے منصوبے باندھتا تو غالباً اپنے حسب منشا حکومت قائم کر لیتا۔ اس کے افعال سے ضرور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاص طور پر اسی غرض کے تحت کئے گئے تھے

ایک خطرناک موقع ۔ جب رچرڈ اپنے پیش نامہ کے اولین مدات کی تکمیل اور مطلق العنانیت کی بنیاد قائم کرنے پر تیار ہو گیا تو اس نے اس غرض کے لئے پارلیمنٹ ہی کو استعمال کرنا ضروری سمجھا اور اس سے نہ صرف اقتدار پارلیمنٹ بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رچرڈ اس اقتدار کو محسوس کرتا تھا۔ ایک طرف تو اس نے یہ کیا کہ قدیم طریقے کے مطابق پارلیمنٹ میں قابل اعتماد لوگ بھر دیئے اور ساتھ ہی ویلز کے تیر اندازوں کی فوج کو نوکر رکھ کر پارلیمنٹ کو دھمکی دی۔ اس نے پہلے اس اصول کو قائم کرنا چاہا کہ اراکین اپنے جملہ افعال اور الفاظ کے لئے جو پارلیمنٹ میں صادر ہوں بادشاہ کے سامنے براہ راست جوابدہ ہوں اور اگر غداری کا الزام ہو تو ان کو سخت سزا دی جائے۔ چنانچہ ۱۳۹۷ء میں ہیگزی نامی ایک رکن پارلیمنٹ پر اس وجہ سے کہ اس نے پارلیمنٹ میں ایسا مسودہ پیش کیا تھا جس کا بادشاہ سخت مخالف تھا سزائے موت کا فیصلہ سنایا گیا اس فیصلے کی تعمیل نہیں ہوئی لیکن اگر اس اصول کو عمل میں لایا جاتا تا

تو اس سے پارلیمنٹ کے ذریعے سے پادشاہ کی مخالفت کے امکان پر پانی پھر جاتا اس کے بعد پارلیمنٹ سے عمر بھر کے لئے اون کی محصول کی منظوری لے لی اور ایک کمیٹی مقرر کروائی جو بادشاہ کے تابع تھی اور جس میں پارلیمنٹ کے تمام اختیارات ودیعت کئے گئے۔ یہ صرف ابتدا تھی لیکن یہ ایسی چیز تھی کہ آگے چلکر مکمل قانونی آزادی کی صورت اختیار کر سکتی تھی۔ اس نے غیر اختیاری اور خودرایانہ محاصل بھی لگائے اور پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر ایک انتہائی قدم آگے رکھا یعنے کاغذات میں تحریف شروع کی اور اختیاری خصوصی کے ذریعے قانون کو معطل کر کے قوانین پارلیمنٹ کے تعطل کے اختیارات حاصل کر لیے۔

اگر بادشاہ کی جملہ کامیابیاں یکجا کی جائیں تو ہم یہ نتیجہ نکالے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ ایک خاص منصوبے پر کام کرتا تھا اور اگر یہ مستقل ہو جاتے تو ظاہر ہے کہ دستور کا کوئی تسمہ لگا نہیں رہتا یہ ایسی مطلق العنانیت کا سنگ بنیاد تھا جیسے بعد کو رشیلو نے (فرانس) میں قائم کی اور یہ بنیاد ٹھیک اسی زمانے میں رکھی جا رہی تھی جبکہ دوسری طرف چارلس "عاقل" کے ہاتھوں پڑ رہی تھی۔ رچرڈ کے عہد کے آخری تین سال کو پہلا نازک زمانہ کہنا چاہیئے جس میں سے انگریزی دستور کو گزرنا پڑا کیونکہ اس میں بادشاہ ترقی کی رو کو ہٹانے کے لیے ایک معقول اور باقاعدہ کوشش کر رہا تھا لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ اس نے مملکت کے اساسی قوانین پر ایسے وار کئے کہ ان کے ساتھ ذاتی جبر و ظلم بھی شامل تھا۔ اور اس سے فریق مخالف کے لئے ایک رہنما مل گیا۔ قوم ہنری بولنگ بروک کے تحت پادشاہ کے خلاف کھڑی ہو گئی اور یہ بہت جلد ظاہر ہو گیا کہ برے اخلاق و عادات کی وجہ سے رچرڈ کا کوئی ساتھ دینے والا نہیں یہی وجہ ہے کہ ۱۳۹۹ء کے انقلاب میں کسی قسم کی خونریزی نہیں ہوئی۔

Bibliographical Note.— J. C. Davies, *The Baronial Opposition to Edward II*, 1918. N. S. B. Gras, *The Early English Customs System*, 1918. L. W. Vernon Harcourt, *His Grace the Steward and Trail of Peers*, 1907. G. Lapsley, *The Commons and the Statute of York*, E. H. R., xxxiii, 124, 1913; *Knignts of the Shire in the Parliaments of Edward II* E. H. R. xxxiv, 25; 152, 1919. C. H. McIlwain, *The High Court of Parliament*, 1910. L. O. Pike, *The Constitutional History of the House of Lords*, 1894. A. F. Pollard, *The Evolution of Parliament* 1920. T. F. Tout, *The Place of Edward II in English History*, 1914; *The Administrative History of Mediæval England*, 2 vols., 1920.

باب ۹

پیشتر سی دستوری حکومت

ہنری بولنبروک نے جو انقلاب کی رہنمائی کی اور رچرڈ دوم کو زیر کیا تو غالباً اس کو اس بحران کے دستوری پہلو سے کوئی ذاتی دلچسپی نہ تھی۔ فطرۃً اس کی ذاتی خواہش یہ تھی کہ لنکاسٹری وراثت جس کو بادشاہ نے غصب کر لیا تھا حاصل کرے اور خوشگوار موقع سے فائدہ اٹھائے۔ لیکن یہ بات اس کے لئے دلچسپی سے خالی نہیں تھی کہ رچرڈ کی جابرانہ حکومت سے جو مخالفت پیدا ہو گئی تھی اس سے پورا فائدہ اٹھایا جائے اور اس کے بغیر وہ کامیاب بھی نہیں ہو سکتا تھا اگرچہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ مخالفت بڑی حد تک فریقانہ بیرنی مخالفت تھی اور تیرھویں صدی کی مخالفت کے بہ نسبت جس کی وجہ سے مختلف اوقات میں بادشاہ سے جبراً مراعات حاصل ہو گئی تھیں کچھ زیادہ دوراندیش تھی اس لئے جیسے پہلے ہوا تھا اس نے بھی ۱۳۹۹ء کے انقلاب پر صاف دستوری رنگ چڑھا دیا۔ اس انقلاب کا اندازہ کرنے میں ہم کو وہ ترقی بھی مدِ نظر رکھنی چاہئے جو ایڈورڈ سوم کے زمانے میں دارالعوام نے حاصل کی تھی کیونکہ گو رچرڈ کے خاتمے میں عوام نے کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا تھا لیکن بادشاہ کی تائید نہ کرنا بھی خاص معنے رکھتا ہے۔ اس کو ایک معنی خیز تاریخی واقعہ سمجھنا چاہئے کہ عین اس انقلاب کے مطابق جو ۱۶۸۸ء میں ہوا تھا قوم کی کوششوں نے دستور کو اس بربادی سے

سمجھ لیا جس کا بادشاہ کی حکمت عملی سے ڈر لگا ہوا تھا۔ ہم اسکا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ۱۳۹۹ء میں قوم نے دستور کو اسی طرح صاف سمجھ لیا تھا جس طرح ۱۶۸۸ء میں جاکر سمجھا لیکن اس کا تو ہم دعویٰ کر سکتے ہیں کہ دونوں چیزیں اگلے دور میں اسی طرح موجود تھیں جس طرح پچھلے دور میں تھیں اور اس وقت دونوں چیزوں کا کچھ نہ کچھ دلی احساس ضرور ہوتا۔ اب رہا دستور تو اصولی شکل میں اس کے بڑے بڑے راستے ۱۳۹۹ء میں ایسے پڑ چکے تھے جس طرح آج موجود ہیں۔ البتہ ان اصولوں کو حکومت کے اجزا پر منطبق کرنے کی ابھی کوئی کوشش نہیں ہوئی تھی۔ پندرھویں صدی میں سب سے پہلے اس انطباق کا کام ہوا لیکن اصول تو یقیناً پہلے سے موجود تھے۔ ہم کو اکثر واقعات سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ جس چیز کو ہم قوم کی رائے عامہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ کسی قدر دستوری قانون کی ماہیت سے واقف تھی اور اس بات کی اہمیت کو سمجھنے لگی تھی کہ انقلابی زمانے میں بھی جہاں تک ہو سکے نظائر اور مقررہ اشکال کے مطابق کام ہونا چاہیئے اور پارلیمنٹ کی اس حیثیت کا احساس ہونے لگا تھا جو پارلیمنٹ انصرام حکومت میں حاصل کر چکی تھی یعنے وہ حیثیت جس میں بادشاہ بے اختیار کر دیا گیا تھا اور اس بات کا احساس کہ اگر بادشاہ ان قیود کو توڑ ڈالے جو اس پر عائد کئے گئے ہیں تو کیا اختلاف ہوگا۔ تاہم اگر کوئی شخص اس کو ملحوظ نہ رکھے کہ ۱۳۹۹ء میں قوم کی واقفیت کہاں تک تھی تو خیر کوئی حرج نہیں لیکن تاریخی اعتبار سے واقعی اہم تر مسئلہ اس بحران کے متعلق یہ ہے کہ ۱۶۸۸ء کے ساتھ اس کی صاف و صریح مناسبت ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس انقلاب کو جو بہت جلد کامیابی ہوئی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی اٹھان دستوری تھی۔

انقلاب کی نوعیت۔ اس لحاظ سے یہ انقلاب مکمل تھا۔ لنکاسٹری خاندان اس طرح تخت پر آیا تھا کہ اس کے تخت و تاج کی سنبھال بغیر قوم کی تائید کے ممکن نہ تھی کیونکہ یہ انقلاب سے حاصل ہوے تھے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ تھا کہ یہ خاندان ان حقوق کے ماننے کے لئے مجبور تھا جو پارلیمنٹ نے چودھویں صدی میں حاصل کئے تھے اور ان اختیارات کی پوری اجازت دینے پر مجبور تھا جن کو رچرڈ نے توڑ دیا تھا۔ حالات ایسے تھے کہ جدید بادشاہ کو بھی یہی مسلک اختیار کرنا پڑتا تھا کیونکہ خود ہنری چہارم کو جو انقلاب کا آفریدہ تھا مخالف انقلابیوں کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ لہذا ہنری کے لئے

صرف چارہ کار یہ تھا کہ اُس کو جو مدد مل سکتی تھی اس پر بالکلیہ انحصار کرے کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنی من مانی دست درازیاں نہیں کر سکتا تھا۔ یا پارلیمنٹ جیسے ادارے کی مخالفت مول لے جو بیحد طاقتور ہو گیا تھا۔ باوجود ہنری کی مسلمہ قابلیتوں کے اس کا عہد حکومت بالکل غیر اہم معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر معاملے میں ایک معتدل اور درمیانی راستہ اختیار کرنے پر مجبور تھا۔ اس کا بیٹا اور جانشین ہنری پنجم جس کو شکسپیر "شاہزادہ ہال" کا لقب دیتا ہے اتنا طاقتور تھا کہ فرانس سے اس نے پھر جنگ شروع کر دی اور فتوحات حاصل کر کے بڑی شہرت حاصل کی۔ لیکن طویل مہمات نے اس کو انگلستان سے جدا رکھا اور حکومت لازماً دوسروں کے ہاتھ میں چھوڑ دینی پڑی تھی۔ اس کی قبل از وقت موت کی وجہ سے اس کا بیٹا ہنری ششم تخت پر بیٹھا چونکہ وہ شیر خوار تھا اس لئے اس کا زمانۂ کمسنی بہت طویل ثابت ہوا۔ اور جب وہ سن بلوغ کو پہنچا تو اس کی دماغی اور جسمانی کمزوری ایسی تھی کہ اس سے بھی اقتدار پارلیمنٹ کے برقرار رکھنے میں بہت مدد ملی۔

اس ساٹھ سال کے طویل عہد میں پارلیمنٹ کا اقتدار بے چون و چرا تھا۔ اور لنکاسٹری سلاطین نے بھی کبھی اس کے خلاف انگلی اٹھانے کی جرأت نہیں کی۔ جہاں تک ہم ان لوگوں کے طبعی میلان کا اندازہ لگا سکتے ہیں وہ یہ تھا کہ یہ لوگ پارلیمنٹ کے ہمنوا ہو کر حکومت کرنا پسند کرتے تھے۔ یہ دستوری حکومت کا مسلسل دور تھا جس نے کسی دوسری جگہ اس دور کو زمانۂ حال کا عہد بتایا ہے جو حیرت کی بات ہے کہ اپنے وقت سے پہلے آ گیا تھا۔ اگرچہ اس وقت تک دستوری حکومت کی کل صرف چند جزئی شعبوں میں چلتی تھی مگر روح عمل کا لحاظ کرتے یہ زمانۂ حال کے مطابق تھا۔ پارلیمنٹ اس بات سے واقف تھی کہ اس کی حیثیت اٹل ہے ایک طرف یہ اجرائے حکومت کو پختہ کرنے اور دوسری طرف اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے میں مشغول تھی۔ یہ شاہی کونسل کو ایسا استعمال کرتی تھی کہ گویا وہ پارلیمنٹ کا ایک آلۂ کار ہے اور سب سے زیادہ قابل لحاظ بات یہ ہے کہ ان حالات میں جو تقریباً زمانۂ حال کی طرح تھے ہم کو پارلیمنٹ اور کونسل کے بدلتے ہوئے تعلقات کی ابتدائی جھلکیاں نظر آنے لگتی ہیں جن سے آج انگریزی نظام کابینہ کا ظہور ہوا۔ اگرچہ پارلیمنٹ کونسل پر حاوی ہو گئی تھی اور اس کے ذریعے روزمرہ کی حکومت کا کام ہو رہا تھا۔ لیکن اس سے اس زمانے کے اکابر کی باہمی فرقہ وارانہ رقابت کا سدباب

نہ ہوسکا جو دوسری پشت میں جاکر گلابوں والی خانہ جنگی کا باعث ہوئی۔

درحقیقت یہ گویا زمانہ حال تھا جو اپنے وقت سے پہلے آگیا تھا۔ یہ دستوری زمانہ ضرور تھا لیکن اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ دستور کی بنیاد پختہ ہوگئی ہو اور اس کے قدم مضبوط جم گئے ہوں اور حکومت پر اس کا نتیجہ بھاری ہوگیا ہو اور ان لوگوں کے سامنے کاروبار کرنے کے سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہ ہو۔ بلکہ اس کی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ اس وقت کچھ موقتی حالات ایسے پیدا ہوگئے تھے۔ یعنے بادشاہ کی غیر محفوظ حالت اس کی عدم موجودگی اس کی کمسنی یا اس کی ذاتی کمزوری نے پارلیمنٹ کو حکومت کا جزو اعظم بنادیا تھا۔ یہ اس دور کا بہترین نتیجہ تھا کہ دستوری حکومت طبعی چیز ہوگئی خیال اور عمل کی عادتیں جو اس وقت پیدا ہوگئیں وہ مقررہ نظائر سے زیادہ اہم تھیں اور اگلے دور میں جو دستور برقرار رہا تو اس کا بڑا سبب یہی تھا کہ اس دور میں یہ قومی زندگی میں سرایت کر گیا تھا۔

حکومت میں بادشاہ کا درجہ۔ اس امر کے متعلق کہ حکومت میں بادشاہ کا کیا درجہ ہے۔ اس زمانے کے بہترین تفکر نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ انگریزی دستور کے اس عالم کے الفاظ میں جو اس زمانے کا ہمعصر تھا ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ ہیلیم اپنی کتاب "یورپ بقرون وسطیٰ" کے انگریزی دستور کے باب کے تیسرے حصے میں جو کچھ کہتا ہے اس کے الفاظ اس قدر واضح اور وقیع ہیں کہ انگریزی دستور کے ہر لکھنے والے کو یہ الفاظ اخذ کئے بغیر چارہ نہیں سر جان فورٹسکیو جو انگلستان کا میر مجلس عدالت ہوا ہے اس کی تمام تعلیم و تربیت اور تمام کاروباری زندگی لنکاسٹری دور میں گزری تھی۔ اس لئے اپنی کتاب "در تعریف قوانین انگلستان" میں جو ایڈورڈ چہارم کے اوائل عہد میں لکھی گئی ہے بادشاہ کے متعلق لکھا ہے کہ "وہ اپنی رعایا کی رضامندی کے بغیر نہ تو قانون ملک کو بدل سکتا ہے نہ اس میں ترمیم کرسکتا ہے نہ ان پر ایسے قیود عائد کرسکتا ہے جو ان کے خلاف مرضی ہوں" پھر وہ کہتا ہے کہ "جس طریقے سے طبعی جسم میں سر بدن کے رگ اور پٹھوں کو نہیں بدل سکتا اور مختلف اعضاء سے ان کی اصلی قوت اور لازم حیات مادہ خون سلب نہیں کرسکتا۔ اسی طریقے سے ایک بادشاہ جو سیاسی جسم کا سر ہے اس کے قوانین نہیں بدل سکتا۔ اور لوگوں سے ان کی مرضی کے خلاف ان کے حقوق نہیں چھین سکتا۔ اسی طریقے سے تم کو ہر سیاسی سلطنت کے قیام میں ایک دستوری کیفیت نظر آئے گی جس سے تم اس اقتدار کا قیاس کرسکتے ہو جو قوانین اور رعایا کے احترام کے ساتھ

بادشاہ استعمال کرسکتا ہے کیونکہ بادشاہ یہی رعایا کی جان و مال اور قوانین کی حفاظت کے لئے مقرر ہوا ہے محض اسی غرض و غایت کے لئے قوم اس کو یہ اقتدار تفویض کرتی ہے اور سوائے اس اقتدار کے کسی اور چیز کے متعلق اس کا دعوئے جائز نہیں ہوگا۔" گو یہ ایک عالم حکومت کے فلسفیانہ الفاظ ہیں لیکن اس میں شبہ نہیں کہ روح معنے کے اعتبار سے فورٹسکیو بالکل صحیح تھا۔ اس زمانے میں درحقیقت یہ اصول قائم ہو گیا تھا کہ شاہی اختیارات قوم کی ودیعت ہیں اگرچہ اس اصول کو ملک کی عملی حکومت میں پورے طور پر کام میں لانے کے لئے ابھی دو سو سال کی ضرورت تھی۔

انتظام وراثت۔ پارلیمنٹ کا وہ جدید حق جس کو ۱۳۹۹ء کے انقلاب نے حاصل کیا تھا ہم نظر انداز نہیں کرسکتے اور وہ تعیین وراثت شاہی کا حق ہے۔ اس سے ایسے بادشاہ کے معزول کرنے کا غیر معمولی اور اہم حق مراد نہیں ہے جسے اس کے بغیر قابو میں لانا ناممکن ہو حق معزولی کو منشور اعظم میں ایک طرح سے دستوری حیثیت دی گئی تھی اور یہ جیسے باب ۶ میں مندرج ہے ایک بہت چھوٹے حق کی بنیاد تھی جس میں عارضی تعطل شامل تھا چنانچہ اس عارضی تعطل کے حق کو مجلس عظمیٰ نے بہ علت بدچلنی ۱۲۵۸ء میں اور پھر ۱۳۱۱ء میں استعمال کیا تھا اور ۱۳۲۶ء میں ایڈورڈ دوم کے خلاف کامل حق معزول استعمال کیا تھا۔ ۱۳۹۹ء میں تو اس سے بھی زیادہ کیا گیا۔ یعنی پارلیمنٹ نے اس سلسلۂ جانشینی کو نظر انداز کر دیا جو اصول کلانیت یا صلبی وراثت کی رو سے قائم تھا اور جس کا قانون انگلستان میں ابھی ابھی عملدرآمد ہو چلا تھا اس جگہ کی چھوٹی شاخ خاندان یعنے خاندان لنکاسٹر کو تخت پر بٹھا دیا۔

ہنری چہارم ایڈورڈ سوم کے تیسرے بیٹے جان آف گانٹ ڈیوک آف لنکاسٹر کا بیٹا تھا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت بڑی شاخ کا نمائندہ اڈمنڈ مورٹیمر ارل آف مارچ تھا جو اپنی ماں کی طرف سے ایڈورڈ کے دوسرے بیٹے کا نواسہ تھا اور یہ آٹھ سال کا بچہ تھا۔ بعد کو ہنری پنجم کے عہد میں ارل آف مارچ کی بہن کی وساطت سے تخت کا حق خاندان یارک میں منتقل ہو گیا۔ اس بات کا کافی ثبوت موجود ہے کہ اس زمانے کے لوگ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ ہم ہنری کو بادشاہ بنانے میں اصل سلسلے کو جو اصول وراثت کی رو سے اس وقت قانون انگلستان میں جاگزیں تھا توڑ رہے ہیں۔

لیکن اس بات کا بہت کم ثبوت ہے کہ وہ لوگ پارلیمنٹ کے اختیارات کی توسیع یا ان کے جدید انطباق کو جو قانون میں کیا جا رہا تھا بخوبی سمجھتے تھے۔ یہ سچ ہے کہ وہ اس حق کو استعمال کر کے جو بعد کو پارلیمنٹی حق سے موسوم ہونے لگا اور دستوری قانون میں سب سے بہتر حق سمجھا جانے لگا لنکاسٹری خاندان کو تخت دے رہے تھے۔

آیا اس زمانے کا کوئی قدامت پسند شخص اپنے ذہن میں سیکسنوں کی قومی مجلس کے پرانے واقعات کو یاد کر کے کہ وہ شاہی خاندان کے ارکین میں سے جانشینی کا انتظام کرتی تھی یا مجلس عظمیٰ نے دوسو سال پہلے جان کی تائید میں آرتھر کو پس پشت ڈال دیا تھا پارلیمنٹ کے اس فعل کو حق بجانب سمجھا ہوگا اس میں کوئی اہمیت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قدیم اور جدید واقعات میں کوئی رابطہ نہیں ہے۔ اس عملدرآمد کا کوئی لگاتار تسلسل اور دستوری قانون کی کوئی توریث نہیں تھی۔ ۱۳۹۹ء کا یہ فعل اس اعتبار سے کہ وہ آنے والے دستور کا ایک جز تھا ایک جدید اور تشکیلی چیز تھی۔

اس میں شک نہیں کہ از روئے استدلال یہ حق قدیم حق معزولی سے مستنبط ہوتا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ آئندہ صدیوں میں اس کا جو جدید استعمال ہوا وہ بہت دلچسپ ثابت ہوا اور اس فائدہ سے کہیں زیادہ تھا جس سے وہ اخذ کیا گیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۴۶۰ء میں ہی بہت جلد اختیارات پارلیمنٹ کا وہ شاندار اظہار ہوگیا جس سے گویا مستقبل پر روشنی پڑنے لگی۔ جس وقت ڈیوک آف یارک کو لنکاسٹریوں پر میدان جنگ میں پورا غلبہ حاصل ہوگیا اور اس نے اچانک یارکی پارلیمنٹ طلب کی تاکہ تخت کے ساتھ اس کے جو فائق حقوق تھے اس کو یہ پارلیمنٹ تسلیم کر لے کیونکہ یہ بڑی شاخ کا رکن تھا تو دارالامرا نے اس مطالبے کو منظور کرنے سے انکار کر دیا اور پھر اس کی یہ توجیہ کی کہ بذریعۂ قانون پارلیمنٹ خاندان لنکاسٹر کو جو تخت دیا گیا تو اس سے تخت کا ایسا حق پیدا ہوگیا تھا کہ اس سے بہتر کوئی دوسرا حق نہیں ہوسکتا۔

پندرھویں صدی چودھویں صدی کی ضد تھی اور وہ اس وجہ سے کہ اس میں پارلیمنٹ کے اقتدار کو استعمال کرنے کے بجائے اس میں افزائش ہوئی قرون وسطیٰ کی سیاسی دسترس کے مطابق جو جدید پیشقدمیاں ہوسکتی تھیں وہ ہوچکی تھیں پچھلے زمانے کی دستوری حکومت کا کوئی ایسا تجربہ نہیں تھا کہ جس کو پندرھویں صدی کے رہنما اپنا مشعل ہدایت

بنا سکتے کامل محدود ملوکیت کا ایسا تصور جو اپنے تمام اجزا میں اوارتی طور پر مکمل ہو ان کے ذہن میں نہیں آسکتا تھا جس کو وہ اپنا منتہائے عمل بنا کر وہاں تک پہنچنے کی کوشش کرتے نہ اس بات کا علم تھا کہ آئندہ کیا خطرات آنے والے ہیں اور ان سے کیونکر بچنا چاہئے۔ حکومت کی ایسی تخلیق جس کے حامل عوام ہوں تاریخ میں ایک جدید کام تھا اس کے تمام مدارج دیکھے جائیں تو ان میں کبھی کوئی نظری تصور نہیں پایا جاتا ہے کہ ضرورت وقت کام کی رہنمائی کرتی تھی۔ جو نتائج حاصل ہو چکے تھے ان سے پندرھویں صدی مطمئن تھی اور مزید پیشقدمی کے لئے کوئی فوری ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ چونکہ اس جدید کام کا کوئی تجربہ نہیں تھا اس لئے یہ بھی خوش قسمتی کی بات تھی کہ چودھویں صدی کی عاجلانہ ترقی کے بعد جس طرح زمانہ وسطیٰ کی پشتوں کا شمار ہوتا ہے تین پشتوں کا ایک ایسا دور آیا جو نسبتہً خاموش اور منجمد تھا۔ دستوری حکومت کا چلن، پارلیمنٹ کا تفوق اور جملہ امور کی بذریعۂ پارلیمنٹ انجام دہی اس طویل دور میں ایک حد تک عادت میں شامل ہو گئی تھی اور جیسے پہلے کہا گیا ہے پارلیمنٹی اقتدار کی یہ عادت اس دستوری حق کی مستحکم بنیاد بن گئی اور اگلی صدی میں جو ظاہری ردعمل ہوئے تو ان سب کی تہ میں یہ چیز موجود تھی۔

اس طریقے سے اگرچہ پارلیمنٹ سنہ ۱۳۹۹ء سے لے کر سنہ ۱۴۶۱ء تک حکومت کرتی رہی لیکن اس نے صرف چھوٹے امور میں اپنے ہاتھ پیر مضبوط کئے۔ بڑے امور کو چھوڑ دیا۔ وہ صرف ان چیزوں کے قائم کرنے میں لگی رہی جو برائے نام پارلیمنٹ کے اختیارات خصوصی کہلاتے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ آزادی بحث جس کو چھوٹی چیز نہیں کہہ سکتے۔ اراکین کا گرفتاری سے استثنا۔ ایوان بالائی کے مقابلے میں دارالعوام کا یہ حق کہ وہ اجرائے محاصل کی تحریک کر سکے، اراکین کی اہلیت کا تعین کر سکے اراکین اور بے ادب تماشائیوں کا انضباط کر سکے اور سزا دے سکے صوبوں میں رائے دینے کی اہلیت کا انتظام کر سکے اخراجات کے تعین کے علاوہ آمد کی توسیع کر سکے قانون سازی کی کارروائی کی اصلاح کر سکے۔

آزادی بحث ۔ آزادی بحث کا مسئلہ رچرڈ کی معزولی سے ورثے میں ملا تھا ہیگزی کے مقدمے میں اس بات کی ضرورت عیاں ہو گئی تھی کہ اگر پارلیمنٹ شخصی حکومت کو محدود کرنا چاہتی ہے تو بادشاہ کے دخل اندازی کی روک تھام کرے اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ غداری کے الزام کا ایک بہت بڑا اختیار بادشاہ کے ہاتھ میں ہے۔ چونکہ

یہ پارلیمنٹی اقتدار کی گویا بنیاد تھی اس لئے یہ ظاہر بات تھی کہ عاملہ نے دستور کو اسٹینے کی جو
کوشش کی تو سب سے پہلے اس نے اسی پر ضرب لگائی اور یہی اس کی اصلی خصوصیت کہ یہ ایسا
پارلیمنٹی حق ہے کہ اس کے بغیر دوسرے حقوق بے معنے ہو جاتے ہیں" اس وقت تک
پورے طور پر سمجھ میں نہیں آئی جب تک اس بحران کی وجہ سے یہ معرض بحث میں نہیں آئی
ہیگزی غالباً اپنے پادری ہونے کی وجہ سے رچرڈ کے زوال سے پہلے ہی رہا ہو گیا تھا اور
ہنری چہارم کے پہلے سال اس نے یہ معروضہ پیش کیا تھا کہ اس کے خلاف جو فیصلہ ہوا ہے
وہ منسوخ کر دیا جائے چنانچہ دارالامرا نے اس کو منسوخ کر دیا اور اسی سال دارالعوام کی
درخواست پر اس تنسیخ کو دہرایا گیا اور دونوں ایوان سے منسوخ ہونے کی وجہ سے اس کی
صورت ایسی ہو گئی تھی کہ گویا پوری پارلیمنٹ کا متفقہ کام ہے۔ دوسرے سال دارالعوام
کے صدر نے بادشاہ سے یہ عرض کیا کہ ایوان کے بعض اراکین بادشاہ کو امور زیر بحث کی
اس سے پہلے کہ "ان پر بحث ہو اور یہ اراکین میں طے ہوں رپورٹ کر دیتے ہیں تاکہ بادشاہ اس کی
وجہ سے بعض یا سب اراکین کے خلاف غیظ میں آ جائے" اور بادشاہ سے درخواست کی
ایسی رپورٹوں پر کوئی توجہ نہ کرے اس کے متعلق بادشاہ نے وعدہ کیا کہ وہ توجہ نہیں
کرے گا۔ سنہ ۱۴۰۷ء میں بادشاہ کی جانب سے ایک باضابطہ اعلان کیا گیا کہ "امرا کے لئے
جائز ہو گا کہ اس پارلیمنٹ میں اور آنے والی ہر پارلیمنٹ میں بادشاہ کی عدم موجودگی
میں ملک کی حالت اور ضروری چارہ کار کے متعلق آپس میں بحث کریں، اور اسی طریقے
سے عوام کے لئے بھی جائز ہو گا کہ اپنے طور پر ملک اور چارہ کار مذکور کے متعلق آپس میں
بحث کریں"۔ ان اعلانات نے نظری اصول کو قائم کر کے گویا پارلیمنٹ کے حق کی بنیاد
ڈال دی کہ بحث میں جو کچھ کہا جائے اس سے بادشاہ گویا واقف نہیں ہے۔ سنہ ۱۵۱۲ء
کے مقدمہ اسٹروڈ تک یہ اصول دستوری شکل میں باقی رہے۔ اسٹروڈ کو مقامی عدالت
میں پیش کر کے اس وجہ سے سزا دی گئی تھی کہ اس نے کارنوال کے ٹین کھودنے والوں کے
متعلق پارلیمنٹ میں چند تحریکیں پیش کی تھیں۔ اس پر پارلیمنٹ نے قانون وضع کر کے
یہ اعلان کیا تھا کہ اسٹروڈ کے متعلق قرارداد جرم باطل ہے اور آئندہ دارالعوام کے اراکین
کے خلاف ایسی کوئی کارروائی نہیں ہو سکتی۔ یہ آزادی بحث کا اصول نہیں بلکہ اس سے
بیرونی حکام کی مداخلت کو روکنا مقصود تھا۔ گو اول الذکر کو بادشاہ نے تسلیم کر لیا تھا لیکن

اس بات کا یقین تھا کہ پادشاہ اُس کا ہمیشہ احترام کرے گا۔ کیونکہ یہ احتمال تھا کہ اس زمانے میں جبکہ حالات طاقتور اور شخصی حکومت کی طرف مائل ہوں یہ کسی نہ کسی شکل میں محدود ہو جائے گا۔

ارکین کا یہ حق کہ وہ اجلاس پارلیمنٹ کے دوران میں اور پارلیمنٹ کو آتے اور واپس جاتے ہوئے گرفتاری سے مستثنیٰ ہیں اُس کی قدیم ترین زمانے کے سوائے بہت کم اہمیت تھی اور آج تو اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ حق اس زمانے سے موجود تھا جبکہ سیکسنی مجلس قائم تھی۔ دوسری ٹیوٹانی مجلسوں کے ساتھ اُس مجلس کو بھی یہ حق حاصل تھا مگر ۱۴۰۳ء میں ہنری چہارم نے اس کو باضابطہ تسلیم کر لیا اور ہنری ششم کے عہد میں تو اس کی توسیع اور تنظیم عمل میں آئی تھی۔ اُس زمانے میں جب کہ دیوانی کارروائیوں کے لئے اکثر گرفتاریاں عمل میں آتی تھیں اس سے تھوڑا بہت فائدہ تھا لیکن اس اصول کو کبھی اس حد تک استعمال نہیں کیا گیا کہ فوجداری گرفتاریاں بھی اس کے تحت ناجائز ہوں اور اس زمانے میں جبکہ شاہی دست درازی سے بچنا بہت مشکل تھا ایسے حق کی بہت ضرورت تھی۔

طبقہ واری اجرائے محاصل کا وہ قدیم عملدرآمد جس کی رو سے ہر طبقے کے جداگانہ نمایندوں کے ذریعے اجرا عمل میں آتا تھا چودھویں صدی کے دوران میں رفتہ رفتہ متروک ہو گیا تھا اور صرف پادریوں کی حد تک باقی تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ رقمی منظوری نے تقریباً قانون پارلیمنٹ کی نوعیت اختیار کر لی تھی۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے یہ تبدیلی سب سے پہلے ۱۳۹۵ء کی منظوری کی شکل میں ظاہر ہوئی اس سال کی منظوری کے متعلق یہ کہا گیا تھا کہ "وہ امرا کی صلاح اور رضامندی کے ساتھ عوام کی طرف سے عمل میں آئی ہے"۔ یہ خاص الفاظ ارادۃً عوام کے بالذاتی کام کو واضح کرنے کے لئے استعمال کئے گئے تھے۔ ہنری چہارم کے ۱۴۰۷ء کے اعلان میں جس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے اس پر پھر زور دیا گیا۔ اس بات پر اس نے رضامندی ظاہر کی کہ امرا اور عوام کی متفقہ منظوری سے پہلے کسی منظوری کی بابت پادشاہ کو رپورٹ نہیں دینی چاہئے اور پھر مروجہ طریقے کے مطابق یعنے صدر دارالعوام کے زبانی معلوم ہونی چاہئے" ان فقروں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس طریقے سے دستوری حق کو قانونی شکل میں مرتب کیا جا رہا تھا بلکہ ایک رواج ترقی پا رہا تھا۔ دارالعوام کے ارکین کا حق بصورتِ رواج سترھویں صدی تک

جاری رہا۔ اگرچہ اس شک نہیں کہ جب تک قدیم مجلسِ عظمیٰ کا اپنا اجلاس لگا ہے ما ہے ہوتا رہا یہ مجلس اس محصول کو منظور کر سکتی تھی جو طبقۂ ثانیہ کی طرف سے ادا ہوتا۔ یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اس وقت ان نظائر کے جو حقیقی معنے لئے جاتے تھے اور ان میں جو زور پایا جاتا تھا اس میں بہت مبالغہ کیا جا سکتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ سترھویں صدی میں سلاطین اسٹوارٹ کے ساتھ جو کشمکش ہوئی تو ان نظائر میں بہت کچھ مبالغہ کیا گیا۔ تاہم ان نظائر کو ایک ابتدائی رجحان سمجھا جا سکتا ہے اور ان سے آیندہ نتیجہ کے لئے خواہ یہ تاریخی واقعہ نہ ہو بلکہ زیادہ تر ایک منطقی استنباط ہو ایک جائز بنیاد پیدا ہو گئی جو بعد کو ان نظائر پر قائم کیا گیا۔ دوسری طرف سے دیکھا جائے تو یہ دار العوام کے مطالبات کی صورت میں اس کے رتبے اور اختیارات کے احساس کو ظاہر کرتی ہیں جن سے چودھویں صدی کی مسلسل ترقی معلوم ہوتی ہے۔

ارکین کی اہلیت۔ جب پارلیمنٹ ارکین دار العوام کی اہلیت معین کرنے بیٹھی تو اس نے سب سے پہلے صوبوں کے نمایندوں کا تعین کیا۔ قرون وسطیٰ میں بلدیوں کی اہلیت اور طریقہ انتخاب کے متعلق بہت کم توجہ کی گئی۔ لیکن صوبوں کے ارکین وہ مبازرین صوبہ تھے جس وقت پارلیمنٹ شروع ہوئی اور جاگیری اختیارات ہٹنے لگے اور دار العوام کی رکنیت میں بھی ہنوز کوئی کشش پیدا نہیں ہوئی تھی اس وقت پارلیمنٹ نے ارکین کی اہلیت کا جو اولین انتظام کیا وہ یہ تھا کہ اس نے صوبوں کے نمایندوں کے رتبے کو عام آزاد اشخاص سے بلند کرنے کی کوشش کی۔ چودھویں صدی میں یہ کام بادشاہ کے لئے دقت طلب معلوم ہوا اور ۱۴۴۵ء میں اس کو قانون پارلیمنٹ کے ذریعے منضبط کرنے کی کوشش کی گئی کہ جو لوگ منتخب ہوں وہ شریف خاندان ہونے چاہئیں۔ اس قانون کا کوئی فوری نتیجہ نہیں نکلا بلکہ جوں جوں پارلیمنٹ کا اقتدار بڑھتا گیا رکنیت میں کشش پیدا ہوتی گئی۔ اور خود بخود یہ مطلب نکل آیا۔ ۱۴۱۳ء کے قانون سے جس کی ۱۴۳۲ء اور ۱۴۴۴ء میں تجدید کی گئی تھی یہ طے پایا کہ ارکین اس مقام میں اپنی سکونت رکھیں جس کی وہ نمایندگی کریں لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ اس قانون کا منشا جس قدر ارکین کی اہلیت کو مقرر کرنا تھا اس سے زیادہ شیرفوں کے اس برے طریقے کو روکنا تھا کہ یہ لوگ دار العوام میں اپنے اسامیوں کو ٹھونس دیتے تھے۔

انتخاب کنندگان کی اہلیت سب سے پہلا قانون جو صوبوں کے رائے دہندوں کا تعین کرتا ہے اسی عہد سے متعلق ہے۔ سنہ ۱۴۳۰ء کے قانون کی رو سے جس پر سنہ ۱۴۳۲ء میں اضافہ کیا گیا اور جو سنہ ۱۸۳۲ء کے قانون اصلاح پارلیمنٹ تک چار سو سال تک برابر جاری رہا انتخاب میں حق رائے دہی صرف چالیس شلنگ کے معافی دار طبقے تک محدود تھا انتخاب کنندہ کے پاس کم از کم سال انتخاب میں ایسی اراضی معافی یا حقیت ہونی ضروری تھی جس کی مالیت دیگر مطالبات کے علاوہ چالیس شلنگ ہو۔ اس کو قانون سلب حق رائے دہی کہا گیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آیا مقدمہ قانون میں وضع قانون کی صاف وجہ نہیں بتائی گئی یعنے آیا اس کا مقصد یہ نہیں بتایا گیا کہ انتخاب کے وقت بے لگام اراکین کو بلوہ اور بدنظمی کرنے سے روکا جائے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قانون سے اشخاص منتخب کے نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑا اس لئے سنہ ۱۴۴۵ء کے قانون کی ہنوز ضرورت محسوس ہوتی رہی۔ انیسویں صدی تک پارلیمنٹ کی طرف سے بلدیوں کی حق رائے دہی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ ہر بلدیہ خود اپنے مقامی رواج انتخاب کے مطابق اس معاملے کو طے کر لیتا تھا۔

مصارف کا انتظام۔ مصارف پر قابو پانے اور منظوری رقم کو معینہ امور پر منطبق کرنے میں پارلیمنٹ نے پچھلی صدی کے ثلث آخر کو اس قدر ترقی دی کہ اگر دستوری ترقی کے لنکاسٹری دور کے سلسلے سے برابر جاری رہتی تو زمانہ حال کا عملدرآمد بہت جلد قائم ہو جاتا۔ یہ بات بالعموم طے ہو چکی تھی کہ عام محاصل کی منظوری جو پادشاہ کے لئے ہوتی وہ سلطنت کے حفاظت کے لئے تھی ٹنانہ اور رطلانہ جو اب عمر بھر کے لئے منظور ہونے لگے تھے۔ بحریہ کے لئے مقرر ہو گئے تھے اون کے محصول کا ایک حصہ کیلے کی مدافعت کے لئے وقف تھا اور جاگیرات صرفخاص کی آمدنی محل کے اخراجات کے لئے مخصوص تھی یہ ابتدا اچھی تھی کیونکہ موجودہ پارلیمنٹوں کا تجربہ یہ ہے کہ التوائے رقوم کے مقابلے میں تعین و تحدید مصارف اچھا پر زور ذریعہ ہے جس سے عاملہ پر قابو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن لنکاسٹری دور کے بعد جب اقتدار شاہی کے لئے حالات نے پلٹا کھایا تو یہ ذریعہ ہاتھ سے نکل گیا۔ چنانچہ سترھویں صدی میں اس کو پھر اختیار کرنا پڑا یا زیادہ صحت کے ساتھ کہیں تو اس کو از سر نو حاصل کرنا پڑا۔

قانون سازی ۔ اصلاح قانون سازی کے سلسلے میں بڑا تغیر یہ ہوا کہ پارلیمنٹ نے ہمیشہ کے لئے ایک پرانے خطرے کو دور کر دیا ۔ وہ خطرہ یہ تھا کہ عرضداشت کے ذریعے سے جو قانون بنتا تھا وہ اُس سے کسی قدر مختلف ہوتا تھا جس کی درخواست کی جاتی تھی ۔ ۱۴۱۴ء میں ہنری پنجم سے خاص طور پر وعدہ کیا گیا کہ معروضوں میں جو کچھ شامل کیا جائے اس میں کوئی چیز نہیں بڑھانی چاہئے البتہ بادشاہ کا یہ حق محفوظ تھا کہ عرضداشت کو نیز اُس کے کسی حصے کو رد کر سکے ۔ ہنری ششم کے عہد میں ایک اور آخری زینہ طے کیا گیا یعنی جیسے اکثر کہا گیا ہے عرضداشتوں کی جگہ مسودات استعمال ہونے لگے مسودے میں قانون مندرج ہوتا تھا اور درخواست یہ ہوتی تھی کہ ٹھیک اسی شکل میں قانون وضع ہو ۔ لہٰذا قانون وضع کرنے میں رد و بدل کا جو موقع تھا وہ اب باقی نہیں رہا ۔ اس طریقہ قانون سازی کو سب سے پہلے بادشاہ نے خود اپنی سہولت کے لئے اختیار کیا تھا یعنی وہ خود مسودے اپنے طرف سے پیش کرتا تھا لیکن عوام کو فوراً اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل گیا اور اس طریقے سے عوام کا بدایت قانون میں بادشاہ کا ہمپلہ ہونا ناممکن ہو گیا گو اس وقت یہ صورت نہ تھی جس شکل میں قوانین پارلیمنٹ پاس ہوتے تھے اس میں معروضوں کا رنگ بہت دنوں تک پایا جاتا تھا اور مالی قانون سازی میں تو آج تک موجود ہے ۔ ملکہ الزبتھ کے عہد کا ایک قانون اس طرح شروع ہوتا ہے

"حضور کی وفادار اور عاجز رعایا .... اس منعقدہ پارلیمنٹ میں .... حضور پرنور سے عرض کرتی ہے کہ .... حضور کی مراحم و خوشنودی سے ایسا قانون وضع ہو تو مناسب ہے" زمانۂ حال کے رقمی مسودے کے مقدمے کے یہ الفاظ ہوتے ہیں؛ "ہم سلطنت متحدہ کے عوام حضور کی فرض شناس اور وفادار رعایا .... نہایت خوشی اور کشادہ دلی کے ساتھ عطا اور منظوری رقم کا فیصلہ کرتی ہے .... لہٰذا ہم حضور سے عاجزانہ عرض کرتے ہیں کہ مندرجہ ذیل قانون وضع ہو سکتا ہے اور وضع ہونا چاہئے "۔ لیکن اشکال کے عملی معنے مدت سے غائب ہو گئے تھے ۔

جو کام چودھویں صدی میں پورا ہوا تھا اسی میں ایک طرح سے معتد بہ تبدیلی کی گئی اور اس تبدیلی سے اس زمانے کی خصوصیت اور ایک دوسری وجہ سے اس کے بعد کے زمانے کی خصوصیت پر روشنی پڑتی ہے ۔ مواخذہ متروک ہو گیا اور اس کی جگہ

مخصوص قانونِ تعزیری جاری کیا جانے لگا۔ مخصوص قانون تعزیری سے یہ اعلان ہوتا ہے کہ فلاں شخص فلاں جرم کا مرتکب ہے اور اس کو سزا دی جائے گی۔ اگر مسودہ منظور ہو جائے تو وہ قانون ہو جاتا ہے اور شخص مذکور وضع شدہ قانون کے بموجب ملزم قرار پاتا ہے اور قانون کے مطابق سزا پاتا ہے۔ قانونِ تعزیری مواخذے سے زیادہ شدید اور سریع کارروائی ہے اور عدالتی سماعت کی ان مشکلات سے مبرا ہے جو مواخذے کے لئے ضروری ہیں گو پارلیمنٹ بعض اوقات ملزم کو صفائی پیش کرنے کا موقع دیتی تھی۔ دستوری نظر سے دیکھا جائے تو یہ تبدیلی اس سے بھی بہت زیادہ اہم تھی۔ مخصوص قانون تعزیری کا مقصد پادشاہ کا تشدد تھا اور پادشاہ پارلیمنٹ کی باہمی کشمکش کے دوران میں ضرورتاً یہ ہتھیار اختیار کیا جاتا تھا۔ قانون تعزیری اس بات کی علامت تھی کہ پارلیمنٹ اور پادشاہ متفق ہیں کیونکہ خود پادشاہ کو مسودے پر دستخط کرنا پڑتے تھے۔ لیکن جب ہم سترھویں صدی میں آتے ہیں تو اس وقت اس کے حقیقی استعمال سے یہ ثابت ہونے لگا کہ پارلیمنٹ پادشاہ کے تابع ہے اور جو پادشاہ چاہے وہ کرنے کے لئے تیار ہے۔ نظری اعتبار سے قانون تعزیری نے وہی کام دیا جو مواخذے سے ہوتا تھا یعنے شاہی وزراء پر پارلیمنٹ کا تسلط۔ لیکن عملاً اس سے ہمیشہ غلط کام لیا جاتا تھا اور جب پارلیمنٹ وزارت کو قابو میں لانے کے جدید طریقے کو سیکھ گئی تو یہ غائب ہو گیا۔ اگرچہ امریکی نو آبادیوں میں یہ جائز طریقہ کارروائی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ریاستہائے متحدہ امریکہ میں قطعاً ممنوع ہے۔

پارلیمنٹ کے اختیارات خصوصی کا قیام۔ مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو اس صدی میں پارلیمنٹ نے جو چیزیں حاصل کیں وہ نسبتہً غیر اہم ہیں جن کو حقوق نہیں بلکہ بالعموم پارلیمنٹ کے اختیارات خصوصی کہا جاتا ہے لیکن ترقی کی اس منزل میں یہ بھی اہم تھیں۔ جس طرح چودھویں صدی کی بڑی ترقیوں کا حال ہے یہ اختیارات خصوصی بھی پورے طور پر یک لخت نہیں قائم ہو گئے۔ ان میں سے بعض مثلاً آزادی بحث پر عرصے تک اعتراض ہوتا رہا۔ لیکن لنکاسٹری دور میں ان کی خاطر خواہ بنیاد پڑ گئی تھی۔ ان کے مقابلے میں وہ واقعات جن سے پارلیمنٹ کا اقتدار ظاہر ہوتا تھا اور جو بظاہر اس زمانے کے بہت نمایاں واقعات معلوم ہوتے ہیں بہت خفیف ہیں۔ کیونکہ ان سے

دستوری اہمیت کی کوئی مثال نہیں قائم ہوئی ٹیوڈری ردعمل کے نتائج کو مغلوب کرنے کے بعد کونسل کی یا دوسرے الفاظ میں عاملہ اور انتظامی حکموں کی ذمہ داری مقننہ کے سامنے نہ صرف از سر نو قائم کرنی پڑی بلکہ جدید راستے اور نئی بنیاد سے قائم کرنی پڑی۔ لیکن اس دور میں کونسل کی تاریخ دلچسپ ہے۔ اس کی کچھ تو یہ وجہ ہے کہ اس سے پارلیمنٹی اقتدار کی وسعت معلوم ہوتی ہے اور کچھ یہ کہ ان طریقوں کا تسلسل معلوم ہوتا ہے جو بیرنوں کی مخالفت نے تیرھویں صدی میں تجویز کئے تھے اور کچھ اس سے آئندہ ترقی کے آثار معلوم ہوتے ہیں۔

کونسل کی تاریخ اس کی تمام تبدیلیوں اور ترک رسوم کے ساتھ جو صدیوں میں ہوتی رہی ہیں اس وقت تک سمجھنا مشکل ہے جب تک یہ بات ذہن نشین نہ ہو جائے کہ یہ اس چھوٹی کونسل سے براہ راست نکلی ہے جو زمانۂ جاگیری میں نظر آتی ہے۔ اور اس ادارے کو اس نے مع اپنی حیثیتوں اور فرائض کے زمانۂ حالیہ تک یا کم از کم سترھویں صدی کے وسط تک سنبھال رکھا تھا گو اس میں زبردست تغیرات یا دوسرے الفاظ میں فرائض کی اضافی اہمیت میں بہت کچھ تغیرات ہو چکے تھے۔ یہ پہلے بیان کر دیا گیا ہے کہ قدیم نارمنی دور میں چھوٹی کونسل ان وقفوں میں جب کہ مجلس عظمیٰ کے اجلاس نہیں ہوتے تھے اختیارات و مراتب کے لحاظ سے جملہ امور میں مجلس عظمیٰ کے مشابہ تھی چند چیزیں ایسی تھیں جو غالباً چھوٹی کونسل کے سامنے پیش نہیں کی جاتی ہوں گی مثلاً غیر معمولی امداد کی منظوری دینا جس کو تمام بیرن ادا کریں لیکن حکومت کے تمام معمولی کاموں کے لئے چھوٹی کونسل کو اس زمانے میں جب کہ مجلس عظمیٰ کا اجلاس نہ ہوتا تھا قانون سازی۔ عدالت۔ سیاسی رہنمائی اور نظم و نسق کے انتہائی اختیارات حاصل تھے یہ شاہی اختیارات خصوصی کا خاص آلۂ کار تھا یعنے دوسرے الفاظ میں یہ وہ ہتھیار تھا جس کے ذریعے سے بادشاہ وہ اختیارات استعمال کرتا تھا جن میں وہ قانون سے برتر تھا۔ ان واقعات کا تاریخ کونسل کے سمجھنے سے جو خاص تعلق ہے وہ اس بات میں اور زیادہ محسوس ہوتا ہے کہ کونسل میں خواہ کتنی ہی تبدیلیاں کیوں نہ ہوئی ہوں اور اس کے فرائض عمل میں لانے کے لئے کتنے ہی جدید ادارے اس سے کیوں نہ نکلے ہوں اصل کونسل کے اختیارات اور مراتب اس کے جانشینوں میں ملتے ہیں اور سوائے توضیح کے ان میں کوئی تخفیف بھی نہیں ہوئی۔ الغی

سیدھے سادے واقعات سے وہ مشکلات حل ہو جاتے ہیں جن کا ہمیں کونسل کی تاریخ اور ان ادارات کی ابتدائی تاریخ میں جو اس سے مشتق ہوئے ہیں سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اداری تقسیم ـ تاریخ انگلستان میں ہم یہ دیکھ آئے ہیں کہ پندرھویں صدی سے پہلے تین ادارے تھے جو کونسل کے انتظامی اور عدالتی امور کو یعنے خزانہ۔ چانسری عدالت شاہی کو خاص طور پر انجام دینے کے لئے الگ الگ کئے گئے تھے۔ مشیرانہ اور مقننانہ دو امور اور تھے جن کی توضیح بہت کچھ تبدیلیوں کی باعث ہوی۔ چانسری اور خزانے کے سلسلہ میں جس چیز سے خاص مشکل پیش آتی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ تفریق کے بعد کونسل نے اصل امور اپنے ہاتھ میں رکھے بلکہ مشکل اس بات میں ہے کہ جدید ادارے نے اپنے الگ ہونے کے بعد سابقہ اختیار کو اس طرح اپنے قبضے میں رکھا کہ گویا وہ خود کونسل ہے اور اس اختیار کو وہ کبھی کبھی استعمال کرتا تھا۔ یہی بات کسی قدر اختلاف سے عدالت شاہی پر بھی صادق آتی ہے۔ ان تمام صورتوں میں جو امر مشترک ہے وہ ایکطرف عملی تفریق پر اور دوسری طرف اس کی غیر شعوری خصوصیت پر مفید مطلب روشنی ڈالتا ہے۔ تمام صورتوں میں جو چیز کونسل سے سب سے پہلے علیحدہ کی گئی ہے وہ ادارہ نہیں بلکہ امور متعلقہ کونسل کا ایک جزو ہے۔ اکسچکر کے شعبے میں مالی امور۔ چانسری میں انتظامی اور پھر عدالتی اور عدالت خاص شاہی میں قانون عرفی کے مسائل تھے جن کا عدالتی حل درکار تھا۔ ان جملہ صورتوں میں پہلے کونسل ہی کارفرما تھی۔ کاروبار کی علیحدہ علیحدہ تقسیم کی گئی لیکن ادارے الگ الگ نہیں کئے گئے۔ جس اجلاس میں کونسل کا کام خاص مالیاتی ہوتا تھا اس میں وہ قانونی مقدمات کی بھی سماعت کرتی تھی کیونکہ وہ کونسل تھی۔ لیکن آگے چل کر اداری تقسیم بڑھنے لگی تھی اور خاص خاص کام ان اراکین کونسل کے ہاتھ میں آنے لگے جو کام کے ساتھ سرکاری تعلق رکھتے تھے یا اس کام کی خاص قابلیت رکھتے تھے اور ان اجلاسوں کا کام مخصوص ہو گیا۔ لیکن اس تفریق کے مکمل ہونے کے بعد بھی یہ صاف طور پر معلوم نہیں ہوتا تھا کہ آیا اداری تفریق عمل میں آئی ہے۔ اکسچکر کے کاروبار بارھویں صدی کے پہلے حصے میں ہی کونسل کے معمولی کاروبار سے جدا کر دئے گئے تھے۔ لیکن چودھویں صدی کے اوائل تک اکسچکر کبھی کبھی کونسل کے کاروبار انجام دیتا تھا اور اس زمانے کے لوگ اس فعل کو بے محل اور بے ضابطہ نہیں

سمجھتے تھے کاروبار کونسل کی تمام تفریقوں میں خواہ وہ قرون وسطی کی ہو یا زمانۂ حال کی۔ جدید اوارے کی تخلیق بہت آہستہ آہستہ محسوس ہوتی تھی۔ اس لئے اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ ہم کو ایک طویل زمانے تک یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا ایک ادارہ دوسرے ادارے سے کام لے رہا ہے چنانچہ جن چیزوں سے ان واقعات کے سمجھنے میں ہم کو مدد ملنی چاہئے ان سے اور الجھن ہو جاتی ہے۔

کونسل کا مشیرانہ کام۔ جہاں تک پندرھویں صدی کی تاریخ کونسل کا تعلق ہے تفریق ادارات سے زیادہ ہم کو اندرونی تغیرات پر غور کرنا چاہئے اسی قسم کی اہم تبدیلیاں تو پہلے ہی واقع ہو چکی تھیں۔ تیرھویں صدی کے پہلے حصے میں ہنری سوم کی کمسنی کے زمانے میں کونسل کا جو مشیرانہ کام تھا یعنے حکومت کی پالیسی کے تعین اور تشخص میں مدد دینا اس پر اس پرآشوب زمانے میں ایسا زور دیا گیا کہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ یہ چیز ایسی واضح ہے کہ اس کے متعلق بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تاریخ کونسل کا ایک جدید باب ہے۔ اس تبدیلی کے متعلق یہ کہنا تو ایک مبالغہ ہے لیکن یہ صحیح ہے کہ اس زمانے سے کونسل بہ حیثیت مجلس مستشار کے بہت نمایاں تھی۔ اس کام کا خاص لحاظ کر کے اراکین کا تقرر کیا جاتا تھا اور ان لوگوں سے حلف لیا جاتا تھا کہ ہم یہ کام وفاداری سے انجام دیں گے۔ دوسری تبدیلی ایک مخالف سمت سے عمل میں آئی اور وہ یہ کہ کونسل کے ایک کام کا حجم کم ہو گیا۔ یہ اس طرح ہوا کہ چودھویں صدی میں مجلس عظمیٰ کی ایک جدید شاخ یعنے پارلیمنٹ نے قانون سازی کے کام کو آہستہ آہستہ خود اختیار کر لیا۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ بادشاہ اور کونسل کے احکام خواہ کونسل چھوٹی ہو یا بڑی چند دنوں تک چلتے رہے اور یہ کام اختصار کے ساتھ اب تک باقی ہے۔ لیکن تعین مناصب کی تبدیلی چودھویں صدی میں طے ہو چکی تھی۔

کونسل کا انتظامی کام۔ کونسل کی تاریخ کو مکمل کرنے کے لئے اس قسم کی ایک تیسری تبدیلی بیان کرنا ضروری ہے گو کم از کم بالفعل ہم اس قابل نہیں ہیں کہ ان اشکال یا ابتدا کی واضح تاریخ بتا سکیں جن میں یہ تبدیلی ظاہر ہوئی ہے۔ تبدیلی یہ ہے کہ کونسل کی انتظامی امور کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ کونسل ہمیشہ حکومت کا سب سے اعلےٰ انتظامی آلۂ کار رہی تھی اور قدیم زمانے سے اس کے جو

انتظامی امور تھے ان کا ایک بڑا حصہ جدید ادارات یعنے بالخصوص گشتی عدالت اکسیکر اور چانسری کو دیدیا گیا جو اس زمانے میں اپنے مفوضہ کام سے خوب واقف ہوگئے تھے۔ تاہم یہ بات ظاہر ہے کہ کونسل کے یہ کام کچھ کم نہیں ہوئے بلکہ برابر بڑھتے ہی گئے۔ یہ بات قرین قیاس ہے کہ یہ تبدیلی کسی خاص وقت اور حالت کا نتیجہ نہ تھی جیسے ہنری سوم کی کمسنی میں مشیرانہ کام کے باعث ہوئی تھی۔ بلکہ اس کا باعث ملکی اور خانگی امور کی روز افزوں پیچیدگی، آبادی کی فراوانی تجارت اور دولت کی بہتات اور کثرت کار سے جو حکومت کو انجام دینا پڑتا تھا۔

پندرھویں صدی میں کونسل کی تاریخ میں جو امور ہمارے لیئے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں وہ درحقیقت اس کے مستقل اجزائے ترقی نہیں ہیں بلکہ دستوری حیثیت کا ظاہری ارتقا ہے جو مستقل نہ تھا یا زیادہ سے زیادہ وہ اس آنے والے مواد کا پیش خیمہ تھا جو بعد کو وجود میں آیا اور ایک مختلف راستے سے آیا۔ اس صدی میں کونسل کی جو رفتار ترقی دکھائی دیتی ہے وہ ایک ہی دستوری حیثیت میں نہ تھی بلکہ متضاد حیثیتوں میں، یا یوں کہنا چاہیئے کہ متخالف حیثیتوں میں مختلف اوقات میں عمل میں آئی۔ بعض مرتبہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کونسل بالکل پالیمنٹ کے زیر اقتدار ہے اور پارلیمنٹ کا ایک ماتحت آلہ کار ہے جو اس کے طے کردہ تدابیر کو عمل میں لاتا ہے یا جہاں تک عملی نتیجہ کا تعلق ہے یہ زمانہ حال کی کابینہ سے کچھ مختلف نہیں۔ چنانچہ ہنری چہارم اور پنجم اور ہنری ششم کی کمسنی کے دوران میں ایک زمانے تک اس کی یہی حالت رہی بعض مرتبہ کونسل پارلیمنٹ سے بے نیاز ہو جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پارلیمنٹ سے زیادہ قوی ہے اور بطور ایک حقیقی آلہ حکومت کے طاقتور بادشاہ کی تائید کرتی ہے۔ ہنری ششم کے بلوغ کے بعد اور ایڈورڈ چہارم کے عہد میں اس کی یہ حالت رہی اور آیندہ دور میں شاہان ٹیوڈر کو جو حکومت ورثہ میں ملی تھی اس میں کونسل کا یہی رنگ تھا۔ ابتدائی لنکاسٹری دور میں پارلیمنٹ کو جو اقتدار حاصل ہوا وہ اتنا براہ راست نہیں تھا جیسے آج ہوتا ہے تاہم وہ بھی ویسا ہی بلا واسطہ اقتدار تھا جیسے اقتدار کے تیرھویں اور چودھویں صدی والے مخالف بیرن خواہاں تھے۔ خود پارلیمنٹ اراکین کونسل کو نامزد کرتی تھی یا بادشاہ کو زور دیتی تھی کہ وہ اراکین کو پارلیمنٹ کے اجلاس میں نامزد کرے جس کے باعث پارلیمنٹ کو

گویا اختیار نامنظور ہی حاصل ہو گیا نیز اس طرح اہل کونسل کی تنخواہیں پارلیمنٹ کے رحم و کرم پر رہیں، ان کے لیئے ایک حلف مقرر کر دیا گیا اور ان فرائض کے ضابطے بنا دیئے گئے۔ اگرچہ پارلیمنٹ اور کونسل کے اس تعلق سے تشکیل دستور میں کوئی مستقل اضافہ نہیں ہوا لیکن اس سے ان اختیارات کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو پارلیمنٹ نے اس زمانے میں حاصل کئے تھے۔

چانسری۔ کونسل کے نصفتی یا خصوصی اختیارات کی بنیاد پر چانسری نے جو علیحدہ حدود اختیارات حاصل کئے تھے وہ پندرھویں صدی میں آکر بہت وسیع اور مضبوط ہو گئے۔ گزشتہ صدی میں اس حد تک ترقی ہوئی تھی کہ درخواستیں براہ راست چانسلر کے نام سے آنے لگی تھیں اور اگر بلاواسطہ نہیں تو بالواسطہ قانون اور سرکاری وثائق میں چانسلر کے آزادانہ اختیارات روز بروز تسلیم کئے جاتے تھے۔ ایسے مقدمات میں جہاں قانونِ عرفی میں کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جس سے معاہدے کی تکمیل کروائی جائے (کیونکہ اس میں صرف وثیقہ کے ظاہری الفاظ کو دیکھا جاتا اور مدعی کی پیش کردہ شہادت پر اکتفا کیا جاتا تھا)۔ عدالت چانسری مقتضائے ضمیر کے مطابق کام کرتی تھی اور یہی اس کی ترقی کا بڑا سبب ہے جو پندرھویں صدی میں ہوی۔ اس حق کا نتیجہ یہ ہوا کہ چانسری کا کام تیزی کے ساتھ بڑھنے لگا کیونکہ اراضی کو دوسرے کے تمتع uses کے لیئے منتقل کرنے کا عملدرآمد روز بروز ترقی کرنے لگا۔ قانون عرفی کی عدالتوں نے اس شخص کے مفاد کی حفاظت سے انکار کر دیا جس کے فائدے کے لیئے امانت قائم کی گئی ہو معطی لہ (Cestui Oui use) کیونکہ ظاہر میں جائداد امین کے نام منتقل ہو جاتی ہے۔ اس لیئے یہ کام عدالت چانسری کے سپرد ہو گیا۔

اختیار استثنا۔ اس دور میں وہ شاہی اختیار خصوصی جو اختیار استثنا کے نام سے موسوم ہے ایسا واضح ہو گیا کہ یہ وضاحت آیندہ جس زمانے میں دستور کے لیئے خطرناک ہو گئی۔ اختیار قانون سازی کے متعلق بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان جو کشمکش تھی وہ حقیقت میں بادشاہ کے اس دعوے کے خلاف تھی کہ اس کو تنہا قانون بنانے کا اختیار رہے۔ یہ بادشاہ کا وہ اختیار خصوصی تھا جس کو جاگیری مملکت تسلیم کرتی تھی اور زمانۂ حال کی مملکت میں یہ تقریباً اپنی اصلی شکل میں شاہی اختیار امتناع کی صورت

ہیں باقی رہ گیا۔ اگر بادشاہ بطورِ خود قانون بنا سکے تو استدلال یہ چاہتا ہے کہ وہ اس قابل ہو کہ "کسی خاص صورت میں قانون کو یا قانون کی سزاؤں اور تکالیف کو مسدود کر دے۔ چونکہ یہ اختیار اُس ملزم کے مقدمے میں جو بعد کو بے گناہ ثابت ہو عملاً اور اخلاقاً بہت مفید اور ضروری ہے اسی لیئے اختیارِ خصوصی کا یہ پہلو بلا اعتراض اب تک جاری ہے۔ لیکن اگر اس صورت میں یہ اختیار پسندیدہ ہے تو کیا اس کے استعمال کی کوئی معقول حد بھی ہو سکتی تھی۔ کیا بادشاہ پیشگی معافی یا خلاف قانون فعل کی اجازت نہیں دے سکتا تھا اس کے علاوہ دیوانی اور فوجداری قوانین کی پابندی سے مستثنیٰ نہیں کر سکتا تھا یا کسی قانون کو بالکل معطل نہیں کر سکتا تھا۔ جب پارلیمنٹ یہ سمجھ گئی کہ قانون سازی میں شرکت کا دعوے بادشاہ کی طرف سے کیا معنی رکھتا ہے تو وہ اُس کے خلاف جد و جہد کرنے لگی اور اس اختیارِ خصوصی کو ایک حد کے اندر جکڑنے کے لیئے جس کو وہ معقول حد سمجھتی تھی کوشش کرنے لگی۔ یہ کشمکش درحقیقت اس وسیع کشمکش کی ایک شق تھی جو قانون سازی اور معدلت گستری کے متعلق اختیارِ خصوصی کو محدود کرنے کے لیئے عمل میں آئی تھی اور اس میں چودھویں صدی کو خاص امتیاز حاصل ہے مثلاً چانسری کے اس حق کو محدود کرنا جو کہ وہ بغیر کسی گزشتہ نظیر کے نئے نسخے جاری کر دے اور یہ مخالف فریق کی کوشش تھی جو تیرھویں صدی میں اس وقت عمل میں آئی جبکہ سرے سے کوئی پارلیمنٹ ہی نہیں تھی۔ یا دوسری مثال یہ کہ کونسل کے شخصی اور غیر معمولی اختیارات کو خصوصاً ان مقدمات میں جو فوجداری کہے جاتے تھے محدود کرنا تھا۔ یہ ایسے اختیارات تھے جن کی فریق مخالف نے زور سے مخالفت کی کہ یہ دستورِ اعظم کی دفعہ ۳۹ کے منافی ہیں۔ لیکن اس کو اور عدالت ستارہ منزل کے خطرناک اختیارات کو جو دوسرے دور میں پیدا ہوئے کسی قاعدہ کے تحت لانا بہت مشکل تھا۔

ایڈورڈ سوم کے عہد میں خلاف پوپ قوانین جانشینی کلیسائی (Proosous) اور چارہ جوئی کلیسائی (Praemunoi) پاس ہونے سے عملی طور پر اختیار استثنا کو بہت وسعت حاصل ہو گئی اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ پچھلے "قانون دست مردہ" کی صورت میں خود اہل قانون نے اس اختیار کو منظور کر لیا تھا۔ ان قوانین سے استثنا کا کافی موقع تھا کیونکہ کلیسا کا زور دار اثر اس کی تائید کرتا تھا اور اس قسم کی نظیریں بہت تکلیف دہ تھیں۔

پارلیمنٹ کو ایسے قیود قائم کرنا بیحد مشکل تھا جو مفید اور مضر دونوں حدود کے بیچ میں قائم ہوں۔ موجودہ اور اگلے دور میں عدالتیں بادشاہ کا یہ حق تسلیم کرنے میں خاطر خواہ کامیاب نہیں ہوئیں کہ بادشاہ کو ایسے جرائم میں جو قانون کے آفریدہ ہوں اور ایسے مقدمات میں کہ جن کی سزاؤں کو معاف کرنے سے خود اس کو نقصان پہنچتا ہو استثناء دے سکتا ہے اور اس کے برخلاف ان جرائم میں جو قانون الٰہیہ کی رو سے ثابت ہیں اور ان مقدمات میں جہاں خود اس کے فعل سے دوسروں کو نقصان پہنچے کسی کو مستثنیٰ نہیں کر سکتا۔ جب یہ اختیار سولھویں سترھویں صدی میں منتقل ہوا۔ تو وہ اصولاً بالکل مسلمہ تھا گو پارلیمنٹ اور عدالتیں اس کے بعض انطباق پر سختی سے اعتراض کرتی تھیں، لیکن کسی قانون یا نظیر سے اس کی کوئی حد قائم نہیں کی گئی تھی۔

پندرھویں صدی سے پہلے ہی لنکاسٹری دستوری ملوکیت کے خلاف ردِ عمل شروع ہو گیا۔ گلابوں والی لڑائیاں جو پہلے پہل ایک فریقانہ رقابت پر مبنی تھیں اور ان کا مقصد یہ تھا کہ ایک کمزور بادشاہ کو تخت نشین کر کے حکومت میں اپنا اثر پیدا کریں لیکن بعد کو بہت جلد خاندانی خانہ جنگی کی صورت میں بدل گئیں اپنے میں ایسا اثر رکھتی تھیں جو آئندہ زمانے تک پہنچتا تھا۔ فریق مخالف کا کوئی رہنما جو دستوری اصول سے کچھ بھی واقفیت رکھتا یا محدود شاہی کی حفاظت چاہتا ایڈورڈ چہارم اور رچرڈ سوم کی سیاسی پیچ اور پختہ کردار کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری طرف خود بادشاہوں کو بھی آنے والے خطرناک حالات کا اندازہ نہیں تھا جن کی طرف شخصی ملوکیت ڈھلک رہی تھی گو بعض لوگ اس قسم کی دور اندیشی کو رچرڈ دوم کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ وہ ملک میں قوی اور طاقتور ہونا چاہتے تھے اور اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ دستوری ترقی سے ڈرتے تھے بلکہ درحقیقت وہ شورشوں سے خائف تھے چنانچہ یہ لوگ علی مطلق العنانیت کے چند وہ طریقے اختیار کرنے لگے تھے جن کو شاہان ٹیوڈر نے بہت کچھ ترقی دے دی۔ لیکن اس میں یہ دانستہ ارادہ مضمر نہیں تھا کہ وہ مطلق بادشاہی قائم کرنا چاہتے تھے۔ دارالعوام کو انھوں نے اپنے ہوا خواہوں سے بھر دیا، چودھویں صدی کے بالکل برعکس وہ پارلیمنٹ کو طویل زمانے کے بعد طلب کیا کرتے تھے۔ انھوں نے جبری قرضے اور جبری نذرانوں کے ذریعے ایسی مستقل آمدنی فراہم کر لی

جو ان کی ضروریات کے لئے بہت کافی تھی۔ اس کو وہ پیشکش کے نام سے موسوم کرتے تھے لیکن محض خاندان یارک کے تخت پر آنے کی وجہ سے جو پارلیمنٹی قانون کے علی الرغم قطعی ورائنت کے زور سے تخت پر آیا تھا اس وقت پارلیمنٹ کی فوقیت پر بہت سخت ضرب لگ گئی۔

شہریوں کی آزادی کے اصول ۔ شہریوں کی آزادی کے چند ایسے اصول موجود ہیں جو پندرھویں صدی کے آخر میں حکومت کے جابرانہ افعال سے اہل ملک کی حفاظت کرتے تھے۔ یہ اصول انگلستان کے قانون عرفی ہیں یعنے قانون عام (Puebi law) میں نہیں بلکہ قانون خانگی (Private law) میں قائم کئے گئے تھے۔ لیکن امریکہ میں ان کو اجزائے دستور بنا لیا گیا ہے۔ ہیلم اپنی تاریخ دستور انگلستان کے شروع میں نتائج محصلہ کو یکجا کرتے ہوئے ان اصولوں کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلاتا ہے کہ "کوئی شخص بغیر قانونی وارنٹ کے جس پر اس کے جرم کی صراحت ہو اور ایسے رواج کے مطابق جو دستوری حق کے برابر سمجھنا چاہئے قید نہیں کیا جا سکتا تھا، اور قید ہو تو فوراً "امانی جسم" کے مسلسل نالش میں اس کی سماعت ہونی چاہئے۔ فوجداری الزام کے متعلق قصور وار اور بے قصور ہونے کا فیصلہ عدالت عامہ میں طے ہوتا تھا اور صوبہ میں جہاں جرم کا واقع ہونا سمجھا جاتا تھا ۱۲ آدمیوں کی جوری اس کو طے کرتی تھی اور ان کے متفقہ فیصلے کے متعلق کوئی مرافعہ نہیں ہو سکتا تھا۔ شہری حقوق جہاں تک وہ واقعات پر منحصر ہوتے تھے وہ بھی اسی فیصلے کے تابع تھے۔ شاہی حکام اور ملازموں پر جو رعایا کی شخصی آزادی یا دوسرے حقوق پر دست درازی کرتے تھے ہرجے کی نالش ہو سکتی تھی اور ہرجے کا تعین جوری کرتی تھی، اور بعض صورتوں میں یہ لوگ فوجداری چالان کے بھی مستوجب ہوتے تھے اور یہ لوگ اپنی صفائی میں نہ صرف وارنٹ یا سرکاری حکم کو بلکہ خود بادشاہ کے قطعی حکم کو بھی نہیں پیش کر سکتے تھے"۔

یہاں ہم عام خاتمے کے طور پر بشپ اسٹبز کی اس زوردار تلخیص کا اضافہ کر سکتے ہیں جو اس نے سلاطین لنکاسٹر کے زمانے کی دستوری حالت کے متعلق درج کی ہے، کیونکہ تعمیر دستور کے سلسلے میں جو امور اس وقت صورت گیر ہو گئے تھے وہی بعد کو مستقل ہو گئے اور ٹیوڈری دور تک پہنچے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یارکی بادشاہوں نے

عملاً مطلق العنانیت تو قائم کی تھی لیکن وہ ایسی نظری اورادارتی نہیں تھی جیسے بظاہر رچرڈ دوم نے ڈھالنے کی کوشش کی تھی۔ اپنے ہوا خواہوں کو پارلیمنٹ میں بھر کر اور اپنی نوجی طاقت کے زور سے انھوں نے پارلیمنٹ کو اپنے قابو میں کر لیا تھا لیکن خود پارلیمنٹ کے فرائض اختیار کرنے کی کوشش نہیں کی۔ انھوں نے پارلیمنٹ کے منظوری کے بغیر روپئے کی کثیر تعداد وصول تو کی لیکن یہ سب کچھ محاصل کے نام سے نہیں بلکہ قرضوں اور نذرانوں کے نام سے۔ اس طرح ان بادشاہوں نے نہ صرف ٹیوڈری اقتدار ملکہ ٹیوڈری طریقۂ عمل کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور طریقۂ عمل یہ کہ بادشاہ اپنی ذاتی خواہش کے مطابق اس طرح حکومت کرے کہ دستور کے ظاہری شکلیں اس کے ساتھ ہوں اور پارلیمنٹ حلقہ بگوش بنی رہے۔

بشپ اسٹبس کہتا ہے۔ "یہ صحیح ہے کہ انگریزی دستور کے عملدرآمد کے واضح تفصیل اصول اور تفصیل نہ ہنری چہارم کے موہوم وعدوں میں ملتی ہے نہ سرجان فارٹسکیو کی تجاویز میں۔ لیکن اب دستور کے لئے کسی تعریف کی ضرورت نہیں تھی۔ چودہویں صدی کے انضباط نے جو بعد میں انقلاب کی صورت میں رونما ہوا قوم کو اپنے حق وناحق کے متعلق بے خبر نہیں چھوڑا تھا۔ وہ عظیم الشان قانون بہ رواج جو انگریزوں کے دل ودماغ اور انفاس میں منقوش ہوگیا تھا اور اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ اس میں نہ صرف عوام کی آزادی بلکہ خود پارلیمنٹ کی آزادی کی بابت ہر قسم کا ٹھوس مواد جمع تھا۔ قوم جانتی تھی کہ بادشاہ مطلق العنان حکمراں نہیں بلکہ ایک ایسا حاکم ہے جو حلف، قوانین، حکمت عملی اور ضروریات کے تابع ہے جن پر قوم کو کچھ اقتدار حاصل ہے۔ قوم جانتی تھی کہ اگر بادشاہ حلف توڑ ڈالے تو اس پر خدا کا غضب نازل ہوگا۔ بغیر ان کی منظوری کے جو ان کے صوبہ داری عدالتوں کے منتخب شدہ نمایندوں کے ذریعے سے عمل میں آئے بادشاہ کوئی قانون نہیں بدل سکتا ہے نہ کوئی محصول عائد کر سکتا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ عدالتیں کب اور کس طرح نشست کرتی ہیں اور عوام کو کس طرح ان میں شرکت کرنے کا خاص حق حاصل ہے اور ان کے انتخابات میں بادشاہ کی مداخلت بری نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ اس حد تک تو دستوری عملدرآمد کے متعلق کوئی پیچیدگی نہیں تھی۔ امرا اور عوام کے مابین کسی نزاع کا خطرہ نہیں تھا۔ صرف اس بات کی ضرورت تھی

کہ اراکین کے مخصوص حقوق کو منوایا جائے اور یہ حق مان لیا گیا تھا کہ جن وزرا اور اشخاص کے متعلق کوئی شکایت ہوتی اور یہ الزام ہوتا کہ وہ حکومت پر اپنا ناجائز اثر ڈالتے ہیں بلاقید اظہار ہو سکتا تھا اور ان کے خلاف مواخذے کی کارروائی ہو سکتی تھی۔ جب بادشاہ قوم کی آزادی کی حفاظت کا وعدہ کرتا تھا تو بالعموم لوگ سمجھ جاتے تھے کہ اس کہنے کا کیا مطلب ہے اور برابر نظر لگائے رہتے تھے کہ بادشاہ کس طرح اپنا وعدہ پورا کرتا ہے اور وہ دیکھتے تھے کہ آیا پرانی خرابیاں دور ہوتی ہیں یا نہیں۔ اب یہ شکایتیں بہت کم سننے میں آتی تھیں کہ بغیر ان کی رضامندی کے روپیہ وصول کیا جاتا ہے یا مسلح کمیشن کے ذریعے جبر ستانی کی جاتی ہے۔ جبری بیع کی کوئی بدعنوانی سنی جاتی تو صرف اس کے تدارک اور سزا کے سلسلے میں سنی جاتی تھی۔ اگر قانونی فیصلے بلا تعمیل رہ جاتے تھے تو اس کا سبب قوت کی کمی تھی نہ کہ ارادے کی کمی"۔

BIBLIOGRAPHICAL NOTE.— J. F. Baldwin, *The King's Council*, 1913. A. V. Dicey, *The Privy Council*, 1860. J. Gairdner, *Life and Reign of Richard III*, 1898. C. L. Kingsford, *Henry V*, 1901. C. H. Mellwain, *The High Court of Parliament*, 1910. L. O. Pike, *The Constitutional History of The House of Lords*, 1894. T. F. T. Plucknett, *The Place of the Council in the Fif- teenth Century*, Trans Royal Hist. Soc., Series IV, vol. 1, 157, 1918. A. F. Pollard, *The Evolution of Parliament* 1920. L. Riess, *Geschichte des Wahlrechts zum Englischen Parlament im Mittelalter*, 1885. K. H. Vickers, *Humphrey Duke of cester*, 1907.

باب ۱۰

سلاطین ٹیوڈر کی طاقتور بادشاہی

جس انقلاب سے خاندان یارک کے آخری بادشاہ رچرڈ سوم زیر ہوا اور خاندان ٹیوڈر کا پہلا فرمانروا ہنری ہفتم تخت پر متمکن ہوا اس سے قوم کے جذبے پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ۱۳۹۹ء کے انقلاب کی طرح یہ کوئی دستوری انقلاب نہیں تھا۔ اس وقت تو کوئی شخص سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ بھی گلابوں والی جنگ کے بے شمار اتار چڑھاؤ کی ایک کڑی ہے جس میں بہ حیثیت مجموعی تمام قوم بے تعلق تھی۔ اگر کوئی دستوری اصول واقعات آئندہ کی تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ پارلیمنٹ نے بڑے سلسلۂ نسب کو پس پشت ڈال کر چھوٹے سلسلے کو تخت دینے کا فیصلہ کیا لیکن اس وقت اسی اصول پر ۱۳۹۹ء کی طرح کوئی خاطر خواہ زور نہیں دیا گیا اور جب بعد کو اوڈورڈ چہارم کی بیٹی سے ہنری ہفتم کی شادی ہو گئی تو وہ اصول اور بھی بیکار ہو گیا۔ ٹیوڈر تخت پر متمکن ہوئے تو اس کا باعث کوئی ایسی قومی ہل چل نہیں تھی جو دستور کی تائید میں ہوئی ہو اور نہ پارلیمنٹ کے اختیارات کی تائید کا کوئی وعدہ کیا گیا تھا۔

عام حالات بھی ایسے نہیں تھے کہ جس سے دستور کی تائید ہوتی۔ یہ ایک جدید اور پر آشوب زمانہ تھا جس میں تمام یورپ داخل ہو رہا تھا اور جہاں تک سیاسی تاریخ کا تعلق ہے یہ قرونِ وسطیٰ کی زمانۂ حال میں تحویل تھی۔ موجودہ قومیں وہ شکل اختیار کر چکی تھیں جو تقریباً ان کی آخری

شکل کہی جا سکتی ہے۔ اگر فرانس کو اپنے موجودہ مشرقی حدود حاصل نہیں ہوئے تھے تو اس نے کم از کم اپنے عام جغرافی حدود ضرور حاصل کر لئے تھے۔ وہ بڑی جاگیریں جو ایک زمانے میں خود مختار تھیں اب مغلوب ہو کر ضم ہو چکی تھیں۔ ملک کی حکومت بادشاہ کی ذات میں اس طرح جمع ہو گئی تھی کہ تمام رقیبانہ طاقتیں خارج کر دی گئی تھیں گو جملہ اجزائے حکومت سترھویں صدی تک مکمل نہیں ہوئے۔ جزیرہ نمائے ہسپانیہ کی یہ حالت تھی کہ جو بڑی سلطنتیں مدت دراز سے مسلمانوں کو باہر دھکیل رہی تھیں وہ اب فرڈیننڈ اور ازابیلا کی شادی کی وجہ سے ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئی تھیں اور فرانس سے زیادہ سریع اور سخت طریقہ عمل سے کام لیکر جس میں زیادہ تشدد شامل تھا ایسی مطلق العنانی قائم کر دی تھی جو عملاً فرانس سے کم موثر نہ تھی خاندان آسٹریا تاریخ کے ایک بڑے دور سے گزر رہا تھا۔ اس خاندان نے دریائے رہائن سے بڑے مجموعے کو جس کا اجتماع امرائے برگنڈی کی حوصلہ مندی کا نتیجہ تھا اپنی جنوب مشرقی ریاستوں سے ملحق کر لیا تھا۔

شہنشاہیت کا جدید تصور۔ اس عہد کے تدبر کی کیفیت بھی جدید تھی اور یہ وہ زمانہ تھا جس میں زمانۂ حال کے مفہوم میں "دول اعظم" وجود میں آ رہے تھے اور جو قرون وسطیٰ کے حالات غائب ہو رہے تھے۔ جو صدیاں علی الاس سے پہلے گزریں تھیں ان میں ہر حکومت کے سامنے سب سے اہم مسئلہ صرف یہ تھا کہ ملک میں قومی یا اندرونی استحکام اور مرکزیت ہونی چاہئیے۔ قرون وسطیٰ کے دور ما بعد میں اگر کسی حکمران نے مبنی مملکتی اتحاد قایم کرنے کی کوشش کی تو اکثر و بیشتر صورتوں میں اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا تھا کہ اپنے حدود کے باہر کوئی عملداری حاصل کرے بلکہ خارجی تائید سے اپنے اندرونی مشکلات کو دور کرنا چاہتا تھا۔ چونکہ اس زمانہ میں ان بڑی مملکتوں کی اندرونی مشکلات بڑی حد تک دور ہو چکی تھیں اس لئے اب یہ حکمران دوسرے امور کی طرف اپنی خاص توجہ مبذول کر سکتے تھے۔ اس طرح شہنشاہیت کا ایک جدید تصور پیدا ہوا لیکن یہ "مقدس رومنی شہنشاہیت" کا تصور نہیں تھا جو تمام عیسائی دنیا پر حاوی اور خدائی تنظیم پر قائم ہو کر انسانی معاملات کی رہنمائی کرے اس کو قرون وسطیٰ کا ایک خواب سمجھنا چاہئیے۔ اس وقت جو تصور پیدا ہوا تھا اس کو ہندھویں صدی کی تنظیم سے کوئی نسبت نہ تھی بلکہ اس وقت لفظ شہنشاہیت میں بالکل نئے معنے پیدا ہو گئے تھے۔ اس سے مملکت کی وہ قوت اور عملداری سمجھی جا رہی تھی جو قومی حدود کے باہر قائم ہو

اور چند صورتوں میں غالباً یہ مطلب سمجھا جاتا تھا کہ دوسری مملکتوں کو یا ان کے اجزا کو اپنے میں ضم کر لے۔ لیکن اس کے حقیقی معنے ایک مملکت کا اس غرض کے لئے کوشش کرنا تھا کہ تمام یورپ پر غلبہ حاصل ہو۔ یہی تصور تھا جو بعد کو چل کر سلطنت ہفت اقلیم کے تصور میں تبدیل ہو گیا یورپ کی تمام محاربات کا جن کا یہاں سے سلسلہ پڑتا ہے یہی باعث ہے اور ۱۹۱۴ء کی محاربہ عالم کے متعلق ہم صرف یہی امید کر سکتے ہیں کہ یہ اس کی آخری منزل تھی۔

زمانہ حال کی بین الاقوامی رقابت کا یہ پہلا درجہ تھا۔ اس میں فرانس اور اسپین کے دو بڑے نبرد آزما تھے۔ ان دونوں کے مقابلے میں انگلستان ایک چھوٹی سی مملکت معلوم ہوتی تھی جو بہ مشکل توازن قوت قائم کرنے کے قابل تھی۔ لیکن اس کے قبضے میں جو ذرائع تھے وہ بہترین تھے اور یہ اس کی وسعت کے تناسب سے بہت زیادہ تھے، تیز جیسے ہمیشہ ہوتا رہا اس کا جغرافی موقف اس وقت بھی اس کی خاص حفاظت کرتا تھا۔ لیکن وہ زمانہ کسی چھوٹی سلطنت کے لئے خطرناک تھا اس لئے براعظم کی بڑی طاقتیں اس کو اپنے اغراض میں لگانا چاہتی تھیں اور یہ صرف اس کی معقول تدبیر تھی کہ اس نے اپنے کو ان مملکتوں کے اتحاد سے الگ رکھا اور اپنے مستقبل کو الجھنوں سے بچا لیا۔ جب سولھویں صدی کے مذہبی انقلاب نے صورت حال اور پیچیدہ کر دی تو یہ خطرہ زیادہ شدید ہو گیا قومی رقابتیں انتہا کو پہنچ گئیں اور بغض و عناد کے جدید عناصر پیدا ہو گئے۔ اور جب یہ خطرہ انگلستان کے سامنے آیا تو نہ صرف یہ خارجی الجھن لے کر آیا بلکہ خانگی جنگ و جدل اور انقلاب بھی اس کے ساتھ آ گئے۔

یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے کہ ایسے زمانے میں دستور یعنے محدود شاہی کا اصول قوم کی خاموش رضامندی کے ساتھ معطل ہو جائے بلکہ اچنبھا تو اس بات کا ہے کہ دستور کا بالکل خاتمہ نہیں ہو گیا۔ ابھی انگریز قوم پر اس سے پہلے جو زمانہ گزرا تھا اس میں ملک خانہ جنگی کے مصائب میں ہو کر گزر چکا تھا اور اب طاقتور ملوکیت گویا ایک قسم کی رحمت ثابت ہوئی تھی اب انگریزی قوم ایسے زمانے میں داخل ہوئی تھی جب کہ یورپ کی تمام فضا مطلق العنانہ رنگ لئے ہوئے تھی اور داخلی اور خارجی دونوں مسائل کا یہ اقتضا تھا کہ قومی مشیت ایک نقطہ پر جمع ہو اور قومی نظم و نسق اور قومی ذرائع ایک ہی اقتدار کے تحت ہوں۔ ظاہر ہے کہ ایک وسیع النظر مدبر کے نزدیک مطلق العنانی کی یہ بازگشت حق بجانب سمجھی جائے گی جب کہ اس کے ساتھ قوم کی تائید بھی شامل ہو۔

سولھویں صدی کی پارلیمنٹ - لیکن اگر ہم اس زمانے کو صرف یہی سمجھیں کہ اس میں دستور کی ترقی بند ہوگئی تھی اور مطلق العنانہ ردعمل پورے زور پر تھا تو سولھویں صدی کے متعلق ہمارا خیال صحیح نہیں ہوگا - کم از کم دو امور میں تو یہ خیال اصلیت سے بہت دور جا پڑتا ہے - پہلی چیز تو یہ ہے کہ اہم پہلوؤں میں دستور کا علدرآمد برابر جاری تھا ٹیوڈر بادشاہوں کے لئے جو ابھی ہم پڑھیں گے - یہ بات زیادہ سہل تھی کہ پارلیمنٹ کے توسط اور دستوری اشکال کے ذریعے اپنی خواہش پوری کریں نہ کہ پارلیمنٹ کو پس پشت ڈالدیں اور ایک جدید ادارتی مطلق العنان حکومت قائم کریں - اس زمانے میں بعض اوقات یہ ضرور ہوا کہ جو بادشاہ نے چاہا اسی کو قوم نے پسند کیا بعض وقعہ پارلیمنٹ پر دباؤ ڈالا گیا اور بعض مرتبہ اس سے جبراً ایسے کام لئے گئے جس کو قوم کی اکثریت غالباً کبھی منظور نہ کرتی - دوسرے وقت خصوصاً اس دور کے اوائل میں پارلیمنٹ ایک حد تک پس پشت ڈالدی گئی اور طویل عرصے کے بعد اس کے اجلاس کی اجازت دی جاتی تھی اور یہ وقفے ایسے طویل ہوتے تھے کہ کم از کم اڈورڈ سوم کی تخت نشینی کے بعد ایسے کبھی نہیں ہوئے - اس کے برخلاف پارلیمنٹ کبھی کبھی اپنی خواہش پر زور بھی دیتی تھی اور بادشاہ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیتی تھی اور گو یہ بالعموم بڑے بڑے معاملات میں نہیں ہوتا تھا تاہم ان حالات میں پارلیمنٹ ضرور استعمال کی گئی حقیقت یہ کہ پارلیمنٹ ہی قانون سازی استنادا اور ہدایت امور کا واحد آلہ تھا - اس میں کوئی شک نہیں کہ دستور کا جو استعمال کیا گیا تو یہ صرف اس کے ظاہری اشکال کا استعمال تھا جن میں سے روح غائب ہو چکی تھی - ان اشکال کا استعمال صرف بادشاہ کی مشیت کو پورا کرنے کے لئے ہوتا تھا - نہ کہ اس مشیت کو محدود کرنے یا اس کے علی الرغم دوسری کسی مشیت کو پورا کرنے کے لئے - لیکن اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اشکال ضرور استعمال ہوتی تھیں - دستور کم از کم پارلیمنٹی اختیارات اور فرائض کی صورت میں قائم رکھا گیا تھا اور جو چیز اب حاصل ہوئی وہ از بادرفتہ نہیں ہوئی تھی بلکہ حالات بدلتے ہی وہ اس طرح عود کر آئی کہ دستوری شاہی کی حقیقی روح ہوگئی بشرطیکہ اور جب بادشاہ کے ساتھ کشمکش کی ضرورت پیش آئی تو بغیر کسی قومی خطرے کے اس سے کام لے لیا گیا -

امور مذہبی کی گرفت - اس کے علاوہ جو دوسرا مسئلہ تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹیوڈری دور کی خصوصیت میں صرف ردعمل ہی نہیں تھا اور سچ تو یہ ہے کہ

دستوری اشکال کے اس خاص استعمال سے بادشاہ کی حیثیت کے اظہار کا امکان پیدا ہوتا تھا اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ عام شکل میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔ کہ یہ سولھویں صدی کا اہم ترین کام تھا کہ قومی کلیسا کو پارلیمنٹی اقتدار کے تابع کر دیا گیا اور یہ اسی قدر تابع کیا گیا جس قدر کہ ملوکیت اس زمانے میں تابع کی گئی تھی۔ قرونِ وسطیٰ کا کلیسائی انتظام ملکی حکومت سے علحدہ تھا اور قوم کی سیاسی زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ اس کے دائرہ اثر میں تھا اور وہ اس قدر کہ ہم اس کا زمانہ حال کے کلیسا کی حالت سے اندازہ نہیں لگا سکتے۔ قانون کے بعض بڑے بڑے شعبے جیسے وصیت، وراثت، ازدواج اور طلاق صرف کلیسا سے متعلق تھے۔ چند انتظامی امور مثلاً۔ غربا کی نگہداشت جو آج موجودہ مملکتوں کے قبضے میں ہے کلیسا کے ہاتھ میں تھی۔ پاپائیت ایک بڑی بین الاقوامی مملکت تھی جس میں سیاسی حکومت کی جملہ تنظیم اور آلات موجود تھے۔ تمام یورپی ممالک سے اس کے پائے تخت کو پے در پے اطلاعات، مرافعے اور محاصل جایا کرتے تھے اور نیز اس کے پائے تخت سے احکام، امور نے اور عدالتی فیصلوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ بعض امور میں پاپائیت بین الاقوامی مملکت سے زیادہ اہم تھی کیونکہ اس کا عقیدہ تھا کہ وہ براہ راست الوہی حکومت کی نیابت کرتی ہے چنانچہ اس لئے وہ ایک سیاسی مملکت سے زیادہ اپنا حکم منواتی تھی۔ اس زمانے کے اکثر ممالک کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بعض معاملات میں انگلستان کی سلطنت زیادہ خود مختار تھی مگر اس کی سیاسی زندگی کا ایک بڑا حصہ ایک بیرونی حکومت کے تابع تھا۔

یہ ماتحتی سب سے پہلی چیز ہے جو سولھویں صدی میں آکر پارہ پارہ ہوگئی۔ اس وقت کلیسا کے پچھلے مذہبی تعلقات منقطع کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ حکومت نے صرف یہ کیا کہ جملہ سیاسی معاملات جو اب تک پوپ کے ہاتھ میں تھے۔ وہ بالکلیہ اپنے قبضے میں لے لئے اور اس کے ساتھ کلیسا پر بھی اپنی حکومت قائم کر دی۔ یہ بذات خود ایک انقلاب تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے جلو میں خود بخود ایک بڑے انقلاب کی آمد آمد تھی یہ دوسرا بڑا انقلاب جو ایک مذہبی انقلاب تھا اس پر غور کرنا ہمارا کام نہیں ہے اور نہ یہ جاننا ہمارے لئے کوئی اہم چیز ہے کہ آیا اس نتیجے کا باعث ہنری ہشتم کے ذاتی اغراض تھے جنکی بنا پر وہ کیتھرائن آف اراگان کو طلاق دینا چاہتا تھا یا مشتبہ وراثت کے ڈر سے سیاسی دور اندیشی سے کام لیا گیا تھا۔ ہمارے مضمون کے لئے تو یہ بات اہم ہے کہ یہ عظیم الشان سیاسی تغیر اور انقلاب سب کچھ پارلیمنٹ

کے قانون سے عمل میں آیا۔ ۱۵۲۹ء کی پارلیمنٹ کے پیہم اجلاسوں میں جو سات سال تک نشست کرتی رہی عظیم الشان قوانین کا ایک سلسلہ وضع ہوا جس سے انگلستان اور حکومتِ پوپ کے تمام رشتے یکے بعد دیگرے ٹوٹ گئے اور پوپ کی جگہ بادشاہ کلیسا کا حاکم ہوگیا۔ اگر ہم اس سے آگے نہ بڑھیں تو بھی اس حد تک ان قوانین سے پارلیمنٹی اختیارات کا غیر معمولی استعمال ثابت ہوتا ہے لیکن ان قوانین نے اس سے زیادہ کام کیا ہے۔ ان قوانین نے مذہبی امور کے لئے پارلیمنٹی اقتدار کی بنیاد ڈالدی جو پچھلے سو سال سے برابر ایسی طرز سے استعمال ہوتا رہا ہے جو سولھویں صدی کے انقلابیوں کو بھی بہت درست معلوم ہوتے اور اس سے بڑھ کر یہ تھا کہ ان تغیرات کے لئے جو بادشاہوں سے چاہنا تھا پارلیمنٹ سے منظوری لیجاتی تھی اور پارلیمنٹ کے اختیارات کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ اور اس سے نہ صرف پارلیمنٹ کے موقتِ قانونی کا کھلا اعتراف ہی نہیں تھا بلکہ آئندہ زمانے کے لئے یہ ایک معنی آفریں مثال پیدا ہوگئی۔

اس مذہبی انقلاب کو ایک زبردست پیش قدمی کہنا چاہئے کیونکہ اس سے تمام سیاسی معاملات قومی اقتدار کے تحت آگئے اس پر نظر ڈالنے کے بعد سولھویں صدی کے متعلق پھر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس زمانہ میں دستوری ترقی معطل تھی۔ اس ترقی کے مقابلے میں عاملانہ و انتظامی آلات اور مجلس شاہی کی جدوجہد میں جو اس وقت پارلیمنٹ کے زیر اقتدار نہیں تھی بلکہ براہ راست بادشاہ کی نیابت کرتی تھی جو مختصر اضافے ہوئے ہیں وہ بہت کم اہمیت رکھتے ہیں بڑی چیز یہ ہے کہ اپنی ابتدائی ترقی میں جو دو صدیوں میں عمل میں آئی ہے پارلیمنٹ نے جو اختیارات اپنے ہاتھ میں جمع کر لئے تھے وہ زائل نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ ایسے موثق اور وسیع ہوگئے تھے کہ مملکت میں ان کا کام واضح اور معین ہوگیا تھا۔ بادشاہ پارلیمنٹ کو انتہائی اختیار کا منبع سمجھتا تھا اور ملک کی انقلابی تنظیم میں اسی سے منظوری لیتا تھا۔ چنانچہ اس طریقے سے ایسی جدید مثالیں قائم ہوگئیں جو مستقل اہمیت رکھتی تھیں۔ اور جب موافق حالات پیدا ہوگئے تو انھیں مثالوں سے دستوری محدود شاہی کی از سر نو تعمیر ہوگئی جو پہلے سے زیادہ وسیع اور ٹھوس بنیاد پر قائم ہوگئی۔ دوسرے الفاظ میں سولھویں صدی کی اہمیت صرف اسی زمانہ کو پیش نظر رکھکر یا صرف حکومت کی رفتار اور خصوصیت کو جس طرح وہ سال بہ سال عمل میں لائی جاتی تھی مدنظر رکھکر نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ ان نتائج پر غور کرنا چاہئے جو دوسرے دور میں جاکر پیدا ہوئے۔ چونکہ یہ نتائج ٹیوڈر دور کے بعد ہی ہوئے ہیں لہذا یہ ٹیوڈری حکمت عملی کے

نتائج تھے گو خصوصیت میں مختلف تھے۔

جو کچھ اب تک بیان کیا گیا ہے اس سے بھی اس بات کی پوری وضاحت نہیں ہوتی کہ سولھویں صدی میں دستوری حقیقت کیا تھی۔ دستوری مورخ کو ان چیزوں کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے جو معاشی اور معاشرتی مورخ پیش کرتے ہیں پندرھویں صدی کی دستوری شاہی ایک طرح پر مل از وقت تھی کیونکہ اس وقت تک موجودہ مفہوم کے مطابق کسی قوم کا وجود نہیں ہوا تھا جو سیاسی ضبط اور معاشرتی ترقی کے ساتھ تیار ہوا اور ان دستوری آلات حکومت کو اپنے منشاء کے مطابق چلا سکے جو ۱۲۹۵ء کی پارلیمنٹ کے اجلاس کے بعد بہت جلد جلد وجود میں آ گئے تھے ہنری ششم کے طویل عہد حکومت میں بیریان انگلستان کی معاشی زندگی پر ایک حاکمانہ اثر رکھتی تھیں اور پندرھویں صدی کی بیریان پارلیمنٹ اور قوم کے مفاد کو چھوڑ کر خود اپنے فریقانہ اغراض میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ۱۴۵۵ء سے لے کر ۱۴۸۵ء تک تاریخ انگلستان میں گلابوں والی جنگ بظاہر ایک بہت بڑا واقعہ نظر آتا ہے لیکن وہ عوام کی جنگ نہیں بلکہ صرف بیرنوں کی جنگ تھی۔ اور اس لگاتار زمانہ جنگ کے باوجود بہ حیثیت مجموعی ملک معاشی اور معاشرتی حیثیت سے بہت تیزی سے آگے بڑھتا رہا۔ امرا اور ان کی خانگی فوجوں کو قانون کے تابع کرنے اور پھر ایک باقاعدہ سیاسی زندگی قائم کرنے کے لئے سلاطین ٹیوڈر کی طاقتور مطلق العنانیت کی ضرورت تھی۔

اس زمانہ کا تخلیقی کام۔ مرکزی حکومت کی طاقت اور کارکردگی کو از سر نو ترتیب دینا ایک بڑا بھاری کام تھا اور یہ کام خاندان ٹیوڈر کے پہلے تاجدار ہنری ہفتم کے حصے میں آیا۔ اس کام کے معمولی اجزا سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ اس کو انجام دینے کے لئے کیا طریقے اور کیا آلات استعمال کرنے چاہئیں اور اداروں میں کیا ضروری تبدیلیاں کرنی چاہئیں۔ ایک طرف دستور یعنے حکومت کے عام رنگ اور خصوصیت کو دیکھا جائے اور دوسری طرف اوارتی یعنے جزئی آلات کو دیکھا جائے جن سے حکومت چلتی تھی تو دونوں لحاظ سے ٹیوڈری دور کے تمام خد و خال بڑی حد تک ہنری ہفتم کے بنائے ہوئے نظر آئیں گے۔ یہ کام اپنے طور پر ایسا ہی تخلیقی تھا جیسے ایڈورڈ اول کے یا ایڈورڈ سوم کے عہد میں عمل میں آیا تھا مگر اس کا اثر اس وقت حکومت کی تہ تک نہیں پہنچا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہی مجلس کو استعمال کرنا پارلیمنٹ کو پس پشت ڈال دینا، قدیم اور طاقتور امارت پر ضرب لگانا تجارت کی

حوصلہ افزائی کرنا، معاشی ترقی بڑھانا اور مالی تدابیر کے چند اور ہتھکنڈے استعمال کرنا یہ سب کچھ ایڈورڈ چہارم کا کیا ہوا تھا۔ لیکن خاندان یارک کا کوئی حکمراں اس قابل نہیں تھا کہ اپنی حکمت عملی کو آخری کامیابی کی حد تک پہنچا تا یا اپنے تدابیر کو ایک مربوط مجموعے میں جمع کر دیتا۔ ہنری ہفتم نے اس موقعے پر بھی جہاں اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس نے خاندان یارک کے نمونے کی خاطر خواہ پیروی کی اپنے کام کو ایک مستقل اور دستوری سانچہ میں ڈھالدیا اور بعض امور میں تو اس نے اپنی مطلق العنان شاہی کو ایسا دستوری جامہ پہنا دیا کہ دوسرے پادشاہ ایسا نہ کر سکے تھے۔

حکومت کا سب سے بڑا مسئلہ جو ہنری کو سب سے پہلے حل کرنا پڑا وہ بدنظمی کا ازالہ جرائم کی تعزیر اور قومی عدالتوں کے اقتدار کی بحالی تھی۔ گلابوں والی جنگ کے دوران میں بعض اوقات بے روک ٹوک خانگی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ اس وقت خانگی مسلح فوجیں رکھنے کا دستور تھا۔ ان فوجوں پر ہر امیر گھرانے کا وردی کے طور پر ایک خاص لباس ہوتا تھا اور جب عدالتیں ان خانگی سپاہیوں کے خلاف قانون افعال پر سزا دینے کی کوشش کرتیں تو عدالتوں کو دھمکی دی جاتی تھی جیسے وردی اور داشت کا رواج کہتے تھے۔ پارلیمنٹ اس کے خلاف سو سال سے شکایت کرتی رہی اور کم از کم احکام کی صورت میں اس کے خلاف قوانین بھی وضع کرتی رہی اور ان ملزمین کی سماعت کے لئے مجلس شاہی کو خاص اختیارات بھی دیئے گئے تھے چونکہ یہ معاملہ ملک کے بڑے مسائل میں شامل تھا اس لئے اب اس کو پورے عزم کے ساتھ اٹھایا گیا۔ ۱۴۸۶ء میں ایک قانون پارلیمنٹ کے ذریعے کونسل کی ایک خاص کمیٹی مقرر کی گئی جو تاریخ میں عدالت انجم کے نام سے موسوم ہے گو حقیقت یہ ہے کہ نام بہت پرانا تھا اور غرض یہ تھی کہ یہ مجلس شاہی ان مقدمات کا اور اسی قسم کے دیگر مقدمات کا جہاں ملزم اس قدر طاقتور ہو کہ معمولی عدالتوں کے دباؤ میں نہ آسکے فیصلے کرے۔ یہ اختیار کردہ تدابیر خود جدید نہ تھیں لیکن جس شد و مد سے یہ عمل میں لائی گئی تھیں وہ نئی چیز تھی۔

مجلس شاہی کے اختیارات ۔ جیسے ہم دیکھ چکے ہیں کہ کونسل میں جس قدر تبدیلیاں واقع ہوئیں مثلاً اس کے مشیرانہ فرض کی ترقی۔ عام نظم و نسق کی گرفت میں اس کے اختیارات کی توسیع اور وہ تفریق جس سے قانون عرفی اور نصفت کی عدالتیں۔ عدالتی مجلسوں کی حیثیت میں یا مجلس خزانہ اور عدالت نصفت کی انتظامی جماعتوں کے طور پر الگ الگ ہو گئیں ان سے کونسل کے انتہائی اختیار عدالتی میں کہ وہ بادشاہ کے انصاف خصوصی کا آلہ تھی کوئی

تخفیف نہیں ہوئی جس طریقہ سے اس کا استعمال ہوتا تھا اس کی وقتاً فوقتاً شکایت ہوتی رہی۔ بعض اوقات اس سے بہت کم کام لیا گیا لیکن اس کے حقیقی اقتدار میں کبھی تخفیف نہیں ہوئی۔ جدید مجلس کے تقرر کی خاص وجہ یہ تھی کہ مجلس شاہی کے فوجداری اختیارات کو استعمال کرے۔ قانون وضع شدہ سے کونسل کی کوئی ترقی عمل میں آئی نہ اس کے اختیارات میں وسعت ہوئی۔ گو اس کمیٹی میں دو صدر عادل بڑھا دیئے گئے اور بعض اوقات سولھویں صدی میں عدالت انجم خود کونسل بن کر ایک خاص حیثیت سے کام کرتی تھی حقیقت یہ ہے کہ کونسل ایک جدید تفریق رونما ہو رہی تھی یعنے اس کے فوجداری اختیارات جدید عدالت کے سپرد ہو رہے تھے۔ مگر پچھلی تفریق میں اور اس میں یہ فرق تھا کہ اول تو اس کو قانون پارلیمنٹ کی منظوری حاصل تھی اور دوسرے اس میں اس کی کبھی تکمیل نہیں ہوی۔

عدالت انجم کی خصوصیت جو صاحبان شوکت کی بدعنوانیوں کے انسداد کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی اور عرصہ تک مقبول رہی یہ تھی کہ وہ انصاف خصوصی شاہی کی عدالت تھی۔ چنانچہ کونسل نے ضابطہ قانون عرفی کی کبھی پیروی نہیں کی اور وہ ان احتیاطی تدابیر کی پابند نہیں تھی جن کے متعلق قانون عرفی کی جانب سے یہ کوشش تھی کہ ان کی پابندی ہونی چاہیئے تاکہ کسی ملزم پر ظلم نہ ہو۔ اس کے ہاں کوئی جوری نہیں تھی۔ وہ ملزم کو حلفیہ بیان دینے پر مجبور کر سکتی تھی۔ تحقیقات کے لئے شکنجے کا استعمال بھی کیا جا سکتا تھا ان اسباب کی بنا پر یہ فوجداری نصفت کی عدالت کہی جاتی تھی اور یہ صحیح بھی تھا۔ کم از کم اس وقت اس عدالت نے اس طرح سے انصاف کیا جو کسی اور طریقے سے ممکن نہ تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ براہ راست شاہی اختیار خصوصی کو استعمال کرتی تھی اور اس وجہ سے ہر اس شخص کا مقابلہ کرنے کے قابل تھی جو معمولی عدالتوں کو ٹھکرا دیتا تھا لیکن بادشاہ کو دھتکارنا تو بہت بڑی بات تھی۔ اس اس میں یہ امکان ضرور تھا کہ ایک زوردار آلہ بن جائے۔ اور آخر میں جا کر تقریباً ایسا ہی ہوا۔ تقریباً ایک صدی تک اس نے مفید کام انجام دیا اور جس وقت حقیقی مطلق العنانیت کا زمانہ آیا تو اس وقت یہ موجود تھی اور اس کے ہوتے ہوئے بادشاہوں کو اس بات کی ضرورت نہ تھی کہ قانون عرفی کی عدالتوں کو اپنا اختیاری آلۂ کار بنا دیں۔

اگرچہ مجلس شاہی خود اس زمانہ میں اتنی خودمختار نہیں تھی جیسے بعض اوقات

پندرھویں صدی میں رہ چکی تھی۔ تاہم اس ٹیوڈری دور میں اس کو روزمرہ کاروبار حکومت میں وہ اختیار واقتدار حاصل تھا جو اس کو ابھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ اس مفہوم میں ٹیوڈری دور کونسل کے کام کا بہت بڑا زمانہ تھا جب کہ اس کی حیثیت بڑے مہمات مملکت کی تدبیر کے قطع نظر امور حکومت کے انتظام میں اپنی چھوٹی شاخ یعنے زمانہ حال کی کابینہ سے کچھ کم نہیں تھی پریوی کونسل کی اصطلاح جو ایک زمانہ سے گاہے گاہے استعمال ہوتی تھی اور اکثر حقارت سے استعمال ہوتی تھی اب باضابطہ بن رہی تھی۔ اور خاص طور پر کونسل کی وہ شکل اختیار کر رہی تھی جو اس دور کے وسط سے پہلے ہمیشہ بادشاہ کے ہمراہ رکاب تھی۔ اور یہ عدالتی امور انجام نہیں دیتی تھی بلکہ امور سلطنت انجام دیتی تھی کیونکہ عدالتی امور کونسل ہی میں عدالت انجم کے سپرد ہو گئے تھے۔ تاہم کونسل کے ان دو اشکال میں جو فرق ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ دونوں میں ایک خط فاصل کھینچا جا سکے بلکہ خاص فرائض اور ان کے زور عمل کا فرق ہے اور یہ اس بات کی قطعی علامت تھی کہ یہ تفریق جو شروع ہو رہی تھی اس کا ہونا ضروری تھا۔ پیروی کونسل میں قدیم چھوٹی کونسل کی جملہ خصوصیات موجود تھیں تو اس کے خلاف عدالت انجم وہ فرض انجام دیتی تھی جو آہستہ آہستہ ایک خاص جماعت کے ہاتھ میں آ رہا تھا۔

قدیم زمانے میں کونسل اپنا بہت کچھ کام چھوٹی جماعتوں اور ماموریتوں کے ذریعے سے کرتی تھی اس کے علاوہ عدالت انجم کو واحد عدالت نہیں سمجھنا چاہئے جو ٹیوڈر دور میں قائم ہوئی یا زندہ ہوئی۔ عدالت التماسات خاص طور پر غربا کے مقدمات کے لئے تھی۔ عدالت اضافات اور عدالت مداخل اولی وعشر روما کے قطع تعلق کے بعد قائم کی گئیں تاکہ یہ عدالتیں ان اراضی اور مداخل کا فیصلہ کریں جو کلیسا کے قبضے سے نکل کر بادشاہ کے قبضے میں آ گئے تھے۔ عدالت حصانت ان مقدمات سے متعلق تھی جن میں بادشاہ کو حق حصانت حاصل تھا اور یہ اکثر جاگیری ہوتے تھے۔ ویلز اور شمال کی کونسلیں اس غرض سے قائم کی گئی تھیں کہ بادشاہ کا اقتدار کام میں لا کر سرحدوں پر امن قائم رکھیں آئرستان اور کیلے میں اس کونسل کی دوسری شاخیں تھیں۔ عدالت ہائی کمیشن پر بعد کو غور کیا جائے گا۔ یہ تمام کونسل کی شاخیں تھیں یا اس کے براہ راست نگرانی میں تھیں اور اس کے علاوہ کسی واقعہ کی تحقیقات سننے صوبوں کو عارضی ماموریتیں بھیجی جا سکتی تھیں یا مقرر کیجا سکتی تھیں بادشاہ کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکثر بڑے معاملات میں اپنی کونسل سے باضابطہ مشورہ کئے بغیر

کام کرتا تھا لیکن کونسل چھوٹے سے چھوٹے معاملے پر بھی غور کر سکتی تھی۔

معتمد مملکت کا عہدہ۔ جس طرح بادشاہ کے خانگی عہدہ دار اور کونسل کے مابین پرانا تعلق اب تک قائم تھا اسی طرح اس زمانے میں کونسل سے ایک اور جدید سرکاری تعلق شروع ہو گیا جس کی صورت بالکل ایسی تھی جیسے زمانۂ حال میں پائی جاتی ہے۔ بعض قدیم عہدہ دار زمانۂ حال کے مطابق ہو گئے تھے اور بعض جدید عہدے اس غرض سے پیدا کئے گئے کہ یہ ان معاملات کو انجام دیں جو روز بروز پیدا ہو رہے تھے۔ اپنے رتبے کے اعتبار سے لارڈ چانسلر اب تک رکن رکین کونسل تھا لیکن وہ اب پہلے کی طرح سیاسی وزیر نہیں تھا بلکہ عدالتی عہدہ دار ہو گیا تھا۔ بعض اوقات اعلیٰ مہربردار شاہی اس کی جگہ نشست کرتا تھا اور الزبتھ کے عہد کے ایک قانون کے ذریعے سے اس کے اقتدار اور اختیارات چانسلر کے برابر کر دئیے گئے تھے۔ خازن اعلیٰ اس زمانہ میں قومی مالیہ کا حقیقی صدر ہو گیا تھا۔ یہ وہی کونسل کے صدر کا عہدہ جدید تھا جو اکثر خالی رہتا تھا۔ اعلیٰ مہربردار شاہی اس آلۂ حکومت کا ذمہ دار رہتا تھا جس کی اس زمانے میں لارڈ چانسلر کی طرح تمام اجزائے حکومت میں برابر کی اہمیت ہو گئی تھی۔ جو عہدہ آئندہ زمانے کے لئے اہمیت رکھتا ہے وہ بادشاہ کے معتمد کا جدید عہدہ تھا جو معتمد مملکت کے نام سے موسوم ہونے لگا۔ اس کی قدیم ترا صلیت تیرھویں صدی میں بادشاہ کے منشی سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کی عظیم الشان اہمیت پندرھویں صدی میں جا کر پیدا ہوئی اور سولھویں صدی میں اس کی وہ حقیقی شکل نظر آئی جس سے اس نام کے تمام حالیہ عہدے پیدا ہوئے۔ یہ معتمد اکثر بڑی قابلیت اور اثر کے لوگ ہوتے تھے جیسے ٹامس کرامول اور لارڈ برگلے تھے۔ یہ بادشاہ کی ذات کے ساتھ وابستہ ہوتے تھے اور دیگر عہدہ داروں اور خارجی ممالک کے ساتھ رسل و رسائل کا ذریعہ ہوتے تھے اور پارلیمنٹ کے کسی نہ کسی ایوان میں بادشاہ کی نیابت کرتے تھے اور ان بے شمار معاملات کی دیکھ بھال کرتے تھے جو آج متعدد عہدہ داروں کے سپرد ہیں جن میں سولھویں صدی کی وزارت تقسیم ہو گئی ہے۔ چونکہ کام کی بہت کثرت ہوتی تھی اس لئے اس وقت دو وزرا مقرر کئے جاتے تھے۔

کونسل اور پارلیمنٹ کا تعلق۔ ٹیوڈر دور میں کوئی معین کابینہ نہیں تھی اور بادشاہِ وقت بغیر کسی خارجی اثر کے خود فیصلہ کر لیتا اور جن لوگوں سے چاہتا

مشورہ کرتیا تھا۔ وقت یا مضمون کے لحاظ سے یا اپنے ذاتی تلون مزاج کی وجہ سے وہ اس بیعت فیصلے کو خود اکثر بدل بھی دیتا تھا لیکن حکومت کی تمام کارروائیاں موجودہ صورت حال اختیار کر رہی تھیں۔ پارلیمنٹ اور کونسل کے تعلق کا بھی یہی حال تھا۔ کونسل کی رکنیت یا حکمت عملی پر پارلیمنٹ کوئی اثر نہیں ڈالتی تھی اور اثر ڈالنے کا اس کے پاس کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا۔ لیکن کونسل کے اراکین کسی نہ کسی ایوان کے اراکین ہوتے تھے اور پارلیمنٹ کی قرار دادوں پر حاکمانہ اثر ڈالتے تھے اور بعض اوقات ان قرار دادوں پر کافی توجہ کرتے تھے۔

کونسل اور پارلیمنٹ کا تعلق اس اہم قانون سازی سے واضح کیا جا سکتا ہے جو آئرستان کی تاریخ دستوری میں عمل میں آئی اور جو مباحثات حال میں غیر معمولی دلچسپی رکھتی ہے۔ ۱۴۹۵ء میں آئرستانی پارلیمنٹ نے ایک قانون پاس کیا جس کا ایک ضابطہ یہ تھا کہ آئرستان میں کوئی پارلیمنٹ اس وقت تک نشست نہ کرے جب تک بادشاہ اور اس کی کونسل پارلیمنٹ کے اجلاس اور منظور ہونے والے قوانین کی اجازت نہ دے۔ یہ قانون جو قانون پوائےننگز Poyin gslaw کے نام سے موسوم ہے بعد کو عمل میں آیا اور اس کے ذریعے سے آئرستانی پارلیمنٹ کی آزادی میں بہت سخت مداخلت ہونے لگی۔ لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کے وضع کرتے وقت وہی چیز پاس کی گئی تھی جو انگلستان پر بھی صادق آتی تھی۔ انگلستان کی پارلیمنٹ بھی بادشاہ اور اس کی کونسل کی منظوری کے بغیر نشست نہیں کر سکتی تھی اور نشست کرنے کے بعد کم از کم اس دور کے اختتام سے پہلے تک اس کو کسی آغاز تحریک کا حق نہیں تھا اور جو کچھ پارلیمنٹ منظور کرتی تھی وہ وہی تھے جو آج حکومتی مسودات کہلاتے ہیں۔

چونکہ کونسل کو ابتدءً قانون سازی کا حق تھا اسی اصول پر سولھویں صدی میں بہت کچھ توسیع ہوگئی اور یہ توسیع اصول میں نہیں بلکہ کثرت اعلانات شاہی کی صورت میں ہوئی۔ غالبًا اس دور کے پہلے حصے میں بدعنوانیوں کا سدباب بہت مشکل تھا اور بعد کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ جدید جرائم اور ان کی سزاؤں کا تعین ہونا چاہیئے جو اصلاح یافتہ قانون کے ساتھ وجود میں آئے تھے۔ لہٰذا ان اسباب کی بنا پر ضابطہ سازی کے جلد اور فوری طریقے کو اختیار کرنے کا شوق پیدا ہوا کہ وہ ضابطے کونسل کی مختصر کارروائی سے نافذ کئے جائیں۔ ۱۵۳۹ء میں پارلیمنٹ کے ایک قانون نے یہ اعلان

کیا کہ شاہی فرامین کی ایسی تعمیل اور پابندی کرنی چاہیے کہ "گویا وہ پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین ہیں" بشرطیکہ وہ ملک کے کسی قانون موضوعہ، قانون عرفی اور قانونی رواج پر اثر نہ ڈالتے ہوں۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ ایک قسم کی عدالت مجلس شاہی بھی قائم کی گئی تا کہ وہ نافرمانی کرنے والوں کی سماعت کرے۔ یہ قانون اتنا تخلیقی نہیں تھا جتنا اعلامی تھا معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس قانون کے منظور ہونے سے فرامین کی نوعیت اور مضمون میں کوئی فرق نہیں آیا اور ۱۵۴۷ء میں یہ منسوخ ہو گیا۔ کونسل کی قانون سازی کا احیا بھی ایسا ہی ہوا جیسے شاہی اقتدار کی توسیع اور ٹیوڈر دور کے دیگر معاملات کی طرح بھی اس کو بنظر پسندیدگی دیکھا گیا، لیکن اس سے جو نتائج پیدا ہوئے دوسرے زمانے میں جا کر ان کے کچھ اور معنے ہو گئے۔

یہ دیکھنا مشکل نہیں کہ سولھویں صدی میں مجلس شاہی آلۂ حکومت کے طور پر کسی قدر ابھر گئی تھی لیکن اس کا پتہ چلانا مشکل ہے کہ اس زمانے کے حالات کے تحت پارلیمنٹ کی حیثیت میں کیا استحکام اور ترقی ہوئی۔ اس بات کا جو متفرق ثبوت ملتا ہے کہ حکومت نے پارلیمنٹ کو اپنا تابع بنانے کے لئے ان تھک کوشش کی تھی تو اس سے اس پارلیمنٹ کی خواہ وہ کتنی ہی محکوم کیوں نہ ہو دستوری اہمیت چھپ جاتی ہے۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوگا جو مقننہ اس قدر محکوم ہو اس کا انجام بس یہی ہونا چاہیئے کہ وہ عاملہ کا آلۂ کار بن کر رہ جائے۔ لیکن یہ مشکل اس بات پر غور کرنے سے حل ہو جاتی ہے کہ بادشاہ کی کیا نیت تھی اور جن امور کو وہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا ان کی کیا خصوصیت تھی۔

پارلیمنٹ کے گاہے ماہے اجلاس۔ ٹیوڈر دور میں پارلیمنٹ کے جلسے اس کثرت سے نہیں ہوئے جس قدر چودھویں صدی میں۔ ہنری ہفتم نے چوبیس سال میں صرف سات پارلیمنٹیں منعقد کیں اور اسی عہد کے آخری نصف حصے میں صرف ایک پارلیمنٹ منعقد ہوئی۔ الیزبتھ نے پینتالیس سال میں صرف دس پارلیمنٹیں بلائی تھیں۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ سلاطین ٹیوڈر عمداً پارلیمنٹ کا اس غرض سے اجلاس نہیں ہونے دیتے تھے کہ وہ اپنا زور نہ دکھلائے۔ بعض اوقات پارلیمنٹ ان کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوتی تھی اور جب ضرورت نہ ہوتی تو وہ بغیر پارلیمنٹ کے ہی کام کرنا اچھا سمجھتے تھے لیکن اکثر اوقات ان کی حکمت عملی کے لئے پارلیمنٹ ناگزیر ہوتی تھی اور جب ایسا ہوتا تھا تو اس کی وہ سخت کوشش کرتے تھے کہ پارلیمنٹ کے ارکان ان کے

حسب حیثیت منتخب ہوں ۔

دارالامرا ۔ پارلیمنٹ میں دارالامرا کو جو اضافی اہمیت تھی وہ چودھویں صدی میں غائب ہو چکی تھی اور وہ پھر واپس نہیں آئی ۔ لیکن ابھی تک یہ ایوان اقتدار میں دارالعوام سے کم نہیں تھا اور ایوانِ زیریں کے اراکین پر سماجی اور شخصی تعلقات کے ذریعے جو اثر ڈالتا تھا وہ بھی خاطر خواہ تھا ۔ موروثی اراکین کا ایوان ہونے کی وجہ سے اس کو اصولاً بادشاہ سے بے نیاز ہونا چاہیے تھا ۔ لیکن اس کا ایسا نہ ہونا ایک امر بدیہی ہے ۔ سنہ ۱۵۲۹ء کی "اصلاح" والی پارلیمنٹ تک جو زمانہ گزرا اس کے اکثر حصے میں مذہبی اراکین یعنے اساقفہ اور راہبوں کی کثرت تھی اور ان لوگوں کو یہ عہدے ترقیاں اور دیگر عنایات بادشاہ سے حاصل ہوتی تھیں ۔ ان میں سے اکثروں نے ان سجادوں سے اتفاق کیا تھا جو ہنری ہشتم نے پاپائی طاقت کو توڑنے کے لئے کی تھیں ۔ دنیوی امارت گلابوں والی جنگ کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی لیکن اس قدر تباہ نہیں ہوئی تھی جیسے بعض وقت سمجھا جاتا ہے ۔ ہنری ہفتم کی پہلی پارلیمنٹ میں ۲۹ دنیوی امرا تھے اور یہ اس صدی کی اوسط تعداد سے بہت زیادہ کم نہیں تھے ۔ ایک مرتبہ ہنری ششتم کے عہد میں یہ تعداد تئیس تک گھٹ گئی تھی اور کبھی پچاس سے زیادہ نہیں ہوئی اور سولھویں صدی میں صرف ایک مرتبہ ساٹھ تک پہنچی تھی ۔ اگرچہ اس دور میں بہت سے جدید خاندانوں کو خطابات دئے گئے تھے لیکن اس کے باوجود امارت اس قدر جلد جلد غائب ہو رہی تھی جیسے گلابوں والی جنگ میں ہوئی ۔ ٹیوڈر سلاطین کا کم و بیش متواتر مسلک رہا ہے کہ وہ پرانے خاندانوں کے بجائے جدید خاندانوں کو ترقی دے کر ان پر خاص طور پر بھروسہ کرتے تھے ۔ اور اکثر خاندان جو تاریخ مابعد میں بہت ممتاز ہوئے مثلاً کیونڈیش ۔ سیسل ۔ پیجٹ ۔ رسل ۔ سیمور ۔ اور اسپنسر ۔ وغیرہ ایسے ہیں جن کو اس دور میں کچھ نہیں تو کم از کم ترقی کا پہلا زینہ ضرور ملا ۔ اس زمانے میں کبھی دارالامرا کے اراکین میں سے کسی نے اس طرح رہنمائی نہیں کی جیسے وہ بادشاہ کی مخالفت میں کر چکے تھے ۔

دارالعوام ۔ دارالعوام کے مسئلے میں سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین رکھنی ضروری ہے کہ اراکین جس طبقے کی نمایندگی کرتے تھے وہ اب تک محدود تھا ۔ اور کسی وقت یہ ایوان اس طبقے کے نیچے نہیں پہنچا تھا جس کو ہم بالائی طبقہ متوسط کہہ سکتے ہیں ۔ بلدشے

مبارزوں اور اعیان دیہات کو اپنے نمایندے بناکر بھیجتے تھے اسی طرح بعض مرتبہ وہ شہریوں کو بھی رکن بناتے تھے اور اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ رکنیت کی خصوصیت یا اغراض کے اعتبار سے بلدیوں اور صوبوں میں کوئی فرق تھا۔ دراصل یہ بات صداقت کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ عوام جو اپنا مسلک معین کرتے تھے تو اس کا باعث حکمران وقت کی خواہش نہیں بلکہ اراکین کے اغراض تھے۔ تاہم یہ بھی صحیح ہے کہ اکثر ان دونوں میں کوئی فرق نہ ہوتا تھا اور دونوں ایک ہی سمجھے جاتے تھے۔

معاشی ترقی ۔ ٹیوڈر دور ایک عظیم الشان معاشی ترقی کا دور تھا اور دارالعوام کی رکنیت کی تہ میں جو غرض مضمر تھی وہ معاشی غرض تھی۔ زراعت میں ایک عالمگیر تغیر واقع ہورہا تھا جس کا باعث اون کی پیداوار کا روز افزوں منافع تھا۔ چنانچہ مزروعہ آراضی چراگاہوں میں مبدل ہورہی تھی۔ خواہ مزدور طبقے پر اس کا کچھ بھی اثر پڑتا ہو لیکن جس طبقے کی پارلیمنٹ میں نمایندگی ہوتی تھی اس پر بہت گہرا اثر پڑ رہا تھا اور اسے فائدہ پہنچ رہا تھا۔ خارجی تجارت روز بروز ترقی کر رہی تھی اور تجارتی قصبات کی توجہ اپنی طرف جذب کر رہی تھی۔ جانبازوں اور حوصلہ مندوں کی بڑی بڑی تجارتی کمپنیاں بننے لگی تھیں۔ اور تجارتی معاہدات ان قیود کو توڑ رہے تھے جو تجارت کے خلاف تھے۔ قوانین جہازرانی سے انگلستان کی جہازرانی اور جہازسازی میں ترقی ہورہی تھی۔ امداد اجارات اور محاصل سے قومی صنعت وحرفت کی حوصلہ افزائی ہورہی تھی۔ تجارت کے جدید راستوں کے انکشاف سے نئی دلچسپیاں پیدا ہورہی تھیں اور ابھی یہ دور ختم نہیں ہوا تھا کہ انگریز تجارت کی غرض سے اپنی نوآبادیاں بسانے کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے تھے اور کم از کم تجارتی طبقۂ احرار سمندر کے عظیم الشان مستقبل کا صریح منصوبہ باندھ رہا تھا۔ متوسط طبقے کا دل ان ہی چیزوں کی طرف لگا ہوا تھا۔ ہمیں اس واقعے کے دستوری تعلق کو واضح کرنا ضروری ہے۔ یہ طنز آمیز فقرہ سنائی دیتا تھا کہ سیکسن ہر نوع حکومت کو جو ان کی تجارت کی ضامن ہو خوشی سے برداشت کرلیتے ہیں۔ یہ طنز کسی زمانے میں اتنا صحیح ثابت نہیں ہوا جتنا اس زمانے میں جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔

طاقتور حکومت کی تائید میں ایک اور مزید وجہ پیش کی جاسکتی ہے۔ اس دور کے پہلے حصے میں گلابوں کی تباہ کن جنگ کی یاد لوگوں کے دل میں تازہ تھی قوم چاہتی تھی

کہ یہ بکھیڑا نہ ہو اور جھگڑا الو وراثت اور کمزور حکومت کے خطرات دور ہو جائیں۔ اور ساتھ ہی ان خطرات سے چھٹکارا مل جائے جو اس صدی کے آخری نصف حصہ میں بیرونی حملے اور مذہبی ہیجان کی شورشوں کی وجہ سے پیدا ہو رہے تھے یہ بات یقینی تھی کہ وہ تمام طبقے جو قومی حکمت عملی کے رہنما تھے اور جو سب سے زیادہ اپنی حفاظت چاہتے تھے طاقتور حکومت کی تائید کے لئے کوشاں ہوں۔ اگر حکومت اس قدر طاقتور ہے کہ بیرونِ ملک تجارت کی حفاظت کر سکتی ہے اور گھر میں انتظام اور امن قائم کر سکتی ہے تو وہ جو چاہے سو کرے اور جو چاہے اپنے قبضے میں لے۔ لیکن اس میں ذرا سا کلام ہو سکتا ہے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ سلاطین ٹیوڈر ہر بات میں من مانی کر سکتے تھے۔ بعض دفعہ ان کی ایسی مخالفت ہوئی کہ ان کو دبنا پڑا اور اپنی تجاویز کو مسترد کرنے اور ترمیم کرنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ تاہم تدبیر مملکت کی بڑی تجاویز میں وہ جو چاہتے کر لیتے تھے اور تقریباً ان تمام امور میں پارلیمنٹ علانیہ ان کی تائید کرتی تھی کیونکہ وہ تمام طبقات جو پارلیمنٹ میں جمع ہوتے تھے بادشاہ کی حکمت عملی ہی کے موید تھے۔

بعض اوقات یعنے کم از کم ہنری ہشتم ایڈورڈ ششم اور میری کے عہد میں دار العوام کو قابل اعتماد بنانے کی دانستہ کوشش کی گئی تاکہ بادشاہ اور وزرا کی حکمت عملی پوری پوری عمل میں آئے اور اس کے لئے پندرھویں صدی کے طرح شیرفوں سے کام لیا گیا۔ حلقہائے انتخاب اور اراکین پر جدا جدا اثر ڈالا گیا اور ایک ترکیب جس سے ایوان کی ساخت پر مستقل اور بالآخر اس کی خصوصیت پر دائمی اثر پڑا یہ کی گئی کہ جدید بلدئے قائم کر دئے گئے۔ ایڈورڈ ششم کے مختصر عہد حکومت میں اڑتالیس اراکین جدید ایوان عوام میں بڑھائے گئے جن میں سے بائیس ایک ہی انتخاب کے سلسلے میں بڑھائے گئے تھے۔ میری کے عہد میں اکیس اور ملکہ الزبتھ کے عہد میں ساٹھ یا اس سے بھی زیادہ کا اضافہ ہوا۔ جدید بلدیات کا بڑا حصہ کورنوال میں تھا جو تقریباً بادشاہ کی ذاتی ملکیت میں شامل تھا۔ بعد کو ان میں سے اکثر دقیانوسی ایوان کے جیبی یا از کار رفتہ بلدیات بن گئے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس طریقہ سے یقینی یا دائمی تسلط حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ دوسری صدی میں سر جان ایلیٹ اور جان ہیمپڈن نے کورنوالی حلقہائے انتخاب کی نمایندگی کی اور دوسرے ایوان میں خاندان رسل کے اراکین حریت کی رہنمائی کرنے لگے۔

پارلیمنٹ کی تقویت۔ سلاطین ٹیوڈر کے عظیم الشان تدابیر میں سے

ہنری ہشتم کے دو تدابیر ایک جانشینی کا انتظام دوسرے انقطاع رو ما خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن سے پارلیمنٹ کی حالت پر روشنی پڑتی ہے اور اس کی تقویت نظر آتی ہے مشتبہہ وراثت پندرھویں صدی کے نصف آخر کی خصوصیت تھی چنانچہ اس زمانے میں اس غرض کے لئے کئی مرتبہ پارلیمنٹ طلب کی گئی کہ کسی سلسلۂ جانشینی کا تعین کرے۔ لیکن ہنری ہشتم کا نتیجہ حکومت قوم پر اس قدر حاوی تھا کہ مستقبل کے تذبذب کے متعلق اس وقت کوئی سوال نہیں پیدا ہوا اگر کوئی سوال پیدا ہوا تو خود ازدواجی پیچیدگیوں سے پیدا ہوا۔ اس کے عہد کے ختم ہونے سے پہلے صورت حال ایسی ہوگئی تھی کہ کم از کم منطقی استنباط کی بنا پر پہلے سے زیادہ قطعیت کے ساتھ پارلیمنٹ کے اس اقتدار کو ماننے پر مجبور ہونا پڑا کہ وہ جانشینی کا تعین کر سکتی ہے کیونکہ یہ بات ممکن نہیں تھی کہ قانون موضوعہ کے خلاف میری اور الیزبتھ دونوں کو صحیح النسب قرار دیا جائے اس اصول کی بنا پر پارلیمنٹ نے میری کو ناجائز اولاد قرار دیا اور جانشینی کا فیصلہ الیزبتھ کے لئے ہوگیا اس کے بعد الیزبتھ کو مجہول النسب قرار دیا گیا اور تخت ہنری اور جین سیمور کی اولاد کے لئے مقرر کردیا گیا۔ اس قانون سے ہنری کو حق بھی دیا گیا کہ وثیقوں یا اپنے آخری وصیت نامے کے ذریعے اپنے بعد بلا استثناد جن اشخاص کے متعلق وہ چاہے وراثت مختص کر سکتا ہے، اور اس طرح بادشاہ کو علانیہ اختیار دے دیا گیا تھا جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گویا بادشاہ نے اس بات کا اقرار کرلیا کہ مجھے از خود وراثت کے تعین کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس اختیار کے تحت ہنری ہشتم کی دوسری اولاد کے بعد میری اور الیزبتھ کی وراثت پھر عود کر آئی اور ان دونوں کے بعد اس کی چھوٹی بہن میری کی اولاد کو اس کی بڑی بہن مارگریٹ کی اولاد پر ترجیح دی گئی جو شاہ اسکاٹستان سے بیاہی گئی تھی اور اس خواہش کے لئے پھر پارلیمنٹ کی توثیق لازمی سمجھی گئی الیزبتھ کے انتقال کے بعد اس وصیت کا عمل میں نہیں آنا قانون موضوعہ کی کمزوری سے زیادہ اس اعلیٰ طاقت کی کمزوری ظاہر کرتا ہے جس کو ہم پہلے ہی سے رائے عامہ کے نام سے موسوم کرنے لگے ہیں۔

روما سے انقطاع کا جو نتیجہ برآمد ہوا تھا وہ یہ تھا کہ پارلیمنٹ کا اقتدار مانا ہوا ہے منطقی طور پر شاید یہ نتیجہ پورا نہ نکلے لیکن یہ ایسا پر زور تھا کہ بہت جلد اس کا اثر محسوس ہوگیا کیونکہ اس نے تاریخ انگلستان کی اس تمام سلسلے کو جو اس وقت تک برابر جاری تھا

بالکل توڑ دیا اور ایسے جذبات پر اثر ڈالا جو عوام الناس کو نہایت درجہ عزیز تھے۔ یہاں اس بحث کا موقع نہیں ہے کہ اس کے لئے کیا تدابیر اختیار کی گئیں اور یہ کہاں تک حق بجانب تھا۔ ان کو بغیر سند کے مان لینا اس بات کو تسلیم کرنے کے برابر ہے کہ پارلیمنٹ کو ان چیزوں کے عمل میں لانے کا پورا اختیار حاصل تھا۔

ممکن ہے کہ کیتھرین کی طلاق کا ارادہ صرف ہنری کے ذاتی خواہش سے پیدا ہوا ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کچھ حقیقی تدبر پر مبنی ہو لیکن معاملات نے اس قدر طول کھینچا تھا کہ پوپ کے اتفاق نہ کرنے سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ ہنری اس بات پر اڑ گیا ہے کہ جو کچھ بھی ہو اپنے ارادے کو پورا کر دکھائے۔ اس کے لئے تین چیزوں کی ضرورت تھی تاکہ یہ فعل انگلستان میں قابل مواخذہ نہ ہو۔ کلیسائے انگلستان سے پوپ کے اقتدار کو ہٹا کر اس کی جگہ بادشاہ کا اقتدار قائم کر دیا جائے، انگلستان کی عدالت سے پوپ کے پاس مرافعہ کرنا خلاف قانون قرار دیا جائے اور تمام رعایا کو یہ امور از روئے حلف ماننے کے لئے مجبور کیا جائے۔ ان تجاویز کو پارلیمنٹ نے (جو ۱۵۲۹ء کے کچھ پہلے منعقد ہوئی اور اپریل ۱۵۳۶ء تک اس کے مسلسل سات اجلاس ہوتے رہے) رفتہ رفتہ اختیار کر لیا، اگرچہ ان میں مذکورۂ بالا ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی تھی۔ ان تجاویز کے ساتھ یا ان کے بعد بعض دوسری تجاویز عمل میں لائی گئیں جو اکثر مالی نوعیت رکھتی تھیں اور ان سب تجاویز سے مجموعی طور پر انگلستان کے قانون، حکومت اور مذہبی دستور میں وہ تغیر پیدا ہوا جو ایک انقلاب سے کم نہیں تھا۔ ان سے مسلمہ اختیارات کی وہ وسعت معلوم ہوتی تھی جہاں تک پارلیمنٹ کی پہنچ تھی اور ان کا اثر یہ تھا کہ کلیسا کے دستور اور عملی حکومت پر پارلیمنٹ کا کامل اقتدار قائم ہو گیا۔ پارلیمنٹ کی یہ فوقیت "قانون تفوق شاہی" میں ظاہر ہوئی اور عمل میں لائی گئی۔ جس کی رو سے بادشاہ بہ حیثیت صدر کلیسا کے پوپ کی جگہ کھڑا ہو گیا پارلیمنٹ کا یہ تفوق کسی دوسرے قانون سے ظاہر نہیں ہوتا۔

اس قانون سازی سے اتفاقاً ایک اور بات پیدا ہو گئی۔ ہنری ہشتم نے مذہب یا عقائد بدلنے کی کبھی خواہش نہ کی تھی لیکن اس نے کلیسائے انگلستان کو اس حالت میں چھوڑا تھا کہ وہ اس طرح کبھی برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے جانشین کے زمانے میں پروٹسٹنٹ خیالات کی طرف اس قدر رجحان ہو گیا کہ جدید عقائد کا اعلان ہوا اور

ایک جدید کتاب ادعیہ تیار ہوگئی اور یہ عقائد قانون یکسانی کی رو سے جملہ مذہبی عبادات میں لازمی قرار دئے گئے۔ ۱۵۵۹ء میں میری کے بحال کئے ہوئے کیتھولک مذہب کو خارج کرنے کے لئے ملکہ الیزبتھ نے پھر اس قانون کی تجدید کی۔ لیکن ایک طرف تو یہ حالت تھی کہ کچھ کم نصف انگلستان احتجاجی تھا اور دوسری جانب انگلستان کی اچھی خاصی تعداد اس حد سے بہت آگے بڑھنا چاہتی تھی جس کے لئے پارلیمنٹ تیار نہیں تھی۔ مذہبی عقائد اور عبادت میں یکسانیت قائم کرنے کے لئے تشدد اور تعزیر کی ضرورت تھی اور ان کو عمل میں لانے کے لئے ایک جدید عدالت قائم کر دی گئی۔ یہ ہائی کمیشن کی مذہبی عدالت ہے جس کو الیزبتھ کے عہد میں اس کو خاص تاریخی حیثیت اور اقتدار حاصل ہوا فی الاصل میں یہ عدالت کونسل کی ایک شاخ تھی گو اس میں اکثر اراکین ایسے تھے جن کا کونسل سے کوئی تعلق نہ تھا اور کونسل کی طرح اس کی کاروائی قانون عرفی کے قیود سے بری تھی اور اس کا کام تحقیق و تجسس تھا اگرچہ یہ تعذیب اور سزائے موت نہیں دے سکتی تھی کونسل کی طرح یہ اختیار خصوصی کی عدالت تھی جو بادشاہ کے اختیارات بہ حیثیت سرگروہ کلیسا کے کام میں لاتی تھی۔ اس کی دوسری حیثیت کہ وہ شخصی حکومت کا آلۂ کار اور آزادی کے لئے خطرناک ثابت ہوئی دوسری صدی کی تاریخ سے متعلق ہے۔

مالی امور میں بعض اوقات سلاطین ٹیوڈر دستور کے صحیح حدود سے تجاوز کر جاتے تھے اور اس کی کوئی زیادہ مخالفت بھی نہیں ہوتی تھی۔ نذرانے پندرھویں صدی کی ایجاد تھے اور نظریے اور صورت دونوں میں یہ ایسے تھے جیسے ایک اختیاری پیشکش ہو جو حکومت کو دیا جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی تحریک خود حکومت کی جانب سے ہوتی تھی اور لوگ اس کو منظور کر لینا ہی مناسب سمجھتے تھے۔ یہ نذرانے رچرڈ سوم کے عہد میں پارلیمنٹ کی طرف سے ممنوع قرار دئے گئے تھے، لیکن ہنری ہفتم اور ہنری ہشتم دونوں نے اس کو جبراً وصول کیا۔ آخر الذکر نے تو جبری قرضے بھی لئے اور اس کے ساتھ ادائگی کے تحریری وعدے بھی دئے گئے تھے جن کو "مہر شاہی" کہتے ہیں کیونکہ ان پر شاہی مہر لگائی جاتی تھی۔ چنانچہ وصول زر کے ان طریقوں سے بعض اوقات یہ خوف ہونے لگا تھا کہ یہ باقاعدہ اجرائے محاصل کی صورت میں تبدیل ہو جائیں گے اور جائداد کی مالیت کے مطابق ان کا تعین ہوگا۔ ۱۵۲۵ء میں ہنری ہشتم نے بغیر پارلیمنٹ

کی قبل از وقت منظوری کے عامانیوں پر سدس اور پادریوں پر عشر عائد کیا۔ لیکن اس معاملے میں ایسی زبردست مخالفت ہوئی کہ آخر اس کو چھوڑنا پڑا۔ نظریے میں یہ بات مان لی گئی کہ اجرائے محاصل کے متعلق پارلیمنٹ کو فیصلے کرنے کا حق حاصل ہے اور جو مادرا قانونی محاصل ہوتے تھے وہ ایک قسم کا تجاوز قانون تھا۔

مقامی حکومت ۔ مقامی حکومت میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ٹیوڈر دور وہ زمانہ ہے جس میں زمانۂ وسطیٰ سے زمانۂ حال کے طریقوں کی طرف کامل تحویل ہوگئی۔ قانون عرفی کی شاہی عدالتیں برابر ترقی کرتی رہیں جن سے مقامی اور خانگی عدالتوں کو نقصان پہنچتا رہا۔ لیکن یہ اور ان کے ساتھ گشتی عدالتیں بلا شرکت غیرے قانونی عدالتیں ہوگئیں اور اپنے انتظامی فرائض دوسری مجلسوں کے سپرد کردیئے۔ عدالتہائے ضلع، ہنڈریڈ اور عدالتہائے خانگی بالکل بے اثر ہوگئیں گو انیسویں صدی تک ان کا ممکنہ استعمال ہوتا رہا۔ قانون گلوسٹر (۱۲۷۸ء) کی ایک دفعہ کی تاویل کر کے عدالت صوبے کے اختیارات ان مقدمات کے متعلق سلب کرلئے گئے جن کی مالیت ۴۰ یا اس سے زیادہ شلنگ کی ہو اور فوجداری مقدمات کے متعلق تو یہ سمجھا جانے لگا کہ یہ خانگی نہیں بلکہ بادشاہ کے خاص مقدمات ہیں۔ گشتی عادلوں کے ساتھ شریک ہونے کے لئے اب مجلس صوبہ طلب نہیں کی جاتی تھی اور صوبے کے لئے صرف اڑی جوری ہی نشست کرتی تھی۔ ملکی علاقے کے طور پر ہنڈریڈ اب تک موجود تھے۔ لیکن نظم ونسق اور عدالت کی اکائی کے طور پر اگرچہ کہیں کہیں باقی تھے تو صرف عدالت دیہہ میں رہ گئے تھے۔ اس کی اس قدر کم اہمیت تھی کہ اگرچہ اکثر امریکانی نوآبادیوں میں ان کی نقل کی گئی تھی لیکن اب صرف ڈیلاویر میں باقی رہ گئے ہیں۔ خانگی اختیارات گو اب تک ممکن تھے لیکن صرف بعض مجلسی عدالتوں میں اور ماتحت اراضی اور نقل داری کی صورت میں کام میں لائے جاتے تھے لیکن اس آخرالذکر استعمال کے لئے کسی عدالتی اجلاس کی ضرورت نہیں تھی۔ عدالت کی مثل پر یہ اندراج کہ ملکیت بدل گئی ایسی رسمی چیز تھی جیسے امریکہ میں انتقال اراضی کی مثل ہوتی ہے۔

ناظمان امن ۔ ناظمان امن کا عہدہ جو آئندہ مقامی حکومت میں بہت بڑا حصہ لینے والا تھا۔ تیرھویں صدی کے بعد سے اس کی اہمیت برابر بڑھتی گئی۔ اس کی

ابتدا بارھویں صدی کے آخر میں اس تجربے سے ہوئی تھی کہ ایک قابلِ اطمینان مقامی افسر
مقرر کیا جائے اور اس کا یہ کام ہو کہ شاہی مقدمات پر نظر رکھے اور یہ دیکھے کہ آیا یہ مقدمات
سماعت کے لئے باضابطہ عادلوں کے سامنے دائر کئے جاتے ہیں یا نہیں۔ پہلے تجربے
سے جو کامیاب ثابت نہیں ہوا کارونر کا عہدہ نکلا اور بہت دن نہیں ہوئے کہ اس کے
فرائض اتنے ہی محدود کر دئے گئے جتنے اب پائے جاتے ہیں۔ دوسرا تجربہ محافظانِ امن
کے تقرر کی بابت ہوا اور ان کے اختیارات اڈورڈ سوم کے عہد میں بہت وسیع کر دئے گئے۔
سنہ ۱۳۶۰ء میں ان کو ان اشخاص کو قید کرنے کا اختیار دیا گیا جو سنگین جرم کے الزام میں
ان کے سامنے پیش ہوں اور یہ لوگ بہت جلد ناظمانِ امن کے نام سے موسوم ہو گئے۔
سنہ ۱۳۸۸ء میں یہ حکم دیا گیا کہ سال میں چار مرتبہ یہ لوگ اپنا اجلاس کریں۔ اور یہ آئندہ زمانے
کے "سہ ماہی اجلاسوں" کی ابتدا تھی۔ رفتہ رفتہ ان کے فرائض بڑھتے گئے۔ یہ فرائض
انتظامی اور عدالتی دونوں ہو گئے یعنے بلوؤں کا فرو کرنا۔ اجرت کا تعین کرنا۔ اوزان
و پیمانے۔ تجارت اور صنعت و حرفت۔ شاہراہ۔ کارآموزوں اور بازاروں کی نگہداشت
کرنا۔ ان لوگوں کو کوتوالی کے اختیارات دئے گئے اور ان کے فرائض اس قدر
گوناگوں تھے کہ ان کو لوگ "ٹیوڈر سرکاری خادمہ" کہتے تھے۔ چونکہ یہ جملہ مقامی حلقوں
میں مرکزی حکومت کے آلۂ کار تھے اس لئے شیرف کے قدیم انتظامی فرائض انجام دیتے تھے
کیونکہ شیرف اس زمانے میں عدالت کا عاملانہ کارکن ہو گیا تھا جیسے آج تک ریاستہائے متحدہ
میں ہے۔ چونکہ یہ مقامی حکومت کی اسی تنظیم کی نیابت کرتے تھے جو زمانۂ وسطیٰ میں تھی
اس لئے یہ پرانے قصبات کے اکثر کاروبار کے حامل ہو گئے یعنے خانگی عدالت کے
کاروبار خواہ وہ جاگیری ہوں یا سرکاری نیز معمولی عدالت ہنڈریڈ کے کاروبار کے
حامل ہو گئے تھے۔ گشتی عادلوں کے اکثر مقامی فرائض بھی ان کے قبضے میں آ گئے تھے اور
یہ پیرش کے عہدہ داروں پر بھی نگرانی کرنے لگے۔

لیکن ٹیوڈر دور شروع ہونے سے کچھ پہلے مقامی حکومت میں ایک جدید عنصر
پیدا ہو گیا یا ہمیں یہ کہنا چاہئے کہ پرانے اور از کار رفتہ ادارہ میں از سر نو جان پڑ گئی اور یہ
پیرش کی مجلس ہے۔ اصل سیکسنوں کے زمانے کی قصباتی مجلس زمانۂ جاگیری کے
عدالت مینر میں ضم ہو گئی تھی تاہم اس کا کام تمام صورتوں میں مینر کے کام کے مطابق

نہیں تھا اور جب زمانہ وسطیٰ میں معاشی حالات بدل گئے اور خاص طور پر جدید قسم کی زراعت گلہ بانی اور مویشی گاہوں کی ترقی ہوئی تو مینر کی اہمیت گھٹ گئی اور اس لئے وہ امور جن کی دیکھ بھال مقامی حکومت کو کرنا چاہئے تھا وہ اس بات کے متقضی تھے کہ قدیم مجلس دیہہ کی سی کوئی مجلس پھر قائم ہو۔ لیکن دیہات جو حقیقی سیاسی زندگی کی اکائیاں تھے پہلے ہی غائب ہو چکے تھے پھر دوسری مقامی اکائیاں یعنے پیرش جو اس وقت زندہ تھیں اور کام کرتی تھیں اور ان کا رقبہ اکثر وہی تھا جو دیہات کا تھا دیہات کی قائم مقام ہوگئیں اور ان کے مقامی فرائض اپنے قبضے میں کر لیا۔ چونکہ پیرش کا ملّا مقامی رہنما اور ہادی تھا اور ظاہر ہے کہ اس تغیر پذیر زمانے میں تمام حل مشکلات کا یہی ملجا تھا اس لئے یہ اغلب ہے کہ دیہات کی قائم مقامی حاصل کرنے میں اسی کا ہاتھ ہوگا۔ بہر حال پیرش کی مجلس جو اہل پیرش کا اجتماع تھا ایک مقامی حکمران جماعت ہو گئی تھی یہ بہت کچھ قدیم مجلس کے لگ بھگ تھی اور قوم کے دینی اور دنیوی دونوں امور کا انتظام کرنے لگی تھی۔ لیکن ملکہ الیزبتھ کے عہد میں جب مملکت اس بات سے آگاہ ہو گئی کہ غربا کی دیکھ بھال خود مملکت کا فرض ہے اور یہ فرض اس کو زمانے وسطیٰ کے کلیسا سے ملا تھا تو اس نے پیرش کو قوانین غربا کے انتظام کے لئے جو اس وقت منظور ہوئے ایک اکائی بنا دیا اور اس طریقے سے پیرش کو مملکت میں ایک مستقل درجہ حاصل ہو گیا جسے قانونی طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک پیرش کو اس کی مجلس پیرش یا (vestry) کے ساتھ امریکانی مجلس دیہہ کی طرح مقامی حکومت میں ایک بہت بڑا حصہ حاصل ہے، فرق صرف یہ ہے کہ بعض امور میں ناظمان امن نگرانی کرتے تھے اور اس کا امریکہ میں کوئی مماثل نہیں ہے۔

پارلیمنٹ کا درجہ۔ جن حالات سے ٹیوڈر دور کی ایک خاص نوعیت ہو گئی تھی وہ ملکۂ الیزبتھ کے انتقال کے پہلے سے بدلنے لگ گئے تھے۔ میری اسٹوئرٹ کے قتل اور اسپین کی دھمکیوں کے مقابلے میں ملکہ نے ایک کامیاب مدافعت کر لی تو ان سے اندرونی اور بیرونی دونوں خطرات سے نجات مل گئی۔ اگرچہ قوم اس سے پوری طرح واقف نہیں تھی کہ ان چیزوں سے کیا تبدیلی واقع ہوئی لیکن پارلیمنٹ اس صدی کے آخر میں بالکل بے چین ہونے لگی تھی اور اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ذی اختیار ہونا چاہتی ہے اور یہ چاہتی ہے کہ شاہی طریقۂ عمل پر نکتہ چینی کرے۔ اب ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے

کہ اس وقت ایک منظم مخالفت کی نشو و نما ہو رہی ہے اور چند افراد کی ایک ایسی جماعت باہم کام کر رہی ہے جو تقریباً زمانۂ حال کے فریقوں کی طرح ہے اور وضع قانون کا ایسا پیمانہ تیار کیا جاتا ہے جس کا کونسل کی طرف سے کوئی حکم نہیں ہوتا تھا۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ ملکۂ الزبتھ کے افعال میں کوئی ایسی حقیقی مداخلت نہیں ہوئی جو اصول کی حد تک پہنچ گئی ہو صرف بات یہ تھی کہ اگلے دور کے لئے تمام چیزیں تیار ہو گئی تھیں اور اگر ملکہ الزبتھ مع اپنی تمام سیاسی فراست کے اور بیس سال زندہ رہ کر حکومت کرتی رہتی تو غالباً وہ بھی اس مخالفت کو جو تیار ہو رہی تھی دبا نہیں سکتی۔ حالات کے رفتار سے معلوم ہوتا تھا کہ تاریخ انگلستان میں یہ بات سب سے پہلے جدید خاندان کے لئے ودیعت تھی کہ ملوکیت اور دستور کے دو امثال کے درمیان ایک معقول راستہ پیدا کرے۔

سولھویں صدی کا سب سے بڑا اضافہ جو گزشتہ تاریخ پر مبنی تھا وہ پالیمنٹ تھی اور مملکت میں اس کا درجہ تھا جس سے زمانۂ جدید کے مسائل حل ہو گئے۔ پارلیمنٹ کے درجہ کے متعلق ایک معاصر وقت کا اندازہ دیکھنے کے لئے سر طامس اسمتھ کی کتاب "دولت عامہ انگلستان" کی ایک عبارت نقل کرنی مناسب ہے یہ کتاب ۱۵۸۹ء میں شائع ہوئی اور اسکی طرف پروفیسر میٹلینڈ نے خاص توجہ مبذول کرائی ہے۔ "قلمرو انگلستان کی سب سے اعلیٰ اور مطلق طاقت پارلیمنٹ میں شامل ہے۔ جو چیز اس کی منظوری سے طے ہو جائے وہ مستحکم غیر متغیر اور مقدس کہی جاتی ہے اور اسی کو قانون سمجھا جاتا ہے۔ پارلیمنٹ بڑے قوانین کو منسوخ کرتی ہے۔ جدید قوانین بناتی ہے۔ جو امور پہلے گزر گئے ہوں اور جن امور کی آئندہ پابندی ہونی چاہیئے ان کا حکم دیتی ہے۔ خانگی لوگوں کے حقوق اور مقبوضات بدل دیتی ہے۔ مجہول النسب کو صحیح النسب بنا دیتی ہے۔ مذہب کے اشکال مقرر کرتی ہے۔ اوزان اور پیمانے بدلتی ہے۔ شاہی سلسلۂ جانشینی مقرر کرتی ہے۔ مشتبہ حقوق جس کا پہلے سے کوئی قانون نہ ہو معین کرتی ہے۔ امداد محاصل اور زائد محاصل مقرر کرتی ہے قطعی معافی اور براءت دیتی ہے اور بہ حیثیت اعلیٰ ترین عدالت کے جن لوگوں پر بادشاہ مقدمہ چلائے انہیں بریت ذیلی ہے یا ملزم قرار دیتی ہے یا بری کرتی ہے مختصر یہ کہ اہل روما جو کچھ مرکزی مجلس یا دینی مجلس میں کرتے تھے وہ انگلستان کی پارلیمنٹ میں ہو سکتا ہے جو تمام قلمرو کی مع سر اور بدن کے

نمائندگی کرتی ہے اور اس کی طاقت رکھتی ہے۔ کیونکہ ہر انگریز کو وہاں اصالتاً یا وکالتاً
خواہ وہ کسی شان وشوکت اور لیاقت کا کیوں نہ ہو حکمران سے لے کر وہ بادشاہ ہو یا
ملکۂ انگلستان کے ادنی درجے کے شخص تک سب اس میں شریک کئے جاتے ہیں اور پارلیمنٹ
کی منظوری ہر شخص کی منظوری سمجھی جاتی ہے "
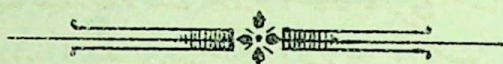
BIBLIOGRAPHICAL NOTE:—J. F. Baldwin, *The King's Council*, 1913. C. A. Beard, *The Justice of the Peace in England*, 1904. W. Busch, *England under the Tudors*, Vol. 1, *King Henry VII*, 1895. E. P. Cheyney, *England from the Armada to the Death of Elizabeth*, Vol. 1. 1914. J. N. Figgis, *TheTheory of the Divine Right of Kings*, 1914 R. B. Merriman, *The Life and Letters of Thomas Cromwell*, 1902. Lord Eustace Percy, *The Privy Council under the Tudors*, 1907. A. F. Pollard, *The Reignof Henry VII from Contemporary Sources*, Vol. II., 1914. Sir Thomas Smith, *De Republica Anglorum*, Ed. L. Alston, 1906. R. G. Usher, *Rise* and *fall of the High Commission*, 1913.

باب ۱۱

پادشاہ اور پارلیمنٹ کی کشمکش

جیمز ششم والیٔ اسکاچستان اس وقت بادشاہ ہوا تھا جب وہ بالکل شیرخوار تھا چنانچہ بادشاہ ہونے کے پہلے کا زمانہ اسے مطلق یاد نہیں تھا۔ اس کا رجحان طالب علمانہ زندگی کی طرف تھا۔ اور اسنے فلسفیانہ مباحث بھی پڑھے تھے جو اس وقت شاہی نیابت الٰہی کی تائید میں متداول تھے اور ان پر اعتقاد رکھنا بھی اس کی فطرت میں داخل تھا اور یہ خیالات اس نے خود اپنی تصنیف میں ظاہر بھی کئے تھے۔ اگرچہ وہ ایک غریب اور مفلس ملک کا حکمراں تھا لیکن وہ سمجھتا تھا کہ میں تخت انگلستان کا وارث ہوں چنانچہ اس کو پہلے سے یہ خوشگوار خیال آتا ہوگا کہ انگلستان کے مالدار ذرائع میرے ہاتھ میں رہیں گے اور اسکاچستانی پریسبی ٹیریوں کی سخت اور تنگ نظر عمومیت کی جگہ مجھے آزاد خیال اور اعیانی کلیسا کی صدارت ملیگی۔ یہ ٹیوڈری ملوکیت کی تاریخ اور ملکۂ الیزبتھ کے طریقۂ حکومت سے واقف تھا کہ ملکہ کس طریقے سے انفرادی مخالفتوں کو مغلوب کرلیتی تھی۔ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس کا حق شاہی اس قانون وراثت سے پس پشت ڈال دیا گیا تھا جو ہنری ہشتم نے پارلیمنٹ کے زیر اقتدار پاس کیا تھا اور اس کی رو سے ہنری ہفتم کے جانشینوں میں چھوٹی شاخ کو بڑی شاخ پر ترجیح دی گئی تھی

لیکن باوجود اس انتظام وراثت کے جب وہ قوم کی منظوری کے ساتھ تخت پر آگیا تو پھر اس پر یہ ثابت ہو گیا کہ نیابت الٰہی کا اصول پارلیمنٹی اقتدار کے اصول پر ہر طرح غالب ہے اب جیمز کا اس عزم کے ساتھ بادشاہ ہونا کہ میں مطلق العنانیت اسی طرح کام میں لاؤں گا جس طرح ٹیوڈر بادشاہ لاتے تھے کوئی اچنبے کی بات نہیں ہے لیکن اس کے نظریے شاہان ٹیوڈر سے زیادہ معقول تھے کہ حکومت بنی نوع انسان کے لئے ہے اور اس کا حق یوں ہے کہ وہ خدا کی طرف سے منتخب ہوا ہے۔

اس طرف بادشاہ میں یہ عزم تھا تو دوسری طرف پارلیمنٹ میں بھی ایک اور عزم کئی سال سے آہستہ آہستہ ترقی کر رہا تھا غالباً یہ کہنا مبالغے سے خالی نہیں کہ اس عزم کا منشا یہ تھا کہ ٹیوڈر مطلق العنانیت بالکل ختم ہو جائے بلکہ اس کا منشا صرف یہ تھا کہ جہاں جہاں قانون ہے بادشاہ کو اس کا پابند بنانا چاہیئے۔ یہ کہنا بھی خلاف واقعہ ہوگا کہ اس عزم کی وجہ سے جو کشمکش شروع ہوئی تو پارلیمنٹ نے اس کا پہلے سے منصوبہ باندھ لیا تھا اور قبل از وقت پیش بندی کر لی تھی کیونکہ پارلیمنٹ کا یہ عزم جن خاص واقعات میں ظاہر ہوتا ہے وہ بادشاہ کے افعال کے تحت صورتگیر ہوتے تھے اور جیسے جیسے سترھویں صدی کے دن گزرتے گئے پارلیمنٹ کو آہستہ آہستہ اپنی مخالفت کی اہمیت محسوس ہوتی گئی اور اسے یہ معلوم ہوتا گیا کہ اس کی تاویل دستوری اور حکمت میں اس کے درجے کے کیا معنے ہیں۔ تاہم جو صورت حال پیدا ہوئی وہ ایسی تھی کہ گویا پہلے سے سوچ لی گئی تھی۔ بادشاہ جو واقعی مطلق العنان حکومت پر اڑا ہوا تھا اور پارلیمنٹ جو بادشاہ کو تابع قانون کرنے پر مصر تھی ان دونوں کے درمیان ایک عجیب و غریب مسئلہ پیدا ہو گیا۔

یہ مسئلہ تاریخ انگلستان میں اس کے پہلے کبھی نہیں پیدا ہوا تھا۔ ۱۳۹۹ء سے جب کہ محدود ملوکیت کو ترقی دی گئی اور اس کے اصول قائم کئے گئے تو دستور کی یہ دو تاویلات کبھی باہم منظر عام پر نہیں آتی تھیں۔ ان میں سے ہر تاویل عرصۂ دراز تک اپنا اثر جمائی رہی اور جب تک اس کا اثر رہا حکومت اسی کے مطابق چلتی تھی اور اس طرح چلتی تھی کہ دوسری طرف سے کوئی خاطر خواہ مداخلت بھی نہیں ہوتی تھی۔ اساسی اصولوں کے اعتبار سے لنکاسٹری دور دستوری بادشاہی کا زمانہ تھا اگرچہ ان اصولوں کو پوری

وسعت کے ساتھ استحکام حاصل نہیں ہوا تھا یارکی اور ٹیوڈر دور مطلق العنانیت کے دور تھے اگرچہ یہ مطلق العنانیت ایسی تھی کہ خود اپنی سہولت کے لئے دستوری ملوکیت کے کچھ آلات استعمال کرتی تھی اور اس طریقے سے اس نے دستوری ملوکیت کو مستحکم اور مضبوط کر دیا تھا۔ یہی اہم پہلو ہے جس کی بنا پر جیمز اول کی تخت نشینی تاریخ انگلستان میں ایک جدید عہد کا آغاز کرتی ہے۔ یعنے اس نے پرانے شاہی اقتدار کو پارلیمنٹ کے مقابلے میں کھڑا کر دیا جبکہ پارلیمنٹ میں بہتیرے حقوق اور اختیارات خصوصی جمع ہو گئے تھے

اقتدار اعلیٰ کا مسئلہ۔ بڑا عملی مسئلہ حل طلب یہ تھا کہ آیا حکومت کے یہ دو تصورات بلا تصادم ایک دوسرے کے ساتھ کام کر سکتے ہیں۔ آیا بادشاہ کے اختیارات خصوصی اور ان چیزوں کے درمیان جہاں بادشاہ کو پارلیمنٹ کا مقتدر ماننا لازم ہے حد بندی کرنا ممکن ہے۔ آیا مملکت میں ان دو نوں طاقتوں کے درمیان مفاہمت ہو سکتی ہے۔ ان دو طاقتوں کی باہمی رقابت سے جو سوال پیدا ہوتا ہے آیا وہ مملکت کے انتہائی سیاسی اقتدار کا سوال نہیں ہے اور کیا ایسے اقتدار اپنی ماہیت میں ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں۔ مملکت میں کہیں نہ کہیں ایسی طاقت ضرور ہو گی جس کے فیصلوں کا مرافعہ نہیں ہو سکتا۔ وہ ایسا انتہائی اقتدار ہو گا جو ہر مبحث کا آخری مرجع ہو گا اور اس کے جواب پر تمام تنازعات فوراً ختم ہو جائیں گے۔ کوئی مملکت کیوں نہ ہو یہ انتہائی اقتدار اس کا اقتدار اعلیٰ ہو گا خواہ وہاں حکمراں مقتدر ہو یا قوم اور جس ملک کے متعلق یہ سوال ہو کہ اس کا اقتدار اعلیٰ کہاں ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ طاقت جس کے فیصلوں پر کوئی دوسری طاقت انگلی نہیں رکھ سکتی کہاں ہے۔ سترھویں صدی کی کشمکش میں جو انگلستان میں بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان ہوئی تو اس میں یہی سوال تنازعہ تھا اور اس کا قطعی فیصلہ ہو گیا۔ جوں جوں خاص مسائل کا کھرچھٹتا گیا یہ بڑا مسئلہ بحث دانشمندال کے زور سے چھن کر سامنے آ گیا کہ مملکت انگلستان میں سیاسی اقتدار کہاں ہے اور جملہ اختیارات کا انتہائی مرکز کونسا ہے۔ اگرچہ اس کی صریح تشکیل کبھی عمل میں نہیں آئی نہ صریح الفاظ میں کبھی اس کا جواب دیا گیا۔ مگر بالآخر واقعات نے اور اسی صورت حال نے جو اس کشمکش سے پیدا ہوئی تھی اس کا حقیقی جواب دے دیا۔

اس مسئلے کے پیدا ہونے سے اور اس کے طے ہونے کی وجہ سے انگلستان کی

تاریخ دستوری میں سترھویں صدی بھی چودھویں صدی کی طرح ایک بڑا تخلیقی زمانہ بن جاتی ہے۔ یہ تخلیق ادارات اور دستوری کارروائی کی صورت میں نہیں ہوئی بلکہ ایسے مفہوم اور تاویلات پیدا ہو گئے کہ پھر ان پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا تھا یہ کہنا صحیح ہے کہ جہاں تک اساسی اصولوں کا تعلق ہے ۱۳۹۹ء تک انگریزی دستور وجود میں آگیا تھا مگر یہ ہم کسی طرح نہیں کہہ سکتے کہ دستور سازی مکمل ہو چکی تھی تخلیقی کام ابھی بہت کچھ کرنا باقی تھا۔ سب سے اہم کام تو یہ باقی رہ گیا تھا کہ حکومت کے جملہ شعبوں میں یہ اصول جاری کئے جائیں۔ اس کام کی اہمیت اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ قومی مالیات کو گرفت میں لانے اور عدلیہ کو عاطلانہ دست اندازی سے آزاد کرنے اور خارجی حکمت عملی کی رہنمائی میں خاص طور پر کام کرنا باقی تھا۔ آخری شق تو ایسی ہے کہ اس میں غالباً کام ابھی ادھورا ہے۔ عملی حکومت کو ان اصولوں کے مطابق چلانے کے لئے جن آلات کی ضرورت تھی اس کے ایجاد کرنے کے لئے بہت کچھ کرنا باقی تھا۔ اور اس کی خاص پیداوار جو ہمیں حاصل ہوئی ہے وہ انگلستان کا نظام حکومت ہے جو ذمہ دار وزرا کی کابینہ کی شکل میں کام کرتا ہے۔ اور وسیع نظر سے دیکھا جائے تو سب سے زیادہ اساسی چیز یعنے یہ دریافت باقی رہ گئی تھی کہ یہ اصول حکومت کی ماہیت اور اس کے ماخذ اور مملکت میں اقتدار اعلیٰ کے مقام پر کیا روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ آخری کام تیرھویں صدی کا کام ہے اور اگرچہ یہ صرف تاویلی ہے مگر اس کے تخلیقی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

نظائر کی کھینچ تان۔ سترھویں صدی کا کام تخلیقی بھی تھا اور یہ نہ صرف اس عام نتیجہ کے اعتبار سے جو اس زمانے کی اصل پیداوار ہے بلکہ ضمنی طور پر اکثر تفصیلات میں بھی اس کا یہی نتیجہ تھا۔ تیرھویں صدی میں انگلستان کو اپنی گزشتہ تاریخ سے زیادہ دلچسپی تھی اور کشمکش کے دونوں علمبردار پچھلی نظیریں پیش کرتے تھے اور اس خصوص میں کوئی اور زمانہ اس کی برابری نہیں کر سکتا لیکن یہ ماننا پڑیگا کہ پارلیمنٹ کے دعاوی کی تائید میں جن نظائر کو پیش کیا جاتا تھا اور ان پر زور دیا جاتا تھا ان کے اصلی معنے نہیں دیکھے جاتے بلکہ یہ دیکھا جاتا تھا کہ منطقی طور پر ان سے کیا مفہوم مستنبط ہوتا ہے۔ بادشاہ نے بھی کئی مرتبہ نظائر کی بنیاد پر عام اختیار عمل کا دعوے کیا تھا لیکن ایسے

واقعات تھوڑے سے تھے اور ان کی ایک مثال وہ زائد محصول ہے جو بذریعۂ فرمان عائد کیا جاتا تھا اور یہ قانونی کروڑگیری کے علاوہ ہوتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسی طریقے سے سابق سلاطین نے جائز کروڑگیری کے علاوہ زائد وصولات عائد کی تھیں مگر وہ حصول مالگزاری کی غرض سے نہیں بلکہ خاص انتظامی اغراض کے لیئے تھیں۔ بادشاہ کے گزشتہ نظائر کو پیش کر کے اس استعمال حق کو جائز قرار دینا ایک زیادتی تھی اور یہ شاہانِ اسٹوارٹ کی زیادتیوں کی ایک مثال ہے کہ انھوں نے اس صدی میں نہ صرف یہ بلکہ اور بہت سی چیزوں کو قانوناً حق بجانب قرار دیا۔

تاہم بہ حیثیت مجموعی یہ کہنا چاہیئے کہ تاریخی نظائر بادشاہ کے ساتھ تھے برخلاف اس کے پارلیمنٹ اس زمانے میں نظائر کی کھینچ تان کرتی تھی اور یہ کھینچ تان جس کی تاریخ سے کوئی تصدیق نہیں ہوتی تھی اس طرح کی جاتی تھی کہ وہ اصل معنے میں نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ کچھ منطقی استنباط ہوتا تھا مثلاً سترھویں صدی وہ زمانہ ہے جس میں شقہ "احضار ملزم" کی تکمیل ہوئی اور یہ حکومت کے خودسرانہ افعال سے شہریوں کو بچانے کا ذریعہ تھا۔ لیکن پارلیمنٹ نے اس نتیجہ کے حاصل کرنے کے لیئے جو کشمکش شروع کی تو وہ ۱۶۲۸ء کے عرضداشت حقوق کی صورت میں نمودار ہوئی اور اس کے متعلق دعوے یہ تھا کہ اس وقت ہم جو حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ پارلیمنٹ کا پرانا حق ہے۔ اگرچہ جس لفظی شکل میں یہ دعاوی ظاہر کیئے گئے تھے ان کو تاریخ نہیں تسلیم کرتی تھی لیکن واقعہ کو جو درحقیقت واقعہ تھا نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ان نظائر کو پارلیمنٹ نے پھیلا کر جو معنے پہنائے تھے وہ درحقیقت ان سے منطقی طور پر مستنبط ہوتے تھے۔ ۱۶۲۸ء سے پہلے جو "احضار ملزم" موجود تھا اس کا منطقی طور پر وہی مفہوم تھا جس کا اب پارلیمنٹ نے دعویٰ کیا تھا یعنے یہ عاملہ کے خودسرانہ افعال کے خلاف افراد کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہے گو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس طریقے سے کبھی استعمال نہیں کیا گیا تھا۔

غیر محقق تاریخ سے مدد لے کر اس وقت پارلیمنٹ جو کام کر رہی تھی وہ درحقیقت یہ تھا کہ گزشتہ زمانے کے قائم کیئے ہوے اصولوں کو پھیلا کر منطقی استدلال کے زور سے جدید صورتوں اور جدید تفصیلات پر منطبق کر رہی تھی اور اس کے تخلیقی کام ہونے میں شبہ نہیں۔ پارلیمنٹ اور شاہان اسٹوئرٹ کی باہمی کشمکش ایسی چیز تھی کہ جس سے

قوم پر بات سمجھ گئی تھی کہ یہ اصول درحقیقت تمام مملکت اور دستور کے لئے کیا معنے رکھتے ہیں۔ تیرھویں صدی کا مخالف فریق جس شدومد کے ساتھ گزشتہ نظائر کو بادشاہ کے خلاف پیش کر کے ان کی انتہائی منطقی حد تک پہنچا رہا تھا اور اکثر ایسے معنے نکالے جاتے تھے کہ خود نظائر بنانے والوں کے دماغ میں یہ بات نہیں تھی تو ہمیں یہ گمان ہوتا ہے کہ سولھویں صدی کے طویل وقفہ میں ہی، جب کہ مطلق العنان حکومت عود کر آئی تھی، لاعلمی میں اس بات کا ضرور ایک واضح تصور پیدا ہو گیا ہو گا جو اس کے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ دستور کیا چیز ہے اور اس سے منطقی طور پر کیا معنے مستنبط ہوتے ہیں۔ اس طریقہ سے سولھویں صدی نے واقع میں آئندہ ترقی کے لئے ایک مضبوط بنیاد قائم کر دی تھی جس پر سترھویں صدی کی عمارت چنی جا رہی تھی۔

اس قسم کی توسیع پر جب کہ وہ ٹھیک منطقی استدلال پر مبنی تھی تاریخ کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ تاریخی استدلال ان نتائج کے مقابلے میں کبھی مستند نہیں ہو سکتا جو قوم کی طبعی رفتار ترقی کی پیداوار ہوں۔ گزشتہ زمانے کی پیدا کی ہوئی مبادیات سے کتنا ہی تجاوز کیوں نہ ہو اگر وہ قومی زندگی کی طبعی پیداوار اور پچھلے زمانے کے بہ نسبت اصلی ترقی ہے تو یہ قوم کا حق ہے اس پر تاریخ اعتراض نہیں کر سکتی۔ یہی سب سے بڑی چیز ہے جس کے لئے پارلیمنٹ سترھویں صدی میں ہاتھ پیر مار رہی تھی۔ اگرچہ لیجانیہ جدید مطالبات تھے لیکن یہ جیسے جاتے اصولوں کا منطقی انطباق تھا اور زمانہ ایسا آ گیا تھا کہ اگر انگریزی دستور منجمد نہیں بلکہ روبہ ترقی تھا تو ان کا ہونا ضروری تھا۔

جیمز کی تخت نشینی کے وقت جو صورت حال تھی اس کے دو پہلو ایسے تھے جن سے بادشاہ اور پارلیمنٹ کی کشمکش بڑھانے میں فوری مدد ملی۔ ایک پیورٹین فریق کی کثرت اور اس کا ولولہ تھا دوسرے قومی مالیات کی حالت تھی۔ پیورٹین فریق الیزبتھ کے عہد میں پیدا ہوا تھا۔ اس فرقے کا مطالبہ یہ تھا کہ قومی کلیسا کی پروٹسٹنٹ اور بالخصوص کالوینیت کے مطابق خاطر خواہ اصلاح ہونی چاہئے۔ کالوینیت کے اصول میں عمومیت کی طرف ازخود میلان شامل تھا۔ اگرچہ اب تک قوم میں اس فرقے کی کوئی بہت بڑی سیاسی طاقت پیدا نہیں ہوئی تھی لیکن ملکہ کے آخری زمانے میں اس کی خود رایانہ حکومت کے خلاف جو مخالف فریق پیدا ہو گیا تھا اس میں اس فرقے نے نہ صرف

اضافہ کیا بلکہ اس کی رہنمائی بھی کی۔ پہلے ہی سے تفریق شروع ہوگئی تھی اور دو جتھے بن گئے تھے جن کی سترہویں صدی میں خاص اہمیت ہوگئی تھی۔ ایک پرسبٹری جو قومی کلیسا کے معتقد تھے اور نیابتی اور جمہوری حکومت چاہتے تھے اور اس بات پر زور دیتے تھے کہ حکومت ٹھیک اس کے معیار کے مطابق ہونی چاہیئے؛ دوسرا جتھا عقائد میں توبہت روادارانہ اور آزادانہ خیال رکھتا تھا لیکن حکومت میں انتہا پسند تھا، مذہبی اور سیاسی دونوں تنظیموں کو ٹھیک اپنے اصول کے مطابق ڈھالنا چاہتا تھا یہاں تک کہ ایک حقیقی جمہوریہ کا خواہاں تھا۔ پہلے پہل یہ جتھا "بیرونی" یا "کنارہ کش" (Separatist) کے نام سے موسوم تھا اور بعد کو خود مختار (Independent) کہلانے لگا اور زمانۂ حال کی مذہبی تاریخ میں یہ لوگ اجتماعی (Congregationalists) کہلاتے ہیں۔

جیمز کے عہد میں پرسبٹری جتھا تعداد اور رہنمائی کے اعتبار سے فریق حکومت پر چھایا ہوا تھا اور کنارہ کشوں کو یہ امتیاز تھا کہ انھوں نے ۱۶۲۰ء میں جدید مستعمرات نیو انگلینڈ کا افتتاح کیا۔ نیز جیمز کے عہد میں پرسبٹریوں نے اپنے کو قومی کلیسا سے علٰحدہ نہیں کیا تھا۔ یہ لوگ کلیسا میں شامل تھے یا یوں کہو کہ ان کی کثیر تعداد کلیسا میں داخل تھی اور ان لوگوں نے جو کام کیا تو اس میں کلیسا کے خلاف کھلی بغاوت نہیں کی بلکہ کلیسا کے اندر رہ کر اپنے پیوریٹینی جذبے کا اظہار کیا اور اپنے تصورات پیش کئے۔ اوائل میں خاص چیز غور طلب یہ ہے کہ ہر اس کا مسلک تھا۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان کا کام صرف اسی قدر نہیں ہے کہ سچائی کا یقین کرے بلکہ اس کی حفاظت کرے اور اس کو پھیلائے۔ چونکہ قومی کلیسا میں پوریٹنوں کے دوسری جانب کلیسائے اعلیٰ والا فریق پیدا ہوگیا تھا اور جیمز کو بچپن سے پرسبٹری مذہب سے سخت نفرت تھی اس لئے کشمکش کا خوب سامان ہوگیا تھا۔ سترہویں صدی میں مذہبی اور سیاسی مخالفت اور مذہبی اور سیاسی اصولوں کے ایسے ڈانڈے ملے ہوئے تھے کہ ان کو جدا کرنا ناممکن ہوجاتا ہے۔

جیمز کے اوائل عہد میں حکومت کو جن مالی مسائل سے دوچار ہونا پڑا وہ ہر حالت میں مشکل تھے، اور اس وقت دو وجہ سے تو یہ بہت زیادہ پیچیدہ ہوگئے تھے۔ ایک تو یہ کہ پادشاہ فضول خرچ تھا اور روپیہ کی اس کو پروا نہیں تھی۔ دوسرے قیمتی فلزات کی قدر گھٹنے کی وجہ سے سولہویں صدی کے نرخوں میں عظیم الشان فرق پیدا ہورہا تھا چنانچہ پرانے مداخل

سے کاروبار سلطنت چلانا ناممکن ہو گیا تھا۔ عدالت انجم کی ضیافت کی لاگت جو ۱۵۰۰ء میں
صرف دو پونڈ ہوتی تھی وہ ۱۶۰۰ء میں آکر بیس پونڈ ہونے لگی۔ اس کی غالباً کچھ وجہ یہ ہے
کہ تکلف بڑھ گیا لیکن زیادہ تر یہ کہ قیمتیں اونچی ہو گئیں تھیں۔ الیزبتھ کا دربار بہ حیثیت مجموعی
کفایت شعاری سے چلایا جاتا تھا اور اسپین کی لوٹ سے بھی بہت کچھ روپیہ ہاتھ آ جاتا تھا
اس لیے ملکہ کے عہد میں گو مصارف بڑھے لیکن اس تناسب سے محاصل بڑھانے کی
ضرورت نہیں ہوئی۔ قوم کی اس طرح تربیت نہیں ہوئی تھی کہ صورت حال سمجھنے کے
قابل ہو سکے اور اب بادشاہ کے فضول خرچ ہونے سے جو اپنے ذرائع آمدنی کو قریب قریب
غیر محدود سمجھتا تھا قوم پر اچانک بوجھ پڑ گیا۔ جیسا ہمیشہ ایسی صورتوں میں ہوتا ہے ان
مشکلات کے حقیقی اسباب نہ قوم کے سمجھ میں آئے نہ حکومت کے اور قریب قریب اس
صدی کے وسط تک حکومت کے ضروری مطالبات اور بے خبر پارلیمنٹ کی ناراضی
کشمکش کو اکثر بڑھاتی رہی۔

جیمز کو پیورٹینی پادریوں نے "عرضداشت ہزاری" دی تھی کہ قومی کلیسا میں
مزید تبدیلیاں ہونی چاہئیں۔ ہیمپٹن کورٹ کانفرنس میں اس نے مارچ ۱۶۰۴ء کی
پارلیمنٹ کے اجلاس سے پہلے ان لوگوں کے رجحانات پر سخت ملامت کی تھی۔
اسی پارلیمنٹ میں سب سے پہلے بنیادی تنقیحات قائم ہوئیں اور سب سے پہلے
بنیادی اصول ظاہر کئے گئے۔ اگرچہ یہ اصول ہنوز پختہ نہیں ہوئے تھے مگر ان سے
اس تمام صدی کی کشمکش خاص طور پر ممتاز ہو جاتی ہے۔ اس پارلیمنٹ کے طلب کرنے
میں بادشاہ نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ اس قسم کے لوگ جن کا چال و چلن مشتبہ ہو وہ دارالعوام
میں منتخب نہ ہونے پائیں اور یہ فیصلہ عدالت نصفت کے سپرد کرنا چاہا کہ آیا انفرادی صورتوں
میں اس کے حکم کی متابعت ہوتی ہے یا نہیں۔ اس سے دارالعوام کا حق سلب ہوتا تھا
کیونکہ اب وہ اپنے اراکین کی اہلیت اور متنازعہ فیہ انتخابات کے متعلق خود فیصلہ نہیں کر سکتا
تھا۔ اسی معاملے میں بادشاہ اور پارلیمنٹ کے مابین فوراً کشمکش شروع ہو گئی اور
اس کشمکش کے دوران میں بادشاہ نے جتایا کہ دارالعوام کے تمام اختیارات جو بادشاہ
کے دیئے ہوئے ہیں۔ اور ادھر ایوان نے اپنا بچاؤ اس طرح کیا کہ ایک آئینی وثیقے کے
ذریعے جس کو "اعتذار" کہتے ہیں جو غالباً بادشاہ کے سامنے پیش نہیں کیا گیا یہ اعلان کیا کہ

ہمارے اختیارات اور آزادیاں خود ہمارے حقوق اور جائز میراث ہیں اور ان کی حالت ایسی ہے جیسے ہماری زمینوں اور اثاثہ کی یعنے ان کا قبضہ ایسا ہے جیسے خانگی جائداد پر ہوتا ہے اور بادشاہ اس کو نہیں چھین سکتا۔ یہ ایک صریح مسئلہ تھا جو صریح طرز سے اٹھایا گیا لیکن اس وقت یہ اس سے زیادہ آگے نہیں بڑھا۔ بالآخر بادشاہ کو اپنی کوشش چھوڑ دینی پڑی گویہ سبق ابھی پوری طور پر ذہن نشین نہیں ہوا تھا کہ ملک کے اندر ایک ایسا مجموعۂ قانون ہے جو بادشاہ کی مرضی سے بالاتر ہے۔

بادشاہ کا کروڑ گیری عائد کرنا۔ دو سال کے بعد مالی مشکلات کی حالت میں جو کارروائی کی گئی وہ آئندہ آنے والے واقعات کے لیئے ایک مثال ہوگئی اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطنت کے ضروری مصارف کے لیئے بادشاہ کو روپیہ کی ضرورت تھی لیکن اس نے پارلیمنٹ سے درخواست کرنے کے بجائے اپنے اختیار خصوصی سے کام لے کر درآمد کشمش پر فی ہنڈریڈ ویٹ پانچ شلنگ کے حساب سے ایک زائد محصول درآمد لگا دیا۔ یہ ان زائد وصولات کا واقعہ ہے جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ ایک تاجر نے جس کا نام جان بیٹ یا بیٹس تھا اس برآمد محصول کے ادا کرنے سے انکار کر دیا اور عدالت اکسچکر میں اپنا مقدمہ دائر کیا۔ عادلوں نے بالاتفاق بادشاہ کے موافق فیصلہ کیا کہ بادشاہ نے جو کچھ کیا ہے اس کو اس کا حق حاصل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پچھلے زمانے کے بادشاہوں کے متعلق یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ اعلان کے ذریعے سے وہ محاصل درآمد و برآمد گھٹا بڑھا سکتے ہیں لیکن یہ حق تجارت کے انتظام کے لیئے استعمال کیا جاتا تھا کہ تجارت کی تامین ہو یا کسی غیر حکومت سے بدلا نکالا جائے اور تجارت مناسب طور پر چلے۔ جیمز کا یہ استعمال اختیار اس غرض کے لیئے نہیں بلکہ توفیر مداخل کے لیئے تھا اس لیئے وہ ایسا اہم دستوری اختیار ہاتھ میں لے رہا تھا جس کی توثیق قدیم نظائر سے نہیں ہوتی تھی۔ عدالت تو ان نتائج کو نہیں دیکھتی تھی جو ان نظائر سے مستقبل بعید میں برآمد ہونے والے تھے۔ وہ بالعموم ظاہری الفاظ کی پابندی تھی اس لیئے اس کا یہ فیصلہ قدرتی بات تھی۔ اس مقدمۂ زیر بحث کے متعلق عادلوں کو جو کچھ غور کرنا تھا اس سے وہ بہت آگے بڑھ گئے اور اختیار خصوصی کے متعلق چند عام اصول قائم کر دیئے جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس وقت دستوری حکومت سے زیادہ مطلق العنان حکومت کا

اچھا خاصا نظری مسالہ تیار ہو چکا تھا۔ خاص بیرن (یعنی صدر عدالت) نے کہا تھا کہ بادشاہ کے دو ہرے اختیارات ہیں۔ ایک معمولی اور دوسرے مطلق۔ اور ان کے لئے کئی (یعنے مختلف) قوانین اور اغراض ہیں۔ مطلق اختیار وہ اختیار نہیں ہے جو کسی فرد کے استعمال کے لئے یا کسی خاص شخص کے فائدہ کے لئے استعمال کیا جائے بلکہ یہ وہ اختیار ہے جو قوم کے عام فائدہ کے لئے استعمال کیا جائے .... کیونکہ قوم جسم ہے اور بادشاہ اس کا سر اور جس طریقے سے جسم کی کاٹھی ہر دور زمانے کے ساتھ بدلتی رہتی ہے اسی طریقے سے یہ مطلق قانون بھی بادشاہ کی بصیرت کے مطابق عام فائدے کے لئے بدلتا رہتا ہے۔ اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ اگر بادشاہ محصول عائد کرنا چاہے تو وہ جس قدر مقدار میں چاہے عائد کر سکتا ہے تو حقیقت میں اس کو بادشاہ کی بصیرت پر محمول کرنا چاہئے جو رضائے الٰہی کے مطابق اپنی بصیرت سے کام لے کر ہماری رہنمائی کرتا ہے اور رعایا کو اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے۔"

اگرچہ اس واقعہ سے کوئی بہت بڑا نتیجہ برآمد نہیں ہوتا تھا بلکہ اس سے صرف ایک ابتدا ہوتی تھی لیکن یہ اس صدی کی تمام کشمکش کا مکمل نمونہ تھا۔ بادشاہ ایک نظیر کو جس کے الفاظ اس کے طرزِ عمل پر صادق آتے تھے۔ پھیلا کر اس اختیار پر منطبق کرتا ہے جو اپنی حد سے بہت متجاوز تھا اور عدالت فیصلہ کرتی ہے کہ از روئے نظیر جدید استعمال جائز ہے۔ اس بناء پر کہ عدالت نے اس کے موافق فیصلہ کیا تھا۔ جیمز نے اس کے بعد ہی ایک جدید "کتاب محاصل" شائع کی جس میں اشیائے درآمد کی کثیر تعداد پر بھاری بھرکم زائد محاصل عائد کئے گئے جو ہمیشہ کے لئے تھے اور پارلیمنٹ نے اس کو مان لیا۔ اس پر بہت ردّ و قدح ہوئی اور اس ردّ و قدح سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس سے جو اصول مستنبط ہوتے ہیں ان کو اراکین خوب صاف طور پر سمجھنے لگے ہیں۔

پارلیمنٹ نے اس اجلاس میں جو جیمز کی پہلی پارلیمنٹ کا چوتھا اجلاس تھا عدالت ماموریۂ عظمےٰ کے کام کی بدعنوانیوں اور فرامین کے غلط استعمال کی شکایت بھی کی۔ اس مسئلے کو کہ فرامین کے متعلق بادشاہ کو کیا اختیار رہے کونسل نے چار عادلوں کے سپرد کیا جس میں دونوں میرِ مجلس شامل تھے۔ ان عادلوں نے یہ رائے دی کہ اگر کسی امر کے متعلق قانون نہ ہو تو بادشاہ اپنے اعلان سے کوئی جدید جرم نہیں پیدا کر سکتا نہ کسی جرم کو عدالت انجم کے ذریعے

مستوجب سزا قرار دے سکتا ہے۔ اس صریح رائے سے یہ ہوا کہ شاہی اختیار کے راستے میں ایک رکاوٹ پیدا ہو گئی یعنے اس طرح اس کی مزید توسیع ناممکن ہو گئی لیکن اس کا بالکلیہ خاتمہ بھی نہ ہو سکا۔

۱۶۱۱ء فروری میں جیمز نے اپنی پہلی پارلیمنٹ برخاست کر دی اور دوسری پارلیمنٹ طلب کی تو اپریل ۱۶۱۴ء میں دوبارہ پارلیمنٹ طلب کرنے میں اس کو بہت پس و پیش ہوا لیکن بعض دوستوں نے مالی مشکلات کا لحاظ کر کے پارلیمنٹ طلب کرنے پر بہت زور دیا تھا اور اس کو یقین دلایا تھا کہ دارالعوام کو بادشاہ کے حسب منشا چلانے کے لئے بہت سے طریقے پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن یہ کوشش کچھ دلی ثابت ہوئی اور ایوان نے زائد محصولات کے خلاف اپنا پر زور جذبہ ظاہر کیا کہ بادشاہ کو بغیر پارلیمنٹ کی منظوری کے محاصل عائد کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ جب اراکین پارلیمنٹ نے انکار کر دیا کہ ہماری شکایات پر غور کرنے سے پہلے ہم کوئی منظوری نہیں دے سکتے تو بادشاہ اس قدر برہم ہوا کہ قبل اس کے کہ پارلیمنٹ محصول کی منظوری دے یا قانون بنائے جون کے مہینے میں بہت جلد پارلیمنٹ برخاست کر دی اور الیزبتھ کی تقلید میں دارالعوام کے چار اراکین کو ان کے بد اعمالی کی سزا دینے کے لئے ٹاور بھیج دیا۔

اضافہ مداخل کے ذرائع۔ تیسری پارلیمنٹ کا اجلاس جنوری ۱۶۲۱ء میں ہوا اور ۱۶۱۱ء سے لے کر ۱۶۲۱ء تک دس سال کے دوران میں سوائے ۱۶۱۴ء کی پارلیمنٹ کے جس نے کوئی کام نہیں کیا کوئی پارلیمنٹ نہیں جمع ہوئی اضافہ مداخل کے لئے جو غیر قانونی ذرائع اختیار کئے گئے تھے ان میں بادشاہ اپنے کو حق بجانب سمجھتا تھا۔ مہر شاہی یعنے جبری قرضوں کا پھر استعمال کیا گیا اور پرانے قرضے اور جرمانے سختی کے ساتھ وصول کئے گئے۔ خطابات فروخت کئے گئے اور فروخت کے لئے بیرونٹ کا ایک جدید خطاب ایجاد کیا گیا۔ ۱۶۱۴ء کی پارلیمنٹ کے ناکام ہونے کے بعد ایک عام پیش کش لی گئی جس کی بہت مخالفت ہوئی۔ آلیور سینٹ جان نے اس تجویز کی بذریعہ تحریر مخالفت کی تو اس پر جرمانہ کیا گیا اور وہ قید کیا گیا۔

عادلوں سے مشورہ۔ ۱۶۱۵ء میں بادشاہ کے ایک فعل سے دستور کا ایک بہت اہم جزو یعنے عدلیہ کی آزادی کا مسئلہ منظر عام پر آگیا جس کا بعد کو طے

ہونا اسی صدی کی مستقل ترقیات میں شامل ہے۔ یہ پیچم کا مقدمہ تھا جو ایک پیوریٹینی واعظ تھا۔ اس پر ایک موہوم شہادت کی بنا پر غداری کا الزام عائد کیا گیا اس لیئے کہ اس نے اپنے خطبے میں بادشاہ کے خلاف برے الفاظ استعمال کئے حالانکہ یہ خطبہ پڑھا گیا نہ شائع کیا گیا۔ بادشاہ نے ہدایت کی کہ شاہی بینچ کے عادلوں سے علیحدہ علیحدہ مشورہ کیا جائے اور اس سے درحقیقت یہ امید تھی کہ یہ لوگ اثر میں آکر شہادت کے متعلق بادشاہ کے نقطۂ خیال کی پابندی کریں گے۔ دوسرے عادلوں نے بھی مشورہ دیا لیکن میر مجلس کک نے پہلے تو اس پر اعتراض کیا کہ عادلوں سے علیحدہ علیحدہ مشورہ درست نہیں اور پھر اپنی تحریری رائے دی کہ شہادت کافی نہیں ہے۔ اس وقت کک نے جو مشورہ پر اعتراض کیا تو کسی دستوری مواد پر نہیں کیا بلکہ دستوری مواد بعد کو جل کر پیش کیا، اور اس مقدمہ سے کم از کم یہ ہوا کہ اس عمل میں جو بدعنوانیاں ہوتی تھیں ان کی طرف توجہ منعطف ہوگئی۔

دوسرے سال یہی سب باتیں ایک اور مقدمہ میں جس کو مقدمۂ تفویض معاش مذہبی سمجھا جاتا ہے بہت واضح ہو کر سامنے آگئیں۔ ایوان اسپیکر میں قانون عرفی کی عدالتوں کے تمام عادلوں کے سامنے ایک مقدمہ کی سماعت ہوئی اس میں بادشاہ نے اسے ملتوی کرنا چاہا تاکہ اس کے متعلق عادلوں سے مشورہ کرے۔ جب انھوں نے بالاتفاق کہدیا کہ ہم تعویق نہیں کر سکتے اور یہ قانون کے منافی ہے تو سب لوگ بادشاہ اور کونسل کے روبرو طلب کئے گئے اور خود جیمز نے ان کو خوب ڈانٹ بتائی سبھوں نے سر جھکا لیا لیکن کک نے اس وقت بھی یہی کہا کہ تعویق قانون کے منافی ہے۔ سب سے یہ کہا گیا کہ تم یہ بتاؤ آیا تم کسی مقدمہ کو جس کے متعلق بادشاہ یہ سمجھے کہ اس میں براہ راست اس کے اغراض وابستہ ہیں تو بادشاہ سے مشورہ کرنے کے لئے ملتوی نہیں کروگے۔ سبھوں نے اثبات میں جواب دیا لیکن کک تو یہی کہتا رہا کہ میں وہی کروں گا جو ایک عادل کو کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی وہ میر مجلسی سے علیحدہ کر دیا گیا۔

اس میں اور زائد وصولات کے مقدمہ میں بادشاہ کی تائید پر تاریخی نظائر تھے۔ اکثر بادشاہوں نے عادلوں سے مشورہ کیا تھا۔ دارالامرا نے تو کئی دفعہ مشورہ کیا تھا اور قانونی عہدہ داروں مثلاً خود کک نے بحیثیت بادشاہ کے نائبوں کے

بھی مشورہ کیا تھا۔ یہ عملدرآمد اس صدی کے بعد زمانۂ حال تک جاری رہا اور اب بھی اس کی گاہے ماہے مثالیں ملتی ہیں اور کئی ایک امریکانی ریاستیں اس قسم کے مشورے کو جائز قرار دیتی ہیں۔ لیکن چند امتیازات، بالخصوص سترھویں صدی کی تاریخ میں جس میں یہ سوال پے درپے سامنے آتا تھا، بہت اہم ہیں۔ پہلی چیز جو اس سوال کے جملہ پہلوؤں کی تہ میں موجود ہے وہ یہ ہے کہ عادل محض قانونی مشیر نہیں ہوتے بلکہ وہ ایسے مشیر ہوتے ہیں کہ مشورے کے ساتھ وہ قانون بناتے بھی ہیں، یعنے وہ صرف یہی نہیں کہتے کہ فلاں قانون کے کیا معنے ہیں بلکہ معنے پہنانے کے ساتھ ان کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ اپنی تاویل کو حقیقی اثباتی قانون کے معنے پہنا دیں۔ اس واقعے سے شاہان اسٹوئرٹ کی بدعنوانی واضح ہوتی ہے کیونکہ ان شرائط کی بنا پر مشورے کی دو صورتیں ہو جائیں گی۔ ایک تو عادلوں کا وہ مشورہ ہے جس کا مقصد واقعی شبہ کو رفع کرنا یا بالکل ایمانداری کے ساتھ وہ قیود معلوم کرنا ہے جن کے مطابق ان کے مشورے سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، دوسرے وہ مشورہ جس کا مقصد عاملہ کی رائے کو عادلوں سے اس مقدمہ میں جو ان کے سامنے فیصلے کے لئے آنے والا ہے اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اگر عاملہ کو یہ اختیار رہو کہ وہ آزاد عادلوں کو برخاستگی کی سزا دے سکے تو پھر خطرہ کی کوئی حد نہیں رہیگی۔ اور جب اس دور کے آخر میں سوائے خاص صورت کے عادل ناقابل برطرفی قرار دئے گئے تو یہ خطرہ رفع ہو گیا اور اس مملکت میں جہاں جملہ عہدہ دار بہ شمول حکام عدالت ایک مقررہ میعاد کے لئے منتخب کئے جاتے ہیں تو اس خطرہ کا کوئی وجود ہی باقی نہیں رہا۔ لیکن یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ جمہوری حکومت بھی بعض اوقات اپنی رائے کو عادلوں پر ٹھونسنا چاہتی ہے۔

یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہیئے کہ قانون عرفی کی عدالتیں اور ان عدالتوں میں کام کرنے والے قانون داں مقررہ اشکال اور نظائر کو جو اٹل سمجھتے تھے اور ان کی اندھی پیروی کرتے تھے تو اس سے یہاں اور بعد کی آزادیٔ دستور کی کشمکش میں بہت مدد ملی۔ ہم یہ دیکھ کر آئے ہیں کہ تیرھویں صدی میں مقررہ اشکال کا راج شروع ہو گیا تھا۔ انصاف کے معاملے میں مقررہ قواعد کا ہمیشہ دخل رہا تھا اور اس سے

جو نقائص پیدا ہوتے تھے ان کے ازالہ کے لئے اصول داد رسی کا ایک دوسرا نظام پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن نظائر کے رواج نے قانونِ عرفی کے سمجھنے والوں کو اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ قانونی اور غیر قانونی چیزیں صاف تمیز کر سکیں اور وہ اس بات کے معتقد ہو گئے تھے کہ غیر قانونی امر کو کبھی موقعہ نہ دینا چاہیے۔ چنانچہ یہ اصول بہت آسانی کے ساتھ قانون دستور کے ہر شعبے میں قائم ہو گیا۔ پہلے دو شاہانِ اسٹوئرٹ کی مخالف فریق کے ساتھ جو کشمکش تھی وہ اصل میں نظائر ہی کی کشمکش تھی جو دونوں طرف فراغ دلی کے ساتھ پیش کی جاتی تھیں، لیکن ان کے متعلق دونوں طرف جو مستدلانہ بحث و مباحثے ہوتے تھے اور عدالتی رائے قائم ہوتی تھی ان میں خاص فرق یہ تھا کہ بادشاہ کی طرف سے جو نظائر پیش کی جاتی تھیں ان کے تو محدود لفظی معنے لئے جاتے تھے تاکہ ان اختیارات کا استعمال جائز ہو جائے جو دراصل خیال میں نہیں آتے تھے۔ برخلاف اس کے مخالف فریق کی طرف سے جو نظائر پیش کی جاتی تھیں تو ان کے لفظی معنوں پر زور دینے کے بجائے ان اصول پر زور دیا جاتا تھا جو منطقی استدلال سے مستنبط ہوتے تھے۔ یوں تو دونوں فریقوں نے نظائر کو ایک نئی چیز بنا دیا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ بادشاہ اصل نظیر کے رسمی معنوں کے قریب قریب جاتا تھا اور مخالف فریق قطعیت کے ساتھ حقیقی منطقی انطباق پیش کرتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے بادشاہ کی تائید میں نظائر کا ایک معتدبہ مجموعہ تھا اور فریق مخالف کی تائید پر جو مجموعہ تھا وہ بہت ہی مختصر تھا۔ اس آخر الذکر کے متعلق اس بارہ میں کوئی بحث نہیں کی گئی بلکہ اس میں صرف انھیں نظائر سے بحث کی گئی ہے جو شاہی اختیارات کے مخصوص استعمال سے متعلق ہیں مثلاً (زر و محصولات یا عادلوں) کے ساتھ ناجائز برتاؤ۔ **مقدمہ معاش مذہبی**۔ کے متعلق عادلوں نے جو انکار کر دیا تو ان کی ملامت کے سلسلے میں بادشاہ نے انھیں ڈانٹا اور ساتھ ہی یہ اعلان کیا کہ مجھے دو قسم کے اختیار خصوصی حاصل ہیں۔ ایک "معمولی" جن کے متعلق قانونی عدالتوں میں بہت کچھ بحث ہو سکتی ہے اور دوسرے اختیار اور اقتدار اعلیٰ جس کے متعلق معمولی اختیار کی طرح نہ اعتراض ہو سکتا ہے نہ بحث۔ اس اعلان کے ذریعے بادشاہ نے یہ معلوم کرانا چاہا کہ اس مسئلے کی شاہی تاویل یہ ہے کہ بادشاہ وقت واحد میں قانون

کے تابع بھی ہے اور قانون سے برتر بھی۔ اس کے پہلے خود پادشاہ اور اس کے موئید چھ مرتبہ اس بات کا اعلان کر چکے تھے کہ پادشاہ اپنے اختیار خصوصی کو کیا سمجھتا ہے اور اس اختیار کو قانون سے کیا تعلق ہے۔ سب سے پہلے تو خود پادشاہ کی کتاب "شاہان مطلقہ کا حقیقی قانون" (True law of Free monorchics) ہے جو ۱۶۰۳ء میں شائع ہوئی پھر بیٹ کے مقدمہ میں ۱۶۰۶ء میں عدالتی رائے ظاہر کی گئی تیسرے کوویل کی کتاب "تاویل کنندہ" (Cowell's Interpreter) ۱۶۰۷ء جو قانون کی لغت ہے جس میں مطلق العنانیت کے اصول کو اس قدر غیر معمولی وضاحت کے ساتھ دکھلایا گیا ہے کہ پارلیمنٹ کے اعتراض کے مقابلے میں خود پادشاہ بھی اس کتاب کی بالکلیہ حمایت نہیں کر سکتا تھا چنانچہ یہ کتاب ترمیم کی غرض سے بازار سے واپس لے لی گئی۔ اور آخر میں پادشاہ کی تقریر، جو ۱۶۱۰ء میں پارلیمنٹ کے سامنے دی تھی۔

یہ جو کچھ دعوے کئے گئے ان سے ظاہر ہے کہ پادشاہ کا ایک معتد بہ فائدہ متصور تھا۔ قدیم زمانے کے مفکرین یہ کہنے پر مجبور رہتے تھے کہ اقتدار اعلیٰ ایک شخص میں ہوتا ہے۔ تاریخی طور پر اقتدار عوام یا اقتدار مقننہ کو بالعمل ظاہر کرنے کا کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا اور عوام کے اقتدار اعلیٰ کے متعلق ابھی تک ایسا نظریہ مدون نہیں ہوا تھا جو عملی جامہ پہنانے کے قابل ہو۔ بعض اوقات یہ چیز فلسفیانہ تحقیق اور تفکر میں ظاہر کی جاتی تھی۔ لیکن اس کے عملی اشکال کبھی معرض بحث میں نہیں آتے۔ بعض اوقات یہ قانونی مقالوں میں ظاہر کیا جاتا تھا لیکن اس کی شان محض تصوری ہوتی تھی اور یہ ایسا اصول تھا کہ اگر اس پر کوئی حکومت قائم کی جاتی تو وہ حکومت ہر جمہوریت سے یا اگر واقعی مثال مطلوب ہو تو روما کی شہنشاہیت سے مختلف ہوتی تھی۔ قانون روما یہ کہتا تھا کہ شہنشاہ کو اعلیٰ مقننانہ اختیار حاصل ہے کیونکہ جمہور نے یہ اختیار اس کے سپرد کیا ہے۔ لیکن یہ صورت اس مقتدر جمہور کی سی نہیں تھی جس کے لئے سترھویں صدی کوشاں تھی جن اصولوں پر پارلیمنٹ قائم تھی ان کی ماہیت اور مفہوم کو وضاحت کے ساتھ سمجھنا پارلیمنٹ کے لئے آسان نہ تھا بلکہ یہ کام تدریجی تجربوں کے ذریعے رفتہ رفتہ ہی ممکن ہے۔

جیمز اول کے آخری عہد میں پادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان نہایت سرعت

کے ساتھ کھلے مجادلے کی صورت پیدا ہو رہی تھی ۔ اور مخالف فریق سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ان اساسی اصول کو جو مابہ النزاع ہوتے تھے صاف سمجھنے لگا ہے ۔ جرمنی کی کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ریاستوں کے مابین جو جنگ سی سالہ پھوٹ پڑی اور بالخصوص پروٹسٹنٹ مذہب کے علمبردار فریڈرک والی بلاطینیہ جو جیمز کا داماد تھا مصیبت میں گھر گیا تو اس سے قوم اپنے ہم مذہبوں کی امداد کے لئے بے قرار ہوگئی اور بادشاہ کی اس حکمت عملی کی سختی سے مخالفت کی کہ وہ اسپین کے اتحاد سے یورپ میں امن قائم کرے ۔ جب ۱۶۲۰ء کی گرمیوں میں ہسپانوی فوجوں نے بلاطینیہ پر حملہ کر دیا حالانکہ جیمز ابھی صلح کی گفت و شنید کر رہا تھا تو اس سے بہت برافروختہ ہوا اور اس نے جنوری کے اواخر میں ایک پارلیمنٹ طلب کی کہ اگر جنگ آپڑے تو اس کے لئے روپیہ فراہم کرے ۔ جب پارلیمنٹ مجتمع ہوئی تو پادشاہ نے فوج کے لئے روپیہ کی ضرورت دکھلائی اور ۵ لاکھ پونڈ طلب کئے ۔ پارلیمنٹ نے منظور رہئی رقم کے معمول سے گزیر کر کے صرف اجلاس کے اختتام کے قریب بہ یک وقت امداد یا انقریباً ایک لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ منظور کئے اور اس کے بعد چند بدعنوانیوں پر غور کیا جن کی زور سے شکایت ہو رہی تھی ۔ اس میں پہلے پہل پادشاہ کی مخالفت کا کوئی مفہوم نہیں تھا نہ پارلیمنٹ کو پادشاہ کے علی الرغم کام کرنا مقصود تھا بلکہ وہ سمجھتی تھی کہ ہم ہر کام پادشاہ کی رضا سے ہی کرتے ہیں ۔

سب سے پہلے اجاروں کی بدعنوانی کو ہاتھ میں لیا گیا جس پر خود ملکۂ الیزبیتھ کے عہد میں حملے ہو چکے تھے ۔ اس زمانے کے اجارے کا یہ طرز تھا کہ شاہی پروانے کے ذریعے کسی چیز کی تجارت کا جو اکثر عام استعمال کی چیز ہوتی تھی تنہا حق دیا جاتا تھا اور جو شخص اس کی منظوری حاصل کرتا تھا وہ خریداروں سے زیادہ قیمت لے کر خوب منافع حاصل کرتا تھا اور اپنی آمدنی کا ایک حصہ شاہی خزانے میں داخل کرتا تھا ۔ جیمز نے ایک حد تک اجاروں کا سلسلہ وسیع کر دیا ۔ تاکہ اس کو بغیر پارلیمنٹ کی مدد کے روپیہ ملے ۔ اس زمانے میں ان اجاروں کی شکایت اس قدر ناقابل انکار ہوگئی تھی کہ جب پارلیمنٹ اس پر بحث کرنے لگی تو جیمز نے اس کو بند کرنے کی کوشش نہیں کی ۔ ۱۶۲۱ء کی پارلیمنٹ نے اجاروں کے خلاف کوئی

قانون پاس نہیں کیا لیکن جو تحقیقات کی گئی تو اس سے ایک بہت اہم دستوری نتیجہ برآمد ہو گیا یعنے عمل مواخذہ کا احیا ہو گیا اور یہ اس طریقے سے کہ اسے ہر مسلمہ غلط کاری کی پاداشں قرار دیا گیا، لیکن اس نوع سے کہ اگر بادشاہ بھی اس طرز عمل کی مخالفت کرنا چاہے تو اس کے پاس کوئی دلیل نہ تھی اس طریقے سے علانیہ بادشاہ پر زد کرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ زمانے وسطیٰ کا ایجاد کیا ہوا ہتھیار پھر پارلیمنٹ کے ہاتھ میں آگیا جو خود رایانہ حکومت کے مقابلے کے لئے بہت اچھا تھا۔

مواخذہ کا احیا ۔ پندرھویں صدی کے وسط سے مواخذے کسی نہ کسی وجہ سے بند ہو گئے تھے اور تقریباً دو سال تک پارلیمنٹ نے کبھی بادشاہ کی پوری طور سے مخالفت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی ۔ ان حالات میں جب کبھی کسی عہدہ دار کو سزا دینا منظور رہوا اس کے لئے "مخصوص قانون تعزیری" بہت مختصر اور آسان طریقہ سمجھا جاتا تھا اور مواخذہ متروک ہو گیا تھا ۔ (ریاستہائے متحدہ کے دستور کی رو سے "مخصوص قانون تعزیری" ممنوع ہے اور مواخذہ صرف عہدہ داروں تک محدود ہے اور اس میں براہ راست فیصلہ ہوتا ہے ۔ اس کو محض ایک سیاسی سماعت بنایا گیا ہے اور سزائیں بھی ایسی رکھی گئیں تھیں جیسے سیاسی سزائیں ہوتی ہیں ۔ لیکن ان میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اصلی مواخذہ پر صادق آئے ۔) اصل دارالامرا یعنے قدیم مجلس عظمیٰ ہر شخص اور ہر جرم کی سماعت کر سکتی تھی بشرطیکہ جیسے بادشاہ یہاں پیش کرنا مناسب سمجھتا ۔ ۱۶۲۱ء میں دارالامرا والے اس بات کو بھول چکے تھے کہ جہاں تک معمولی امور کا تعلق ہے قدیم مجلس عظمیٰ سے اس کا کیا رشتہ تھا اور جہاں تک اختیارات کا تعلق ہے قدیم مجالس سے اس کا کیا رابطہ تھا ۔ ظاہر ہے کہ دارالامرا کے اختیارات انھیں مجالس سے حاصل ہوئے تھے لیکن بہت سی چیزیں جو آج غائب ہو گئی ہیں یہی سترھویں صدی میں ان کا باہمی تعلق واضح کرتی تھیں ۔ دارالامرا کی حیثیت اب تک ایک عدالت فوجداری کی سی تھی اور یہ نہ صرف اپنے اراکین کے لئے بلکہ ہر اس شخص کے لئے جس کا مقدمہ یہاں دائر کیا جاتا عدالت کا کام دیتا تھا ۔ اور یہ بات مواخذہ کی تجدید کے سلسلے میں بہت اہم ہے ۔

جدید مواخذہ جو پہلی دفعہ ہوا تو باضابطہ نہیں ہوا ۔ عوام نے اجارہ دار

ونیپیسن کے روپیہ کا سراغ لگایا اور امرا کے سامنے اس کی بدعنوانیوں کی شہادت
پیش کی۔ لیکن دارالعوام کی طرف سے اس مقدمہ کا باضابطہ چالان نہیں ہوا۔ امرا نے
شہادت کی چھان بین کی اور موپیسن کو مجرم پایا اور اس کے لئے سخت سزا کا
فیصلہ کیا۔ اس کے ساتھی مچل کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا اور ایک عادل سر جان
بینٹ اور اسقف ڈاکٹر فیلڈ دونوں کو بھی ان کے ساتھ ساتھ سزا دی گئی۔ لیکن
اسی میقات میں لارڈ چانسلر بیکن کا جو مواخذہ ہوا تو اس میں ایک اور قدم آگے
بڑھایا گیا مگر اس میں شکل و صورت کی کوئی تجدید نہیں ہوئی گو یہ ضرور ہے کہ دربار
کے ایک بڑے عہدہ دار کو جو بادشاہ کا بہت ہی وفادار آلۂ کار تھا سزا دی
گئی مگر اس مقدمہ میں بھی بادشاہ پر کوئی براہ راست زد نہیں پڑتی تھی اور بادشاہ کے
پاس بھی صفائی میں پیش کرنے کے لئے کوئی مواد نہیں تھا جس سے وہ بیکن کو بچانے
کی کوشش کرتا۔ اس پر الزام یہ تھا کہ اس نے ان مقدمات میں جو اس کی عدالت
میں رجوع ہوئے تھے رشوت لی تھی اور ثبوت اس قدر بین تھا کہ سوائے
اقرار جرم کے اس کے پاس کوئی استغاثہ نہیں تھا خواہ وہ سیاسی مواخذہ ہو یا نہ ہو حقیقت
یہ ہے کہ اس میں کوئی ایسا دعوےٰ بھی نہیں کیا گیا تھا کہ یہ وزیر بادشاہ کے افعال
کا ذمہ دار ہے لیکن اس سے پوری طور پر پارلیمنٹ کا حق قائم ہو گیا کہ وہ بادشاہ
کے کسی وزیر پر بدمعاملگی کا الزام لگا سکتی ہے اور اس کو سخت سزا دے سکتی ہے
یہ حق امیر خزانہ مڈل سکس کے مواخذہ کی وجہ سے جو ۱۶۲۴ء میں اور موثق ہو گیا۔
اس پر بھی اسی قسم کا الزام تھا۔

اسی اجلاس میں ایک اور اہم دستوری امر ایسا طے ہو گیا گو اس کی نوعیت
منفی تھی لیکن وہ بالکل انھیں اصولوں کے مطابق پڑتا تھا جو آفرینش پارلیمنٹ کے
ساتھ خود بخود پیدا ہو گئے تھے۔ یعنے دارالعوام کو دارالامرا کے عدالتی اختیارات
میں جو قدیم مجلس عظمیٰ سے حاصل ہوئے تھے کوئی دخل نہیں ہوگا۔ دارالعوام نے فلائڈ
نامی ایک کیتھولک قانون داں کو مجرم قرار دے کر اس کی سزا کا فیصلہ کر دیا حالانکہ
اس شخص نے دارالعوام کے خلاف کوئی جرم نہیں کیا تھا بلکہ امیر بلاطینہ کے خلاف
ناشائستہ الفاظ استعمال کئے تھے۔ یہ بات دارالعوام کے اختیارات سے دور

جیسا پڑتی تھی۔ جب بادشاہ نے جواب طلب کیا تو دارالعوام اپنے فعل کی تائید میں نہ تو کوئی نظائر پیش کر سکا نہ امرا کی توجیہہ کے مقابلے میں کہ ان کے خاص حقوق پامال ہوتے ہیں اپنے کو حق بجانب ثابت کر سکا۔ دارالعوام نے اپنے قصور کا اعتراف تو نہیں کیا مگر مقدمہ دارالامرا کے تفویض کر دیا اور یہاں وکیل سرکار نے اس مقدمہ کو دائر کیا۔ اس سے پہلے دارالعوام کی کمیٹی نے خود مواخذہ کی تجدید میں یہ رپورٹ پیش کر دی تھی کہ سماعت اور فیصلے کے لئے اس مقدمہ کو دارالامرا کے سامنے مدجوع ہونا چاہئے۔ ان نتائج کا جن کی تاریخی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اس وقت مستنبط ہونا بہت اہم تھا کیونکہ بعد کو چل کر اس صدی میں اس دعوے پر کہ پارلیمنٹ یعنے پارلیمنٹ کی عدالت عالیہ ملک کی سب سے اعلیٰ عدالت ہے بہت زور دیا گیا اور یہ ایسے الفاظ ہیں کہ ان سے آسانی سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ دارالعوام نے اپنے متعلق کبھی اس دعوے کی کوشش نہیں کی تھی کہ اس کو عدالت کے انتہائی فرائض انجام دینے کا حق یعنے ایسے آخری فیصلے کا حق حاصل ہے جس پر ہر مقدمہ ختم ہو جائے نہ اس ایوان نے اپنے کو کوئی حقیقی عدالت بنایا تھا اس کی حیثیت ایک وکیل سرکار سے زیادہ نہیں تھی۔ جب اس مسئلے پر بحث ہوئی تو دارالعوام نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ ہمارے اختیارات صرف اس حد تک ہیں کہ ہم خود اپنے حقوق اور اختیارات کے متعلقہ مقدمات کا فیصلہ کر سکتے ہیں اور سزا دے سکتے ہیں۔

عوام کی عرضداشت - جب پارلیمنٹ نے جیمز کے روپے کی درخواست پر کوئی توجہ نہیں کی بلکہ بدعنوانیوں کی چھان بین میں مصروف ہو گئی تو بادشاہ نے اس کو مئی میں برخاست کر دیا اور نومبر میں اس کا اجلاس قرار دیا۔ اس دوران میں جیمز کی تمام تدبیریں جو اسپین کے اتحاد کی مدد سے یورپ میں امن قائم کرنے اور پلاطیہ کی حفاظت کے لئے کی گئی تھیں سب بیکار ثابت ہوئیں اس نے پارلیمنٹ سے انگریزی فوج کے لئے جو جرمنی میں کام کر رہی تھی نو لاکھ پونڈ کا مطالبہ کیا۔ اگرچہ وہاں صحیح معنوں میں جنگ جاری نہیں تھی دارالعوام نے بیدلیس پیش کر کے ایک امداد یعنے اسی ہزار پونڈ سے بھی کم رقم منظور کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بادشاہ کے پاس

شکایت کی کافی وجہ تھی مگر پارلیمنٹ اپنے ایسے ہتیار کو حوالہ نہیں کرنا چاہتی تھی جس سے شکایات کی تلافی پر زور دیا جا سکے۔ دارالعوام نے ایک عرضداشت تیار کی اور اس میں ان امور کو ایسے پیش کیا کہ امور تنقیح طلب واضح ہو جائیں۔ پاپائی مذہب کی اشاعت کے خطرے سے آگاہ کیا گیا اور یہ امید ظاہر کی کہ شاہزادۂ ویلز کی شادی ہسپانوی شاہزادی کے بجائے جو پادشاہ اپنے اتحاد کی تکمیل کے لئے چاہتا تھا کسی پروٹسٹنٹ شاہزادی سے ہونی چاہئے۔

یہ کہنا ضروری ہے کہ اس عرضداشت میں دارالعوام اپنی اس حد سے جواب تک اس کا دائرۂ عمل سمجھا جاتا تھا۔ کچھ باہر نکل گیا تھا۔ یہ بالکل سچ ہے کہ تقریباً اس زمانے تک خارجی معاملات کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کا تعلق بلا شرکت غیرے عاملہ سے ہے۔ جیمز نے اپنے اختیار خصوصی کے بچاؤ کی فوری کوشش کی عرضداشت کے پیش ہونے سے قبل ہی اس نے صدر دارالعوام کے نام یہ احکام جاری کئے کہ ایوان کو یہ معلوم کر دیا جائے کہ "ایوان کا کوئی رکن ہماری حکومت یا مملکت کے گہرے معاملات میں جس میں ہسپانوی شادی بھی داخل ہے دخل دینے کا مجاز نہیں ہے اور اس بات کا اعلان کر دیا جائے کہ پارلیمنٹ میں جو شخص بد روش اختیار کرے گا اور گستاخی کرے گا میں اس کو سزا دوں گا اور اس کا مجھے اختیار ہے"۔ دارالعوام نے ایک دوسری عرضداشت کے ذریعہ اپنا جواب پیش کیا جس میں انھوں نے پادشاہ سے یہ عرض کی کہ "آزادی بحث حدود اختیار اور قرار واقعی ملامت میں پارلیمنٹ کو جو قدیم زمانے سے اختیار حاصل ہے" اس کو حسب دستور تسلیم کریں۔ اور انھوں نے بتایا کہ یہ ان کے "قدیم اور مصدقہ حقوق ہیں اور بزرگوں کی دی ہوئی میراث ہیں"۔ اس کو پادشاہ نے نہیں مانا اور اپنے جواب میں یہ کہا کہ "تمہارے جو حقوق ہیں وہ ہمارے اور ہمارے آبا و اجداد کی مہربانی اور اجازت سے حاصل کئے ہوئے ہیں اور اکثر ایسے ہیں جو نظائر سے پیدا ہوئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ توریث نہیں بلکہ چشم پوشی کا نتیجہ ہیں"۔

تاریخی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ان میں سے اکثر امور کے متعلق پادشاہ حق بجانب تھا لیکن عوام اس وقت یہ سمجھ گئے تھے کہ اس مسئلے میں پادشاہ کے دعوے کو

بلا مخالفت چھوڑ دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ ان لوگوں نے ۱۸ ڈسمبر کو "احتجاج" مرتب کر کے اپنا جواب دیا۔ یہ کوئی عرضداشت نہیں تھی بلکہ ایک بے ضابطہ اعلان تھا کہ "پارلیمنٹ کی آزادیاں حقوق رائے دہی، اختیارات خصوصی اور حدود اختیار رعایائے انگلستان کے قدیم اور مصدقہ حقوق اور میراث ہیں"۔ جو معاملات بادشاہ سلطنت اور کلیسا سے متعلق ہیں ان پر بحث کرنے کے وہ مجاز ہیں اور اپنے بحث و مباحثے میں ان کو تقریر کی کامل آزادی حاصل ہے دوسرے روز بادشاہ نے پارلیمنٹ کا اجلاس ملتوی کر دیا اور چند روز کے بعد دار العوام کی کتاب روئداد منگوائی اور کونسل کے روبرو اس کا وہ ورق چاک کر دیا جس پر احتجاج درج کیا گیا تھا۔ ایوان کے تین رکن مجبس ٹاور بھیج دیئے گئے اور جان پم کو یہ حکم ہوا کہ وہ اپنے مکان میں نظر بند ہو جائے اور ۶ جنوری کو پارلیمنٹ برخاست کر دی گئی۔

یہ احتجاج خاص طور پر توجہ کے قابل ہے اور یہ اس کی محض عبارت کی وجہ سے نہیں، کیونکہ اس کی عبارت تو ۱۶۱۰ء کے "اعتذار" سے کچھ اونچی نہیں تھی بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بلا التباس شکل و صورت بادشاہ سے دو بدو مقابلہ ہوتا ہے اور گزشتہ حالات کے بہ نسبت اس وقت بادشاہ کے ساتھ کشمکش کا زیادہ واضح تصور ذہن میں آجاتا ہے کہ اس کے کیا معنے ہو سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہاں بادشاہ اور پارلیمنٹ کی باہمی کشمکش کا جو اس صدی میں شروع ہوی پہلا یعنے ابتدائی درجہ ختم ہو جاتا ہے جو جیمز کے عہد پر حاوی ہے اگرچہ اس وقت کوئی چیز ایسی ظہور پذیر نہیں ہوی جو جدید درجے کا آغاز کرے اس دوسرے درجے کا ظہور چارلس اول کی تخت نشینی کے کچھ دنوں بعد تک نہیں ہوا۔

جیمز کی آخری پارلیمنٹ۔ جیمز کی چوتھی اور آخری پارلیمنٹ فروری ۱۶۲۴ء میں منعقد ہوی۔ اس مختصر اجلاس میں بادشاہ اور پارلیمنٹ کے مابین پوری مطابقت تو نہیں ہوی لیکن اب تک جو صورت حال رہتی ہے اس سے کچھ بہتر تھی۔ ہسپانوی شادی کے متعلق جیمز کی تدبیر ناکام ہو چکی تھی اور اب وہ بہ نسبت پہلے کے یا تو لڑائی کے لئے آمادہ تھا یا پہلے سے زیادہ

لڑائی کا خوف کر رہا تھا۔ اس نے چھ امداد اور ۱/۱۵ مالیت کے محاصل طلب کئے لیکن پارلیمنٹ نے تین امدادیں اور ۳/۱۵ منظور کیا۔ یہ امداد اراضی اور جائداد کا بلا واسطہ محصول تھا جو ایک مقررہ شکل میں عائد کیا گیا تھا یعنی اراضی پر فی پونڈ چار شلنگ اور اشیا پر فی پونڈ دو شلنگ آٹھ پنس۔ اور اس کا شمار اس مقررہ پیمائش کے مطابق ہوتا تھا جو ملکہ میری کے عہد میں عمل میں آئی تھی۔ ایک امداد میں کوئی ستر ہزار پونڈ حاصل ہوئے۔ وقت واحد میں پانچ امدادوں کے منظور کرنے کے بظاہر یہ معنے تھے کہ تمام پیمائش شدہ زمین کی قیمت ضبط ہو رہی ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ کوئی بہت بھاری محصول نہیں تھا کیونکہ پیمائش بہت ہلکی ہوئی تھی اور وصولات ایک سال یا اس سے زیادہ کے دوران میں کی جاتی تھیں۔ ۱/۱۵ ایک محصول آمدنی تھا صرف خاص پر صرف ۱/۱۰ لیا جاتا تھا جس میں اکثر قصبات بھی شامل تھے لیکن مقامی حلقے سے جو رقم وصول کی جاتی تھی وہ وہی تھی جو چودھویں صدی کے وسط سے پہلے معین ہو چکی تھی اور پھر اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا۔ محصول ۱/۱۵ سے جو بہ یک وقت وصول کیا جاتا تھا کوئی بیس ہزار پونڈ وصول ہو جاتے تھے۔ اس پارلیمنٹ نے ارل مڈل سکس کا مواخذہ بھی کیا اور یہ قانون پاس کیا کہ جدید ایجادوں کے حق ایجاد کے سوا دوسرے اجارے "اس ملک کے قانون کے بالکل منافی ہیں،" اور یہ ملک کے قدیم اور اساسی قانون کے منافی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہیں۔ ماہ مئی کے آخر میں جیمز نے پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا اور آئندہ مارچ کی ۲۷ تاریخ کو اس کا انتقال ہو گیا۔

Bibliographical Note.—J. N. Figgis, *The Divine Right of Kings*, 1914. S. R. Gardiner, *The History of England. 1603-1640*, 10 vols., 1883–4. C. H. McIlwain, *The Political Writings of James I.* 1918. L. O. Pike, *The Constitutional History of the House of Lords*, 1894. W. H. Price, *English Patents of Monopoly*. 1906. G. W. Prothero, Introduction to *Select Statutes and Constitutional Documents*. 1913 R. G. Usher, *The Rise and Fall of the High Commission*, 1913.

باب ۱۲

پادشاہ بلا پارلیمنٹ

چارلس اول کا عہد کم از کم ۱۶۴۰ء تک اس کے باپ کے عہد کا قدرتی تتمہ ہے۔ لیکن جیمز کے مقابلے میں چارلس زیادہ ضدی اور کوتاہ نظر تھا اور پارلیمنٹ بحث طلب امور کو خوب سمجھے ہوئے تھی، چنانچہ ان اسباب کی بنا پر اس عہد میں بادشاہ اور پارلیمنٹ کے اختلافات اس قدر بڑھ گئے کہ گزشتہ عہد میں کبھی اتنے نہیں ہوئے تھے۔ چارلس کی تعلیم و تربیت اس طریقے سے ہوئی تھی کہ وہ پادشاہ کے مطلق اختیارات کے اصول کو دل سے مانتا تھا کہ وہ حقوق منجانب اللہ ہیں۔ اور چونکہ یہ اصول دربار اور کلیسا میں اپنی پوری شدت سے تسلیم کئے جاتے تھے۔ اور عدالتی فیصلوں سے ان کی تائید ہوتی تھی اس لئے چارلس کو سوائے واقعات کی منطق کے اپنی غلطیوں کا معترف کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس کے باپ کی شخصیت سے زیادہ چارلس کی شخصیت اس کے عہد کی تاریخ ڈھالنے میں مستقل اثر رکھتی ہے۔ ہنری سوم کے عہد کی طرح اس وقت پھر ایسی شخصیت پیدا ہوگئی جو دستور کی ترقی کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی اور پھر وہی ہوا کہ بادشاہ کی دماغی حالت کمزور تھی لیکن اپنی حیثیت کو بہت ارفع و اعلیٰ سمجھتا تھا۔ چارلس نہ صرف ضدی تھا بلکہ مزاج کا متلون بھی تھا۔ استدلال سے

اس کو قبول کرنا ممکن نہیں تھا۔ لیکن جذبات کے تلاطم سے اس کے رویہ پر ضرور اثر پڑتا تھا۔ اور جب حالات مخالف ہو جاتے تھے تو اپنی رفتار بدل دیتا تھا۔ جو اوصاف سلاطین شاہان ٹیوڈر میں بہت نمایاں تھے مثلاً حکومت کا سلیقہ اور عوام الناس کے جذبات کا فوری احساس، وہ اس میں بالکل مفقود تھے۔

تخت نشیں ہوتے ہی چارلس کو جنگ اسپین کا شوق چرایا۔ تین مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ اس نے اپنی پہلی پارلیمنٹ طلب کی اور اس کو توقع یہ تھی کہ اس کام کے لئے بڑی رقم منظور ہو جائے گی لیکن دارالعوام نے صرف دو امدادیں منظور کیں۔ ایوان کو بادشاہ کے منصوبوں سے اتنی دلچسپی نہیں تھی جتنی دو امور سے یعنی ایک پروٹسٹنٹ مذہب کو ان کیتھولک خطرات سے بچانا جن کا پھر ڈر لگا ہوا تھا، دوسرے یہ عزم کہ "ملک و مملکت کی بدعنوانیاں اور شکایات معلوم کرنا اور ان کی اصلاح کرنا چاہئے" اور یہ عزم ایک باضابطہ تحریک کی صورت میں لایا گیا۔ اس سے زیادہ کارروائی نہیں ہوتی تھی کہ چارلس نے بالکل بیتاب ہو کر دوسری اگست کو پارلیمنٹ برخاست کر دی منانہ اور رطلانہ کی بھی منظوری نہیں ہوئی۔ لیکن پارلیمنٹ کے بغیر بادشاہ کی گزر بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ آئندہ فروری کی چھٹی تاریخ دوسری پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا۔ اس پارلیمنٹ نے ایک سخت ایسا رویہ اختیار کیا جو پہلی پارلیمنٹ سے بھی شدید تھا اور بادشاہ کے منظور نظر وزیر ڈیوک آف بکنگھم کے مواخذہ کی کارروائی شروع کر دی، کیونکہ پارلیمنٹ سمجھتی تھی کہ یہی ڈیوک سخت ترین خرابیوں کا ذمہ دار ہے۔ لیکن چارلس اس کی کب اجازت دے سکتا تھا۔ اس نے عوام کو اپنے سامنے طلب کیا اور کہا کہ تمہارا کام یہ ہے کہ پہلے تم روپیہ منظور کر دو اور میں اس بات کی اجازت نہیں دوں گا کہ میرے مقرب تا زمین پر جو عالی مرتبہ ہیں الزام لگائے جائیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے جو کچھ کیا ہے وہ میرے حکم سے کیا ہے۔ اس پر ایوان ٹس سے مس نہیں ہوا اور اپنے منصوبوں میں فرق آنے نہیں دیا۔ بلکہ ایوان نے زور سے اپنا حق جتایا کہ جو شخص ذمہ دارانہ حیثیت رکھتا ہے اور بدعنوانیوں کا مرتکب ہوتا ہے اس کے خلاف کارروائی ہو سکتی ہے۔ ایوان نے بادشاہ سے کثیر رقم کا وعدہ تو کیا لیکن

شکایات کی تلافی ہونے تک منظوری ملتوی کرنے کا ارادہ کرلیا؛ دارالعوام کے منتظمین نے مہی کو دارالامرا میں بکنگھم کا مواخذہ پیش کیا۔ ان میں سے دو آدمی ایک سر جان ایلیٹ اور دوسرے سر ڈڈلے ڈگیس اس وجہ سے فوراً ٹاور میں ڈال دئے گئے کہ ان کی تقریریں قابل اعتراض تھیں اور عوام فوراً اس بات پر اڑ گئے کہ جب تک ہمارے اراکین رہا نہیں کئے جائینگے اس وقت تک ہم کوئی کام نہیں کریں گے۔ بادشاہ کو مجبوراً یہ بات ماننی پڑی۔ لیکن جب عوام نے یہ تحریک کی کہ جب تک باضابطہ منظوری نہ ہو اس وقت تک سنا یہ اور طلانہ وصول نہیں کئے جاسکتے۔ اور اور تاوقتیکہ بکنگھم برطرف نہ کیا جائے کوئی رقمی منظوری نہیں دی جائیں گی، تو اس نے ۱۵ جون کو پارلیمنٹ برخاست کردی۔

جدید بیداری کا اظہار۔ چارلس کی حکومت شروع ہونے کے بعد سے ان پندرہ مہینوں میں جو واقعات ہوئے ان سے یہ بات بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ پارلیمنٹ نے نہایت جسارت سے کام لے کر اپنے کو کہاں سے کہاں پہنچادیا تھا۔ اس نے مملکت میں دیدہ و دانستہ اختیارات کا وہ درجہ حاصل کرلیا تھا کہ اگرچہ عرصے سے اس کا سامان ہو رہا تھا لیکن یہ اب تک حاصل نہیں ہوا تھا۔ ٹیوڈر پارلیمنٹ کا کوئی ذکر نہیں، لنکاسٹری دور کی پارلیمنٹوں نے بھی جو نسبتاً کچھ طاقتور تھیں ایسا جذبہ ظاہر کیا تھا نہ جیمز کی پارلیمنٹوں نے۔ چارلس کی پارلیمنٹیں سمجھتی تھیں اور یقین کرتی تھیں کہ ہم بادشاہ کے ہم پلہ ہیں اور مستقبل کا تعین کرنے میں ہم بادشاہ کے برابر ہیں۔ یہ پارلیمنٹیں بادشاہ کے ساتھ برابر کی کشمکش کے لئے بالکل تیار تھیں اور سمجھتی تھیں کہ ان کے ہاتھ میں اچھے جان توڑ ہتھیار موجود ہیں۔ مثلاً پارلیمنٹ کے اختیارات خصوصی، مواخذہ اور بادشاہ کی مالی ضروریات اور ان ہتھیاروں سے وہ حملہ اور مدافعت دونوں صورتوں میں پورا کام لینے کے لئے آمادہ تھیں۔ اس تمام صدی میں جو کچھ ہوا وہ یہ نہیں کہ ادارات کی کوئی صورت بدل گئی بلکہ یہ واضح ہوگیا کہ ان کا کیا مقصد ہے اور یہ کیونکر کام میں لائے جاسکتے ہیں۔

قدیم ادارات کے مفہوم کی جدید واقفیت ان تقریروں سے خوب واضح ہوتی ہے۔ جو بکنگھم کے مواخذہ کے سلسلے میں دارالعوام کے مقرر کردہ منتظمین نے دارالامرا

کے سامنے کی تھیں۔ سر ڈڈلے ڈگیس نے جو الفاظ استعمال کئے تھے وہ پہلے ہی درج کئے گئے ہیں۔ "انگلستان کے قوانین نے یہ ہمیں سکھلایا ہے کہ بادشاہ قبیح اور ناجائز امور کا حکم نہیں دے سکتے۔ اور جو کچھ قبیح واقعات ظہور پذیر ہوں گے ان کے عاملوں کو ان کا جواب دینا پڑے گا۔" یہی چیز ہے جو "بادشاہ سے کوئی غلطی صادر نہیں ہوسکتی" کے فقرہ کا دستوری مفہوم ہے۔ ملزم کے خلاف آخری تقریر میں ایلیٹ نے اور زیادہ فصاحت سے کام لیا تھا۔ اس نے کہا "امرائے عظام! میں کہتا ہوں کہ اگر اعلیٰحضرت نے خود رضامندی کا اظہار کیا تھا یا اس کا حکم دیا تھا جس کا مجھے یقین نہیں تو اس سے ڈیوک صاحب مطمئن نہیں ہوسکتے تھے۔ نہ اس سے ان کے الزام میں تخفیف ہوسکتی ہے کیونکہ یہ ان کے عہدہ کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ الحاح والتجا کے ذریعے حضور کی مخالفت کریں اور آئندہ خطرات اور برے نتائج دکھلا کر جہاں پناہ کا حکم منسوخ کرائیں" ان گنے چنے الفاظ میں وزارتی ذمہ داری کے موجودہ اصول کو اس سے زیادہ فصاحت کے ساتھ نہیں بیان کیا جاسکتا۔ حالانکہ ان کا صحیح مفہوم اس وقت سمجھ میں نہیں آیا تھا، تاہم اصول یہ تھا کہ جب کوئی وزیر شاہی احکام خلاف قانون سمجھتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ ان احکام کی مخالفت کرے۔ اور جب بادشاہ خلاف قانون اپنی خواہش پوری کرنا چاہے تو اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے۔ چونکہ وزیر نے ایسا نہیں کیا ہے۔ اس لئے وہ اس کا ذمہ دار ہے اور اس سے جواب لینا چاہیئے۔

بادشاہ کی تائید پر بھی مخالف اصول کی ایک شکل موجود تھی جو اپنی ظاہری حالت میں نئی معلوم ہوتی تھی، گو یہ اصول اس نظریہ سے منطقی طور پر مستنبط ہوتا تھا جو مملکت میں بادشاہ کے رتبہ کے متعلق موجود تھا اس اصول کا صریح دعویٰ یہ تھا کہ وزرا کے افعال کا خود بادشاہ ذمہ دار ہے۔ بکنگھم کے متعلق چارلس نے دارالعوام کو جو پیغام بھیجا تو اس میں اس کے الفاظ یہ تھے کہ "اگرچہ چند امور کا خود بکنگھم نے جس کا اس پر الزام لگایا گیا ہے جواب دیا ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ بکنگھم نے جو کام کئے اس کا میں نے خود حکم دیا تھا۔ میں ایوان کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ میرے ملازمین پر حرف لائیں، چہ جائے کہ وہ ملازم جو میرے

بہت متقرب ہیں"۔ یہ مسئلہ جو بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان پیدا ہوا وہ اگرچہ
اب تک سمجھ میں نہیں آیا تھا لیکن دستور کے اس اساسی مسئلے کو ظاہر کرنے کا جو سترھویں
صدی طے کرنے والی تھی، یہ بھی ایک طریقہ تھا۔ چارلس کے اوائل عہد میں جو مسئلہ
چھڑا اس کا فیصلہ آخر عہد میں نہایت دردناک طور پر ہوا۔ کیونکہ جب بادشاہ اپنی
ذمہ داری پر اڑ گیا تو پھر مفاہمت ناممکن ہو گئی۔

یہ بات بادشاہ کے لئے بہت آسان تھی کہ جب کبھی وہ ناخوش ہوتا پارلیمنٹ
برخاست کر دیتا تھا۔ لیکن منظورہ محاصل کے بغیر حکومت کے مصارف پورے کرنا
آسان نہ تھا۔ جنگ تو جنگ، امن کے زمانے میں بھی یہ دقت سے خالی نہیں تھا۔
جنگ اسپین کے علاوہ چارلس فرانس کے ساتھ لڑنے کے لئے بھی مجبور تھا اور یہ
جنگ دوسرے سال ۱۶۲۶ء میں چھوٹ پڑی۔ اس کو نہ صرف اپنے باپ کے
ہی بلکہ نئے ہتھکنڈے بھی اختیار کرنے پڑے۔ منانہ اور طلانہ تو بغیر منظوری کے جاری رکھے گئے،
نذرانے اور جبری قرضے بھی طلب کئے گئے اور سرکاری مہردار کاغذ جاری کئے گئے۔ بھاری بھرکم
قرضے وصول کئے گئے اور استثنا تک فروخت کئے گئے ساحلی صوبوں کو حکم دیا گیا کہ بیڑے
کے لئے جہاز فراہم کریں۔ قرونِ وسطیٰ میں یہ طریقہ جاری تھا اور اس سے بحری طاقت
کی فراہمی اور تیاری ہوتی تھی۔ اب یہ کوشش کی گئی کہ یہ ذمہ داری اندرونی صوبوں پر
بھی عائد کی جائے۔ ان تمام طریقوں کو کام میں لا کر بھی کافی رقم جمع نہیں ہوئی اور
طرفہ یہ کہ ان سے سخت مخالفت پیدا ہو گئی۔ جبری قرضوں کو باضابطہ محصول بنانے
کا خیال تھا تاکہ اسی تشخیص کے مطابق لئے جائیں جو گزشتہ امداد کے لئے عمل میں
آئی تھی اور ارادہ تھا کہ یہ پانچ امدادوں کے برابر ہو لیکن وصول کچھ نہیں ہوا۔ عدالت
شاہی کے عادلوں کو اس کے جواز پر دستخط کرنے کے لئے بلایا گیا تو انھوں نے انکار کر دیا
اور میر مجلس کے برطرف ہونے کے باوجود بھی دوسرے عادل اپنے انکار پر اڑے رہے،
چنانچہ جبری ادائی ناممکن ہو گئی۔ جن شرفا نے ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا وہ قید میں
ڈال دئے گئے اور عام لوگوں پر سختی کی گئی کہ برّ اعظم جانے کے لئے فوج میں بھرتی ہوں۔
غیر تربیت یافتہ فوج پر قابو رکھنے اور رقم کی تکمیل کے لئے قانون جنگ جاری کرنے
کی ضرورت پیش آئی اور مقامی آبادیوں پر فوجی دستے مسلط کرنا پڑے۔ یہ قرینِ قیاس

ہے کہ یہ تدابیر اس غرض سے اختیار نہیں کی گئی تھیں کہ جو لوگ شاہی محاصل ادا کرنے سے ناک بھوں چڑھائیں ان کو سزا دی جائے۔ لیکن ان تدابیر سے یہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ شخصی حکومت سے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں چنانچہ ان سے ایک سنسنی پھیل گئی۔

پانچ مبارز پانچ مبارزوں کے یا ڈارنیل کے مقدمہ میں ایک اور دستوری سوال پیدا ہوا اور یہ بعض شرفا کے قید سے اس وقت پیدا ہوا جب انھوں نے جبری قرضہ کے سلسلہ میں اپنی معینہ رقم ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ پانچوں مبارز جن میں ڈارنیل بھی شامل تھا، گرفتار ہوئے اور عدالتِ شاہی کی عدالت میں شقہ احضار ملزمہ کا دعویٰ کیا گیا۔ داروغہ جیل نے اس شقہ کا جواب اس طرح دیا کہ یہ لوگ بادشاہ کے خاص حکم سے گرفتار ہوئے ہیں۔ ملزموں کے وکیل نے کہا کہ یہ جواب کافی نہیں ہے کہ اگرچہ ہم بادشاہ اور کونسل کے اختیار گرفتاری کو مانتے ہیں لیکن شقہ کے جواب میں علت گرفتاری کی صراحت ہونی چاہیئے۔ اپنی تائید میں انھوں نے منشور اعظم اور دیگر قوانین کا حوالہ دیا اور شاہی مجلس نے یہ حجت پیش کی کہ سلطنت کے اسباب ایسے ہوتے ہیں کہ اکثر ان کی بین توجیہ نامناسب ہوتی ہے، اور اپنی تائید پر انھوں نے نظائر اور عدالتی فیصلوں کا حوالہ دیا۔ پھر مجلس نے عدالتی فیصلہ صادر کیا، جس کے معنی عام طور پر یہ سمجھے گئے کہ یہ قیدیوں کو ضمانت پر چھوڑنے سے انکار اور بادشاہ کے فعل کی تائید تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخی اعتبار سے عدالتوں کا یہ فیصلہ بالکل صحیح تھا۔ یہ بالعموم تسلیم کیا جاتا تھا کہ صراحت علت کے بغیر خاص گرفتاری اور قید بادشاہ کے اختیارات میں شامل ہیں۔ اس عمل درآمد میں منشور اعظم نے کوئی تغیر نہیں کیا تھا اور اس سے پہلے کبھی اس حق پر باضابطہ اعتراض بھی نہیں ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ دوسری طرف چند نظائر پیش کیئے جاسکتے ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہی اختیار خصوصی اور قانون عرفی کے مابین بہت الجھن نظر آتی تھی۔ تاریخ دانوں کی نظر میں یہ ایک جدید دعویٰ تھا کہ ایک خاص چیز میں شاہی اختیارات خصوصی کو محدود کرنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن سچ پوچھو تو یہ چیز بالکل پچھلی ترقی کے مطابق تھی اور منطقی طور پر اس سے مستنبط ہوتی تھی۔ نظائر کے الفاظ بادشاہ کے رتبے کی تائید کرتے تھے۔ لیکن ان کے مفہوم سے کچھ اور ہی بات مترشح ہوتی تھی۔ اس وقت سلطنت کی کوئی

ایسی ضرورت نہ تھی جس کے لئے پادشاہ کو یہ سب کچھ کرنا پڑا تھا، بلکہ وہ اپنے غیر قانونی اور غیر دستوری افعال پر ضد کر رہا تھا۔ اگر قوم اس بات میں حق بجانب تھی کہ وہ محصول مالگزاری کے جملہ غیر قانونی ذرائع بادشاہ کے ہاتھ سے لے لے تو اس زور دار ہتھیار کا چھیننا ہی درست تھا کیونکہ مالگزاری کے اس ہتھیار سے ان کی مشیت کی مزاحمت ہو سکتی تھی۔ ممکن ہے کہ تاریخ بادشاہ کے ان مخالفین کا ساتھ نہ دے لیکن کم از کم ان کی منطق تو درست تھی۔

۱۶۲۸ء کی پارلیمنٹ ان تمام قوانین کے باوجود چارلس کو معلوم ہو گیا کہ وہ بیرونی جنگ کا بوجھ نہیں سہار سکتا چنانچہ وہ پھر دوسری پارلیمنٹ کے تجربہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اور یہ پارلیمنٹ ۱۶۲۸ء مارچ کے مہینے میں بلائی گئی۔ قوم کا مزاج اس قدر گرم ہو گیا تھا کہ انتخابات سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ دارالعوام کے ارکان چارلس کا ساتھ دیں گے پہلے کی طرح ایوان نے محصول منظور کرنے سے قبل یک لخت بدعنوانیوں کی اصلاح کا مطالبہ کیا اور بادشاہ کے ڈرانے دھمکانے کی کوئی پروا نہیں کی۔ یہ ایک غیر معمولی تبدیلی کا ثبوت ہے کہ پارلیمنٹ نے اس وقت وزرا کے خلاف نہیں بلکہ خود بادشاہ کے خلاف کارروائی کی اور کہا کہ بادشاہ نے دستور کی غلط تاویل کی ہے اور اس سے یہ ڈر ہے کہ کل کو مطلق العنان حکومت قائم ہو جائے گی۔ اس وقت بادشاہ اور قوم کے اختلافات ایک خاص صورت میں ڈھل گئے۔ قوم چار صریح امور کے متعلق بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ غیر قانونی محاصل، خود اختیاری حبس، سپاہیوں کا لوگوں کے گھروں پر جبراً رکھا جانا اور قانون جنگ کے ذریعے سزا دینا۔ اور انہیں چار امور کے متعلق عوام نے صراحت کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہا۔

یہ مسئلہ کہ اس وقت ان امور کو کس طرح طے کیا جائے کہ اس سے ضروری مقصد پورا ہو جائے بہت مشتبہ تھا اور اس کے لئے بہت کچھ بحث و مباحثہ کی ضرورت تھی موجودہ قانون کی معمولی توثیق سے جس کے لئے بادشاہ تیار تھا دارالعوام مطمئن نہیں تھا کیونکہ اس کو اپنے خیالات کے مطابق قانون کی تاویل کرنے کا کافی موقعہ حاصل تھا۔ وہ ایسی صراحت چاہتے تھے کہ خود ان کی تاویل عدالتوں پر واجب التعمیل ہو جائے پہلے تو انہوں نے مسودے کی صورت میں کارروائی کرنی چاہی تاکہ بادشاہ کے منظور کرنے

کے بعد ان کا نقطۂ خیال دوسرے قوانین کی طرح واجب التعمیل ہو جائے۔ لیکن بادشاہ کے متعلق صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ وہ ایسے مسودہ کے لئے کبھی راضی نہیں ہوگا۔ مزید بحث کے بعد یہ طے پایا کہ بادشاہ کی خدمت میں دونوں ایوانوں کی جانب سے "عرضداشت حقوق" پیش کی جائے۔

"عرضداشت حقوق" تیرھویں صدی سے "عرضداشت" انگلستان کے عدالتی نظام کی ایک مستقل خصوصیت بن گئی تھی۔ عرضداشت ایک یا کئی اشخاص کی جانب سے بالعموم بادشاہ کی خدمت میں پیش کی جاتی تھی یا بادشاہ باجلاس کونسل کے سامنے پیش کی جاتی تھی۔ یہی وہ طریقہ تھا جس کے مطابق عدالت نصفت میں کارروائی شروع کی جاتی تھی۔ دوسرے اغراض میں بھی یہ طریقہ استعمال ہوتا تھا۔ جس طرح "تنقیح حقوق" مدعی کے دعوے کے لئے انصاف کا ذریعہ تھا۔ اسی طرح سے "عرضداشت حقوق" عرضی گزاروں کے انصاف کا ذریعہ تھا" اور یہ خیال عام تھا کہ جو ضروری امر کی طرف بادشاہ کی توجہ مبذول کرانا چاہئے اور اس کا فوری انصاف ہونا چاہئے۔ جب کوئی خانگی شخص عرضداشت پیش کرتا تو اس کا بالعموم یہ جواب ہوتا تھا "انصاف کیا جائے" یا "فریق درخواست گزار کی حق رسائی کی جائے"۔ اس طریقۂ کارروائی میں پارلیمنٹ کا فائدہ یہ تھا کہ عرضداشت اور اس کی کارروائی عدالت کے ایک منفصلہ فیصلہ کی طرح باضابطہ شکل کی صورت میں آجائے گی اور آئندہ اس کا دوسرے عدالتوں پر بالکل وہی واجب التعمیل اثر ہوگا۔

عرضداشت میں عوام نے جو الفاظ استعمال کئے وہ ان الفاظ کی بہ نسبت جو پہلے تجویز کئے گئے تھے کسی قدر نرم تھے۔ جو الفاظ استعمال کئے گئے وہ یہ تھے۔ "ہم حضور والا کی خدمت میں نہایت عاجزانہ عرض پرداز ہیں کہ آئندہ کوئی شخص عام رضامندی اور پارلیمنٹ کے قانون کے بغیر کسی عطیہ، قرض، پیشکش محصول یا اس قسم کی کوئی اور وصولات کے لئے مجبور نہ کیا جائے"۔ اس سے انکار کرنے پر "کسی شخص کے ساتھ مزاحمت نہ کی جائے، باضابطہ قانونی کارروائی کے بغیر کوئی آزاد شخص قید نہ کیا جائے،" "اور بغیر اظہار علت اور الزام کے، جس کی قانون کے مطابق جوابدہی

ہو سکے،، بادشاہ کے حکم کی بنا پر حوالات میں نہ رکھا جائے۔ اگرچہ صراحت کے ساتھ اس کا دعوے نہیں کیا گیا، لیکن ایک فقرے کا مطلب یہ تھا کہ یہ آخری امر موجودہ قانون کی بنا پر پہلے سے موجود ہے۔ نیز اس کا بھی مطالبہ تھا کہ سپاہیوں کا مسلط کرنا اور قانون جنگ کے ذریعے سزا دینا مسدود کر دیا جائے۔ اسی عرضداشت کا بادشاہ نے دوسری جون ۱۶۲۸ء کو یہ جواب دیا "بادولت یہ چاہتے ہیں کہ ملک کے قانون اور رواج کے مطابق انصاف ہو۔ قوانین کی پوری تعمیل ہو تا کہ کسی رعایا کو کسی ظلم و زبردستی کی جو ان کے قطعی حقوق، اور آزادی کے خلاف واقع ہوں شکایت کا موقع نہ ملے اور ان کی حفاظت اپنے اختیار خصوصی کی طرح اپنا فرض سمجھتے ہیں۔" عوام کو یہ جواب کچھ مذبذب سا معلوم ہوا۔ اور یہ اس بات کی کوشش تھی کہ عوام کی جگہ خود بادشاہ قانون کی اپنی تاویل کر سکتا ہے اور در اصل بات یہی تھی۔ جہاں تک امرا کی درخواست تھی وہ ایک دوسرے جواب کے طالب تھے اور آخر کو بادشاہ نے ان الفاظ میں جیسا مطلوب ہے ویسا حق پہنچے رضامندی ظاہر کر دی۔ یہ الفاظ پارلیمنٹ نے تجویز کئے تھے جو خانگی مسودات کے متعلق اظہار رضامندی کے لئے استعمال ہوتے تھے۔

اس لحاظ سے عرضداشت حقوق گو ضبط تحریر میں آئی تھی لیکن یہ کوئی قانون موضوعہ نہیں تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر اس کے تاریخی سیاق و سباق کا لحاظ کیا جائے اور ظاہری بے ضابطگیاں نظر انداز کی جائیں تو فنی کیفیت اور تعمیلی اثر کے اعتبار سے اس کو عدالتی فیصلوں میں شامل کیا سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آئندہ زمانے میں اس کو بالکلیہ قانون نہیں سمجھا گیا اور اس صدی کے اختتام سے پہلے اس کے اہم ضابطوں کو دوبارہ وضع کرنا پڑا۔ دستوری وثیقہ کی حد تک رکھا جائے تو اس کی اہمیت غیر معمولی ہے اور اس حالت میں یہ کسی حقیقی ترقی کا حامل ہونے کے بجائے اس بات کی پیش بندی تھی کہ آئندہ بہت سی چیزیں وقوع میں آنے والی ہیں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تاریخ دستور انگلستان کے عظیم الشان وثایق کے سلسلے کی ایک کڑی ہے جن کی ابتدا منشور اعظم سے ہوتی ہے۔ بمفہوم مقصد اور طریقہ کے لحاظ سے عرضداشت حقوق بالکل منشور اعظم کے نقش قدم کی پیرو ہے۔ اس کا دعوے یہ ہے کہ جن امور کے متعلق یہ عرضداشت

بادشاہ کی منظوری چاہتی ہے وہ پہلے ہی سے ملک کے قانون میں موجود ہیں۔ اور اس کی بنیاد اس مفروضے پر قائم کی گئی تھی کہ بادشاہ ان اصولوں کی پابندی میں پس و پیش کرتا ہے لہذا اس کو باضابطہ پابند بنانا چاہیے تاکہ ۱۲۱۵ء کی طرح اس کے جانشین ہمیشہ اس کے پابند رہیں۔ لیکن یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ تاریخ دستوری میں عرضداشت حقوق کی وہی اہمیت ہے "جو ایک طرف منشور اعظم کی اور دوسری طرف یادداشت حقوق کی ہے۔ اس میں اس زمانے کی طرز کے بہت سے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور تمام دستوری دستاویزوں کے مقابلے میں اس میں بہت کم ترتیب اور انضباط پایا جاتا ہے۔ اس کی تاریخی اہمیت خاص طور پر اس بات میں مضمر ہے کہ اس نے اس صدی کی کشمکش میں ایک طرف یہ مثال قائم کر دی کہ دستور کی تاویل میں پارلیمنٹ بادشاہ پر خاطر خواہ دباؤ ڈال سکتی ہے اور دوسرے طرف بڑے موثر پیرایے میں قانون کی برتری ثابت کر دی۔

ایک طرح سے عرضداشت حقوق اس ترقی کی علامت ہے جو پہلے ہو چکی تھی۔ جب سے بادشاہ اور پارلیمنٹ کی باہمی کشمکش شروع ہوئی ہے یہ اس بات کی پہلی کوشش ہے کہ اختیار خصوصی اور قانون کے درمیان ایک خط فاصل کھینچا جائے اور جہاں تک وضاحت ہو سکتی ہے ایسے حدود قرار دئے جائیں کہ جہاں قانون سے بالاتر اختیار ختم ہو جائے اور قانون کا راج شروع ہو۔ اس کی تکمیل عام پیرایہ میں نہیں بلکہ خاص اور صریح امور میں مقصود تھی۔ اس طریقے سے بادشاہ کے اختیارات خصوصی کی جو تخفیف عمل میں آتی ہے اور ان اختیارات پر جو جدید قیود قائم ہوتے ہیں وہ گزشتہ دستوری ترقی کے جذبہ کے عین مطابق تھا۔

عرضداشت کی اس کشمکش میں جو اساسی امر زیر بحث تھا اس کے متعلق ایک خلاف توقع واقعے سے جو عرضداشت کی تیاری میں پیش آیا تھا پہلے سے زیادہ واضح تصور قائم ہو گیا۔ جو عرضداشت بادشاہ کے سامنے پیش کی گئی اس میں امرا نے اس ترمیم کی خواہش کی تھی کہ "کامل اقتدار اعلیٰ جو رعایا کی حفاظت سلامتی اور خوش حالی کے لئے حضور والا کے ساتھ وابستہ ہے مناسب غور کے بعد ویسا کا ویسا ہی چھوڑ دیا جائے۔" اس طریقے سے اختیارات منفذ یا اقتدار اعلیٰ کے اصول پر مباحثہ کسی قدر جدید تھا۔ غالباً پارلیمنٹ کچھ مبہم طور پر یہ سمجھتی تھی کہ یہ الفاظ گویا اس

بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اقتدار اعلیٰ یا اس سے جو نتائج مستنبط ہوتے ہیں بادشاہ کی ذات میں موجود ہیں دار العوام اس سے بہت خوف زدہ ہوگیا۔ اقتدار اعلیٰ کے متعلق بہت کچھ حیرت اور شبہہ ظاہر کر کے ایوان نے یہ ترمیم رد کر دی اور امرا نے استنبرا دمنظور کر لیا۔ تاہم یہ لوگ اس بحث میں اس معرکۃ الآرا مسئلہ کی سرحد تک پہنچ گئے تھے۔ جو پادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان زیر بحث تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس عرضداشت کو تحویل اقتدار اعلیٰ کا جو پادشاہ سے پارلیمنٹ میں ہوئی پہلا زینہ سمجھنا چاہیئے جن افعال کی اس عرضداشت میں شکایت کی گئی تھی وہ تمام اختیار خصوصی کے افعال تھے یعنے مافوق قانون یا اقتدار اعلیٰ کے افعال تھے۔ یہ اختیارات خصوصی پادشاہ اس زمانہ تک برابر استعمال کرتا رہا تھا اور اس کی کوئی خاطر خواہ مزاحمت نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت پارلیمنٹ اس امر پر زور دیے رہی تھی کہ ان افعال کو اختیار خصوصی کے دائرے سے نکال کر قانون کے دائرے میں منتقل کر دینا چاہیئے یعنے اس دائرے سے خارج کر کے جس میں پادشاہ مافوق قانون ہے۔ قانون کے دائرے میں داخل کر دینا چاہیئے جو بادشاہ سے بھی برتر ہے۔

عرضداشت حقوق کی ایک اور خصوصیت ہے جس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے اور یہ اس کی عملی خصوصیت ہے۔ اس عرضداشت کا تعلق صرف انھیں معاملات کی حد تک تھا جو بالکل سامنے تھے۔ اس میں کسی تصوری اثبات حق کی کوشش نہیں کی گئی، اس سے کوئی اساسی اصول نہیں قائم کئے گئے اور کوئی چیز نظری فلسفہ سے نہیں لی گئی؛ بلکہ چند خاص مسایل کو لے کر انھیں خاص طور پر طے کیا گیا۔ اس کا دائرۂ عمل اس قدر تنگ تھا کہ صرف چار عملی امور تک ہی محدود تھا۔ جو اس زمانے کے تجربے سے پیدا ہوئے تھے۔ اور اس لحاظ سے اپنے رنگ میں عرضداشت اینگلوسکسن دستوری وثائق کے سلسلے میں آجاتی ہے۔ جن کی بلا استثنا سب کی یہی خصوصیت ہے کہ یہ سب اپنی ماہیت میں غیر تصوری اور عملی ہیں۔ اگر کوئی صریح استثنا ہے تو وہ امریکہ کے "اعلان آزادی" کا مقدمہ ہے جس میں جان لاک کا وہ سیاسی فلسفہ ظاہر کیا گیا تھا جو سترھویں صدی کے اختتام کے قریب مقبول عام ہوگیا تھا۔ اور جو اصل میں زمانے کا قدیم تصور تھا جو قرون وسطیٰ میں سے چھنکر آیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مقدمے میں

وہ خیالات ظاہر نہیں کئے گئے جو امریکہ کے انقلاب کے باعث ہوئے تھے بلکہ یہ خیالات "اعلان" کے متن میں ظاہر کئے گئے جو ایک بالکل کھلا، واضح، منضبط، اور عملی وثیقہ ہے اور جس کی جگہ ٹھیک اسی سلسلے میں قائم ہو جاتی ہے جو سلسلہ کہ منشور اعظم سے شروع ہوتا ہے اور اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو عملی نقطۂ نظر سے اعتذار کی محتاج ہو۔ عرضداشت حقوق بھی اسی طرح بالکل عملی ہے۔ اگرچہ اس کی تشکیل کچھ بہت زیادہ قطعیت کے ساتھ نہیں ہوئی۔

انقلاب کی طرف پہلا قدم اگر چارلس کی تیسری پارلیمنٹ کو ہم انتقال اقتدار اعلیٰ کا پہلا قدم سمجھیں جو بادشاہ سے پارلیمنٹ کی طرف ہو رہا تھا تو یہی انقلاب کی طرف بھی پہلا قدم ہوگا۔ عرضداشت کو منظور کرنے کے شکریہ میں دارالعوام نے بادشاہ کے لئے پانچ امدادیں منظور کر دیں۔ لیکن ساتھ ہی منانہ اور رطلانہ کی غیر آئینی تحصیل کے خلاف احتجاج کیا۔ اس کو روکنے کے لئے بادشاہ نے اجلاس برخاست کر دیا۔ جب چھ مہینے کے بعد نیا اجلاس ہوا تو پھر یہی سوال اٹھایا گیا اور بادشاہ نے کچھ دنوں کے لئے اجلاس ملتوی کر کے اس کو روکنے کی کوشش کی۔ دوسری مرتبہ جب بادشاہ نے مداخلت کی تو عوام نے التواء سے انکار کر دیا اور جس وقت اسپیکر نے یہ کہا کہ مجھے بادشاہ کا حکم ہوا ہے کہ میں کرسی سے ہٹ جاؤں تو دو اراکین نے اس کو زبردستی بٹھائے رکھا؛ دروازہ بند کر دیا گیا تاکہ جو اراکین باہر جانا چاہیں وہ نہ جانے پائیں؛ اب اسپیکر کے بدلے ایک دوسرے رکن نے سر جان ایلیٹ کی تیار کی ہوئی تین تحریکیں رائے کے لئے پیش کیں اور اعلان کیا گیا کہ یہ تحریکیں منظور ہو گئیں۔ یہ چیزیں ایسی تھیں جو قانون اور عملدرآمد دونوں کی رو سے مصدقہ نہیں تھیں، بلکہ جوش اور اشتعال کی حالت میں عمل میں آئی تھیں۔ قرار دادیں بذات خود جائز تھیں۔ ایک قرار داد یہ تھی کہ مذہب میں ایسی تبدیلی نہیں ہونی چاہئے جس سے پاپائیت یا آرمینیت کو فائدہ پہنچے؛ دوسری قرار داد یہ تھی کہ بغیر منظوری کے منانہ اور رطلانہ وصول نہ کئے جائیں؛ اور تیسری قرار داد میں یہ اعلان تھا کہ جو لوگ خلاف قانون محاصل ادا کریں گے وہ ملک کے دشمن سمجھے جائیں گے۔ لیکن انقلاب کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی بات آئینی اور آسان طریقے سے طے نہ ہو تو تشدد سے کام لیا جائے۔ اب رہا

یہ بات کہ آیا یہ جبر پسندیدہ ہے اور آیا کثرت تعداد اس کے لئے تیار ہے اس سے انقلاب کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ انقلاب کے راستے میں پہلا قدم تھا۔ لیکن دوسرا قدم بہت عرصے کے بعد اٹھایا گیا، کیونکہ چارلس کو پارلیمنٹوں سے کافی تجربہ ہو چکا تھا اور اب اس نے یہ ٹھان لی تھی کہ پارلیمنٹ طلب ہی نہ کی جائے، چنانچہ پارلیمنٹ برخاست ہونے کے چند دنوں کے بعد ہی یہ ارادہ باضابطہ بذریعہ فرمان مشتہر کرا دیا گیا۔

فریق مخالف کے سرغنوں کو سزا دینے کے لئے چارلس نے پارلیمنٹ کے برخاست ہونے کا بھی انتظار نہیں کیا اور ایوان کے نو اراکین گرفتار اور قید کر لئے گئے۔ عدالت میں ان کے خلاف باضابطہ الزام لگائے گئے اور اس میں یہ احتیاط رکھی گئی کہ پارلیمنٹ کے اختیار خصوصی بحث میں نہ آنے پائے۔ لیکن منجملہ ان کے تین اراکین ایلیٹ۔ اسٹروڈ۔ اور ویلن ٹائن نے الزام کا جواب دینے سے انکار کر دیا کہ اس سے پارلیمنٹی حق پامال ہوتا ہے تینوں پر بھاری جرمانہ کیا گیا اور تینوں قید میں ڈال دیئے گئے چنانچہ اسٹروڈ اور ویلن ٹائن اس وقت کہیں رہا ہوئے جبکہ ۱۶۴۱ء کی مختصر العہد پارلیمنٹ کے لئے کچھ دن باقی رہ گئے تھے سر جان ایلیٹ تو ۱۶۳۲ء کو ٹاور ہی میں مر گیا۔

آمدنی کے پرانے محاصل کا از سر نو اجرا۔ تین پارلیمنٹوں میں سے کسی نے بھی بادشاہ کے لئے محاصل کی خاطر خواہ منظوری نہیں دی تھی۔ اس مسئلے کے ساتھ کہ آئندہ پارلیمنٹوں سے اجتناب کیا جائے دوسرا سوال یہ پیدا ہو رہا تھا کہ آیا سلطنت کے مصارف کے لئے غیر پارلیمنٹی مداخل کا کافی انتظام ہو سکتا ہے جیمز اول کی تخت نشینی کے بعد سے ایسے مداخل کی تحصیل کا کافی تجربہ ہو چکا تھا اور اب عرضداشت حقوق نے صاف الفاظ میں جبری قرضے اور پیشکشوں کے جیسے پر فتوح ذرائع ممنوع قرار دئے تھے۔ گو چارلس اور اس کے مشیر عرضداشت کے حقیقی مقتضا کی من وعن پابندی کرنے پر آمادہ نہیں تھے تاہم انھوں نے کچھ ہشیاری سے کام لے کر اجرائی محاصل کے ایسے طریقے اختیار کرنے کی کوشش کی کہ عرضداشت کے صریح الفاظ کی خلاف ورزی بھی نہ ہو اور روپیہ بھی وصول ہو جائے۔ اس وقت ان لوگوں نے حصول مالگزاری کے جو تجاویز اختیار کئے ان کو بہ حیثیت مجموعی دیکھا جائے تو یہ سب آمدنی کے قدیم اشکال تھے۔ یوں تو یہ متروک ہو چکے تھے لیکن بالکلیہ استعمال سے خارج نہیں ہوئے تھے اور قانون سے ممنوع نہیں

قرار پائے تھے، یا اگر اجاروں کی طرح ممنوع بھی ہو چکے تھے تو ایسی شکل میں ان کا پھر احیاء ہو سکتا تھا جس پر قانون کے صریح الفاظ صادق نہیں آتے تھے۔

ہنری سوم کے عہد میں جب مملکت کو جاگیری فوج کافی طور پر دستیاب نہیں ہوتی ہے تو جبری مبارزیت کا طریقہ قائم کیا گیا تھا جس سے ایسے لوگ جن کو زمین سے ۲۰ پونڈ سالانہ آمدنی حاصل ہوتی تھی اس بات پر مجبور کئے گئے کہ وہ قانون اسلحہ کے مطابق اپنے پاس اسلحہ وسامان حرب رکھیں اور اس طریقے سے ملک کی مدافعت کے لئے تیار رہیں لیکن جب جاگیریت میں اور بھی انحطاط ہو گیا اور بالخصوص باروت کی ایجاد سے ایک کایا پلٹ ہو گئی تو اس تدبیر کی فوجی اہمیت جاتی رہی مگر اب اس کو مالگذاری کا ازسرنو ذریعہ بنا دیا گیا۔ سامان حرب طلب کیا گیا اور استثنا کے لئے روپیہ لیا گیا اگرچہ اس طریقے سے جو رقم جمع ہوئی وہ خود کافی نہیں تھی، تاہم ایسے آڑے وقت میں جب کہ مالگزاری وصول کرنا نہایت دشوار تھا یہ بہت غنیمت ثابت ہوئی۔ اس وقت مبارزت کے لئے ضروری آمدنی چالیس پونڈ مقرر کی گئی تھی اس لئے قدر زر میں عظیم الشان انحطاط ہو گیا تھا لیکن یہ بھی تیرھویں صدی کے بیس پونڈ کے مقابلے میں بہت کم تھے۔

قرون وسطیٰ میں شاہی جنگلات کی بہت احتیاط سے حفاظت کی جاتی تھی اور جس وقت ساکنان جنگلات یا ہمسایہ مالکان اراضی ان علاقوں پر مداخلت کرتے تھے تو ان کو سخت سزا دی جاتی تھی۔ بعد کو چل کر ان جنگلات کے حدود بہت کچھ گھٹا دئے گئے تھے اور ان کے قطعات لوگوں کو عطا کر دئے گئے تھے، یا ایسا بھی ہوا کہ جب لوگ یہاں آکر بس گئے تو سکوت اختیار کیا گیا اس میں شبہ نہیں ہے کہ ملکیت کا قانونی ثبوت ہاتھ سے جاتا رہا تھا اور بالخصوص خانہ جنگی کے زمانے میں یہ بالکل غایب ہو گیا اور بادشاہ کے دعوے کے مقابلے میں طویل قبضہ کو کون مقدم سمجھتا۔ اب جنگلات کے پرانے حدود پھر قائم کر دئے گئے اور ان حدود کے اندر جو لوگ قابض تھے ان سے کہا گیا کہ وہ اپنے قبضے کے حق کا ثبوت دیں اور ان کے لئے بھاری جرمانوں کی سزا مقرر کر دی گئی، گو آخر میں ان جرمانوں کی شرح بہت گھٹا دی گئی۔ اگرچہ حصول زر کے یہ ہتھکنڈے چارلس سے پہلے بھی اختیار کئے جا چکے تھے، لیکن اس وقت تو یہ ایک صریح جابرانہ فعل معلوم ہوتا تھا اور اس کو ایسے کھلے بندوں استعمال کیا گیا کہ دستور کے سب قانونی قیود توڑ دئے گئے، چنانچہ جس قدر روپیہ وصول کیا گیا اس سے

کہیں زیادہ ملک منتقل ہو گیا۔ ۱۶۲۴ء کے قانون کے رو سے اجارے ممنوع قرار دیئے گئے تھے لیکن اس قانون میں بعض شکلیں یعنے شخصیات شرکتیں یا کسی فن تجارت، پیشہ، یا خفیہ عملیات کی صراحت کے ساتھ مستثنیٰ قرار دی گئی تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اشارہ مشہور تجارتی کمپنیوں کی طرف تھا لیکن الفاظ اس امر کی اجازت دیتے تھے کہ تجارت کرنیوالے تمام شخصیات کو پھر اجارے دیئے جا سکتے ہیں، اور اجاروں سے ان کو تمام ظلم و زبردستی کے موقعے حاصل تھے عرضداشت حقوق کے وجود میں آنے کے بعد لندن کے تاجروں نے منمانہ اور ظلمانہ کی تحصیل کی کچھ تھوڑی سی مخالفت کی تھی لیکن یہ مخالفت بہت جلد ختم ہو گئی، اور یہ محاصل کروڑ گیری جن کے ساتھ جدید کتاب شرح مجریہ ۱۶۳۵ء کے مطابق دوسرے اور محاصل بھی عائد کئے گئے تھے تجارت کی ترقی کے ساتھ ساتھ بڑھتے گئے۔ یہ مملکت کے آدھے محاصل کا تقریباً نصف سمجھنا چاہیئے۔

زر سفینہ کیلئے شقوں کا اجرا۔ جدید مالگزاری کا سب سے اہم انکشاف یہ تھا کہ زر سفینہ کو از سر نو جاری کیا گیا اور اس کی توسیع کی گئی۔ قرون وسطیٰ میں بالعموم تجارتی جہاز کو جنگی جہاز بنا لیا جاتا تھا اور حکومت کے لئے یہ ضروری تھا کہ ہمیشہ کے لئے ایک بڑا بیڑا رکھے۔ اس کے اخراجات کی بابجائی کے لئے حکومت بحری شہروں پر یہ ذمہ داری عائد کرتی تھی کہ وہ جنگ کے دوران میں جہازوں کی ایک تعداد بہم پہنچائیں اس زمانے میں اس عملدرآمد پر کہ ملک کی مدافعت کے لئے شہروں سے کام لیا جاتا ہے کوئی قانونی دستوری اعتراض نہیں تھا۔ باروت کے استعمال سے بری طریقہ جنگ کے مقابلے میں بحری طریقے میں بہت بڑا فرق پڑ گیا، چنانچہ ایک تجارتی جہاز کو جنگی جہاز میں بدلنا بے حد وقت طلب تھا۔ یہ عملدرامد اب بھی گاہے ماہے ہوتا تھا، چنانچہ ۱۶۲۶ء میں اسپین سے جو لڑائی ہوئی تو اس میں چارلس نے یہی طریقہ اختیار کیا تھا لیکن یہ مملکت کا کوئی بڑا ذریعہ آمدنی نہیں رہا تھا۔ اب یہ تحریک ہوئی کہ اس کو پھر آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ بنایا جائے۔ یہ صحیح ہے کہ اس وقت ایک بہت طاقتور بیڑا تیار کرنے کی ضرورت تھی اور یہ بیڑا بادشاہ خود اپنی غیر معین آمدنی سے نہیں تیار کر سکتا تھا۔ خارجی تعلقات ایسے تھے کہ انگلستان کو ایک سے زیادہ سمتوں سے خطرہ تھا؛ اور بالخصوص ولندیزی تجارت کی روز افزوں ترقی اور ولندیزی بیڑے کی طاقت اور حکمت عملی نے انگلستان کے تاجروں میں غیر معمولی انتشار پھیلا دیا تھا۔ اگرچہ اس وقت کوئی جنگ نہیں ہو رہی تھی لیکن ضرورت کی ایک وجہ ظاہر کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ زر سفینہ کا پہلا شقہ اکتوبر ۱۶۳۴ء میں جاری کیا گیا،

اور یہ روایتی عملدرآمد کے مطابق تھا چنانچہ اس سے کوئی زبردست شورش نہیں ہوئی ساحلی شہروں سے کہا گیا کہ جنگی جہاز بہم پہنچائیں اور یہ اتنے بڑے ہوں کہ لندن کے سوا اور کہیں نہیں پائے جائیں، یا ان کے عوض میں ایسی رقم دیں جس سے ان کی قیمت پوری ہو جائے۔ یہ مطالبہ اپنی قدیم مثال سے گر پڑ کر کے ایک کھلا محصول بن گیا۔ لندن نے یہ اعتراض کیا کہ ہم کو خاص طور پر مستثنا قرار دیا جائے لیکن یہ اعتراض بیکار ثابت ہوا اور دوسری جگہ یہ مطالبہ بغیر مزاحمت کے پورا کیا گیا۔

۱۶۳۵ء اگست کے دوسرے شقّے سے یہ تحویل مکمل ہو گئی اور یہ محصول تمام سلطنت پر پھیلایا گیا۔ استدلال یہ پیش کیا گیا چونکہ بحری قوت کا قیام سب کی سلامتی اور حفاظت کا ضامن ہے اس لئے سب کو اس مقصد کی تکمیل کرنی چاہیئے۔ شقّے ہر صوبے کے شیرف کے نام بھیجے گئے اور حکم دیا گیا کہ جنگی جہاز فراہم کریں یا اس کی جگہ روپیہ جمع کر کے ادا کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے شقّے کے بہ نسبت اس وسیع شقہ کی بہت زیادہ مخالفت ہوئی۔ مگر ان میں سے کوئی مخالفت ایسی نہیں تھی جس کے لئے حکومت کو انتہائی چارہ کار اختیار کرنا پڑا ہو۔ جب ایک مقدمہ شاہی عدالت میں آیا تو اس کے متعلق عدالتی فیصلہ یہ ہوا کہ "بہت سے امور جو قانونی اعتبار سے نہیں کئے جا سکتے وہ حکومت کے حکم سے کئے جا سکتے ہیں۔" یعنے دوسرے الفاظ میں یہ اقتدار اعلیٰ کا جائز استعمال ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بادشاہ کو اس کا حق حاصل ہے۔

اکتوبر ۱۶۳۶ء میں تیسرا شقہ جاری ہوا اور دوسرے شقہ کی طرح یہ بھی تمام سلطنت پر عائد کیا گیا اس سے ہر شخص کو یہ صاف معلوم ہو گیا کہ بادشاہ نے سالانہ محصول کا ایک طریقہ نکال لیا ہے۔ اور اگر یہ برابر ادا ہوتا رہے گا تو اس سے اس کی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں۔ اس محصول سے دو لاکھ پونڈ سے کچھ زیادہ وصول ہوئے اور یہ تقریباً تین امدادوں کے برابر تھا۔ یہ بات بھی ظاہر تھی کہ یہ اصول ایسا ہے کہ اس کو جہاں تک چاہیں پھیلایا جا سکتا ہے۔ اگر بادشاہ قومی ضرورت کے اس غیر آئینی بنا پر محصول لگا سکتا ہے اور اس کا تعین خود کر سکتا ہے تو ایسے خود اختیاری اجرائی محاصل کے حق کی کوئی انتہا نہیں۔ یہ مسئلہ روز بروز ظاہر ہو رہا تھا کہ آخری فیصلے کا حق کس کے ہاتھ میں ہے بادشاہ کے ہاتھ میں یا قوم کے ہاتھ میں جو اپنے نمایندوں کی وساطت سے اپنے خیالات ظاہر کرتی ہے۔ جان ہیمپڈن نے ۲۰ شلنگ محصول ادا کرنے سے انکار کر دیا جو اس پر عائد کیا گیا تھا اور اس طریقے سے اس مسئلے کو اور بھی زیادہ روشنی میں لانے کی عظیم الشان خدمت انجام دی کیونکہ جن عادلوں نے اس مقدمے میں بادشاہ کے مطابق فیصلہ کیا تو ان کے لئے سوائے اختیار خصوصی کے

کوئی ایسی بنیاد نہیں تھی جس سے وہ محصول عائد کرنے کی حق کی تائید کر سکتے۔ عدالت ایوان خزانہ یعنے عادلان قانون عرفی کے متفقہ اجلاس کے روبرو اس مقدمہ کی سماعت ہوئی۔ ان عادلوں میں سے سات شاہی حق کے موافق اور پانچ مخالف تھے چنانچہ کثرت رائے سے بادشاہ کے موافق فیصلہ ہوا۔ ایک رائے یہ تھی کہ "چاہے پارلیمنٹ کا کوئی قانون کیوں نہ ہو بادشاہ مفاد عامہ کی خاطر" اپنی سلطنت کی حفاظت اور سلامتی کے لئے رعایا سے روپیہ لے سکتا ہے۔ اختیار خصوصی کی مخالفت کرنے والا کوئی قانون بادشاہ کے ہاتھ نہیں باندہ سکتا اور ضرورت کے وقت بادشاہ ہر قانون سے گریز کر سکتا ہے"۔ عدالت مقدمات عامہ کے الفاظ یہ تھے کہ "پارلیمنٹ کا کوئی قانون بادشاہ کی ملوکیت سلب نہیں کر سکتا' اس لئے پارلیمنٹ کے وہ قوانین جو سلطنت کی حفاظت کی بابت بادشاہ کے اختیارات کے معافی ہیں باطل ہیں"۔ جب ان ماخذوں سے یہ استدلالات پیدا ہوئے تو اس زمانہ کے مفکرین کو لازمی طور پر ان اساسی اصولوں پر نظر غائر ڈالنی پڑی جو اس سے مستنبط ہوتے تھے لیکن اس وقت تو اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکا۔ اگلے تین برسوں میں سے ہر سال اس قسم کا ایک جدید محصول وصول کیا گیا۔

چارلس کا یہ منصوبہ کہ بغیر پارلیمنٹ کے کام چلے کامیاب ہو رہا تھا تحصیل محاصل کے مختلف ذریع جو چارلس استعمال کرتا تھا ایک ساتھ رکھکر دیکھے جائیں تو اس کو تقریباً اتنی آمدنی وصول ہو جاتی تھی جس سے زمانہ امن میں مملکت کی تمام ضروریات پوری ہو جاتی تھیں۔ اگر وہ فوج کے مصارف کو درگزر کرتا تو بحری طاقت کے علاوہ تھے تو ایسی صورت میں یہ ظاہر تھا کہ وہ بالآخر دستور کے قید و بند کو کامیابی سے توڑ سکتا تھا۔ اس لئے اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کیوں ایک فوج جمع کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ زمانے کے مذہبی مسائل کیونکر اس سیاسی کشمکش میں شامل ہو گئے۔

وینٹ ورتھ اور لاڈ۔ چارلس کو ایسے دو آدمی مل گئے جو اس کی شخصی حکومت کی اغراض کی تکمیل میں غیر معمولی مدد دیتے تھے سر ٹامس وینٹ ورتھ اس عہد کی ابتدائی پارلیمنٹوں میں فریق مخالف کا رہنما رہ چکا تھا' لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا یہ ظاہر ہو گیا کہ بادشاہ اور پارلیمنٹ کے مابین قانونی حق کے متعلق اس کا خیال دوسرے مخالف فریقوں کے خیالات سے جداگانہ ہے۔ وہ اس بات کا معتقد تھا کہ بادشاہ کو قانوناً اس سے کہیں زیادہ حقوق حاصل ہیں جو پارلیمنٹ دینا چاہتی ہے اور بالخصوص وہ پارلیمنٹ کے اس حق کا مخالف تھا کہ اس کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے گو وہ اصولاً "عرضداشت حقوق" کو تسلیم کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ بادشاہ کے طرفداروں میں شامل ہو گیا حالانکہ وہ مرتد سمجھا جاتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فعل اس کا بالکل خلوص نیت پر مبنی تھا لیکن وہ سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آخر میں چل کر وہ ارل اسٹرافورڈ بنایا گیا۔ لیکن ۱۶۳۲ء میں

وہ آئرستان کا نائب شاہ مقرر کیا گیا۔ یہاں اس کو اپنے خیالات آزادانہ پھیلانے کے لیے کافی مواقع حاصل تھے کہ شاہی حکومت کیسی ہونی چاہیئے اسی کے الفاظ میں حکومت "کامل" ہونی چاہیئے تھی یعنی ایسی بنیاد پر قائم ہو جس سے انفرادی منفعتیں درگزر کی جائیں تاکہ تمام قوم کے فائدے کے لیئے ایسی شاہی قوت قائم ہو جائے جو مملکت کی پوری طور سے قائم مقام ہو۔ اور اس کو یقین تھا کہ اس مقصد کی تکمیل ایک زبردست فوجی طاقت کے بغیر ممکن نہیں ہے چنانچہ فوج کی تیاری کا کام آئرستان میں اس نے اپنے ذمہ لے لیا تھا چونکہ اس کی قابلیت اس زمانے کے اکثر لوگوں سے زیادہ تھی اور اپنی حکومت میں اس کو کافی مواقع حاصل تھے۔ اس لئے لوگوں کو بادشاہ کے دوسرے ہواخواہوں سے زیادہ اسی شخص سے خوف پیدا ہو گیا تھا۔

ولیم لاڈ جس کو چارلس نے اسقف اعظم کینٹربری بنا دیا بڑی حد تک عوام کی مذہبی مخالفت کا ذمہ دار ہے جو اس وقت مشتعل ہو گئی۔ لاڈ اپنی تقاضائے طبیعت سے ہائی چرچ فریق کا رہنما اور کالوینیت کا مخالف تھا۔ اس کے دل میں ایک طرف مذہب کی خدمت دوسرے طرف بادشاہ کی خدمت کا احساس جاگزیں تھا اور اس احساس نے اس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ "جامعیت" کا خاتمہ کردے اور پوریٹنوں کو قومی کلیسا سے خارج کر دے۔ اس کوشش میں بادشاہ اس کا خاطر خواہ مؤید اور ہمدرد تھا اور کئی سال تک یہ کوشش برابر بار ور ہوتی رہی۔ اس سے پوریٹن بہت گھبرائے اور وہ نہ صرف اس وجہ سے کہ ان کا خاص پروٹسٹنٹ مسلک خطرے میں تھا بلکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ ہائی چرچ والوں کا منصوبہ دراصل کیتھولک مذہب کو عود کرنے کی تیاری تھی، اور جب انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ براعظم میں کیتھولک طاقتوں کو فوجی کامیابیاں، حاصل ہو رہی ہیں اور کیتھولک ملکہ ہنریٹا میریا کا اثر بڑھ رہا ہے تو ان لوگوں کو اپنے مستقبل کے متعلق سخت مایوسی ہونے لگی۔ مذہبی اور سیاسی آزادیاں دونوں فنا ہوتی نظر آتی تھیں۔ مملکت اور کلیسا دونوں کے متعلق جو ناامیدی چھا گئی اور نظروں کے سامنے بہت ہی مایوس کن منظر آگیا تو اس کا پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں خاندان نیو انگلینڈ کی طرف ہجرت کر گئے، اور ان کے ہجرت کرنے سے امریکہ کی شمالی نوآبادیوں کو فرانسیسیوں اور ولندیزیوں کی دست برد سے بچا لیا۔

یہ جغرافی آبادکاری جو پوریٹنوں کو حاصل ہوئی اس سے زیادہ اہم ان کے وہ دستوری خیالات تھے جن کو یہ لوگ اپنے ساتھ امریکہ لائے۔ ان خیالات سے انگلستان میں عنقریب ایک ایسا مستقبل برآمد ہونے والا تھا جس کا ان پوریٹن جہاجرین کو پہلے سے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ یہ ایسا مستقبل تھا جس میں یہ لوگ انقلاب کی دہکتی آگ میں کود کر پیش قدمی کے لیئے مجبور ہو گئے۔ لیکن یہ پیش قدمی

دیرپا ہونے والی نہ تھی اور اس کا مادر وطن پر کوئی مستقل اثر نہیں پڑا۔ البتہ دوسرے اور نئے انگلستان میں جوان لوگوں نے سمندر کے پار بنالیا پوریٹنوں کے خالص دستوری خیالات آہستہ اور معتدل رفتار ترقی سے بار ور ہوئے اور تمام دنیا کو اس کے ثمرے سے بہرہ اندوز کیا۔ اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ پوریٹنی آباد کار صرف نیو انگلینڈ میں ہی آباد نہیں ہوئے تھے اور پوریٹنی خیالات کا امریکہ کے مستقبل پر صرف نیو انگلینڈ کے ہی وساطت سے اثر نہیں پڑا۔ انگلستان میں سنہ ۱۶۲۹ء سے لے کر سنہ ۱۶۴۰ء تک تمام معاملات بادشاہ اور لاڈ کی خواہش کے مطابق چلتے معلوم ہوتے تھے۔ آج کی طرح اس وقت کوئی اخبار نہیں تھا جمہوری اظہار خیال کی کوئی کل مثلاً عام جلسے سیاسی تقریریں فرقہ بندی اب تک وجود میں نہیں آئی تھیں۔ قوم کی رائے عامہ کو خود سے باخبر کرنے اور اس کو وجود میں لانے اور ایک نقطہ پر جمع کرنے اور ظاہر کرنے کے لئے اب تک مملکت میں پارلیمنٹ ہی تنہا آلہ تھا۔ بادشاہ کی حکمت عملی کی وجہ سے مخالف فریق گیارہ سال کے لئے پارلیمنٹی موافع سے محروم ہوگیا تھا جہاں وہ اپنے کو ظاہر کرتا تھا اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ یہ بالکل بے دست وپا اور بے زبان ہوگیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کم از کم اس زمانے کے لئے مالی ضروریات پر جس کی وجہ سے بادشاہ پارلیمنٹ کا محتاج تھا اور جس کی تنہا وجہ سے پارلیمنٹ کا انعقاد ضروری ہوتا تھا اچھی طرح سے قابو کر لیا گیا ہے۔

میثاق اسکاچستان جس طرح اوپر ذکر کیا گیا چارلس اول اپنے خود رایانہ قوانین سے کچھ عرصے کے لئے اپنے کو پارلیمنٹ سے آزاد کرنے میں کامیاب ہوگیا لیکن کوئی حکومت اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ وہ برسوں تک بغیر مالی مشکلات کے اپنا کام چلا سکے گی۔ چنانچہ قدرتی حرص و آز کے پنجے میں چارلس کی حکومت کا بھی آخری دن آگیا۔ لاڈ نے کلیسائے انگلستان کو ہائی چرچ فریق کے اعیانی نصب العین کے مطابق ڈھالنے کی جو کوششیں کی تھیں ان کی اس قدر شاندار اور کھلی کامیابی تھی کہ معلوم ہونے لگا کہ بادشاہ کی مسلسل تائید کے ساتھ یہی چیز اسکاچستان میں قائم کی جاسکتی ہے۔ اگر اسکاچستان میں پرسبٹری طاقت کا سر توڑا جاسکتا اور اس کی جگہ ایک مطیع و منقاد کلیسا قائم کیا جاسکتا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ بادشاہ کے اختیارات شاہی اس طرح مضبوطی سے قائم ہو جاتے جس طرح وہ چاہتا تھا۔ مگر اہل اسکاچستان اپنی قومی عبادت کے سخت شیدائی ثابت ہوئے۔ انھوں نے اپنا مشہور میثاق اسکاچستان مرتب کیا اور بزور شمشیر مخالفت پر اڑ گئے چنانچہ چارلس ایک فوج جمع کرنے اور اس کے قائم رکھنے پر مجبور ہو گیا اور یہ ایسا بار تھا کہ چارلس کا موقتی مالیہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے لئے کئی تدابیر اختیار کی گئیں۔ پہلے لندن سے بعد کو تمام ملک سے امداد طلب کی گئی اور قرضے مانگے گئے۔ اس طریقہ کار میں "عرضداشت حقوق" کی خلاف ورزی ہونا ضروری تھا۔ ایک اور قدیم محصول

زندہ کیا گیا کہ صوبوں پر فوج کی "وردی اور معاش" کی بہم رسانی لازم ہے "ہر تدبیر کی مخالفت ہوئی اور کوئی تدبیر بارور نہیں ہوئی ۔ اب اگر اہل اسکاچستان کے حملے کو روکنا تھا تو پارلیمنٹ ناگزیر ہو گئی تھی ۔ اس وقت ویںٹ ورتھ آئرستان سے واپس آ گیا تھا اور اس کو عنقریب ایرل اسٹرافرڈ کا خطاب دیا جانے والا تھا۔ اس نے پارلیمنٹ کو طلب کرنے پر زور دیا اور اس کا خیال یہ تھا کہ خواہ پارلیمنٹ بزمانہ جنگ امداد منظور کرے یا انکار کرے ۔ دونوں صورتوں میں حکومت کا آزادانہ فعل بالکل حق بجانب ہو جائے گا اور بادشاہ کی حیثیت قوی ہو جائے گی ۔ الغرض پارلیمنٹ بلائی گئی اور ۱۳ اپریل سنہ ۱۶۴۰ء کو اس کا اجلاس ہوا اگرچہ انتخابات کے وقت یہ افواہیں گشت لگا رہی تھیں کہ پارلیمنٹ کے ساتھ بادشاہ کے کیا ارادے ہیں ، لیکن بادشاہ کے منصوبوں کا کوئی صریح علم نہیں تھا اور نہ یہ معلوم تھا کہ مخالفانہ رائے کس قدر طاقتور اور کہاں تک پھیلی ہوئی ہے ۔ اجلاس پارلیمنٹ سے پہلے رائے عامہ معلوم کرنے کا ابھی تک کوئی طریقہ پیدا نہیں ہوا تھا ۔

دارالعوام کا اجلاس ہوتے ہی یہ معلوم ہوا کہ نہ صرف فریق مخالف کی بڑی کثرت ہے بلکہ گیارہ سال کی تمام تبدیلیوں کے باوجود اس کی رہنمائی ایسے لائق پختہ کار اور دور رس لوگوں کے ہاتھ میں ہے جیسے اس کے پہلے تھی ۔ پم اور ہیمپڈن تو پیش پیش تھے لیکن دوسرے بھی کچھ ان سے کم نہیں تھے ۔ بادشاہ اور اس کے ہمدردوں نے یک لخت اس بات پر زور دیا کہ روپیہ کی فوری منظوری دی جائے ۔ امرا نے بھی رائے دی کہ شکایات سے پہلے روپیہ منظور ہونا چاہئے ۔ عوام نے اس کی مخالفت کی اور کہا اس طرز کار سے دارالامرا قومی مسودوں کے متعلق جو ہمارے حقوق ہیں وہ پامال کر رہا ہے ۔ بادشاہ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اگر بارہ امدادیں منظور کی جائیں تو ان کے عوض زر سفینہ چھوڑ دیا جائے گا لیکن ایوان ٹس سے مس ہونے والا نہیں تھا ۔ وہ یہ بات خوب سمجھ گئے تھے کہ اگر بادشاہ کے غیر آئینی طریقوں کا خاتمہ کرنے سے پہلے خاطر خواہ امداد منظور کی جائے گی تو اس سے ایک صریح نقصان ہوگا جب چارلس کو یقین ہو گیا کہ اس طریقے سے یہ لوگ راستہ پر نہیں آتے تو اس نے پارلیمنٹ برخاست کر دی جس کو نشست کئے ہوئے صرف تین مہینے ہوئے تھے اور کوئی کام نہیں ہوا تھا ۔

تاہم حکومت کی اس مخالفت سے عظیم الشان فائدے ہوئے ۔ مخالف فریق کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ بادشاہ کے مقابلے میں کس قدر طاقتور ہے اور ملک کے عام جذبات سے اس کو کس قدر قوی تائید حاصل ہوتی ہے ۔ اور اہل اسکاچستان پر یہ بات آشکار ہو گئی تھی کہ جس قوم سے وہ برسر پیکار ہونے والے ہیں وہ متحد نہیں ہے ۔ دارالعوام کے اراکین جب گھر واپس ہوئے تو اس نئے عزم کے ساتھ کہ خودرایانہ حکومت

کی مخالفت کریں گے اور اس جرات اور اعتماد کے ساتھ کہ ہم اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کے قابل ہیں۔ اس نام نہاد "مختصر" پارلیمنٹ نے کوئی پارلیمنٹی کام تو نہیں کیا لیکن بادشاہ کی کامیابی کے تمام راستے مسدود کر دیئے اور دستور کا غلبہ لازمی ہو گیا۔

پارلیمنٹ کے برخاست ہونے کے بعد بادشاہ اور اسٹرافیرڈ نے اپنی خاص صورت حال کی مالی اور فوجی مشکلات کو حل کرنے کی انتہائی کوششیں کیں۔ دارالعوام کے چند اراکین اس طرح سے قید کئے گئے کہ اس سے دارالعوام کے حقوق خصوصی پر زد نہ پڑے۔ شیرفوں کو فوری تاکید کی گئی کہ "زر بیسہ" اور "زر رودی ومعاشی" وصول کریں اور محاصل جاری کریں۔ لندن کے امیر بلدہ اور الڈرمین کو تاکید کی گئی کہ قرضے وصول کریں۔ کلیسائی مجلس نے بادشاہ کی اسکاچستانی حکمت عملی سے ہمدردی کا اظہار کیا اور عام پیشکش وصول کرنے کی کوشش کی۔ لنڈریوں کے خلاف جو مدد کی گئی تو اس کے بدلے اسپین سے قرض لینے کی دو مرتبہ کوشش کی گئی۔

ایک دفعہ یہ تحریک ہوئی کہ سکہ کی تلبیس کی جائے دوسری دفعہ یہ منصوبہ باندھا گیا کہ ہسپانوی طسلا جو بغرض تسکیک ٹاور میں محفوظ رکھا گیا ہے اس کو ضبط کر لیا جائے۔ لیکن یہ سب طریقے بے سود ہوئے۔ ان تمام ذرائع سے فرادہ فرادہ ایک مختصر رقم خزانہ میں جمع ہوئی۔ برخلاف اس کے مصارف روز بروز ترقی کر رہے تھے۔ اس اثنا میں جو فوج بھرتی کی گئی تھی اس کا بھی ایک بڑا مسئلہ درپیش ہو گیا تھا۔ یہ فوج بالکل بے قاعدہ تھی۔ نہ ان کے پاس سامان درست تھا نہ ان کو تنخواہیں ملتی تھیں۔ کسی نہ کسی طرح اسکو فوج کے مشابہ بنانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ اس کو لوگوں کے گھروں پر جبراً مہمان رکھا جائے اور قانون جنگ کا سختی سے نفاذ کیا جائے اور یہ دونوں باتیں عرضداشت حقوق کے منافی تھیں۔ اگست میں اسکاچستانی فوج نے سرحد عبور کر لیا لیکن اس کی کوئی مزاحمت نہیں ہوئی اور یہ نارتھمبرلینڈ اور ڈرہم کے صوبوں پر مسلط ہو گئی۔ انھوں نے اعلان کیا کہ ہم انگریز قوم پر حملہ کرنے کے لئے نہیں آئے ہیں، جو رسد ہم صرف میں لائیں گے ان کی قیمت ادا کر دیں گے اور لوٹ مار سے اجتناب کریں گے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ انگریز ان کے ہمدرد ہیں۔ ان وعدوں کی انھوں نے برابر پابندی کی۔

بارہ امرا کی عرضداشت ۔ اگست کے اواخر میں بارہ امرا نے متفقہ طور پر بادشاہ کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی جس کی عبارت یہ تھی "کلیسا اور مملکت نیز حضور کی ذات عظیم الشان خطرات و آفات میں گھری ہوئی ہے" اور التماس کیا کہ "اعلیحضرت براہ خسروانہ اپنی سہولت کے لحاظ سے عنقریب ایک پارلیمنٹ طلب فرمائیں"۔ بحتی الامکان اس سے بچنے کے لئے یا مہلت حاصل کرنے کے لئے چارلس نے ایک بہت ہی قدیم مثال کا سہارا ڈھونڈا۔ یہ بات ابھی از یاد رفتہ نہیں ہوئی تھی کہ مجلس عظمی کسی زمانے میں

پارلیمنٹ کے بعض فرائض انجام دیتی تھی اور پارلیمنٹ کے وجود میں آنے کے بعد بھی ایک زمانے تک اس کے اجلاس ہوتے رہے تھے۔ چنانچہ پچھلی مثال کے تتبع میں شقے جاری کئے گئے کہ ۲۴ ستمبر کو یارک میں امرا کا جلسہ ہوگا۔ مجلس عظمٰی نے اسکاچ باشندوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس میں یہ طے پایا کہ اہل اسکاچستان صلح ہونے تک شمالی صوبے اپنے ہی قبضے میں رکھیں اور ان کے اخراجات کی پابجائی میں پچیس ہزار پونڈ ماہوار دیئے جائیں گے۔ اس کے علاوہ اس مجلس نے صرف اس قدر کام کیا کہ بادشاہ کی شدید ضروریات کے لئے امرا کی ضمانت پر قرض کا انتظام کیا۔ پہلے سے معاملات بد سے بدتر ہو رہے تھے اور اس قدر سرعت کے ساتھ ہو رہے تھے کہ پارلیمنٹ سے مزید کنارہ کشی ممکن نہیں تھی، چنانچہ پارلیمنٹ بلائی گئی اور ۳ نومبر کو اس کا اجلاس شروع ہوا۔

BIBLIOGRAPHICAL NOTE.— A. V. Dicey, *The Law of the Constitution*, 1915. S. R. Gardiner, *The History of England, 1603–1640*, 10 vols., 1883–4. E. Jenks, *The Story of the Habeas Corpus*, Law Quart. Rev., xviii 64, 1902. C. H. McIlwain, *The High Court of Parliament*, 1910. W. Notestein, *The Staurt Period*, Repts. Am. Hist. Association, 1916, I. 391. F. H. Relf, *The Petition of Right*, 1917.

باب ۱۳

پارلیمنٹ کی فتح

"طویل العہد پارلیمنٹ" جس کے انتخاب میں پادشاہ کے مخالفوں نے ایسی کوشش کی تھی کہ زمانہ حال کے انتخاب کی شان پائی جاتی تھی اپنے پورے عزم کے ساتھ آئی تھی ۔ دارالعوام کے سب ارکین تقریباً متفق الرائے تھے ۔ پہلے پہل ایسے ارکین جو اکثریت کے حملوں سے پادشاہ کو بچانا چاہتے تھے بہت کم تھے ۔ ارکین کی اکثریت اپنے طور پر بحران کی نوعیت سے اور اس بات سے واقف تھی کہ شاہی اور پارلیمنٹی حکومت کے درمیان کونسی چیز تصفیہ طلب ہے اور اس لحاظ سے تاریخ انگلستان کے کسی بحران میں ایسی جماعت کی مثال نہیں ملتی ۔ یہ چارلس کی حکومت کا جو اس وقت تک ہو چکی تھی عین نتیجہ تھا ۔ اگر یہ لوگ اپنے غور و فکر اور بحث و استدلال میں جس سے وہ اپنے دعوے کو حق بجانب ثابت کرتے تھے ۔ ان انتہائی اصولوں تک نہیں پہونچے تھے تو کم از کم یہ عظیم الشان ترقی کے دروازے پر ضرور پہنچ گئے تھے ۔ اگر یہ لوگ نظری اعتبار سے قومی اقتدار اعلےٰ کے کسی نظریہ تک نہیں پہنچے تھے تو اس میں شبہ نہیں کہ اس صدی کے اختتام سے پہلے اس اصول کو ان نمایندوں کے ذریعے سے جو عوام کے سامنے جوابدہ تھے عملی جامہ ضرور پہنایا گیا اور اس نوع سے یہ تاریخ کی بالکل جدید ترقی تھی چونکہ اور قوموں نے بھی ان نتائج کی خوشہ چینی کی ہے ان معنوں میں یہ ترقی اس طالب علم کے لئے جو امریکا کی دستوری تصورات کا مطالعہ کرنا چاہتا ہو خاص طور پر دلچسپی رکھتی ہے کیونکہ یہی ابتدا ہے جہاں سے یہ تصورات سرزمین امریکہ میں نشو نما پانے گئے ۔ عوام کو بھی یہ

توقع تھی کہ ہم پادشاہ کے خلاف بلا توقف انتہائی کارروائی کر سکتے ہیں کیونکہ اسکاچستانی فوج جس کے متعلق یہ معلوم تھا کہ یہ عوام کی ہمدرد ہے، شمالی انگلستان میں اپنا پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی اور اطلاع پاتے ہی ایک لمحہ میں لنڈن پر دھاوا بولنے کے لئے تیار تھی۔

اسٹریفرڈ کا مواخذہ ۔ دارالعوام کا پہلا کام اسٹریفرڈ کا مواخذہ تھا۔ یہ شخص پادشاہ کی فوری طلب پر بادل ناخواستہ شمال سے لنڈن آیا تھا اور پادشاہ نے اس کو یقین دلایا تھا کہ "اس کی ذات، ناموس اور ترقی کو کوئی دھکا نہیں لگے گا"۔ تیسری نومبر کو پارلیمنٹ کا افتتاح ہوا۔ گیارھویں کو اسٹریفرڈ گرفتار کیا گیا اور زیر حراست رکھا گیا لیکن پادشاہ نے مواخذہ روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس میں شک نہیں کہ اس شخص کے خلاف کچھ ذاتی بغض وعناد بھی تھا کیونکہ پادشاہ کے مخالف اس کو مرتد سمجھتے تھے کہ یہ ان کے حلقے سے نکل گیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ لوگ اس کی قابلیت سے بھی ڈرتے تھے اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ یہ لوگ اس شخص کے توسط سے خود پادشاہ پر وار کرنا چاہتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ اس طریقے سے دو اقتداروں کے اساسی تضاد کا مسئلہ روشنی میں آگیا۔ الزام غداری کا تھا لیکن تاریخ انگلستان میں اس وقت تک غداری کے معنے صرف اس جرم کے لئے جاتے تھے۔ جو پادشاہ کی ذات کے خلاف عمل میں آئے۔ اگر اقتدار اعلیٰ درحقیقت پادشاہ کی ذات میں موجود ہے تو ظاہر ہے کہ غداری ایسا جرم ہوگا جو پادشاہ کے خلاف صادر ہو۔ اس میں ایک منطقی الجھن تھی اور یہ پرانے طریقۂ تخیل سے حل ہونے والی چیز نہیں تھی۔ پارلیمنٹ اور اس کی کشمکش میں اسٹریفرڈ پادشاہ کا زبردست مؤید تھا اس لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ اس سے پرانے مفہوم میں کوئی غداری سرزد ہوتی۔ اب ایک ایسی چیز نکالنا تھا جس سے دارالامرا قائل ہو جائے کیونکہ سنگین جرم کی سماعت کرنا اسی کا کام تھا اور دارالامرا کو قانون کی کھینچ تان کے متعلق پس و پیش ہو رہا تھا کہ آیا ہم ایک شخص کو جس نے نہایت وفاشعاری کے ساتھ پادشاہ کی خدمت کی ہو اور خود پادشاہ اس کا معترف ہو ایمانداری کے ساتھ غداری کا مجرم ٹھیرا کر سزائے موت دے سکتے ہیں۔ اگر یہ نہیں ہو سکتا تو پھر کامیاب مواخذے کی امید چھوڑنی پڑتی تھی۔

اس دوطرفہ مشکل سے مجبور ہوکر دارالعوام کے رہنماؤں نے اپنے مقدمہ کو ایسے الفاظ میں مرتب کرنے کی کوشش کی کہ اگر دہ منشور اعظم کے اس صحیح تاریخی اثر سے جو پچھلی تشکیلی صدیوں میں ظاہر ہوتا رہا تھا اسی طرح واقف ہوتے جس طرح وہ اس کے خاص دفعات کو جاننے کا دعویٰ کرتے تھے، تو وہ اس مقدمے کو منشور اعظم پر قائم کرتے۔ اگرچہ اس وقت سے جب کہ سابق پادشاہ نے اس مسئلہ کو اپنی سمجھ کے مطابق اپنے الفاظ میں ظاہر کرنا شروع کیا تھا پارلیمنٹ میں بہت کچھ بحث مباحثہ ہو چکا تھا

لیکن پچھیر کی ارکین اپنے عمل کے نتائج سے اچھی طرح واقف نہیں تھے۔ غالباً یہ لوگ صرف اس کی خاص صورت اور اس کے اشکال پر غور کرتے ہوں گے حالانکہ اساسِ حکومت کے متعلق پہلے سے غور و فکر شروع ہو چکی تھی اور فریقِ مخالف کے عمومی طبقے نے تو اس مسئلے کو چند ہی دنوں میں بہت دور پہنچا دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے الزامِ غداری کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش اور ترکیب میں دو چیزوں کو باہم ملا دیا تھا۔ ایک اساسی اصول جن پر دستورِ اعظم مبنی تھا اور دوسرے وہ اصول جن پر مواخذے کا دارومدار تھا۔ اگر قانون کا کوئی ایسا مجموعہ موجود ہے جس کی پابندی پادشاہ پر لازم ہے اور اگر عدمِ پابندی پر پادشاہ کو تخت سے اتارا جا سکتا ہے اور مملکت میں اس کا وجود ہی باقی نہیں رہتا تو ایسی صورت میں یہ یقینی ہے کہ اس سے کمتر درجے کا شخص یعنے وزیر جو اس عدمِ پابندی میں پادشاہ کی تائید کرے اور اس کی صفائی میں مواد پیش کرے از روئے انصاف اس کو غداری کی سزا بھگتنی چاہئے۔ دراصل وہ یہی کر رہے تھے مگر یہ چیز ان کی سمجھ میں پورے طور پر نہیں آئی تھی اور یہ استدلال بھی ان کی پہنچ سے باہر تھا۔ یہ لوگ اب تک تاریخِ دستور کی بہت تنگ تاویل کرنے کے عادی تھے گو اس کے معنے کے سمجھنے میں جلد جلد ترقی ہو رہی تھی۔

جب عوام نے امراء کے سامنے مقدمہ پیش کیا تو ہم نے یہ کہا کہ اسٹریفرڈ نے اساسی قوانین ملک اور رعایا کی آزادی پر حملہ کیا ہے اور ان کو الٹ دینے کی کوشش کی ہے اور اس طریقے سے غداری کا ارتکاب کیا ہے۔ جب اسٹریفرڈ کے کسی فعل میں پادشاہ کے خلاف غداری کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تو بعد مسودۂ قانون تعزیری میں الفاظ کی یوں ترتیب دی گئی کہ "سنگین غداری اس طرح ہے کہ سرکارِ عالی کی سلطنت و انگلستان و آئرستان کی حکومت کے قدیم اور اساسی قوانین کو پلٹنے اور سلطنتِ مذکورہ میں خلافِ قانونِ شخصی اور خود سرانہ حکومت کو جاری کرنے کی کوشش کی ہے" اس بات کی صراحت نہیں کی گئی کہ غداری کس شخصیت اور کس چیز کے خلاف ہے۔ چونکہ مواخذے کی صورت تو ایسی واضح نہیں تھی جس سے امراء کو تشفی ہو جاتی اس لئے اس کی جگہ مخصوص قانون تعزیری کو لانا پڑا۔ اس شکل سے بھی امراء کو خاطر خواہ اطمینان نہیں ہوا۔ چنانچہ سازشوں اور بلووں کا چرچا کر کے اور لندن کے بیوپارین انبوہ کا دباؤ ڈال کر معدودے چند ارکین سے اس مسودے کو منظور کرایا گیا۔ اور انہیں ذرائع سے پادشاہ کے دستخط لیئے گئے۔ اس کارروائی سے پہلے اسقفِ اعظم لاڈ۔ لارڈ کیمرینج اور دوسرے چھ عادلوں کا جنھوں نے محصول جہاز کے سلسلے میں ہیمپڈن کے خلاف فیصلہ صادر کیا تھا مواخذہ کیا جا چکا تھا۔

اس کے ساتھ ہی بڑی تیزی سے قوانین پاس ہونے لگے۔ اس وقت کے پاس کئے ہوئے قوانین کی اہمیت اور مختصر وقت کا لحاظ کرتے جو اس میں صرف ہوا پارلیمنٹی تاریخ میں ان کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی۔ اس قانون سازی کی شان زیادہ تر تخریبی تھی۔ اس سے پادشاہ کی خود رایانہ حکومت کے ادارات اور ناجائز ذرائع مالگزاری جو پادشاہ نے بنا لئے تھے سب سلب کر لئے گئے۔ چونکہ اس قانون سازی سے دستور کی حفاظت عمل میں آ رہی تھی اور آنے والے زمانہ کی تشکیل ہو رہی تھی، اس لحاظ سے یہ تخریبی قانون سازی بڑی حد تک تعمیری تھی۔ پارلیمنٹ ۱۶۴۰ء ۳ نومبر کو بیٹھی اور دس مہینوں کے اجلاس کے بعد ۱۶۴۱ء ستمبر کے اوائل کے بعد اسکا التوا ہوا۔

انتہائی ترمیمات۔ سب سے پہلے قانون کا منشا یہ تھا کہ پارلیمنٹوں کے باضابطہ اجلاسوں کا تعین کیا جائے۔ اس قانون کے ذریعے سے یہ قاعدہ بنایا گیا کہ کم از کم تین سال میں ایک مرتبہ پارلیمنٹ کا اجلاس ہونا چاہئے۔ قرارداد یہ ہوئی کہ اگر تیسرے سال ستمبر کی تیسری تاریخ سے پہلے پارلیمنٹ نہ بلائی جائے۔ تو بغیر پادشاہ کی منظوری کے نسخے جاری ہونے چاہئیں یا انتخاب ہونا چاہئے اور پارلیمنٹ کو نومبر کے دوسرے دوشنبہ کو نشست کرنی چاہئے یہ بھی قرار پایا کہ کسی پارلیمنٹ کو اجلاس کے پچاس دن کے اندر خود اسی کی منظوری کے بغیر برخاست اور ملتوی نہ کیا جائے۔ لیکن پارلیمنٹ کی میعاد تین سال کر دی گئی۔ اس دفعہ نے پرانے دستور کو جو قدیم زمانے سے چلا آ رہا تھا بدل دیا۔ اگرچہ بظاہر اس کی دفعہ نہیں بنائی گئی لیکن یہ اصول مستقل ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد پارلیمنٹ نے دوسرے انقلابی قوانین وضع کئے اور اس سلسلے میں ایک اور قدم آگے بڑھایا کہ زیر اجلاس پارلیمنٹ کو خود اس کی مرضی کے بغیر ملتوی کیا جائے نہ برخاست۔ اس سے پادشاہ کے اتنے اختیارات سلب ہوئے تھے جو سابق مسودے سے بھی نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ روزمرہ کے جو ہتھیار پادشاہ پارلیمنٹ کے خلاف استعمال کرتا تھا وہ سلب ہو گئے۔ لیکن یہ چیز پادشاہ کے سامنے اس وقت آئی جب کہ پادشاہ اسٹریفرڈ کی سزائے قتل کی وجہ سے جذبے میں بھرا ہوا تھا، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس پر زیادہ سوچ بچار کئے بغیر دستخط کر دیئے۔ ممکن ہے کہ یہ قانون انقلابی کہا جائے اس لئے کہ اس سے پادشاہ کے دستوری اختیارات سلب ہوتے تھے لیکن پادشاہ کے دستخط کے بعد یہ قانون موضوعہ ہو گیا۔ بلا اختیار پارلیمنٹ ٹنانہ و رطلانہ کی تحصیل ناجائز قرار دی گئی۔ زر سفینہ کا قاعدہ منسوخ کر دیا گیا۔ جبری مبارزت اور جنگلات کی بدعنوانی مسدود اور شاہی سربراہی کا حق محدود کر دیا گیا نیز شاہی اختیار سے فوج کی جبری بھرتی بند کر دی گئی اور دونوں ایوانوں کی قرارداد سے (جو قانون

موضوعہ نہیں تھا) اس بات کا اعلان کیا گیا کہ عادل عمر بھر یا اس وقت تک جب تک کہ وہ اپنا رویہ درست رکھیں برسر خدمت رہیں گے، لیکن یہ اصلاح مستقل ثابت نہیں ہوئی۔

یہ تبدیلیاں اہم ضرور تھیں اور یہ خودرایانہ حکومت کے جو شاہان اسٹوارٹ اب تک استعمال کرتے آتے تھے راستے مسدود کرتی تھیں۔ لیکن ان سب سے اہم ایک اور چیز تھی۔ کونسل کے خاص عدالتی اختیارات اور ان خاص عدالتوں کے متعلق جو کونسل سے پیدا ہوئے تھے پارلیمنٹ نے جو کیا وہ ایک انتہائی دستوری ترمیم تھی جو اس اجلاس میں عمل میں آئی اور جس شکل میں یہ وہ ترمیم ترتیب دی گئی تھی وہ بالکل مستقل ثابت ہوئی۔ بادشاہ کی کونسل کے غیر معمولی اختیارات عدالت موقوف کر دئے گئے جو اختیار خصوصی کے مظہر ہونے کی وجہ سے قانون عرفی سے برتر تھے اور نارمنی سلطنت کے قیام کے زمانے سے چلے آتے تھے۔ بارھویں صدی میں اس کونسل میں انگلستان کے زمانہ حال کا جملہ قانون عرفی اور قانون دادرسی پیدا ہوا تھا۔ اس کے لئے جو قانون بنایا گیا اس کے الفاظ یہ ہیں:-

"بعد ازیں خود اعلیحضرت اور پریوی کونسل میں سے کسی کو بھی اس بات کا حق نہیں ہوگا کہ ہمسود انگریزی عرضداشت احکام اور فرد جرم یا کسی اور خودرایانہ طریقوں سے عدالتی اختیارات اور اقتدار کام میں لا کر سلطنت ہذا کی رعایا کی اراضی، املاک، جائداد موروثی اور اثاثہ، مویشی کے متعلق تحقیقات اور استفسار کرے اور ان کا تعین کرے یا ان کو فروخت کرے۔ بلکہ ان چیزوں کی سماعت اور تعین مروجہ عدالہائے انصاف میں مروجہ طریقہ قانون سے عمل میں آئے گی"

شمال اور ویلز کی کونسلیں اور پریوی کونسل کے مروجہ عدالتی اختیارات سلب کر دئے گئے۔ گو کونسل اب بھی کسی کو گرفتار کر سکتی تھی اور سماعت کے لئے ملزم کو پیش کر سکتی تھی لیکن سماعت کا مروجہ عدالتوں میں عمل میں آنا ضروری ہو گیا۔ کونسل کے وہ اختیارات مرافعہ سلب نہیں کئے گئے جو انگلستان کے باہر جزائر رودبار جیسے مقامات کے لئے قائم ہو چکے تھے۔ امور یہ اعلیٰ کی مذہبی عدالت جس کو ڈیبیوریٹنوں کی تعذیب کے لئے استعمال کرتا تھا ایک علیحدہ قانون کے ذریعے برخاست کر دی گئی۔ یہ قوانین ۱۶۶۰ء کی شاہی بحالی کے زمانے میں بھی جاری رہے۔ کونسل کے بچے کھچے اختیارات مرافعہ جو اس کے قدیم عدالتی اختیارات میں سے باقی رہ گئے تھے۔ انھیں پر زمانہ حال کے وہ عدالتی فرائض قائم ہیں جو کونسل کو حاصل ہیں۔ دستوری نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو بہ نسبت دوسرے قوانین کے جو بغاوت عظمی کے دوران میں پاس ہوئے یہی قوانین ہیں جو انگلستان میں ہمیشہ کے لئے ایسی حکومت حاصل کرنے کے باعث ہوئے جو زمانۂ حال میں قانون

کا راج کہلاتا ہے یعنی پادشاہ پر قانون کی فوقیت اور اس طریقے سے مطلق العنانہ حکومت ناممکن ہو گئی۔ سچ تو یہ ہے کہ ان قوانین نے اختیارات خصوصی کا جس طرح وہ قرون وسطیٰ میں سمجھے جاتے تھے) خاتمہ کر دیا اور ان سے واضح ہوتا ہے کہ اس زمانے کی تجویزی قانون سازی بڑی حد تک تعمیری تھی۔

یہ تدابیر سب کی سب کافی تحقیقات کے بعد اختیار کی گئیں تھیں لیکن منقات اجلاس ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ باہمی اختلافات ظاہر ہونے لگے جن سے آگے چلکر دارالعوام دو حصوں میں اور سلطنت دو برابر کے فرقوں میں تقسیم ہو گئی۔ ڈسمبر کی ۱۱ تاریخ کو لندن کی طرف سے ایک عرضداشت پیش ہوئی کہ اساقفہ برخاست کر دئے جائیں اور چند ہفتوں کے بعد ایک اور درخواست جس پر ایک ہزار پادریوں نے دستخط کئے تھے۔ اس غرض سے پیش ہوئی کہ کلیسا کی اسقفی حکومت میں اصلاح کی جائے۔ ان درخواستوں کے پیش ہونے کے بعد جو بحث ہوئی اس کی ایوان میں پر زور تائید ہوئی لیکن ساتھ ہی مذہبی مسائل پر اختلاف آرا اور اختلاف جذبات بھی ظاہر ہوا اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تعداد ارکین دو مخالف فرقوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک طرف پیورٹن تھے جنکو پارلیمنٹ کے کاروبار میں پریسبیٹرین سمجھنا چاہئیں یہ لوگ کلیسا کے اسقفی دستور کو بالکل توڑ دینا چاہتے تھے۔ دوسری طرف کلیسائی فریق تھا جو یہ چاہتا تھا کہ کلیسا سے متعلق جو جو چیزیں چلی آ رہی ہیں اکثر جوں کے توں رہیں لیکن اس امر میں کہ مسلمہ بدعنوانیوں کی کہاں تک اصلاح ہونی چاہئے یہ دو سر اگروہ باہم متحد نہیں تھا۔ اس مسئلے میں بہت کم اختلاف آرا تھا کہ اساقفہ کو پارلیمنٹ میں ہمیشہ قانون سازی کا حق حاصل رہے۔ اگرچہ عوام نے ان کے اخراج پارلیمنٹ کا مسودہ تیار کر لیا تھا جس کی دارالعوام میں بہت کم مخالفت ہوئی تھی لیکن امرا نے اس کو رد کر دیا۔ ایک اور انتہائی تجویز "جو قانون بیخ و بن" کے نام سے موسوم ہے یہ تھی کہ کلیسا کے اسقفی دستور کا بالکلیہ خاتمہ کر دیا جائے لیکن اس کو عوام نے پاس نہیں کیا۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ فرقہ داری تقسیم کی جو داغ بیل پڑی تو اس کا باعث وہ اختلاف آرا تھا جو کلیسائی حکومت اور طرز عبادت سے متعلق تھا اور پھر جو فریق بعد کو پادشاہ کی تائید پر اڑ گیا تو اس کے وجود میں آنے کا باعث پادشاہ کے ساتھ وفاشعاری سے زیادہ کلیسا کی وفاشعاری تھی لیکن اجلاس پارلیمنٹ کے اختتام کے قریب ان لوگوں کی تعداد علانیہ بڑھ رہی تھی جو سمجھتے تھے کہ پادشاہ سے غیر معمولی مطالبات نہیں ہونے چاہئیں۔ جب ۲۰ اکتوبر ۱۶۴۱ء کو پارلیمنٹ کا دوبارہ اجلاس ہوا تو وہ لوگ جو انتہائی تجاویز کے مخالف تھے تقریباً آدھے ہو گئے تھے

شکوہ اعظم۔ پارلیمنٹ کے شروع ہونے کے بعد ہی نوبت آزمائی کا موقع آ گیا۔

ستمبر کے التوائے اجلاس کے کچھ دنوں پہلے چارلس اسکاچستان گیا تھا اور وہاں یہ انتظام کرنے کی کوشش کی تھی کہ یہاں سے اس کو انگریز دشمنوں کے خلاف مدد مل سکے۔ گو اس معاملہ میں وہ کامیاب نہیں ہوا لیکن اس کوشش سے ایک تازہ خوف پیدا ہو گیا کہ ممکن ہے کہ وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جائے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مخالف فریق کے رہنما ایک وثیقہ تیار کرنے بیٹھ گئے جو شکوہ اعظم کہلاتا ہے۔ اس کے دو پہلو تھے۔ ایک اپنا بچاؤ اور دوسرے آئندہ کارروائی کا پیش نامہ۔ وہ فریق جو اس بات پر اڑا ہوا تھا کہ کلیسا اور مملکت میں استیصالی تغیرات ہونے چاہئیں شکوہ اعظم کو قوم کی خدمت میں ایک التماس سمجھتا تھا۔ یہ ایک طولانی وثیقہ ہے اور اس زمانے کے دستور کے مطابق کچھ زیادہ مربوط نہیں ہے۔ اس میں پہلے چارلس کی خلاف ورزیاں گنائی گئی ہیں۔ اس کے بعد یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ کس قدر اصلاح عمل میں آئے اور پھر جو چیزیں تکمیل طلب تھیں ان کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ موجودہ دستور کے نقطۂ نظر سے اس میں سب سے زیادہ دلچسپ تجویز یہ تھی کہ بادشاہ کے وزرا وہ لوگ ہوں جن پر پارلیمنٹ اعتماد کر سکے۔ "تیس سوالوں میں صرف گیارہ کی کثرت رائے سے اس کو پاس کر لیا گیا

چارلس قریب قریب اسی وقت اسکاچستان سے واپس آیا تھا اور چند دنوں کے بعد اس نے شکوہ اعظم کا یہ جواب دیا کہ 'میں تقرر وزرا کے اختیار کو جو بادشاہ کا عین حق ہے کبھی نہیں چھوڑ سکتا اور میں نہیں سمجھتا کہ کونسل میں کوئی ایسا خراب فریق ہے جس کے متعلق شکوہ اعظم میں بدچلنی کا اتہام لگایا گیا ہے۔ اور جو کچھ بھی کیا گیا تھا اس کے متعلق بادشاہ نے خود اپنے آپ کو ذمہ دار قرار دیا چند دنوں کے بعد اس نے ایک سخت علمی غلطی کی۔ وکیل سرکار کو حکم دیا کہ امرا کے سامنے دارالعوام کے پانچ اراکین کے خلاف مواخذے کی کارروائی چالان کرے کہ انھوں نے غداری کی ہے۔ چونکہ امرا نے فوراً ہی کارروائی شروع نہیں کی تو بذات خود ان لوگوں کو گرفتار کرنے کے لئے دارالعوام میں آ گیا۔ وہ لوگ چل دئے تھے۔ اسپیکر نے بادشاہ کو کوئی جواب دینے سے انکار کر دیا اور آخر کار بادشاہ کو ناکام واپس ہونا پڑا۔ اس وقت چارلس نے جو طریقے اختیار کئے اگر ان کی قانون سے تائید ہوتی تھی تو وہ قانون اس قدر دقیانوسی ہو گیا تھا کہ عرصے سے متروک ہو چکا تھا۔ چنانچہ پارلیمنٹی حقوق کی پائمالی اور خلاف ورزی پر بڑا سخت احتجاج کیا گیا۔ اس کا اثر صرف یہ ہوا کہ جذبے کی آگ اور بھڑک اٹھی اور ملک خانہ جنگی کی طرف تیزی سے بڑھنے لگا۔ بادشاہ لندن سے چل دیا اور دونوں فریق ناگزیر چارہ کار کے لئے تیاری کرنے لگے۔ شاہی فریق کی

طاقت ان لوگوں کے اضافہ سے جو فطرتاً تخت و تاج کی وفاداری کی طرف مائل تھے اور زیادہ تر ان لوگوں سے جو کلیا کے بیوریٹنی اقتدار کے مخالف تھے برابر بڑھ رہی تھی۔

واقعی خانہ جنگی اس مسئلے سے شروع ہوئی کہ قومی فوج جو دراصل انگلستان کی منظم فوجی طاقت تھی کس کے زیر اقتدار ہو۔ اور اس معاملے میں دارالعوام نے جو کارروائی کی تو اس میں انھوں نے عوام الناس کے اقتدار اعلیٰ کے اصول کی طرف ایک اور قدم آگے بڑھایا۔ جب بادشاہ نے پورے عزم کے ساتھ اس مسودے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ فوجی عہدہ داروں کا تقرر اور ذمہ داری بادشاہ کے ہاتھ سے نکل کر پارلیمنٹ کے ہاتھ میں چلی جائے تو دارالعوام نے اپنی خواہش کو اس ذریعے سے جسے اس نے "حکم" (Ordinance) کا نام دیا، پورا کرنا چاہا۔ اس میں انھوں نے یہ خیال کیا کہ قدیم زمانے میں غیر پارلیمنٹی قانون سازی بھی ہوتی تھی جو اس نام سے موسوم تھی لیکن وہ یہ بات بھول گئے کہ یہ "احکام" جو وسطی صدی میں صادر ہوتے تھے وہ پارلیمنٹ کی طرف سے نہیں ہوتے تھے بلکہ بادشاہ اور کونسل یا امرا کی طرف سے صادر ہوتے تھے جس میں عوام شامل نہیں ہوتے تھے۔ لیکن اس اصطلاح کا یہ غلط استعمال قدیم طرز کی بحث و استدلال کا بہترین نمونہ ہے جو اس وقت فریقین کی تائید میں استعمال کیے جاتے تھے۔ عوام نے اپنے فعل کی تائید میں کہ ان کو بادشاہ کی باضابطہ منظوری کے بغیر قانون سازی کا حق حاصل ہے یہ اعلان کیا کہ "اس سلسلے میں ہم جو کچھ کرتے ہیں اس پر شاہی اقتدار کی مہر لگی ہوئی ہے خواہ حضور غلط مشورے سے متاثر ہو کر ذاتی طور پر اس کی مخالفت اور اس میں دست اندازی کیوں نہ کریں۔ کیونکہ بادشاہ کی اعلیٰ و ارفع خواہشیں عدالت عالیہ اور کونسل میں پوری ہوتی ہیں اور انہی میں ان کا اعلان کیا جاتا ہے، اور بہ نسبت اس کے کہ یہ بادشاہ کے خود ذاتی فعل و ارادے سے عمل میں آئیں یہ یقیناً نہایت ہی ممتاز طریقہ ہے اور اس میں زیادہ قطعیت ہے"۔

ان الفاظ سے عوام الناس اور پارلیمنٹ کے اقتدار کی خاطر خواہ ضمانت نہیں ہوتی لیکن اگر عملی طور پر ان الفاظ کی تائید کی جائے تو وہ صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ پارلیمنٹ ہی عوام کے اقتدار کی مظہر ہے۔ ان الفاظ کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ اقتدار اعلیٰ یعنی اعلیٰ اور آخری فیصلے کا حق پارلیمنٹ استعمال کرتی ہے نہ کہ وہ شخص جس کو متقدر ہونے کا نام و لقب حاصل ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ موجودہ حکومت انگلستان کی یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ بادشاہ کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کو کسی سیاسی مسئلے میں اپنے وزرا کے بغیر ارادے یا رائے کا بھی حق نہیں۔

واقعی جنگ شروع ہونے سے پہلے پارلیمنٹ نے بادشاہ کے سامنے حکومت کی جدید اصلاح

کے لئے اپنے آخری مطالبات پیش کئے۔ جو "انیس تحریکات" کہلاتی ہیں۔ یہ ایک بہت ہی دلچسپ وثیقہ ہے جو نہایت ہشیاری سے تیار کیا گیا تھا۔ اس کے واضح اور باضابطہ الفاظ سے وہ خیالات ظاہر ہوتے ہیں جو بادشاہ کی کشمکش سے پیدا ہو گئے تھے کہ مملکت کو کس قسم کا دستور ملنا چاہیئے۔ یہ کوئی مکمل منصوبہ نہیں ہے تاہم ایک اچھی بنیاد ہے جس پر آسانی سے دستور کی عمارت کھڑی کی جا سکتی تھی۔ اس میں یہ اصول قرار دیا گیا تھا کہ نہ صرف اقتدار اعلیٰ بلکہ روزمرہ حکومت کے تمام تفصیلات کی باگ پارلیمنٹ کے ہاتھ میں دیدی جائے کیونکہ گو وثیقے میں اس انتقال حکومت کو واضح الفاظ میں نہیں ظاہر کیا گیا مگر نتیجہ فوری یہی نکلتا ہے۔ حکومت میں براہ راست کام کرنے والی طاقت بادشاہ نہیں بلکہ خود پارلیمنٹ ہو جاتی تھی۔ اس حد تک نتیجہ تقریباً وہی ہوتا جو موجودالوقت انگریزی دستور میں پایا جاتا ہے لیکن طریق کار بالکل مختلف تھا۔ ہر چیز پارلیمنٹ کی براہ راست کارروائی سے انجام پاتی اور پارلیمنٹ کے سامنے براہ راست ذمہ دار ہوتی۔ "انیس تحریکات" کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ یہ قواعد اکسفورڈ کی جدید اشاعت ہے اور سچ تو یہ ہے کہ یہ بھی ایک قرون وسطیٰ کی سی چیز تھی جس سے بادشاہ کے اختیارات بذریعہ ادارات محدود کرنے کی کوشش تھی۔ قرار دیا یہ بھی کہ پریوی کونسل کے تمام اراکین بڑے عہدہ دار اور بڑے عادل پارلیمنٹ کی طرف سے مامور ہوں، کوئی امیر بغیر پارلیمنٹ کی منظوری کے دارالامرا میں نشست نہ کرے اور رائے نہ دے، قلعے اور فوج پارلیمنٹ کے ہاتھ میں ہوں اور کلیسا کی ایسی اصلاح ہو جیسے پارلیمنٹ مشورہ دے۔ غالباً پارلیمنٹ کے رہنما اس بات کے متوقع نہیں تھے کہ بادشاہ ان تحریکوں کو منظور کرے گا۔

انڈیپنڈنٹ فریق: جنگ کا نتیجہ بادشاہ کے خلاف ہوا۔ دو سال سے کچھ ہی زیادہ ہوئے تھے کہ بادشاہ اپنے مخالفین کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا۔ لڑائی کے دوسرے دور میں جو اس کے بعد واقع ہوئی پریسبٹیری پیورٹن اور ان کے اسکاچستانی حامی جو قومی کلیسائی تنظیم کو بچانا چاہتے تھے شکست کھا گئے! اور پیورٹن فرقے کا عمومی گروہ یعنے خودمختار جو اپنی مذہبی تعلیم کی وجہ سے "اجتماع پسند" متعددی بھی کہلاتا ہے ۱۶۴۸ء کے آخر میں تنہا اختیارات کا مالک ہو گیا تھا۔

یہ لوگ مذہبی اور سیاسی دونوں شعبوں میں اصولاً عمومی خیالات رکھتے تھے اپنے کلیساؤں میں یہ لوگ اپنے خیالات کو اس حد تک عملی جامہ پہنا سکتے تھے کہ نہ صرف ہر مقامی کلیسا کو خود اس کے اراکین کے زیر اختیار کر دیا تھا بلکہ فرداً فرداً ہر کلیسائی تنظیم کو ایک اکائی قرار دے کر بیرونی اقتدار سے بے نیاز کر دیا تھا۔ ان خیالات کے عملی مظاہرے کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ یہ لوگ ان اختلافات کی وجہ سے

جو سترھویں صدی میں اہم سمجھے جاتے تھے لیکن آج ان کی اہمیت اس قدر محسوس نہیں ہوئی بے شمار فرقوں میں بٹ گئے یہ پروٹسٹنٹ اساسی دعوے کی انتہائی تکمیل تھی کہ عقائد میں کسی اقتدار کو دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ اس اعتبار سے یہ لوگ اپنے زمانے کے پروٹسٹنٹوں میں انتہا پسند تھے لیکن ایک دوسرے اعتبار سے یہ لوگ سترھویں صدی کے خاص پروٹسٹنٹ مذہب کی بہت کم نمایندگی کرتے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے مذہبی معاملات میں بھی پروٹسٹنٹ مذہب کو اس کے منطقی نتائج تک پہونچا دیا تھا اور جس طرح وہ سیاسی آزادی کو مانتے تھے بالکل اسی طرح مذہبی آزادی کے معتقد تھے۔ وہ اس بات کے معتقد تو نہیں تھے کہ ان کے لئے کوئی مرکزی کلیسا ہو لیکن اگر ہو تو اس پر ان کو اعتراض بھی نہیں تھا بشرطیکہ تمام گرجا اس طرح آزاد ہوں کہ جس طرح وہ بہتر سمجھیں اپنی تنظیم کر سکیں لیکن مذہبی آزادی کے عملی جامہ پہنانے میں ان کے خیالات اس قدر معقول نہیں تھے اور نہ ہو سکتے تھے جس قدر کلیسائی حکومت میں سرکاری مذہب سے وہ بیحد بدظن تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ ملوکیت یا کیتھولک مذہب کی طرف مائل ہے اور اکثر صورتوں میں انھوں نے اپنی رواداری کو پروٹسٹنٹ مذہب سے باہر جانے نہیں دیا۔ تاہم ان لوگوں کے ہی سیاسی نظریے بہت بحث مباحثوں کے بعد جو فوج کی خانگی مجلسوں میں ہوتے تھے اور مختلف شکلوں میں شائع ہو کر صورت گیر ہو گئے تھے اس وقت کار آمد ہوئے کیونکہ انھیں کی مدد سے وہ تصورات جو جیمز اول کی تخت نشینی کے بعد سے رفتہ رفتہ ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں قریب قریب اپنی منطقی حد تک پہنچ گئے اور قریب قریب ان نتائج تک پہنچ گئے جو سب سے پہلے امریکہ نے حاصل کئے اور ہمیشہ کے لئے قائم کر دئے۔ دوسری خانہ جنگی کے اوائل میں یہ خود مختار گروہ کرامویل کی فوج پر اور پرسبٹری پارلیمنٹ پر قابض تھے فاتح فوج جب میدان سے واپس ہوئی تو وہ ایک طرف بادشاہ پر اور دوسری طرف پرسبٹری پیورٹنوں پر سخت برافروختہ تھی۔ اور انھی دونوں کو ایک ساتھ وہ دوسری خانہ جنگی کی غیر ضروری قربانیوں کا ذمہ دار سمجھتی تھی چنانچہ اس نے فوراً ان دونوں کے خلاف کارروائی شروع کر دی پہلے تمام پرسبٹری۔ پارلیمنٹ سے خارج کر دئے گئے۔ ۶ دسمبر ۱۶۴۸ء کو کرنل پرایڈ نے فوج کے ایک دستے کو ایوان کے دروازے پر کھڑا کر کے چند اراکین کو گرفتار کر لیا اور دوسروں کو باہر نکال دیا چنانچہ طویل العہد پارلیمنٹ میں صرف "خود مختار" باقی رہ گئے اور یہ اصلی تعداد کا کوئی آٹھواں حصہ تھا۔ یہ درحقیقت ایک از کار رفتہ تلچھٹ تھا جو "رمپ" کے نام سے موسوم ہوا۔ دوسرا کام انھوں نے یہ کیا کہ بادشاہ کی غداری کی سماعت کے لئے ایک عدالت ترتیب دی جو اپنے اساسی

خصوصیات کے اعتبار سے "عدالت انجم" سے غیر مماثل نہیں تھی جس کو یہ لوگ پہلے ہی برخاست کر چکے تھے۔ پادشاہ کے خلاف بھی اسی مفہوم میں غداری کا الزام لگایا گیا جس طرح اسٹرافیرڈ پر لگایا گیا تھا یعنے حاکم اعلیٰ کے خلاف نہیں بلکہ قوم اور قانون کے خلاف غداری ثابت کی گئی۔ عدالت کے سامنے انھوں نے باضابطہ الزام اس طرح پیش کیا "چارلس اسٹوئرٹ موصوف جو انگلستان کا حکمران تسلیم کر لیا گیا تھا اور محدود اختیارات اس کے تفویض کئے گئے تھے تاکہ ان اختیارات کو اور طرح نہیں بلکہ ملک کے قوانین کے مطابق کام میں لائے۔ لیکن اس نے برے ارادے سے اپنے میں غیر محدود اور جابرانہ اختیارات جمع کرنے کی کوشش کی تاکہ اپنی خواہش کے مطابق حکومت کرے اور قوم کے حقوق اور آزادیاں سوخت کر دے .... حالانکہ یہ اختیارات اس ملک کے اساسی دستور کی بناء پر قوم کی جانب سے متعدد اور مسلسل پارلیمنٹوں کے حق اور اختیار کی صورت میں محفوظ ہیں .... اس نے یعنے چارلس اسٹوارٹ نے اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لئے .... پارلیمنٹ اور قوم کے خلاف جس کی پارلیمنٹ میں نمایندگی ہوتی ہے غدارانہ اور مفسدانہ جنگ کی۔"

پادشاہ کو جس نے نہایت عزم کے ساتھ عدالت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، ۲۷ جنوری کو فیصلہ سنا دیا گیا اور ۳۰ جنوری ۱۶۴۹ء کو اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

عوام کا اقتدار اعلیٰ۔ اس قسم کے الزام پر پادشاہ کی سماعت کر کے خود مختار گروہ نے گزشتہ تاریخ کو جس میں مسلمہ اشکال اور نظائر بھری پڑی تھیں اس شدت کیساتھ ترک کیا کہ ایسا اس کے پہلے نہیں کیا تھا۔ خود دار الامرا اور اس کا وہ حصہ جو اس وقت ایوان میں باقی رہ گیا تھا اتنی جرأت نہیں کرتا۔ پادشاہ کی سماعت کے پہلے ہی جملہ حکومت صرف ایک ایوان اور اس کے عہدہ داروں کے ہاتھ میں محدود کر دی گئی تھی۔ اب اس اصول کی تائید میں ایک اور اعلان تیار کیا گیا اور اس میں خاص طور پر پادشاہ کی سماعت مدنظر تھی۔ ۴ جنوری کو دار العوام نے یہ قرارداد منظور کی کہ "قوم خدا کی طرف سے حقیقی اختیارات کی اصل مالک ہے۔ انگلستان کے عوام جو قوم کی طرف سے منتخب ہو کر قوم کی نمایندگی کریں اور پارلیمنٹ میں جمع ہوں ان کو اس قوم کے اعلیٰ اختیارات حاصل ہیں۔ عوام پارلیمنٹ میں جمع ہو کر جو قانون وضع کریں۔ اور جس کے قانون ہونے کا اعلان کریں وہ صحیح قانون ہے اور اس میں قوم کے تمام افراد شامل ہیں گو اس میں پادشاہ اور امرا کی منظوری حاصل نہ کی جائے۔ اس کے پہلے سے ہی عوام کا اقتدار اعلیٰ اور

حکومت کی نیابتی شان بیشمار تقریروں اور تحریروں کے ذریعے سے اس قدر واضح ہو چکی تھی کہ دوسری
چیزوں کے ساتھ یہ تصور بھی اس فریق پر پورے طور پر حاوی ہو گیا تھا۔ تامس ہکر نے دس سال پہلے
کونکٹی کٹ میں آتے ہی ایک مذہبی خطبے میں اس چیز کو اس طرح ظاہر کیا تھا۔ "جو لوگ عہدہ داروں اور
عمال کے تقرر کا اختیار رکھتے ہیں ان اختیارات اور عہدوں پر جن کے لیے وہ عہدہ دار بلائے جاتے ہیں
قیود قائم کرنے کے مجاز ہیں۔ اور اس کی اولین وجہ دراصل یہ اصول ہے کہ اختیار قوم کی آزادانہ
منظوری میں شامل ہے"۔ حکومت کے جمہوری خیالات کا یہ شاندار مظاہرہ کرنا جو اس طرح امریکہ
میں عمل آیا اپنی نوعیت کی ایک درخشاں مثال ہے۔

عوام کے اقتدار اعلیٰ نیز مقننہ کی نیابتی شان اور اس کے اختیارات محصلہ کی تشکیل
کے متعلق جو الفاظ ظاہر کیے گئے تھے ان سے بہتر الفاظ آج بھی شاید قلم سے نکلیں۔ تاہم ہمیں یہ
یاد رکھنا چاہیے کہ یہ خیالات انگلستان میں انقلابی تھے۔ ان خیالات نے آنے والے دستور کا جو خاکہ
تیار کر دیا تھا وہ پچھلے سلسلۂ تاریخ کا گویا انقطاع تھا۔ ممکن ہے کہ گزشتہ زمانے میں بھی منطقی طور پر
یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہو مگر حقیقی حکومت کا گزشتہ تجربہ پیش نظر رکھا جائے تو وہ اب تک کسی صحیح
سیاسی ترقی کے رو سے قومی تجربے یا ادارات کی شکل میں آیا ہی نہیں تھا۔ اس ترقی کے تمام مشمول
میں خود مختار فریق نہ صرف اپنی مذہبی بلکہ اپنی سیاسی تعلیم و تربیت سے متاثر تھا۔ عمومیت کی طرف
آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہوئے جس کو شروع ہوئے ایک سو سال سے زیادہ لگ گئے انگلستان
بالآخر انیسویں صدی میں انہیں اصولوں تک پہنچ گیا، مگر اس کا راستہ اور نمونہ وہ نہیں تھا جو
زمانۂ انقلاب میں اختیار کیا گیا۔ دراصل یہاں انگلستان کے نہیں بلکہ امریکہ کے دستور
کی ابتدا ہو رہی تھی اور غیر ارادی طور پر اس کی تشکیل کے ابتدائی اور تمام مدارج طے ہو رہے تھے اور
یہی وہ اصول تھے جو امریکہ میں اسی زینے سے مسلسل ترقی کرتے ہوئے ایک عظیم الشان قوم کی حکومت میں
صورت گیر ہو گئے۔

بادشاہ کے قتل کو حق بجانب ثابت کرنے یا ان پر بحث کرنے کا کسی نے بیڑا نہیں اٹھایا۔ اگر
قتل شاہی میں کوئی امر حق بجانب قرار دیا جائے تو وہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ یہ زمانہ انقلاب کا تقاضا اور
جس کا مظاہرہ اس فعل میں ہوا جو بالکل انتہائی اور شاید غیر ضروری فعل تھا لیکن یہ یقینی ہے کہ انقلاب
فی نفسہ ضروری تھا۔ معاملہ بہت نازک صورت اختیار کر چکا تھا، بادشاہ ملوکیت کے خاص
نقطۂ خیال میں اس قدر گڑا ہوا تھا کہ اس کا طرز عمل ناقابل اعتماد ہونے کے علاوہ ان میں اس قدر ضد

اور ہٹ تھی کہ کشمکش کا انتہا کو پہنچنا ناگزیر تھا، اور یہ انتہا اس زمانے کے ذی اقتدار لوگوں کے پاس پادشاہ کی موت کے سوا اور کچھ نہیں تھی۔ اس کے بغیر نہ صرف پیورٹنی خیالات کا بارور ہونا ناممکن تھا جو حکومت کے خاص خاص اصول رائج کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ زمانۂ قدیم کی ترقی نے مطلق العنانیت کے لیے جو قیود تیار کئے تھے ان کا دستوری عملدرآمد میں رونما ہونا بھی ناممکن ہوتا۔ قتل کے وقت بھی چارلس دستور کی اپنی تاویل پر اڑا رہا جس وضاحت سے اس کو بیان کیا وہ قابل تعریف ہے۔ اس نے کہا "یہ حقیقت ہے کہ قوم کی آزادی اور حریت میں بھی اسی طرح چاہتا ہوں جس طرح دوسرے لوگ خواہ وہ کوئی بھی ہوں، چاہتے ہیں۔ لیکن میں تم سے ضرور کہوں گا کہ قوم کی آزادی اور حریت حکومت میں شامل ہے یعنے ان قوانین میں شامل ہے جن کے ذریعے سے ان کی جان و مال خود انہیں کے قبضے میں رہیں۔ یہ اصول اس بات میں مضمر نہیں ہے کہ وہ حکومت میں دخل دیں اس لئے حکومت کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ظاہر ہے کہ پادشاہ اور رعایا دونوں بالکل متباین چیزیں ہیں"۔

پادشاہ کے قتل اور دارالامرا کے غائب ہونے سے اب قدیم دستور کے مرکزی اختیارات کا صرف دارالعوام ہی حامل رہ گیا تھا۔ لیکن دارالعوام صرف "رمپ پارلیمنٹ" تھا اور اس میں صرف خود مختار اراکین تھے اور مملکت میں اصل طاقت پوچھو تو صرف فوج اور اس کے سربرآوردہ افسروں کی تھی۔ لیکن فوجی حلقوں میں ایک زمانہ تک عمومی اثرات کام کرتے رہے تھے اور ابھی فوج ذی اقتدار نہیں ہوئی تھی کہ کئی سال پہلے سے اشخاص اور مجلسیں فرداً فرداً اس بات پر غور کر رہی تھیں کہ حکومت کی بنیاد کیا ہے اور اس کو کیا شکل اختیار کرنی چاہئے۔ اس زمانے میں تحریکوں، نظریوں اور مباحث کے دریا بہہ رہے تھے۔ لہجہ اور مواد کے اعتبار سے ان میں جس طرح مذہبی انقلاب کا رنگ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح سیاسی انقلاب کا رنگ بھی دکھائی دیتا ہے۔ پیورٹنوں اور بالخصوص خود مختار فرقے کے لئے اس زمانے میں دونوں پہلو تھے۔ دستور سازی میں ان لوگوں نے جن مقاصد کے لئے کوشش کی وہ ایک طرف ان نتائج پر مشتمل تھے جن کی طرف تاریخ انگلستان کا میلان خود بخود کھینچ لاتا۔ (جو قبل از وقت تھے) دوسری طرف ان خیالات پر مشتمل تھے جو انجیل سے ماخوذ کئے گئے تھے۔ اور کلیساؤں کی تنظیم میں استعمال کئے جاتے تھے۔ اس کے پہلے سے بلکہ ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی کہ اس فریق کے اراکین امریکائی نوآبادیوں سے واپس ہونے لگے تھے، اور جو چیز وہ اپنے ساتھ لائے تھے ممکن ہے کہ وہ بجائے پرانے انگلستان کے خیالات کے جدید خیالات اور اصول نہ ہوں لیکن یہ اظہار یقینی تھا کہ واقعی حکومت میں کس طرح یہ نئے اصول عمل میں لائے جاسکتے ہیں اور کس طرح انہیں امریکہ میں ان اصول کو عملاً

بروئے کار لانے کے مواقع حاصل ہوئے۔

مکتوبی دستور منجملہ ان تجاویز کے سب سے زیادہ اہم اور پختہ تجویز وہ تھی جو جنوری ۱۶۴۹ء کو دارالعوام میں "موافقۂ عوام" کے نام سے پیش کی گئی تھی۔ جس مقصد کی تکمیل اس وثیقے کے مد نظر تھی وہ ہمیں اس نام سے اتنا صاف نہیں دکھائی دیتا جس قدر اس زمانے کے لوگ سمجھے ہوئے تھے لیکن اس سے جو معنی مستنبط ہوتے ہیں اور جو حقیقی معنی تھے وہی امریکائی دستور کے مقدمے میں بتائے گئے ہیں۔ "ہم ریاستہائے متحدہ کے عوام اس دستور کو مرتب کرتے ہیں اور قائم کرتے ہیں" اس کا مفہوم یہ تھا کہ ہم انگلستان کے باشندے ایک میثاق کے ذریعہ جو باضابطہ مرتب کیا گیا ہے ایک مکتوبی دستور بنانا چاہتے ہیں تاکہ ایک حکومت قائم ہو اور اس کے اختیارات مشخص ہو جائیں۔ "موافقۂ عوام" کو ہمیں اس روشنی میں دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کوئی حکومت بنانے کی تجویز تھی کیونکہ وہ کبھی عمل میں نہیں لائی گئی، بلکہ وہ امریکہ کے قانون دستوری کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ جس بنیاد پر اس کو قائم کیا گیا تھا یعنے عوام کی باہمی رضامندی وہی بنیاد ہے جس پر امریکی دستور قائم ہے۔ اور تاریخ میں یہ پہلی مرتبہ حکومت کی بنیاد کے طور پر پیش کی گئی ہے۔ اس قسم کے اور میثاق بھی ہیں جو امریکہ میں اس سے پہلے عمل میں آچکے تھے اگرچہ ان کا اصل مبدأ بھی وہی تھا اور ان کا مقصد درحقیقت ایک (Civil Body Politic) ملکی جسم سیاسی قائم کرنا تھا لیکن انھوں نے صرف چھوٹی چھوٹی ملتوں کو فائدہ پہنچایا جن میں حقیقی عمومیت اور نیابتی ادارات بالکلیہ ممکن تھے اور یہ عمومیت کو بڑے پیمانے پر چلانے کی اچھی تدبیر تھی۔ ان میثاقوں پر بہت زیادہ غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ "موافقۂ عوام" کا خاص مقصد یہ تھا کہ وہ ایک بڑی قوم کے دستور کا کام دے۔ مگر اس کو محض ایک مکتوبی دستور نہیں سمجھنا چاہیئے جو ایک بڑی مملکت کے لئے تجویز کیا گیا ہو، بلکہ اس کا رتبہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ ایسا دستور تھا جس میں علانیہ امریکی طرز نظر آتی ہے۔ اول سے لے کر آخر تک اس میں ایک ہی اصول پایا جاتا تھا کہ تمام حکومت کا مبدأ صرف قوم ہے۔ قوم اپنی متفقہ رضامندی سے حکومت قائم کرتی ہے اور قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ نہ صرف حکومت کو اختیارات تفویض کرے بلکہ حکومت کے افعال پر ایسے قیود بھی عائد کرے جن سے حکومت آگے نہیں بڑھ سکے۔ اس میں صراحت کے ساتھ یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ اس وثیقہ کے "چند امور ہمارے نمایندوں سے خارج اور مستثنیٰ ہیں اور مستثنیٰ سمجھے جائیں گے"۔ یہ بھی صراحت کے ساتھ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ اس وثیقے کے چند اجزا۔ "ہمارے عام حقوق، آزادی

اور سلامتی کی بابت اساسی ہیں" جن کو ہمارے نمایندے بھی نہیں بدل سکتے۔ اس حصے میں دستور سازوں نے ریاستہائے متحدہ کی طرح قوم کے اقتدار اعلیٰ کے اصول کو اس نقطے سے جہاں تک انگلستان ابتک پہنچا تھا ایک درجہ اور آگے بڑھا دیا اور دستور کی تعمیر اور تجدید کو ایک ایسا فعل قرار دیا جس کا ایک خاص اور جداگانہ شکل میں براہ راست قوم کی طرف سے پیش ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ حکومت جو "موافقۂ عوام" میں تجویز کی گئی تھی عمل میں لائی جاتی اور اس کی تائید پر قوم کی کافی طاقت ہوتی اور جوں جوں تجربے حاصل ہوتے خودبخود ترقی کرتی جاتی تو یہ سترھویں صدی میں جاکر قوم کی حکومت ہو جاتی جو قوم کے لئے ہوتی اور جو قوم اس کی عامل ہوتی یہی وہ چیز تھی جو اپنی ماہیت اور خاص آزادی کے اعتبار سے آلہ حکومت سے (جو بعد کو اسی بنیاد پر قائم کیا گیا) زیادہ اس مقصد کی تکمیل کر سکتی تھی۔

دولت عامہ "موافقۂ عوام" کو کبھی عملی جامہ نہیں پہنایا گیا۔ یہ ایک پیش نامہ تھا جس کو "خود مختار" فریق کی کثرت نے نہیں بلکہ انتہا پسند انقلابیوں نے پیش کیا تھا اور وہ زمانہ اس حکومت کے لئے جس کی حامل قوم کی صرف ایک چھوٹی سی جماعت تھی ہنوز خطرات سے پر تھا اور ان جدید سیاسی تجربوں کے کبھی مناسب نہیں ہو سکتا تھا۔ اس وقت سب سے بڑا اہم مسئلہ یہ تھا کہ حکومت کے وہ منتشر اجزا جو ذی اختیار باقی رہ گئے تھے بشرط امکان اپنے کو محفوظ کریں اور ملک میں امن و امان قائم رکھیں۔ یہ فوج کا کام تھا اور "دولت عامہ" اور "محمیہ" کے تحت جو حکومت تھی وہ درحقیقت فوج کی حکومت تھی۔ ۱۳ فروری کو رمپ نے ملک پر حکومت کرنے کے لئے ایک مجلس مملکت مقرر کی؛ ۱۷ مارچ کو اس نے بادشاہ کے عہدے کو برخاست کر دیا؛ ۱۹ مارچ کو اس نے دار الامرا کو برخاست کر دیا؛ اور ۱۹ مئی کو اس نے یہ اعلان کیا کہ "انگلستان اور علاقہ جات جو اس سے متعلق ہیں ان سب کے باشندے ایک دولت عامہ اور ایک آزاد مملکت میں منظم کر دئے گئے ہیں اور آئندہ رہیں گے اب ان پر دولت عامہ اور آزاد مملکت کی حیثیت میں قوم کا اعلیٰ اقتدار حکومت کرے گا یعنے قوم کے نمایندے جو پارلیمنٹ میں نشست کریں گے اور وہ لوگ جن کو یہ نمایندے عہدہ دار اور وزرا مقرر کریں تاکہ یہ لوگ قوم کے فائدے کے لئے ان کے تحت کام کریں"۔ حقیقت میں اس وقت کی صورتِ حال کے لحاظ کرتے یہ تغیرات ضروری ہو گئے تھے۔ ابتدائی حکومت کا کوئی شائبہ تک باقی نہیں تھا۔

اگر نظریہ منشا یہ تھا کہ حکومت عوام کی ہو اور منجانب عوام ہو تو حقیقت میں وہ محض فوجی مطلق العنانی سے زائد نہ تھی اور یہ بالکل صحیح ہے کہ یہی ایک انقلابی حکومت تھی جو اپنے ہاتھ میں اقتدار رکھ سکتی تھی۔ پرانی پارلیمنٹ کی طرف سے، جس میں اس وقت تک تفریق نہیں ہوئی تھی، جو اختیارات

کہ کرامویل کے تفویض ہوئے تھے اس کے زور پر کرامویل یہ سمجھتا تھا اور صحیح سمجھتا تھا کہ پارلیمنٹ کے رہے سہے اجزا کے مقابلہ میں اسی کی ہستی زیادہ باضابطہ اور ذی اختیار ہے۔ ۲۰ اپریل ۱۶۵۳ء کو فوجی طاقت کے ذریعہ اس نے رمپ کو (جو اب تک برابر گھٹتی رہی تھی گو اس کے اختیارات برائے نام رہ گئے تھے۔) نکال دیا۔ ۵ جولائی کو ایک جدید پارلیمنٹ جمع ہوئی جو مختصر العہد یا "بیربونز" پارلیمنٹ کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں وہ لوگ شریک تھے جن کی رکنیت کے لئے "خود مختار" کلیساؤں کی طرف سے فہرستیں تیار کی گئی تھیں۔ لیکن اس پارلیمنٹ نے محض چند ایسے اصلاحات کے لئے بحث پر اکتفا کیا جو اس زمانے کے لحاظ سے بہت آگے تھے اور خود اپنی قرارداد کے مطابق ۱۲ دسمبر کو برخواست ہو گئی۔ اس کے تین بعد ہی ایک جدید مکتوبی دستور جس کو فوج کے رہنماؤں نے تیار کیا تھا پیش کیا گیا اور اس کو کرامول نے منظور کر لیا۔ یہ "آلۂ حکومت" تھا جس کا کرامول اور اس کی کونسل نے بطور خود عملی جامہ پہنایا یعنی اس کو منظوری کے لئے نہ تو پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا گیا نہ قوم کے سامنے۔

آلۂ حکومت:۔ آلۂ حکومت کے جملہ مباحثوں سے پہلے مقدمہ کے طور پر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ انگلستان کی تاریخ دستوری میں اس کا کوئی اثر باقی نہیں ہے۔ خانہ جنگی کے بعد حکومت کے جو تجربات عمل میں آئے تھے وہ تاریخ انگلستان کی بڑی شاہراہ کی گویا پگڈنڈیاں ہیں اور یہ اس ملک میں کسی منزل تک نہیں پہنچاتیں۔ لیکن یہ وہ شاخیں ہیں کہ ان کا نشوونما اتنا ہی باقاعدہ ہوا تھا جتنا خود تنے نے ترقی کی تھی۔ ان کی خاص اہمیت اس وجہ سے ہے کہ ان سے سترھویں صدی کے وسط میں وہ چیز ظاہر ہوتی ہے جو نوآبادیوں میں اس وقت بھی تھی اور اس کے بعد تو بہت کچھ ہو گئی۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان کا تاریخی دستور یعنی اس حالت میں بھی جو اس وقت پائی جاتی تھی اور ملوکیت و ملوکی اقتدار اعلےٰ کے تصورات سے منقطع ہونے کے بعد کس قسم کی حکومت اختیار کرنے والا ہے۔

ایک امریکائی طالب علم کے لئے "آلۂ حکومت" خاص دلچسپی رکھتا ہے اور اس کے کئی اسباب ہیں۔ یہ سب سے پہلا مکتوبی دستور ہے جس نے ایک بڑی قوم کے لئے ایسی حکومت کے اصولوں کو، جس کے بنیادی اختیارات مشخص اور محدود تھے عملی جامہ پہنا دیا۔ کم از کم برائے نام ہی سہی، اس نے حکومت انگلستان کے لئے ایک بنیاد قائم کر دی جو تین سال تک قائم رہی۔ اس کے متعلق بالکل وہی کہا جا سکتا ہے جو ریاستہائے متحدہ کے دستور کے متعلق کہا گیا۔ "اس طرح یہ لوگ فلاڈلفیا میں اصولاً اسی تاریخی کام کی تکمیل کر رہے تھے جس کا تاریخ انگلستان میں شاہ جان اور ریرنول کی مجلس رنی میڈ کے بعد سے برابر ارتقا ہو رہا تھا۔ اس کوشش کی بدولت جو حکومت کو اساسی قانون کے تابع کرنے کے لئے کی گئی وہ دیرینہ آرزو بجائے

اشخاص کی حکومت کے قانون کی حکومت ہونی چاہئے اسی طرح پوری ہو رہی تھی جس طرح ہونی چاہئے وہ پیش بندیاں بھی اسی طرح دلچسپ اور معنی خیز ہیں جن کے متعلق ہم بعض اوقات سمجھتے ہیں کہ وہ انصرام حکومت کے سلسلے میں جو اہل امریکہ کی ایجاد اور انکشاف ہیں۔ یہی چیزیں صاف بتلاتی ہیں کہ ہم کس خرمن کے خوشہ چیں ہیں اور یہ کسی دوسرے زبردست مواد سے بھی ظاہر نہیں ہوتا۔

آلۂ حکومت کے اہم دفعات مختصراً یہ ہیں، دفعہ (۱) کا ماحصل یہ ہے کہ انگلستان اسکاچستان اور آئرستان اور نیز ان کے متعلقہ توابعات کا اعلیٰ اختیار قانون سازی ایک شخص یعنے "حامی سلطنت،، اور ان لوگوں میں جو پارلیمنٹ میں جمع ہوں" قائم رہے گا۔ اس طریقے سے یہ ظاہر کیا گیا کہ دستور اور پارلیمنٹ دونوں کا منبع اختیار قوم ہوگا اور انگلستان، اسکاچستان اور آئرستان کی متحدہ حکومت جو درحقیقت پہلے ہی قائم ہو چکی تھی قانونی طور پر تسلیم کر لی گئی۔ اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ عاملانہ حکومت میں حامی سلطنت اور اس کی کونسل کے فرائض اور اختیارات مع قیود کے کیا ہوں گے۔ اکثر معاملات میں حامی سلطنت کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ وہ پارلیمنٹ کی منظوری اور مشورے سے کام کرے۔ موجودہ زمانے میں مقننہ اکثر خود اپنی منظوری کے بغیر برخاست نہیں کی جاسکتی، اس وقت حامی پارلیمنٹ کو پانچ مہینے کی نشست سے پہلے برخاست نہیں کر سکتا تھا۔ نیابت کی تقسیم قطعیت کے ساتھ بدل دی گئی اور آبادی کی تقسیم کے مطابق سرسری طور پر اس کا تعین کیا گیا۔ اکثر چھوٹے بلدیوں کا حق رائے دہی سلب کر لیا گیا۔ لیڈز اور منچسٹر جیسے جدید ترقی یافتہ شہروں کو نیابت دی گئی۔ صوبوں کی نیابت میں وسعت دی گئی۔ پرانی پارلیمنٹ میں (۴۱۳) بلدی اراکین اور (۹۲) صوبہ داری اراکین بیٹھے تھے، جدید پارلیمنٹ میں (۱۳۵) بلدی اور (۲۳۸) صوبہ داری اراکین ہو گئے۔ رائے دہی کے دائرہ کو خاطر خواہ محدود کیا گیا۔ منتخب کنندگان کے لئے دو سو پونڈ کی اہلیت لازم قرار دی گئی۔ جن لوگوں نے پارلیمنٹ کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا وہ چار انتخابات پارلیمنٹ کی حد تک رائے دہی سے محروم کر دئے گئے اور جن لوگوں نے آئرستان میں بغاوت کا ساتھ دیا تھا۔ نیز جو رومن کیتھلک تھے وہ ہمیشہ کے لئے رائے دہی سے محروم کر دئے گئے۔

جو مسودات پارلیمنٹ میں پاس ہوں ان کا منظوری کے لئے "حامی" کے پاس جانا ضروری تھا۔ اگر وہ بیس روز کے اندر منظوری نہ دے یا "مقررہ میعاد کے اندر پارلیمنٹ پر اطمینان ظاہر نہ کرے،، تو بغیر اس کی منظوری کے وہ مسودات قانون ہو جائیں گے "بشرطیکہ ان مسودات میں کوئی چیز ایسی نہ ہو جو ان کے امور مشتملہ آلۂ حکومت کے منافی ہو اس دفعہ کے وہ ضمن خاص طور پر

غور کے قابل ہیں۔ ایک سے اختیارِ نامنظوری کا ضابطہ بنتا ہے جو محدود ہے۔ پارلیمنٹ سے طمانیت ظاہر کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح امریکہ کے عملدرآمد میں پیغام نامنظوری ہوتا ہے محافظ پارلیمنٹ کو اس بات کی ترغیب دے سکتا ہے کہ فلاں قرارداد کو ترک کر دے، لیکن معمولی کثرت اس کی نامنظوری کو مسترد کر سکتی تھی۔ دوسری ضمن میں یہ ضابطہ بنا کہ غیر دستوری مسودات قانون نہیں بن سکتے امریکہ کے دستور کی طرح اس امر کا کوئی ضابطہ نہیں تھا کہ کوئی عہدہ دار اس بات کا فیصلہ کرے کہ فلاں مسودہ غیر دستوری ہے، لیکن رفتہ رفتہ یہ فرض یقیناً عدالتوں کے سپرد ہو جاتا ہے۔ آلہ حکومت میں ایسا کوئی طریقہ نہیں رکھا گیا کہ جس سے اس قانون کی ترمیم ممکن ہوتی اور بعض تو اس ضمن کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ یہ ہر قسم کی ترمیم کا مانع ہے۔ تاہم یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ عدالتوں کو اس کی تاویل کے لئے کہا جاتا تو وہاں سے یہ جواب ملتا کہ چونکہ حامی سلطنت کی نامنظوری کے بعد کسی غیر دستوری فعل کی اجازت نہیں اس لئے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ پارلیمنٹ میں حامی کی منظوری سے آلہ کی ترمیم ہو سکتی تھی۔ ارکین کونسل کے تقرر میں پارلیمنٹ براہ راست شریک تھی اور مملکت کی بڑی خدمات کے تقرر میں پارلیمنٹ کی منظوری ضروری تھی "ان سب کو جو حضرت عیسیٰ کے توسط سے خدا کے قائل تھے"، مذہبی آزادی دی گئی اور شرط یہ تھی کہ "یہ آزادی پوپ اور اسقف پرستی کی حد تک نہ جائے"۔

اقتدار اعلیٰ کا مرکز۔ یہ قدرتی بات ہے کہ اس دستور کا منطقی اثر یہ تھا کہ اقتدار اعلیٰ نہ صرف حقیقت میں بلکہ ظاہری شکل میں بھی پارلیمنٹ کے ہاتھ سے نکل کر قوم میں منتقل ہو جاتا چونکہ پارلیمنٹ قوم کے بنائے ہوئے اساسی قوانین کی تابع تھی اس لئے وہ انتہائی اقتدار کی جگہ نہیں لے سکتی تھی، اور متنازع فیہ مسائل اور حکمت عملی کے فیصلے کا آخری مرجع نہیں ہو سکتی تھی اگرچہ مکتوبی دستور غائب ہو گیا اور گو اس کیفیت کو انگلستان میں نہ تو باضابطہ ظاہر کیا گیا نہ نظریہ کے طور پر تسلیم کیا گیا لیکن سچ تو یہ ہے کہ یہ پیورٹنی انقلاب کا یہی نتیجہ تھا۔ اپنی کتاب "قانون دستور" میں پروفیسر ڈایسی نے کہا ہے "قانونی نقطۂ نظر سے پارلیمنٹ نہ تو منتخب کرنے والوں کی ایجنٹ ہے نہ کسی مفہوم میں انتخاب کنندگان کی امین ہے۔ قانونی طور پر یہ مملکت کی مقننہ طاقت ہے"۔ بہر حال مسٹر ڈایسی قانونی اور عملی اقتدار کے باہمی فرق کو مان گئے کہ عملی اقتدار منتخب کرنے والوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس کے پہچاننے کا صحیح معیار اختیارات کی آخری نزاع کو دیکھنا ہے کہ دونوں میں سے کونسی طاقت دوسرے کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

مکتوبی دستور کے علاوہ ایسے قوانین بھی ہیں جو کسی نہ کسی میقات میں پاس ہوئے یا ایسی تجاویز بھی ہیں

جو صرف پیش ہوئے تھے مگر اختیار نہیں کئے گئے۔ نیز وہ چیزیں بھی ہیں جو زمانۂ حال کی تبدیلیوں کے پیش بندیاں ثابت ہوئیں۔ مثلاً عوام الناس کی مفت تعلیم گاہیں عوام الناس کے ڈاک خانے، غربا کے روزگار کے لئے تعمیری کام، رائے دہی نسوان، خفیہ رائے دہی، قومی بنک کا قیام، مطبع کی آزادی، تجارت کی آزادی مع قوانین جہاز رانی جو دوبارہ وضع کئے گئے تھے، مذہبی قیود کا اٹھا دینا جو عملاً مکمل نہیں ہوا، مقامی حکومت کی درستی، انتقال اراضی کے اندراجات کا طریقہ، قانون ازدواج کی تسہیل، اہم اعداد و شمار کا مقامی رجسٹر رکھنا حکومت اور قانون کے سامنے جو تدابیر اور تجاویز تھیں ان میں بھی زمانۂ حال کی شان پائی جاتی ہے۔ یعنی پارلیمنٹی کارروائیوں کے لئے کمیٹیوں کا وسیع استعمال، محصول چنگی کا ازسرنو اجرا، تحقیق اور مصارف کے انسداد کے لئے عدالتی کارروائیوں میں غیر معمولی اصلاح۔ تمام کارروائی انگریزی زبان میں کرنے کا انتظام، مرافعوں کی تسہیل، قانون دادرسی اور قانون عرفی کو مدغم کرنے کی کوشش۔ پروبیٹ کے لئے ایک جدید ملکی عدالت کا قیام۔ عادلوں کی تنخواہوں کی رسوم عدالت سے علیحدگی اور ان کا جداگانہ انتظام، پابندیٔ رویہ کی شرط کے ساتھ ان کی میعاد خدمت کا استقلال۔ جن لوگوں پر ارتکاب جرم کا الزام ہوتا تھا ان کو اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے کشادہ ذرائع بہم پہنچانا ادائی قرض کے لئے سہولتیں پیدا کرنا قید قانون کی اصلاح اور جو قرض کی علت میں قید ہوتے تھے ان کے ساتھ رعایت۔ آنے والے خیالات کی پیش بندیاں جن کے متعلق بعض اوقات یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ خاص امریکائی ہیں۔ وہ ہیں جن کا ۱۶۴۷ء کی پارلیمنٹی بحث میں بہت پہلے ہی اعلان ہو چکا تھا کہ "وہ شخص اس حکومت کا پابند نہیں ہو سکتا جس میں اس کو اپنی آواز بلند کرنے کا حق نہ ہو" اور ایڈمنڈ والر نے کرامویل کی جو مدح لکھی ہے اس کے اشعار میں بھی امریکائی الفاظ کی پیش بندی ہوئی ہے:-

> گویا وحشی سمندر نے دنیا کے اس قطعہ کو براعظم سے جدا کر دیا ہے اور اس طرح کی تخلیق میں یہ قطعی ارادہ مضمر تھا کہ یہ ملک بنی نوع انسان کی مقدس پناہ گاہ ہو اور مظلوم یہاں آ کر پناہ لیں اور آپ کے دربار میں انصاف اور اعانت کے طالب ہوں۔

یہ فہرست مکمل نہیں ہے اور ان تجاویز میں سے مقابلۃً صرف معدودے چند ایسے ہیں جنھوں نے حقیقی قانون موضوعہ کی صورت اختیار کی ہے۔ لیکن اس فہرست سے دو چیزیں پوری طور پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس انقلابی دور میں لوگوں کے دماغ مسائل حکومت کے سلجھانے میں بہت سرگرم

تھے ۔ دوسرے یہ کہ اس زمانہ کا تفکر آنے والی دستوری اور قانونی ترقی کے بالکل ہم شکل تھا جو اگلی صدیوں میں
بغیر انقلابی طریقۂ کار کے خودبخود وجود میں آ گئی ۔ یہ بہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ پیوریٹنی اصلاحی تجاویز کے راستے
میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی تھی کہ پیوریٹن غیر معمولی ذہنی جد و جہد کرتے تھے ۔ ان کی تمام پارلیمنٹی مجلسوں
کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں لاطائل بحثیں ہوتی تھیں جن کا کوئی عملی نتیجہ نہیں نکلتا تھا ۔ آلۂ حکومت کے
تحت جو پہلی پارلیمنٹ مجتمع ہوئی تو اس کے اراکین حامی سلطنت کے خلاف مرضی اس وثیقہ کے دستوری
قانون پر اور اس کی ممکنہ ترمیم پر بحث کرنے کے لئے اس قدر ہٹ کرنے لگے کہ بغیر کچھ کام کئے ان کو
گھر واپس کر دیا گیا ۔ دوسری پارلیمنٹ بھی جس میں دارالامراء دوبارہ قائم کیا گیا تھا کچھ بہت بہتر ثابت نہیں ہوئی
برخلاف اس کے دولت عامہ اور محمیہ کے دوران میں عاملہ نے ملکی اور خارجی معاملات میں اچھے کام کئے ۔
چونکہ فرقوں اور جماعتوں کے لاحاصل مجادلوں سے قوم بیزار ہو گئی تھی نیز کرامویل کے بعد اس کا جانشین
ایسا نہیں تھا جو اس کی پر زور عاملانہ حکمت عملی کو جاری رکھ سکتا اس لئے پادشاہی بلا وقت بحال کر دی گئی

اس کے بعد جب ہم اگلے حصہ میں چند تفصیلات پر بحث کرنے جائیں گے تو ہمیں ان مستقل نتائج
کو اچھی طرح دیکھنے کا موقع ملے گا جن کے متعلق یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ۱۶۴۲ء اور ۱۶۶۰ء کے درمیان
کے زمانہ میں واقع ہوئے ہیں ۔ ٹاسویل لینگمیڈ نے اپنی "دستوری تاریخ" میں چار بڑے نتائج
اور بتلائے ہیں جن کو وہ مستقل سمجھتے ہیں (۱) "اگرچہ ملوکیت کا ادارہ پھر بحال کیا گیا لیکن مطلق العنان ملوکیت
کا معاملہ ہمیشہ کے لئے فنا ہو گیا" یہ بالکل صحیح ہے لیکن اس کی حقیقت اس وقت اتنی واضح
نہیں تھی جس قدر اب ہمارے سامنے ہے ۔ مطلق العنان ملوکیت کے ساتھ کشمکش کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا
اور اگرچہ پادشاہ کو اس کشمکش سے کامیابی کی کوئی امید نہ تھی تاہم جیسے اس زمانے کے خیال کے بموجب
اس کشمکش کے چند خطرناک پہلو قوم کے سامنے موجود تھے ۔ (۲) "ملک کی حکومت میں دارالعوام کا زبردست اثر
ہمیشہ کے لئے قائم ہو گیا" ۔ یہ بھی ایک ایسی حقیقت ہے جس کو وہی مورخ دیکھ سکتا ہے جو اگلی
ترقی کے زینہ پر کھڑا ہو کر پیچھے نظر ڈالے ۔ جہاں تک عملی حکومت کا تعلق ہے یہ چیز اس وقت تک پوری طور پر
سمجھ میں نہیں آئی جب تک ایک صدی سے زیادہ زمانہ نہ گزر چکا یہ دونوں پادشاہ اور پارلیمنٹ کی باہمی
کشمکش کے دیرپا اور بنیادی نتائج ہیں جو سترھویں صدی میں ہوئی اور ان سے انگریزی دستور کی ہمیشہ کے لئے ایک
خصوصیت قائم ہو گئی ۔ (۳) پاپائیت کا انگلستان سے بالکلیہ اخراج ہو گیا لیکن بحالی کے بعد قومی کلیسا
کی حیثیت بالکل اسی طرح کی نہ تھی جس طرح بغاوت سے پہلے تھی" تاہم پاپائیت کے سیاسی منصوبوں
کا خوف اب تک باقی تھا ۔ اور قوم کا یہ سمجھنا کہ یہ ملک کے لئے ایک خطرناک چیز ہے اگلے دور میں جا کر اور

زیادہ قوی ہوگیا۔ آخری فقرے پر بعد میں بحث کی جائے گی۔ (۴) "قوم میں مستقل فوج کی طرف سے کامل بے اطمینانی پیدا ہوگئی اور انتہائی نقطۂ خیال کے لوگوں کے ساتھ عالمگیر بے اعتمادی پھیل گئی" مستقل فوج کے ساتھ بے اطمینانی اور اس کی مخالفت اگلی پشت میں جاکر اور زیادہ شدید ہوگئی اور اس کے انگلستان اور امریکہ دونوں جگہ تکلیف دہ نتائج برآمد ہوئے۔

ان مستقل نتائج کے بیان میں چند نتائج کا اور اضافہ ہوسکتا ہے۔ ۱۔ پادشاہ کی تمام مالی آزادی کا خاتمہ ہوگیا۔ اس معاملہ کے متعلق جو کشمکش کہ ایڈورڈ اول کے عہد سے برابر جاری تھی بالآخر ختم ہوگئی۔ اگر جیمس دوم کی غیر اہم مثال کا استثنا کیا جائے تو بعد کے کسی انگریز پادشاہ نے پارلیمنٹ کار روائی کے علی الرغم محاصل عائد کرنے کی کوشش نہیں کی۔ (۲) اختیار خصوصی کی عدالتیں اور ان کے ساتھ اختیارات خصوصی کا خطرہ دور کردیا گیا۔ یہاں بھی اگلی پشت کی ایک موہوم سی استثنائی شکل پیش کرنا ضروری ہے، لیکن اس میں پادشاہ کی طرف سے اختیار خصوصی کے عمل میں لانے کی تمام کوششیں بے فائدہ ثابت ہوئیں کیونکہ اختیارات خصوصی کے جو امکانات باقی رہ گئے تھے وہ ۱۶۸۹ء کے بعد سے سب پارلیمنٹ کے زیر اقتدار تھے۔ (۳) یہ بات بالکل وضاحت کے ساتھ طے ہوگئی کہ انگلستان جمہوریہ نہیں بنے گا۔ ایک معنی میں انگلستان کی دستوری ترقی کا منطقی میلان جمہوریت کی طرف تھا لیکن بحالی کے بعد جو ادارتی تغیرات عمل میں آئے اور جس طرح یہ تغیرات حکومتی کل کے ساتھ انتظام بحالی میں ظاہر ہوئے ان سے یہ چیز ایک زمانہ کے لئے ناممکن ہوگئی اور ڈھائی صدی کے بعد یہ بالکل خلاف قیاس ہوگئی۔ آئندہ تاریخ کا بڑا حصہ اسی موضوع سے بحث کرنا ہے کہ آخر یہ کیسے ہوا۔

ان کا اثر امریکہ میں۔ اس بیس سالہ ہونہی انقلاب سے انگلستان کی دستوری ترقی کی رو دو شاخوں میں بٹ گئی۔ انگلستان کی کوشش یہ تھی کہ مذہبی اور اس کے ساتھ سیاسی جوش کے زیر اثر انقلاب اور تشدد سے کام لے کر ترقی کے منطقی نتائج حاصل کرے لیکن یہ قبل از وقت تھا، کیونکہ اس وقت تک حالات اور ادارات کا ایسا اچھا سامان تیار نہیں ہوا تھا جس سے راستہ صاف ہو جاتا۔ ردِ عمل کی حالت میں جس کا ہونا لازمی تھا، انقلاب کا کام ملیامیٹ ہوگیا اور ارتقائے دستور کا رشتہ پیچھے ہٹ کر نتائج کی اس منزل سے منسلک ہوگیا جہاں انگلستان اپنی طبعی رفتار کے ساتھ ۱۶۴۱ء میں پہنچا تھا یعنے جس وقت طویل العہد پارلیمنٹ کا پہلا اجلاس ختم ہوا تھا تقریباً ہر چیز جس کے لئے انقلاب نے ہاتھ پیر مارے تھے اب وہ انگریزی دستور میں شامل ہے لیکن وہ اس کوشش کا پھل نہیں ہے، بلکہ وہ عمل ترقی کے آہستہ اور طبعی رفتار کا نتیجہ ہے۔ گو ایک معنے میں انقلاب بھی اسی کی

پیداوار تھی لیکن اس انقلاب کی وجہ سے تھوڑے دنوں کے لئے ترقی کی رو بند ہو گئی تھی۔ امریکہ کی پیوریٹنی اور کونکری نو آبادیوں میں ان انقلابی خیالات نے ایک ایسی سیاسی فضا پیدا کی جو قدرتی تھی۔ یہ خیالات وہاں انقلابی نہیں ثابت ہوئے بلکہ ان سے ایک ایسا مواد مل گیا جس سے ان چھوٹی ریاستوں کی قدرتی دستوری زندگی میں جان پڑ گئی۔ ان کی طبعی سیاست میں جو ترقی شروع ہوئی تو انہی خیالات سے ہوئی اور جوں جوں آبادی اور ضروریات میں اضافہ ہوتا گیا کل میں ان خیالات کا احساس بہت بڑھتا گیا یہاں تک کہ اہل امریکہ کے ادارات کی تشکیل میں، جو دوسری بڑی سکسینی قوم ہے منجملہ دو اثرات کے ان خیالات نے بھی بڑا حصہ لیا ہے۔
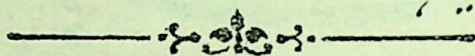
BIBLIOGRAPHICAL NOTE.—C. Borgeaud, *The Rise of Modern Democracy in Old and New England, 1894.*

L. F. Brown, *Baptists and Fifth Monarchy Men, 1912.*

C. H Firth, *Oliver Cromwell, 1905 ; The Last Years of the Protectorate, 1909 ; The House of Lords during Civil War, 1910* S. R. Gardiner, *The Great Civil War,* 4 vols., 1886 ; *The Commonwealth and Protectorate,* 3 vols., 1894-1903 G. P. Gooch, *English Democratic Ideas in the Seventeenth Century 1898.* E. Jenks, *Constitutional Experiments of the Commonwealth, 1890.*

C. H. McIlwain, *The High Court of Parliament, 1910.*

T. C. Pease, *The Leveller Movement, 1916 .*

باب ۱۴

فتح کی توثیق

جس طریقے سے ۱۶۶۰ء میں چارلس دوم کی بحالی عمل میں آئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہی فریق کے مقابلے میں کس قدر ردِ عمل ہوا تھا۔ بادشاہ تخت پر اس طرح بحال کیا گیا کہ اس کے ساتھ کسی قسم کی کوئی دستوری ذمہ داری نہیں رکھی گئی۔ اس کے باپ کی بداعمالیوں کا کوئی ذکر کیا گیا نہ ان اصولوں کا جن پر ۱۶۴۰ء میں دارالعوام کی بڑی کثرت شدومد کے ساتھ اڑی ہوئی تھی اظہار کیا گیا۔ اس اجلاس پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین کتاب قانون میں بحال رہے، اور اس حد تک مطلق العنان حکومت کے تمام ذرائع عمل سلب کر لئے گئے لیکن نہ تو کسی باضابطہ بیان سے پارلیمنٹ کی فوقیت کا اعلان کیا گیا نہ بادشاہ سے اس امر کا اقرار لیا گیا کہ اس کے اختیارات محدود ہیں اور قوم کے دیئے ہوئے ہیں۔ جہاں تک باضابطہ مواعید بلکہ باضابطہ بیانات کا تعلق ہے جو ۱۶۴۱ء میں نومبر کے بعد سے عمل میں آئے اور جن کے ساتھ جدید حکومت شروع ہوئی ہے، ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس میں دستوری شان پائی جاتی ہو

تاہم ایسی بہت چیزیں پیدا ہو چکی تھیں جو لوگوں کے دلوں کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتی تھیں اور وہ فراموش نہیں ہو سکتی تھیں۔ چارلس کا یہ بیان کہ پھر کبھی میں سفر کو نہیں جاؤں گا اس وجہ سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتا کہ یہ ایک قسم کی طعنہ آمیزی تھی۔ یہ اظہار سیاست کے کافی غور و خوض کے بعد

کیا گیا تھا جس میں حقیقت امر کا صحیح اندازہ کیا گیا تھا۔ چارلس جانتا تھا کہ دستور نے بہت پلٹا کھایا ہے۔ گو وہ زبان سے ایسا نہیں کہہ سکتا تھا نہ اس کی ماہیت کی وضاحت کر سکتا تھا۔ اس بات کو وہ خوب دل سے سمجھا ہوا تھا کہ میں ایک حد سے زیادہ پارلیمنٹ کی مخالفت نہیں کر سکتا اور اسی دانست کے مطابق اس نے اپنا رویہ مشخص کر لیا تھا۔ نہ تو وہ اپنے باپ کے بہ نسبت اقتدار پارلیمنٹ کی زیادہ تنقیح کا خواہشمند تھا نہ شاہی اقتدار کے از سر نو قائم کرنے کا اپنے باپ سے کم خواہاں تھا، بلکہ سیاست میں اس کی نظر گہری اور تیز تھی، اور وہ بہت جلد سمجھ گیا تھا کہ میرے ممکنہ حدود کہاں تک ہیں اور میرے حد سے آگے بڑھنے کا کیا نتیجہ نکلیگا۔ چنانچہ جب اس نے اعلان کے ذریعے منحرفین کی قانونی مجبوریاں اٹھا دینا چاہیں اور پارلیمنٹ نے سختی سے اعتراض کیا تو اس نے فوراً کوشش چھوڑ دی۔ حالانکہ یہ پارلیمنٹ وہ تھی جو ہمیشہ اس کے حسب خواہش کام کرنے کے لئے تیار تھی۔

بادشاہ کا یہ فعل اس حقیقی صورت حال کی خاطر خواہ ترجمانی کرتا ہے جو بحالی سے پیدا ہو گئی تھی جو کسی قانونی تشکیل یا ضابطے پر نہیں بلکہ محض واقعات پر مبنی تھی۔ ظاہری تشکیل اور قانون میں بادشاہ برتر اور مقتدر اعلےٰ تھا لیکن جہاں تک واقعے کا تعلق ہے پارلیمنٹ برتر ہو گئی تھی۔ مملکت کا اعلیٰ اقتدار یعنے وہ اختیار جو ہر متنازع فیہ سیاسی مسئلے کا قطعی فیصلہ کر سکے پارلیمنٹ کو دیدیا گیا تھا۔ اس کے بعد سے بادشاہ کے لئے جب تک وہ اصلی عاملانہ کام کرتا رہا پارلیمنٹ کے قطعی مرضی کی مزاحمت کرنا ناممکن تھا اور اسی طرح وزارت کے لئے جب سے کابینہ نے تمام عاملانہ اختیارات اپنے ہاتھ میں کر لئے تھے ایسی مزاحمت ممکن تھی۔ چنانچہ اس وقت چارلس اول کے بیٹوں کی کوششوں کا جو برا نتیجہ نکلا یعنے انھیں شاہی اقتدار کو دوبارہ قائم کرنے میں جو افسوسناک مایوسی ہوئی۔ ایسی واضح مثال ہے جو بعد کی تاریخ میں تو کجا خود ہمارے زمانے کی تاریخ میں بھی نہیں ملتی۔

رسمی مفاہمت:۔ ۱۶۶۰ء کا نتیجہ جو ابھی بیان کیا گیا ہے وہ ایک مفاہمت اور محض مفاہمت تھی گو اس کا اظہار الفاظ میں نہیں بلکہ صرف واقعات سے ہوا تھا۔ جیمس اول کی تخت نشینی کے اوائل میں یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ آیا سولھویں صدی کی مقتدر ملوکیت اور پندرھویں صدی کی زبردست پارلیمنٹی سیادت دونوں باہم چلائی جا سکتی ہیں، یعنے بادشاہ اور دستور کے درمیان کہاں خط فاصل کھینچا جا سکتا ہے۔ اس کا جواب مفاہمت کی صورت میں حل ہو گیا۔ لیکن مفاہمت کی عجب شان تھی، یہ آیندہ ایکسو پچاس سال میں جن اصول پر ترقی ہوئی وہ یہ تھا کہ ظاہری شکل و صورت تو بادشاہ کے ساتھ اور حقیقت امر پارلیمنٹ کے ساتھ وابستہ ہو گئی۔ زمانہ حال کا دستوری قانون داں جن الفاظ میں اس نتیجہ کو ظاہر کرتا ہے

ان سے زیادہ صحیح الفاظ اور نہیں ہو سکتے وہ یہ کہ "اقتدارِ اعلیٰ بادشاہ بہ اجلاس پارلیمنٹ میں موجود ہے"۔ اصولاً بادشاہ مقتدر رہے لیکن اس کا اقتدار پارلیمنٹ کے توسط سے ظاہر ہوتا ہے اور عمل میں لایا جاتا ہے۔ بادشاہ تدبیرِ مملکت کے اپنے ذاتی اختیار سے دست کش ہو گیا لیکن یہ دست کشی اس بات سے چھپی رہی کہ اختیارات بظاہر اسی کے ہاتھ میں معلوم ہوتے تھے اور ایک عرصے تک وہ اچھے خاصے اختیارات کام میں لاتا رہا اور اس کو اہم حقوق اور اثرات بھی حاصل رہے لیکن اس معنوی مفاہمت کے علانیہ تسلیم کرنے میں ابھی سو برس باقی تھے اور موجودہ سطح پر توازن قایم ہونے میں ابھی سو برس کا عرصہ درکار تھا لیکن درحقیقت یہ کام ۱۶۸۹ء میں ہو چکا تھا۔

دنیا کی تاریخ حکومت میں کوئی واقعہ اتنا معنی خیز اور وسیع الاثر نہیں ہوا جس قدر اس مفاہمت کا واقعہ ہے محض اسی واقعے کی بنا پر انگریزی دستور تمام مہذب دنیا میں پھیل گیا جو انیسویں صدی کی بڑی خصوصیات میں سے ہے، اور بالخصوص آگے چل کر اس نے یہ ثابت کر دیا کہ عمومیت کے حصول کے لیے دستوری ملوکیت کو درمیانی منزل کے طور پر کام میں لایا جا سکتا ہے اس لحاظ سے اس مفاہمت کے وسیع الاثر ہونے میں کوئی مبالغہ نہیں ہو سکتا۔ اگر تاریخ انگلستان کی رفتار اس نوع دستور کی طرف کھینچ لی جاتی جس میں وزارت از روئے شکل و قانون بجائے بادشاہ کے براہ راست پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوتی تو نہ صرف یہ معاملہ بے حد پیچیدہ ہوتا کہ بادشاہ کو سلب اختیارات پر کس طرح راضی کیا جائے بلکہ دوسری ملوکیتوں کو جو اس کے لیے کبھی راضی نہ ہوتیں اس دستور کا اختیار کرنا عملاً ناممکن ہو جاتا، اور موجودہ دستور کی جو مفاہمتی شکل ہے کہ وزارت گو اختیارات میں برتر ہے اصولاً اور شکلاً بادشاہ کی آفریدہ اور اس کے سامنے جواب دہ ہے، کبھی نہ پیدا ہوتی۔ ایک طرف تو یہ چارۂ کار تھا کہ حقیقی حکومت کے جملہ اعضا کو براہ راست مجلس مقننہ کے سامنے باضابطہ طور پر جوابدہ کر دیا جائے اور دوسری طرف یہ چارۂ کار کہ قطعی جمہوریہ قایم کر دی جائے۔ اب اگر مفاہمت نہ ہوتی تو ظاہر ہے کہ انقلاب ان دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کر لیتا لیکن وہ اس قدر متوازن صورت ہوتی کہ کسی جانب کوئی خاص جاذبیت اور وزن نہ ہوتا۔ انگریزی دستور کا ہمہ گیر اثر صرف اس وجہ سے تھا کہ حقیقی حکومت پر پارلیمنٹ کا تسلط بالشکل اور بلاواسطہ نہیں ہوا بلکہ بالواقعہ اور بالواسطہ ہوا چنانچہ حقیقی جمہوریہ بادشاہ کے پیچھے چھپا رہا اور ساتھ ہی بادشاہی بھی اپنے پورے تزک و احتشام کے ساتھ قایم رہی۔

بحالی ۔ بحالی کو ٹکرا دربیٹری دونوں فریق کا متحدہ کام تھا اور یہ قریب قریب ویسا ہی کام تھا جس کے عمل میں لانے کی کوشش پہلی خانہ جنگی کے بعد کی گئی لیکن ناکام ہوئی اس وقت اس کے کامیاب ہونے کی وجہ یہ تھی کہ غالی فریق کی عام مقبولیت معدوم ہو چکی تھی اور اب ان کا کوئی رہنما نہیں رہا تھا۔

بحالی کی کامیابی میں ایک جنرل منک کی فوج نے نہایت زور سے کام کیا دوسرے ایسی جماعت نے کام کیا جس کو امریکہ میں اجتماع کہا جاتا ہے لیکن انگلستان میں اس کو "اجتماعی پارلیمنٹ" کہتے ہیں کیونکہ اس کی صورت بھی پارلیمنٹ کی سی ہوتی ہے۔ جہاں تک ایوان بالائی کا تعلق ہے اس میں جتنے امرا جمع ہو سکے آگئے۔ لیکن دار العوام تو پرانی پارلیمنٹوں میں رکنیتوں کی تقسیم کے اصول پر طلب کیا گیا۔ قانوناً یہ پارلیمنٹ نہیں تھی کیونکہ جو انتخابات عمل میں آئے تھے ان کے لیے شاہی شقوں کا کوئی حکم نہیں تھا چارلس دوم کی واپسی کے بعد ایک قانون پاس کیا گیا کہ یہ مجلس باضابطہ پارلیمنٹ ہے اور چارلس دوم کی دوسری پارلیمنٹ نے جو باضابطہ طلب کی گئی تھی یہ قانون پاس کر کے عارضی پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے جملہ قوانین کی توثیق کر دی بحالی کی کارروائی کو دستوری عملدرآمد کے مطابق کرنے کے لئے ممکنہ کوشش کی۔ چونکہ دستور کی تاویل کے مطابق جو اس وقت مسلمہ سمجھا گیا چارلس دوم اپنے باپ کے قتل کے عین بعد ہی بادشاہ ہو گیا تھا لہٰذا پارلیمنٹہائے دولت عامہ اور محمیہ کے بنائے ہوئے جملہ قوانین جن کے لئے بادشاہ کی منظوری نہیں تھی خود بخود کالعدم ہو گئے۔ یہی بات طویل العہد پارلیمنٹ کے قوانین پر صادق آگئی جو خانہ جنگی کے شروع ہونے کے بعد بنے تھے لیکن رجعتی پارلیمنٹ نے شخصی حکومت کے پرانے امکانات کو بحال کرنا نہیں چاہا۔ چنانچہ طویل العہد پارلیمنٹ کے اولین قوانین چند مستثنیات اور ترمیمات کے ساتھ جوں کے توں بحال رہے۔

یہ کہا جاتا ہے کہ رجعت دوگونہ تھی ایک پادشاہ اور پرانے دستور کی رجعت دوسرے کلیسا کی رجعت اس طریقہ بیان میں ایک قسم کی آسانی ضرور ہے۔ عارضی پارلیمنٹ میں پرسبٹری گروہ اس قدر طاقتور تھا کہ وہ منحرفین کے خلاف سخت تدابیر کی کبھی اجازت نہیں دے سکتا تھا اس نے پادشاہ کو بحال کر دیا پارلیمنٹ کی پرانی تنظیم بحال کر دی، اور مملکت میں اس کا درجہ مع جدید اختیارات کے جو اس نے حاصل کر لئے تھے قائم کر دیا۔ شہر قاؤں کو جو مقامی حکومت اور مقامی اثرات حاصل تھے وہ بحال کر دئے اور دیو رٹیوں کا وہ راستہ بند کر دیا جس سے وہ بڑے جوش وخروش کے ساتھ عمومیت کی طرف مائل تھے۔ اس نے قدیم جاگیری حقوق اراضی بند کر دیئے اور جو آمدنی پادشاہ کو مطالبات جاگیری سے حاصل ہوتی تھی اس کے عوض میں ایک محصول چنگی مقرر کر دیا۔ اس نے قوانین جہاز رانی دوبارہ وضع کر دیے۔ پادشاہ کے واسطے عمر بھر کے لئے مناسب اور رطلانہ منظور کر دیئے گئے مگر بالارادہ یا بلاارادہ یہ حکمت عملی قرار دی گئی اور اس پورے عہد میں جاری رکھی گئی کہ پادشاہ کو اتنی آمدنی نہ دی جائے جس سے حکومت کے جملہ مصارف پورے ہو سکیں۔ چند عادلوں کو جنھوں نے چارلس اول کے قتل کا فیصلہ کیا تھا اور چند لوگوں کو جو ان کے زبردست موئد تھے پھانسی دیا جانا منظور کر لیا مگر دوسروں کے لئے عام معافی کا قانون پاس کر دیا۔ یہ پارلیمنٹ

۲۹ ڈسمبر کو برخاست کردی گئی۔

جدید پارلیمنٹ کے لئے بہت جلد نشنقے جاری کئے گئے اور یہ پارلیمنٹ ۸ رمئی ۱۶۶۱ء کو جمع ہوئی۔
بادشاہ کی واپسی کے بعد سے عوام میں ملوکیت اور کلیسائی انگلستان کے موافق عوام میں برابر جوش بڑھ رہا تھا چنانچہ یہ جذبہ انتخابات میں بھی نمودار ہوا۔ پرسبٹیرین عنصر جو اجتماعی پارلیمنٹ میں خاص اہمیت رکھتا تھا قریب قریب غائب ہوچکا تھا اور اب دارالعوام شاہ پرستوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ پارلیمنٹ تاریخ میں "شاہ پرست پارلیمنٹ" کے نام سے موسوم ہے اور اس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ خود بادشاہ سے زیادہ بادشاہ پرست اور اساقفہ سے زیادہ کلیسائے انگلستان کی حامی تھی۔ اگرچہ آخری زمانے میں یہ پارلیمنٹ بہ نسبت پہلے کے بادشاہ کی حکمت عملی کی علانیہ مخالفت کرنے لگی، تاہم یہ حیثیت مجموعی یہ اس قدر اطمینان بخش تھی کہ چارلس دوم نے اس کو اٹھارہ سال تک جاری رکھا اور چونکہ خود اس نے ۱۶۴۱ء کے قانون سہ سالہ کو ۱۶۶۴ء میں منسوخ کر دیا تھا اس لئے اس کا اتنے عرصہ تک برابر جمع رہنا خلافِ قانون بھی نہیں تھا۔

ضابطۂ کلیرنڈن۔ شاہ پرست پارلیمنٹ کے کام کو آسانی کے لئے دو عنوانوں کے تحت رکھکر غور کیا جاسکتا ہے۔ ایک اس کی مذہبی اور دوسرے سیاسی جد و جہد۔ قومی مذہب یا کم از کم قومی کلیسا کی تنظیم کا سوال ابھی تک ایک زندہ سوال تھا اور اس کا اب تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ اگر خود مختار فریق کے دعاوی اس قابل نہیں تھے کہ ان پر ہمدردانہ غور کیا جاتا تو پرسبٹیری فریق کو تو یہ یقین کرنے کی کافی وجہ تھی کہ "جامعیت" کی کوئی شکل ایسی اختیار کی جائیگی جس کی رو سے یہ فریق اور اس کے پادری قومی کلیسا میں شامل رہ سکیں گے۔ اور ان کو جملہ شرائط مثلاً رسوم و لباس کی پابندی نہیں کرنی پڑے گی جس کے وہ مخالف تھے۔ ان کو فوراً معلوم ہوگیا کہ وہ دھوکے میں ہیں پارلیمنٹ کی انگلیکانی اکثریت اور ان کے رہنماؤں نے کامل اخراج اور جبری متابعت کا وہی مسلک اختیار کرلیا جو لاڈ کے ذہن میں تھا۔ یہ مسلک چار قوانین کے ایک سلسلے میں ظاہر ہوا جو لارڈ چانسلر کلیرنڈن کی وجہ سے جو اس زمانے میں صدر وزیر تھا بالعموم "ضابطۂ کلیرنڈن" کے نام سے موسوم ہیں۔

ان میں سے پہلا ۱۶۶۱ء کا قانون تخصیصات ہے اس کی رو سے بلدیات کے تمام ملازم پیشہ "عہد میثاق" کو ترک کرنے پر مجبور کئے گئے اور ان کو حلفیہ اقرار کرنا پڑا کہ بادشاہ کی مخالفت ہر حالت میں ناجائز ہے۔ وفاشعاری اور سیادت کی قسم کھانی پڑی اور آئندہ یہ لازمی قرار دیا گیا کہ انتخاب کے ایک سال کے اندر انگلیکنی رسوم کے مطابق رسم عشائے ربانی میں حصہ لیں۔ ۱۶۶۲ء کے قانون یک رنگی سے یہ طے پایا کہ تمام پادری کلیسائی سند حاصل کریں۔ اور اپنی نمازوں میں کتاب عبادت استعمال کریں

اور تمام معلم یہ اقرار کریں کہ ہم مقررہ عقائد اور عدم مخالفت کے اصول کو مانتے ہیں۔ سنہ ۱۶۶۴ء کے قانون مجالس منحرفین کی رو سے اس کی ممانعت ہو گئی کہ غیر انگلیکنی عبادت میں جہاں چار سے زیادہ آدمی ہوں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ بشرطیکہ وہ ایک ہی خاندان کے نہ ہوں اس کی سخت سزا قرار دی گئی۔ سنہ ۱۶۶۵ء کے پانچ میل کے قانون نے قرار دیا کہ جو عمال مذہب قانون یک رنگی کے منکر ہیں وہ حلفیہ اقرار کریں کہ ہم مخالفت کو ناجائز سمجھتے ہیں اور وعدہ کریں کہ ہم کلیسا اور مملکت میں کسی تبدیلی کی کوشش نہیں کریں گے۔ ایسا نہ کرنے کی صورت میں ان کو اس کی ممانعت تھی کہ وہ کسی ایسے با اختیار شخصیہ یا بردیا برس کے پانچ میل کے اندر آئیں جہاں وہ پہلے وعظ وغیرہ کر چکے ہوں۔ اس کی خلاف ورزی کی سخت سزا قرار دی گئی۔

ان قوانین کا عالمگیر اور بہت دیرپا اثر ہوا۔ ایک قدرتی اثر تو یہ ہوا کہ کلیسائے انگلستان پرانے مفہوم میں قومی کلیسا نہیں رہا بلکہ سرکاری کلیسا ہو گیا۔ جامعیت کا خاتمہ ہو گیا، منحرفین غائب ہو گئے اور اب وہ مردودین ہو گئے۔ زمانۂ حال کی طرح صدی کے اوائل میں بھی لفظ منحرف سے قومی کلیسا کا وہ رکن سمجھا جاتا تھا جو اس کے رسوم کی پابندی نہیں کرتا تھا۔ اب اس کے یہ معنی باقی نہیں رہے تھے بلکہ اس سے وہ تردید کرنے والے مراد لئے جاتے تھے جن کا کسی اور کلیسا سے تعلق ہوتا تھا یعنے یہ مردود تھے یہ حربہ خود مختاروں کے بہ نسبت پریسبٹریوں کے لئے زیادہ مہلک ثابت ہوا اور حقیقت یہ ہے کہ ایک حد تک پریسبٹری ہی اس کے نشانہ بنائے گئے تھے کیونکہ ان کی سیاسی اہمیت تھی کلیسا کی قومی تنظیم پریسبٹریوں کے اصل عقائد میں شامل تھی اور یہ تنظیم ان کے لئے انگلیکنی کلیسا کے اندر یا باہر ناممکن تھی۔ چونکہ پریسبٹریوں کی سیاسی طاقت کا مستقر قصبات اور بالخصوص شخصیات تھے جو پارلیمنٹ کے بلدی اراکین کا انتخاب کرتے تھے، اس لئے سیاسی طاقت کے دوبارہ حاصل کرنے کی تمام امیدیں ملیامیٹ ہو گئیں۔ رفتہ رفتہ پریسبٹری خاندان کلیسائے انگلستان میں داخل ہو گئے اور آگے چل کر ان سے وِگ فریق کو بڑی تقویت حاصل ہوئی مگر پریسبٹری مذہب بہ حیثیت ایک منحرفانہ تنظیم کے انگلستان میں بہت کمزور ہو گیا۔ برخلاف اس کے خود مختار کلیساؤں کو جو قومی تنظیم کے [illegible] نہیں تھے بہت کم نقصان پہنچا اور رواداری کے زمانہ تک یہ بڑی تعداد میں باقی تھے۔ اگر جمہوریہ کے دور میں جو محدود رواداری کا زمانہ گزرا ہے اس میں قوم کے مذہبی اور کلیسائی معاملات پر پارلیمنٹ کو سیادت حاصل نہیں تھی تو زمانۂ رجعت نے اس کی پوری تلافی کر دی۔ مگر یہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ ضابطۂ کلیرنڈن کی وجہ سے مذہبی مسائل کے اثرات بالکل زائل نہیں ہوئے بلکہ اس زمانے کی دستوری قانون سازی ان سے برابر متاثر ہوتی رہی۔

بادشاہ کا منشا جب ہم سیاسی نقطۂ نظر سے چارلس دوم کے عہدِ حکومت کی

توضیح کرنے بیٹھتے ہیں تو بادشاہ کے مقاصد کا اہم سوال سامنے آتا ہے جس کے متعلق علماء بالکلیہ متفق نہیں ہیں۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ اپنی سیرت اور شخصیت کے اعتبار سے یہ پکا اسٹوارٹ نہیں تھا۔ ان چیزوں میں یہ اپنے نانا ہنری چہارم شاہ فرانس کے بہت کچھ ایک بھگ تھا۔ اس میں معمول سے زیادہ سیاسی قابلیت تھی اور جن حالات سے اس کو نپٹنا پڑا تھا اس میں اس کو ایک حد تک نظر غائر حاصل تھی جو اس کے باپ اور بھائی میں مفقود تھی، لہٰذا ان چند اعتبارات میں وہ ایسا اسٹوارٹ بادشاہ تھا جو دستور کے لئے بہت خطرناک تھا اگر اس کے مسلک حکومت کی سرسری وضاحت اس طرح کی جائے کہ اس میں بہت کم مشکلات کا سامنا ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے دو بڑے مقاصد قرار دئے تھے جن کی وہ تکمیل چاہتا تھا اولاً یہ کہ جہاں تک ہو سکے حکومت پر بادشاہ کا شخصی تسلط حاصل ہو یعنے وہ پارلیمنٹ کے قید و بند سے آزاد ہو جائے اور دوسرے اگر کیتھولک مذہب کے لئے کلیسائے مملکت کی شان پھر نہیں پیدا ہو سکتی تھی تو کم از کم جو لوگ اس کو اختیار کرنا چاہیں ان کے لئے یہ مسلمہ اور باضابطہ مذہب بن جائے اور اس کا برابر کا درجہ ہو۔ وہ عیش پرستی کے پردے میں بڑی ہشیاری کے ساتھ ان دو مقاصد کے پیچھے لگا رہا اور ان کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک ان کے لئے سعی بلیغ کی ضرورت داعی ہوتی یا ایک دوسرے انقلاب کا خطرہ نہیں پیدا ہوا۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ اس نے عیش و عشرت کو ایک ٹٹی کی آڑ بنائے رکھا تھا بلکہ وہ اپنے حظ نفس کے لئے عیش پرستی کرتا تھا اور جوں جوں اس کی عمر بڑھتی گئی عیش و عشرت جزو زندگی کی طرح اس پر مسلط ہو گئے تھے مگر اس کے عہد کی چند چیزوں کی تشریح کرنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک ہم یہ فرض نہ کرلیں کہ اس نے جان بوجھ کر اپنے کو عیش و عشرت اور اس زمانے کی اخلاقی کمزوریوں کی طرف مائل کر دیا تھا تاکہ اس کے وزرا کو اس کا دلی ارادہ نہ معلوم ہو سکے کہ وہ دستور کی خاص تاویل اور اپنے باپ دادا بادشاہان ٹیوڈر کی حیثیت کی طرف عود کرنا چاہتا ہے۔

چارلس نے سب سے پہلے ڈسمبر ۱۶۶۲ء میں موجودہ حالات کو بدلنے کی کوشش کی تاکہ مرتدین اور ان کے ساتھ کیتھولکوں کا فائدہ ہو جائے نیز اتفاق سے شاہی اختیار خصوصی کا بھی فائدہ منصور تھا اس نے ایک اعلان کیا جو اکثر اس کا پہلا "اعلان رعایت" کہلاتا ہے۔ اس میں اس نے یہ ظاہر کیا کہ پارلیمنٹ کو جب اس کی دوسری نشست ہو گی ترغیب دی جائے گی کہ وہ ہمیں پورے اطمینان کی خاطر دہ اختیار استثنا استعمال کرنے کی اجازت دے جس کے متعلق ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ہم میں ودیعت ہے"۔ یہ اس امر کا اعلان تھا کہ بحیثیت بادشاہ کے

اس کو رائج الوقت قوانین کی اطاعت سے مستثنیٰ کرنے کا اختیار خصوصی حاصل ہے اور اس کو امید تھی کہ وہ اس کو مردّدین کی اعانت کے لئے، استعمال کرے گا اور پارلیمنٹ اس کے ساتھ پورا اتفاق کرے گی۔ مگر پارلیمنٹ نے اتفاق کرنے سے انکار کر دیا اور چارلس اس منصوبے کو چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ دس سال بعد اس نے پارلیمنٹ کے تعاون کی درخواست نہیں کی بلکہ خود اپنے اختیار خصوصی پر بھروسہ کر کے ایک جدید اعلان شایع کیا جس کے الفاظ یہ تھے "ہم اپنی رضا و خواہش کا اعلان کرتے ہیں کہ منحرفین یا مردّدین کسی نوع کے کیوں نہ ہوں ان کے مذہبی معاملات میں ان کے خلاف جو تعزیری قوانین ہیں وہ سب کے سب فوراً معطل ہو جائیں اور بذریعہ ہذا معطل کر دئے گئے"۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس اعلان سے پارلیمنٹ کے تقریباً چالیس قوانین ٹوٹ گئے اور اس کی نوعیت بالکل ایسی تھی جیسے رچرڈ دوم کا وہ اعلان تھا جس کے ذریعے سے پارلیمنٹ کے اختیار پر ضرب لگائی گئی تھی۔ بادشاہ کے دل میں یہ خوشگوار امید تھی کہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک مردّدین دونوں متحد ہو جائیں گے اور اس طرح اس کی حکمت عملی کو ایک قومی تائید حاصل ہو گی لیکن جب پروٹسٹنٹ اس رواداری کو ان شرائط پر ماننے کے لئے راضی نہیں ہوئے تو یہ امید ٹوٹ گئی اور دوسرے اجلاس میں پارلیمنٹ نے بھی نہایت وضاحت کے ساتھ اپنا خیال ظاہر کر دیا۔ دارالعوام نے یہ قرارداد منظور کی کہ "مذہبی معاملات میں جو تعزیری قوانین ہیں وہ سوائے پارلیمنٹی قانون کے معطل نہیں کئے جا سکتے" اور اس قرارداد کو ایک مراسلے کی صورت میں بادشاہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ کچھ پس و پیش کے بعد چارلس نے اس کو منظور کر لیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان طریقوں سے چارلس کو یہ سبق مل گیا تھا کہ اختیار خصوصی کو براہ راست عمل میں لانے سے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر کیتھولکوں کے لئے مساوی حقوق حاصل کرنا ہی ٹھیرا تو وہ سیاسی کامیابی کے ذریعہ ہونا چاہئے یعنے پہلے مملکت میں اپنی برتری قائم کی جائے۔ بہر حال اس نے یہاں سے مذہبی تبدیلی کی علانیہ کوششیں یک قلم موقوف کر دیں۔ مگر دستوری فضا سے مذہبی عنصر غائب نہیں ہوا۔ کیتھولک غلبے کی وہشت جو آزادی کے لئے خطرناک تھی اور جس سے ملکہ الزبیتھ کی سیاسی تاریخ بہت کچھ متاثر تھی پھر ایک نئی شکل میں نمودار ہوئی۔ اب خوف یہ نہیں تھا کہ قوم کی یہ کیتھولک جماعت جس کی غالباً پہلے اکثریت تھی پوپ کی حکومت پھر بحال کر دے گی بلکہ خوف یہ تھا کہ ایک کیتھولک بادشاہ یا کیتھولک خاندان سے بھی یہی خوفناک نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔ چارلس کے پروٹسٹنٹ مذہب کے متعلق بہت کچھ مشتبہ تھا۔ اس کا بھائی جیمز، جو براہ راست وارث تخت تھا اس کے متعلق تو شبہہ یقین کی حد تک پہنچ گیا تھا اور یہ یقین کے ساتھ

سمجھا جاتا تھا کہ وہ کیتھولک ہے۔ قوم کے اس ڈر سے کہ شاید وہ بات پوری ہو جائے ایک قانون پاس ہوا جس کا اثر تاریخ انگلستان میں مدت دراز تک رہا ہے اور ایک دوسرا قانون پاس کرنے کی تقریباً کامیاب کوشش ہوئی جس کی دستوری اہمیت اس سے بھی بڑھ کر تھی۔

قانون آزمائش۔ پہلا قانون تو "قانون آزمائش" ہے جو "اعلان رعایت" کے واپس لینے کے عین بعد ہی پیش کیا گیا تھا اور اس کا منشا یہ تھا کہ تمام کیتھولکوں کو ایک آزمائش کے ذریعے جس سے بچنا محال تھا خدمت سے خارج کر دیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ملازم پیشہ جو چھپے کیتھولک تھے ان کو صاف صاف اپنا مذہب ظاہر کرنا پڑا اور تمام فوجی اور دیوانی عہدہ داروں پر وفاشعاری اور تفوق کی از سر نو قسم کھانا لازم ہو گیا۔ اس قسم میں اس بات کا اقرار بھی شامل تھا کہ ہم عشاء ربانی میں قلب ماہیت کے معتقد نہیں ہیں اور کلیسائے انگلستان کے رسوم کے مطابق عشاء ربانی کا حصول لازم ہو گیا اس کے بعد ۱۶۷۸ء میں پارلیمنٹی قانون آزمائش پاس ہوا کہ یہی اظہار دونوں ایوانوں کے اراکین پر لازم ہے۔ کوئی کیتھولک ان شرائط کی پابندی نہیں کر سکتا تھا جیمز کو سچ مچ اس بات کا اقرار کرنا پڑا کہ میں رومی کلیسا کا رکن ہوں اور کیتھولک امرا کو جواب تک دارالامرا میں اپنی نشستوں پر قابض تھے اپنی نشستوں کو چھوڑنا پڑا۔

ٹیٹس اوٹس نے جو ایک بڑے "پاپائی سازش" کا غلط افشا کیا کہ کیتھولکوں کے فائدہ کے لئے حکومت کو الٹنے کی کوشش کی گئی ہے جس پر عام لوگ یہ سمجھ کر کہ یہ سازش جیمز ڈیوک آف یارک کی تائید سے ہوئی ہے اس سے بدگمان ہو گئے اس وقت جذبے کی آگ اس قدر بھڑک گئی کہ شاہ پرست پارلیمنٹ کے مخالف فریق کو اس سے بے حد تقویت حاصل ہو گئی چارلس نے اپنے وزیر ڈینبی کو مواخذے سے بچانے کے لئے اس پارلیمنٹ کو چند روز کے لئے ملتوی کر دیا اور پھر برخاست کر دیا لیکن جدید دارالعوام میں جو ۱۶۷۹ء کے موسم بہار میں منتخب ہو کر آیا مخالف فریق کی پہلی سے زیادہ اکثریت تھی جو قریب میں "وہگ" کے نام سے موسوم ہونے والے تھے۔ یہ فریق اس بات پر تل گیا کہ پارلیمنٹ کے انتہائی اختیارات کو عمل میں لا کر کلیسائے انگلستان کیتھولک حکمران کے خطرے سے بچائے۔ تین پارلیمنٹوں میں یکے بعد دیگرے ایک مسودہ پیش کیا گیا کہ ڈیوک آف یارک کو وراثت تخت سے خارج کیا جائے۔ ایک مرتبہ تو دارالامرا نے اس کو مسترد کر دیا اور دو مرتبہ بادشاہ نے پارلیمنٹ کو ملتوی اور برخاست کر کے اس مسودے کو دارالعوام میں جانے سے روک دیا مگر اس نے باضابطہ طور پر پارلیمنٹ کے اس دستوری حق کی کہ پارلیمنٹ سلسلۂ جانشینی کو بدل سکتی ہے کوئی مخالفت نہیں کی۔ چارلس دوم کے عہد میں مذہبی مسئلے سے اور مزید نتائج پیدا نہیں ہوئے لیکن اس

حقیقی انقلاب میں جو جیمز کے عہد حکومت پر ختم ہوتا ہے مذہبی مسئلہ بھی وہی اثر رکھتا تھا جو سیاسی مسئلہ رکھتا تھا۔

تاریخ انگلستان میں دو بڑے فریقوں کا جو مسلسل وجود پایا جاتا ہے اس کا باعث اس عہد کی ہی مذہبی الجھنیں تھیں۔ پہلا اصولی تفریق جس سے یہ فرقے بنے بظاہر دربار کی تائید اور مخالفت معلوم ہوتی ہے اور اس طریقے سے ان کی تاریخ پیچھے ہٹکر اس تفریق تک پہنچ جاتی ہے جو ۱۶۴۱ء میں دارالعوام میں ظاہر ہوئی تھی لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ وہ ابتدائی تفریق بھی سیاسی بنیاد پر نہیں بلکہ بہت کچھ مذہبی بنیاد پر مبنی تھی چونکہ وہ ابتدا تھی اس لئے اس میں بہت خامی تھی اور ایک زمانہ ایسا آیا کہ اس میں مدت تک باضابطہ فریق نظر نہیں آتے۔ ایک عام چیز سمجھنا چاہئے پھر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہوسکتا اور اس کے ثبوت میں قوی دلائل پیش کئے جاسکتے ہیں کہ اس ابتدائی زمانے میں بھی جس نقطۂ نظر سے ایک شخص اپنے زمانے کے بنیادی مسائل کو دیکھتا تھا اسی کے مطابق اس کا دربار سے مخالفانہ یا موافقانہ تعلق پیدا ہوتا تھا۔ اسی چیز نے ہمیشہ انگریز فرقوں میں تفریق پیدا کی یعنے قدامت پسندی کی خواہش یا آزادانہ ترقی کا خیال زمانۂ حال کی عام تبدیلیوں میں گو وقتاً فوقتاً خاص مسائل پیدا ہوتے رہے ہیں لیکن بالآخر فریقانہ حیثیت کا دارومدار اسی چیز پر رہا ہے۔ اور اسی چیز نے تاریخ انگلستان میں یہ فیصلہ کردیا کہ یہاں ہمیشہ صرف دو فریق رہیں گے بجز اس زمانے کے جبکہ کچھ سیاسی انتشار پیدا ہو یا مزید مسائل صاف روشنی میں آئیں یا ان کے خاص مسائل بننے میں کچھ عرصہ درکار ہو خواہ کچھ بھی ہو لیکن یہ صحیح ہے کہ زمانۂ حال کے سیاسی فریقوں کی نشو نما چارلس دوم کے عہد میں ہوئی تھی اسی عہد میں ان فریقوں نے اساسی اصولوں کو اپنا شعار بنا کر اسی روشنی میں نئے نئے مسئلے کو دیکھنے لگے اور اس طریقۂ عمل سے روشناس ہوگئے جو ایک طرف ان کے اندرونی انتظام میں اور دوسری طرف ان معرکوں میں ضروری تھا جو ان کے مخالفوں سے ہوتے تھے۔

بادشاہ کی کامیابی۔ ۱۶۸۱ء میں جب چارلس کی آخری پارلیمنٹ جمع ہوئی اور مسودۂ اخراج کو پاس کرنے پر تل گئی تو چارلس اس پارلیمنٹ کو حقیر کرنے میں کامیاب ہوگیا اور صرف ایک ہفتے کے بعد اس نے اس پارلیمنٹ کو برخواست کردیا۔ چارلس کی اس کامیابی کے دو اسباب تھے۔ ایک بات تو یہ تھی کہ اس نے لوئی چہاردہم کے اس خیال کو منظور کرلیا تھا کہ انگلستان کے طرف سے براعظم کے فرانسیسی منصوبوں کی کوئی مخالفت نہ ہو اور لوئی نے وعدہ کیا کہ اس کے بدلے چارلس کو وہ ایسا معاوضہ دے گا جو اس کو آئندہ پارلیمنٹی منظوریوں سے بے نیاز کردے گا۔ دوسرے پاپائی منصوبوں کی زیادتیوں اور ہنگموں کی اس انتہائی پالیسی کے خلاف جو

مسودہ اخراج میں ظاہر ہو رہی تھی انگلستان میں ایک عام ہیجان ہو گیا مخالف فریق ٹوٹ پھوٹ گیا اور اس کا تمام اثر جاتا رہا تھا اور یہ لوگ اس وقت تک نہیں سنبھلے جب تک کہ اگلے عہد کے کچھ دن نہیں گزر گئے۔ چارلس کی زندگی کے آخری چار سال ایسے مطلق العنانہ حکومت کے گزرے جیسے شاہان ٹیوڈر کے تھے۔ لیکن یہ ایک خام اور غیر مکمل مطلق العنانیت تھی۔ اولاً اس مطلق العنانیت کے راستے میں ایک رکاوٹ یہ تھی کہ کیتھولک ہم دین کے حق میں بادشاہ کے جو ارادے تھے وہ ملتوی کر دیئے گئے تھے اس کو یہ سبق مل گیا تھا کہ جب تک اس کی سیاسی طاقت محفوظ نہ ہو جائے اس وقت تک ان ارادوں کے اظہار میں سلامتی نہیں ہے۔ دوسرے یہ ایسی مطلق العنانیت تھی کہ اس کے اظہار کے لئے اداراتی ذرائع نہیں تھے۔ اس کی نہ شکل تھی نہ تنظیم۔ اس کا وجود اب تک اس وجہ سے قائم تھا کہ اس کی مخالفت نہیں ہوتی تھی اور مخالفت کرنے والے رہنماؤں کا پتہ نہیں تھا۔ پھر روح معنی نے ایسی شکلیں اختیار کر لیں جن کی دوسری طرح بھی تاویل ہو سکتی تھی یعنے قوم کی عادت یہ تھی کہ وہ رواجی عملدرآمد کے مطابق قوانین کی تاویل کرتی تھی اور رواجی عملدرآمد کو قانون میں بدل دیتی تھی اور اگر چارلس اور اس کا بھائی دونوں اس نوخیز مطلق العنانیت کو کوئی جھاڑ و ہم کی سی مطلق العنانیت کے قالب میں ڈھالنا چاہتے جو قانون اور دستور پر قائم تھی تو ان کے لئے یہ بڑا مشکل کام ہوتا۔ لیکن چارلس کی ابتداء کچھ ایسی پڑی تھی کہ اس کے عہد کے اوائل میں یہ کہنا ناممکن تھا کہ یہ دونوں اپنے منصوبوں میں ناکام ہو جائیں گے اگر یہ لوگ مذہب کو الگ رکھتے اور مناسب حزم و احتیاط کے ساتھ کام کرتے تو یہ ایسا ناممکن نہ ہوتا۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ یہ لوگ دستوری آغاز سے بالکل ہی محروم تھے موجودہ انگلو سکسن آزادی کا ایک بڑا عنصر یعنے عدلیہ کی خود مختاری ابھی تک حاصل نہیں ہوئی تھی۔ پیوریٹنوں نے اپنی قانون سازی میں "نیک چلنی" quamdiu se bene gesserint کی شرط کے ساتھ عادلوں کی میعاد ملازمت مستقل قرار دی تھی۔ لیکن وہ قوانین سب خاک میں مل چکے تھے اور چارلس اس پچھلے عملدرآمد پر کاربند ہو گیا تھا کہ تقرر بادشاہ کی خوشنودی durante bene placito پر موقوف ہے سیاسی اسباب کی بناء پر اس نے دو لارڈ چانسلر اور ایک امیر مہر دار تین میر مجلس عدالت اور چھ عادلوں کو برطرف کر دیا اور جیمز دوم تو اس حد سے بھی آگے بڑھ گیا۔ اس ناگزیر موقع کے لئے بھی کہ اگر مجبوراً پارلیمنٹ بلانی پڑے تو کیا صورت ہو تیاری کر لی گئی تھی۔ مخالف فریق کے مستقر قصبات تھے اور انھیں بردار کیا گیا۔ عدالتوں میں ان کے خلاف تحقیقات وثائق

(Quo Warrants) کی کارروائی کی گئی اور بیان کیا گیا کہ ان کے افعال ان کے قانونی اختیارات سے متجاوز ہیں چنانچہ ان کے فرامین کی ضبطی کا اعلان کر دیا گیا۔ ان کو جدید فرامین عطا کیئے گئے لیکن انتخاب اور مقامی حکومت کا حق صرف چند اشخاص تک محدود رکھا گیا تاکہ بادشاہ کو اپنے جادو چلانے میں آسانی ہو۔ اس کے علاوہ پارلیمنٹی رشوت کا فن بھی ایجاد کیا گیا اور اس عہد میں دل کھول کے استعمال کیا گیا۔ حقِ عرضداشت میں مداخلت کرنے کے نظائر پیدا ہو گئے تھے اور عدمِ مخالفت کے اصول کو اس قدر بڑھایا گیا کہ اس کو تقریباً عقائد میں شامل کیا گیا۔ لیکن اتنے عرصے کی ترقی کے بعد سترھویں صدی کے آخر میں آکر کامیابی کی توقع فضول تھی پھر چارلس کی اچانک موت ایسی عمر میں جب کہ ان حالات میں عام طور پر چند سال اور پر زور کام کی توقع کی جا سکتی تھی مطلق العنانیت کے معاملے کے لئے بہت ہی خطرناک ثابت ہوئی اور یہ بادشاہوں کی تاریخ جانشینی میں کوئی نایاب بات نہیں ہے۔ اب سیاسی دور اندیشی اور مصالحت پسندی کی جگہ جو چارلس کے عہد کی خصوصیت تھی اس کے بھائی جیمز کی بد سلیقہ جلد بازی کا قدم آگیا۔

قانونِ احضارِ ملزم۔ چارلس اوّل کے عہد کا ایک اور قانون خاص دستوری اہمیت رکھتا ہے اور وہ ۱۶۷۹ء کا قانونِ احضارِ ملزم ہے۔ ازمنۂ وسطیٰ میں کئی شقوں کا ذکر آتا ہے جس کا مقصد غیر قانونی گرفتاری اور قید کے خلاف رعایا کی آزادی کی حفاظت کرنا تھا۔ تیرھویں صدی میں سب سے پہلے جو شقہ جاری ہوا اس کو احضارِ ملزم کا شقہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کیونکہ اس کے اغراض مختلف تھے یعنی یہ کسی شخص کو شہادت کے لئے عدالت میں بلانے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ صرف پندرھویں صدی میں آکر یہ ہوا کہ قانونِ عرفی کی عدالتیں اس کو عدالتہائے دادرسی کے روز افزوں اختیارات خصوصی سے لوگوں کو بچانے کے لئے استعمال کرنے لگیں۔ سولھویں صدی میں آکر یہ شقہ بہت اہم ہو گیا یعنے اب یہ کونسل کے روز افزوں اختیارات کے خلاف حفاظت کا ضامن ہوگا۔ ذاتی حفاظت کے لئے سلسلے میں شقے کے پورے اوصاف سترھویں صدی کے اوائل کے بعد تک ظاہر نہیں ہوئے اور یہ ہم دیکھ آئے ہیں کہ چارلس اوّل کے اوائل عہدِ حکومت میں اس کو ترقی دینے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی گئی تھیں۔ ۱۶۴۱ء میں کونسل کے اعلیٰ عدالتی اختیارات کا تو خاتمہ ہو گیا لیکن اس کے ساتھ حفاظت کی ضرورت ختم نہیں ہوئی کیونکہ گو کونسل کے اختیاراتِ سماعت باقی نہیں رہے تھے مگر گرفتاری اور قید کے اختیارات تو باقی تھے۔ تجربہ ثابت کرتا تھا کہ کارروائی کے کئی اجزا ایسے ہیں جن کی صریح تعریف ضروری ہے۔ ۱۶۷۹ء کے قانون کے متعلق یہ نہیں

سمجھنا چاہئے کہ وہ صرف اصول قائم کرنا چاہتا تھا بلکہ ان اجرائے محاصل کے قوانین کی طرح جو ۱۲۹۵ء کے بعد پاس ہوئے ان راستوں کو مسدود کرنا چاہتا تھا جن سے لوگ اس اصول سے جو بہت خطرناک ثابت ہو چکا تھا بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ نہ صرف ان عہدہ داروں پر جو لوگوں کو حراست میں رکھتے تھے سنگین سزاؤں کے ساتھ یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ محروس کو باقاعدہ اور جلد پیش کریں بلکہ عدالتوں پر بھی جن کو شقوں کے لئے درخواست دی جاتی تھی سنگین سزاؤں کے ساتھ یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ شقوں کو جاری کریں۔ شقیں جاری کرنے والی عدالتوں کی تعداد بڑھائی گئی اور یہ ضابطہ بنایا گیا کہ جو قیدی ضمانت پر رہا نہیں ہو سکتے ان کو فوری سماعت کے لئے پیش کرنا چاہئے اس وقت یہ نہیں دیکھا گیا کہ ضرورت سے زیادہ ضمانت طلب کرنے میں کیا خطرہ ہوگا بلکہ اس کیلئے دس سال ٹھہرنا پڑا اب قانون حقوق میں اس کے متعلق بھی ضابطہ بنا دیا گیا۔

اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ اس عہد میں مواخذے کی کارروائی نے بھی اپنی پختہ اور کامل شکل اختیار کر لی۔ یہ قرونِ وسطیٰ کا طریقۂ کار تھا جس سے وزرا براہِ راست پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ بنائے جاتے تھے۔ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ یہ طریقہ عین اس وقت مکمل ہوا جبکہ وہ عنقریب متروک ہونے لگا تھا کیونکہ جدید طریق ذمہ داری یعنے نظام کابینہ وجود میں آ رہا تھا ارل ڈینبی کے مواخذے میں (جو ۱۶۷۹ء میں شروع ہوا لیکن کبھی پورا نہیں ہوا) جدید و قدیم مختلف امور طے ہو گئے۔ یہ طے ہو گیا کہ ایسے الزامات کی بناء پر وزرا کی سماعت کی جاسکتی ہے جو وزرا کے خلاف تو بے بنیاد ہوں لیکن بادشاہ کے خلاف ثابت ہوتے ہوں؛ بادشاہ کا کوئی تحریری حکم صفائی میں نہیں پیش کیا جاسکتا؛ اور بادشاہ کے معافی دینے سے سماعت موقوف نہیں ہو سکتی۔ یہ امور ۱۷۰۱ء کے قانونِ بندوبست میں شامل کر لئے گئے نیز یہ بھی قرار دیا گیا کہ پارلیمنٹ کے التوا اور برخاست سے مواخذے کی کارروائی مسدود نہیں ہو سکتی، چنانچہ اس کے بعد کارروائی کو از سرِ نو شروع کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ یہ آخری امر اس اصول کا عملدرآمد تھا جو دارالامرا اپنی روزمرّہ عدالتی کارروائیوں کے سلسلے میں پہلے اختیار کر چکا تھا۔ اگرچہ نظام کابینہ کے ارتقا سے مواخذہ متروک ہو گیا ہے اور اب یہ سیاسی حربے کے طور پر استعمال نہیں ہوتا لیکن قانوناً اس وقت بھی انگلستان میں کام میں لایا جاسکتا ہے، اور ریاستہائے متحدہ میں بھی اسی طرح ممکن ہے گو یہاں سزائیں سیاسی نوعیت کی ہوتی ہیں۔

تعیین اخراجات ۔ عاملہ پر پارلیمنٹی اقتدار قائم رکھنے کا ایک اور زبردست ذریعہ تعیین اخراجات تھا جو کم از کم کیفیات حالیہ کے تحت چارلس کے عہد میں بہت وسعت و ترقی پاتا گیا ۔ اس اصول میں اس درجہ ترقی ہوئی کہ اس عہد کو اس کا گویا مبدا ہی سمجھنا چاہئے پندرھویں صدی میں ہم اس عملدرآمد کی ابتداء دیکھکر آئے ہیں لیکن وہ ابتدا صرف ابتدائے امکان کی حد سے آگے نہیں بڑھی تھی ۔ اس ابتداء کے بعد اس نے کوئی خاطر خواہ ترقی نہیں کی تھی ۔ سترھویں صدی کے اوائل میں ایسی مثالیں پیدا ہو چکی تھیں کہ رقم کی منظوری کے ساتھ اس کے خرچ کا مقصد بھی معین کر دیا گیا ، لیکن یہ عملدرآمد بھی جاری نہیں رہا ۔ اب سنہ ۱۶۶۵ء میں رقم کی اس طرح منظوری دی گئی کہ وہ ولندیزی جنگ میں صرف کی جائے اور اس کے بعد سنہ ۱۶۶۷ء میں خزانے کے حسابات کی تنقیح کے لئے ایک پارلیمنٹی کمیٹی کا تقرر عمل میں آیا ، اور ایوان سے بحری خزانہ دار کو اس علت میں خارج کر دیا گیا کہ اس نے بغیر وثیقے کے رقم دے دی تھی ۔ حسابات کی اس سخت تنقیح اور اس تاکید سے کہ کوئی شخص سوائے قانونی وثیقے کے ادائی رقم کا مجاز نہیں ہو سکتا تھا ، اس زمانے کی ترقی یافتہ شکل کے قدم جم گئے ۔ اگرچہ جیمز (دوم) کے عہد نے اس عملدرآمد میں رکاوٹ پیدا کی لیکن اس سے کوئی حقیقی فصل نہیں ہوا ۔ جیمز کے اخراج کے بعد جو تغیرات عمل میں آئے ان کی بنیاد وہی تھی جو اس وقت مستحکم ہو گئی تھی ۔ زمانۂ حال کی اینگلو سیکسنی متقننات تعیین اخراجات کے عملدرآمد کو جو اس زمانے میں مصارف کے جزوی امور پر بھی حاوی ہو گیا ہے اپنی طاقت کا اہم تر ذریعہ سمجھتی ہیں اور غیر معمولی احتیاط کے ساتھ اس کی حفاظت کرتی ہیں ۔ اس سے تدبیر مملکت پر کافی گرفت رہتی ہے اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ایک وزیر اپنے کام کی جوابدہی کے لئے بلایا جاتا ہے ۔ بلکہ اس کے ناپسندیدہ افعال کی ترقی آئندہ مسدود ہو جاتی ہے ۔ پارلیمنٹ کے حصول اختیارات میں جو اس نے عاملہ پر حاصل کئے حق تعیین اخراجات کے کامل قیام کو آخری زینہ سمجھنا چاہئے جس کی مزاحمت تقریباً ناممکن تھی اور اس سے کابینہ کی ذمہ داری کا طریقہ پیدا ہو گیا جو کسی قانون سے ظاہر نہیں ہوتا بلکہ صرف غیر مسلمہ رواج میں اس کا وجود پایا جاتا ہے ۔

اگر دار العوام کا مصارف حکومت پر قابو حاصل کرنا اور اس طریقے سے اپنے اختیارات بڑھانا کابینی ذمہ داری قائم کرنے کی تیاری تھی اور اس کے بعد یہ کوشش تھی کہ فریق بندی

کے زور سے اس ذمہ داری کو متحرک کیا جائے تو دوسرے طرف اس عہد میں ایک بیرونی یا اداراتی
جماعت کی بھی تیاری ہو رہی تھی جو اس ذمہ داری کا بیرونی جامہ ہوتا۔ تشکیل کابینہ کے اس رخ
سے دیکھا جائے تو اس کا نقطۂ آغاز پرانی پریوی کونسل تھی اور اس کا پارلیمنٹ
سے قریبی تعلق اس بات میں تھا کہ کونسل کے اراکین ہمیشہ کسی نہ کسی
ایوان کے رکن ہوتے تھے۔ ازمنہ وسطیٰ کے اختتام کے بعد سے کونسل کا قطعی میلان یہ تھا کہ
اپنے اراکین کی تعداد بڑھائے اور کم از کم یہ رجحان پیدا ہو رہا تھا کہ وزارتوں کو ایک دوسرے
سے جدا کیا جائے یعنے منفرد اراکین یا چھوٹی کمیٹیوں کو جو حکومتی یا انتظامی اغراض کے ذمہ دار
نہیں جدا کر دیا جائے۔ اس قسم کی کمیٹیوں کا سلسلہ ازمنہ وسطیٰ سے جا کر مل جاتا ہے۔ ٹیوڈر دور میں
ایسی کم از کم چھ کمیٹیاں تھیں جب کونسل کے اراکین کی کثرت بڑھتی گئی تو پورے اراکین کی مجلس
میں اطمینان بخش کام کرنا مشکل ہو گیا اور تمام سترھویں صدی میں کمیٹیوں کا استعمال جاری رہا۔
اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ بادشاہ تدبیر مملکت کے کسی مسئلے میں کونسل
یا اس کے کسی خاص اراکین سے مشورہ کرنے پر مجبور نہیں تھا۔ اور اس کے لیے یہ بھی جائز سمجھا جاتا
تھا کہ وہ ایسے اراکین سے مشورہ کر سکتا ہے جو کسی مسلمہ کمیٹی کے اراکین نہیں ہوتے تھے یا ایسے
اشخاص سے مشورہ کر سکتا ہے جو کونسل سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ بادشاہ نے
ایسا بارہا کیا۔

چارلس دوم کی تخت نشینی کے وقت کونسل اور زیادہ وسیع ہو گئی۔ اس کے باپ
کی کونسل کے باقی ماندہ اراکین دوسرے شاہ پرستوں کے ساتھ اپنی نشستوں پر بحال
کر دیے گئے اور فریق مخالف میں سے بہت سوں کا تقرر کر کے اس تعداد کا توازن قائم کر دیا گیا۔
چارلس کے عہد حکومت میں مختلف اوقات میں کونسل کی تعداد پچاس تک پہنچ گئی تھی لیکن یہ کوشش
نہیں ہوئی کہ اس کونسل کو بحیثیت مجموعی ایک حقیقی صلاح کار آلہ بنایا جائے بلکہ معاملات خارجہ
کی چھوٹی کمیٹی دیگر امور سے زیادہ اس کام کو بخوبی انجام دیتی تھی۔ ابھی چارلس بے ضابطہ اور
خفیہ صلاح کاروں سے مشورہ کرتا تھا اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا یہ مشورہ بھی بڑھتا گیا حالانکہ یہ احساس
روز بروز بڑھتا جاتا تھا کہ ایک مسلمہ کونسل ایسی ہونی چاہیے جو بادشاہ اور پارلیمنٹ کے
درمیان قائم ہو اور دونوں میں مفاہمت کرے اور یہ ایسی ذی اثر ہونی چاہیے کہ حکمت عملی
اختیار کرے۔ اسکی دونوں تائید کریں جو منصوبہ سر ولیم ٹیمپل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کی

یہ بھی خیال مضمر تھا اور یہ کلیرینڈن کے بعد زوال کے آزمایا گیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ تمام فریقوں کے ساتھ مفاہمت کرنی چاہیئے۔ کونسل میں بادشاہ کے دوست اور دشمن اور غیر جانبدار لوگ اور پریوی کونسل کے اراکین اور پارلیمنٹ کے رہنما شریک ہونے چاہئیں۔ اگر بادشاہ اس کی دل سے تائید کرتا تو اس کے باوجود بھی یہ منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔

اگرچہ زمانہ حال کی کابینہ اختلاط کی اس تجویز سے نہیں پیدا ہوئی لیکن اس کوشش سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کابینہ جو عقدہ حل کرنے والی تھی یعنے اس بات کا قطعی انتظام کہ مقننہ اور عاملہ دونوں ایک ساہی مسلک کی پیروی کریں اب سمجھ میں آ رہا تھا نیز پریوی کونسل ہی ایسا ادارہ تھا جس سے یہ آلۂ مفاہمت دستیاب ہو سکتا تھا۔ اس کی طرف ہم آیندہ باب میں زیادہ تفصیل کے ساتھ رجوع کریں گے۔

نمایاں تغیرات۔ اس عہد میں بعض غور طلب امور کی ابتدا ہوتی ہے اور بعض کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ کلیسائی مجلسوں نے اپنے پر محصول لگانا چھوڑ دیا اور یہ حق پارلیمنٹ کو دے دیا۔ دارالامرا کو قانونِ عدالت کے طور پر جو عدالتی ابتدائی اختیارات حاصل تھے وہ اس نے چھوڑ دئے۔ اور اس کے بجائے عدالت چانسری کے مرافعوں کی سماعت کا حق حاصل کر لیا اراکین جوری جو اپنے فیصلوں کے خواہ وہ عادل کے لیے تشفی بخش ہوں یا نہ ہوں ذاتی طور پر ذمہ دار نہیں رہے۔ دارالعوام نے یہ طے کر دیا کہ اجرائی محاصل کے متعلق دارالعوام کو تنہا حق حاصل ہے جس میں امرا کوئی ترمیم نہیں کر سکتے۔ زمانہ وسطیٰ میں دسواں اور پندرھواں حصہ محصول کے طور پر لیا جاتا تھا وہ اب لیا جانا بند ہو گیا ایک نئے معتمد جنگ کے تحت محکمہ جنگ کی تنظیم شروع ہو گئی اور غیر ممالک میں آباد کاری کیلئے ایک ترقی یافتہ کونسل قائم ہو گئی۔

جن حالات میں جیمز دوم نے اپنی حکومت شروع کی ان سے بہتر حالات اس کو نہیں مل سکتے تھے۔ اس کو اپنے بھائی سے عظیم الشان عملی اقتدار حاصل ہوا تھا اور بعض تو یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اقتدار ٹیوڈر بادشاہوں کے اقتدار سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ قوم کی ہمدردی اور ہمہ گیر خوشنودی سب اس کی تائید پر تھی کیونکہ اس کو تخت سے الگ کرنے کی کوشش کے خلاف عام اور شدید مخالفت ہو چکی تھی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حق منجانب اللہ اور عدم مخالفت کے اصول کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہو گئی ہے۔ مخالفت بالکل منتشر اور ایسی دل شکستہ تھی کہ اس میں زور دکھانے کی صلاحیت ہی باقی نہ تھی۔ اوائل میں جیمز کے افعال اور الفاظ

اور اس کا ظاہری ضبط ایسا تھا کہ اس سے سب متاثر تھے۔ ایک تو یہ اثرات تھے دوسرے فرامین بلدیات میں تراش خراش کر کے بادشاہ کو فائدہ پہنچایا گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جیمز کی تخت نشینی کے بعد موسم بہار میں جو پارلیمنٹ منتخب ہو کر آئی تو اس میں شاہ پرستوں کی غیر معمولی کثرت تھی۔ بادشاہ کی عمر بھر کے لئے کثیر مداخل منظور کئے گئے اور پارلیمنٹ اس کی ہر معقول خواہش کے ماننے کے لئے تیار معلوم ہوتی تھی۔ جب ابتدا یہ تھی تو ظاہر ہے کہ تین سال سے کچھ زیادہ کی معمولی مدت میں اس کے تمام فائدوں کو ملیامیٹ کر دینا اور خود اس کو ایسے رتبے پر لانا جہاں اس کو تخت چھوڑ دے کر آوارہ گرد ہونا پڑا یہاں تک کہ اس کا کوئی ساتھ دینے والا باقی نہ رہا ہو کوئی معمولی سیاسی کامیابی نہ تھی۔ اس کامیابی کا جزو اعظم یہ تھا کہ اس نے اس قلیل مدت میں خود اپنے فریق کی کثیر تعداد کو جو اپنے دلی ایقان کے ساتھ عدم مخالفت کے اصول کو ماننے والی تھی مزاحمت اور انقلاب کا حامی بنا دیا۔

اس بحران کے بڑے اغراض اور محرکات مذہبی تھے اور اس میں جیمس اور قوم دونوں کا یکساں حال تھا۔ وہ کیتھولک مذہب کی حیثیت انگلستان میں بہتر بنانا چاہتا تھا اور اس بات کا آرزومند تھا کہ اس مذہب کی طرز عبادت کو جائز بنا دے لیکن اس غرض کے لئے اس نے جو ذرائع استعمال کئے اور جو نتائج پیدا کئے گو وہ محض ضمنی تھے اور اس کے مقصد اصلی سے ہٹے ہوئے تھے مگر وہ دستوری تھے چونکہ اپنی تخت نشینی کے بعد ہی اس نے آسانی سے آرگائل اور منمتھ کی بغاوت فرو کر دی تھی اور ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں ایک اچھی خاصی فوج تھی جو شورش کے فرو کرنے کے بعد برخاست نہیں کی گئی تھی غالباً اس سے اس کو یہ ترغیب ہوئی کہ اپنے ابتدائی ارادوں سے آگے بڑھنا چاہئے اور جلدی کرنی چاہئے۔ اس نے نہ صرف یہ ٹھان لیا کہ مستقل فوج قائم رکھوں گا حالانکہ قوم مستقل فوج کو بہت بری نظر سے دیکھتی تھی، بلکہ فوج کے عہدوں پر کیتھولکوں کو بحال رکھوں گا جو قانون آزمائش کے خلاف پچھلی شورش کے دوران میں مقرر کئے گئے تھے اور یہ اور بھی دلخراش بات تھی۔

نومبر ۱۶۸۵ء میں یہ مسائل پارلیمنٹ میں غور کے لئے پیش ہوئے لیکن اس کے پہلے ہی لوئی چہاردہم نے فرانس میں پروٹسٹنٹوں کو ستانا شروع کر دیا تھا اور خصوصاً اکتوبر میں آئین احکام نانت (edict of Nantes) کو منسوخ کر دیا تو قوم کا جذبہ ہمدردی اور دہشت تیز ہو گیا کیونکہ اس کے متعلق یہ خیال تھا کہ یہ چیزیں خاص حلقۂ یسوعی کے اثرات کے تحت پیدا ہوئی ہیں۔

چونکہ یہ معلوم تھا کہ جیمز کے دربار میں بھی زور دار مسیحی اثرات ہیں۔ تو قدرتی طور پر شبہ بڑھ گیا اور بادشاہ کے بیانات اور وعدوں کے متعلق اعتماد گھٹتا گیا۔ جب پارلیمنٹ نے قوم کے لئے روپیہ کی منظوری دینے سے یا عہدہ داروں کو قانون آزمایش سے مستثنیٰ کرنے سے انکار کر دیا اور الٹے اس کی مخالفت میں بادشاہ کے پاس عرضداشت پیش کی تو پارلیمنٹ کو ملتوی کر دیا گیا اور ایک طویل عرصے کے بعد اس کو برخاست کر دیا گیا۔

اختیار استثنا۔ پارلیمنٹ کی مخالفت سے جیمز اپنے راستے سے ہٹ نہیں سکتا تھا۔ ۱۶۸۶ء موسم بہار میں عادلوں کا ایک اجلاس کاٹل کر کے ایک فرضی مقدمے کی بابت یہ فیصلہ حاصل کر لیا کہ میں اپنی رعایا میں سے ہر شخص کو قانون سے مستثنیٰ کر سکتا ہوں۔ اس اختیار سے اس نے کیتھولکوں کو نہ صرف فوج میں بلکہ غیر فوجی عہدوں میں، پریوی کونسل میں، جامعۂ آکسفورڈ میں اور خود کلیسائے انگلستان میں برابر مقرر کرنا شروع کر دیا۔ اس اثنا میں جب ایک پادری نے کیتھولک مذہب کے خلاف وعظ کہا تو جیمز نے یہ دیکھ کر کہ میں اسکو سزا نہیں دے سکتا ایک ایسی عدالت قائم کی جو درحقیقت مذہبی عدالت ماموریہ اعلیٰ کی ایک جدید شکل تھی گو اس کی بے حد کوشش کی گئی کہ جس قانون سے اس نام کی پرانی عدالت موقوف ہو گئی تھی۔ اس کے الفاظ نہ آنے پائیں کیتھولکوں کے حوصلے بڑھ گئے یا یہ لوگ علانیہ اپنے رسوم منانے لگے اور لندن کے انبوہ نے اس پر اعتراض کیا تو جیمز نے بھی فوج جمع کی اور (۱۶۰۰۰) آدمیوں کو شہر کے قریب ایک کیمپ میں ٹھیرا دیا۔ ان نت نئی چیزوں کے متعلق قوم کا جذبہ صاف ظاہر ہو رہا تھا لیکن بادشاہ نے اس چیز کو دیکھا نہ سمجھا۔

سنہ ۱۶۸۶ء کے اواخر میں بادشاہ اس حد سے بھی آگے بڑھ گیا لیکن ابھی تک اس کے کام کی کوئی مضبوط بنیاد پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس کا دارومدار صرف شاہی اختیار خصوصی پر تھا جس کا جواز اس وقت اور جب کبھی قوم اپنے عزم و ارادہ کو ظاہر کرنے اور عمل میں لانے کے قابل ہو جائے قابل تسلیم نہیں رہتا تھا۔ دوسرا یہ تھی کہ عام لوگوں کی تائید حاصل کی جائے۔ یہ سبق مل چکا تھا کہ اعلان رعایت کے ذریعے مذہبی قیود رفع کرنے کے باوجود چارلس پروٹسٹنٹ مرتدین کی تائید حاصل نہیں کر سکا تھا۔ جیمز سمجھا کہ میں ان کی تائید حاصل کر سکتا ہوں۔ سنہ ۱۶۸۷ء کو اپریل کے مہینے میں اس نے خود اپنا اعلان رعایت

شایع کیا۔ اس میں تمام مردّدین کو خواہ وہ پروٹسٹنٹ ہوں یا کیتھولک عبادت کی آزادی دی گئی اور خدمات کے لئے آزمایش کی قید اٹھا دی گئی۔ تھوڑی دیر کے لئے یہ خیال تھا کہ پروٹسٹنٹ مردّدیں اس پر صدائے لبیک دیں گے اور یہ بھی امید تھی کہ ایک پارلیمنٹ ایسی منتخب ہو کر آئے گی جو قانونِ آزمایش کو منسوخ کر دے گی۔ نیز حلقہ جات انتخاب کی الٹ پھیر بلدیات سے بڑھ کر صوبوں تک پھیلا دی گئی تھی۔ لیکن یہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی صوبوں پر قابو حاصل نہیں ہو سکا۔ کیتھولک مذہب کے ساتھ بادشاہ کا اتحاد اس قدر بدگمانی پیدا کر رہا تھا کہ خودمختار گروہ اور کوئی دیگر فرقے کی تائید حاصل کرنا بالکل محال تھا۔

۱۶۸۸ء کا انقلاب ۔ اسی اثنا میں جب کہ اعلان رعایت شایع ہوا تھا بادشاہ نے موڈلن کالج آکسفورڈ کی صدارت کیلئے رنقاء کے انتخاب کے خلاف ایک کیتھولک کو حکماً مقرر کر دیا اور زبردستی اس کو جائزہ دلایا۔ اس پر عام لوگوں میں بڑی دہشت اور ہیجان پیدا ہو گیا۔ لیکن جیمز ان تمام علامتوں اور واقعات کا اندازہ نہیں کر سکا جن کے قدرتی نتائج پیدا ہو رہے تھے ۱۶۸۸ء اپریل کے مہینے میں ایک دوسرا اعلان رعایت جاری کیا گیا اور اس کے بعد ہی یہ حکم نکلا کہ یہ اعلان تمام قومی کلیساؤں میں پڑھایا جائے۔ پادریوں نے دیکھا کہ یہ نہ صرف غیر قانونی فعل ہے بلکہ ہم سے بھی غیر قانونی فعل کا ارتکاب کرایا جا رہا ہے، چنانچہ اسقف اعظم کنٹربری اور چھ اساقفہ نے بادشاہ کی خدمت میں یہ درخواست بھیجی کہ پادریوں کو خلاف قانون عمل کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ درخواست کے اس معنوی اشارہ سے کہ بادشاہ کا فعل غیر قانونی ہے جیمز آگ بگولا ہو گیا اور اساقفہ کو جرمانہ ازالت عرفی کے الزام میں گرفتار کیا گیا اور ٹاور میں نظر بند کر دیا گیا۔ ان کا مقدمہ اصول انصاف کی ایک تحریف تھی، لیکن جب جوری نے ان کو بری کر دیا تو اس پر فوج تک میں جوش و خروش کے ساتھ اظہارات مسرت کیا گیا اور ساتھ ہی جوری کے اختیارات میں ایک اور اضافہ ہو گیا کہ ان کے سامنے جو شہادت بھی پیش کی جائے وہ مقدمہ کے عام اوصاف کو دیکھ کر فیصلہ کر سکتے ہیں۔

اس مقدمہ کی ابھی سماعت شروع نہیں ہوئی تھی کہ جیمز کے ایک بیٹا پیدا ہوا اور اس ایک واقعے سے تمام ماحول بدل گیا۔ اس واقعے تک قوم کی نظر امید آگے نسبتہً قریب منزل پر پڑتی تھی جب جیمز کی بیٹی میری جو شاہزادہ آرنج سے بیاہی گئی تھی تخت نشین ہو جائے گی۔ اس لئے کہ یہ دونوں پکے پروٹسٹنٹ تھے ان حالات کے بدلنے سے پہلے اس امید میں صبر کرنا اور یہ خیال کرنا ممکن تھا کہ معاملات

بہت طول نہیں کھینچیں گے اب کیتھولک بادشاہوں کے ایک لامتناہی سلسلے کے لئے راستہ کھل گیا اور یہ بات سب پر روشن ہوگئی کہ اب قوم کو اپنی آپ مدد کرنی چاہئے۔ اساقفہ کے برات کے بعد ہی ولیم آف آرنج کو ایک تحریری دعوت دی گئی کہ انگلستان آکر بادشاہ کے خلاف رہنمائی کرے۔ اس دعوت نامہ پر سات سربرآوردہ وھگوں اور ٹوریوں نے دستخط کئے تھے۔
ولیم کے انگلستان میں اترنے کے بعد بھی جیمز کے لئے انقلاب سے بچنا اور تخت بچانا کچھ مشکل نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ حقیقی صورت حال کو گہری نظر سے دیکھتا اور اپنے طریقۂ کار پر ضد نہیں کرتا لیکن چونکہ ایسا نہیں ہوا اس لئے تقریباً ہر شخص نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور فرانس بھاگ کر اس نے اپنے معاملہ کو خود نقصان پہنچایا۔

آئندہ حکومت کی تنظیم کو ناممکن بنانے کے لئے، جیمز نے اپنی پوری کوشش کر لی، یعنے دوسری پارلیمنٹ بلانے کے لئے جو نسخے تیار کئے گئے تھے وہ جلا دئے اور بڑی مہر غائب کر دی۔ لیکن اس سے کچھ زیادہ پریشانی نہیں ہوئی۔ ایک صلاح کا جمعیت طلب کی گئی جس میں امرا اور وہ سب لوگ شامل تھے جو چارلس دوم کے عہد میں دارالعوام کے اراکین رہ چکے تھے اور ان کے ساتھ حکومت لندن کے نمایندے طلب کئے گئے۔ اس جماعت نے ایک "اجتماعی پارلیمنٹ" طلب کرنے کی رائے دی اور حسب عادت پارلیمنٹی انتخاب کے لئے نسخے جاری کئے گئے۔ گو ان نسخوں کی شکل باضابطہ پارلیمنٹی نسخوں کی سی نہیں تھی۔ یہ اجتماع ۲۲ جنوری سنہ ۱۶۸۹ء کو منعقد ہوا اور ۲۰ اگست تک برابر کام کرتا رہا۔ دوسرے اجلاس میں بھی اس نے اپنا کام جاری رکھا۔ ولیم اور میری کے تخت قبول کرنے کے بعد ہی اس نے اپنے پارلیمنٹ ہونے اور اپنے افعال کو مصدقہ قانون ہونے کا اعلان کیا اور اس عہد کی جو دوسری پارلیمنٹ آئی تو اس نے اس کی مزید توثیق کر دی۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انقلاب کی کارروائی کچھ اس طرح کی گئی تھی کہ موجودہ نسل کو سنسنی خیز اور ولولہ انگیز نہ معلوم ہوا اور معمولی حالات میں نہ سہی لیکن شدید ضرورت کی صورت میں یہ کارروائی جائز سمجھی جائے۔ اس کی کچھ وجہ اس صدی کا تجربہ تھا۔ کیونکہ اس وقت بھی اکثر اشخاص ایسے زندہ ہونگے جن کو گزشتہ اجتماعی پارلیمنٹ یاد ہوگی اور کچھ گذشتہ نظائر کا مطالعہ تھا جو عادت میں داخل ہو گیا تھا، واضح ہو کہ جیمز کے سلسلے میں اڈورڈ دوم اور رچرڈ دوم دونوں کی معزولی کی طرف اشارہ کیا گیا۔
جب اجتماعی پارلیمنٹ بیٹھی تو رائے میں بہت اختلاف تھا کہ کیا کرنا چاہئے۔ بعض

لوگوں کی یہ خواہش تھی کہ مستحکم شرائط کے ساتھ جیمز کو واپس بلانا چاہیئے؛ بعض لوگ یہ چاہتے تھے کہ جیمز کو برائے نام رکھکر ایک متولی مقرر کرنا چاہیئے؛ بعض کا خیال تھا کہ قرار ہو کر جیمز نے تخت چھوڑ دیا ہے لیکن تخت خالی نہیں بلکہ فوراً میری کو مل گیا، اور ایک طبقے کی رائے یہ تھی کہ جیمز نے تخت چھوڑ دیا ہے اور اب تخت خالی ہے اور قوم کو یہ حق ہے کہ کسی دوسرے شخص کو تخت پر بٹھائے اور اچھی حکومت کی ضمانت کے طور پر شرائط مقرر کرے۔ یہ آخری رائے بالآخر غالب آگئی اور اس کی کچھ وجہ یہ تھی کہ ولیم دوسری رایوں کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ جیمز کو باضابطہ معزول نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ قرارداد منظور کی گئی کہ "جیمز نے بادشاہ اور قوم کے اصلی معاہدے کو توڑ کر سلطنت کے دستور کو فسخ کرنے کی کوشش کی اور جزوئیٹ اور دوسرے قبیح اشخاص کی صلاح سے اساسی قانون کو پامال کر کے سلطنت چھوڑ کر چلا گیا اور تخت سے دستبردار ہو گیا لہٰذا تخت خالی ہے۔" دوسری قرارداد یہ تھی کہ "تجربے سے یہ ثابت ہوا کہ اس پروٹسٹنٹ سلطنت پر کسی پاپائی بادشاہ کی حکومت امن و سلامتی کے منافی ہے۔" ولیم اور میری دونوں کو تاج پیش کیا گیا اور وراثت کا تعین اس طرح کیا گیا کہ میری کے اولاد کے بعد شاہزادی این اور اس کی اولاد اور تیسرے درجے پر ولیم کی کسی دوسری بیوی کی اولاد تخت پر بیٹھے گی۔ اس کو ولیم اور میری نے منظور کر لیا۔

دستاویزِ حقوق - یہ معاملہ صرف شرائطِ جانشینی پر ختم نہیں ہوا بلکہ جدید حکمرانوں کو اور بھی شرائط تسلیم کرنے پڑے۔ پارلیمنٹ نے ایک "اعلانِ حقوق" کا اور اضافہ کیا جن کو حکمرانوں نے تسلیم کر لیا۔ اس میں جیمز کے تمام خودرایانہ افعال گنائے گئے اور ہر فعل کو ایک ایک کر کے ناجائز ٹھیرایا گیا۔ اجتماعی پارلیمنٹ کے دوسرے اجلاس میں اس اعلان میں کچھ اضافہ کر کے قانون کی شکل میں مرتب کیا گیا اور اس کو قانون بنایا گیا۔ اس شکل میں یہ تاریخ میں "دستاویزِ حقوق" کے نام سے موسوم ہے۔

خواہ اس کو تاریخی نقطۂ نظر سے دستوری عہد کا منتہا سمجھا جائے یا محض اس کو فی نفسہ دیکھا جائے دونوں صورتوں میں دستاویزِ حقوق منشورِ اعظم کے دوسرے درجہ پر تاریخ انگلستان کا سب سے زیادہ دلچسپ وثیقہ ہے۔ یہ اس کشمکش کو ختم کر کے اس کے تمام نتائج کو ایک جگہ جمع کر دیتا ہے جو ایک سو سال سے جاری تھی اور جس سے خود حکومت کی نوعیت، اس کا منبع اقتدار، اور اظہارِ اقتدار کے طریقے اور راستے سب معرضِ بحث میں آگئے تھے۔ یہ مسائل جو

حکومت کی اساسی خصوصیت کو روشنی میں لاتے تھے اب آ کر ایسے طے ہو گئے کہ پھر تاریخ میں کبھی نہیں پیدا ہوئے۔ لیکن دستاویزِ حقوق میں اس کا کہیں ذکر نہیں کہ یہ نتائج اساسی نوعیت کے ہیں نہ اس میں اس کا کوئی ذکر ہے کہ امور تنقیح طلب کیا تھے نظری تصدیق سیاسی استدلال اور کلیہ سازی کی کوشش کا تو نام بھی نہیں اس فروگزاشت کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اس انقلاب کی تائید میں کوئی سیاسی فلسفہ متداول نہیں تھا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بہت کچھ مواد چھپ چکا تھا اور جان لاک کے "دو مقالات حکومت" جو "دستاویزِ حقوق" کی تدوین کے چند مہینوں کے بعد شائع ہوئے بیس سال سے مسودے کی صورت میں موجود تھے۔ انگلستان کے باہر جن ممالک نے اس قسم کے وثائق اختیار کئے ہیں انھوں نے اس دستاویز کی من و عن پیروی نہیں کی۔ ایک صدی کے بعد براعظم کے انقلابی دور میں جو بے شمار اعلان حقوق انسانی نافذ ہوئے ان میں قدرتی اور لانیفک حقوق کے متعلق نظری فلسفہ بھرا پڑا ہے اور یہ سب کچھ براہ راست لاک کے تصورات سے ماخوذ تھا۔ خود امریکی اور ملکی تاریخ کے وثائق میں امریکہ والے انگریزی اور فرانسیسی طرزِ عمل کے بین بین ہیں، لیکن فرانسیسی طریقے سے زیادہ انگریزی طریقے کے قریب ہیں۔ اعلان آزادی کے مقدمے کی طرح امریکہ والوں نے قدرتی حقوق کے بہت سے بیانات پیش کئے ہیں اور خود یہ اعلان فرانس سے نہیں بلکہ براہ راست لاک سے ماخوذ کیا گیا تھا۔ امریکہ والے ان کو بالعموم دستاویزاتِ حقوق کے نام سے موسوم کرتے ہیں لیکن ان کے ساتھ انھوں نے انگریزی طرز کے خاص خاص حقوق اور چارہ کار شامل کر دئے ہیں جو صریحاً عملی ہیں جیسے اعلان آزادیٔ امریکہ اور دستور کی اولین ترمیمات میں سے بعضوں میں تو "دستاویزِ حقوق" کے الفاظ بھی استعمال کئے گئے ہیں اصل میں قدرتی حق کے اعلانات نہیں بلکہ یہی آخر الذکر چیز ہے جس پر امریکی آزادی کا دارومدار ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ اینگلو سیکسنی آزادی کی آفرینش اور استحکام کی وجہ یہ ہے کہ اینگلو سیکسنی ذہنیت نے خود بخود جبلّی طور پر اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ تصوری حقوق کے اثبات سے خواہ وہ کتنے ہی زوردار اور مقدس الفاظ میں ظاہر کئے جائیں کسی چیز کی حفاظت نہیں ہو سکتی بلکہ وہ خاص حقوق کے قائم کرنے اور صریح خلاف ورزیوں کے اجتناب کی تدبیر شرط ہے"، جو حقیقت امر کے طور پر اصل مقصد تک پہنچاتی ہے۔

دستاویزِ حقوق کا یہی کام ہے۔ یہ سترھویں صدی کے اساسی نتائج کو بیان نہیں کرتا بلکہ وہ جیمز کے تمام افعال کو الگ الگ گنا کر جس سے اس نے مطلق شاہی اختیارات قائم

کرنے کی کوشش تھی ان کو ناجائز ٹھیراتا ہے اور اسٹورٹ بادشاہوں کی تمام کوششوں کو قابل ملامت ٹھیرا کر آئندہ کے لئے اس کا ارتکاب ناممکن کر دیتا ہے۔ اس طریقے سے اس قانون نے وہ کام کئے جو ۱۶۶۰ء میں رہ گئے تھے۔ یہ انقلاب کے تمام نتائج کو جمع کرتا ہے اور ان کو باضابطہ وثیقے کی صورت میں مرتب کر کے انکی پابندی آئندہ حکمرانوں پر لازمی قرار دیتا ہے اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ دستور اعظم کے بنائے ہوئے قوانین متروک ہو گئے ہیں اور حالات حاضرہ پر منطبق نہیں ہوتے ہیں اور برخلاف اس کے قانون حقوق کے ضابطۂ حالیہ کی کوشش پر جو حصول اختیار کے لئے ہوتی ہے فوراً منطبق ہو جاتے ہیں۔ دستاویز حقوق کی اہمیت تاریخ انگلستان میں بہت کچھ مکتوبی دستور کی سی ہے۔ یہ خود کوئی مکتوبی دستور نہیں ہے۔ نہ یہ حکومت کی تشکیل کرتا ہے۔ نہ حکومت کے اختیارات کی وضاحت کرتا ہے پارلیمنٹ کے معمولی قانون سے اس کو کالعدم اور متروک کیا جا سکتا ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ دستوری قوانین کے ایک سلسلے کو جو اینگلوسیکسنی نظام حکومت میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں مکتوبی صورت میں داخل کر دیتا ہے۔ ممکن ہے کہ آج کچھ لوگ اس کو اپنے ذہن میں اس قدر اساسی سمجھ لیں کہ اگر پارلیمنٹ کبھی اپنے اختیار سے اس کو منسوخ کرنے بیٹھ جائے تو ایسے لوگ یہ کہنے کے لئے کھڑے ہو جائیں کہ پارلیمنٹ کو اس کا اختیار نہیں ہے۔

قانون کی برتری۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر دستاویز حقوق کو دستوری قانون کی حیثیت سے دیکھا جائے تو اس نے ماسبق وثائق سے زیادہ مخصوص الفاظ میں اس واقعے کو جو انگریزی دستور کے ارتقا کی تہ میں مضمر ہے موثق کر دیا کہ بادشاہ کو سلطنت کے اساسی قوانین کو توڑنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ گو یہ حقیقت ہے کہ یہ قانون اس واقعے کو صاف گنے چنے الفاظ میں ظاہر نہیں کرتا لیکن اسکی طرف ایسا اشارہ کرتا ہے کہ اس کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ جیمز کے خود رایانہ افعال کو گنانے کے بعد مقدمے میں عبارت یوں ہے کہ "یہ سب باتیں وہ ہیں جو مسلمہ قوانین اور قوانین موضوعہ اور سلطنت کی آزادی کے قطعی اور علانیہ منافی ہیں" اور خود قانون کے اندر ان افعال کو "غیر قانونی" ٹھیرایا گیا ہے۔ نیز یہ دستاویز بادشاہ اور قوم کے درمیان ایسا کھلا معاہدہ تھا جیسے جان اور ہنری اول کے فرامین بادشاہ اور بیرنوں کے باہمی

معاہدات تھے گو اب سترھویں صدی کے جاگیری معاہدے کا کوئی جز باقی نہیں رہا تھا۔ اگرچہ یہاں بھی الفاظ واضح نہیں ہیں لیکن قانون میں یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ ولیم اور میری کو اس وجہ سے حکمران تسلیم کیا گیا ہے کہ انھوں نے جیمز کے افعال کو غیر قانونی تسلیم کیا ہے۔ ان امور کے لحاظ سے ۱۶۸۸ء کا انقلاب اور دستاویز حقوق انگریزی دستور کے ارتقا کا معراج کمال ہے۔ اس کے بعد پھر کبھی دستور کی بنیادوں یعنی قانونی برتری اور قوم کا اقتدار اعلےٰ کے متعلق کوئی سوال معرض بحث میں نہیں آیا۔ بعد کی جو ترقی ہے وہ یہ ہے کہ ان اصولوں کو حقیقی حکومت میں پوری طور پر عمل میں لایا گیا اور پوری طور پر ان کو عملی جامہ پہنایا گیا۔

اگر دستاویز حقوق بالکلیہ عملی تھا تو اس کا اصلی سبب یعنی انقلاب بھی سختی کے ساتھ عملی تھا۔ یہ انقلاب رائے عامہ کے زور سے عمل میں آیا تھا جس میں خونریزی تو کجا کوئی کشمکش یا عام ہیجان تک نہیں ہوا۔ نہ صرف یہ کہ اس کو سکون اور اطمینان کے ساتھ عمل میں لایا گیا بلکہ اس بات کی بھی انتہا کوشش کی گئی تھی کہ جو زینہ طے کیا جائے وہ یا تو بالکلیہ قانونی دائرے میں ہو یا جہاں تک ہو سکے قانون کے قریب ہو پھر اس کے باوجود یہ ایک انقلاب تھا۔ بادشاہ کے متعلق یہ اعلان کرنا کہ اس نے تخت چھوڑ دیا ہے حالانکہ اس نے تخت نہیں چھوڑا تھا (اور اس نے نہایت زور سے ثابت کیا کہ میں نے تخت نہیں چھوڑا ہے) قانونی تھا نہ قانونی بنایا جا سکتا تھا۔ اس کی نوعیت ایک ایسی معزولی کی تھی جو بظاہر نہیں معلوم ہوتی تھی، اور حکومت کے قانون دستوری میں بادشاہ کی معزولی کے متعلق کہیں کوئی ضابطہ نہیں ملتا۔ دوسرے غیر قانونی امور بھی عمل میں لانے پڑے۔ تنازعہ کے مطابق اجتماعی پارلیمنٹ از روئے قانون پارلیمنٹ نہیں تھی اور نہ خود اپنے قانون سے اپنے کو پارلیمنٹ بنا سکتی تھی اسی طرح دوسری پارلیمنٹ بھی جس کو انقلابی بادشاہ نے طلب کیا تھا خود اپنے آپ کو پارلیمنٹ نہیں بنا سکتی تھی لیکن اس کے باوجود یہ جائز انقلاب تھا کیونکہ قوم کے اعلیٰ حق فیصلہ کی بنا پر عمل میں آیا تھا اور اس میں قوم کی آواز تھی اور یہی اصل انقلاب ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور ایسا انقلاب نہیں ہے جس میں اینگلو سیکسنی انقلابوں کی دوسری عام خصوصیت صاف طور پر دکھائی دیتی ہو۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ قوم کو اس راستے سے جس پر وہ قدیم زمانے سے چل رہی تھی ہٹا کر نئے راستے

پڑ لگئے۔ اس کا منشا صرف راستے کی رکاوٹیں دور کرنا تھا تاکہ قوم کی سیاسی ترقی کی رفتار خود بخود اسی شاہراہ پر لگی رہے جہاں وہ صدیوں سے چل رہی تھی اور درحقیقت انقلاب کا یہی نتیجہ تھا۔

لاک کے تصورات امریکہ میں ۔ یہ بھی اضافہ کرنا ضروری ہے کہ اس انقلاب کا اثر جس طرح انگلستان پر عظیم الشان حیثیت سے پڑا اسی طرح امریکہ میں بھی ظاہر ہوا۔ حکومت کے تصورات میں جو اس صدی کے وسط میں پیوریٹنٹی آبادکار اپنے ساتھ لائے تھے یہ اثر جدید راستوں سے آکر شامل ہوگیا اور یہاں کی زندگی میں بہت قوت پیدا کی۔ چارلس اور جیمز کے منصوبوں سے جس قدر انگریزوں کو گھر میں نقصان پہنچا ہے اسی قدر آبادکاروں کو بھی ان کے فرامین اور ان کی آزاد حکومتوں میں نقصان پہنچا۔ تمام شمالی نوآبادیات میں ہر جگہ مخالف فریق کے ساتھ گہری ہمدردی کا اظہار کیا گیا اور انقلاب کی کامیابی پر اظہارِ مسرت کیا گیا۔ مگر یہ جدید اثرات لاک کی تحریرات کی بدولت یہاں پہنچے اور دیرپا ثابت ہوئے۔ امریکہ میں اٹھارھویں صدی کے سیاسی تفکر پر لاک کا ایسا گہرا اور براہِ راست اثر پڑا تھا جیسے فرانس پر۔ اور اب ان دونوں ممالک کی فکر بالکل ایک دوسرے کے متوازی چلتی ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان دونوں ممالک نے ان خیالات کی ایک دوسرے سے خوشہ چینی کی تھی بلکہ وجہ یہ تھی کہ دونوں نے ایک ہی معلم سے استفادہ کیا لیکن لاک کے اساسی تصورات مثلاً قوم کا اقتدارِ اعلیٰ، حکومت کا محکوم کی رضامندی پر منحصر ہوتا، مقننہ کا اعلیٰ طاقت ہونا مگر ساتھ ہی یہ قوم کا مفوضہ ہونا کہ جب چاہے واپس لے لے، اور عاملہ مقننہ کا ماتحت نہیں بلکہ اس کا عمیل ہونا وہ تصورات تھے جن کو پیوریٹین ۱۶۴۲ء سے لے کر سنہ ۱۶۶۰ء کے درمیان ظاہر کر چکے تھے اور اس پر عمل کیا تھا اور اسی پر امریکی نوآبادیات کی بنیادیں قائم تھیں۔

جیمز کے عہد کی رفتار واقعات اس بات کی خاطر خواہ توضیح کے لئے زیادہ تفصیل کے ساتھ دکھلائی گئی ہے کہ بحران کی کیا خصوصیت تھی اس میں کیا چیز معرضِ بحث میں تھی اس وقت دستور کا کیا درجہ تھا اور کس خطرے میں

مبتلا تھا اور جو انقلاب عمل میں آیا تو اس کی کیا ضرورت اور خصوصیت تھی۔ یہ تفصیل بہت ضروری تھی صرف الفاظ کی بندشات سے یہ کام نہیں چل سکتا تھا ۔

Bibliographical Note.—W. C. Abbott, *The Origin of English Political Parties, A. H. R.* xxiv, 578, 1919. O. Airy, *Charles II, 1904*. F. Bate, *The Declaration of Indulgence, 1672, 1908*. A. V. Dicey, *The Law of the Constitution, 1915*. G. P. Gooch, *English Democratic Ideas in the Seventeenth Century, 1898*. J. Pollock, *The Popish Plot, 1903*. W. A. Shaw, *The Beginnings of the National Debt,* Owens Coll. Hist Essays, 1907.

باب ۱۵

کابینہ کی تشکیل

ولیم اور میری کا عہد حکومت تاریخ دستور انگلستان میں ایک ایسے جدید دور کا آغاز کرتا ہے جسکی پچھلی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ پرانی طرز کی قدیم کشمکش بالکل ختم ہوگئی؛ مجلس واضعہ اور مطلق العنان ملوکیت کی باہمی نزاع جو تیرھویں صدی کے آغاز سے تاریخ انگلستان کے کم و بیش ہر دور پر حاوی تھی وہ ہمیشہ کے لئے طے ہوگئی۔ اسکے بعد کسی انگریز بادشاہ نے مطلق العنانیت کے پرانے نظریے پر جس طرح اسٹوئرٹ بادشاہ دستور کی تاویل کرتے تھے اصرار نہیں کیا۔ بلاشبہ آگے چلکر ہم ایک ایسے زمانے میں پہنچیں گے جب کہ شاہ جارج سوم نے حصول اقتدار کی چند سال تک کامیاب کوشش کی لیکن وہاں یہ صاف نظر آتا ہے کہ جو چیز جارج دوبارہ حاصل کرنا چاہتا تھا وہ تیرھویں صدی کی کھوئی ہوئی چیز نہیں تھی بلکہ ۱۶۸۸ء کے بعد کی کھوئی ہوئی چیز تھی۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ سوالات ہی بحث میں نہیں آئے جن سے دستور کے اساسی معنوں پر روشنی پڑتی ہو۔ آج دو سو سال کے بعد ایک مسئلہ جو حقیقت کی کسی مشابہت سے اساسی کہا جاسکتا ہے ایک بڑے مسئلے کے طور پر قوم کے سامنے آیا ہے اور فیصلہ چاہتا ہے۔ یعنے مملکت میں دارالامرا کی کیا حیثیت ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اپنے نفس موضوع کے اعتبار سے یہ مسئلہ کہاں تک بحث طلب ہے کیونکہ اس مسئلے کے جس قدر اساسی پہلو تھے وہ درحقیقت سب

۱۶۸۸ء میں طے ہو چکے تھے۔ جدید عہد اس وقت شروع ہوتا ہے جب کہ پرانا مسئلہ طے ہو چکا تھا، اب دستوری حیثیت سے اس کی خاص کوشش یہ تھی کہ اس امر منفصلہ کو کسی طریقہ سے انصرام حکومت کے جزئیات پر بالکلیہ منطبق کئے جانے اور اس کو عمل میں لانے کے لئے کیا پرزور آلات تجویز کئے جائیں اس کی درخشاں خصوصیت ادارہ سازی ہے۔ اور اس وقت جو بڑا ادارہ صورت گیر ہوا ہے وہ بلاخوف تردید تاریخ کے بہت ہی اہم اداروں میں سے ہے، بلکہ غالباً آخر میں چل کر ہمارا یہ کہنا بالکل حق بجانب ہوگا کہ یہ تاریخ کا سب سے اہم ادارہ ہے کیونکہ اس کی تاریخ ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ یہ جدید ادارہ انگریزی کابینہ ہے۔ اس کابینہ سے صرف ایک ادارہ مراد نہیں ہے بلکہ حکومت کا نظام کابینہ مراد ہے یعنے وہ کابینہ جو وزارتی ذمہ داری کے موجودہ اصول اور عملدرآمد کے تابع ہے۔

کابینہ کی ضرورت۔ نظام کابینہ کی ابتدائی کیفیات سمجھنے کے لئے ہم کو پیچھے ہٹ کر ۱۶۶۰ء کی بحالی سے شروع کرنا چاہئے۔ جیسے ہم دیکھ چکے ہیں کہ بحالی ایک مفاہمت تھی جس میں اقتدار اعلیٰ کی ظاہری صورت تو بادشاہ کے ساتھ باقی رہی لیکن اس کے برخلاف واقعی اقتدار پارلیمنٹ کے ہاتھ میں آگیا۔ اگر یہ پورے طور پر عمل میں لایا جائے تو اس مفاہمت کے یہ معنے ہوئے کہ تدبیر مملکت اور عاملانہ کارروائیوں کے تمام شعبے مجلس مقننہ کے براہ راست اختیار میں ہیں۔ چونکہ یہ انتظام تمام انسانی تجربات میں بالکل جدید تھا۔ اس لئے نتیجہ یہ ہے کہ اس کو عمل میں لانے کے لئے کوئی آلات موجود نہیں تھے۔ کوئی ایسے ادارتی اشکال نہیں تھے جن کے ذریعہ مقننہ عاملانہ اقتدار عمل میں ایسی حالت میں لاسکے جب واقعتاً اسے یہ اختیارات حاصل نہیں تھے۔ اس کی ضرورت تھی کہ اس مفاہمت کی عملی صورت میں لانے کے لئے دستوری کل پرزے پیدا کئے جائیں، چنانچہ اس کل کی نشوونما اور ترقی دراصل کابینہ کی نشوونما اور ترقی ہے اور وہ اس اصول کے ساتھ کہ وزراء پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوں۔ یا ہم اس واقعہ کو دوسرے طریقہ سے بیان کرسکتے ہیں۔ یہ انگریزی انتظام جس کی رو سے عاملانہ اقتدار کابینہ کے تفویض کیا جاتا ہے اور اس کابینہ کو خود پارلیمنٹ مرتب کرتی اور اس پر اپنا اثر رکھتی ہے سترھویں صدی کے ارتقائے دستور کا نتیجہ ہے اور یہ اس غرض سے گھڑا گیا کہ پارلیمنٹ کا اقتدار اعلیٰ ہمیشہ ملک کے انصرام حکومت میں ظاہر ہوسکے۔

یہ خیال کرنا فضول ہے کہ چارلس دوم کے عہد یا بعد کے دور کے لوگ اس بات سے

واقف تھے کہ یہ عملی مسئلہ ان کے لئے حل طلب تھا۔ اگر اوّل میں وہ کچھ واقف بھی تھے تو صرف اس مشکل سے واقف تھے کہ مشترک راہِ عمل میں بادشاہ اور پارلیمنٹ کی حکمت عملی کو کس طرح باہم مانوس کیا جائے۔ اور اس خصوص میں جو دانستہ کوششیں کی گئیں مثلاً پریوی کونسل کی تنظیم جدید کے لئے سر ولیم ٹمپل کا منصوبہ ان سب کا منشا یہ تھا کہ ان دونوں طاقتوں کے درمیان ایک ایسی جماعت قائم کی جائے جو دونوں کو مربوط اور مانوس کر دے۔ ان دانستہ کوششوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ چارلس دوم کے عہد میں اس خصوص میں جہاں تک ترقی ہوئی وہ سب کچھ وزرا کی ایک چھوٹی جماعت کی کوشش تھی جس پر ایک طرف بادشاہ کو اعتماد تھا اور دوسری طرف یہ پارلیمنٹ کے اعمال پر بھی حاوی تھی۔ ایبر کلیرنڈن جو ایک زمانہ میں انہیں وزرا میں تھا اس نے ان وزرا کے طریقوں کو اپنے الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔ یہ الفاظ ہمارے لئے خاص طور پر دلچسپی رکھتے ہیں کیونکہ یہی الفاظ بغیر کسی تبدیلی کے ان طریقوں پر صادق آتے ہیں جو پچھلے تیس سال کے دوران میں واشنگٹن میں اس غرض سے اختیار کئے گئے کہ قانون سازی پر صدر جمہوریہ امریکہ کا بھی اثر پڑے۔ وہ کہتا ہے "یہ وزرا (کلیرنڈن اور سیوتھمپٹن) ہر روز دارالعوام کے چیدہ اشخاص کے ساتھ صلاح و مشورہ کرتے تھے۔ ہمیشہ بادشاہ کی خدمت کی تمنی اور اسی وجہ سے ان کو مجلس میں خاص دلچسپی حاصل تھی) اور چونکہ ان کو اچھا تجربہ اور اچھی قابلیت حاصل تھی اس لئے بڑی عزت کے ساتھ ان کی گفتگو سنی جاتی تھی۔ انہیں اشخاص کے ساتھ یہ وزرا مشورہ کرتے تھے کہ ایوان کو موافق بنانے کے لئے کس طریقہ سے پیش آنا چاہئے تاکہ جو امور عوام کے لئے نہایت ضروری ہیں ایوان تحریک کرے یا بعض اوقات ان پر رضامندی ظاہر کرے۔ اور ان کے ذریعہ سے یہ دوسروں کو جو ان امور ماننے کے لئے ہمیشہ راضی اور آمادہ پائے جاتے تھے فرائض تفویض کرتے تھے اور یہ سب کچھ بغیر شور و شغب کے ہوتا تھا نیز ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا کہ بہت سے اشخاص کو ان امور پر غور کرنے کیلئے جمع کیا جاتا ہو اس لئے کہ یہ پارلیمنٹ کو ناگوار گزرتا تھا اور ہمیشہ ہمیشہ گزرے گا ممکن ہے کہ یہ کچھ دنوں کامیاب ہو لیکن بالآخر اس کو بری نظر سے دیکھا جائے گا"

سچ تو یہ ہے کہ بادشاہ ابھی تک حقیقی عامل تھا اور اس کے بعد بھی وہ بہت دنوں تک رہا۔ وہ اپنے وزرا کا خود انتخاب کرتا تھا اور ان کی حکمت عملی کا خود جوڑ توڑ کرتا تھا۔ بادشاہ کو ان دونوں باتوں کی کوئی پروا نہیں تھی کہ پارلیمنٹ اس کے وزرا اور ان کی حکمت عملی کو منظور کرتی ہے۔

یا نہیں۔ ادھر پارلیمنٹ کو دیکھو تو یہ جدید طریقوں سے بدظن تھی اور اس کا خیال تھا کہ یہ بادشاہ کے اغراض کے لئے درپردہ کارروائیوں کا آلہ ثابت ہوگی۔ لیکن اس کے سامنے اعلیٰ اختیارات کو استعمال کرنے کا سوائے اس کے کوئی اور طریقہ نہیں تھا کہ بادشاہ کے ساتھ مناسب مفاہمت کی جائے۔ نیز بادشاہ کے ملازمین کو ذمہ دار ٹھیرانے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ مواخذہ کے قدیم عمل درآمد کے ذریعے قطعی ذمہ داری عاید کی جائے۔

جہاں تک ان امور کا تعلق ہے ۱۶۸۸ء کے انقلاب سے صورت حال میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوا۔ اس انقلاب نے اشکال اور آلات معین نہیں کئے۔ پھر وہی اصول معرض بحث میں آگئے تھے جو تمام اشکال کی تہ میں مضمر تھے اور تمام قوم اس بات کے لئے مصر تھی کہ ۱۶۶۰ء کے انتظام کو اس حد تک برقرار رکھا جائے جہاں تک اس انتظام سے پارلیمنٹ کی فوقیت کا اساسی مسئلہ طے ہو چکا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر چارلس دوم کے عہد میں اس فوقیت کو عمل میں لانے کے دستوری آلات تجویز کر دئے تو وہ ۱۶۸۹ء کے بندوبست میں ضرور شامل کر دئے جاتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ یہ محض پارلیمنٹی فوقیت کا اساسی اصول تھا جو کسی نہ کسی مفہوم میں ۱۶۸۹ء میں سمجھ میں آیا تھا لیکن اس کا ابھی تک تعین نہ ہو سکا تھا کہ یہ کس حد تک عملی حکومت پر منطبق کیا جا سکتا ہے اور انطباق کا طریقہ کیا ہے۔ یہ آخر الذکر چیز تو ایک مدت تک صاف طور پر سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ وزارتی ذمہ داری کا اصول تھا جس کو کابینہ کی صورت دی گئی۔

آہستہ ترقی۔ جس طرح اوپر ذکر کیا جا چکا ہے بادشاہ اور پارلیمنٹ کا باہمی جھگڑا ولیم سوم کی تخت نشینی کے ساتھ الباطل ہو گیا کہ پھر نہیں پیدا ہوا۔ اس جدید دور کو اس سوال اور دستور کی تاویل سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ اس کا مدعا یہ تھا کہ اس نئے کام کو آگے بڑھایا جائے تاکہ عملی حکومت میں اس انتظام مفاہمت کو جو پہلے سے وجود میں آ چکا تھا عمل میں لانے کے آلات تجویز کئے جائیں۔ اس قسم کے قابل عمل آلات بنانے میں چارلس دوم کے عہد میں جو ترقی ہوئی ہے اس پر ولیم سوم کے عہد نے کوئی بڑا اضافہ نہیں کیا۔ اب تک وہ جماعت جو دونوں کے درمیان ربط پیدا کرتی تھی موجود تھی یہ جماعت چند بے ضابطہ وزرا پر مشتمل تھی اور

یہ لوگ بادشاہ کے معتمد علیہ اور پارلیمنٹ میں ذی اثر تھے۔ اجرائی حکومت اور بالخصوص خارجی معاملات پر بادشاہ کو اب تک ید طولی حاصل تھا۔ اور اس نے اس بات کا کبھی خیال ہی نہیں کیا کہ وزرا کے انتخاب میں بلاواسطہ یا بالواسطہ پارلیمنٹ کو رائے دینے کا حق عطا کرنا چاہیئے۔

اس تغیر کو دوسرے الفاظ میں ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ مواخذہ جو وزراتی ذمہ داری کی قدیم شکل تھی جہاں تک اس کے مفہوم کا تعلق ہے چارلس دوم کے عہد میں ایک یادگار ماضی ہوکر رہ گئی تھی اور بہت جلد معدوم ہونے کو تھی اور اس کی جدید اور حالیہ شکل اپنے اداراتی جامہ میں ان تجربات کی صورت میں اپنا عکس ڈال رہی تھی۔ جو بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان واصلی اور مصالحتی جماعت پیدا کرنے کے لئے کئے گئے تھے۔ منجملہ ان تجربات کے ایک سر ولیم ٹمپل کی مجوزہ تنظیم ہے جو پریوی کونسل سے متعلق تھی۔ لیکن یہ صورت وہ نہیں ہے جس سے زمانہ حال کی شکل صورت پذیر ہوئی۔ اس کا وجود راست اس وزارتی حلقے سے تھا جس کو خود بادشاہ نے ترتیب دیا تھا اور جو ہمیشہ مشتبہ اور بری نظر سے دیکھا گیا اور شکل میں یہ اس حلقے سے ملتا ہے جو ولیم سوم کے عہد میں از سر نو مرتب کیا گیا نہ کہ چارلس دوم کے عہد میں۔ دوسری طرف مشکل یہ ہے کہ اس زمانہ سے وزارتی ذمہ داری کے تصور کا آغاز نہیں ہوا۔ اس لئے کہ اس نے اٹھارھویں صدی کے اوائل کے بعد آہستہ آہستہ جنم لیا ہے گو سر ولیم ٹمپل کے تجربے میں ایک طرح سے اس تصور کا ڈھنگ آ گیا تھا۔

جب ولیم سوم نے حکومت شروع کی تو اس کو اچھی طرح معلوم تھا کہ منصب شاہی کے وسیع اختیارات سلب ہو چکے ہیں اس کے متعلق ایک جلیل القدر عالم دستور کے الفاظ یہ ہیں " یہ قرار دیا گیا تھا کہ بادشاہ قطعی طور پر قانون کے تحت ہو۔ اس کو قانون کے معطل یا قانون سے کسی کو مستثنےٰ کرنے کا کوئی اختیار نہ ہو۔ اپنے اعلان کے ذریعہ وہ کسی جدید خلاف ورزی کو نہیں پیدا کرسکتا ہے اور زمانہ امن میں پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر ملک میں کوئی مستقل فوج نہیں رکھ سکتا ہے۔ پارلیمنٹ نے تعین اخراجات شروع کر دیا تھا۔ فوجی خدمات غائب ہو چکے تھے۔ اس کو جبری سربراہی اور ترجیحی خریداری کا اختیار نہیں رہا تھا۔ وہ قانون حربی کے ذریعے

لوگوں کی سماعت نہیں کرسکتا اب عادلوں کی مدت خدمت کو شاہی مرضی سے تعلق نہ رہا تھا۔ وہ سیاسی عدالتیں جن کے ذریعے سے شاہان ٹیوڈر اور پہلے دو شاہان اسٹوئرٹ اپنی اپنی خواہش پوری کرتے تھے برخاست ہوگئیں۔ عدالت ایوان انجم اور عدالت ماموریہ اعلےٰ کا خاتمہ ہوگیا"۔ اس پر ہم یہ اضافہ کرسکتے ہیں کہ آئیندہ بادشاہ بغیر قوم کے نمایندوں کی منظوری کے قانون نہیں بنا سکتا تھا، محاصل جاری نہیں کرسکتا تھا، حق الوہی کے ذریعے بادشاہی کا دعویٰ نہیں کرسکتا کیونکہ پارلیمنٹ کے قانون کے ذریعے سے حق الوہی کے سلسلہ کو توڑ دیا گیا اور آئیندہ اس کا حق صرف اسی قانون پر موقوف تھا۔ وہ بغیر فوری سماعت کے کسی شخص کو قید میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کے وزراء اور عہدہ دار اپنے اختیارات سے تجاوز کرکے جب کسی شخص کو نقصان پہنچاتے تھے تو اس کے وہ ذاتی طور پر ذمہ دار تھے اور یہ بات صاف طور پر تسلیم کرلی گئی تھی کہ وزرا جو حکمت عملی اختیار کریں خواہ وہ ان کی نہ ہو بلکہ خود بادشاہ کی ساختہ پرداختہ ہو اپنے جان و مال کے ساتھ پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ تمام نتیجے ولیم سوم کو معلوم ہوچکے تھے اور وہ ان کو تسلیم کرچکا تھا۔

بادشاہ کے باقی ماندہ اختیارات۔ اس کے باوجود بادشاہ کسی طرح شاہ شطرنج نہیں تھا۔ اس کے عملی اختیارات اس سے کہیں زیادہ تھے جو آج زمانہ حال کے بادشاہ کو حاصل ہیں۔ تدبیر مملکت کا تمام طول و عرض انصرام حکومت کا تعین اور تشخص کہ حکومت کو کیا کرنا چاہیئے اور کس طرح کرنا چاہیئے سب کچھ بادشاہ کے ہاتھ میں تھا۔ دستور کی ترقی سے بادشاہ کے کئی خاص ذرائع چھن گئے تھے۔ جن سے بادشاہ اپنی تدابیر عمل میں لایا کرتا اور اس کو نافذ کرتا تھا۔ ان امور میں جن کی سخت مخالفت ہوتی اس کے صلاح کار اس کی حکمت عملی کے ذمہ دار ٹھہرائے جاسکتے تھے۔ تعین اخراجات اور تنقیح حسابات کی شکل میں ایک اور پرزور طریقہ ایسا پیدا ہورہا تھا جس سے تدبر مملکت پر گرفت ہوسکتی تھی۔ اگر جدید قانون کی ضرورت تھی تو پارلیمنٹ سے بھی مدد لینا ناگزیر تھا اور ظاہر ہے کہ اگر بادشاہ مالیات کی بابت ایک نیا مسلک اختیار کرتا تو یہ صورت ضرور پیدا ہوتی، لیکن اس وقت تک معاملہ کی تہ تک رسائی نہیں ہوئی تھی۔ ابھی تک تدبر مملکت کا الٹ پھیر پارلیمنٹ

کے ہاتھ میں نہیں بلکہ عاملہ کے ہاتھ میں تھا اور جماعت عاملہ ابھی تک براہ راست پارلیمنٹ کے قابو میں نہیں آئی تھی۔ اور وہ اس بات پر کسی طرح مجبور نہ تھی کہ کسی فیصلے کے پیش رفت میں بالواسطہ یا بلاواسطہ پارلیمنٹ سے مشورہ کرے۔ جس طرح آج خارجی امور کی حالت ہے یہ بات اس وقت بھی داخلی معاملات سے زیادہ خارجی معاملات پر صادق آتی تھی اور جس طرح تاریخ کے دور مابعد میں ہوتا رہا ہے۔ ولیم سوم کے زمانے میں داخلی حکمت عملی خارجی حکمت عملی کے بالکل تابع تھی۔

وہ دن آنے والے تھے کہ بالآخر پارلیمنٹ وزرا کے تقرر اور برطرفی پر بالواسطہ اقتدار حاصل کر کے تدبیر مملکت پر براہ راست قابو پائے لیکن ابھی تک اس سلسلے کی بسم اللہ بھی نہیں ہوئی تھی۔ آج پارلیمنٹ کو جس قسم کا اقتدار حاصل ہے وہ کچھ مواخذہ سے نہیں پیدا ہوا بلکہ وہ اس انکشاف سے یا اس کوشش کا نتیجہ تھا۔ جو انصرام حکومت کی بابت عمل میں لائی گئی یعنے (جس طرح اوپر کہا گیا ہے) کوشش یہ تھی کہ بادشاہ اور دارالعوام کی کثرت ایک ہی مسلک حکومت پر متفق ہو سکیں۔ سب سے پہلے ولیم سوم ہی اس انکشاف تک پہونچا تھا۔ لیکن یہ سمجھنا خلاف قیاس ہوگا کہ وہ اس کے مفہوم سے واقف تھا اور وزرا کے انتخاب میں جہاں تک اس زمانہ کی مجبوری تھی اپنے کو اس کا پابند پاتا تھا۔ اپنے عہد کے آخری زمانے تک وہ آزاد تھا کہ جس طرح چاہے پریوی کونسل کے اراکین کا انتخاب کرے۔ ان اراکین کے انتخاب میں جو مملکت کی خدمات پر فائز ہوتے اور وزارت یا کابینہ میں نشست کرتے تھے جو اس وقت ٹھیٹ انگریزی کابینہ نہیں بلکہ امریکانی طرز کی کابینہ ہوتی تھی یا دوسرے الفاظ میں اپنے خاص صلاح کاروں کے انتخاب میں ولیم اس بات پر غور کرنے کے لئے مجبور نہیں تھا کہ ان کو پارلیمنٹ کے فریقوں کی تقسیم تعداد سے کیا تعلق ہے۔ جب کبھی وہ اس پر غور کرتا تھا تو خود اپنی سہولت کے خاطر کرتا تھا۔ اس میں کوئی مجبوری نہیں تھی۔ دوسرے لحاظ سے بھی ولیم کو اس معاملے میں اس سے زیادہ آزادی تھی جو ایک موجودہ بادشاہ کو حاصل ہے۔ وہ وزارت کے مشورہ پر چلنے کے لئے مجبور نہیں تھا۔ وہ ان لوگوں سے بھی مشورہ لے سکتا تھا جن کو حکومت سے کوئی سرکاری تعلق نہ ہوتا۔ چنانچہ

وہ ایسا مشورہ اکثر لیتا تھا اور اس سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ وہ اپنے وزرا کے مشورے کو نظر انداز کر سکتا تھا چنانچہ اس نے ایسا بارہا کیا۔ ایسے غیر معمولی معاملات میں جو قوم کے آئندہ نقل و حرکت پر اثر ڈالتے تھے وزرا سے مشورہ لئے بغیر وہ خود کام کرتا تھا تدبیر مملکت کے تمام مسائل میں اسی کا فیصلہ قطعی ہوتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ولیم سوم محدود حکمران تھا وہ ایسا مطلق العنان نہیں تھا جیسے اس کا دیرینہ حریف لوئی چہاردہم اور ایسا ہونا ممکن بھی نہیں تھا۔ لیکن انگریزی دستور کو بیچیں صادق کی حکومت کے درجے پر پہنچنے کے لئے بہت کچھ ترقی باقی تھی

سرکاری کابینہ کا فقدان۔ ولیم اور میری کی تخت نشینی کے وقت دو سیاسی فریق وھگ اور ٹوری الگ الگ موجود تھے اور ایک دوسرے سے ایسے ہی ممتاز تھے جیسے بعد کے زمانہ میں پائے جاتے ہیں۔ اور فریقانہ جذبہ بھی خاطر خواہ تیز تھا۔ ولیم کی پہلی پارلیمنٹ یعنی اجتماعی پارلیمنٹ بھی وھگ تھی لیکن ولیم سمجھتا تھا کہ وزارت میں دونوں فریقوں کو ملانے سے نہ صرف ایک کامیاب حکومت بن سکتی ہے بلکہ اس وقت وہ اس وجہ سے بھی دونوں فریقوں کو ملانا ضروری سمجھتا تھا کہ اس سے حکومت طاقتور ہو جائے گی اور بادشاہ فریقانہ جانب داری سے بچ جائے گا۔ چارلس دوم کے عہد میں یہ تصور غیر شعوری طریقے سے پیدا ہو گیا تھا کہ وزارت کو مقتدر بادشاہ اور مقتدر پارلیمنٹ کے مابین واثق جماعت ہونا چاہئے اور ظاہر ہے کہ اس تصور کو وجود میں لانے کے لئے ایک مرکب وزارت کا تجربہ کرنا اقتضاء فطرت انسانی کے عین مطابق تھا۔ اس بارے میں کوئی زیادہ تجربہ تو تھا نہیں اس لئے ظاہر ہے کہ واثق جماعت پیدا کرنے کا ہر حالت میں یہی طریقہ معقول معلوم ہوتا تھا۔ یہ بھی ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اوائل میں عہدہ داروں کا کوئی واضح اجتماع نہیں تھا کہ ان کی ایک ایسی ممیز جماعت بن جاتی جیسی آج ہم کابینہ کی شکل میں پاتے ہیں۔ ایک پریوی کونسل ضروری تھی جو ایک مشخص جماعت تھی۔ پریوی کونسل کی مختلف مسلمہ کمیٹیاں تھیں اور یہ کمیٹیاں پشتوں سے حکومت کے الگ الگ فرائض انجام دیتی تھیں۔ لیکن یہ نوخیز کابینہ ان سے کسی قدر مختلف تھی۔ اس میں نہ اتنا ضابطہ تھا اور نہ یہ اس قدر مستند جماعت تھی۔ یہ کم وبیش

بڑے درجہ اور اختیار کے انتظامی اور عاملانہ خدمات کا ایک ایسا مجموعہ تھا جس کے حامل پریوی کونسل کے ارکین ہوتے تھے اور ان لوگوں میں بعض اوقات ایسا ارتباط ہوتا تھا کہ یہ لوگ پارلیمنٹ کے مخالفانہ حملوں کا ایک ساتھ مقابلہ کرتے تھے۔ لیکن اب تک اس کے متعلق یہ تصور واضح نہیں تھا کہ یہ عہدہ دار ایسے منتظم ہیں کہ کونسل کے اندر بھی ہیں اور اس سے ممتاز بھی ہیں۔ اور تدبیر مملکت کی ترتیب و تشکیل سے ان سب کا کامل یا نیم سرکاری تعلق ہے ایک معین شخص کو جو خدمت دی جاتی تھی تو اس وجہ سے دی جاتی تھی کہ وہ پارلیمنٹ اور قوم کا ذی اثر رہنما تھا اور بادشاہ بھی اسی وجہ سے اس سے مشورہ لیتا تھا۔ لیکن بادشاہ ایسے لوگوں کو جن سے وہ مشورہ کرنا چاہتا تھا خود اپنی مرضی سے یکجا کرتا تھا۔ اور اس میں بعض وقت بڑے عہدہ دار چھوڑ دیے جاتے تھے اور بعض اوقات ایسے لوگ شریک کر لیے جاتے تھے جو بڑے عہدہ دار نہ ہوتے تھے۔ اس تصور میں اب تک اجتماعیت کی بجائے تفرد تھا۔ جب کبھی لوگ ایسی مشخص جماعت کی ہوا پاتے تھے جو کونسل سے الگ تھلگ نظر آتی اور حکومت میں خاصہ اثر رکھتی تھی تو بے ضابطہ اور خطرناک سمجھ کر اس کی مذمت کرتے تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان دو امور میں جو تبدیلی ہوئی تھی یعنے ایک مربوط کابینہ کا تسلیم کیا جانا اور دوسرے اس کا دستور بجائے مضر ہونے کے مفید ثابت ہونا زیادہ تر مرکب وزارتوں کے تجربوں کی وجہ سے عمل میں آیا۔

ولیم کا تجربہ اس کی پہلی وزارت ہی سے شروع ہوا۔ اجتماعی پارلیمنٹ بڑی وہگ تھی لیکن عہدوں پر وہگ اور ٹوری رہنما دونوں فائز تھے۔ اگر اس اعتقاد پر کام ہوتا کہ مرکب وزارت دونوں فریقوں کو یکجہت کر دے گی تو نتیجہ قطعی مایوس کن ہوتا کیونکہ فرقہ وارانہ منافشات وزارت اور پارلیمنٹ دونوں جگہ عام تھے۔ اس عہد کے پہلے انتخاب سے جو ۱۶۹۰ء میں عمل میں آیا ٹوریوں کی کثرت ہوگئی جس کی وجہ سے وزارت میں تبدیلیاں کی گئیں اور وہگ عہدہ داروں کی تعداد گھٹ گئی، ٹوری بڑھ گئے، لیکن اگر اس سے "پارلیمنٹ اور دربار میں بہت موافقت ہوگئی" تو اس کا کوئی ایسا زبردست اثر بھی نہیں پڑا کہ اس سے کوئی سبق ملتا یا مرکب وزارتوں کے عملدرآمد میں تغیر ہوتا۔ اسی سال جب ولیم انگلستان

سے آیرستان گیا دونوں فریقوں کی ایک خاص کونسل اس غرض سے مقرر کی کہ یہ اس کی عدم موجودگی میں ملکہ کو کام میں مدد دیں۔ اس میں دونوں فریقوں کی تعداد تقریباً برابر کی تھی۔

سنہ ۱۶۹۲ء میں وزارت کے رد و بدل کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ لیکن سنہ ۱۶۹۳ء سے تغیرات کا ایک سلسلہ شروع ہوتا ہے جن کی اہمیت میں بعض اوقات بہت مبالغہ کیا جاتا ہے۔ ارل آف سنڈرلینڈ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے بادشاہ کو یہ توجہ دلائی تھی کہ وہ اپنی تمام وزارت صرف ایک فریق سے مرتب کرے اور اس وقت مشورہ یہ تھا کہ وزارت صرف وہگوں پر مشتمل رہے۔ اول الذکر چند دنوں تک اسی طریقہ کار کا معتقد تھا۔ یہ کام رفتہ رفتہ کیا گیا اور سنہ ۱۶۹۶ء تک وہ کابینہ بنائی گئی جو "جماعت متحدہ" کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس نام سے جو مفہوم مترشح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ لوگ نہ صرف اس اجتماع کو جان گئے تھے بلکہ اس کو ناپسند بھی کرتے تھے۔ سنہ ۱۶۹۵ء کے انتخاب سے دارالعوام وہگ ہو گیا لیکن "جماعت متحدہ" کو ہم موجودہ کابینہ کی مسلسل تاریخ کا آغاز نہیں سمجھ سکتے کیونکہ جب سنہ ۱۶۹۸ء کے انتخاب سے پانسہ پلٹا تو وزارت نے استعفا دینا ضروری نہیں سمجھا اور کئی سال تک کابینہ اور پارلیمنٹی کثرت کا باہمی تعلق تسلیم نہیں کیا گیا۔

ذمہ داری کا مسئلہ۔ تاہم سنہ ۱۶۹۰ء کے انتخاب سے جب کہ معاملہ اہم تھا یہ بات ظاہر ہو گئی کہ پارلیمنٹ بادشاہ سے برتر ہے کیونکہ پارلیمنٹ نے جو تخفیف فوج کا مسلک اختیار کیا تو ناگوار نتائج نکلے اور ولیم کے دلی خواہشات سے تصادم ہو گیا۔ تاہم وہ اس کے ماننے پر مجبور ہو گیا۔ ولیم کے عہد کی باقی تبدیلیوں میں کوئی جدید اصول یا عملدرآمد رونما نہیں ہوا۔ وزارت اور ٹوری ہو گئی لیکن لوئی چہاردہم کی گستاخانہ حرکات کی وجہ سے قوم ولیم کی تائید کے لئے متحد ہو گئی جس میں ٹوری فریق بھی شامل تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی ٹھن گئی لیکن اس لڑائی کے سر کرنے کے لئے خود ولیم زندہ نہیں رہا۔ ولیم کے عہد حکومت کا جملہ ماحصل صرف اس قدر تھا کہ ایک میلان پیدا ہو گیا تھا لیکن ایک طرح سے دیکھا جائے تو وہ ایسا میلان تھا جو عرصہ سے جاگزیں تھا اور اب اس کو روکنا ممکن نہیں تھا۔ میلان کا اقتضا یہ تھا کہ قومی

معاملات کے انصرام کو کونسل کے اندر ایک چھوٹے حلقے کے سپرد کیا جائے جو بڑے عہدہ داران پر مشتمل ہو۔ یہ حلقہ ایسا واضح تھا کہ اکثر پہچانا جاتا تھا اور ایک خاص نام سے موسوم تھا لیکن نہ صرف یہ غیر سرکاری تھا بلکہ قانون بھی اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ اس کے بعد نظام کابینہ کی تشکیل میں جو بڑا زینہ باقی رہ گیا تھا وہ اس بات کا انکشاف کرنا تھا کہ وزرائے کارفرما اور پارلیمنٹی کثرت کے درمیان کیا تعلق ہے اور اس تعلق کو کس طرح عمل میں لایا جا سکتا ہے۔

چونکہ اس زمانے کے لوگ اس تعلق سے ہنوز واقف نہیں ہوئے تھے اس لئے ظاہر ہے کہ ان کو اس الجھن میں پڑنے کی کوئی وجہ نہ تھی مگر اس تغیر کا سب سے بڑا خطرہ ان کے سامنے یہ تھا کہ کابینہ کی کارروائی راز میں ہونے لگی تھی اور اس سے وہ کچھ دھندلے طور پر واقف تھے۔ اور وزرا بادشاہ کو جو مشورہ دیتے تھے اس کے متعلق ان کو ذمہ وار ٹھیرانا مشکل تھا۔ مواخذہ جو وزرا کو پارلیمنٹ کے سامنے براہ راست ذمہ وار بنانے کا ہتھیار تھا اور قرون وسطی کا بھی پیدا کیا ہوا تھا ابھی ابھی مکمل ہوا تھا۔ لیکن چونکہ پارلیمنٹ کی فوقیت جو سنہ ۱۶۶۰ء میں قائم کی گئی اور سنہ ۱۶۸۸ء میں موثق کی گئی۔ بلاواسطہ نہیں بلکہ بالواسطہ تھی اور قانوناً تسلیم نہیں کی گئی تھی اس لئے طریقۂ مواخذہ میں بھی وہ گرفت باقی نہیں تھی۔ پارلیمنٹ کی حیثیت کو موثر بنانے کے لئے جس بات کی ضرورت تھی یہ نہ تھی کہ وزرا کو ان کے افعال کی سزا دی جائے بلکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ تدبیر مملکت کی قرارداد میں پارلیمنٹ کے اقتدار کو موثر بنایا جائے۔ یہی ایک واحد طریقہ تھا جس سے حقیقی فوقیت قایم کی جا سکتی تھی ورنہ یہ فوقیت بالواسطہ تھی۔ ظاہر ہے کہ اس زمانے کے لوگ اس ضرورت کو محسوس نہیں کرتے تھے۔ اور اس بات کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ دستور کی یہ عظیم الشان تبدیلی سب کچھ غیر شعوری طریقے سے ہوئی تھی۔

اس زمانے کے لوگ صرف اس حد تک غور کرتے تھے جو ان کو نظر آتی تھی اور وہ یہ تھی کہ وزرا کو ذمہ وار بنانے کا ہتھیار ان کے ہاتھ سے چلا جا رہا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ مواخذہ ان کے ہاتھ سے نکلا جاتا ہے اور اس کی جگہ کوئی اور چیز نہیں قایم ہو رہی ہے۔ اوائل عہد یعنے سنہ ۱۶۹۲ء کے موسم خزاں میں جنگ کی بدانتظامی پر

جو حکومت سے ہوئی تھی بڑی دھواں دھار بحث ہوئی اور اس میں اراکین پارلیمنٹ
نے کابینہ پر سخت چوٹ کیے کہ اس کا انگریزی ادارات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک رکن
نے کہا کہ "ہماری کتب قانونی میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے" دوسرے رکن نے کہا کہ
"یہ انگلستان کا طریقہ کبھی نہیں رہا ہے" چونکہ خفیہ مشورہ دیکر ذمہ داری سے پہلو تہی
کی جاتی ہے اس لئے "ہم ان کو سزا نہیں دے سکتے کیونکہ ان کے افعال کا ہم کو علم
نہیں ہے" کئی اراکین نے اس بات پر زور دیا کہ وزرا جو مشورہ دیں اس پر ان کو اپنے
دستخط ثبت کرنے چاہئیں۔ دوسرے سال کے اجلاس میں جب یہ مسودہ پیش ہوا کہ
عہدہ دار دار العوام سے خارج کیے جائیں اور ولیم نے اس کو نامنظور کیا تو عوام برافروختہ
ہو گئے اور یہ رائے ہوئی کہ منظوری رقم سے انکار کرکے بادشاہ پر دباؤ ڈالنا چاہیے
کئی دفعہ مواخذوں کی دھمکی دی گئی لیکن یہ ۱۷۰۱ء سے قبل جبکہ ولیم کا آخری زمانہ
تھا عمل میں نہیں لایا گیا۔

مواخذہ کا متروک ہونا۔ مواخذہ کی ابتدا اس وقت ہوئی جب
بادشاہ اور پارلیمنٹ اس مسئلے پر کشمکش کرتے تھے کہ مملکت میں اقتدار اعلیٰ کہاں واقع
ہے اور یہ مسئلہ بہت پرانا مسئلہ تھا۔ منشور اعظم کے باب ۶۱ اور پرانی طرز کے ہر آلہ کار
کے طرح مواخذہ کا بھی یہی مقصد تھا کہ خانہ جنگی اور انقلاب کا خطرہ نہ پیدا ہو
اور بادشاہ کو رسمی ذمہ داری سے ہٹا کر حقیقی ذمہ داری کا پابند بنایا جائے۔ اگرچہ
دوسرے آلات بھی ایک طرح سے کامیاب ہوئے تھے لیکن مواخذہ اس غرض
کے لئے سب سے بڑا اور سب سے زیادہ موثر آلہ کار ثابت ہوا تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا
کہ بادشاہ نے اپنی ذمہ داری پر اصرار کرنا چھوڑ دیا۔ لیکن وہ مسئلہ اب الساطے ہو چکا تھا
کہ ۱۶۸۸ء کے انقلاب کے بعد پھر کبھی بحث میں نہیں آیا۔ اب جو حقیقی مسائل رہ گئے
تھے وہ یہ نہیں تھے کہ بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان دستور کی اساسی تاویل کیا
ہو سکتی ہے بلکہ اب مسائل یہ تھے کہ حکومت کے روزمرہ کاروبار میں دو مختلف الرائے
فریقوں کے رہنما ایک دوسرے کے مقابلے میں کیا مقصد اور حکمت عملی اختیار کریں۔
وفاداری دستور کے ساتھ اور ان فریقوں کی اس دور کے اوائل میں غیر شعوری طور پر
مان لی گئی تھی۔ ان حالات میں یہ بات خود بخود سمجھ میں آ گئی تھی کہ مخالف فریق کے

رہنماؤں کو فوجداری چالان میں مبتلا کرنا فریقانہ مفاد کا ناشائستہ استعمال ہوگا۔ اس لئے مواخذہ خاموشی سے برخاست ہوگیا حالانکہ اس وقت تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ ذمہ داری عاید کرنے کے لیئے پھر اس کی جگہ کونسی چیز استعمال کی جائے۔

اسی دور میں جس پر یہ باب مشتمل ہے شاہی حق امتناع قطعی کا بھی یہی حشر ہوا اور اسباب بھی وہی تھے۔ ولیم سوم نے اس حق کو چار مرتبہ استعمال کیا اور ہر وقت پارلیمنٹ اس سے مشتعل ہوئی۔ ملکہ این نے اس کو صرف ایک مرتبہ استعمال کیا۔ لیکن مواخذہ کی طرح اس کو بھی دستوری ترقی کے جدید رخ سے جو انگلستان اختیار کر چکا تھا کوئی مناسبت نہیں تھی۔ یہ دونوں ایسے ہتھیار تھے جو عاملہ اور مقننہ کی قدیم کشمکش میں ایک کو پارلیمنٹ۔ پادشاہ کے خلاف اور دوسرے کو بادشاہ پارلیمنٹ کے خلاف استعمال کیا کرتا تھا، لیکن اب ان پرانے مناقشات کا زمانہ گزر چکا تھا۔ دور جدید کے مناقشات عاملہ اور مقننہ کے ایسے باہمی مناقشات نہیں تھے کہ مملکت میں کون برتر ہوگا بلکہ رائے عامہ کی تفریقوں پر مبنی تھے جن کی مقننہ میں مختلف گروہوں کے ذریعہ نمایندگی ہوتی تھی۔ اور رسمی عاملہ یعنے بادشاہ اور حقیقی عاملہ یعنے کابینہ دونوں کا بالکلیہ انتخابات کے نتیجہ پر منحصر ہونا پڑتا تھا۔ ملکہ این کے بعد سے حق امتناع کو کبھی استعمال نہیں کیا گیا۔ لیکن اب سے چند سال پہلے اس شاہی حق کے استعمال کے متعلق بہت کچھ بحث ہوئی تھی کہ یہ حق استعمال ہونا چاہیئے اور اس طرح استعمال ہونا چاہیئے کہ مخصوص مسائل رائے عامہ یا مراجعہ کے لئے پیش کرنا لازمی قرار دیا جا سکے۔

ولیم کے عہد کے آخری سال پارلیمنٹ نے ایک دستوری قانون پاس کیا جو "دستاویز حقوق" سے کم اہمیت نہیں رکھتا اور وہ قانون بندوبست ہے۔ چونکہ ملکہ میری اور ملکہ این کی آخری پسماندہ اولاد ڈیوک آف گلوسٹر کا یکے بعد دیگرے انتقال ہوگیا تھا اس لیئے پادشاہی کے لئے جانشینی کا تعین کرنا ضروری ہوگیا تھا۔ اس ضرورت کے تحت پارلیمنٹ نے پہلی وراثت کے اصول کو مدنظر رکھ کر درمیانی ورثا کو جو کیتھولک تھے نظر انداز کردیا اور یہ اعلان کیا کہ ملکہ این کے بعد تخت کی وارث والیہ ہانوور سوفیا ہوگی جو جیمز اول کی نواسی اور شاہان قدیم کی نسل میں بھی قریب ترین پروٹسٹنٹ وارث تھی۔ اصول میں تو یہ پارلیمنٹ کا ادعائے حق تھا کہ بادشاہی کا تعین

پارلیمنٹ کرے گی اور اس طرح یہ "دستاویز حقوق" سے کچھ کم انتہائی نہیں تھا۔ مگر یہ اس وجہ سے زیادہ درخشاں تھا کہ جن ممکن ورثا کو نظر انداز کر دیا گیا تھا ان کی تعداد بہت زیادہ تھی اور جو وارث تخت قرار دیا گیا اس کو حکمران وقت سے دوسروں کے بہ نسبت بہت دور کی قرابت ہوتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس طریقے سے صحیح مسئلہ نسب کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ اس اصول کی پرزور تجدید کر دی گئی کہ تخت انگلستان کسی حق منجانب اللہ کے تابع نہیں ہے۔ خاندان ہانوور کے حکمران جو اس قانون کی بدولت تخت و تاج کے مالک ہوئے انھوں نے ان چیزوں کو ایک نہیں کئی دفعہ ڈنکے کی چوٹ تسلیم کر لیا اور یہ اعلان کیا کہ ہم صرف قوم کی رضامندی سے حکومت کرتے ہیں۔

مخالف قانون سازی۔ یہ بات بھی ملحوظ رکھی گئی کہ وراثت کے انتظام کے لئے جو قانون بنے تو اس میں چند ایسے دستوری دفعات بھی شامل کر لئے جائیں جیسے دستاویز حقوق میں کئے گئے تھے۔ بالآخر عادلوں کی مدت ملازمت از روئے قانون نیک چلنی پر منحصر کی گئی اور اس کے علاوہ ان کی برطرفی کے لئے دونوں ایوان پارلیمنٹ کی درخواست لازمی قرار دی گئی، اور یہ بھی قانون بنایا گیا کہ مواخذہ کے انسداد کے لئے معافی کو صفائی میں نہیں پیش کیا جا سکتا۔ دو اور دفعات شامل کئے گئے جن کی مصلحت مشکل سے سمجھ میں آتی ہے ان کے ذریعہ پارلیمنٹ نظام کابینہ کی نزاعوں کا خاتمہ کر دینا چاہتی تھی تاکہ پارلیمنٹ کے خیال میں ذمہ داری عاید کرنے کا ہتھیار ہاتھ سے نہ چلا جائے اگر یہ دفعات عمل میں لائے جاتے تو کابینہ کا خاتمہ ہو جاتا۔ ایک کا منشاء یہ تھا کہ کونسل کے جملہ کاروبار کسی دوسری جگہ نہیں بلکہ صرف پریوی کونسل میں طے ہوں یعنی کسی "جماعت متحدہ" یا کابال میں طے نہ ہوں کیونکہ یہ ان کی نظر میں مشتبہ تھے اور کونسل کے اراکین جو قرارداد منظور کریں ان پر اپنے دستخط ثبت کر دیں تاکہ اس طریقے سے ان کی ذمہ داری واضح ہو جائے۔ اور دوسری دفعہ میں یہ ممنوع قرار دیا گیا کہ دارالعوام کی رکنیت کے لئے بادشاہ کے عہدہ دار یا وظیفہ خوار جن میں خود وزرا بھی شامل تھے منتخب نہیں ہو سکتے۔ دوسرے الفاظ میں پارلیمنٹ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھی کہ اپنی فوقیت حاصل کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ وہ دیدہ و دانستہ

ایک متروکہ طریقہ کی خاطر اس سلسلہ ترقی کا خاتمہ کر دینا چاہتی تھی جو پرزور ذریعے سے ملوکیت کے جامہ میں جمہوریت پیدا کر رہا تھا۔ یہی ایک پرزور ذریعہ تھا اور یہی ہو سکتا تھا۔

یہ دونوں دفعات عمل میں نہیں آئے۔ سب نے یہ محسوس کیا کہ پہلی دفعہ سے وزرا کی وہ آزادی جس سے وہ پادشاہ کو مشورہ دیتے تھے۔ محدود کر دی گئی ہے۔ چنانچہ ملکہ این کی تخت نشینی کے بعد ہی اس کو منسوخ کر دیا گیا۔ دوسرے قانون کا صرف یہ منشا نہیں تھا کہ دارالعوام کو شاہی وزرا کے برے اثر سے بچائے بلکہ اس کا عین منشا یہ تھا کہ بادشاہ کے وہ زوردار ذرائع سلب کرے جن کے ذریعے سے یعنے عہدہ داروں کے توسط سے اور عہدوں اور وظیفوں کو رشوت بنا کر پادشاہ دارالعوام کے افعال پر قابو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ خود ولیم سوم نے ان ذرائع کو دھڑلے سے استعمال کیا تھا۔ لیکن یہ بات جلد معلوم ہوگئی کہ یہ دفعہ وزرا کو پارلیمنٹ سے خارج کرنے میں حد سے تجاوز کر گئی ہے اور اس کے فوائد کے مقابلے میں عملی دقتوں کا پلہ بھاری ہو جائے گا۔ پہلی دفعہ کی طرح اس کو بھی اسی وقت منسوخ کر دیا گیا لیکن دو سال کے بعد اس موضوع کا ایک جدید قانون پاس کیا گیا جو چند ترمیمات کے ساتھ ابتک جاری ہے۔ اس قانون سے یہ ضابطہ بنا کہ جو اشخاص ۲۵ اکتوبر ۱۷۰۵ء کے بنائے ہوئے خدمات بامندرجہ ہذا خدمات پر فائز ہوں وہ دارالعوام میں نشست نہیں کر سکتے لیکن جو ارالکین ان کے علاوہ دیگر خدمات پر فائز ہوں ان کو اپنی نشست چھوڑنا ضروری نہیں ہے بلکہ اُن کا دوبارہ انتخاب ہو سکتا ہے۔ اس تاریخ کے بعد سے جس قانون سے جدید وزارتی خدمات پیدا کئے گئے وہ دوسرے درجے میں رکھے گئے اگر قانون بندوبست کے ہر دو مطالبات پورے ہو جاتے تو اس کی وہ صورت ہوتی جو بعد کو امریکانی کابینہ کی ہوئی یعنے صرف وہ ایک انتظامی اور صلاح کار کابینہ ہوتی بشرطیکہ موافق حالات باقی رہتے اور کابینہ کی ترقی جاری رہتی یعنی وہ زمانہ حال کی حکومت کابینہ اور وزارتی ذمہ داری کے درجہ پر کبھی نہیں پہنچتی۔ جیسے ہم آگے چلکر دیکھینگے اس قانون کی وجہ سے پادشاہ دارالعوام پر ناجائز اثر ڈالنے کے ذرائع سے بالکلیہ محروم نہیں کیا گیا بلکہ اصول قائم کر دیا گیا اور اس کے حصول میں پیش قدمی بھی

کی گئی۔

اگرچہ ولیم کے عہد حکومت کی خاص دستوری اہمیت اس ترقی میں پائی جاتی ہے جو حکومت کابینہ میں عمل میں آئی تھی لیکن دوسری ترقیوں کو بھی جن کی داغ بیل ڈالی گئی تھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے مذہبی رواداری بھی ایک حد تک مرکز بدلاتی گئی ۱۶۸۹ء سے پہلے پروٹسٹنٹ منحرفین کو ان کی قبیح مجبوریوں سے چھڑانے کے لئے جو کوششیں کی گئی تھیں وہ سب ناکام ہو گئی تھیں لیکن اجتماعی پارلیمینٹ کے پہلے اجلاس میں ایک قانون رواداری پاس کیا گیا۔ اگرچہ ضوابطۂ کلیرنڈن کو منسوخ نہیں کیا گیا لیکن "موحدین" کو مستثنیٰ کر کے ان پروٹسٹنٹوں کو جو وفا شعاری اور سیادت کی حلف اٹھانے کے لئے اور قلب ماہیت کے خلاف اعلان کرنے کے لئے تیار تھے ان تعزیزات سے آزاد کر دیا گیا جو مجالس منحرفین اور کلیسا کی غیر حاضری کے مانع تھے انھیں شرایط کے ساتھ اور ۳۹ دفعات پر جن میں سے تین دفعات اور دوسری دفعہ کا ایک حصہ خارج تھا دستخط کرنے کے بعد منکر واعظین کو وعظ و نصیحت کرنے اور عشاء ربانی کا انتظام کرنے کی اجازت دی گئی اور رجسٹر ہونے کی صورت میں ان کے مجلس گاہوں کی حفاظت کا انتظام بھی کیا گیا۔ اگرچہ ملکہ این کے عہد میں رواداری کے خلاف ردعمل ہوا یعنے ایک قانون منکر عہدہ داروں کو "ہنگامی مطابقت" کی ممانعت کرتا تھا اور "قانون شقاق" منکر مدارس کے مخالف تھا۔ لیکن یہ دونوں ۱۷۱۸ء میں منسوخ ہو گئے اور جلد ہی منکرین کو عملاً فائز خدمت ہونے کی اجازت دیدی گئی۔ تعزیرات سے بچانے کے لئے سالانہ قانون برات پاس ہوتے تھے۔ قانون رواداری اتنا وسیع نہیں کیا گیا کہ آئرستان بھی اس سے فائدہ اٹھاتا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیس سال کے دوران میں جو ۱۶۸۸ء کے انقلاب کے بعد گذرے بہت سے اسکاچ آئرستانی امریکا کی نوآباد مستعمرات میں جلاوطن ہو گئے۔

دستوری قانون سازی۔ قانون غدر کے علاوہ آمد کو جس کا تعلق فوجی تنظیم اور قواعد و ضوابط کے لئے تھا اور تعین اخراجات کے جواز کو صرف ایک سال کے لئے محدود کر کے انقلاب کے بعد پارلیمینٹ کے سالانہ اجلاس کو گویا لازمی قرار دیا گیا۔ ۱۶۹۴ء میں ایک مرتبہ بادشاہ کے امتناع کے بعد قانون سہ سالہ پاس کیا گیا کہ

کم از کم تین سال میں ایک مرتبہ پارلیمنٹ کا اجلاس ہونا چاہئے اور پارلیمنٹ کی عمر بھی تین سال کے لئے محدود کر دی گئی۔ ۱۶۹۵ئہ میں دارالعوام نے قانون اجازہ جات کی تجدید کرنے سے انکار کر دیا جس سے مطابع پر احتساب جو حال میں ختم ہو چکا تھا دوبارہ قائم ہوتا تھا اس وقت سے لیکر اب تک انگلستان میں مطابع قانوناً وعرفاً آزاد ہیں اور فی الواقع احتساب سے مستثنیٰ ہیں۔ لیکن ملکہ این کے عہد میں ایک قانون ٹائمز محصور پاس ہوا جو چھوٹی اشاعتوں کے لئے گراں بار ثابت ہوا اور جدید اشاعتوں کے لئے رکاوٹ ہو گئی۔ تاہم انقلاب کے بعد اخباروں کی طباعت بہت تیزی سے ترقی کرنے لگی اور زمانۂ حال کے رنگ پر سیاسی تبلیغ اور سیاسی نقطۂ خیال کی نشر و اشاعت کے لئے اس کا استعمال بہت بڑھ گیا۔ ملکہ این کے عہد میں ہارلے سب سے پہلا وزیر سمجھا جاتا ہے جس نے اخبار کو سیاسی اغراض کے لئے استعمال کیا۔ غداری کی سماعت کو باضابطہ بنانے کے لئے ۱۶۹۶ئہ میں ایک اہم قانون پاس کیا گیا جس سے ملزم کو خاص تحفظات حاصل ہوئے اور دو صریح گواہ ضروری قرار دئے گئے ایک ہی فعل کے لئے جو بالکل ظاہر ہو ہمیشہ دو گواہ ایسے ضروری نہیں تھے جیسے امریکہ کا دستوری ضابطہ ضروری قرار دیتا ہے بلکہ ایک ہی غداری کے دو فعل کے لئے ضروری ہوتے تھے۔ باقی قانون سازی یہ ہے ''اخراجات شاہی'' معین کر دئے گئے اور اس سے زیادہ خاص چیز یہ ہے کہ قومی قرضہ کو ہمیشہ کے لئے باقاعدہ بنایا گیا بنک انگلستان قائم کی گئی۔ اگرچہ یہ قانون سازی قطعی دستوری شان نہیں رکھتی مگر انقلاب کے نتائج کو مستحکم بنانے اور اس کے مویدین کو تقویت دینے میں اس کے دستوری نتائج اہم ہیں۔

ملکہ این کا عہد حکومت دستوری نقطۂ نظر سے ولیم کے عہد کا قدرتی متمہ ہے جس کے اصول اور خصوصیات ایک ہی تھیں۔ لیکن حکومت کابینہ کی ترقی جو خاص چیز ہے ولیم کے عہد سے زیادہ ملکہ این کے عہد میں ہوئی۔ لیکن اس ترقی میں کوئی ایسے مدارج نہیں ملتے جو اچانک اور قطعی کہے جاسکیں بلکہ آہستہ آہستہ اس بات کا تعارف ہو رہا تھا کہ حکومت کابینہ کس طرح چلائی جاسکتی ہے اور اس کا کیا مفہوم ہے۔ ملکہ این کی تخت نشینی کے وقت پارلیمنٹ میں وہگوں کی کثرت تھی اور کابینہ

ولیم کے طرز کی تھی یعنی دونوں فریقوں سے مرکب تھی ۔ ان کا رجحان زیادہ تر ٹوریت کی طرف تھا اور یہی اس کے ہم مشرب مارلبرو اور اس کی بیوی کا حال تھا ۔ اپنی ذاتی جانبداری کے اثر کو کام میں لاکر ملکہ این نے فوراً وزارت کو برخاست کرنے کی کوشش کی یہاں تک کہ خفیف استثنا کے ساتھ وزارت ٹوری ہوگئی ۔ پہلا انتخاب جو ہوا تو پارلیمنٹ میں خاطر خواہ ٹوری اکثریت ہوگئی ۔ لیکن یہ انتخاب کابینہ کی تبدیلی کے بعد ہوا تھا اور نئی کابینہ موجودہ وھگ اکثریت کے ساتھ بنائی گئی تھی چنانچہ نئی اکثریت کا کابینہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا ۔

اس طرح وجود میں آنے کے بعد یہ کابینہ سنہ ۱۷۱۰ء کے بڑے تغیر تک برائے نام ذی اقتدار رہی یعنے یہ دو آدمیوں کے جن کا اس کی تشکیل میں خاصہ حصہ تھا، زیر اثر رہی ایک گڈولفن اور دوسرے مارلبرو ۔ لیکن اندرونی طور پر اس میں بہت سی تبدیلیاں ہوئیں جو اپنی تمام خصوصیات میں بہت اہمیت رکھتی ہیں ۔ اولاً یہ کہ اس سے سخت ٹوری خارج کر دیے گئے ۔ اور ان کی جگہ معتدل ٹوری بھرتی کئے گئے ۔ پھر مارلبرو نے دیکھا کہ وھگ جنگ کے زیادہ حامی ہیں لہذا ٹوری خارج کر دئے گئے اور وزارت پہلے سے بہت زیادہ وھگ ہوگئی ۔ آخر میں معتدل ٹوریوں کے رہنما ہارلے نے سنہ ۱۷۰۸ء میں اپنے کو زیادہ طاقتور بنانے کی جو کوشش کی تھی وہ ناکام ہوگئی اور اس کی ناکامی کا نتیجہ یہ ہوا کہ معتدل ٹوری برخاست کر دیے گئے ۔ اور وزارت بالکلیہ وھگ ہوگئی سنہ ۱۷۱۰ء کے زوال مالبرو تک اس کا یہی رنگ رہا ۔

انقلاب کی تائید ۔ سنہ ۱۷۱۰ء میں وزارت کا اچانک اور پورے طور پر شکست کھا جانا فریق بندی کی ابتدائی تاریخ کے بہت ہی مہتم بالشان واقعات میں سے ہے ۔ یہ شکل ایک ٹوری واعظ ڈاکٹر سیکے ویریل کے مواخذے کی وجہ سے پیدا ہوئی اور ملکہ کو وزارت برخاست کرنے کا موقع ملا ۔ اس شخص نے سنہ ۱۷۰۹ء میں گئی فاکس کے دن سنٹ پال کے ایک خطبے میں عدم مقاومت اور خاموش اطاعت کے پرانے انتہائی ٹوری اصول کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور ان اصولوں پر سخت حملے کئے جن کے مطابق سنہ ۱۶۸۸ء کا انقلاب عمل میں لایا گیا تھا ۔ وزرا کو اس کا مطلق اندازہ نہیں تھا کہ عوام کے جذبات کا جس کے وہ باعث ہو رہے ہیں بہت ہی پرجوش ردعمل ہوگا

یہ لوگ انقلاب کے وہگ اصول کی صداقت کو منوانے کے لئے اس کا مواخذہ کرنے پر اڑ گئے۔ برک اس بات کا معتقد تھا کہ کابینہ اپنے فعل میں حق بجانب تھی چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ڈاکٹر سیکیے ویرل کے مواخذے کا کھلا مقصد یہ تھا کہ انقلاب کے اصول کی صحیح بنیاد واضح کی جائے "۔ اس زمانے کے اکثر علما برک سے متفق الرائے ہیں کہ وزارت ایسے سخت حملے کے مقابلے میں اپنی مدافعت کو نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ دوران سماعت میں اس اساسی مسئلے پر زور دیا گیا کہ اصولاً قوم اور پارلیمنٹ کو بادشاہ کی مخالفت کا حق حاصل ہے اور تمام تاریخ انگلستان میں اسی حق پر عمل ہوتا رہا ہے۔ ٹوریوں کی طرف سے صفائی میں جو جواب پیش ہوا تو اس میں اصل نکتے کو تسلیم کرنا پڑا۔ کہ اقتدار اعلیٰ مقننہ سے وابستہ ہے نہ کہ عاملہ سے لیکن نتیجے سے بچنے کے لئے اس بات پر زور دیا گیا کہ اقتدار اعلیٰ کی مخالفت نہ ہونی چاہیئے۔ وزارت اپنے خاص مقصد میں کامیاب تو ہو گئی لیکن اس کی کامیابی خود اسی کے لئے مہلک ثابت ہوی۔ ملک میں عام طور پر کابینہ کے خلاف اس قدر تیز جذبہ ابھر گیا تھا کہ وہگوں کو ہٹانے کے لئے جس کو ملکہ پسند نہیں کرتی تھی اور ٹوریوں کو لانے کے لئے ملکہ کو موقع مل گیا۔ جو انقلاب کے بعد صورت پذیر ہوئی یہ سب سے پہلی کامل تبدیلی اور سیاسی حیثیت سے سب سے پہلی متجانس وزارت تھی جزوی تبدیلیوں کے ساتھ یہ کابینہ اس عہد کے ختم تک برسر حکومت رہی۔

ملکہ این کے عہد میں تین مرتبہ وزارتوں کا خاص رد و بدل ہوا اور ہر تبدیلی کے عین بعد ہی جو عام انتخاب ہوتا گیا تو ہر انتخاب میں جدید وزارت کے لئے بڑی کثرت مہیا ہو گئی۔ لیکن ان تمام تبدیلیوں کا باعث بالکلیہ شاہی اختیار عزل و نصب تھا۔ اور موجودہ کثرت اس تبدیلی کے مخالف ہوتی تھی۔ بعض مرتبہ تو یہ خود ملکہ کے ذاتی رغبت اور نفرت کا نتیجہ ہوتا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ اس زمانے تک ملکہ کی خوابگاہ کی سازشیں وزارتوں کے بننے اور بگڑنے پر برابر اپنا اثر ڈالتی تھیں۔ ولیم سوم نے کئی مرتبہ اور کئی وجہ زیادہ ملکہ این نے ایسے وزیروں اور وزارتوں کو برسر اقتدار کیا جن کو وہ خود پسند نہیں کرتی تھی بلکہ بعض اوقات وہ ان کی سخت مخالف ہوتی تھی۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ پارلیمنٹ کی اکثریت اس بات پر اصرار کرتی تھی کہ معاملہ کرنے کی یہی شرط ہے کہ وزارت برطرف کر دی جائے بلکہ جنگ کے لئے حسب خواہش تائید

حاصل کرنے کا ملکہ اور اس کے وزرا کے پاس یہی ایک طریقہ ہوتا تھا۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ عملاً دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ ہم اس وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ بعد کی تاریخ میں اس وحدانیت کی تصدیق ہوگئی ہے۔ ملکۂ این کے عہد کے لوگ ابھی یہ نہیں سمجھ سکے کہ اس مسئلے کے تینوں عناصر میں کیا تعلق ہے یعنی پارلیمنٹ کی اکثریت، کابینہ، اور حکمت عملی کا کامیابی سے انجام دینا۔ مگر ملکہ کے عہد میں جو واقعات ظہور پذیر ہوئے اور تجربات حاصل ہوئے وہ جلد جلد یہ واضح کر رہے تھے کہ کابینہ اور حکمت عملی کا دارومدار پارلیمنٹ پر ہے اور فریقانہ وزارت مرکب وزارت سے زیادہ طاقتور اور پائدار ہوتی ہے۔ یہ بھی کہنا ضروری ہے کہ ملکۂ این کو چونکہ سیاسی امور سے دلچسپی نہ تھی اور بین الاقوامی مسائل سے اس کو مس نہیں تھا اس لئے اہم امور کا دارومدار کابینے پر ہوگیا جو پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا اور ولیم کے عہد میں تو قطعی نہیں ہوا تھا۔

اسکاچستان کا قانون اتحاد جو ۱۷۰۷ء میں منظور کیا گیا اس کو ہم پارلیمنٹ کے دستوری اختیارات کی انتہائی مثال سمجھ سکتے ہیں کیونکہ اس سے اسکاچستان کے اختیار قانون سازی کا خاتمہ ہوگیا اور اس کے متعلق اہل اسکاچستان نے کوئی صریح اختیار دیا تھا نہ اس کو منظور کیا تھا۔ مگر پارلیمنٹ کے اقتدار اعلیٰ کا جو برطانوی اصول ہے اس کی رو سے یہ قانون بالکلیہ اس کے اختیار کے اندر آجاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں قومیں اس تجویز کے موافق تھیں۔ اس قانون سے ایک نظیر قائم ہوگئی کہ پارلیمنٹ کے اختیارات میں توسیع نہیں ہو سکتی۔ اسکاچستان کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں (جو اب برطانوی پارلیمنٹ ہوگئی تھی) نیابت حاصل ہوگئی گو امور مذہبی اور عدالتوں کی قانونی معدلت گستری کے پورے اختیارات اس کے ہاتھ میں باقی رہے۔ ۱۷۱۱ء میں ملکہ نے ایک غیر معمولی اختیار خصوصی سے کام لیکر جو ابھی قابل اعتراض نہیں سمجھا جاتا تھا فوراً بارہ جدید امرا بنا دیے تاکہ دارالامرا میں ٹوری اکثریت ہو جائے اور ایک مرتبہ اس نے حق امتناع بھی استعمال کیا جس کو تاریخ میں سب سے آخری کہنا چاہئے۔ دو مقدمات میں ایک ایشبی بنام وہائیٹ اور دوسرے اہل ایلسبری بنام عہدہ داران ارسال تحفہ جات کہ انھوں نے اہل ایلسبری کی رایوں کو مسترد

کر دیا تھا۔ دارالعوام نے قانون کے ذریعے سے نہیں بلکہ خود اپنی ہی کارروائی کے ذریعے اس بات کی کوشش کی تھی کہ پارلیمنٹ کے انتخابات میں رائے دینے کے حق کی اہلیت کا تعین کرے لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ۱۷۱۱ئہ میں ایک قانون منظور ہوا۔ جس سے دارالعوام کے اراکین کی مالی اہلیت معین کی گئی۔ صوبوں کے نمایندوں کے لئے چھ سو پونڈ سالانہ اور بلدیات کے نمایندوں کے لئے تین سو پونڈ سالانہ منفعت کی اراضی قرار دی گئی۔ یہ قانون ایک صدی سے زیادہ زیر عمل رہا۔

ترقی کا خلاصہ۔ ان دو عہدوں میں اگرچہ عظیم الشان ترقی عمل میں آئی کہ کابینہ کی طرف حکومت کی تحویل ہو گئی لیکن ابھی اس سے زیادہ کام باقی تھا۔ آین کے انتقال کے وقت کابینہ معین عہدہ داروں کی ایک جماعت تھی جو متفقہ کام کرتے تھے۔ ایک طرف وہ حکومت کے مسلک پر اور دوسری طرف پارلیمنٹ کی کارروائی پر اثر ڈالتے تھے۔ عملاً وہ پریوی کونسل کے قائم مقام تھے کیونکہ وہ مملکت کے تمام معمولی اور تقریباً تمام غیر معمولی امور میں مشورہ دیتے تھے اور حکمت عملی مشخص کرتے تھے۔ اب اس کو کوئی اس نظر سے نہیں دیکھتا تھا کہ یہ ایک ناجائز اور خفیہ کابال یا جماعت متحدہ ہے جو اختیارات پارلیمنٹ کے لئے خطرناک ہیں اس کو قابو میں رکھنا چاہئے اور اگر ممکن ہو تو قانون کے ذریعے اس کو نابود کر دینا چاہئے یہ بات اب تک ذہن میں نہیں آئی تھی کہ آیا وزرا پر ذمہ داری عائد کرنے کا سوائے مواخذے کے کوئی اور طریقہ بھی ہو سکتا ہے۔ پھر وزارتی ذمہ داری کے علاوہ فریقانہ حکومت کا تصور اور احساس بھی نہیں پیدا ہوا تھا۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت کابینہ کا وجود کم از کم دل ہی دل میں مان لیا گیا تھا کہ آلۂ حکومت کا یہ بھی ایک ضروری پرزہ ہے۔ فرمانروا اب تک کابینہ کی مجلسوں میں برابر حاضر ہوتا تھا اور اکثر مواقع پر کابینہ کے فیصلے اس کے اثر سے متاثر ہوتے ہوں گے دوسری طرف کابینہ اور پارلیمنٹ کے تعلقات کے سلسلے میں ابھی بہت کچھ سیکھنا باقی تھا۔ موجودہ طرز کا کوئی وزیراعظم نہیں تھا جس کو سب کابینہ کا صدر تسلیم کریں اور دوسرے اراکین کابینہ سب اس کے ماتحت ہوں۔ اور وہ پارلیمنٹ اور قوم کے سامنے تنہا ذمہ دار ہو۔ یہ اب تک سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ حکمت عملی کے مسائل میں کابینہ کو یک دل ہونا چاہئے۔ دیگر کابینوں

کی طرح مرکب کابینہ بھی جائز سمجھی جاتی تھی اور اکثر ہوتی تھی۔ اور اس وقت بھی جبکہ جملہ اراکین ایک ہی فریق سے متعلق ہوتے تھے سب کا متفق ہونا ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جو تجویز ایک رکن پیش کرتا تھا اور جملہ وزارت کی طرف سے اس کی تائید ہوتی تھی۔ وہ حکومت کی ایسی تجویز نہیں سمجھی جاتی کہ اس کے کامیاب اور ناکام ہونے پر وزارت کی قسمت کا فیصلہ نہیں ہوتا نتیجہ یہ ہے کہ پارلیمنٹ کے سامنے کابینہ کی مجموعی ذمہ داری اب تک سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ جب دارالعوام میں اس کو شکست ہوجائے تو وزارت اور فریق وزارت کے ہاتھ سے حکومت جاتی رہتی ہے اور ایک جدید وزارت اور جدید فریق برسراقتدار ہوتا ہے۔ ملک کو اس اصول تک پہنچنے کے لئے ایک اور پشت کے تجربے کی ضرورت تھی۔ گذشتہ تجربات سے نہیں بلکہ ابھی آئندہ تجربات سے۔ حکومت کابینہ اور وزارتی ذمہ داری کے سمجھنے کے لئے ایک راستہ نکل آیا چنانچہ حکومت کے اس جدید طریقے کے فوائد سے پورا پورا استفادہ کرنے کے لئے ایک اور پشت بلکہ اس سے بھی زیادہ درکار تھی۔

Bibliographj Cal Note:—G.B. Adams, *The Origin of The English Constitution*, 1920. Sir W.R. Anson, *The Law and custom of the Constitution* 1907—9; *The Cabinet in the Seventeenth and Eighteenth Centuries*, E.H.R *xxix*, 56, 325, 1914. M.T. Blauvelt, *The Development of Cabinet Government* 1902 E.I. Carlyle. *Clarendon and the Privy Council*, E.H.R. *XXVII*, 251. E. Jenks, *Partiamentary England*, 1903. H.B. Learned, *The Beginnings of the National Debt*, Owens Coll. Hist. Essays, 1907. H.W.V. Temperley. *Inner & Outer Cabinet and Privy Couneil*, E.H.R. XXVII, 682; *Powers of the Privy Council in the Seventeenth Century* E H.R. XXVIII, 127. E.R. Turner, *The Development of the Cabinet*, A.H.R. *XVIII*, 751, *XIX*, 27; *Committees of Council and the Cabinet*, A.H.R. *XIX*, 772.

باب ۱۶

کابینہ کا ارتقا

جس طریقے سے جیمز اول کی تخت نشینی بنام دستور کی تاریخ میں ایک تشکیلی عہد کا آغاز کرتی ہے اسی طریقے سے جارج اول کی تخت نشینی حکومت کابینہ کی ترقی میں تشکیلی عہد کو شروع کرتی ہے۔ کابینہ اپنی شکل اور طریقۂ عمل دونوں حیثیتوں سے آمادۂ ترقی تھی۔ ضروری لوازم پہلے سے تیار ہو چکے تھے۔ اس کا آلۂ کار تقریباً صورت گیر ہو چکا تھا۔ اس زمانہ کے جدید حالات نے جو چند مواقع پیدا کر دئے تھے وہ ہاتھ سے نہیں جا سکتے تھے کیونکہ ان کی حفاظت اور رہنمائی کے لئے کافی تجربہ حاصل ہو چکا تھا لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا از حد ضروری ہے کہ اب اور آئندہ طویل مدت تک جو کچھ ترقی ہوئی اس کے متعلق اس زمانے کے عمیق نظر مدبرین کے سامنے بھی جو اس ترقی کے علمبردار تھے کوئی خاص ارادہ نہیں تھا اور نہ ان کو اس کا کوئی اندازہ تھا کہ ہم کس نتیجے تک پہنچ رہے ہیں۔ یہ تخلیقی ترقی کا دور ہے جس کے انجام کا کوئی پتا نہیں تھا۔ یہ دور ۱۷۸۳ء پر ختم ہوتا ہے جبکہ جارج سوم نے فاکس و نارتھ کی وزارت برخاست کر دی اور دار العوام کی کثرت مخالف کے علی الرغم چھوٹے ولیم پٹ کو وزیر اعظم بنا دیا۔ اگرچہ یہ سنہ جیسے ہم آگے چل کر دیکھیں گے نظام کابینہ کے کامل ادراک

کے لیے بہت ہی قبل از وقت ہے لیکن یہاں ایک ایسی صاف حد قائم ہو جاتی ہے جہاں تخلیقی ترقی ختم ہو جاتی ہے۔ اب اس نظام کی تکمیل اس بات پر موقوف تھی کہ اس وقت تک جو نتیجہ برآمد ہو چکا تھا اس کو مع اس کے تمام متعلقات کے سمجھ لیا جائے۔

جس ماحول نے اس عجیب و غریب عہد ترقی کو پیدا کیا اور اس کی ترقی کو پچاس سال تک بلا رکاوٹ لازمی قرار دیا وہ ایک غیر ملکی خاندان ہانوور کا تخت انگلستان پر آنا تھا۔ جارج اول صرف ایک جرمن نژاد ہی نہیں تھا۔ جس وقت یہ انگلستان کا بادشاہ ہوا ہے اس وقت اس کی عمر پچاس سے متجاوز تھی۔ اس کے عادات و اطوار رضا و رغبت طبیعت میں راسخ ہو چکے تھے۔ اگر وہ دل سے اپنی جدید سلطنت کے انوکھے حالات کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کی کوشش بھی کرتا تو یہ کوشش اس کے لئے غیر معمولی دقت سے خالی نہیں تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس نے اس کوشش کی کبھی خواہش بھی نہیں کی۔ چند ذاتی خواہشوں کے قطع نظر اس کی زندگی کے بڑے امور یہ تھے کہ جرمنی کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے درمیان جن میں اس زمانے میں جرمنی منقسم تھی سازش کا جال پھیلائے۔ اس نے انگلستان کے تخت کو اس وجہ سے چاہا تھا کہ اس سے اس کا وقار بڑھ جائے گا۔ حقیقی طاقت اور روپیہ حاصل ہوگا اور حقیقت یہ ہے کہ یہاں وہ یہی سوچتا رہا کہ اپنی سلطنت جرمنی کے لئے کچھ اور علاقہ حاصل کرے یا شمالی جرمنی میں خوب فوجی طاقت پیدا کرے۔ انگلستان میں اختیارات خصوصی کو بچانے کے لئے یا دستوری ترقی کو روکنے کے لئے جو بادشاہ کی اختیار تحریک کا خاتمہ کر رہی تھی اس نے کوئی خیال ہی نہیں کیا۔ ایک اور چیز ہے جو بظاہر ایک امر اتفاقی معلوم ہوتی ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس کو اس نتیجے کا بہت بڑا عامل سمجھنا چاہیئے۔ بادشاہ انگریزی سے ناواقف تھا اس کے عہد حکومت میں لے دے کے ایک وزیر ایسا تھا جو جرمن جانتا تھا اور بادشاہ کو اسی سے اپنا کام چلانا پڑتا تھا۔ والپول کے ساتھ بھی جو گفتگو ہوتی تھی تو لاطینی زبان میں ہوتی تھی جس کو دونوں فریق روانی کے ساتھ نہیں بول سکتے تھے۔ ان مشکلات کے علاوہ کہ جارج انگریزی طریقوں اور راستوں سے نابلد تھا دستور کے مالہ و ماعلیہ کے سمجھنے میں بھی اس کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس پر طرہ یہ تھا کہ اپنے

وزرا سے آزادی کے ساتھ گفتگو بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اس بنا پر اس نے مجبوراً حکومت کے نہ صرف روزمرہ کاروبار بلا مدافعت وزراء کے سپرد کر دیے بلکہ ایسے اُمور کی ادیٹر بن بھی جو براہ راست جرمن سیاسیات سے متعلق نہ ہوتی وزراء کے سپرد تھی۔ یہ ایک ایسی صورت تھی جو ایک کمزور بادشاہ کی وجہ سے بالعموم پیدا ہوتی ہے اور اس وقت بادشاہ کی یہ کمزوری اپنی فطرت کی وجہ سے نہیں بلکہ خاص حالات کی وجہ سے تھی۔

پہلا وزیر اعظم۔ اگرچہ جارج دوم کو بھی جو ۱۷۲۷ء میں تخت نشین ہوا ہانوور سے بہت کچھ دلبستگی تھی لیکن وہ اپنے باپ کے مقابلے میں انگلستان سے زیادہ دلچسپی لیتا تھا اور انگریزی معاملات سے زیادہ واقف تھا۔ اس کے باپ کے عہد میں تدبیر مملکت کی تمامتر سیادت کابینہ کے ہاتھ میں اس قدر سرعت کے ساتھ تحویل ہوتی رہی کہ یہ معاملہ بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ اس رو کو پیچھے موڑنے کے لئے ایک مستقل کوشش کی ضرورت تھی۔ اور موڑنے کی یہ ترکیب جارج کے سمجھ میں نہیں آئی بسر رابرٹ کا اقتدار اٹل ہو گیا تھا اور جارج کے تخت نشین ہونے کے اور بارہ سال کے بعد تک اس کا اقتدار جاری رہا اس کے علاوہ جارج دوم پر اس کی ملکہ کا خوب جادو چلتا تھا۔ اور وہ ایسی ترکیبیں کرتی تھی جس کا جارج کو کبھی شبہہ بھی نہیں ہوا۔ ملکہ والپول کی دل سے دوست تھی اور یہ خوب سمجھ گئی تھی کہ والپول کے اقتدار سے جو اس کو دار العوام پر حاصل ہے انصرام اُمور کا سہل تر راستہ پیدا ہو گیا ہے اور یہی وہ جڑ ہے جس میں سے نظام کابینہ کی نشو و نما ہوئی۔ یہ بات بھی تعجب سے خالی نہیں ہے جب جارج دوم کو اس امر کا یقین ہو گیا کہ ایک دستوری اصول پیدا ہو گیا ہے تو اس میں یہ احساس ہو گیا تھا کہ میں دستور کے احترام کے لئے مجبور ہوں۔ اس لحاظ سے جارج دوم کا تینتیس سالہ طویل عہد بہ حیثیت مجموعی اس کے باپ کے عہد سے مختلف نہیں ہے کیونکہ حکومت کابینہ دونوں اعتبار سے یعنے اپنے طریقۂ عمل اور اپنے نظام کے اور اک میں بلا رکاوٹ ترقی کرتی رہی اور اس کی رفتار ترقی میں بھی کوئی فرق نہیں آیا۔

اگر یہ دور بادشاہوں کے خاص اخلاق و عادات کی وجہ سے تخلیق کابینہ کے عین موافق تھا تو ان بادشاہوں نے بھی اس کے لئے خوشگوار موقع بہم پہنچائے۔

تحریک و رہنمائی تو سر رابرٹ والپول سے ہوئی تھی جو اس زمانے کا بہت بڑا وزیر تھا۔ ان بڑے انگریز وزراء کی طویل فہرست میں جنھوں نے اپنے میدان عمل میں دوہرے فرائض انجام دیئے ہیں، ایک رہنمائی یا دارالعوام کا انتظام، دوسرے مرکزی عاملہ کی قیادت اور رہنمائی، والپول کو اولیت حاصل ہے۔ اس نے اپنے لئے جو حیثیت پیدا کی تھی وہ اس کے جانشینوں کے لئے مثال بن گئی۔ یہ ایسا روشن دماغ آدمی نہیں تھا جیسے اس کے حریف بولنبروک اور کارٹریٹ ہو سکتے تھے۔ اس کے جانشینوں میں چند آدمی ایسے تھے جو روشن دماغ کہے جا سکتے ہیں۔ والپول کے اوصاف بہت کچھ ٹھوس تھے۔ اس کی سمجھ روشن اور پختہ تھی۔ اس کی تقریروں کا یہ اثر تھا کہ رائیں اس کے موافق ہو جاتی تھیں اور یہ فصاحت کی وجہ سے نہیں بلکہ وضاحت اور معقول استدلال کی وجہ سے ہوتی تھیں۔ اس زمانے میں جبکہ علم سیاسیات اور معاشیات کی صرف داغ بیل پڑ رہی تھی اور پچھلے تجربات پر بالعموم غائر نظر نہیں ڈالی جاتی تھی والپول کو خاص امتیاز ہے کہ اس نے مختلف مسائل کا جو اس مدبر کے سامنے آئے ایسا ضروری حل نکال لیا جیسے بعد کے زمانے میں کیا گیا۔ لیکن اس کے پاس حکومت کا کوئی شارع نظریہ نہیں تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ وہ کسی مسئلے کو اس طرح نہیں دیکھتا تھا کہ اس کو ملانے والی بہت سی کڑیاں ہیں اور یہ سب ملکر ایک حکمیاتی مجموعہ بن جاتی ہیں۔ بلکہ ہر مسئلے کو ایک فوری گتھی سمجھکر اس کو سلجھا لیتا تھا۔ وہ اپنے مسائل میں ایسا ہاتھ نہیں ڈالتا تھا جیسے ایک فلسفی ڈالتا ہے بلکہ اس طرح جیسے ایک عملی آدمی کرتا ہے۔ لیکن اس کے تمام محلولات حکمیاتی مجموعے میں چست بیٹھ جاتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ والپول اقتدار کا حریص تھا مگر یہ اپنے ذاتی منفعت کے لئے نہیں بلکہ وہ اس طرح خدمت کرنے کے مواقع حاصل کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اس بات کا معتقد تھا کہ میں بھی بہترین خدمت انجام دے سکتا ہوں۔ ایک اقتدار کو قائم رکھنے کا عزم اور دوسرے اس وقت کا صحیح اندازہ لگانا کہ اب میرا اقتدار ختم ہو جائے گا، یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو کابینہ کے ارتقاء پر مستقل اثر ڈالتی ہیں۔

والپول پہلا وزیراعظم کہلاتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اس حیثیت کو قائم کر کے اس نے اس ترقی میں ایک بڑا اضافہ کیا تھا جو اس وقت جاری تھی لیکن

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس ترقی کی غیر شعوری کیفیت تھی اور اس کے علاوہ تقریباً دو سو سال تک یہ عہدہ کبھی باضابطہ طور پر تسلیم ہی نہیں کیا گیا۔ یہ صحیح ہے کہ اس زمانے کے لوگ یہ محسوس کرتے تھے کہ اس قسم کی کوئی چیز وقوع پذیر ہو رہی ہے لیکن وہ اس پر غور کرنے کے قابل نہیں تھے اور اوائل میں کابینہ کا جو رنگ تھا اس سے یہ لوگ اس کو شبہ اور نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ صدر وزیر یا وزیر اعظم کی اصطلاح کے ساتھ وہ حقارت شامل تھی جو جماعت متحدہ یا کابال کے ساتھ تھی۔ والپول کو خود اس بات کا سخت انکار تھا کہ یہ اصطلاح اس پر منطبق ہوتی ہے اور اس کی یہ حیثیت ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس ارتقائی منزل پر جہاں اس وقت کابینہ پہنچ گئی تھی۔ ایک وزیر اعظم کا وجود ضروری تھا جو اس کی حکمت عملی پر تسلط رکھے، تعاون عمل قائم کرے اور ایک مشترک ذمہ داری پیدا کرے اور اس وقت والپول کے سوا کوئی اور عظیم الشان شخصیت ایسی نہیں تھی جو ضروری قیادت انجام دے سکتی۔ وزیر اعظم کا کوئی عہدہ نہیں قائم کیا گیا لیکن چند دنوں پہلے سے یہ بات سمجھ میں آگئی تھی کہ کابینہ کا ایک رکن ایسا ہوتا ہے جو دوسرے اراکین کے متعلق فیصلہ کرتا ہے وہ کون لوگ ہوں گے اور کونسے عہدے اس سے متعلق ہوں گے اور اس کو اس بات کا حق ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو اپنے تابع رکھے یا ان کو مستعفی کرائے۔ یہ سب کچھ جو والپول نے قائم کیا تھا حالات کے زور سے پیدا ہوا تھا اور والپول کی حیثیت ایک رہنما سے زیادہ قائم نہیں تھی۔ لیکن یہ ایسی رہنمائی تھی کہ صورت حال کی منطق سے علانیہ مترشح ہوتی تھی اور جب ایک دفعہ وجود میں آگئی تو ہمیشہ کے لیے لازمی ہو گئی اور کابینہ کی مستقل خصوصیت ٹھہر گئی۔

عوام کے اختیارات میں ترقی۔ یہ ظاہر ہے کہ اس وقت ہم جس بات کو واضح کرنا چاہتے ہیں وہ کابینہ کا ارتقا ہے جو اٹھارھویں صدی کے نصف اول میں عمل میں آیا لیکن اسی کے ساتھ ایک اور تبدیلی بھی لازمی طور پر پیدا ہو گئی جس کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یہ رفتار ترقی کم از کم ۱۷۱۵ء سے دوری ہو گئی تھی اس میں صرف یہی چیز شامل نہ تھی کہ تدبیر مملکت کی پوری تشکیل اور اس کے نفاذ کا اعلیٰ اختیار کابینہ کے ہاتھ میں آ جائے بلکہ یہ بھی تھا کہ مملکت کی آخری قوت فیصلہ دار العوام کے

ہاتھ میں منتقل ہو جائے۔ جس وقت کابینہ اس قابل ہو گئی کہ وہ بادشاہ سے بے نیاز ہو کر تدبیر مملکت کا تعین کر سکتی تھی تو اس کے ساتھ اس کو یہ بھی محسوس ہوا کہ اس کی تدبیر کے لئے دارالعوام کی منظوری ضروری ہے ورنہ اس کو عمل میں لانا ممکن نہیں۔ دوسرے الفاظ میں کابینہ کو موجودہ دستور میں جو حیثیت حاصل ہوئی ہے وہ ایسی نہیں کہ وہ ایک خود مختار ادارہ ہے بلکہ اس طرح کہ وہ پارلیمنٹ فوقیت کا آلۂ کار ہے۔ اپنے عمل ترقی اور نتیجہ کے اعتبار سے ان دونوں تغیرات کے باہم ڈانڈے ملے ہوئے تھے۔ ایک تبدیلی دوسرے پر منحصر تھی۔ ان میں سے ہر ایک اپنے خاص نقطے سے اس وقت تک آگے نہیں بڑھ سکی جب تک دوسری تبدیلی اس کے ساتھ قدم بہ قدم نہیں چلی۔ جب یہ دورخی موادا اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت ۱۶۹۰ئہ کی مفاہمت مملکت کے دستور متداولہ میں شامل ہو گئی۔ پارلیمنٹ کے اقتدار اعلیٰ کو ایسے آلات مل گئے تھے جن کے توسط سے وہ حکومت مملکت میں اپنے کو حقیقی طور پر منوا سکتا تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف دارالامراء کے عملی اختیارات اور دوسری طرف بادشاہ کے اختیارات خصوصی زائل ہو گئے کیونکہ پارلیمنٹ کا اقتدار اعلیٰ عین قوم کے اقتدار اعلیٰ پر مبنی تھا۔ بظاہر بادشاہ اور دارالامراء میں سے کوئی چیز کم نہیں ہوئی اور یہ صورت ایک مفاہمت کی تھی کہ ان کے اختیارات میں بظاہر کمی نہ ہو۔ لیکن حقیقت میں ہر معاملے کے متعلق فیصلے کا حقیقی اختیار دارالعوام کے ہاتھ میں آگیا۔ اس دور میں یہ حقیقت ایک سے زیادہ طریقوں سے ظاہر ہوئی لیکن یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ والپول اندر ہی اندر اس حقیقت سے واقف تھا اور اس خصوص میں یہ پہلا انگریز وزیر ہے جو بلند مرتبے پر پہنچا۔ اور اسی لئے اس نے اپنے زوال اقتدار تک ایوان بالائی کے لئے لوگوں کو امرا بنانے سے انکار کر دیا۔

جب عاملانہ اختیار کابینہ کے ہاتھ میں اور اعلیٰ اختیار دارالعوام کے ہاتھ میں آگئے تو اس کے ساتھ موجودہ حکومتوں کی ایک اور خصوصیت پیدا ہو گئی اور ملکی معاملات میں اپنا خاطر خواہ زور دکھانے لگی یہ وہ چیز ہے جس کو ہم فریقانہ حکومت کہتے ہیں یعنی جدید عاملہ و جدید اقتدار اعلیٰ اور منظم سیاسی فریق کے مابین

ایک قوی رابطہ پیدا ہوگیا۔ جب تدبیر مملکت کی قرارداد ان لوگوں کے ہاتھ میں آگئی جو سیاسی علمبردار تھے اور بطور اکائی کے متفقہ کام کرتے تھے اور قوم ان کی پیروی کرتی تھی تو اس سے لازماً دو چیزیں پیدا ہوگئیں۔ ایک یہ کہ ان لوگوں نے حکومت سے متعلق چند مشترک اساسی اصول مقرر کر لئے اور اس کے پابند ہوگئے اور اس طریقے سے ان کو حکمت عملی کے ایک خاص مرکز پر جمع ہونا آسان ہوگیا، دوسرے یہ کہ اس پابندی سے دارالعوام کی یا غالباً قوم کی ایک کثرت اسی طرف مائل ہوسکی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ میں اکثر ایسا ہی ہوا ہے کہ جذبے کی ہوا مخالف سمت سے چلی ہے اور قوم یا کثرت دارالعوام کی صریح رائے کابینہ پر غالب آگئی لیکن یہاں بھی اصول وہی ہے۔ ایسے رہنمایان سیاست جن کے خیالات پہلے سے معین ہوتے ہیں اور جو کابینہ بنانے اور اپنے مسلک حکومت کو عمل میں لانے کے اہل ہوتے ہیں بہر وقت مل جاتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں جو فریق جداگانہ اصول کا پابند ہو اور ایک جداگانہ مسلک حکومت کا قائل ہو اس کو کثرت حاصل کرنے کے لئے انتظار کرنا پڑتا ہے۔ تاکہ اس کثرت کے زور سے عاملہ پر قابو حاصل کر سکے۔ یہی فریقانہ حکومت ہے یا کم از کم اس وقت تک ہم اس کے اس مفہوم سے واقف رہے ہیں یہ ہماری تاریخ انگلستان کا وہ دور ہے جس میں اس فریقانہ حکومت کا مسلسل عملدرآمد شروع ہوا اور اس سے حکومت خوب زوردار ہوگئی۔

اس صورت حال کے تین عناصر کو یہاں جس ترتیب سے دکھایا گیا ہے یعنے کابینہ، عاملہ، دارالعوام بہ حیثیت اقتدار مختتم اور فریقانہ تحکم اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہی تاریخی ترتیب ہے۔ ان میں سے کوئی بھی پہلے اور کوئی بھی پیچھے نہیں پیدا ہوا۔ تینوں ایک ساتھ پیدا ہوئے اور تینوں نے ایک ساتھ ترقی کی کیونکہ یہ ایک ہی صورت حال کے لازم و ملزوم عناصر تھے۔ جیسے بعد کو تشریح کی جائیگی یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ایسا زمانہ نہیں تھا جس میں عمومیت کی تخلیق ہوسکے تاہم اس زمانے میں ایسے آلات ضرور پیدا کئے گئے جن کو عمومیت اب تک استعمال کرتی رہی ہے۔ اور یہ اب تک موجود ہیں۔

دھگوں کا تسلط ۔ ملکۂ این کے انتقال کے وقت ٹوری فریق برسر حکومت

تھا۔ لیکن ملکہ کی اچانک موت کی وجہ سے اور بعض دیگر رہنماؤں نے جو زور جنبش کی تو خاندان اسٹوائرٹ کی بحالی کے راستے مسدود ہو گئے۔ جب ٹوری فریق کا یہ میلان معلوم تھا کہ وہ بحالی چاہتے ہیں تو ایسی صورت میں بادشاہ اپنے انصرام معاملات میں ان پر کوئی بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ وھگ برسر اقتدار ہو گئے اور ان لوگوں نے پچاس سال تک عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں رکھی۔ لیکن ٹوری صرف اقتدار حکومت سے ہی خارج نہیں ہوئے بلکہ عوام کی نظروں سے بھی گر گئے اور کئی سال تک اس فریق کا یہ حال تھا کہ ان کا کوئی منتظم وجود نہیں تھا۔ چنانچہ یہ لوگ کئی سال کے بعد بھی وھگ کابینہ کے خلاف دارالعوام میں مخالف گروہ بندی کر سکے اور یہ گروہ بندی بھی بڑی حد تک بیزار وھگوں کی طرف سے عمل میں آئی تھی۔ جب اس فریق نے اپنے کو سنبھالا اور ایک نیا ٹوری فریق بن گیا تو یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ ۱۷۱۴ء کے نقطۂ خیال سے بہت کچھ آگے بڑھ گئے ہیں۔ اب یہ ۱۶۸۸ء کے نتائج پر اعتراض کرتے تھے نہ ان نتائج کو ملیا میٹ کرنے کی کوشش کرتے تھے بلکہ یہ لوگ اٹھارھویں صدی میں بادشاہ اور بادشاہ کے باقی ماندہ اختیارات کے خاص حامی بن گئے۔ چنانچہ یہی چیز انیسویں صدی میں جا کر پارلیمنٹ ترقی کے راستے میں حائل ہو گئی۔

اس طویل دور میں جب کہ وھگوں کی حکومت تھی وزراء کا بہت کچھ ردوبدل ہوا لیکن ہمارے اغراض کے لئے صرف چند وزراء ایسے ہیں جو خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ جارج اول کی پہلی کابینہ میں لارڈ ٹونشنڈ سب سے بڑا وزیر تھا اور والپول اس وقت ایک چھوٹی خدمت پر مامور تھا۔ لیکن اس نے بہت جلد اپنے اوصاف ظاہر کئے اور ابھی ایک سال سے زیادہ نہیں ہوا تھا کہ کابینہ کا ایک قوی رکن سمجھا جانے لگا اور وزیر خزانہ بنایا گیا۔ ۱۷۱۷ء میں وھگ فریق میں پھوٹ پڑ گئی اور ٹونشنڈ اور والپول کابینہ سے دست کش ہو گئے۔ والپول ۱۷۲۰ء میں پھر خدمت پر آ گیا لیکن اس کی بڑی وزارت ۱۷۲۱ء سے شروع ہوتی ہے جو اکیس سال تک قائم رہی اور یہ وہ دور ہے جس میں نظام کابینہ نے بہت سرعت کے ساتھ ترقی کر لی۔

جارج اول کو تخت نشیں ہوئے بہت دن نہیں گذرے تھے کہ کابینہ کے طریقۂ کارروائی میں ایک تغیر ایسا ہو گیا جو ترقی کے اس زینے پر کابینہ کے لئے ایک اچھا

محرک ثابت ہوا اب تک بادشاہ کابینہ میں مستقل رکن کی حیثیت سے شریک ہوتا تھا۔ مباحثوں میں حصہ لیتا تھا اور انفصال امور میں رائے دیتا تھا۔ جب تک یہ صورت جاری رہی تدبیر مملکت کی کامل ذمہ داری کابینہ کے ہاتھ میں منتقل نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ بادشاہ کی رائے قطعی ہوتی تھی اور قطعی سمجھی جاتی تھی جارج اول کے تخت نشین ہوتے ہی یہ عملدرآمد بند ہوگیا اور اس کا سبب کوئی خاص نظریہ تھا نہ یہ بات محسوس ہوئی تھی کہ یہ ایک پسندیدہ صورت ہے بلکہ اس کا سبب صرف یہ تھا کہ کابینہ کے مباحثوں سے بادشاہ کو دلچسپی نہ تھی اور وہ انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے ان مباحثوں سے بیزار ہوگیا۔ اگرچہ یہ بظاہر ایک اتفاقی امر تھا لیکن اس سے ایسی تبدیلی ہوگئی جو کابینہ کی خودمختاری اور حکومت کی پوری گرفت کے لئے ضروری تھی اور یہ چیز ایسی ہے کہ اگر اس کو بادشاہ کے علم اور واقفیت کے ساتھ ارادۃً عمل میں لانے کی کوشش کی جاتی تو یہ بعید دشوار گزار کام ہوتا۔

سچ تو یہ ہے کہ یہی الفاظ بلاکم و کاست تاریخ کابینہ کے جملہ مدارج پر صادق آتے ہیں۔ کابینہ کی ترقی میں کسی چیز کا ارادہ کیا گیا نہ دانستہ کوشش کی گئی تھی۔ والپول نے نظام کابینہ کی تعمیر میں جو پہلا اضافہ کیا ہے یعنی وزیراعظم کے حیثیت کی تخلیق کی ہے اس کی بھی یہی حالت ہے۔ اس سلسلے میں جو کچھ اس نے کیا وہ اس وقت سے شروع ہوگیا کہ ابھی اس کی طویل وزارت نہیں بنی تھی اور وہ وزیراعظم نہیں ہوا تھا۔ یہ صرف اپنی شخصیت کے زور سے رہنما بنا تھا۔ اس میں نہ تو خود اس کا اختیار شامل تھا نہ اس کے ہمکار وزراء کا۔ وزارت عظمیٰ اپنی تاریخ کے ابتدائی مدارج میں بس اس سے زیادہ نہ تھی گو یہاں سے اس کی تاریخ بہت جلد جلد آگے بڑھی۔ اس کی حقیقت اس حیثیت سے زیادہ نہیں تھی جو ان حالات میں رہنمائے وقت کے اعلیٰ اوصاف کے زور سے خودبخود پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ایک طرف کابینہ کے غور و خوض میں شریک تھے تو دوسری طرف دارالعوام کے اہتمام میں دخیل۔ اولین مدارج میں اس کو کسی عہدہ سے تعلق نہ تھا۔ لیکن جب ایک دفعہ یہ حیثیت پیدا ہوگئی تو یہ خودبخود محسوس ہونے لگا کہ اس کا وجود عین ضروری ہے تو ان لوگوں نے جن میں یہ اوصاف نمایاں نہیں تھے یا ناقص تھے اس کو بلاتکلف قائم رکھا حالانکہ ایک عرصے تک اس کی ضرورت صاف طور پر

تسلیم نہیں کی گئی۔

وزارت کی یکجہتی ۔ اب ہمیں جو دوسرا زینۂ ترقی دیکھنا ہے وہ بہت کچھ غور و خوض کے ساتھ طے کیا گیا تھا لیکن یہ اس وقت تک نظر نہیں آیا جب تک کابینہ نے تدبیر مملکت کو اپنے ہاتھ میں نہ کر لیا اور وزارت عظمیٰ وجود میں نہیں آئی۔ جب وزارت وجود میں آ گئی تو اس وقت یہ بات محسوس ہوئی کہ جو تدبیر مملکت سے طے ہو جائے وزارت کا وحدت وجود کی حیثیت میں اس کی تائید کرنا ضروری ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وزارت کو مجموعی حیثیت میں اپنے صدر کے سامنے ذمہ دار ہونا چاہئے۔ والپول کا سب سے مشہور مسئلہ اس کا مسودۂ چنگی تھا۔ یہ ایک تحریک تھی جو اصلاح محصول کے لئے ۱۷۳۳ء میں پیش کی گئی تھی۔ اس سے والپول کی وہ قابلیت آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے جو اس نے اس پیچیدہ مسئلے میں ظاہر کی تھی اور یہ اس زمانے کے تمام مفکرین سے بہت بڑھ چڑھ کر تھی اس تجویز کے محاسن سے کلیۃً یہاں بحث نہیں۔ ہم کو صرف اس واقعے سے بحث ہے کہ اہل ملک نے اس کی شدومد سے مخالفت کی اور اس مخالفت میں وزارت کے اراکین اور ایوان بالائی کے اعلیٰ عہدہ داروں نے خاطر خواہ حصہ لیا۔ اس بات کو والپول ماننے والا نہیں تھا۔ اس نے فوراً ایسے کئی آدمیوں کو جن کے متعلق وہ سمجھتا تھا کہ انہیں تائید کرنی چاہئے تھی لیکن نہیں کی، خدمت سے علیحدہ کر دیا۔ پھر اسی سال چند دنوں کے بعد ہی چیز اس وقت عمل میں آئی جب کہ دارالامراء میں حکومت کو شکست ہو گئی۔ لیکن والپول نے اس بات کی ضرورت نہیں سمجھی کہ اس شکست کی بنا پر وہ استعفا کے لئے مجبور ہے۔ لیکن اس امر کو تو اس نے ضرور واضح کر دیا کہ وزارت کو لازماً متحد العمل ہونا چاہئے اور جو رکن کثرت کے فیصلے کو ماننے کے لئے تیار نہ ہو اس کو مستعفی ہو جانا چاہئے۔ والپول پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اس کے تمام افعال کینہ توز ہوتے تھے اب بھی اس کو کوئی شخص بالکل بے گناہ نہیں سمجھتا بلکہ تامل کرتا ہے لیکن جس اصول پر اس نے کام کیا تھا وہ صحیح تھا اور یہ اصول کابینہ کے کارروائیوں کا معین قاعدہ بن گیا گو یہ فوری نہیں ہوا۔

والپول نے اپنے مسودۂ چنگی سے ہاتھ اٹھا لیا اور پارلیمنٹ میں اسے منوانے کی کوشش نہیں کی حالانکہ دارالعوام میں اس کی اکثریت تھی۔ فریقانہ حکومت کے آغاز

کے بعد سے یہ پہلا واقعہ تھا کہ پارلیمنٹ کی اکثریت نے محض اس دباؤ کی وجہ سے جو باہر سے پڑ رہا تھا اس مسئلے سے دست برداری دیدی۔ بیرونی رائے کے اظہار کے لئے ابھی تک باضابطہ ذرائع نہیں پیدا ہوئے تھے اور اس وقت جو طریقے اختیار کئے گئے تھے وہ شورانگیز اور بھدے تھے لیکن ساتھ ہی پرزور تھے۔ رائے عامہ کے ذریعے سے پارلیمنٹ پر دباؤ ڈالنے کا طریقہ یا اصول سوائے اس کے نہیں معلوم ہوتا کہ عام انتخاب کیا جانے اس وقت بھی یہی رائج ہو گیا لیکن اس کو اس نوعیت کے دوسرے امور کے ساتھ جو اس زمانے سے اکثر ظہور پذیر ہونے لگے تھے اور دیگر صورتوں کے ساتھ جو رائے عامہ کے دباؤ سے بادشاہ پارلیمنٹ اور کابینہ پر لازم ہو رہے تھے ایک امر اتفاقی سمجھنا چاہئے۔ ورنہ کسی اور وجہ سے توان کا وجود ہی نہیں ہوتا جنگ ہفت سالہ کے دوران میں پٹ کی جو عظیم الشان وزارت مرتب ہوئی تھی وہ نہ تو بادشاہ کی آفریدہ تھی نہ پارلیمنٹ کی بلکہ رائے عامہ کی آفریدہ تھی اور جارج دوم نے امیرالبحر جنگ کے قتل کے متعلق پٹ کو جو جواب دیا تھا اس میں کچھ حقیقت ضرور تھی "تم نے مجھے یہ سکھا دیا ہے کہ میں اپنی رعایا کا احساس معلوم کرنے کے لئے دارالعوام سے باہر کسی اور جگہ نظر ڈالوں"۔ علی ہذا ڈاکٹر جانسن کے الفاظ میں بھی بہت کچھ صداقت تھی کہ" والپول وہ وزیر ہے جو بادشاہ نے قوم کو دیا برخلاف اس کے پٹ وہ وزیر ہے جس کو قوم نے بادشاہ کو دیا ہے"۔ ممکن ہے کہ یہ اتفاقی امور جو اقتدار رائے عامہ کی مبادیات میں اٹھارھویں صدی کے واقعات سے زیادہ معنی خیز سمجھے جائیں کیونکہ یہ آئندہ آنے والے مواد کی علامتیں تھیں۔

والپول کا زوال۔ ۱۷۴۲ء میں والپول کا جو زوال ہوا تو اس سے حکومت کابینہ کا ایسا اصول قائم ہو گیا جو رائے عام کے اقتدار کے مقابلہ میں کم از کم پچھلے زمانہ کے لئے زیادہ معنی خیز اور اہم تھا۔ جس وقت ۱۷۳۹ء میں اسپین سے لڑنے کے لئے مخالف فریق بہت شدید اور پرزور ہو گیا اور باہر کے عام مطالبے سے اس کی تائید ہوتی رہی تھی تو والپول بادشاہ کا استعفا نا منظور کرنے پر جو دو دفعہ پیش کیا گیا تھا ساکت ہو گیا اور اپنے معقول فیصلے کے خلاف جنگ میں شریک ہو گیا۔ اگرچہ دارالعوام میں ابھی اس کی اکثریت تھی اور ابھی بادشاہ اس کی تائید کرتا تھا لیکن

اس کو مجبوراً ایسا مسلک اختیار کرنا پڑا جس کو وہ پسند نہیں کرتا تھا اور جس کے لئے زمانہ حال کا ایک وزیر اعظم اپنی سبکدوشی پر مجبور ہوتا۔ تین سال اور وہ برسر خدمت رہا۔ ۱۷۴۱ء کے انتخاب کے بعد پھر ایک چھوٹی مگر غیر مستقل اکثریت اس کی تائید پر آگئی لیکن ۱۷۴۲ء میں ۲۰ جنوری کو ایک کی اکثریت سے اور ۲ فروری کو ۱۶ کی اکثریت سے اس نے شکست کھائی۔ چنانچہ اس نے استعفا دیدیا اور ارل آکسفورڈ بن کر یہ اسی دارالامراء میں آگیا جس کے متعلق وہ جانتا تھا کہ یہ دارالعوام کے مقابلے میں بہت کم اہمیت رکھتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اس زمانے میں کوئی وزیر دارالعوام کے بغیر حکومت کے کاروبار چلا سکتا تھا تو والپول ہی چلا سکتا لیکن اس نے اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں سے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ دارالعوام کے بغیر کام کرنا ناممکن ہے۔ دارالعوام کو بھی یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ ایوان کو وزارت پر پورے اختیارات گرفت حاصل ہیں اور اس کو عمل میں لانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جب تک بے راہرو وزیر مستعفی نہ ہو جائے کوئی کام نہ ہونے دیں۔ یہ اقتدار کا ایک بالواسطہ طریقہ کار تھا جو قرون وسطیٰ کے لئے بالکل بعید از قیاس تھا اور یہ اس وقت تک قابل عمل ثابت نہیں ہوا جب تک تمام قومی امور کی بالکلیہ نگہداشت ایوان کے ہاتھ میں نہیں آگئی۔ لیکن ایوان کو اس کا مطلق احساس نہ تھا کہ وزارتی ذمہ داری کو عمل میں لانے کا یہی بہترین طریقہ ہے کیونکہ جب والپول کو شکست ہو چکی تھی تو اس کے بعد پھر اس کے مواخذے کی کوشش کی گئی۔

بادشاہ کے اختیارات کا ہاتھ سے چلا جانا۔ اگرچہ یہ سب والپول کی خدمت کے بہت ہی نمایاں اتفاقات ہیں جو حکومت کے نظام کابینہ کی ترقی کے باعث ہوئے ہیں لیکن یہ اتفاقات اس زمانے کی جملہ ترقیوں کو حصر نہیں کرتے جو ہو چکی تھیں یا ان کی تیاری ہو رہی تھی۔ کیونکہ ایک چیز اور ہے یعنی وزراء کا تقرر اور ان کو اپنی خدمت پر قائم رکھنا۔ یہ اختیار بادشاہ کے ہاتھ سے نکل جا رہا تھا۔ بادشاہ والپول کو ہمیشہ خدمت پر قائم نہیں رکھ سکا حالانکہ وہ خوشی سے رکھنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے حسب خواہش جدید کابینہ کی کیفیت کا تعین نہیں کر سکا۔ ۱۷۴۳ء میں اس کو اپنی مرضی کے خلاف کارٹریٹ کی برطرفی کی اجازت دینی پڑی۔ اپنی ذاتی نفرت

کی وجہ سے چند روز تک تو اس نے ولیم پٹ کو خدمت سے علٰحدہ رکھا لیکن ۱۷۴۶ء میں گو چھوٹی خدمت پر ہی، اس کو پھر ایک جگہ دینے پر مجبور ہو گیا۔

۱۷۴۶ء کا واقعہ بہت دلچسپ ہے جس سے نہ صرف بادشاہ کی حقیقی کمزوری کا ثبوت ملتا ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح کابینہ کی زندگی دارالعوام کی تائید پر منحصر تھی۔ جارج موجودالوقت وزارت کو بالکل پسند نہیں کرتا تھا اور جس وقت اس کے سامنے یہ تحریک پیش کی گئی کہ وزارت کی از سر نو ترتیب کرے اور اس پر پٹ کا تقرر کرے تو اس نے انکار کر دیا۔ اس پر وزارت نے استعفا دے دیا اور بادشاہ نے لارڈ باتھ اور لارڈ گرینویل (کارٹریٹ) سے کہا کہ جدید وزارت مرتب کریں۔ وزارت کی ترتیب کے لئے ان لوگوں نے خاطر خواہ کوشش کی لیکن ان کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ وہ لوگ جو دارالعوام میں کسی جماعت کے پیرو ہیں وہ ان کے تحت کوئی خدمت قبول نہیں کریں گے۔ اور جو لوگ خدمت قبول کر لیں گے ان کو دارالعوام قبول نہیں کرے گا۔ ان لوگوں نے مجبور ہو کر اپنی کوشش چھوڑ دی اور بادشاہ کو مجبوراً پچھلی وزارت کو واپس لانا پڑا۔ صرف وہ اس حد تک کامیاب ہوا کہ پٹ کو کابینہ میں نہ آنے دے۔ ترتیب کابینہ کے سلسلے میں یہ پہلی ناکامی تھی۔ کیونکہ پارلیمنٹ کی تائید حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

۱۷۵۷ء میں جارج دوم نے پٹ کی وزارت کے خلاف پھر اسی قسم کی کوشش کی۔ اگرچہ وہ اس وقت پٹ کو خدمت سے علٰحدہ کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن اس کو کوئی شخص ایسا نہیں ملا جو اس کی جگہ لے سکے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے ایک نیا تجربہ کرنا پڑا یعنے پٹ اور نیو کاسل کو جن کی دارالعوام میں بڑی طاقت تھی، باہم ملا دیا گیا۔ اس وقت کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ تقرر اور برطرفی کا اختیار بادشاہ کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اب تک یہ اختیارات برائے نام بادشاہ کے ہاتھ میں تھے اور یہی اس کے بڑے اختیارات تھے جس کو وہ مناسب حال موقعوں پر استعمال کرتا تھا اور آئندہ بہت زمانے تک کرتا رہا۔ چنانچہ ارل گرینویل کے متعلق یہی یہ معلوم ہے کہ اس نے ۱۷۶۱ء میں کابینے کی ایک بحث میں پٹ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا تھا "اسے یہ یاد نہیں کہ وہ اس مجلس میں صرف بادشاہ کے سامنے ذمہ دار ہے" صاف دلی سے اس نے یہ الفاظ کہے تھے

اور اس وقت بھی یہی خیال تھا۔ زمانۂ حال کا ایک وزیر بھی ذمہ داری کی حقیقت سے قطع نظر صرف ظاہری شکل کو دیکھتے ہوئے یہی کہہ سکتا ہے اور اس کے الفاظ صداقت پر مبنی ہوں گے لیکن وہ محسوس کرے گا کہ ارل گریویل کے مقابلے میں اصل واقعات سے بہت دور نکل گیا ہوں۔

اگرچہ یہ نمایاں واقعات نہیں تھے بلکہ نادانستہ نظائر سے یہ عملدرآمد ہمیشہ کے لئے مقرر ہو رہا تھا کہ بادشاہ کو بغیر ذمہ دار وزراء کے صلاح اور مشورے کے کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنی حکمت عملی کابینہ سے اخذ کرنی چاہئے۔ یعنی دوسرے الفاظ میں جو مشورہ اس کو دیا جائے اس کی پابندی بادشاہ پر لازم ہے اور یہ وزراء کی پارلیمنٹی ذمہ داری کا تقریباً لازمی نتیجہ تھا۔ ظاہر ہے کہ وزراء ایسی حکمت عملی کے ذمہ دار ہونے سے اجتناب کریں گے جو خود ان کی نہ ہوگی اور اگر بادشاہ اپنی حکمت عملی کابینہ پر عائد کرنے میں کامیاب ہو جائے تو ایک وزیر یا جملہ وزراء اس کے ذمہ دار ہو جائیں گے اور یہ کابینہ کی حکمت عملی ہونے کی وجہ سے بالواسطہ قوم کی حکمت عملی ہوگی اور پارلیمنٹ اس کی تائید کرے گی اس لئے یہ ضرور عمل میں آئے گی۔

دو اور امور پر جو عام رفتار واقعات سے متعلق ہیں غور کرنا ضروری ہے۔ ایک تو مسلمہ اور باضابطہ پارلیمنٹی "مخالفت" کی تشکیل ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ وہاں ایک منظم جتھا ہے جس کا ہمیشہ کام یہ ہو کہ وہ برسر خدمت وزارت کی مخالفت کرتا ہے۔ ایک بات یہ ہے کہ ہر فریقانہ حکومت میں دو چیزیں لازمی ہیں۔ ایک وہ منظم فریق جو برسر حکومت ہوتا ہے اور دوسرے اس کی مخالفت۔ فریق مخالف وہ فریق ہے جو خدمت سے خارج ہو کر کام کرتا ہے۔ اس کے پاس بھی تدبیر مملکت کا ویسا ہی باضابطہ پیش نامہ ہوتا ہے جس طرح برسر حکومت فریق کے ہاں ہوتا ہے۔ چنانچہ اس پیش نامہ کو دکھلا کر یہ فریق اہل ملک کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اس کو اختیار کریں اور جب وہ اس میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کو عمل میں لانے کی ذمہ داری اس کے سر ہو جاتی ہے۔ "مخالفت" کی حیثیت میں اس کا کام بھی اسی طرح صاف اور صریح ہوتا ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ برسر حکومت فریق کو اس وقت تک کوئی تدبیر اختیار کرنے نہ دے جب تک اس پر خاطر خواہ رد و قدح نہ ہو جائے۔

اور وہ اپنی حکمت عملی کو ہر طرح حق بجانب اور قرین مصلحت ثابت کرنے کے لئے مجبور ہوں ورنہ برسراقتدار فریق کو حکومت سے ہاتھ دھونا پڑے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا کام یہ ہے کہ کابینہ کو تن آسان اور بے پروانہ ہونے دے اور اس کو ہر نئی تحریک پر آگاہ کرے کہ بغیر سوچے سمجھے اختیار کرنا خطرناک ہے۔

ایک اور بات غور طلب یہ ہے کہ کابینہ اور پریوی کونسل کی تاریخ بالکل ایک سی ہے۔ اس زمانے میں پریوی کونسل مملکت کا صلاح کار آلہ نہیں رہا ہے۔ یہ سب کام کابینہ نے لے لیا ہے۔ لیکن جونہی قرون وسطی ختم ہوئے پریوی کونسل کی طرح کابینہ بھی جلد جلد تعداد بڑھانے کی طرف مائل ہو گئی۔ روایتہً بعض بڑے عہدے اس سے ضرور متعلق تھے۔ اور جوں جوں کام بڑھتا گیا اور مختلف سررشتوں کی اہمیت بڑھتی گئی دوسرے عہدہ داروں کو بھی لازماً اس میں شریک کرنا پڑا۔ پرانے ادارے کی طرح اس کا بھی قدرتی طور پر یہ حال ہوا کہ یہ اتنی بڑی جماعت ہو گئی کہ حقیقی بحث و مباحثہ کے لئے غیر موزوں ہو گئی اور بالآخر ایک چھوٹے حلقے میں جہاں لائق اور ناگزیر عہدہ دار ہوتے تھے مسلک حکومت کی قرارداد معین ہونے لگی۔ اور بڑی جماعت ان فیصلوں کو تسلیم کر لیتی تھی۔ اٹھارھویں صدی میں امر واقعہ کے طور پر اس پر نظر پڑنے لگی اور خیال آرائی ہونے لگی کہ ایک بیرونی کابینہ ہے اور ایک اندرونی یا (concilia onlum) یہ اندرونی کابینہ آگے چلکر حقیقی کابینہ بن گئی لیکن انیسویں صدی میں اس کا بھی آہستہ آہستہ اسی طرح حجم بڑھنے لگا۔ اور جنگ عظیم کے دباؤ میں پھر ایک اندرونی کابینہ کی تشکیل کرنی پڑی۔

پارلیمنٹ کی رشوت خوری۔ دارالعوام کو پہلے دو ہانووری حکمرانوں کے عہد میں وہ اقتدار حاصل ہو گیا کہ انگلستان کے امور کا آخری فیصلہ اسی کے ہاتھ میں آگیا۔ لیکن اٹھارھویں صدی کے کسی دور میں دارالعوام انگریز قوم کا اس طرح قائم مقام نہیں تھا جس طرح آج ہم لفظ قائم مقام کے معنی سمجھتے ہیں۔ ڈھگ فریق جو ملکہ این کے انتقال سے لیکر جارج کی تخت نشینی تک جو ۱۷۶۰ء میں ہوئی تھی۔ برسراقتدار تھا حال کے لبرل فریق کا گویا مورث تھا اور گلیڈسٹن اور لائڈ جارج والے لبرل فریق کا پیشرو تھا۔ لیکن یہ علانیہ ایک اعیانی فریق تھا۔ اس کے رہنما تمام

او نیچے خاندانوں کے لوگ تھے یا انھوں نے اپنے خاندانوں کا پایہ بلند کر دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جس وقت ولیم پٹ اور اس کے بعد ٹوری فریق کے رہنما رابرٹ پیل سیاسی زندگی میں داخل ہونے لگے تو وہ بڑے گھاٹے میں تھے کیونکہ یہ بڑے زمیندار خاندانوں میں پیدا نہیں ہوئے تھے۔ ایسے رہنماؤں کو پہلے اپنے موافق فضا پیدا کرنی تھی۔ لیکن جس طرح تاریخ انگلستان کے ہر زمانے میں دیکھا جاتا ہے اس زمانے میں بھی غیر معمولی قابلیتوں کے لئے یہ ممکن تھا وہ اعلیٰ رتبے تک اپنا راستہ پیدا کر سکتے سب سے اہم بات یہ تھی کہ دارالعوام اعیان ملک کے قابو میں تھا۔ پندرھویں صدی کے اوائل وسط سے پہلے قوانین انتخاب میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی خود اس زمانے تک جب کہ والپول کا نظم ونسق شروع ہوا ہے آبادی کے نقل مکان سے بیحد بدنظمیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ اٹھارھویں صدی میں پارلیمنٹی تاریخ کے بڑے افراد ایک تو "جیبی بلدیات" تھے جو مالکان اراضی اکابر کے زیر اثر تھے اور دوسرے ویران بلدیات تھے جہاں انتخاب کنندگان بہت محدود اور بے راہ ہوتے تھے اور جہاں علانیہ روپیہ سے کام چلتا تھا۔ اس کے علاوہ ابھی تک دارالعوام میں بیشمار عہدہ دار اور شاہی وظیفہ خوار تھے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۷۴۲ء میں ان وظیفہ خواروں کی تعداد دو سو تھی۔ اور یہ جیسا حکومت چاہتی تھی ویسا ہی کرتے تھے اس امر کا تخمینہ کیا گیا ہے کہ ۱۷۹۳ء میں ایوان کی اکثریت کو صرف چھ ہزار رائے دہندگان منتخب کرتے تھے اور ۶۵۸ میں سے ۴۸۷ ایسے ارکین تھے جو درحقیقت نامزد کئے جاتے تھے۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارھویں صدی پارلیمنٹی بدنظمی کا سب سے بڑا زمانہ ہے۔ ان سے حکومت کابینہ کی تشکیل میں بھی مدد ملی کیونکہ ان اسباب کی بنا پر ارکین ایوان کو ایک وزارت کی اطاعت سے منحرف کر کے دوسری وزارت کا حلقہ بگوش بنانا بہت ہی آسان تھا۔ انگلستان کی کابینہ اس بات پر منحصر ہے کہ ارکین جو ایک وقت ایک وزارت کی تائید کرتے ہیں وہ دوسرے وقت اس کے خلاف ہو سکتے ہیں اور ہو بھی جاتے ہیں۔ یہ بات صرف اوائل انیسویں صدی سے سمجھ میں آرہی ہے کہ تبدیلی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وزارت اپنی تدبیر مملکت کے لئے

ایوان کی تائید حاصل نہیں کرسکی یا پارلیمنٹ کے باہر رائے عامہ بدل گئی ۔ اٹھارھویں صدی کے لئے یہ سمجھنا مشکل تھا کہ تبدیلی کابینہ کے اسباب ایسے پاک صاف ہوسکتے ہیں۔ والپول پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ پہلا وزیر ہے جس نے باقاعدہ رشوت کو جاری کیا ۔ یہ الزام موجہ نہیں معلوم ہوتا ۔ ڈیوک نیوکاسل کے متعلق تو یقین ہے کہ یہ ایوان میں رایوں کی الٹ پھیر کر دیتا تھا اور اسے ایک فن بنا رکھا تھا ۔ اور اس طریقے سے اس صدی کے پہلے نصف حصے میں ایوان کے انتخابات اور رایوں کے غلط استعمال سے جو تجربہ حاصل ہوا تھا وہ جارج سوم کے لئے بہت مفید ثابت ہوا ۔ جارج نے انھیں تجربوں سے شاہی اقتدار کو بحال کرنے کی کوشش کی ۔

نظام کابینہ کے ارتقا کے سوا اس زمانے کی کوئی چیز ایسی اہم نہیں کہ وہ ضبط تحریر میں آئے ۔ ۱۷۱۶ء میں قانون سہ سالہ اس ڈر سے منسوخ کیا گیا کہ ٹوری یا حامیان جیمز عام انتخاب میں غلبہ حاصل کرلیں گے اور پارلیمنٹ کی میعاد سات سال مقرر کی گئی ۔ یہ قانون ہفت سالہ ۱۹۱۱ء کے قانون پارلیمنٹ کے پاس ہونے تک جاری رہا ۔ ۱۷۱۹ء میں اس قسم کی ایک کوشش یہ ہوئی تھی کہ دارالامرا بند کیا جائے اور وہ شاہی اختیار محدود کر دیا جائے جسے کام میں لاکر جدید امرا پیدا کئے جاتے ہیں تاکہ دارالامراء کی وھگ اکثریت قائم رہے ۔ لیکن یہ ترکیب بار آور نہیں ہوئی ۔ اس زمانے میں چانسلر آف اکسچکر (وزیر خزانہ) کا ایسا عروج ہوا کہ مملکت کا خاص وزیر فینانس بن گیا ۔ ملکہ این کے انتقال کے بعد خازن اعظم کی خدمت پر کسی کا تقرر نہیں ہوا ۔ بلکہ خزانہ ایک ماموریہ کے سپرد کیا گیا جس کا صدر اول امیر خزانہ ہوتا ہے ۔ لیکن درجہ بدرجہ اس عہدے کے متعلق یہ سمجھا جانے لگا کہ یہ وزیر اعظم کے قبضے میں ہونا چاہیئے اور اس کے فرائض انتظامی نہیں بلکہ سیاسی ہوگئے یا دوسرے الفاظ میں خزانے کے فرائض برائے نام ہوگئے ۔ انھیں مدارج سے چانسلر آف دی اکسچکر جو قرون وسطیٰ میں ایک ذیلی عہدہ دار سمجھا جاتا تھا خزانے کا اعلیٰ عہدہ دار سمجھا جانے لگا ۔ وزارت کی مالی مسلک کا بچاؤ اسی کے ذمے ہوگیا اور اس طریقے سے اس مسلک کی تشکیل اور تعمیل کی ایک عجیب و غریب ذمہ داری اس پر عائد ہوگئی اس بنا پر یہ خود بخود محسوس ہونے لگا کہ اس کو دارالعوام کا رکن ہونا چاہیئے گو اس

غرض کے لئے کوئی قانونی قاعدہ نہیں بنایا گیا۔

ردعمل۔ اگر ہم ادارۂ کابینہ کو اس زینۂ ترقی پر رکھ کر دیکھیں جو اس وقت تھا تو اس کی ترقی جو دو ہانووری عہد ہائے حکومت میں ہوئی تھی بہت تیز تھی یعنے بادشاہ کے اختیار تحریک کی جگہ بہت جلد حکومت کا نظام کابینہ قائم ہوگیا اور اس نظام کے اتفاقی نتائج عملی تجربے کی بدولت ایسے سمجھ میں آنے لگے تھے جن سے وزیر اعظم کی حیثیت اور کابینہ کی یکجہتی سمجھ میں آگئی۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے اس بات کو بھول جائیں کہ اس وقت نہ تو یہ ادارہ مجموعی طور پر سمجھ میں آیا تھا نہ اس کے متعلقہ خصوصیات تو ہمارا جی چاہتا ہے کہ اس صدی کے دوسرے عشرے میں اپنے آپ کو رکھ کر پیش بندی کریں کہ اس میں موجودہ نظام کا کامل ظہور ہونے والا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی ترقی ضرورت سے زیادہ تیز ہوئی تھی۔ صرف اسی قدر نہیں کہ یہ نظام سمجھ میں نہیں آیا بلکہ اس کے لوگ عادی بھی نہیں ہوئے تھے۔ یہ ابھی بے ضابطہ تھا اور کوئی شخص اس کو جزو دستور نہیں سمجھتا تھا۔ بولنگبروک اچھی طرح سے سمجھ گیا تھا کہ انقلاب کے بعد جو حکومت قائم ہوگی وہ مشیت عامہ کی قطعی بنیاد پر قائم ہوگی۔ برک نے جارج سوم کی کامیابی سے چونک کر استدلال کا ایک سلسلہ قائم کر دیا تھا کہ حکومت کیسی ہونی چاہیئے۔ اس استدلال میں اکثر جدید طریق کے اساسی اصول شامل تھے۔ لیکن یہ اصول جو اس نوخیز ادارے کے مختلف خد و خال میں ظاہر ہونے تھے اور لازمات بن چکے تھے۔ دوسروں کی سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ یہ بھی ایک امر واقعہ تھا کہ کبھی اس جدید نظام کو شاہی اختیارات کی مخالفت کا امتحان نہیں ہوا تھا جو پورے عزم اور دماغی قابلیت کے ساتھ عمل میں آئیں۔ اس کو سرعت کے ساتھ ترقی کرنے کا کچھ ایسے حالات میں موقع ملا تھا کہ ملوکیت کے اختیارات گویا معطل ہوگئے تھے۔ ان تمام حالات میں ردعمل ہونا کچھ خلاف قیاس نہیں تھا۔ اور یہی ردعمل ہے جو آئندہ پچیس برسوں کو ممتاز کرتا ہے۔

جارج سوم میں جو ۱۷۶۰ء میں تخت نشین ہوا کوئی مدبرانہ وصف نہیں تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کی قابلیت بالکل ادنیٰ درجہ کی تھی۔ اس میں قدرتی طور پر ضد اور ہٹ کا وہ پہلو پورے طور پر پایا جاتا تھا جو بالعموم محدود ذہنیت کا خاصہ ہے۔

لیکن ایک بات کی اس کو نہایت ہشیاری کے ساتھ تعلیم دی گئی تھی اور وہ تعلیم اس کی ماں کے الفاظ میں یہ تھی کہ "وہ بادشاہ ہو" یعنی شاہی اختیارات دوبارہ حاصل کرے۔ وہ محنتی اور جفاکش تھا اور دل سے چاہتا تھا کہ اپنے ملک کی منفعت اور طاقت کو بڑھائے اور اس بات کا بزور خواہشمند تھا کہ وہ تمام فرائض اچھی طرح انجام دے جو اس کے ذہن میں بادشاہ کے فرائض ہو سکتے تھے۔

علم سیاست میں جو کتابیں اس کے مطالعے میں آئی تھیں ان میں سے ایک "وطن پرست بادشاہ کا تصور" جو بولنگبروک کے ٹوری استدلال سے پُر تھا اور اس نے "قوانین انگلستان کی توضیحات" کا بھی مطالعہ کیا تھا لیکن یہ اب تک غیر مطبوعہ تھیں۔ اس میں بلیکسٹن نے یہ واضح کیا تھا کہ دستور میں بادشاہ کی کیا حیثیت ہے۔ بلیکسٹن کا بیان ایک قانون دان کا بیان تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نے قانون کو اس طرح دکھلایا تھا جس طرح وہ موجود تھا اور ان تاویلات کا کوئی لحاظ نہیں کیا تھا جو اب رسم و رواج میں داخل ہو گئی تھیں۔ اگرچہ جارج کی ذہنیت اس قابل نہیں تھی کہ وہ اس تشویشناک زمانے میں اس بڑی مملکت کی سیاسی رہنمائی کر سکے مگر وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتا تھا کہ حکومت میں بادشاہ کے فرائض کیا ہیں۔ اور وہ ان کو دوبارہ حاصل کرنے کے پیچھے پڑ گیا۔ اور اس عملی صورت حال میں جو اس کے سامنے آئی اس نے وہ تدبیریں اختیار کر لیں جن سے کامیابی کی توقع تھی۔

جارج سوم کا منصوبہ۔ شروع میں ہمیں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ جہاں تک ہمیں تاریخ سے معلوم ہوتا ہے بادشاہ کے منصوبوں کی کہاں تک رسائی تھی اور ان میں کون سے اُمور شامل نہیں تھے۔ اس نے پارلیمنٹ کی فوقیت اور اقتدار اعلیٰ پر کوئی حملہ نہیں کیا یعنی کم از کم جب تک اس کو اپنے منصوبے پھیلانے کا موقع ملا ہے اس نے اس قسم کے اقتدار شاہی کا خیال نہیں کیا تھا جو چارلس اول اور جیمز دوم چاہتے تھے یعنے ایک مطلق العنان اور خود رایانہ اقتدار شاہی حاصل ہو۔ جس پر سوائے اس ذمہ داری کے جو بادشاہ کی خدا کے سامنے ہے کوئی اور قید نہ ہو۔ اس نے ۱۶۸۸ء کے اصلی نتائج کو بدلنے کی کوئی کوشش نہیں کی بلکہ اس نے اس شاہی اقتدار کو دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کی جو ولیم سوم کو تدبیر مملکت پر حاصل تھا۔

جن نتائج کو وہ محو کرنا چاہتا تھا وہ انقلاب کے ثانوی نتائج تھے۔ ایک امور مملکت کی تحریک اور تعین کا اختیار جو اس کی دانست میں اس سے چھین لیا گیا تھا۔ دوسرے عہدہ داران حکومت کی ذمہ داری جو بادشاہ سے وزیر اعظم کی طرف رجوع ہو گئی تھی اور اس کے ساتھ دارالعوام کا انتظام۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو اس کے آخری نتائج کیا ہوتے، اس پر روشنی ڈالنا مورخ کا منصب نہیں ہے۔ تاہم یہ دیکھنا آسان نہیں ہے کہ کس قدر دستوری آزادی باقی رہ جاتی۔ بظاہر فوری نتیجہ یہ ہوتا کہ وزارتی ذمہ داری کا اصول باقی نہ رہتا اور بادشاہ ذمہ دار ہو جاتا یا کم از کم یہ ہوتا کہ بلاواسطہ ذمہ داری کا یہ طریقہ جو مواخذے کے ذریعے زمانہ وسطیٰ میں استعمال ہوتا تھا پھر جاری ہو جاتا۔

جارج سوم کے منصوبوں پر رائے قائم کرنے میں ہم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس زمانے میں کوئی شخص اس کو ایک غیر دستوری کوشش نہیں سمجھتا تھا۔ زمانۂ حال کے ایک بادشاہ کا یہ فعل غیر دستوری ہوگا۔ زمانۂ حال کے ایک عالم نے جارج کی اس کوشش کو غیر دستوری کہا ہے لیکن یہ رائے حالات حاضرہ کو، جو اس وقت موجود نہ تھے اس بعید زمانے پر منطبق کرنے کے مغالطے پر مبنی ہے۔ ۱۷۶۰ء اور ۱۷۸۲ء کے درمیان بادشاہ نے اپنے وزراء کے متعلق جو رویہ اختیار کیا تھا اس کے متعلق کوئی شخص بھی اس امر سے انکار نہیں کر سکتا تھا کہ بادشاہ کو ان امور کا قانونی اور دستوری حق حاصل نہیں ہے۔ یہ ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ جارج نے نظام کابینہ پر جو ضرب لگائی تھی وہ کاری ضرب تھی اور اگر یہ ضرب کامیاب ہو جاتی تو اس نظام کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جاتا۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس وقت یہ نظام کابینہ نہ قانونی طور پر تسلیم کیا گیا تھا نہ وہ اس قدر مضبوطی سے قائم تھا نہ اس کا عملدرآمد اس قدر پرانا ہوا تھا نہ عام حالات میں اس نے ایسی جگہ پیدا کر لی تھی کہ باضابطہ دستور میں اس کا قدم جم جاتا۔ اس میں شک نہیں کہ جارج سوم تاریخ انگلستان کی اس پوری رو کے خلاف ہاتھ پیر مار رہا تھا جو حالیہ طرز کی وزارتی ذمہ داری کو برابر آگے بڑھا رہی تھی۔ گو وہ اس میں قطعی طور پر کامیاب ہو جاتا تو قوم کو خود اختیاری حکومت کے بہترین آلات کے حاصل کرنے میں بہت دیر لگ جاتی۔ لیکن اس دستور کا لحاظ کرتے جو اس وقت تھا دستور شکنی کا اس پر کوئی الزام نہیں لگایا جا سکتا۔

جارج کی تخت نشینی کے وقت جو حالات تھے وہ اس کے منصوبوں کے موافق نہیں تھے۔ جنگ ہفت سالہ کے دوران میں جو ایک بڑی جنگ تھی، انگلستان کا فرانس کے ساتھ ایسا بڑا مقابلہ تھا جیسا اب تک نہیں ہوا تھا۔ یہی جنگ ہے جس نے برطانوی شہنشاہیت قائم کر دی اور سمندر پر برطانوی تسلط قائم کر دیا۔ اگرچہ سب حالات انگلستان کی تائید پر تھے تاہم ایسے قطعی بھی نہیں تھے کہ انگلستان کی فتوحات سے جو فائدے حاصل ہوئے تھے وہ اطمینان سے ہاتھ آ جاتے۔ انگلستان کا سب سے بڑا وزیر جنگ ولیم پٹ جس کی ذہنی قابلیت اور حوصلہ افزائی نے شکست کو فتح میں مبدل کر دیا تھا اس وقت انگلستان کی خارجی اور حربی حکمت عملی کا مالک تھا۔ اور اہل ملک میں اس کی ہر دلعزیزی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اس کے پنجے سے اقتدار چھڑانا کچھ آسان کام نہیں تھا۔ اس کی بادشاہ نے کوشش نہیں کی۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صلح ہونے تک بادشاہ نے اس کی خواہش بھی نہیں کی۔ تاہم اس نے دو باتیں فوراً قرار دے لی تھیں جو اس کے لئے ممکن تھیں، ایک یہ کہ وزراء کا تقرر اس طرح اپنے ہاتھ میں لیلے کہ اس کے متعلق وزیراعظم کا کوئی حق تسلیم نہ کیا جائے، اور دوسرے حکومت کی عنایات اور انعامات کی تقسیم وزارت کے ہاتھ سے چھین لی جائے۔

جس روز جارج دوم کا انتقال ہوا اس کے جانشین نے اپنے چہیتے مصاحب ارل بیوٹ کو کابینہ میں مشیر مملکت بنانا چاہا۔ بیوٹ میں بادشاہ سے زیادہ سیاسی قابلیت نہیں تھی۔ لیکن وہ اپنے آقا کے منصوبوں کا دل سے حامی تھا اور اس وقت ذہنی قابلیت کے مقابلے میں یہی چیز زیادہ قابل لحاظ تھی۔ بیوٹ نے ایک دم اتنی بڑی خدمت لینے سے انکار کر دیا لیکن وہ فوراً پریوی کونسل کا رکن بنا دیا گیا اور کابینہ میں اس کو نشست دی گئی حالانکہ اس کے متعلق پٹ سے مشورہ کیا گیا نہ نیو کاسل سے جو برائے نام وزارت کا صدر تھا۔ اس کے علاوہ جارج نے بغیر مشورے کے پہلی تقریر بھی خود تیار کر لی جو کونسل میں پہلی بار دی جانے والی تھی اور پٹ نے بڑی مشکل سے اس کے چند الفاظ بدلوائے جو بادشاہ نے جنگ کو خونریز اور صرفہ انگیز کہے تھے۔ یہ واقعات صحت کے ساتھ بادشاہ کی حکمت عملی پر دلالت

کرتے تھے۔ ان کے صرف یہ معنی تھے کہ اب بادشاہ خود اپنے وزارتی مشیروں کو مقرر کریگا اور حکمت عملی کے تعین میں زور سے حصہ لے گا۔ ان دونوں معاملات میں اس کو قانونی حقوق حاصل تھے اور دونوں میں وہ کامیاب ہوگیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے بیس سال میں کچھ اس کی کامیابی رکی رہی مگر وہ قانون یا رواج کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض نامساعد حالات کی وجہ سے تھی۔ اپنے باقی عہد میں تو وہ ایسا کامیاب رہا کہ اس کے پرداداسے لیکراب تک کوئی بادشاہ ایسا نہیں ہوا۔

دوسرے معاملے میں جو اوپر بیان کیا گیا یعنی حکمت عملی کے تعین میں جارج نے مجالس کابینہ میں اپنی شرکت پر زور نہیں دیا۔ اس نے اپنی رائے یا تو خاص دوستوں کے ذریعے معلوم کروائی جو ایک طریقے سے کابینہ میں اس کی نیابت کرتے تھے یا ایسے لوگوں کے ذریعے جن کو اپنی رائے سے متاثر کرسکتا تھا۔ بعض اوقات یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تھا کہ براہ راست کابینہ کے ان رہنماؤں کو جو اس کی خواہشوں کے مخالف ہوتے تھے بے وقت اور بدنما پیغام بھیجے جاتے تھے۔ اپنی خواہشوں کے معلوم کروانے میں وہ کبھی ناکام نہیں رہا۔ گو اپنے وزراء کے انتخاب میں اس کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ دارالعوام خود انتخاب وزراء پر زور دیتا تھا اور دوسروں سے معاملہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ دور اول کے اختتام تک اس کو اس قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اس کی تمام مشکلات اس وجہ سے تھیں کہ جو لوگ خدمت کے لئے نامزد کئے جاتے تھے وہ اس سے انکار کرتے تھے، اور یہ انکار اکثر صورتوں میں دستوری اسباب کی بنا پر نہیں ہوتا تھا بلکہ اس میں کچھ تو ذاتی رضا و رغبت اور بعض اوقات فریق بندی کی سیاسی مجبوریاں شامل ہوتی تھیں ۱۷۶۱ء سے جب کہ پٹ نے استعفا دے دیا ہے اس وقت سے ۱۷۶۶ء تک جب کہ پٹ آخر کو وزارت ترتیب دینے پر راضی ہوگیا اس کو چار مرتبہ قبول عہدہ کے لئے سمجھایا گیا جو بالکل بے سود رہا۔ اور کئی مرتبہ خود بادشاہ کو ایسے وزرا اور ایسے کابینہ کو بحال رکھنا پڑا جن کو وہ دل سے برخاست کرنا چاہتا تھا کیونکہ یہ دوسرے لوگ کام کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

ٹوریوں کا احیا - اس عہد کے پہلے دس سال میں کابینہ کا بہت جلد جلد

ردوبدل ہوتا رہا۔ یہ کابینہ متزلزل اور غیر متحد تھی اور اس کی وجہ زیادہ تر بادشاہ کی مداخلت تھی۔ کابینہ کی استقامت غائب ہوگئی تھی۔ نیوکاسل کی وزارت جو جارج کی تخت نشینی کے وقت برسراقتدار تھی اور لارڈ نارتھ کی وزارت جو ۱۷۷۰ء جنوری میں ترتیب دی گئی تھی ان دونوں کو شامل کر کے ایسی وزارتیں اس دور میں کوئی سات ہوئی ہیں۔ حصول اقتدار کی کوشش میں جارج کی ایک جنبش یہ تھی کہ وہ ہگوں کے طویل اقتدار کو توڑنے کے درپے ہوگیا جو ملکہ این کے انتقال کے بعد سے اب تک جاری تھا۔ اور یہ کام بہت آسانی سے ہوگیا کیونکہ اس کی ایک تو وجہ یہ تھی کہ ہگ فریق مختلف ٹولیوں میں بٹ گیا تھا اور یہ ٹولیاں بہت آسانی سے ایک دوسرے کے خلاف کھڑی کی جاسکتی تھیں۔ دوسرے مدت دراز کی متعدد تبدیلیوں کے بعد ٹوری فریق کے متعلق عوام میں اب کوئی بدظنی باقی نہیں رہی تھی۔ ٹوری دربار میں جوق جوق آنے لگے اور بادشاہ ان کو سرکاری خدمات پر فائز کرنے لگا۔ موجو دالوقت کابینہ میں پٹ اور نیوکاسل دونوں ہم آہنگ نہیں تھے اور اگرچہ بادشاہ نے صلح ہونے تک پٹ کو خدمت سے علیحدہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں کیا تھا تاہم وہ چاہتا تھا کہ جلد صلح ہو جائے تو دوسری کابینہ مرتب ہو۔ پانچ ہفتے نہیں ہوے تھے کہ بیوٹ وزیر ہوگیا۔ اور بات مہینوں میں پٹ مستعفی ہوگیا۔ کیونکہ اسپین سے لڑائی کے متعلق جو اس کی حکمت عملی تھی اس کو کابینہ نے نہیں مانا۔ تخت نشینی کے ڈیڑھ سال کے بعد بیوٹ وزیر اعظم ہوگیا۔ لارڈ نارتھ کے تقرر تک جو وزارتیں تھوڑے تھوڑے فصل سے بنتی رہیں۔ ان میں کوئی ایسی دلچسپ بات نہیں ہے جن پر غور کرنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ ہم تاریخ میں ان کو اس وجہ سے خاص طور پر یاد رکھا جاتا ہے کہ امریکائی انقلاب کے پیدا کرنے میں ان کو کافی دخل تھا۔

شاہی راج کا دور۔ گو جارج سوم ایسے وزراء کو لینے میں کامیاب ہوگیا تھا جو اس کی حکمت عملی کے سامنے سر جھکاتے تھے، بادشاہ ان کو مغلوب کر لیتا تھا اور اس میں کوئی دستوری مشکل نہیں ہوتی تھی تاہم پارلیمنٹ کی برتری سے تو وہ اپنا دامن نہیں چھڑا سکتا تھا۔ اور اگر بادشاہ خود تدبیر مملکت معین کرنے لگے

تو ظاہر ہے کہ پارلیمنٹ کو خود بادشاہ کی خواہشات کا اتباع کرنا پڑتا نہ کہ قوم کا اور ادھر بادشاہ بھی مجبور تھا کہ اپنی ہر قرارداد کے متعلق پارلیمنٹ کی تائید حاصل کرے۔ جب جارج تخت نشیں ہوا ہے تو اس وقت وہ طریقے موجود تھے جن سے پارلیمنٹ پر قابو حاصل کیا جا سکتا تھا اور یہ بہت کچھ وہ تھے جن کو نیوکاسل نے گزشتہ عہد میں باضابطہ طور پر مرتب کیا تھا۔ بادشاہ نے ان کو فوراً عمل میں لانا شروع کیا جن سے خود نیوکاسل کو نقصان پہنچا۔ اس میں شاہی عنایات، خدمات، لازمتیں، اجارے، مختلف انعامات، خطابات اور وظائف کی تقسیم شامل تھی جو بادشاہ عطا کرتا تھا۔ بعض اوقات اس میں انتخابات پر اثر ڈالنے کے لئے یا اس سے زیادہ خود اراکین پارلیمنٹ کو متاثر کرنے کے لئے خفیہ امدادی رقم کا براہ راست استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ اکثر ہوتا تھا کہ سزائیں دی جاتی تھیں اور انعامات دئے جاتے تھے اور لوگ خدمت سے معزول کر دئے جاتے تھے۔ اور بعض صورتوں میں وہ بڈھے اور گمنام آدمی بھی معزول کر دئے جاتے تھے جن کو مخالف فریق سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا بلکہ یہ صرف مخالف فریق کے متوسل اور عمیل ہوتے تھے۔ جس سرعت کے ساتھ بادشاہ نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا خود نیوکاسل کو حیرت تھی حالانکہ اس کابینہ میں جو جارج دوم کے انتقال کے وقت برسر حکومت تھی یہ معاملات نیوکاسل ہی کے سپرد تھے اور وہ اس معاملے میں خود دلچسپی لیتا تھا۔ گو وہ بذات خود راست باز آدمی تھا لیکن اس کو اعتراض کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ اس معاملہ میں بھی بادشاہ اپنے دائرۂ اختیارات سے باہر نہیں تھا۔ اس دور کو جو اس عہد کے ابتدائی بیس سال ہیں تاریخ انگلستان میں پارلیمنٹی اور حکومتی بدعنوانیوں کا منتہا سمجھنا چاہیئے جب بادشاہ کی عام کوششیں ٹوٹ گئیں تو یہ طریقہ بھی ٹوٹ گیا پھر اس کی حیثیت ایک نظام کی نہیں رہی۔ پارلیمنٹی انتخابات کی بدعنوانیاں جو خانگی لوگ اپنی ذاتی اغراض کے لئے عمل میں لاتے تھے عرصے تک قائم رہیں لیکن حکومت کی بدعنوانیوں کا وہ وسیع اور باقاعدہ استعمال باقی نہیں رہا جو پارلیمنٹی کثرت حاصل کرنے کے لئے کی جاتی تھی۔

لارڈ نارتھ کی بارہ سالہ وزارت میں جو ۱۷۷۰ء میں شروع ہوئی جارج سوم کا

طرز حکومت اپنے اوج کمال کو پہنچ گیا لیکن اس کے بعد سے ناکامی کا منہ بھی خود ہی دیکھنا پڑا۔ لارڈ نارتھ کی سیاسی قابلیت بادشاہ یا بیوٹ سے کچھ ہی زیادہ ہو گی لیکن یہ شاہی راج کا وہ دور ہے جس میں اعلیٰ قابلیت والوں کے لئے کوئی مواقع نہیں تھے اور اس وقت کسی قابلیت کی مانگ بھی نہ تھی۔ بادشاہ اس وقت اپنا آپ وزیر اعظم بن گیا اس کے سامنے کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا تھا اور وہ صرف اپنا ایک ذمہ دار کارندہ چاہتا تھا جو پارلیمنٹ میں اس کے معاملات کی نگہداشت کرے۔ نارتھ یہ کام کرنے کے لئے تیار تھا لیکن یہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ کسی عہدے کا خواہشمند تھا بلکہ وہ اس بات کا دل سے معتقد تھا کہ یہ بادشاہ کا دستوری حق ہے۔ یہ اچھا مقرر اور دار العوام کا رہنما تھا۔ لیکن جارج کو کثرت ایوان پر اس قدر قابو تھا کہ اس کو توڑنا آسان کام نہیں تھا۔ اس وقت (۱۹۲) ارکین حکومت کی مختلف خدمات پر فائز تھے۔ اس کے علاوہ اس دور کے بڑے حصے میں مخالف فریق اس قدر منتشر اور غیر متحد تھا کہ اس سے کوئی ڈر نہ تھا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس دور میں جارج نے وہ چیز حاصل کر لی تھی جس کی وہ کوشش کر رہا تھا۔ کابینہ، پارلیمنٹ اور تدبیر مملکت سب اس کے ہاتھ میں تھے۔ لارڈ نارتھ اس واقعے کو پورے طور پر تسلیم کرتا تھا اور وفاداری کے ساتھ اس پر کاربند تھا۔ شروع ہی سے وہ جان گیا تھا کہ امریکہ میں جو حکمت عملی اختیار کی جا رہی ہے اس کا ناکام ہونا ضروری ہے اور اس لئے اس نے بادشاہ کے پاس بار بار اپنا استعفا پیش کیا لیکن بادشاہ کی مرضی کے سامنے ہمیشہ سر جھکاتا رہا۔ ۱۷۷۹ء میں اس نے جارج کو لکھا کہ "مجھے دل سے یقین ہے اور یہی یقین میرا آج سے نہیں بلکہ پچھلے تین سال سے ہے کہ جنگ امریکہ حضور اور ملک دونوں کے لئے برباد کن ثابت ہو گی" لیکن اس کے باوجود ۱۷۸۲ء تک یہ خدمت پر فائز رہا۔

جنگ امریکہ کے سلسلۂ واقعات کو دیکھنا ہمارا کام نہیں ہے بلکہ ہمیں اس بات پر غور کرنا ہے کہ نوآبادیوں اور شہنشاہیت کے مسئلے سے قطع نظر اس وقت انگلستان کے لئے جو چیز خطرے میں تھی وہ یہ تھی کہ بادشاہ کی حکمرانی ان دستوری انتقال کے پردے میں جاری رہے جو ۱۶۸۸ء میں مستحکم ہو چکی تھیں۔ یا نظام کابینہ

کا احیا کیا جائے جو دارالعوام سے مامور اور دارالعوام اور رائے عامہ کے سامنے ذمہ دار ہو اور یہی وہ نظام تھا جو اس صدی کے پہلے نصف حصے میں ترقی کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ اس سوال کے پیدا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ بادشاہ اس نکتے کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا اور اسی وجہ سے وہ جنگ ختم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس وقت مخالف فریق بھی اس واقعہ کو سمجھا ہوا تھا چنانچہ ان کا امریکہ کے معاملے کی ہر روز تائید کرنا اس کی دلیل ہے۔ نوآبادیوں والے دراصل ان انگریزوں کی لڑائی لڑ رہے تھے جو انگلستان میں موجود تھے۔ بعد کے زمانے میں بھی یہ واقعہ علانیہ طور پر تسلیم کر لیا گیا اور اس تاویل کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

جس وقت برطانوی معاملات سخت مصیبتوں میں گھر گئے اور برطانیہ کے پرانے مستعمراتی رقیب فرانس، اسپین اور ہولنڈستان انگلستان کے خلاف میدان میں آ گئے تو فریق مخالف میں جان پڑی۔ اب اس نے بے تکلف دستوری نکتہ پیش کرنا شروع کر دیا اور رائے عامہ سے ان کی روز افزوں تائید ہونے لگی۔ ۱۷۸۰ء میں جب جان ڈننگ نے یہ تحریک پیش کی کہ "تاج کا اثر بڑھ گیا ہے اور بڑھ رہا ہے اور اس میں تخفیف ہونی چاہیئے" تو دارالعوام کی کثرت اس کی تائید پر تھی تاہم اس کے لئے اور دو سالہ کشمکش کی ضرورت تھی کہ وزارت کے خلاف ایسی متعدد قراردادیں جو زمانہ حال کی قرارداد کے لئے بے اعتمادی کے برابر ہوں منظور ہو جائیں۔ ورنہ بادشاہ جھکنے والا نہیں تھا۔ بادشاہ نے صرف اس وقت ہتھیار ڈال دئے جب کہ لارڈ نارتھ نے ۲۰ مارچ ۱۷۸۲ء کو بالکل یک بیک استعفا دیدیا۔

مارکوئس راکنگھم کے تحت جو وھگ تھا جارج ایسی وزارت قبول کرنے پر مجبور ہو گیا جس سے اس کو نفرت تھی۔ نیز چند دنوں کے بعد اسی سال شلبرن کی کابینہ اور ۱۷۸۳ء میں فاکس و نارتھ کی مرکب وزارت منظور کرنی پڑی۔ اس وقت ان وزارتوں کی منظوری کی وجہ یہ نہ تھی کہ اس کے عہد کے اوائل کی طرح ذاتی اور فریقانہ حالات کی وجہ سے دوسری صورت ناممکن تھی بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ رائے عامہ اور دارالعوام قابو میں تھا۔ حکومت کابینہ کی طرف پھر رجعت معکوس

ہو چکی تھی۔ مگر بادشاہ بغیر مزید کشمکش کے اپنے نصب العین چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھا اور سچ تو یہ ہے کہ اس وقت پٹ اصغر کی سیاسی موقع شناسی اور مہارت تھی کہ وزارتی ذمہ داری پھر دوبارہ قائم ہو گئی۔

پٹ اصغر کا عروج۔ اوائل سے پٹ میں وہ غیر معمولی اوصاف ظاہر ہونے لگے جن سے تاریخ انگلستان میں اس کا خاص درجہ ہو گیا اور باپ نے اس کی سیاسی تربیت کی تھی۔ دارالعوام میں داخل ہوتے ہی تمام نظریں اس پر پڑنے لگیں کہ یہ شخص تمام توقعات پورے کرے گا۔ اور خود بادشاہ بھی جلد اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ یہی بادشاہ کو اس کی الجھنوں سے نجات دلا سکے گا۔ شلبرن کی کابینہ میں اس کو وزیر خزانہ کی بہت پیچیدہ اور ذمہ دار خدمت دی گئی لیکن فاکس اور نارتھ کی مرکب وزارت میں وہ شریک نہیں ہوا۔ بہت دن نہیں گزرے کہ بادشاہ نے اس وزارت سے پیچھا چھڑانے کی فکر میں اس کو اپنی وزارت بنانے پر زور دینا شروع کیا۔ مگر چونکہ پٹ میں رائے عامہ کا غیر معمولی وجدان تھا جس کا اس کو خاص امتیاز ہے۔ اس نے اس وقت تک وزارت قبول نہیں کی جب تک اس کا وقت نہیں آیا اور اس کے خیال کے مطابق جب تک ایک مستقل اکثریت اس کی تائید پر نہیں آگئی۔ وہ دوسرا لارڈ نارتھ ہونا نہیں چاہتا تھا جو خواہ قوم کا جذبہ کچھ ہی کیوں نہ ہو بادشاہ کے بھرسے پر چلے۔

دسمبر ۱۷۸۳ء میں اس کو حالات موافق نظر آئے۔ فاکس کا مسودہ جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی تنظیم کے لئے تھا دارالعوام میں بڑی کثرت سے پاس ہو گیا حالانکہ اس مسودے کے متعلق بادشاہ کی ناراضی سب کو اچھی طرح سے معلوم تھی۔ اس کو دارالامرا میں توڑنے کے لئے جارج نے ایک غیر معمولی تدبیر سے کام لیا جو اس زمانے میں بھی غیر دستوری چیز تھی۔ اس نے ارل ٹمپل کو ایک کارڈ دیا۔ جس پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے "حضور نے ارل ٹمپل کو یہ کہنے کی اجازت دی ہے کہ جو شخص مسودۂ ہندوستان کے موافق رائے دے گا وہ صرف بادشاہ ہی کا مخالف ہی نہیں ہوگا بلکہ بادشاہ اس کو اپنا دشمن سمجھے گا اور اگر یہ الفاظ کافی زوردار نہ ہوں تو ارل ٹمپل جس طرح چاہے اس مقصد کے لئے ان سے زیادہ زوردار

الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔" اگرچہ قدیم حکمرانوں نے اور خود ولیم سوم نے یہ سب کچھ کیا تھا اور اس سے زیادہ غیر آئینی طریقے سے کہا تھا۔ لیکن دارالعوام نے فوراً دگنی رایوں سے یہ قرار داد بنائی کہ "اس وقت اس امر کا اعلان کرنا ضروری ہے کہ پارلیمنٹ کے کسی ایوان سے متعلق کسی مسودہ یا کارروائی کی بابت حضور کی اصل یا خود ساختہ رائے اس غرض سے پیش کرنا کہ اس سے اراکین کی رائے کو متاثر کرے سنگین جرم اور بد اخلاقی ہے۔ تاج کی عزت و ناموس کے لئے دھبا ہے پارلیمنٹ کے اساسی اختیارات کی قطع و برید ہے اور دستور کو پلٹ دینے والا ہے۔"
ایک یا دو روز کے بعد ہندوستان کی اصلاح کی ضرورت کی غرض سے یہ قرار داد کی گئی کہ "یہ ایوان اس شخص کو اپنا دشمن سمجھے گا کہ جو حضور کو غلط مشورہ دے کر اس اہم فرض کی ادائی سے روکے یا کسی اور طریقے سے رکاوٹ پیدا کرے۔" دارالعوام کے اس انداز کے باوجود بادشاہ کامیاب ہو گیا امراء نے یہ مسودہ رد کر دیا اور دوسرے روز بادشاہ نے فاکس و نارتھ کی وزارت برخاست کر دی۔

پٹ کی وزارت۔ اس وقت پٹ نے ترتیب وزارت کے فرض کو قبول کر لیا۔ اور اس طریقے سے اس نے زمانہ حال کے خیال کے مطابق اپنے کو ان تمام افعال کا ذمہ دار بنا دیا جو بادشاہ سے صادر ہو چکے تھے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حکومت کابینہ کے متعلق ہمارا جو واضح تصور ہے اس کی بنیاد اس زمانے کے انھیں نازک واقعات پر رکھی ہوئی ہے پٹ تو منتخب ہو گیا مگر ایسی دوسری فتح اس نے ناممکن کر دی کیونکہ اس ڈرامائی کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کو اچھی طرح سے اندازہ ہو گیا کہ وزیر اعظم کا بادشاہ اور دارالعوام سے واجبی تعلق کیا ہے۔
اس وقت پٹ کی چھبیسویں سالگرہ کے لیئے چند مہینے باقی تھے اور ترتیب کابینہ کے لیئے جو اس نے کوشش شروع کی تو پہلے پہل اس کا مضحکہ اڑایا گیا کہ "یہ ایسی سلطنت ہے جو ایک طفل مکتب کے ہاتھ میں چھوڑی گئی ہے۔" یہ ایک طفلانہ کھیل کے مماثل ہے۔ وہ کابینہ بچوں کی ایک ٹولی ہے جو وزراء کا کھیل کھیلتے ہیں، انھیں تو مکتب بھیجدینا چاہیئے۔
لیکن یہ وزارت سترہ سال قائم رہی۔ پٹ نے حالات کا صحیح اندازہ

قائم کرلیا۔ دارالعوام میں یہ تنہا وزیر کا بینہ تھا۔ اچھے بجٹنے والوں میں صرف ایک شخص اس کی تائید کرتا تھا۔ اس کے خلاف بڑی بڑی اور متواتر اکثریتیں تھیں۔ لیکن دارالعوام شروع ہی سے بیرونی رائے کی خاطر خواہ نمائندگی نہیں کرتا تھا۔ اس بات کو دیکھ کر کہ خیالات کا بہاؤ کس طرف ہے پٹ۔ اپنی جگہ برابر قدم جمائے رہا اور مخالف رایوں کو گرنے دیا یہاں تک کہ ۸ مارچ کو صرف ایک کی اکثریت اس کے خلاف رہ گئی تھی۔ پھر اس نے پارلیمنٹ برخاست کردی اور اس کے بعد جو عام انتخاب ہوا تو اس میں اس کو بڑی اکثریت مل گئی۔ اس کے باوجود کہ پارلیمنٹ کی بنا ویران بلدیات پر تھی ساتھ ہی انتخابات میں رشوت ستانی کا بازار گرم تھا اور نشستوں کی تقسیم میں کوئی تناسب نہ تھا، قوم نے جدید وزارت کی تائید میں بڑے غلبے کے ساتھ اپنی مشیت ظاہر کردی۔

BIBLIOGRAPHICAL NOTE.—N. A. Brisco, *The Economic Policy of Robert Walpole*, 1907. J. Morley, *Walpole*, 1889. E. Porritt, *The Unreformed House of Commons*, 2 vols , 1903. T. W. Riker, *Henry Fox First Lord Holland*, 1911. Sir G. O. Trevelyan, *The Early History of Charles James Fox*, 1880. E. R. Turner *The Cabinet in the Eighteenth Century*, *E. H. R.* xxxii, 192, 1917. D. A. Winstanley, *Personal and Party Government*, 1910; *Lord Chatham and the Whig Opposition*, 1912.

عمومیت کا ارتقا

پٹ نے بہ حیثیت ٹوری کے خدمت کا جائزہ لیا تھا۔ لیکن وہ بولنگبروک کی طرح تو کبھی خود ۱۷۶۰ء کے ٹوریوں کے قماش کا ٹوری نہیں تھا۔ مملکت کی رہنمائی کا اس فریق کو ایک بہت ہی طویل موقع ہاتھ آگیا اور یہ تقریباً اتنا ہی طویل تھا جتنا وِھگ فریق کو اٹھارھویں صدی میں ملا تھا۔ لیکن اس واقعے کو چھوڑ کر کہ انھوں نے نپولین کی عظیم الشان محاربات کے مقابلے میں ملک کو صحیح سالم نکال لیا تھا ان کے کارناموں کی فہرست فریق مخالف کے اُن کارناموں کی برابری نہیں کر سکتی تھی جو پچھلے دور میں ہو چکے تھے۔ ۱۷۸۳ء کے بعد جو پشت آئی وہ دستوری ارتقا کے موافق نہیں تھی۔ ایک تہائی صدی ایسی گذرتی ہے جس میں کوئی مطالعے کے قابل ایسی متواتر پیش قدمی نہیں ہوئی جیسے کابینہ کی تشکیل تھی بلکہ پراگندہ ترقیاں اور کسی بہتر طرزِ حکومت کی تیاریاں تھیں۔

گو پٹ ایک ٹوری تھا لیکن وہ گذشتہ زمانے کا ٹوری نہیں بلکہ اسے آئندہ زمانے کا ٹوری سمجھنا چاہیے۔ جس طرح سنہ ۱۷۶۰ء کے ٹوریوں نے ۱۶۸۸ء کے انقلاب کے نتائج کو بلا کم و کاست مان لیا تھا اسی طرح پٹ اور اس کے فریق نے جنکو پٹ نے

دوبارہ زندہ کیا تھا دھکوں کی بنائی ہوئی کابینہ اور بادشاہ کی دستوری حیثیت کو
جو کابینہ کے بدولت ہوئی تھی اس طرح تسلیم کر لیا تھا کہ گویا وہ ہمیشہ کی چیز ہے۔
بہت سے اہم واقعات ہمیں ایسے ملیں گے کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جارج سوم اس
بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ حکومت میں اس کے اختیارات محض برائے نام
ہو کر رہ گئے ہیں۔ بلکہ اس کو کبھی کبھی ایسے مواقع بھی ملے جن میں اس نے اپنے اختیارات
سے کام بھی لیا۔ لیکن یہ سب اس وقت کی پراگندہ مثالیں ہیں جب کہ خاص حالات
نے بادشاہ کو سخت متعصب بنا دیا تھا اور وزرا نے بھی مناسب نہ سمجھا کہ وہ
اپنے حقوق پر اصرار کریں۔ حکومت کے روزمرہ انصرام کار میں وزیر اعظم اور اسکی
کابینہ ہمیشہ کے لئے اصل عامل ہو گئے۔ اب یہ بالکل اس درجے پر آ گئے تھے جو
قرون وسطیٰ کے سلاطین کو تدبیر مملکت کی تشکیل اور انصرام کی بابت حاصل تھا۔
صرف فرق یہ تھا کہ وزرا اپنے کام میں پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار تھے۔
دوسرے الفاظ میں ہم ۱۶۸۸ء والی مفاہمت کی تکمیل اس وقت سے قرار دے سکتے ہیں
جب کہ ۱۷۸۳ء کے آخر میں پٹ کی وزارت ترتیب دی گئی۔ یعنی بادشاہ برائے نام
تمام اختیارات کا حامل رہا کابینہ شاہی اختیارات پورے پورے استعمال کرنے لگی
اور پارلیمنٹ کو ہر مسئلے میں مختتم فیصلے کا اختیار حاصل ہو گیا کیونکہ یہ قوم کی آواز ہے
جس پر اقتدار اعلیٰ ختم ہو جاتا ہے۔ بالآخر کابینہ اس طرح وجود میں آ گئی کہ وہ ایک
ایسا آلہ کار ہے جس کے ذریعے سے پارلیمنٹ عوام کے اقتدار اعلیٰ کو عملی حکومت میں
ظاہر کرتی ہے۔

اصول کابینہ کا سمجھ میں نہ آنا۔ لیکن یہ نہیں فرض کرنا چاہئے کہ اس وقت
کابینہ کے متعلق جس میں وزارتی ذمہ داری کا اصول بھی شامل ہے پورے طور پر تفہیم ہو گئی
مخالف دارالعوام کے مقابلے میں پٹ نے اپنے کو بچانے کی جو کشمکش کی تو اس سے
عام ادراک کے پیدا ہونے میں بہت مدد ملی لیکن یہ ادراک ابھی بہت ناقص تھا اور
آئندہ پچیس سال میں جا کر آہستہ آہستہ پختہ ہوا۔ واقعات سے جو ۱۷۸۴ء اور
اختتام صدی کے درمیان وقوع پذیر ہوئے ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ادراک ابھی
کس قدر ناقص تھا۔ پٹ کی کامیابی کے تین سال کے بعد ریاستہائے متحدہ کا دستور

بنایا گیا تھا۔ اور اس کے بنانے والے امریکہ کے بہترین دماغ والے اور عظیم ترین علمائے سیاسیات تھے، جنھوں نے نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ ترکیب حکومت کے مسئلے پر غور کیا تاکہ یہ حکومت اچھے طریقے سے کام کرے۔ اس زمانے کی خصوصیات کا لحاظ کرتے ان کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ حقیقی اقتدار کس عاملہ حاصل کیا جائے اور اختیار مختتم ایسی مقننہ کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے جو عوام کی نیابت کرے۔ یہ بالکل وہی مسئلہ ہے جس کو وزرا کی ذمہ داری حل کر دیتی ہے۔ اور یہ امر قابل لحاظ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے دستور میں صرف عاملہ اور مقننہ کے محکموں کو ہی جو اس وقت انگلستان میں جڑے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا بلکہ انھوں نے کابینہ پر کوئی توجہ نہیں کی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں وزارتی ذمہ داری کا کوئی تصور نہیں تھا۔

جب ہم صدر جمہوریہ امریکہ کے اختیارات پر غور کرتے ہیں جو دستور میں اس کو دیے گئے ہیں۔ اور اس واقعے کو دیکھتے ہیں کہ دستور میں کابینہ کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا اور تمام عاملانہ محکمہ جات کے بڑے عہدہ دار کہکر ایک سرسری فقرے سے اس طرف صرف ایک اشارہ کیا گیا ہے، تو صدر جمہوریہ اور اس کے تعلقات کابینہ کے متعلق ان کا تصور وہی معلوم ہوتا ہے جس سے جارج سوم نے لارڈ نارتھ کی وزارت میں ان کو روشناس کرایا تھا۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان لوگوں نے جان بوجھ کر ایسی تجویز کی تھی بلکہ اغلباً یہ تصور خود بخود ان کے ذہن میں آیا ہوگا۔ اگر وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ انگریزی نمونہ کی پیروی کر رہے ہیں تو یہ خلاف قیاس نہیں ہے اور جب انھوں نے ماخذہ کی کارروائی اختیار کی تو پھر اس پیروی کے متعلق کوئی شبہہ نہیں رہتا اور یہ یقینی ہے کہ اگر اس وقت انگلستان میں وزارتی ذمہ داری کا واضح تصور اس طرح موجود ہوتا جیسے پچاس برس کے بعد پیدا ہوا تو ان کی اجتماع ملی میں اس پر ضرور بحث ہوتی۔ دوسرے واقعہ سے انگریزوں کا اور اک اور زیادہ نمایاں ہوتا ہے ۱۷۹۱ء میں پارلیمنٹ نے پٹ کی وزارت میں کناڈا کے لئے ایک جدید حکومت مرتب کی۔ اس مسودے پر جو بحث ہوئی اس سے

صاف معلوم ہوتا ہے کہ کناڈا کو اس قسم کی حکومت دینا مطلوب تھا جو انگلستان میں تھی اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہی مخلصانہ ارادہ تھا۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ کناڈا کو نہ تو کوئی ذمہ دار حکومت دی گئی نہ اس کی تجویز ہوئی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نوآبادی میں بغاوت کی بنیاد پڑگئی جو بعد کو پھوٹ پڑی اور اس سے انگلستان کی ستعمراتی حکومت میں ایک عہد جدید کا افتتاح ہوگیا۔ نہ بلیکسٹن اپنی "تصریحات" میں انتظام کابینہ کا ذکر کرتا ہے نہ ڈی لوم اپنی کتاب میں جو اس نے اہل فرانس کے لئے حکومت انگلستان کے متعلق لکھی تھی، حالانکہ یہ دونوں کتابیں اسی صدی کے وسط میں شائع ہوئی تھیں۔

ہم صرف انیسویں صدی کے اوائل کو ایسی تاریخ قرار دے سکتے ہیں جبکہ کابینہ کا پورا ادراک ہونے لگا اور وہ طریقۂ کار قائم ہوا جس کے ذریعے وزارتی ذمہ داری عمل میں آنے لگی۔ اگرچہ اس وقت بھی یہ ادراک عملی کام کی حد تک تھا نظریاتی وضاحت بہت کم تھی۔ البتہ اس صدی کے وسط میں اس نظام کی کچھ وضاحت قید قلم میں آنے لگی۔ اور یہ ہمارے لئے بہت کچھ اطمینان بخش ہے اور اسی زمانے میں بہ حیثیت مجموعی جدید دستوری شکل پر کچھ مقالے بھی لکھے گئے۔

پارلیمنٹ کی عدم نیابت۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ جس طرح ہم اس کے معنی سمجھتے ہیں پارلیمنٹ قوم کی نیابتی مجلس نہیں تھی۔ اور نظام کابینہ کی تکمیل سے اس میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ ایک حقیقی نیابتی مجلس اس وقت تک ممکن نہیں تھی جب تک کہ جیبی اور ویران بلدیات موجود تھے اور ان کے توسط سے اعیانی اثرات دارالعوام کی ایک بڑی تعداد پر کینیت پر مسلط تھے اور بہت سے سرکاری ملازمین ایوان میں نشست رکھتے تھے اسی قسم کی دوسری برائیاں موجود تھیں۔ یہ ایک غور طلب بات ہے کہ جس دور سے ہم نظام کابینہ کی پوری تشکیل قرار دیتے ہیں اسی دور میں یہ دونوں مسائل بھی معرض بحث میں آجاتے ہیں۔ بادشاہ کی شخصی حکومت کو ختم کرنے میں پٹ نے جو کامیابی حاصل کی وہ ایک حد تک انھی نتائج کی بدولت تھی گو یہ نتائج کتنے ہی محدود کیوں نہ ہوں ۱۷۸۲ء میں ان تمام عہدہ داران مال کو پارلیمنٹ رائے دہی سے خارج کیا گیا

جن کی تعداد اور رائے دہندوں میں ۱/۲ یا اس سے بھی زیادہ تھی چنانچہ ان سے بہ آسانی حکومت کی خواہش کے مطابق رائے لے لیجاتی تھی۔ ان عہدوں کی ایک معتدبہ تعداد توڑ دی گئی جن پر بالعموم اراکین پارلیمنٹ مامور ہوتے تھے۔ اجارہ دار پارلیمنٹ کی نشست سے منع کئے گئے اور خفیہ وظائف کا خاتمہ کیا گیا۔ اس سلسلے میں کچھ اور کام بھی باقی رہ گیا تھا۔ اور گو یہ کام دوسری حد تک ختم نہیں ہوا اگر حقیقی منفعت تو ابھی حاصل ہو گئی۔ نتائج کے اعتبار سے ایک اور چیز اہم ہے جو قطعی تغیر کا باعث ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ پٹ کے وزیر اعظم ہونے سے کچھ دنوں پہلے سے زندگی عامہ میں ایک اعلےٰ معیار پیدا ہونے لگا تھا اور اس کا واقعی سبب یہ تھا کہ خانگی زندگی کا معیار اونچا ہو گیا تھا جو اس کے زمانے کی خصوصیت تھی۔ چنانچہ قوانین اور امتناعات سے زیادہ اس تدریجی اصلاح نے اٹھارھویں صدی کی رشوت ستانی کو ناممکن کر دیا تھا۔ در پردہ رشوتیں اور خفیہ اثرات آہستہ آہستہ مٹنے لگے اور ۱۷۸۲ء کے بعد سے نیوکاسل اور جارج سوم کے حالات نے کبھی عود نہیں کیا۔

پارلیمنٹی نیابت کی اصلاح یعنی مساوی نشستوں کی تقسیم اور نامزدہ اراکین کی تخفیف کے لیے اسی زمانے میں تحریک پیدا ہو گئی تھی۔ پٹ اکبر نے سب سے پہلے اس ضرورت پر زور دیا اور ۱۷۷۰ء میں اس کو پارلیمنٹی بحث کا موضوع بنا دیا تھا۔ ۱۷۷۶ء میں وسیع تبدیلیوں کو پیدا کرنے کے لئے ایک مسودہ پیش کیا گیا لیکن یہ بلا اختلاف مسترد ہو گیا۔ ۱۷۸۰ء میں ڈیوک آف رچمنڈ نے ایک اور مسودہ اصلاح پیش کیا اور اس کا بھی وہی حشر ہوا۔ اپنی پارلیمنٹی زندگی کے اوائل ہی میں پٹ اصغر کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ وہ اس تحریک کو اپنا بنانا چاہتا ہے۔ اس کو اس نے ۱۷۸۲ء میں بڑی پرزور تقریر کے ساتھ پیش کیا اور یہ تحریک کی کہ ایک تحقیقاتی کمیٹی بٹھائی جائے اور صرف بیس رایوں سے اس کو شکست ہوئی۔ دوسرے سال پھر اس نے فریق مخالف کے رکن کی حیثیت میں چند ایسی تحریکیں تجویز کیں جو خاص امور پر مشتمل تھیں ان کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اس اثنا میں ملک سے اصلاح کی تائید میں متعدد عرضداشتیں آنے لگیں اور جب پٹ بڑی اکثریت کے ساتھ وزیر اعظم ہوا

تو یہ ۱۷۸۵ء میں اپنے منصوبے پر عود کر آیا جس میں وسیع تبدیلیوں کی تجویز تھی مگر اس مرتبہ بھی چوہتر رایوں کی کثرت سے شکست کھا گیا۔ دارالعوام اس وقت تک اپنی اصلاح پر آمادہ نہیں تھا۔ اس سے قبل کہ اس موضوع کو دوبارہ شد و مد سے اٹھایا جاتا انقلاب فرانس پھوٹ پڑا اور اس سے انگلستان کے حکمراں طبقوں میں تبدیلیوں کے خلاف فوراً ایک ردعمل پیدا ہو گیا جو خلاف توقع نہ تھا۔ اس کے باوجود اس منصوبے کی عوام ابھی تک تائید کرتے تھے اور ۱۷۹۰ء میں یہ پارلیمنٹ میں لایا گیا جو پھر ناکام ہوا اور پھر مسٹر گرے کی جو بعد کو ارل گرے ہو گئے تھے نسبتاً اچھی تائید کے ساتھ ۱۷۹۲ء ۱۷۹۳ء اور ۱۷۹۷ء میں پیش کیا گیا۔ منجملہ ان کے پہلے موقع پر پٹ نے یہ اعلان کیا تھا کہ اس موضوع کے متعلق میری رائے نہیں بدلی ہے لیکن میں وقت کو مناسب حال نہیں سمجھتا۔ "یہ وقت خطرناک تجربات کرنے کا نہیں ہے" اور اس طرح اصلاح پارلیمنٹ کا مسئلہ ملتوی رہا اور اس کو انقلاب فرانس کے تختۂ وصولیابی میں شامل کرنا چاہئے۔

لیکن اصلاح پارلیمنٹ کا انکار بھی انقلاب فرانس کا بدترین ردعمل نہ بنا تھا۔ جب یہ انقلاب شروع ہوا ہے تو آزادی اور اچھی حکومت کی امید افزا تحریک سمجھ کر اس کا ہر طرف خیر مقدم کیا گیا۔ جب اس کے وہ میلانات جو در حقیقت تخریبی تو نہ تھے لیکن تخریبی معلوم ہوتے تھے ظاہر ہوئے تو سخت مخالفت اٹھ کھڑی ہوئی اور برک کی کتاب ہے جس نام کا "انقلاب فرانس پر چند خیالات" ہے اور جو غیر معمولی طور پر مقبول عام ثابت ہوئی تھی ۱۷۹۰ء میں شائع ہوئی اور فوری اس کی بیس طباعتیں ہو گئیں بڑی تائید ہوئی۔ جو لوگ بالطبع قدامت پسند تھے اور جن لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ان کے ہاں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں تبدیلی کر کے نقصان پہنچایا جائے ایسے لوگ گھبرا گئے۔ اور جو جرائد اس وقت قومی خیالات کو بالکل ظاہر کرتے تھے وہ انہیں لوگوں کے ہاتھ میں تھے۔ جس وقت انقلاب کامیاب ہو گیا اور یہ اپنے اصول کو دوسرے ممالک میں زبردستی پہنچانے کے لئے کھڑا ہو گیا اور خاص کر جب فرانس نے ۱۷۹۳ء کے اوائل میں انگلستان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تو یہ دہشت اور بڑھ گئی۔ اس کا اعتراف کرنا چاہئے کہ یہ دہشت بالکل بے بنیاد

نہ تھی اور یہ اس وجہ سے تھی کہ جو کوششیں اشتہار بازی اور عام ہیجان کے ذریعے آزاد خیالی کے حامی کرتے تھے وہ مناسب نہ تھیں اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کم از کم کچھ طامس پین کی کتاب "حقوق انسانی" کی وجہ سے جو اسی طرح مقبول عام تھی جیسی برک کی کتاب "انقلاب فرانس پر چند خیالات" بعض طبقات نہایت درجہ متوحش تھے۔

اس کے نتیجے کے طور پر سخت قانونی تشدد ہوا اور اس کے بعد عوام کی محبوط الحواسی کا شدید دورہ پڑا ان دونوں چیزوں کو اب کبھی ہم حالات و واقعات کا فطری نتیجہ تصور کرتے ہیں اور ان سے بعد کے زمانے میں بھی لوگ غیر مانوس نہیں تھے۔ قانون اجانب سے باہر والوں پر بندشیں لگائی گئیں دو قانون احضار ملزم معطل کر دیا گیا۔ ایک قانون غداری ایسا پاس کیا گیا جس سے قرار داد جرم سہل ہو جائے۔ باغیانہ جلسوں کے خلاف ایسے قوانین بنائے گئے جن سے مقامی مجسٹریٹ غداری کا تعین کرنے کے مجاز گردانے گئے۔ انجمنوں اور مجلسوں کے متعلق قوانین بنائے گئے اور بعض تو تشدد کے ساتھ مسدود کر دیے گئے۔ مطبع پر مختلف قیود قائم کئے گئے۔ اہل قلم اور ناشروں کو سخت سزائیں دی گئیں۔ باغیانہ تحریروں کے خلاف شاہی اعلانات جاری کئے گئے۔ جن بدنظمیوں کی دھمکی دی جاتی تھی اور پارلیمنٹ کو اسنے والے انقلاب سے آگاہ کیا جاتا تا اُن کو دبانے کے لئے فوج بلائی گئی۔ یہ لغویات تو خیر قانونی شکل میں تھیں لیکن ان سے بدتر وہ مقدمات تھے جن میں عدالتیں عام دہشت سے متاثر ہو کر ملزموں کی سماعت میں ان قانونی تحفظات کی کوئی پروا نہیں کرتی تھیں جو غلط الزام کی بنا پر قانوناً انھیں حاصل ہوتی تھیں غلطی سے برائے نام شہادت پر بھی جرم کی قرار داد ہو جاتی تھی اور ایسے فوری فیصلے ہوتے تھے جن کو مقدار جرم سے کوئی تناسب نہ ہوتا تھا۔ اسکاچستان کے چند ایسے مقدمات کا حال سن کر فاکس کا یہ کہنا بالکل صداقت پر مبنی تھا کہ "جن لوگوں کے ایسے عادل ہوں ان کا خدا حافظ ہے" تاریخ کا وہ سبق جو ایک زمانے پہلے ان الفاظ میں مدون کیا گیا تھا کہ "انقلاب کی بہترین روک تھام تشدد نہیں بلکہ اصلاح ہے" وقت پر یاد نہیں آتا اگرچہ امن قائم ہونے کے بعد تمام فریق عام طور پر اس طرز عمل پر سخت ملامت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس قدر خوف و ہراس میں پڑنا عقل سے بہت بعید ہے لیکن جب

دوسری جنگ کا وقت آتا ہے تو عوام کو پھر وہی جنون ہو جاتا ہے اور پھر اسی طرح آزادی کے حقیقی تحفظات فراموش کر دیے جاتے ہیں۔ قانون کے سرکاری امین جس ضرورت سے مجبور تھے یہ ضرورت اس وقت تقریباً عالمگیر تھی اور آپس سے معاملہ اور خراب ہو رہا تھا کیونکہ اس کو ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ عمومیت کا حقیقی بچاؤ صرف اس بات میں ہے کہ قوم نہایت ایمانداری کے ساتھ ان قیود کی پابند رہے جو خود ان کے عائد کئے ہوتے ہیں۔

فریق بندی کا تعطل۔ دوسری طرف یہ زمانۂ جنگ و جدل ایسے نتائج کو ظاہر کرتا ہے جن کی بعد کو اینگلو سیکسن تاریخ میں کئی مثالیں ہو چکی ہیں، جیسے فریق بندی کا تعطل، حکومت کے مرکزیت آفریں اختیارات اور اس بات کی آمادگی کہ عاملہ کے ہاتھ میں تقریباً آمرانہ اختیارات ہوں۔ اس وقت سے جبکہ پٹ نے پہلی دفعہ پارلیمنٹ برخاست کر دی تقریباً ہر مسئلے پر جو پٹ پیش کرتا تھا ایک خاطر خواہ اکثریت اس کی تائید کرتی تھی لیکن جنگ کی وجہ سے مخالف فریق مضمحل ہو گیا اور اس میں پھوٹ پڑ گئی۔ وھگوں میں جو زیادہ پرانے خیال کے لوگ تھے وہ ۱۷۹۳ء سے خود اپنے فریق کے انتہائی خیال کے لوگوں کے مقابلے میں حکومت کی تائید کرنے لگے اور دوسرے سال ان کے رہنما وزارت میں داخل کر لئے گئے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ جو فریق مخالف باقی رہ گیا تھا وہ بڑی احتیاط بلکہ کسی قدر مبالغے کے ساتھ اپنا بچاؤ کرنے لگا اور اگر پٹ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے ٹوری فریق کو ایک جدید قالب میں ڈھالا تھا تو وھگ فریق کی جدید ترتیب میں جو آئندہ صدی کی احراریت کا جنم لینے والی تھی فاکس کا حصہ تھا۔ فوری نتیجہ تو یہ نکلا کہ پٹ کی باقی ماندہ وزارت میں ایک اکثریت غالب کابینہ کی تائید کرتی تھی، اسوقت فاکس دارالعوام میں بہ مشکل پچاس رائے جمع کر سکتا تھا۔ اور اس طرح حکومت پر سے فریق مخالف کا وہ پرزور دباؤ جاتا رہا جو اس کی جگہ لے سکتا تھا۔ ان واقعات سے بادشاہ کی وہ تائید معلوم ہوتی ہے جو بہت دنوں تک پٹ کے ساتھ تھی۔ اگرچہ پٹ ایسا وزیر نہیں تھا جو بادشاہ کو دل سے عزیز ہو لیکن اس کو خدمت سے علیحدہ کرنے کی کوئی صورت بھی نہ تھی۔ نیز جارج یہ سمجھتا تھا کہ دوسرا بدل سوائے فاکس کے

اور کوئی نہیں ہے اور فاکس سے اس کو دلی نفرت تھی۔

پارلیمنٹ کے باہر بھی یہی حالت تھی۔ احرار کے سوا ہر قسم اور ہر رنگ کی رائیں اور تمام طبقات اور پیشہ ور حکومت کی تائید کرنے لگے اور اپنے سابقہ فریقانہ تعلقات کا کوئی خیال نہیں کیا، اور فریق مخالف کے حامیوں کو اس جدائی و فراق پر راضی ہونا پڑا۔ بعد کے مصنف اکثر فاکس اور اس کے حامیوں کی ٹولی کی حمایت کرتے ہیں اور یہ صحیح ہے کہ اس طویل جنگ کے دوران میں ٹوریوں کو غلبہ حاصل رہا اور جب تک یہ غلبہ رہا وہ سیاسی ترقی رکی رہی جو ۱۶۸۸ء کے انقلاب سے برابر جاری تھی۔ مگر اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ اس خوفناک جنگ و جدل کے دوران میں حکومت کی عالمگیر تائید اور آمرانہ حکومت کی تسلیم خلاف توقع اور خلاف امید نہ تھی۔ جذبۂ حب وطن میں اس کی جڑیں گڑی ہوئی تھیں اور یہ جذبہ قومی سلامتی کا منبع ہے۔ جو کچھ کشمکش تھی وہ اس رجحان مرکزیت کے خلاف تھی جو بے لگام جذبات کی تائید کرتا اور شخصی آزادی کو پامال کرنا چاہتا تھا۔ پٹ کی حکومت نے کبھی مطلق اختیارات استعمال نہیں کیئے اور عوام کی آزادی کو خطرے میں نہیں ڈالا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دستور اسی دور آزمائش سے بے کھٹکے صحیح سالم نکل گیا۔

ایک نئے عنصر یعنی رائے عامہ کا پیدا ہونا۔ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ جس زمانے میں پٹ برسر حکومت تھا رائے عامہ نے پارلیمنٹ سے باہر انصرام حکومت پر اپنا اثر ڈالنے کے اچھے ذرایع حاصل کر لیئے تھے اور اس کا کئی مرتبہ استعمال کیا حالانکہ پارلیمنٹی نیابت میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی تھی۔ قومی اجتماعات اور بڑی جماعتوں کی رائے جو ایک طرح سے سوچتی اور عمل کرتی ہوں تدبر مملکت کی تشکیل میں پہلے سے زیادہ موثر ہوگئی۔ اس واقعے کی ایک درخشاں مثال جنگ شروع ہونے سے پہلے نظر آتی ہے۔ اپریل ۱۷۹۱ء میں پٹ نے محض قومی مخالفت کی وجہ سے اچانک اپنی روسی حکمت عملی ترک کر دی اور اس کے باوجود ترک کر دی کہ روسی حکومت کو پیام آخری دیا جا چکا تھا۔ حالانکہ پارلیمنٹ کی اکثریت اس کے اس منصوبے کی تائید کرتی تھی۔ وہ پیہم کوششیں دیکھنا بھی بہت ضروری ہیں جو جنگ کے زمانے میں اس غرض سے عمل میں لائی گئیں۔ کہ سیاسی مسائل کے دونوں رخ پر عام جذبات کا اظہار ہو سکے۔

اور یہ کوششیں کئی طرح سے کی گئی تھیں یعنی عام جلسے، جلوس، وفد، عرضداشتیں اور تاج سے خطاب، اور اٹھارھویں صدی کے حالات کا لحاظ کر کے بلووں کو بھی غالباً اس فہرست میں شریک کیا جا سکتا ہے یہ نہیں تو انجمنوں، مجلسوں اور محفلوں کی تنظیم جن کے نام سے ان کے اصول کی تشہیر ہوتی تھی اور رسالوں اور چھوٹے اور بڑے اشتہارات کے ذریعے تبلیغ کرتے تھے ضرور شامل ہیں۔ رائے عامہ پر اثر ڈالنے کے لیے رسالوں کا استعمال نسبتہً کم ہوتا تھا۔ ایک صدی کے بعد اس کا استعمال زیادہ ہو گیا اور یہ اب تک بھی جاری ہے۔ تین پشتوں میں اخبارات کی طباعت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اب تو یہ رائے عامہ کے اظہار اور تشکیل کا تمام دنیا میں اصل ذریعہ سمجھا جاتا ہے لوگ اس بات کو بھی کسی قدر محسوس کرنے لگے تھے کہ تنظیم یعنے ہمخیال افراد کو باہم منسلک کرنے سے بہت گہرا اثر پڑ رہا ہے۔

اس عہد رآمد کو دیکھنا چاہیے جو نئی زمانہ ہوتا ہے تو ان تمام چیزوں کا رنگ روپ بالکل حالیہ معلوم ہوتا ہے۔ جو اس وقت پایا جاتا تھا وہ سب کچھ اس وقت بھی موجود ہے۔ اگر زیادہ صحت کے ساتھ کہا جائے تو یہ اس موجودہ تعمیر کی پیش بندی تھی جس کی پختگی کے لئے ایک صدی درکار تھی قرون وسطی میں پارلیمنٹ جو کام کرتی تھی اور جس نقطۂ نگاہ سے پارلیمنٹ کو دیکھا جاتا تھا وہ سب غیر شعوری طریقے سے بدل رہا تھا۔ اب اس بات کی ضرورت نہیں رہی تھی کہ تمام اقطاع ملک سے عقلا یہ دریافت کرنے کے لئے جمع ہوں کہ قوم کا نقطۂ نظر کیا ہے یہ دریافت کرنے کے دوسرے اور طریقے بھی موجود تھے۔ یا کم از کم قوم ایسے طریقے سیکھ رہی تھی جن سے عام رائے یا بڑے طبقات ناس کی رائے دریافت ہو سکے۔ اب آہستہ آہستہ اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ پارلیمنٹ کا خاص کام یہ ہے کہ ان فیصلوں کو جو کسی دوسری جگہ طے ہوئے ہوں قانون کی شکل میں یعنے ایسی شکل میں ملبوس کرے کہ اس کے ذریعہ عہدہ داران عاملہ اور عدالتوں پر حکومت کی جا سکے۔ انتخاب کے متعلق ابھی یہ خیال نہیں تھا کہ اس سے پارلیمنٹ کو اختیارات ملتے ہیں لیکن کسی قدر شعور سے اتنا سمجھنے لگی تھی کہ پارلیمنٹ کو اپنے جذبات سے واقف کرانے کے لئے پوری کوشش کرنی چاہیے کہ عوام فلاں فیصلہ یا کارروائی دل سے چاہتے ہیں۔

جس زمانے میں فرانس سے لڑائی ٹھنی ہوئی تھی وہ پہلا اور بڑا زمانہ ہے جب کہ ان طریقوں کا عام استعمال ہوا لیکن یہ ان کے آغاز کا زمانہ نہیں ہے۔ جارج سوم کے اوائل عہد سے ان کا استعمال روز افزوں ہو گیا اور ان کا اثر بھی بڑھنے لگا۔ ولکس جو ایک اخبار کا ناشر اور پارلیمنٹ کا رکن تھا ۱۷۶۳ء میں اس علت میں گرفتار ہوا کہ اس نے بادشاہ کی تقریر پر حملے کئے تھے اور ازالۂ حیثیت عرفی کا مرتکب قرار دیا گیا۔ اس کے مقدمے میں رائے عامہ نے جو ان طریقوں سے ظاہر کی گئی عام طلبنامۂ گرفتاری کو غیر قانونی قرار دینے میں بڑی مدد دی یعنی ایسے طلبنامۂ گرفتاری کو ناجائز قرار دیا جو مقام تلاشی اشخاص کی گرفتاری اور اشیا کی ضبطی کا تعین نہ کرے۔ اس مقدمے میں جوری کا حق بھی معرض بحث میں آیا کہ جوری اس بات کا فیصلہ کرے اگر عام طریق میں اشاعت ہو تو آیا اس کی شکل ازالۂ حیثیت عرفی کی ہوتی ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ پارلیمنٹ میں کیا کہا گیا عوام کا شوق روز بروز بڑھنے لگا اور یہ اسی امیلان کی ایک دوسری علامت ہے۔ پارلیمنٹ ہمیشہ دروازے بند کر کے بحث کرتی تھی۔ پارلیمنٹ کی ابتدائی تاریخ میں دروازہ بند کرنا خود حفاظتی کی تدبیر تھی اور یہ اس وقت اپنی حفاظت کا واحد ذریعہ تھا کہ بادشاہ اس کی آزادی تقریر میں مداخلت نہ کرے۔ اب اختیار مختتم کا حال اور یہ جذبہ کہ اس کے سامنے کیا ذمہ داری ہے سب بدل رہے تھے۔ عوام پارلیمنٹ کے مباحث میں اس وجہ سے دلچسپی لینے لگے تھے اور ان مباحث کو محض اظہار رائے ہی تصور نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں خود اپنی رائے کا کم و بیش پرتو سمجھتے تھے۔ اس صدی کے وسط سے پہلے سے پارلیمنٹ کی تقریریں حافظے یا زبانی روایت سے بیان کی جانے لگیں جو غیر مصدقہ اور بڑی حد تک ذہنی ہوتی تھیں۔ جس زمانے میں امریکی نوآبادیوں سے پرخاش شروع ہوئی تھی اس وقت سے بیان کی صحت ٹھیک ہونے لگی اور دارالعوام خود اس طرف متوجہ ہو گیا بعض نے یہ کوشش کی کہ ایوان کے قواعد کی پابندی ہونی چاہئے اور اشاعت نہ ہونی چاہئے لیکن شہر لندن مخالفت پر ایسا اڑا کہ یہ کوشش رائگاں گئی۔ اگرچہ پارلیمنٹ نے کئی سال تک اپنے ضابطے نہیں بدلے لیکن ۱۷۷۱ء سے ان کی خلاف ورزی کی طرف سکوت اختیار کیا جانے لگا اور اس پر کوئی گرفت نہیں کی گئی۔

قومی مسائل میں عوام کی روز افزوں دلچسپی اور ان مسائل کے تصفیے میں اپنی آواز بلند کرنے کا روز افزوں شوق ایسی علامتیں تھیں جنھیں میلان عمومیت کا قطعی ثبوت سمجھنا چاہیئے۔ لیکن ایک مختلف راستے سے اور ایک ایسے میدان میں جو سیاسی معاملات سے دور ہونے کی وجہ سے حاشیۂ خیال میں نہیں آسکتا تھا جداگانہ قومی محرکات تیار ہو رہے تھے اور ان محرکات نے دوسری پشت میں انگلستان کو واقعی عمومیت پسند بنا دیا۔ عمومیت کی یہ تیاری وہ ہے جس کو اس تمام دور کے دستوری ارتقا میں جو پٹ کے حصول اقتدار سے لیکر ۱۸۱۵ء کے زوال نپولین تک برابر جاری رہا ایک عظیم الشان ترقی سمجھنا چاہیئے۔ اگرچہ بظاہر ابتدا میں یہ تحریک ہم کو دستوری تاریخ کے دائرے سے ہٹا دیتی ہے لیکن اس سے یہ اصول تاریخ واضح ہو جاتا ہے کہ ترقی کی تمام راہوں کا ایک دوسرے پر دارومدار ہوتا ہے۔

معاشی انقلاب۔ یہ معاشی ترقی کا میدان ہے جس میں ہم کو داخل ہونا پڑتا ہے۔ معاشی تغیرات نے جو اٹھارھویں صدی کے وسط میں شروع ہوئے تجارت اور صنعت و حرفت میں کامل انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ ان کے نتائج اس وجہ سے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں کہ ان سے انگلستان اس بیس سال کے جنگ و جدال کے تباہ کن بوجھ کو جو فرانس کے فاتحانہ منصوبوں کے خلاف ہوئی تھی سہارنے کے قابل ہو گیا۔ اگرچہ یہ عواقب بہت وسیع ہیں لیکن تاریخ عالم پر اس کا سب سے زیادہ عظیم الشان اور دائمی اثر عمومیت کا ارتقا ہے جو انھیں تغیرات سے پیدا ہوا اور اس کا اثر اب تک زائل نہیں ہوا اس سے انگلستان کی تاریخ دستوری میں ایک جدید عہد کا آغاز ہو گیا جس کی اہمیت خاندان لنکاسٹر یا خاندان اسٹوائرٹ کی تخت نشینی سے بھی زیادہ تھی۔

کلوں میں بھاپ کا استعمال گو پہلی چیز نہیں ہے لیکن منجملہ اور چیزوں کے ایک اساسی چیز ہے کیونکہ اس سے وسعت کے تمام حدود ٹوٹ گئے۔ اس کی تکمیل سے پہلے جدید کلوں کی خصوصاً کپڑے کی صنعت میں ایسی حیرت انگیز ایجادیں ہوگئیں جن میں بھاپ استعمال ہو سکتی تھی لیکن بھاپ اور جدید کلوں سے ایندھن اور لوہے کی طلب شدید ہو گئی۔ اس طلب کی فراہمی فوراً اس طریقے سے عمل میں آئی کہ کوئلہ اور خام لوہے کی

بڑی بڑی مقداریں کارخانوں کے پاس پہنچائی گئیں اور لوہا پگھلانے اور فولاد بنانے کے طریقوں میں بہت اصلاح کی گئی۔ پیداوار کی روز افزوں ترقی سے ایک شدید طلب نقل و حمل کے اچھے ذرائع اور وسیع بازاروں کی بھی پیدا ہوگئی۔ ان دونوں طلبوں کا فوراً سامان بھی ہوگیا۔ نہروں کا جو جال بچھ گیا تو اس سے صنعتی شہر ایک دوسرے سے اور سمندر سے مربوط ہوگئے۔ پھر فرانس پر جو فتوحات حاصل ہوئیں تو صلحنامۂ ۱۷۶۲ء کی رُو سے بہت جلد وسیع بازار کھل گئے اور پیداوار خام کے مخزن ہاتھ آگئے۔ جس طرح سرعت سے صنعت و حرفت نے ترقی کی اسی طرح تجارت بھی بڑھی اور انھیں سنین میں زراعت میں بھی ترقی ہوئی اور اس کی وجہ سے اتنا تو ہوا کہ گھر کی پیداوار سے اس آبادی کی غذائی طلب پوری کی جانے لگی جو صنعتی مرکزوں میں جمع ہوگئی تھی۔

آبادی کا یکجا ہونا سیاسی ارتقا کی طرف ایک زینہ تھا۔ کلوں کا بھاپ سے چلنا قیام کارخانہ جات کا باعث ہوا اور کارخانوں کے معنی آبادی کے یکجا جمع ہونے کے ہوتے ہیں۔ گھریلو اور دیہاتی صنعتیں رفتہ رفتہ ہٹ گئیں۔ ایسی جگہ جہاں پہلے کوئی متنفس نہ تھا بڑے بڑے قصبات بن گئے اور پرانے قصبات بہت پھیل گئے۔ اس سے دو نتائج برآمد ہوئے۔ اوّل تو پرانے طبقات میں ایک ہی پشت کے اندر نیچے کے طبقوں سے غیر معمولی اضافہ ہوگیا۔ صنعت و حرفت کے منافع سے ایک جدید مالدار طبقہ خود صناعوں کی جماعت میں سے یا ان خاندانوں میں سے جو پہلے نمایاں نہیں تھے اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے پرانی اعیانیت کے دوش بدوش ذی اثر جگہ حاصل کرلی۔ نیز اسی کے ساتھ متوسط طبقے میں بھی بڑی تعداد کا اضافہ ہوا۔ یہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ مزدوروں کا تقریباً ایک جدید طبقہ پیدا ہوگیا اور یہ طبقۂ مزدوران پرانے زراعتی انگلستان کے غبی کاہل اور ناسمجھ مزدوروں سے بہت مختلف تھا۔ ان طبقوں کے حجم میں جو تغیرات ہوئے تو ان سے ملک کے بڑے حصے کی عام فضا اور بالخصوص سیاسی فضا بدل گئی۔ سیاسی زندگی کے یہ جدید عناصر تھے جو اپنی جگہ لے رہے تھے اور یہ قدامت کی طرف مائل نہ تھے۔ یہ اپنے موجودہ حالات کی طرف سے بےچین تھے اور پرانے خیالات کے بہت کم پابند تھے۔ یہ نہ صرف

ہر تبدیلی کے لئے تیار تھے بلکہ انتہائی تبدیلی کی طرف مائل تھے اور ان اصلاحوں کے طالب تھے جن سے ان کی ملکی یا مقامی حیثیت متاثر ہوتی تھی۔

لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ سیاسی زندگی کا یہ شدید انقلاب اچانک عمل میں آگیا ہوگا کوئی ابتدائی اثرات قطعی نہیں تھے بلکہ ان کی نوعیت محض ایک میلان کی تھی لیکن ابتداءً ایسی اچانک ہوئی کہ اس کو چھوڑنا ناممکن ہوگیا۔ جو تغیرات اس معاشی انقلاب کی وجہ سے اور جو تغیرات اس کے ساتھ رونما ہوئے وہ آہستہ آہستہ بڑی تحریک کی صورت میں ترقی کرتے گئے اور اس سے حکومت اور تمام سیاسی کیفیات پر عمومی تسلط ہونے لگا۔ یہ تحریک اس وقت سے لیکر آج تک برابر پھیلتی رہی اور گہری ہوتی رہی اور مرکزی اور مقامی اُمور کے انصرام کو اپنا مقصد بنالیا اور اسکی تکمیل کرتی رہی۔ ایک حقیقی مفہوم میں یہ تبدیلیاں جو پیدا ہوئیں وہ انقلابی نہیں تھیں۔ انھوں نے انگلستان کے ماضی سے رشتہ نہیں توڑا بلکہ یہ اس میلان کی طبعی ترقی اور حکومت پر اسکا مکمل انطباق تھا جو عوام کے اقتدار اعلیٰ کی جانب تاریخ انگلستان میں آج کئی صدیوں پہلے سے جاری ہوچکا تھا۔ ان اغراض کی تکمیل کے لئے انگلستان میں پیورٹین طبقے نے جو کوششیں انقلابی فضا میں اور انتہائی مذہبی خیال کے جوش و خروش میں کی تھیں وہ انگلستان میں قبل از وقت ہونے کی وجہ سے لاحاصل ثابت ہوئی تھیں لیکن یہی چیز امریکہ میں ماضی کے قدرتی میلانات کو پختہ کرنے اور جلد پختہ کرنے کے باعث ہوئی۔

اب انیسویں (۱۹) صدی کے اوائل میں انگلستان ایسے عمومی نتائج کے قریب آنے لگا ہے اگرچہ یہ رفتار ایسی آہستہ تھی کہ اس سے انڈی پنڈنٹ یا خود مختار گروہ مطمئن نہیں ہوسکتا تھا لیکن یہ درمیانی پشتوں کا مقابلہ کرنے سے زیادہ تیز معلوم ہوتی تھی۔ ہمارا اس تغیر کو انقلابی کہنا نامناسب نہیں ہے۔ اس کی کچھ تو وجہ ان تغیرات کی درخشاں نوعیت ہے اور کچھ وجہ یہ ہے کہ وہ قوتیں یعنے معاشی قوتیں جن کا کام اب تک آنکھوں سے اوجھل تھا اور جدید طبقے کھلے بندوں سیاسی دنگل میں آگئے تھے۔

آئرستان سے اتحاد۔ جنگ فرانس اور قومی مالیات کے علاوہ پٹ کے نظم و نسق کا سب سے بڑا کارنامہ آئرستان کا اتحاد ہے جس کو تعمیری تدبر کہا جاسکتا ہے۔ ۱۸۰۰ء میں اسکاٹستان سے جو اتحاد ہوا تھا وہ خود مختار قوموں کا

اتحاد تھا. جو برابر کے نامہ و پیام اور باہمی رعایتوں سے عمل میں آیا تھا۔ اہل آئرستان ایک ماتحت قوم تھی اور ماتحت قوم بھی ایسی کہ اس کے ساتھ خاص خاص قسم کی مجبوریاں عائد تھیں۔ بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد سے آئرستان کی آزادی کے لئے بہت کچھ رعایتیں کی گئی تھیں مثلاً پوئے ننگ قوانین منسوخ کر دئے گئے تھے اور اسی طرح جارج اول کا قانون نافذ ہو گیا تھا جس کی رو سے انگلستان کی پارلیمنٹ کو آئرستان کے لئے قانون بنانے کا حق حاصل تھا۔ لیکن ان معاملات میں جو قیام اتحاد سے متعلق تھے صورت حال میں کوئی معتد بہ فرق نہ ہوا تھا۔ اب نامہ و پیام کی ضرورت تھی اور یہ نامہ و پیام آئرستان سے نہیں بلکہ راشی بلدیات کے مالکوں سے کرنا ضروری تھا اور ان لوگوں کو جو سیاسی اثر رکھتے تھے مراعات دینی ضروری تھی۔ ۱۸۸ بلدیات میں سے جو آئرستان کی پارلیمنٹ کو اپنے ارکین بھیجتے تھے۔ ۱۱۰ بلدیات ایسے تھے جن کے مالک خانگی لوگ تھے۔

آئرستان کی سیاسی حالت اس وقت برطانیۂ عظمیٰ کے لئے خطرے سے خالی نہیں تھی۔ ان قوانین کو جن کا اوپر ذکر ہوا ۱۷۸۲ء میں منسوخ کر کے آئرستانی پارلیمنٹ کو کامل اختیارات قانون سازی دے گئے لیکن آئرستانی پارلیمنٹ کو عاملہ پر کوئی واقعی اقتدار نہیں تھا۔ کیونکہ عاملہ کا تقرر انگلستان کی موجودالوقت وزارت کرتی تھی اور یہ عاملہ اس کے سامنے ذمہ دار تھی اور نیابت کے قبیح طریقے کی وجہ سے جو اس زمانے میں جاری تھا یہ عاملہ مقننہ پر مسلط تھی۔ ۱۷۹۲ء میں کیتھلکوں کو پارلیمنٹ حق رائے دہی عطا کیا گیا لیکن ابھی وہ خود منتخب ہونے کے اہل نہیں تھے حالانکہ ان لوگوں نے عبادت۔ تعلیم۔ زمینداری اور فوج اور بحریہ میں کمیشن کے تقررات کی آزادی حاصل کرلی تھی۔ انگریزی کلیسا اس جزیرے کا مسلمہ کلیسا تھا اور منحرفین کو جن میں پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک دونوں شامل تھے اس کلیسا کی مدد کے لئے عشر دینا پڑتا تھا۔ ۱۷۹۸ء کی بےچینی بغاوت کی باعث ہوئی۔ اس کوشش میں پروٹسٹنٹ اور کیتھولک منکرین کو متحد کرنے کا جو منصوبہ تھا وہ ناکام ثابت ہوا اور یہ کوشش صرف کیتھولکوں کی طرف سے عمل میں آئی معلوم نہیں فرانس کی جو افواج ہیں آتیں تو کیا ہوتا؛ بہر حال اس کوشش کا ناکام ہونا پہلے سے لکھا تھا۔ کئی ایک فوجیں فرانس سے بھیجی گئیں جو سب کی سب

ناکام ہوئیں۔ اس شورش سے سوائے اس کے کوئی فائدہ نہ ہوا کہ انتہائی تشدد اور خونریزیوں کی جدید یادگاریں دونوں جانب قائم ہو گئیں اور مستقبل اور بھی زیادہ پیچیدہ ہو گیا۔

تاہم آئرستان کا مہیب خطرہ باقی رہا اور جہاں تک ہو سکے اس کا رفع کرنا ضروری تھا۔ آئرستانی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد پٹ نے اس بات کا عزم کر لیا کہ آئرستانی پارلیمنٹ کی خود مختاری کو ختم کر دے اور اس نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ اسی کے ساتھ پروٹسٹنٹ فوقیت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اگر پٹ کا تمام منصوبہ اختیار کر لیا جاتا تو انگریزی آئرستانی تعلقات کا مستقبل بالکل مختلف ہوتا۔ پٹ نے اپنی تجویز کے سیاسی حصے کو پورا کر لیا لیکن مذہبی حصے میں ناکام ہوا۔ آئرستانی پارلیمنٹ کا خاتمہ کر دیا گیا۔ بلدیات کے خانگی مالکوں کو کثیر رقم سے معاوضہ دیا گیا۔ برطانوی دارالعوام میں آئرستان کے ایک سو اراکین بڑھائے گئے اور اٹھائیس دنیوی امراء جو عمر بھر کے لئے منتخب ہوئے تھے اور چار مذہبی امراء دارالامراء میں زیادہ کئے گئے۔ ایسا آئرستانی امیر جو برطانوی دارالامراء میں کام نہ کرتا تھا وہ کسی انگریزی حلقۂ انتخاب کی طرف سے دارالعوام کے لئے منتخب ہو سکتا تھا لیکن آئرستان کی حلقۂ انتخاب کی طرف سے معین نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ ایسا انتظام تھا کہ اس سے بعد کو لارڈ کاسلری اور پامرسٹن نے فائدہ اٹھایا تھا۔

جارج سوم و آئرستان۔ لیکن پٹ اس بات کو سمجھتا تھا کہ آئرستان کو سلطنت متحدہ میں ضم کرنے سے اس ملک کی تمام مشکلات حل نہیں ہو سکتیں۔ یہ سیاسی اتحاد اس تمام سلسلۂ اصلاحات کی جس کو پٹ عمل میں لانا چاہتا تھا ایک ابتدائی کڑی تھی۔ اس کے بعد سے جو اصلاحیں ہوئیں ان سے واقعی تعمیری نتائج کی توقع تھی۔ منجملہ ان کے رومن کیتھولکوں کی آزادی اور ان کی کامل سیاسی مساوات اولیں تدبیر تھی۔ اسی اعتقاد سے آئرستان کو اتحاد کے لئے آمادہ کیا گیا۔ پٹ نے کوئی صریح وعدہ نہیں کیا تھا لیکن کابینہ کے عمل سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ اس کے بعد کیتھولکوں کی اعانت ہو گی۔ لیکن اس معاملے میں وزارت کی حکمت عملی بادشاہ کی ضد اور ہٹ سے متصادم ہو گئی۔ جارج مذہبی خیالات کی وجہ سے اس کا سخت مخالف تھا۔ وہ اس امر کا معتقد تھا کہ اس نے حلف تاجپوشی میں اس بات کی قسم کھائی ہے کہ "اس ملک کے اساقفہ اور پادریوں اور کلیساؤں کے جو

ان کے ودیعت ہیں ان تمام حقوق اور اختیارات کی جو ان کو یا ان کے کسی شخص کو قانوناً حاصل ہیں یا حاصل ہوں گے حفاظت کروں گا" اگر وہ رضامندی ظاہر کرے تو وہ حلف شکنی ہو گی"۔ پٹ اس بحرانی کیفیت کو اپنی پرانی دوررسی سے سلجھا نہیں سکا بلکہ استعفا دینے پر مجبور ہو گیا۔ اس مسئلے پر جارج سوم کا اڑ جانا شاہی اختیار خصوصی کی طرف سے آخری پیچیدہ اور اہم مداخلت تھی اور یہ آخری مرتبہ تھا کہ بادشاہ نے اس تدبیر مملکت میں مداخلت کی جس کو ملک کے ذمہ دار وزرا نے نہایت غور و خوض کے ساتھ مرتب کیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مداخلت کی دوسری مثالیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں لیکن ان کی اہمیت اتنی نہیں ہے۔ اس مداخلت سے رومن کیتھولک گروہ کی آزادی جس کی شدید ضرورت تھی تیس سال کے لئے ملتوی ہو گئی۔

جو وزارتیں ۱۸۱۲ء تک نسبتاً تھوڑے وقفے سے یکے بعد دیگرے آئیں ان کی سیاست میں کوئی خاص دستوری دلچسپی کی چیز نہیں پائی جاتی۔ جس وقت پٹ ۱۸۰۴ء میں دوبارہ وزیر اعظم ہوا اس نے فاکس کو اپنی کابینہ میں شامل کرنا چاہا تھا لیکن بادشاہ نے صاف انکار کر دیا اور وزارت فاکس کے بغیر بنائی گئی۔ لیکن ۱۸۰۶ء میں پٹ کے انتقال ہوتے ہی اس کی وزارت چور چور ہو گئی اور بادشاہ کے لئے سوائے اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ ایک ایسی وزارت "قابلیت مجموعی" منظور کرے جس میں فاکس وزیر خارجہ تھا جس وقت ۱۸۰۱ء میں پٹ نے استعفا دے دیا تھا اس نے بادشاہ کی ہمدردی میں یہ وعدہ کیا تھا کہ جب تک جارج زندہ رہیں گے میں اس مسئلے کو پھر نہیں پیش کروں گا کیونکہ جارج اسی کیتھولک مسئلے کی وجہ سے سخت علیل ہو گیا تھا۔ ۱۸۰۷ء میں بادشاہ نے لارڈ گرینول کی وزارت سے بھی یہی وعدہ لینا چاہا تھا کیونکہ اس وزارت نے بھی یہی تجویز پیش کی تھی۔ لیکن اس وزارت نے اس سے انکار کر دیا اور مستعفی ہو گئی۔ ان تغیر پذیر وزارتوں کے دوران میں چند دنوں کے لئے وِھگ برسرِ خدمت ہو گئے تھے لیکن ۱۸۱۲ء میں پھر لارڈ لیورپول کی پندرہ سالہ ٹوری وزارت شروع ہو گئی۔

تولیت۔ لیکن اس سنہ سے پہلے ہی جارج سوم کا عہد حکومت فی الحقیقت ختم ہو گیا تھا۔ اس پر دماغی مرض کے بار بار حملے ہوتے رہے۔ چنانچہ

اس زمانے میں وہ سیاسی کاروبار میں حصہ لینے کے ناقابل ہو گیا۔ پہلے پہلے جو حملے ہوئے تھے ان سے فوری شفا ہو گئی تھی لیکن ۱۸۱۱ء کا دورہ دیرپا ثابت ہوا اور جو تولیت ۱۸۲۰ء تک قائم رہی وہ تاریخ انگلستان میں سب سے طویل ہے۔ بادشاہ کی علالت کے وقت ۱۷۸۸ء میں تولیتوں کے متعلق جو بحث ہوئی تھی وہ غیر معمولی دستوری دلچسپی رکھتی ہے۔ ایام ماضی میں تولیتوں کے تقرر و تنظیم میں مجلس عظمیٰ کو بہت کچھ دخل تھا گو اس کا صریح تعین نہیں ہوا تھا۔ جب پارلیمنٹ اس کی جانشین ہوئی تو اس نے بالخصوص پارلیمنٹی جدوجہد کے خاص زمانے میں یعنی پندرھویں صدی میں وسیع فرائض حاصل کر لیے تھے۔ اس زمانے کی نظائر کی بنا پر یہ استدلال جائز ہو سکتا تھا کہ متولی کے تقرر اور اس کے حدود کے تعین کا اختیار جن کے تحت متولی اختیارات شاہی کو استعمال کرے تنہا پارلیمنٹ کو حاصل ہے اور کوئی دوسرا شخص تاآنکہ خود وہ شخص جو تاج کا عین وارث ہو اس حق کا دعوےٰ نہیں کر سکتا۔ ہنری ہشتم کے عہد میں بادشاہ کو ایک خاص قانون کی رو سے یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ اپنے جانشین کے لیے مجلس تولیت کا تقرر کرے۔ جس کے معنی یہ تھے کہ اس کو قانون کے بغیر بادشاہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔ ہنری نے اپنے بیٹے اڈورڈ ششم کے لئے ایک ایسی مجلس ترتیب دی تھی لیکن اس نے اس مجلس کو جس طرح مرتب کیا تھا وہ اس کے انتقال کے بعد کسی قدر بدل دی گئی۔

۱۷۸۸ء میں یہی مسئلہ زیر بحث تھا۔ یہ ہانووری خاندان کی خصوصیت تھی کہ ولیعہد باپ کے مخالف اور کبھی کبھی سخت ترین مخالف ہو جاتے تھے اور برسر حکومت کابینہ کے خلاف پارلیمنٹ کی رہنمائی کرتے تھے۔ جارج جو بعد کو جارج چہارم ہو گیا ۱۷۸۸ء میں دھگ فریق کے رہنماؤں سے جو خدمت سے علٰحدہ تھے مل گیا۔ یہ لوگ وزارت پٹ کی جگہ لینا چاہتے تھے حالانکہ اس کو بنے ہوئے صرف پانچ سال ہوئے تھے۔ اس بات کا سب کو یقین تھا کہ اگر شاہزادہ ویلز متولی ہو جائے تو اختیار خصوصی کے زور سے دھگ اسی طرح اچانک برسر حکومت ہو جائیں گے جس طرح پٹ کو بادشاہ نے مقرر کیا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے یہ استدلال کیا کہ تولیت تو اس کا حق ہے اور بادشاہ کے پورے اختیارات اس کو ملنے چاہئیں

اور پارلیمنٹ صرف اس حد تک فیصلہ کر سکتی ہے کہ تولیت کب سے شروع ہو۔ اگرچہ اس دعوے پر بہت زبردست استدلال کیا گیا لیکن نہ تو تاریخ سے اس کی تائید ہوتی تھی نہ اس زمانے کی رائے عامہ سے جس طرح خود اس کے معاملے میں ہوا تھا اسی طرح اس وقت بھی پٹ کو صاف یقین تھا کہ بادشاہ کی تائید سے ایک سیاسی فریق پارلیمنٹ کے خلاف اپنی طاقت قائم رکھ سکے گا اس لئے اس نے عام رائے کے مطابق یہ استدلال کیا کہ اس معاملے میں پارلیمنٹ کو کامل اختیارات حاصل ہیں کہ جس طرح وہ مناسب سمجھے کرے۔ فریق مخالف کے برتنے پر خود شاہزادہ ویلز کو اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ اپنے بھائی ڈیوک آف یارک کے توسط سے دارالامرا میں باضابطہ الفاظ میں یہ اعلان کرے "میں ان مقدس اصولوں سے خوب واقف ہوں جن کی بنا پر خاندان برنسویک تخت پر بیٹھا اور میں ہرگز کسی ایسے اختیار کو استعمال نہ کروں گا جو عوام کی مرضی سے ماخوذ نہ ہو یا جسے عوام اپنے نمائندوں اور امرا کے ذریعے جو پارلیمنٹ میں جمع ہوتے ہیں ظاہر نہ کریں گے"

جن اصولوں کے موافق پٹ نے استدلال کیا تھا وہ کافی مخالفت اور جارج سوم کے بیٹوں کے باضابطہ احتجاج کے باوجود مسودہ تولیت کی شکل میں ۱۸۱۱ء میں پاس ہوا۔ شاہزادہ ویلز متولی بنایا گیا لیکن اس کے اختیارات خصوصی کے استعمال پر چند قیود قایم کر دیئے۔ اس کے باوجود یہ خیال تھا کہ ٹوری فوراً خدمت سے خارج کر دیئے جائیں گے۔ اور وھگ وزارت بنائی جائے گی۔ اگر شاہی اختیارات کا اس طرح خود رایانہ استعمال ہوتا بھی تو اس زمانے میں بھی بغیر مخالفت کے تسلیم کر لیا جاتا باوجودیکہ حکومت کابینہ کے مفہوم میں ۱۷۸۳ء سے عظیم الشان ترقی ہو چکی تھی۔ لیکن شاہزادہ وارث تخت کی حیثیت سے نہیں بلکہ بادشاہ کے نقطۂ نظر سے معاملات کو دیکھنے لگا تھا چنانچہ وزارت کی کوئی تبدیلی عمل میں نہیں آئی۔ اپنی زندگی کے باقی ایام میں اس نے اپنے آپ کو ایسا ٹوری ثابت کیا تھا جیسے اس کا باپ تھا۔ ایک تبدیلی جو تولیت کے انتظام میں عمل میں آئی وہ قابل غور ہے۔ گذشتہ زمانے میں یہ چیز عام تھی کہ تولیت کے لئے علٰحدہ مجالس قائم کی جاتی تھیں جو پارلیمنٹ کے سامنے خاص طور پر

ذمہ دار ہوتی تھیں۔ لیکن جب یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو چکی تھی کہ حکومت ملک کے ساتھ کابینہ کی کیا ذمہ دارانہ حیثیت ہے تو اس خاص کونسل کی مزید ضرورت نہیں سمجھی گئی اور بعد کے قوانین تولیت میں یہ خصوصیت باقی نہیں رہی۔

اس تاریخ تک نہ صرف کابینہ کے مناصب اچھی طرح سمجھ میں آگئے تھے بلکہ وزیر اعظم کی خدمت بھی سمجھ میں آگئی تھی جس کے خلاف تقریباً تمام اٹھارھویں صدی احتجاج کرتی رہی تھی۔ یہ ادراک لارڈ میلویل کے ایک خط سے اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے جو ۱۸۰۳ء میں لکھا گیا۔ اس میں پٹ کے وہ خیالات ظاہر ہوتے ہیں جو ایڈنگٹن والی کابینہ میں داخل ہوتے وقت تھے۔ لارڈ میلویل کہتا ہے کہ پٹ نے یہ خیالات ظاہر کئے ہیں کہ "اس ملک کے امور کے انصرام کے لئے ایک حقیقی اور مسلمہ وزیر کی ضرورت ہے جو کونسل میں خاص وزن اور وقعت رکھتا ہو اور بادشاہ کے اعتماد میں بھی اس کو خاص جگہ ہو۔ اس طریقے سے کوئی رقابت نہیں پیدا ہو گی اور اختیارات میں پھوٹ نہیں ہو گی۔ یہ اختیار ایسے شخص کے ساتھ وابستہ ہونا چاہیے جو بالعموم وزیر اول کہلاتا ہے اور پٹ کے خیال میں ایسے وزیر کو مالیات کا صدر ہونا چاہیے۔ اپنے اطمینان بخش تجربے کے ساتھ پٹ جانتا ہے کہ یہ چیز عاملانہ محکموں کے طبعی ربط و ضبط اور باہمی صلاح و مشورہ کے منافی نہیں ہو گی۔ گو عام کلیے کی نظری حقیقت دیکھی جائے تو اس کے خلاف محسوس ہو۔ لیکن اس کے باوجود اگر بدقسمتی سے اختلاف رائے اس حد کو پہنچ جائے جہاں کوئی مصالحت یا رعایت رشتہ جوڑ نہ سکے تو وزیر کو موقع دینا چاہیے کہ وہ اپنے خیالات سنوائے اور نظم و نسق کے دوسرے اراکین کو یہ سہولت ہونی چاہیے کہ وہ اپنے حالات کے تحت وہ کام کریں جس کو وہ ایمانداری کے ساتھ ضروری سمجھیں"۔

پٹ غالباً اپنے تجربے سے بہت جلد سمجھ گیا تھا کہ وزیر اعظم کی صحیح حیثیت کیا ہوتی ہے گو عام طور پر اس کا تصور اس وقت ناممکن تھا لیکن یہ یاد رہے کہ انیسویں صدی کے پہلے عشرے میں نظام کابینہ خاطر خواہ کام کرنے لگی تھی اگرچہ بہ حیثیت مجموعی اس نظام کی پوری وضاحت تحریر اور طباعت میں کئی سال گزرنے سے پہلے نہیں آئی پٹ کی طویل وزارت سے ایک بدیہی تبدیلی ہوئی۔ جس وضاحت سے یہ اپنی حیثیت سمجھتا تھا نیز اس کی کابینہ میں ایسا رقیب موجود نہ تھا جو ذہنی قابلیت میں اس کا

ہم پلہ ہو۔ پھر جس سلیقے سے اس نے بادشاہ کے ساتھ تعلقات کو معین کیا تھا اس کے علاوہ جنگ کے زمانے میں مرکزی حکومت کی یکجائی ان تمام چیزوں نے مل جلکر وزیر اعظم کے موجودہ عہدے کو ہمیشہ کے لئے مستقل بنا دیا۔ اس کے ساتھ کابینہ کا استحکام اور عملی حکومت سے بادشاہ کی علٰحدگی پہلے سے زیادہ واضح ہو گئی۔ جب کابینہ بطور وحدت کے وزیر اعظم کی پیروی کرے اور بادشاہ سے بے نیاز ہو۔ اور بادشاہ اراکین کابینہ کے توسط سے وزیر اعظم کی حکمت عملی میں دخل نہ دے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ موجودہ نظام عملاً کام کر رہا ہے۔

عصر جدید۔ ۱۸۱۵ء میں نپولین کے ساتھ جنگ و جدل کا ختم ہونا تاریخ انگلستان میں ایک جدید عصر کا آغاز کرتا ہے۔ جب ہم اس تحویل کی تمام تفصیلات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ابھی انگلستان اٹھارھویں صدی کے انوکھے اور غیر مانوس حالات میں تھا اور ابھی انگریز ایک ہی قوم میں تھے ان حالات اور ماحول میں آجاتے ہیں جو ہمارے لئے مانوس اور مطابق حال معلوم ہوتے ہیں۔ اس احساس کی کچھ تو یہ وجہ ہے کہ سیاسی زندگی میں نوجوانوں کا ایک ایسا جمگھٹا نمودار ہو گیا کہ ایک طرف ان کی جدوجہد تھی اور ان کے ساتھ ان کے کمسن ہمعصروں کی جدوجہد انگریزوں کی روزمرہ روایت میں شامل ہو گئی نیز جو لوگ ابھی ادھیڑ عمر کو پہنچ چکے تھے ان کی ان سے کبھی ذاتی واقفیت تھی اس احساس کی کچھ وجہ یہ کبھی ہے کہ معاشی انقلاب کے نتائج اب سیاسی دائرے میں صاف طور پر نمایاں ہونے لگے تھے اور یہ وہ نتائج ہیں جن کا روز افزوں اثر یہاں تک بڑھتا رہا کہ آج وہ واقعی میں سیاسی زندگی پر چھائے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۸۱۵ء میں ہم جس ماحول میں داخل ہوتے ہیں وہ اپنی موثر خصوصیات کی وجہ سے جارجوں کا زمانہ نہیں بلکہ زمانہ حال معلوم ہوتا ہے۔

ان لوگوں کی جماعت خاص طور پر دلچسپ ہے جو اپنے سیاسی مقصد پر آچکے تھے یا آنے والے تھے۔ بروم۔ پامرسٹن۔ سر رابرٹ پیل اور لارڈ جان رسل پارلیمنٹ میں داخل ہو چکے تھے اور پامرسٹن اور پیل نے سرکاری خدمت کبھی شروع کر دی تھی۔ اول الذکر کی عمر ۳۱ سال اور آخر الذکر کی عمر ۲۷ سال تھی۔ رابرٹ اوون

کی طرح ولیم کوبیٹ بھی ہمعصر تھا لیکن اس کی زندگی کا وہ زمانہ جس پر اس نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ اصلاحی کام کیا ہے اور جس اصلاح میں اس نے معاشی انقلاب کے بعض نتائج خاص طور پر ظاہر کئے ہیں وہ ۱۸۱۶ء سے پہلے نہیں شروع ہوتا۔ رچرڈ کوبڈین۔ جان برائٹ۔ گلیڈسٹن اور ڈزریلی سب سے نوخیز تھے۔ اور اگرچہ یہ لوگ انیسویں صدی کے آغاز کے بعد پیدا ہوئے تھے لیکن ان کے دماغ جدید تاثرات سے متاثر تھے اور یہ بہت جلد اپنی درخشاں زندگی شروع کرنے والے تھے۔ ان میں سے اکثر یا کم از کم پیل کوبڈین۔ برائٹ اور گلیڈسٹن وہ لوگ ہیں جن پر کوبیٹ اور اوون کی طرح ان طاقتوں کا گہرا اثر تھا جو معاشرتی اور سیاسی تحرکات کے آفریدہ تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان طاقتوں نے سب سے پہلے انہی لوگوں کی قوت عمل سے سیاسی جامہ پہنا۔ یہاں اس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی تاریخ میں یہ زمانہ انہی اعتبارات سے جدید قرار دیا جاتا ہے اور اس کو یہ بھی امتیاز ہے کہ اس میں کالون، وبسٹر، کلے۔ جان کوینسی ایڈمز اور انڈرو جیکسن جیسے لوگ سیاسی زندگی میں نمودار ہوئے جو اس صدی کی درمیانی نشست پر چھائے ہوئے تھے اور سیاسی زندگی میں ان کا کام اور حیثیت اس سے کم نہیں تھی جو ڈیوک ولنگٹن کو انگلستان میں حاصل تھی۔

معاشی تغیرات کا اس زمانے کی عام زندگی پر جو اثر تھا جو اس قدر زیادہ تھا کہ عصر جدید کے کسی جدوجہد میں نیز رہنمایان سیاست کی جدوجہد میں بھی نہیں پایا جاتا۔ یہ جنگ کا زمانہ بظاہر خوشحالی کا زمانہ تھا۔ اونچے نرخ کے ساتھ خوب بکری ہوتی تھی۔ تجارت اور صنعت و حرفت بہت پھیل گئی تھی اور دولت بہت تیزی سے جمع ہو رہی تھی۔ لیکن یہ خوشحالی کسی قدر بناوٹی تھی اور ان خاص حالات کے ہٹ جانے سے جو جنگ کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے پھر گھٹ گئی اور جو طبقات کہ خوشحال نہیں تھے معاشی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ جنگ ختم ہوتے ہی شورش اور بےچینی شروع ہو گئی اور یہ بےچینی کچھ تو معاشی تھی کیونکہ مزدور طبقات میں حقیقی فاقہ کشی کی نوبت آ پہنچی تھی۔ اور کچھ اس کی وجہ یہ تھی کہ پارلیمنٹ اصلاح یا اشتراکیت کی طرف مزید انقلابی تغیرات کا مطالبہ

تیز ہو گیا۔ یہ پارلیمنٹ اب تک قوم کے اعیانی طبقے کے ہاتھ میں تھی اور یہ بالخصوص زمیندار طبقہ تھا۔ شورش کے خلاف جو تدبیر اختیار کی گئی وہ سخت تشدد آمیز تھی۔ ان غالی عناصر کی طرف سے قولاً و فعلاً کچھ مبالغہ ضرور ہو رہا تھا اور اسی کے باعث حربی قوت کا استعمال بلکہ وہ واقعہ جو خونریزی پیٹرلو کے نام سے موسوم ہے حق بجانب قرار دیا گیا۔ سیاسی غداری کے خلاف جدید قوانین پاس کئے گئے جن سے عام جلسوں اور اسلحہ کے استعمال کا حق محدود کر دیا گیا اور قوانین نافذہ کی سختی اور بڑھا دی گئی۔ احضار ملزم کے شقے کو معطل کیا گیا۔ لیکن یہ بات بہت جلد واضح ہو گئی کہ آخر عشروں کے معاشرتی تغیرات نے مزدوروں کا جدید طبقہ ایسا پیدا کر دیا ہے کہ ان کو آسانی سے زیر نہیں کیا جا سکتا۔ باوجود تمام تشدد آمیز کوششوں کے شورش ہوتی رہی اور دارالعوام میں جلد اس کے موئید بھی پیدا ہو گئے یہ کہا جاتا ہے کہ پارلیمنٹ میں غالیوں کی سب سے پہلی اور بڑی فتح ۱۸۲۴ء کے قوانین اجتماع کی تنسیخ ہے جن کے تحت مزدوروں کے ایسے اجتماعات ناجائز قرار دئے گئے تھے جو اپنی سدھار چاہتے تھے۔

اصلاح کی ابتدا۔ لیکن ۱۸۲۴ء تک اس بات کے آثار نمودار ہو چکے تھے کہ انیسویں صدی کا سب سے پہلا اور بڑا زمانہ اصلاح آ رہا ہے۔ لارڈ لیور پول کی وزارت جب کہ وہ ۲۳-۱۸۲۲ء میں دوبارہ مرتب ہوئی گو ٹوری تھی لیکن اصلاحی وزارت تھی۔ اگرچہ اس کے اصلاحات دستور میں اتنے گہرے نہیں تھے۔ قانون فوجداری کو بدلنے کے لئے مدت سے زور دیا جا رہا تھا۔ انیسویں صدی کے اوائل کے مجموعۂ تعزیرات میں کوئی دو سو کے قریب ایسے جرائم شامل تھے جن کی سزا موت تھی۔ منجملہ ان کے اکثر ایسے تھے جو قرون وسطیٰ کی میراث تھے بیسیوں قسم کی جعلسازی نیز کئی ایک معمولی جرائم مثلاً معمولی قسم کا سرقہ سزائے موت کے مستوجب سمجھے جاتے تھے۔ چونکہ عملاً ایسی سخت سزائیں نہیں دی جاتی تھیں اس لئے جملہ تعزیری اصول کی تبدیلی کی ضرورت تھی۔ ۱۸۲۲ء اور ۱۸۳۰ء کے درمیان یہ رد و بدل ہوئی اور کتب قوانین میں سزائے موت صرف سنگین جرائم کے لئے رکھی گئی۔ ساتھ ہی فوجداری سماعت کا ضابطہ بھی سہل بنایا گیا۔

مالی اصلاحات بھی اختیار کی گئیں جو نہ صرف بذات خود اہم بلکہ اس وجہ سے بھی زیادہ اہم تھیں کہ ان سے اس قسم کی اصلاحات کا طویل سلسلہ قائم ہو گیا۔ یہ قرار پایا کہ بین الاقوامی عہد ناموں کے تحت جب کہ دوسری قومیں اسی قسم کی رعایت کریں صدیوں پرانے قوانین جہازرانی میں ترمیم ہو سکتی ہے۔ اور اس طرح اس نظام کا گویا خاتمہ ہو گیا۔ قانون اجناس کی ترمیم کر دی گئی جو قدیم سے جاری تھا اور جنگ کے اختتام پر اس کو اس وجہ سے تقویت دی گئی تھی کہ ملکی زراعت کی اس سے حفاظت ہوتی تھی اور زراعت کو اس وقت امداد کی ضرورت تھی۔ اس قانون کی معقولیت پر سخت اعتراض ہوئے۔ اس سے زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ عام تامینی طریق پر حملہ ہو گیا۔ اگرچہ آزاد تجارت کو قائم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی لیکن اس مقصد کی طرف پیش قدمی ضروری ہوئی تھی۔ مصنوعات اور بالخصوص پیداوار خام کے کثیر اشیاء پر محصول درآمد و برآمد گھٹا دیئے گئے اور بعض صورتوں میں بہت گھٹا دیئے گئے اور قطعی ممانعت کا اصول بالکل اٹھا دیا گیا۔ برآمد کی امداد اور مزدوروں کے ترک وطن کی ممانعت منسوخ کر دی گئی۔ آزاد تجارت کی بنیاد تو ڈال دی گئی تھی لیکن اس کی منزل ابھی بہت دور تھی۔ تاہم واقعات اور تجربات کا بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا تاکہ وہ آئندہ کے لئے ثبوت کا کام دے۔

کیتھولک آزادی۔ مذہبی رواداری کے سلسلے میں جو تدابیر اختیار کی گئیں وہ نہ صرف عام غور و فکر کے لئے بہت کچھ جاذب توجہ تھیں بلکہ آئندہ ترقی کے لئے نہایت ضروری تھیں۔ سنہ ۱۷۶۰ء سے لیکر سنہ ۱۸۲۰ء تک جارج سوم کے تمام عہد میں کیتھولک منکرین کی اکثر قیود اٹھائی گئی تھیں۔ لیکن ان تمام امور کا تعلق سیاسی حیثیت سے زیادہ مذہبی عقیدے اور مذہبی رسوم سے تھا۔ سترھویں صدی کے قانون "آزمائش" اور قانون بلدیات ابھی نافذ العمل تھے گو عملاً ان سے چشم پوشی کی جاتی تھی اور جو لوگ ان کی خلاف ورزی کرتے تھے ان کو سزا سے بچانے کے لئے سالانہ قوانین برأت پاس کئے جاتے تھے۔ بالآخر یہ سنہ ۱۸۲۸ء میں منسوخ کر دیئے گئے۔ دوسرے سال "قانون آزادی طبقۂ کیتھولک" پاس کیا گیا جو اس سے بھی زیادہ اہم تھا۔ آئرستان سے اتحاد ہونے کی وجہ سے آبادی میں کیتھولک فرقے کا تناسب غیر معمولی طور پر بڑھ گیا تھا

اوران کے لئے قانون بنانا پارلیمنٹ کا فرض تھا اس لئے کہ اس اتحاد سے موجودالوقت قوانین کی ناانصافی شدت سے قابل توجہ ہوگئی تھی۔ دانیال اوکونل کی رہنمائی میں آئرستان کے اندر جو روزافزوں شورش بڑھنے سے ملک خانہ جنگی کے کنارے لگ گیا تھا۔ ۱۸۲۹ء میں ڈیوک آف ویلنگٹن کی ٹوری وزارت نے تغیر کرہی دیا۔ پہلے پہل جارج چہارم نے اسی زور و تشدد کے ساتھ اپنی ناراضی کا اعلان کیا جس طرح اس کے باپ نے کیا تھا لیکن حالات کے زور سے ہار ماننے پر مجبور ہوا۔ یہ آخری موقع تھا جب کہ بادشاہ نے ایک تدبیر کو جس پر کابینہ متفق ہوگئی تھی ٹھکرانے کی دھمکی دی۔ قانون آزادی سے کیتھولک مذہب والے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں اور چند استثناؤں کے ساتھ مقامی اور مرکزی تمام ملکی خدمات میں قبول کر لئے گئے۔ لیکن اس سلسلے میں نسبتہً تھوڑا سا اور کام باقی رہ گیا تھا۔ کیونکہ یہودی ۱۸۵۸ء تک پارلیمنٹ میں داخل نہیں کئے گئے تھے اس کے علاوہ منحرفین بھی ۱۸۷۱ء تک جامعات میں مساویانہ مراتب کے ساتھ قبول نہیں کئے گئے۔

اس اثنا میں اصلاح کے لئے ہر طرف ایک عام مطالبہ شروع ہوگیا جو قطعی دستوری نقطۂ نظر سے بہت اہم اور اس کا عمل میں لانا بہت مشکل تھا اور یہ پارلیمنٹی نیابت کی اصلاح تھی پچھلی دو پشتوں سے اس کی عام طور پر ضرورت محسوس کی جارہی تھی اور ایک نہ ایک حامی کی طرف سے یہ چیز کئی دفعہ پارلیمنٹ میں آچکی تھی۔ اب عوام میں یہ روزافزوں شورش کا محور بن گئی۔ اس پارلیمنٹ میں جس نے کیتھولک آزادی منضبط کی تھی اس پر اس وجہ سے خاطر خواہ غور نہیں کیا گیا کہ بادشاہ کے انتقال کے بعد جدید انتخاب کی ضرورت پیش آگئی تھی۔ جارج سوم کا ۱۸۲۰ء میں انتقال ہوا۔ اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ اس کا عہد حکومت ۱۸۱۰ء پر ختم ہوگیا تھا کیونکہ وہ حکومت کے ناقابل ہوگیا تھا۔ ۱۷۹۰ء کے بعد قوم کو جس سخت کشمکش میں ہو کر گزرنا پڑا تھا اس دوران میں بادشاہ اپنی قوم کے ساتھ جذبات و مقاصد میں اس قدر ہمدل و ہمزبان ہوگیا تھا اور قومی بہبودی کا اس قدر دلدادہ ہوگیا تھا کہ اس کی بدولت اس کو ایسی ہر دلعزیزی حاصل ہوگئی جو اس کے پہلے کسی انگریز بادشاہ کو حاصل نہ تھی۔ اس کے بیٹے جارج چہارم کو کبھی ایسی ذاتی یا سیاسی عزت نہیں ملی تھی۔ اپنے باپ کے

برعکس اس کے اخلاق و عادات خراب تھے اور وہ حکومت کے معاملات میں غفلت کرتا اور بہت کم دلچسپی لیتا تھا' اس لئے اُس کی عزت اپنے تمام پیشروؤں سے کم ہی ہوتی تھی اس کے بعد اُس کا بھائی ولیم چہارم اس کا جانشین ہوا۔ اگرچہ یہ بھی سیاسی اُمور سے ناواقف تھا لیکن اس نے وھگ اصول برقرار رکھے۔ وہ ان فرائض کے متعلق جو ایک بادشاہ پر لاحق ہوتے بہت باخبر تھا اور جو قیود اس کی دستوری حیثیت کے ساتھ وابستہ تھے پوری صداقت کے ساتھ ان کی پابندی کرتا تھا۔
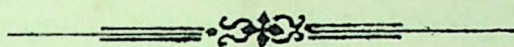
Bibliographical Note.—P. A. Brown, *The French Revolution in English History*, 1918. P. Mantoux, *La Revolution Industrielle au XVIII• Siecle*, 1905. E. Porritt, *The Unreformed House of Commons*, 2 vols., 1903. Lord Rosebery, *Pitt*, 1891. A. Toynbee, *Lectures, on the Industrial Revolution*, 1913. G. M. Trevelyan, *Lord Grey of the Reform Bill*, 1920. Sir G. O. Trevelyan, *George III and Charles Fox*, 1914. G. S. Veitch, *The Genesis of Parliamentary Reform*, 1913. G. Wallas, *Life of Francis Place*, 1898.

باب ۱۸

عہد اصلاحات

اٹھارھویں صدی کے قبیح طریق عمل کی وجہ سے پارلیمنٹی نیابت کی اصلاح کی ضرورت اہل غور و فکر کے لئے نہایت درجہ جاذب توجہ تھی۔ ایک دفعہ ۱۷۶۶ء میں اور پھر ۱۷۷۰ء میں لارڈ چیتھم نے موجود الوقت نظام کی سخت ملامت کی تھی ۱۷۷۶ء میں ولکس نے ایک مسودہ پیش کیا تھا جس میں وسیع تغیرات کی تجویز تھی لیکن ایوان کی کوئی جماعت بھی اس کے لئے راضی نہیں ہوئی۔ ۱۷۸۰ء میں ڈیوک آف رچمنڈ کے مسودہ کا بھی یہی حشر ہوا۔ اس مسودے میں جن تغیرات کی تجویز تھی پٹ اصغر نے ۱۷۸۲ء اور ۱۷۸۳ء میں اصلاح کی لاحاصل تحریکیں کیں اور جب وہ وزیر اعظم ہوا تو ۱۷۸۵ء میں ایک مسودہ پیش کرنا چاہا جس میں معتد بہ اصلاح کی تجویز تھی لیکن اس کو پیش کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ اس زمانے کے تقاضائے انصاف کے مطابق پٹ کی تجویز یہ تھی کہ سلطنت کے صرفے سے تقریباً ۴۰ بلدیات میں خانگی مالکوں اور بلدی تنخصیتوں کے حقوق خرید لینے چاہئیں اور ان کی نیابت لندن اور اس کے اضلاع میں کی جانی چاہیئے۔ یہ پٹ کی آخری کوشش تھی۔ دوسروں نے اس سے زیادہ کوششیں کیں جو مایوس کن ثابت ہوئیں۔ فلڈ نے ۱۷۹۰ء میں اور گرے نے جو بعد کو

ارل گرے ہو گیا اور جس کا نام مدت تک اصلاح کے ساتھ وابستہ تھا ایک دفعہ ۱۷۹۲ء میں اور پھر ۱۷۹۳ء اور ۱۷۹۷ء میں اس کی کوشش کی تھی۔ یہ بالکل قدرتی بات تھی کہ انقلاب فرانس جس کے واقعات بہت سوں کو بے پناہ معلوم ہوتے تھے اور یہ زیادتیاں اس کے جمہوری میلان کا لازمی نتیجہ تھا اس تدبیر کے ردعمل کا باعث ہوا جس میں اسی قسم کے میلانات پائے جاتے تھے۔ جن مدبروں نے اس دور جنگ و جدل میں تربیت پائی تھی ان کے دلوں سے اصلاح اور اس کے نتائج کا خوف دور کرنا آسان نہ تھا۔ اس کے لئے کئی سال کی ضرورت تھی۔ یہ تحریک ۱۸۰۹ء، ۱۸۱۰ء، ۱۸۱۸ء اور ۱۸۱۹ء میں پیش کی گئی لیکن کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔ جان رسل نے جس کو ۱۸۳۲ء کے مسودۂ اصلاح سے بہت کچھ تعلق ہے اس کے لئے ۱۸۲۰ء میں اپنی پہلی تحریک کی اور پھر اس کو ۱۸۲۲ء ۱۸۲۳ء ۱۸۲۶ء ۱۸۲۸ء اور ۱۸۳۰ء میں بار بار پیش کیا۔ اس اثنا میں دوسروں نے بھی کوشش کی اور یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کوشش کے پیچھے رائے عامہ کا ایک بڑا مواد جمع ہو رہا ہے۔

غیر مساوی نیابت۔ صنعتی انقلاب کے نتائج نے جو عمومی روح پھونک دی تھی تو اس سے عوام کی تائید بہت بڑھ گئی اور اس طرح اصلاحی تجویز بہت امید افزا ہو گئی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ پرانے طریق کے خلاف ایک مدت سے کافی مواد جمع ہو چکا تھا۔ پندرھویں صدی سے قوانین انتخاب میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تھی۔ ابھی تک صوبوں کے اراکین زمینداروں کی رائے سے منتخب ہوتے تھے جن کی سالانہ مالیت چالیس شلنگ ہوتی تھی اور بلدیات کے انتخاب کے لئے رائے دہندوں کی ایک خود ساختہ فہرست تھی جو مدت دراز سے مقررہ تصور کی جاتی تھی یعنی ان میں حق رائے وہی معین تھا اور یہ شروع ہی سے خود بلدیات کا طے کیا ہوا تھا۔ آبادی اور نیابت کے تناسب میں کوئی مساوات نہیں تھی یہ عدم مساوات صوبوں میں کچھ کم تھی تو بلدیات میں بہت تھی۔ ٹوری مصلحین نے موجودہ مفہوم کے مطابق اس کا انتظام کرنا چاہا تھا لیکن ان کی تدابیر جاری نہیں رہیں اور صنعتی انقلاب کے بعد آبادی جو کایا پلٹ ہوئی تو خاص طور پر بلدیات میں یہ ناہمواریاں بہت بڑھ گئیں۔ بڑے بڑے قصبات ایسے نئے پیدا ہو گئے جنھیں مطلق نیابت حاصل نہ تھی۔

پرانے بلدیات سے آبادی بہت گھٹ گئی تھی اولڈ سیرم جہاں سرے سے کوئی منتخب کنندہ ہی نہیں تھا گالٹن جہاں صرف سات منتخب کنندگان تھے اور ٹیوسٹاک جہاں دس تھے ہر ایک دو دو اراکین بھیجتا تھا۔ برخلاف اس کے مانچسٹر اور برمنگھم کا کوئی نمائندہ منتخب نہیں ہوتا تھا۔ چھیالیس مقامات کی طرف سے جہاں ہر جگہ چالیس سے بھی کم منتخب کنندگان تھے ۹۰ اراکین بھیجے جاتے تھے۔ اس سے زیادہ بدتر صورت یہ تھی کہ آبادی کے گھٹاؤ اور ساتھ حق رائے دہی کی تحدید کے ساتھ ساتھ اکثر بلدیات جو دارالعوام میں اپنے اراکین بھیجتے تھے بڑے بڑے ہمسایہ زمینداروں کے ہاتھ میں آگئے اور یہ زمیندار یا تو ملکیت اراضی کے زور سے انتخاب پر اثر ڈالتے تھے جن کو جیبی بلدیات کہنا چاہیئے یا حسب ضرورت رائے دہندوں کو خرید لیتے تھے اور ان کو ویران بلدیات کہنا چاہیئے۔ ڈیوک نیوکاسل دارالعوام کے گیارہ اراکین لارڈ لانسڈیل نو، لارڈ فٹز ولیم آٹھ اراکین نامزد کرتے تھے۔ چند امرا ایسے تھے جو باہم اپنی طرف سے پینتالیس اراکین بھیجتے تھے۔ اس طریقے سے ایوان کی تقریباً نصف رکنیت عام حلقۂ انتخاب کی نیابت کرنے کی جگہ خانگی اغراض کی نیابت کرتی تھی۔

اوائل نومبر ۱۸۳۰ء میں جب کہ اس سال کا پارلیمنٹی انتخاب ختم ہو چکا تھا اسی ارل گرے نے جو اٹھارھویں صدی کی کوششوں کا رہنما رہ چکا تھا دارالامرا کی بحث میں یہ امید ظاہر کی تھی کہ اب یہ اصلاح عرصے تک ملتوی نہیں رہ سکتی۔ وزیر اعظم ڈیوک ولنگٹن نے جواب میں موجود الوقت حالات کی بے معنی مبالغہ آمیز تعریف کی اور منجملہ اور چیزوں کے یہ کہا کہ اگر مجھے کسی ملک کے لئے قانون ساز ادارات بنانے کے لئے کہا جائے تو میں نہ صرف وہاں کے بلکہ انگلستان کے موجودہ ادارات بھی نہیں بنا سکتا" کیونکہ انسان کی فطرت اس قابل نہیں ہے کہ وہ اس کمال تک یکدم پہنچ سکے۔" یہ الفاظ ایک شرارہ ثابت ہوئے اور جس سے چلتی گاڑی کو زور سے دھکا دیا اور یہ ظاہر ہو گیا کہ لوگوں کے قلوب کس قدر ایک قطعی تغیر کے لئے آمادہ ہیں نومبر کی پندرہ تاریخ کو ایک مالی مسئلے پر ولنگٹن کی وزارت کو دارالعوام میں شکست ہو گئی اور وزارت نے استعفا دے دیا۔ بادشاہ نے ارل گرے کو طلب کیا

جس نے جدید وزارت ترتیب دی اور نئے انتخاب کا سوال اٹھائے بغیر اسی اجلاس سے کام چلاتا رہا۔ دار العوام میں برائے نام ٹوری اکثریت تو تھی لیکن رائے عامہ نے علانیہ واضح کر دیا تھا کہ وہ اصلاح کی خواہاں ہے اور اس طرح بغیر انتخاب عامہ کے اصلاح کی تائید کے لئے آسانی سے ایک بڑی اکثریت حاصل ہو سکتی تھی۔

۱۸۳۱ء کا انتخاب۔ اس مسودے کو مارچ کی پہلی تاریخ جان رسل نے پیش کیا جو اس تجویز کا علمبردار تھا اور آج بیس سال سے دار العوام میں تقریروں اور تحریکوں کے ذریعے سے اس تجویز کو آگے بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ مسودہ پہلی اور دوسری خواندگیوں میں پاس تو ہو گیا لیکن دوسری خواندگی میں اس کی تائید پر چھ سو سے زیادہ رایوں میں صرف ایک کی اکثریت تھی۔ پارلیمنٹی عملدرآمد کے مطابق دوسری خواندگی میں چھوٹی اکثریت شکست کے مماثل سمجھی جاتی تھی۔ دوسری خواندگی کے پاس ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ایوان اس مسودے کے اصول کو مان لیتا ہے لیکن اس کے فروعات کا تصفیہ باقی رہ جاتا ہے جو تمام ایوان کی کمیٹی میں طے ہونا چاہیئے اور تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ اکثر اراکین عام اصول کو تو مانے لیتے ہیں لیکن اس کے عام فروعات کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے۔ اس وقت یہی صورت ہوئی اور انیس اپریل کو اس مسودے کی ترمیم پر کابینہ کو آٹھ اراکین کی اکثریت سے شکست ہو گئی۔ پھر وزارت نے ملک کے سامنے مسئلہ پیش کیا پارلیمنٹ برخاست ہو گئی اور جدید انتخاب کا انتظام ہوا۔ اور یہ اصلاح انتخاب کی آواز کے ساتھ عمل میں آئی جو اس مہم کا خاص مسئلہ تھا۔ اس انتخاب میں غیر معمولی جوش و خروش کا اظہار کیا گیا اور اصلاح کے علمبرداروں نے بڑے عزم و استقلال کا ثبوت دیا۔ بعض جیبی بلدیات سے خود ان کے مالکوں کے خلاف ارکان منتخب ہو گئے اور اس طریقے سے حکومت کے لئے ایک اکثریت حاصل کی گئی جو اس زمانے کا لحاظ کرتے واقع میں بڑی اکثریت تھی۔ اور یہ کام اس قدر جلد ہوا کہ ۲۴ جون کو لارڈ جان رسل نے تقریباً اسی مسودے کو پھر پیش کیا آٹھ جولائی کو اس کی دوسری خواندگی ۱۳۶ کی اکثریت سے پاس ہو گئی اور ۲۱ ستمبر کو یہ مسودہ ۱۰۹ کی کثرت سے بالکلیہ پاس ہو گیا۔ دار الامرا کا اس تجویز کی مخالفت کرنا ایک قدرتی بات تھی کیونکہ یہ تجویز اعیانیت کے سیاسی اثر کو ملیامیٹ کرنے والی تھی لیکن اصلاح پسندوں نے شاندار مقابلہ کیا۔

اور جو مباحثہ ہوا وہ دارالامرا کی تاریخ میں ایک نہایت ہی فاضلانہ مباحثہ تھا۔ الغرض یہ مسودہ ، ۴۱ رایوں میں اہم کی اکثریت سے مسترد ہو گیا۔ دارالامرا میں حکومت کی کسی تجویز کے شکست کھانے سے وزارت کا مستعفی ہونا لازم نہیں آتا۔ چنانچہ قرار داد اعتماد سے اپنے ہاتھ پیر مضبوط کر کے جو دارالعوام میں فوراً منظور ہوا کابینہ نے یہ فیصلہ کیا کہ پارلیمنٹ کو اس قصد سے ملتوی کر دینا چاہئے کہ شاید دوسرے اجلاس میں اس مسودے کو دوبارہ پیش کرنے کی اجازت مل جائے۔

ان دو اجلاسوں کے درمیان جو وقفہ گذرا اس میں عوام کا جوش و خروش اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا کسی مسئلے کے متعلق پارلیمنٹ سے پہلے ایسا جوش کبھی ظاہر نہیں ہوا۔ اور اس کے بعد بھی شاید ہی اس کی کوئی مثال ملے۔ انگلستان اور امریکہ کی سیاست میں مقننہ پر رائے عامہ کا زور ڈالنے کی جو تدابیر پائی جاتی ہیں وہ سب استعمال کی گئیں مثلاً عظیم الشان جلسے، پر جوش تقریریں، جلوس، عرضداشتیں، اخبار و رسائل کے مضامین۔ بعض مقامات پر اس مسودے کے انتہائی حامیوں کی طرف سے بلوے بھی ہوئے جن سے ان لوگوں کو زیادہ نتائج کی توقع تھی۔ دوسرے اجلاس میں دارالامرا کو صاف معلوم ہو گیا تھا کہ اکثریت قوم کا جذبہ کیا ہے۔

۱۲ دسمبر کو ایک جدید مسودہ پیش کیا گیا۔ پچھلی تقریروں سے تجربہ حاصل کر کے اس میں بہت کچھ اصلاح کر دی گئی تھی۔ اس پر پھر خاطر خواہ بحث ہوئی۔ ۲۳ مارچ کو یہ منظور ہوا اور دارالامرا میں بھیجا گیا۔ ہر شخص جانتا تھا کہ اب واقعی لڑائی ہوگی اور امرا پر غیر معمولی دباؤ پڑ رہا تھا۔ یہ عام طور پر معلوم تھا کہ اگر اس مسودے کی خیر صرف اس بات میں ہے کہ جدید ڈھنگ امرا بنائے جائیں تو گو بادل ناخواستہ یا صحیح طور پر شاہ ولیم چہارم اتنے جدید امرا بنانے کے لئے راضی ہے کہ یہ مسودہ دارالامرا میں بھی پاس ہو جائے۔ دوسری طرف یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ فرانسیسی انقلابیوں کے بیجا رویہ سے جو ردعمل پیدا ہو گیا تھا اس سے ملک کا مزاج ابھی مائل بہ اصلاح نہیں ہوا تھا۔ ان کی زیادتیاں ابھی دلوں میں تازہ تھیں اور ابھی صرف دو سال ہی پہلے براعظم میں دوسرے انقلاب پھوٹ پڑے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ یہ تدبیر خود حکومت کی بنیادوں کو جو صدیوں سے قائم تھیں ہلا دے گی۔ یہ ایسا خیال تھا کہ اس کو مٹانے

کے لئے مسودۂ اصلاح کے انتہائی حامیوں نے کچھ نہیں کیا۔ استحفاظی امرا کا غیر معلوم چیز کا تجربہ کرنے سے ہچکچانا ایک قدرتی بات تھی اور اپنی تائید میں ان کے ہاں کچھ نہ کچھ دلائل ضرور تھے۔

امراء پر جبر۔ مگر عوام کا دباؤ اور حکومت کی تدابیر جن کا علم ہو چکا تھا ایوان کے اکثر اراکین کے حق میں جو اپنی رائے میں متزلزل تھے یا اس غور و فکر میں تھے کہ اب امرا کے لئے کونسا راستہ مناسب ہے۔ حد سے زیادہ ہوگئیں جس وقت دوسری خواندگی پر رائے لی گئی تو یہ ثابت ہوگیا کہ سترہ امراء اپنی رائے بدل کر اتفاق کے لئے آمادہ ہوگئے ہیں اور بعض جن میں ولنگٹن بھی شامل تھا غیر حاضر رہے اور ان لوگوں کو ملا کر جو ۱۸۳۱ء کی رائے شماری کے وقت غیر حاضر تھے کئی اصلاحوں کے موافق نظر آئے تھے۔ دوسری خواندگی نو کی اکثریت سے پاس ہوئی۔ مگر ابھی اس تجویز کی قسمت غیر منفصل تھی کیونکہ ابھی اس کو تمام ایوان کی کمیٹی میں ترمیم اور مخالف رایوں کا سامنا کرنا تھا اور واقعہ یہ ہے کہ وزارت کی مخالفت میں ۴۱ ہٹی کو اس کمیٹی نے اپنی مہر کردی۔

اب یہ بدیہی بات تھی کہ یا تو دارالامراء میں اکثریت حاصل کرنے کے لئے وہگ امراء بڑھائے جائیں یا مسودے کو خیرباد کہا جائے اور کابینہ نے بادشاہ سے درخواست کی کہ جدید امراء بنانے کا جو وعدہ ہے وہ پورا کرے ورنہ بصورت دیگر ہمارا استعفاء حاضر ہے۔ اس وقت یہ منکشف ہوا کہ بادشاہ نے دارالامراء کی رکنیت میں اتنے بڑے اضافے کا وعدہ نہیں کیا تھا جس قدر وزراء ضروری سمجھتے تھے۔ اس کی طبیعت بھی قدامت پسندانہ تھی اور اصلاح سے کسی قدر خائف بھی تھا۔ اگرچہ مجموعی طور پر اپنی دستوری حیثیت کے مطابق وہ وزارت کا وفادار تھا۔ جب یہ ضرورت بالکل سامنے آگئی کہ مسودے کو پاس کرنے کے لئے دارالامراء میں اکثریت کو پیدا کرنا چاہیئے وہ اپنے کو اس چیز کے لئے آمادہ نہیں کر سکا بلکہ اس کی جگہ کابینہ کا استعفاء منظور کر لیا۔

اب عملی سوال یہ اٹھا کہ آیا ٹوری فریق بادشاہ کے اس فعل کی تائید میں اپنی کابینہ بنا سکے گا اور یہ کابینہ ملک کے تمام کاروبار چلا سکے گی اور انتخابی اصلاح

کے چند تدابیر کا بار بھی اپنے سر لے سکے گی جن کا اختیار کرنا اب لازم ہو گیا تھا۔ ڈیوک
ویلنگٹن نے وزارت کو ترتیب دینے کی کوشش کی لیکن سر رابرٹ پیل نے جس کا
وجود ناگزیر تھا اور بعض دوسروں نے بھی وزارت میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔
دار العوام نے لارڈ گرے کی کابینہ کے لئے غالب اکثریت سے قرارداد اعتماد پاس
کر دی۔ جب عوام نے پھر جوش و خروش شروع کیا تو اس سے خطرہ محسوس ہونے
لگا۔ چند روز کی محنت شاقہ کے بعد ویلنگٹن نے بادشاہ کو مطلع کر دیا کہ اس کا قابو
نہیں چل سکتا اور یہ صلاح دی کہ ارل گرے کو واپس بلایا جائے۔ ولیم کو سر تسلیم
خم کرنا پڑا اگرچہ اس تسلیم کے معنی یہ تھے کہ کابینہ کے مطالبات سے اتفاق کیا جائے۔
اس نے ان لوگوں کو یہ ترغیب دی کہ اس مسودے میں بعض اہم ترمیمیں کریں لیکن یہ کوشش
بیکار ثابت ہوئی۔ بالآخر اس نے ان لوگوں کو اپنا تحریری وعدہ دیا کہ جتنی ضرورت
ہو گی میں اتنے جدید امراء بناؤں گا۔ پھر اس نے خود اپنے طور پر ایک اور قدم آگے
رکھا یعنی اپنے معتمد منشی کے ذریعے ڈیوک ویلنگٹن اور دوسروں کو یہ صلاح دی کہ اگر
یہ لوگ رائے شماری کے وقت ایوان سے غائب ہو جائیں تو تمام مشکلات رفع
ہو جاتی ہیں۔ بادشاہ کے اس فعل کے مطابق اس وقت تک یہ شبہ ہے کہ یہ کہاں تک
دستوری تھا۔ گو اس وقت اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا لیکن بادشاہ آج ایسا کرے
تو اعتراض ہو سکتا ہے۔ بہر حال بہت سوں نے اس کا پہلے ہی سے ارادہ کر لیا تھا
اور مسودہ کثیر تائید کے ساتھ منظور ہو گیا۔

ان واقعات کو اس قدر طوالت کے ساتھ بیان کرنا بے موقع نہیں تھا کیونکہ
یہی ذریعہ ہے جس کی بدولت نظام کابینہ کے تمام عملی پہلو کہ وہ ذمہ دار وزارت
کے ہاتھ میں کس طرح کام کرتا ہے آنکھوں کے سامنے آ جاتے تھے اور یہی دستور انگلستان
کی شاندار پیداوار ہے جس کا ارتقا ہم دیکھتے آ رہے ہیں۔ ۱۸۳۲ء سے لیکر موجودہ زمانہ کی
تک وہ دونک جو جنگ عالم کی آفریدہ ہے اس نظام کا چلن وہی رہا گو بعض خفیف
تبدیلیاں ہوئی تھیں جو بعد کو دیکھی جائیں گی۔ جن مدارج سے مسودۂ اصلاح پاس ہوا
ان میں حکومت کے جن تین عاملوں نے کام کیا تھا ان کے تعلقات واضح کئے
جا چکے ہیں اور چوتھا عامل پس پردہ تھا۔ امراء اور کابینہ اپنے عملی مباحثے میں

اس طرح ظاہر کردئے گئے کہ یہ کیونکر باہمی مل جلکر کام کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ نہیں کہ نظم و نسق کے معمولی اجزا میں کس طرح کام کرتے ہیں بلکہ دارالعوام میں ان سب کی کس طرح جڑ گڑی ہوئی ہے اور کس طرح یہ تدبیر مملکت کا تعین کرتے ہیں۔

بادشاہ کا عمل۔ بادشاہ کو نمائشی اور معاشری فرائض ادا کرنے پڑتے ہیں پرانے معاشرے میں ان کی بہت بڑی اہمیت تھی اور اب اگرچہ یہ معاشرہ بیاسی اعتبار سے عمومی بن گیا ہے لیکن معاشری انداز میں اب تک اعیانی ہے لیکن تدبیر مملکت کی کسی تجویز کے متعلق بادشاہ کی جو حیثیت پائی جاتی ہے وہ مسودۂ اصلاح کے پاس ہونے سے صاف معلوم ہوتی ہے کہ اس سے ولیم چہارم کا کہاں تک تعلق تھا۔ وہ اس مسئلے کے چند فروعات کا سخت مخالف تھا اور ان کو بدلنے کے لئے اس نے کابینہ کو بارہا ترغیب دی لیکن اس میں کامیاب نہ ہوا۔ بادشاہ اس امر پر کبھی اصرار نہیں کرسکتا کہ وزارت کسی مسئلے کے فروعات کو اس طرح بدل دے کہ وہ بادشاہ کے نقطۂ خیال کے تقریباً مطابق ہو جائیں۔ بادشاہ اپنے خیالات کابینہ میں کسی رکن کی وساطت سے زبانی یا تحریری پیش کرسکتا ہے اور ان کے منظور کرنے پر زور دے سکتا ہے اور بادشاہ کے ان خیالات پر ہمیشہ تعظیم و تفصیل کے ساتھ غور کیا جاتا ہے۔ رسمی الفاظ کی ترمیم کے متعلق بادشاہ کی صلاح قبول کی جاسکتی ہے اور اس سے بالواسطہ اہم معاملات پر اثر بھی پڑ سکتا ہے۔ اس کی مثال حکومت لارڈ پامیرسٹن کی مشہور تجویز ہے جو امریکی خانہ جنگی کے معاملہ "ٹرنٹ" کی بابت واشنگٹن میں لکھی گئی تھی۔ اس میں ملکۂ وکٹوریہ کی رائے کی بنا پر ترمیم کردی گئی۔ ضروری فروعات میں بھی بادشاہ کی صلاح اکثر منظور کی جاتی ہے۔ لیکن اگر کابینہ اس کے خلاف فیصلہ کردے تو بادشاہ کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

ولیم چہارم کے عہد میں جب وزارت نے بادشاہ سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ دارالامرا کی اکثریت بدل دے اور بادشاہ اس کا سخت مخالف تھا تو اس وقت بادشاہ کا یہ حق سمجھا گیا کہ وہ ان کا استعفا منظور کرلے اور ایسی حکومت بنانے کی کوشش کرے جس کی وجہ سے اس طرز عمل کی ضرورت نہ ہو۔ لیکن وہ رہنما جو بادشاہ کے ہمخیال تھے اور جن سے جدید کابینہ بننے والی تھی اس نتیجے پر پہنچے کہ کوئی دوسری

کابینہ جو ملک کا کاروبار چلا سکے نہیں بن سکتی تو پھر بادشاہ کو اس کوشش سے ہاتھ اٹھانا پڑا۔ دستور انگلستان کا کوئی طالبعلم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ آج بھی یہ حق بادشاہ کو حاصل ہے لیکن بادشاہ ۱۸۳۲ء سے ملک کی عملی حکومت سے عملاً و عادۃً کچھ اس طرح کنارہ کش ہوتا گیا کہ پھر اس تجربے کو دہرانا پادشاہ کے لئے خلاف قیاس و مشتبہ معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ یہ کوشش اکثر اہم مسائل کے لئے ہوگی جن میں قوم غایت درجہ دلچسپی لیتی ہو اس لئے ظاہر ہے کہ یہ کوشش شروع سے حوصلہ شکن ہوگی اور عوام کا جوش و خروش اس قدر بڑھا ہوا ہوگا کہ بادشاہ کو کابینہ کے خلاف توجہ دلانے کے بجائے ہمیشہ سر تسلیم خم کرنا مناسب ہوگا۔

یہ قطعیت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ولیم کا طرز عمل کہ اس نے آئن سودۂ اصلاح کے متعلق اپنے نقطۂ خیال کی تشہیر کر دی زمانۂ حال کے بادشاہ کے لئے ناموزوں سمجھا جائے گا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ولیم کا دارالامرا کے مخالف اراکین کے نام مراسلہ بھیجنا اور اسی طرح جارج سوم کا ۱۷۸۳ء کے فاکس والے مسودۂ ہند کی مخالفت کرنا گو ایک معلوم ہوتا ہے لیکن دونوں میں بیحد فرق ہے۔ اول الذکر فعل تو اس وجہ سے تھا کہ ملک حکومت کی تائید ہو لیکن جارج اپنے طرزِ عمل کے ذریعے سے کابینہ کو شکست دینا چاہتا تھا۔ نظریے میں بادشاہ کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کی رائے وزراء کی رائے کے خلاف نہیں ہوتی اور اگر کوئی انگریز مقرر اپنے استدلال کی تائید میں بادشاہ کی رائے پیش کرے تو یہ عام رواج کی سخت خلاف ورزی سمجھی جائے گی۔ یہ اصول ایڈورڈ ہفتم کے ایک خط سے جو شائع ہو چکا ہے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ جب ان سے بذریعۂ تحریر پوچھا گیا کہ یہ افواہ کہاں تک صحیح ہے کہ آپ مسلک آزاد تجارت میں کوئی تبدیلی نہیں چاہتے۔ تو انھوں نے جواب دیا تھا کہ "بادشاہ سیاسی معاملات میں سوائے اپنے ذمہ دار وزراء کے مشورے کے اپنی رائے ظاہر نہیں کرتا۔ اس طرح یہ افواہ غلط ہونی چاہئے"۔

اگر بادشاہ کوئی سیاسی کام کر سکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ پوری وفاشعاری کے ساتھ اپنی کابینہ کی ان طریقوں سے تائید کرے جو اس کے لئے ممکن ہوں اور یہ طریقے بہت نہیں ہیں۔ آج سے پچاس سال پہلے بیجہٹ نے جو تین حقوق تاج سے

منسوب کیے تھے یعنے "حق شوری دہی۔ حق حوصلہ افزائی۔ حق انتباہ" وہ سب ملکر اس سے زیادہ نہیں بنتے۔ اگرچہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان اختیارات سے واقعی حکومت پر کچھ نہ کچھ اثر پڑتا ہے۔ ایڈورڈ ہفتم کے عہد میں اس موضوع پر کافی بحث ہو چکی ہے کہ خارجی تعلقات میں بادشاہ کی کیا حیثیت ہے اور وہ اس میدان میں کیا کر سکتا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ وہ اکثر ایک اچھے کارآمد سفیر کی خدمات انجام دے سکتا ہے کیونکہ خارجی درباروں کے اندرونی حلقوں تک بھی اس کی رسائی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ گلیڈسٹن نے کہا ہے کہ "دربار کے شاہی خاندانوں کے ساتھ صرف ذاتی اور گھریلو تعلقات کی بدولت نازک مواقع پر صاف صاف گفت و شنید کے موقع ملتے ہیں اور گفت و شنید بھی ایسی جو نہایت شریفانہ اور پُر اثر ہو جس کی رسمی مراسلت اور حکومتوں کے تعلقات میں جرات نہیں ہو سکتی" پھر یہ بھی یقینی ہے کہ خارجی سفارت میں بادشاہ اس وقت تک حصہ نہیں لے سکتا جب تک پہلے سے اس کا فیصلہ نہ ہو جائے اور وہ مسلک حکومت کے موافق نہ ہو۔

عملی انصرام حکومت میں آئینی حکمراں کو اصلی حکمراں کے ساتھ بالکلیہ ہمنوا کرنے کے لیے جو آخری کام ضروری تھا اس کو ملکۂ وکٹوریہ نے اپنے طویل عہد حکومت میں انجام دے دیا۔ ملکہ کے خطوط سے (جو شائع ہو چکے ہیں) ظاہر ہوتا ہے کہ کن کن طریقوں سے اور کس قدر ہموار روانہ ادراک کے ساتھ یہ کام انجام دیا گیا۔ اور اس بات کا فیصلہ کہ انگلستان کی آئندہ تاریخ میں ملکۂ وکٹوریہ کا کیا درجہ ہے اس کے اور کارناموں کے اعتبار سے نہ ہوگا بلکہ اسی اعتبار سے ہوگا کہ اس نے اس ترقی میں کتنی مدد دی۔ اس وقت برطانوی حکمراں دستور کے ساتھ اس قدر ہمنوا ہے کہ اب یہ مسئلہ کہ حکومت برائے نام شاہی رہے یا عمومی شکل اختیار کرے سیاسی اعتبار کا محتاج نہیں ہے۔ اگر اس پر غور ہوگا بھی تو بجائے سیاسی اعتبار کے کسی اور وجہ سے ہوگا۔

دارالامرا کا کام۔ شاہی حیثیت میں جتنے تغیرات ہوئے ہیں ان سے کہیں زیادہ قطعی اور ڈرامائی تغیرات اُن تعلقات میں ہوئے ہیں جو دارالامرا کو دیگر عوامل حکومت کے ساتھ ہیں۔ اور جس طرح مسودۂ اصلاح کی کشمکش سے ظاہر ہوا جتنے تغیرات ہوئے وہ سب فی نفسہ اس ایوان کی حیثیت سے متعلق ہیں۔

اس کشمکش نے صاف واضح کر دیا کہ امرا احتیاط کے ساتھ مشیت عامہ کی ایک حد تک مخالفت کر سکتے ہیں مگر اس حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ مسودے کا پہلا استرداد کھلے بندوں ان کا دستوری حق تھا اور اس دریافت کے ساتھ کہ "کیا یہ تمہاری دیدہ و دانستہ خواہش ہے" عوام سے درخواست کے مماثل تھا۔ لیکن اس کے بعد جب کہ عام انتخاب ہو گیا اور اس انتخاب نے اس مخصوص مسئلے کے متعلق مشیت عامہ ایسی ظاہر کر دی کہ اس میں کوئی غلط فہمی باقی نہ تھی یا کسی اور طریقے سے یہ مشیت ظاہر ہو گئی تھی تو دوبارہ مسترد کرنا صحیح نہیں ہو سکتا تھا۔ قومی عزم کے مسلسل مظاہرے کے بعد تیسری دفعہ مسترد کرنا ان کی تاریخی حیثیت کے لئے ضرور مہلک تھا۔ اس کا کیا نتیجہ ہوا۔ ایک طرف جدید امرا بنا کر ایوان پر جبر کرنے کا عزم بالجزم، دوسری طرف بادشاہ کی پہلو تہی اور اس کی سعی لاحاصل اور بالآخر اس مسودے کی منظوری کیونکہ سوائے اس کے کوئی اور بچاؤ کی صورت نہیں تھی۔ اس سے یہ حقیقت ظاہر ہو گئی کہ انصرام حکومت میں اقتدار عوام کو منعکس کرنے کی پرانی کوششیں بالآخر کامیاب ہو گئیں اور اعیانیت اور بادشاہ دونوں مغلوب ہو گئے۔

تاہم اس واقعے کا ادراک بہت آہستہ آہستہ ہوا۔ چند سال کے بعد جب قانون اجناس کی تنسیخ کا سوال پیدا ہوا اور تامینی قانون سازی سے زمیندار طبقے کا فائدہ متصور تھا تو دارالامرا کو پھر اس اصلاح کی مزاحمت کا شوق ہوا۔ یہ صرف ڈیوک ویلنگٹن کا غیر معمولی اثر تھا کہ اس وقت مسودۂ اصلاح کے تجربات کی تکرار ہونے نہیں پائی کیونکہ اس نے ایوان پر یہ واضح کر دیا کہ دستور میں دارالامرا کیسا بے دست و پا ہو کر رہ گیا ہے۔ چنانچہ اس زمانے سے لیکر تقریباً اس صدی کے آخر تک یہ عادۃً کیا جاتا رہا کہ دارالامرا تیز رفتار ریلوں پر بریک کا کام دیتا ہے اور اس کا کام یہ اطمینان حاصل کرنا ہے کہ ملک کی پختہ رائے کسی خاص اصلاح کی طالب ہے یا نہیں لیکن عہد وکٹوریہ کے اختتام سے پہلے یہ عام شکایت پیدا ہو گئی تھی کہ یہ بریک صرف لبرل وزارت کے مسائل پر لگایا جاتا ہے اور ان مسائل پر نہیں لگایا جاتا جو مستحفظ کابینہ کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان سنین میں قدامت پسندوں کے بہ نسبت لبرل زیادہ تعداد میں درجۂ امارت پر پہنچے لیکن امراء کے ماحول میں ایک خاندانی

لبرل رکھنا غایت درجہ مشکل معلوم ہوتا تھا۔ چند سال پہلے ارل روزبری نے اپنی ایک تقریر میں یہ ظاہر کیا تھا کہ دارالامراء کے متعلق بہ حیثیت احراری رکن کے میرا تجربہ یہ ہے کہ جب سے "مسودۂ سوراج آئرستان" کے سبب فریق میں افتراق ہو گیا ہے میں کسی اعتماد کے ساتھ چھ سو سے زیادہ اراکین میں سے تیس سے زیادہ رائیں ایسی نہیں شمار کر سکا جن کا مسلک لبرل ہو۔

اس صورت حال کے پیدا ہونے کا اور اس خطرے کا احساس کہ کسی اہم مسئلے کو بالکلیہ مسترد کر دینا عوام کے جوش و خروش کا باعث ہوتا ہے روز بروز بڑھ رہا تھا اور اصلاح محافل کے حالیہ مسائل کے اختیار کرنے سے بھی زیادہ سخت ہو گیا۔ یہی ۱۹۱۱ء کے مسودۂ اصلاح پارلیمنٹ پاس ہونے کا باعث ہوا۔ اگر ہم دستور انگلستان کو اس کے طویل تاریخی ارتقا کی خصوصیت کو سامنے رکھکر دیکھیں تو اس مسئلے کے متعلق کوئی چیز انقلابی نہیں معلوم ہوگی۔ یہ قانون دارالامراء کے اس اختیار کو سلب کر لیتا ہے کہ وہ ایسے مسودے کو جس کو دارالعوام پاس کر دے اور اس دوران میں یہ واضح ہو جائے کہ قوم کی رائے عامہ اس کو چاہتی ہے۔ دو سال کے لئے ملتوی کر سکتا ہے۔ اس قانون نے میعاد التوا وضاحت کے ساتھ معین کر دی اور اس سے صرف اس قدر ہوا کہ اس حیثیت کو موضوعہ شکل میں ظاہر کر دیا جو ۱۸۳۲ء کے مسودۂ اصلاح کے پاس ہونے سے ظاہر ہو چکی تھی کہ امراء کی حیثیت دراصل دستور میں کیا ہے اور یہ حیثیت پچھلے ارتقا کا لازمی اور قدرتی نتیجہ تھا۔ چارلس اول اور جیمس دوم کے ساتھ سترھویں صدی میں جو کشمکش ہوئی تو اس میں جس قدر بادشاہ کے اختیارات زیر بحث آتے تھے اسی قدر امراء کے اختیارات بھی زیر بحث آئے تھے۔ یہ اقتدار عوام کا آخری غلبہ تھا اور جس طرح اس نے بادشاہ سے اپنی حقیقت کا کامل اور دلی اعتراف کروا لیا اسی طرح امرا سے بھی کروایا۔

کابینہ عملی جامے میں ۔ مسودۂ اصلاح کے پاس ہونے میں یہ امر بھی کافی شرح و بسط کے ساتھ واضح ہو چکا ہے کہ انیسویں صدی کے دوران میں کابینہ کی دونوں حالتوں میں یعنے روزمرہ کاروبار و پیچیدہ مواقع میں کیا حیثیت تھی۔ ہم یقین کے ساتھ نظام کابینہ کی تکمیل مع اس کے تمام عملی فروعات کے ۱۸۳۲ء سے

پہلے کی کسی تاریخ کی طرف منسوب نہیں کر سکتے۔ اگرچہ غالباً یہ صحیح ہے کہ اگر کچھ پہلے ہی یہ آزمائش
کی جاتی تو اس کی عملیت اسی طرح بالتفصیل سمجھ میں آجاتی۔ مسودۂ اصلاح حکومت
کی طرف سے پیش ہوا تھا یعنے اس کو وزارت نے ترتیب دیا تھا اور اس کے ایک رکن
نے اس کو پیش کیا تھا اور اس کے منظور ہونے کے دوران میں یہ اسی رکن کے ذمے میں
رہا۔ اگر اس کو دارالعوام میں شکست ہو جاتی یا اگر اس کے کسی جز پر کوئی ترمیم وزارت
کے خلاف پاس ہو جاتی تو کابینہ کو یا تو استعفا دینا پڑتا یا پارلیمنٹ کو برخاست
کر کے اور عام انتخاب کر کے اس مسئلے کی تائید کے لئے ملک سے استفسار کرنا پڑتا۔
کابینہ جدید انتخاب کا حکم صرف شدید ذمہ داری کے ساتھ دے سکتی ہے اگر کافی
اسباب نہ ہوں اور اس بات کا ثبوت نہ ہو کہ عام تائید ہوگی یا وزارت کے لئے
صرف مہلت حاصل کرنا مقصود ہو تو ایسی صورت میں ملک سے استفسار کرنا
انتخاب میں سخت نقصان کا باعث ہو سکتا ہے۔ لیکن اس معاملے میں حکومت کو
یہ یقین کرنے کے لئے کافی اسباب تھے کہ ملک اس کی پشت پر ہے اور واقعات
نے ثابت کر دیا کہ یہ رائے صحیح ہے اور یہ رائے انتخاب کنندوں کی طرف سے گویا
ایک حکم ہے کہ اس مسئلے کو آگے بڑھایا جائے۔

دارالامرا میں جب دوسرے مسودے کو شکست ہوگئی تو صورت حال
مختلف تھی۔ حال ہی میں انتخاب ہوا تھا اور دارالعوام میں حکومت کے موافق
ابھی تک بڑی اکثریت تھی۔ اس وقت ملک سے استفسار غیر ضروری تھا اور یہ
بالکل نامناسب ہوتا۔ اس کی جگہ کابینہ نے پارلیمنٹ ملتوی کر دی تاکہ جدید اجلاس
میں مسودے کو دوبارہ پیش کیا جا سکے۔ جب ایک ترمیم پر حکومت کو دارالامرا میں
پھر شکست ہوگئی تو معاملات میں نزاکت پیدا ہوگئی جس سے اس وقت کابینہ
کے کام پر روشنی پڑتی ہے۔ وزیراعظم نے بادشاہ سے ایک چارۂ کار اختیار کرنے
یعنے نئے امرا بنانے کی درخواست کی تو اس وقت یہ بھی کہا کہ بہ صورت دیگر کابینہ
کا استعفا حاضر ہے۔ کیونکہ یہ معلوم تھا کہ بادشاہ اس کے لئے تیار نہیں ہے۔ آج معلوم نہیں
کیا ہوتا لیکن اس وقت بادشاہ نے وہی چارۂ کار اختیار کیا لیکن جس وقت مخالف
فریق کی طرف سے کابینہ بنانے کی کوشش کی جا رہی تھی پرانی کابینہ برسرحکومت رہی

اور روزمرہ کا کاروبار چلاتی رہی۔ جب بادشاہ کو یہ ماننا پڑا کہ اس کی کوشش ناکام ہو گئی
تو کابینہ نے اپنی پارلیمنٹی حیثیت پھر حاصل کر لی لیکن اب یہ یقینی تھا کہ بادشاہ اس کا مسودہ
منظور کر لے گا۔ نیز اس آنکھ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے جو کسی کابینہ کو برسرحکومت
رکھتی ہے یا اس کو خدمت سے علیحدہ کر دیتی ہے۔ یہ دراصل کسی کابینہ کی قابلیت یا
ناقابلیت ہے کہ وہ کس طرح تدبیر مملکت کا تعین کرتی اور اس کی رہنمائی کرتی ہے۔
اگر دارالعوام کابینہ کے ساتھ متفق ہو کر کام کرتا ہے تو یہ کابینہ ٹھیکی ہے۔
اگر دارالعوام اس کے ساتھ متفق ہو کر کام نہیں کرتا تو پھر کوئی دوسری طاقت اس کو
برسرحکومت نہیں رکھ سکتی۔ اگر کوئی وزارت مخالف دارالعوام کے علے الرغم اپنی طاقت
قائم رکھنے کی کوشش کرے تو حکومت کے کاروبار میں فوراً بدنظمی ظاہر ہو جائے گی
اور اس کوشش کے معنے انقلاب کے ہوں گے۔ لیکن اگر دارالعوام اور قوم کی رائے
مخالف ہو تو ایسی صورت میں کوئی وزارت اس تلخ تجربے کی جرأت بھی نہیں کرے گی۔
یہ کامل نظریہ ہے اس حکومت کا جو ذمہ دار وزارت کے ذریعے سے چلتی ہے۔ حکومت جو
تدبیر مملکت تجویز کرتی ہے اس کے متعلق دارالعوام عوام کی رائے کی ترجمانی کرتا ہے اور
اس کا فیصلہ جو قوم کا فیصلہ ہوتا ہے مسئلۂ زیر بحث کے متعلق قطعی ہوتا ہے۔

دارالعوام۔ دارالعوام کی دستوری حیثیت پہلے ہی وضاحت کے ساتھ بیان
کی گئی ہے۔ یہ وزارت کو اس وقت تک سہارتی ہے جب تک رائے عامہ اس کے
مسلک کی تائید کرتی ہے۔ جب کبھی سیاسی بحران پیدا ہو جاتا ہے تو وہ فوراً قرارداد اعتماد
پاس کر کے کابینہ کے ہاتھ پیر مضبوط کر دیتا ہے۔ اور یہ قرارداد تمام مخالفین
کے لئے ایک باضابطہ اعلان کا حکم رکھتی ہے کہ ملک مسلک حکومت کی تائید کرتا ہے۔
اگر رائے عامہ اس مسلک کے مخالف ہو جائے تو اسی کی ہمرنگ تبدیلیاں دارالعوام
میں وقوع پذیر ہوں گی اور پھر بحرانی زمانے میں دارالعوام قرارداد بے اعتمادی مرتب
کرے گا اور یہ کابینہ کے نام ایک باضابطہ اعلان کا حکم رکھے گی کہ کابینہ نے قوم
کی تائید کھو دی اور اس کو استعفا دینا چاہیئے۔ اگر کوئی وزارت استعفا دینے پر
آمادہ نہ ہو یا اپنی ایسی وزارت برسرحکومت لانے کی کوشش کی جائے جسے قوم کی
تائید حاصل نہ ہو تو دارالعوام اس کی حکمت عملی کے پہلو کو قانونی بنانے سے انکار کر دیگا

اور اس کا چلنا مشکل ہو جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دارالعوام کا یہ بھی کام ہے کہ حکومت کے مجوزہ تدابیر پر بحث کرے اور اس میں افراط و تفریط کرے لیکن یہ ایسا کام ہے کہ دارالعوام ابھی تک دارالامرا کی شرکت سے انجام دیتا ہے۔

سنہ ۱۸۳۲ء کے مسودۂ اصلاح کے نتائج سے اس کے دوست و دشمن دونوں ناامید تھے۔ اس لئے کہ وہ نتائج نہیں ہوئے جن کی توقع یا جن کے متعلق ڈر تھا۔ اکثر جیبی اور ویران بلدیات رائے دہی سے محروم کر دیئے گئے تھے اور نشستیں آبادی کے جدید حلقوں کو دی گئی تھیں اور یہی تبدیلیاں تھیں جو بہت دنوں سے مطلوب تھیں۔ چھپن بلدیات رائے دہی سے محروم کر دیئے گئے اور تیس ایسے تھے جن کا ایک ایک رکن کم ہو گیا۔ بائیس بڑے قصبات کو جن میں لندن کے اضلاع بھی شامل تھے فی قصبہ دو اراکین ملے اور دوسرے بیس ایسے تھے جن کو ایک ایک رکن ملا تھا۔ اضلاع کی نیابت کے لئے پینسٹھ نشستیں بڑھائی گئی تھیں۔ اب رہا حق رائے دہی بلدیے کے لئے ایک مشترک حق رائے دہی ان تمام ساکنین کے لئے قائم کیا گیا جن کی سالانہ مالیت دس پونڈ تھی اور صوبوں میں پرانے چالیس شلنگ والے اراضی داروں میں نقل دار، پٹہ دار اور غیر دخیلکار (Tenents-at will) شامل کر دیئے گئے جو پچاس پونڈ سالانہ لگان ادا کرتے تھے۔ اسی طریقے سے گو رائے دہندوں کی تعداد تقریباً پچاس فیصدی زیادہ کر دی گئی تھی لیکن دارالعوام کی رکنیت کی خصوصیت میں کوئی اہم فرق نمایاں نہیں ہوا اور عمومیت کی طرف کوئی بدیہی ترقی نہیں ہوئی۔ رشوت ستانی کا بالکلیہ خاتمہ نہیں ہوا۔ اندراجات کے طریقۂ عمل میں جس پیچیدہ ضابطہ بندی کی ضرورت تھی اس سے رائے دہندوں کی تعداد گھٹتی رہی۔ خاندان و جائداد کے مقامی اثرات اور امور کے ساتھ ملکی اصلاح کی اہمیت گھٹاتے رہے۔ آخر میں معلوم ہوا اس کی مستقل اہمیت اس فوری تغیر میں نہیں ہے جو اس سے پیدا ہوا بلکہ اس بات میں ہے کہ اس نے آئندہ تغیر کا امکان پیدا کر دیا تھا۔ اس سے یہ ہوا کہ ہر اہم معاملے میں پرانے اعیانی نظام کے ہاتھ پیر ٹوٹ گئے اور خوش آیند امور کے لئے دروازہ کھل گیا۔ اس مسودے کے انتہائی حامی ان

مراعات سے مطمئن نہیں ہوئے جو اس کی بدولت حاصل ہوئے تھے بلکہ چند روز کے بعد ہی مزید اصلاح کے لئے شورش ہونے لگی۔ شورشیوں کو اپنی عمارت چننے کے لئے زیادہ تر مزدور طبقات کی عام بےچینی سے بہت مواد ملا تھا۔ اور اس بےچینی کے اسباب جس قدر سیاسی حالات تھے اسی قدر معاشی حالات بھی تھے۔

یہ شورش جو ۱۸۳۹ء میں اپنے منتہا کو پہنچ گئی تھی تاریخ میں نام نہاد "منشور عموم" کی وجہ سے تحریک منشوری کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس منشور میں استیصالی مطالبات ظاہر کئے گئے تھے۔ یہ تعداد میں چھ تھے۔ عالمگیر رائے دہی بالغان ذکور، خفیہ رائے دہی جو انسداد تخویف کے لئے تھی؛ پارلیمنٹ کا سالانہ انتخاب تاکہ ارکین کی ذمہ داری قائم رہے؛ دارالعوام کے ارکین کو تنخواہیں دی جائیں تاکہ غربا کا انتخاب بھی ممکن ہو جائے؛ ارکین ایوان کی جائداوی اہمیت کا خاتمہ، جس کا مقصد بھی وہی تھا؛ مساوی آبادی کے حلقہائے انتخاب کی تنظیم۔

یہ تحریک ناکام ثابت ہوئی۔ منشور میں جو مطالبات کئے گئے تھے پارلیمنٹ نے ان میں سے کوئی بھی منظور نہیں کیا لیکن یہ شورش دوسرے طریقوں سے جاری رہی۔ جو طبقے پارلیمنٹ پر تسلط رکھتے تھے عمومیت کے معاملے کے ساتھ ان کی ہمدردی رفتہ رفتہ بڑھتی جا رہی تھی اور عوام کے منشور کا پیش نامہ اس ترقی کا خلاصہ سمجھنا چاہیے جو اس وقت سے جاری تھی۔ ان میں سے تین مطالبات یعنے دوسرا چوتھا اور پانچواں جیسے اوپر دکھائے گئے ہیں۔ بالآخر پورے طور پر حاصل ہو گئے، اور اس صدی کے ختم سے پہلے خفیف سے استثناء کے ساتھ پہلا مطالبہ بھی حاصل ہو گیا۔ اب وہ استثناء بھی غائب ہو گئے اور لفظ بالغان ذکور میں جو تحدید ہے وہ بھی ساقط ہو گئی۔ چھٹا مطالبہ اصول کی حد تک پوری طور پر حاصل ہو چکا ہے اور عمل میں قریب قریب اس حد تک حاصل ہوا ہے جس حد تک حالات کی خاص مشکلات اجازت دیتے ہیں۔ تیسرا مطالبہ بصورت ظاہر حاصل نہیں ہوا بلکہ پارلیمنٹ کی ممکنہ عمر پانچ سال تک گھٹا دی گئی اور ارکین کی ذمہ داری اپنے حلقہائے انتخاب کے ساتھ گو بہت کچھ بالواسطہ ہے لیکن وہ بھی اطمینان کے قابل ہے۔ اگر ۱۸۳۹ء کی تحریک کے

علمبردار پھر عود کر آئیں تو آج انگلستان کو دیکھ کر حیرت کریں گے اور یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ آج انگلستان اسی معیار کی عمومیت ہے جس کا انھوں نے مطالبہ کیا تھا اور بعض اُمور جو وہ دل سے چاہتے تھے مثلاً مزدوروں کی قانونی حفاظت وہ اس حد تک آگے بڑھ چکی ہے کہ ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔

متعدد تبدیلیاں۔ پہلے اور دوسرے مسودات اصلاح میں جو پینتیس سال کا وقفہ گزرا وہ متعدد تبدیلیوں کا زمانہ تھا۔ ان میں سے اکثر معاشی اور معاشرتی نوعیت رکھتی تھیں اور دستوری نہیں تھیں۔ لیکن اس میں اہم تر ان کو سمجھنا چاہیئے جو اس زمانے کا صحیح اقتضا ظاہر کرتی ہیں۔ ۱۸۳۲ء میں مالکوں کو معاوضہ دیکر مستعمراتی غلامی کا سدباب کیا گیا۔ اسی سال قومی تعلیم کے متعلق قانون سازی کی داغ بیل ڈال دی گئی۔ یہ داغ بیل مختصر اور مشکل تھی کیونکہ اس زمانے میں تعلیم کا انتظام مختلف مذہبی جماعتوں کے ہاتھ میں تھا اور یہ جماعتیں شدت کے ساتھ اپنے اس حق کی حفاظت کرتی تھیں۔ ابتدا محض بیس ہزار پونڈ سالانہ کے عطا سے ہوئی جو امدادی مدارس کی عمارتوں کو دی جانے لگی۔ لیکن اس صدی کے اختتام سے پہلے قومی مدارس اور تعلیم عامہ کا نظام اس طرح مرتب ہو گیا جو اپنے ماسبق کام کے مقابلے میں انقلابی تھا۔ گرنیوں میں کام کے اوقات اور اصلاح حال کی تنظیم کے لئے قوانین کارخانہ جات کا سلسلہ پہلے سے شروع ہو چکا تھا اور اب اس کو بتدریج آگے بڑھا کر موجودہ تنظیم و حفاظت کے وسیع نظام تک پھیلایا گیا۔ ۱۸۳۴ء میں ایک جدید قانون مغلسین بنایا گیا۔ قانون جہاز رانی ۱۸۲۹ء میں اور قانون اجناس و محاصل نامینی ۱۸۵۰ء سے پہلے منسوخ کر دئے گئے۔ ۱۸۳۹ء میں ڈاک پر ایک پینی کا محصول، ڈاک کے ٹکٹ اور ڈاک کی سیونگ بنک ۱۸۶۱ء میں جاری کی گئیں۔ پارلیمنٹ کا بہت سارا وقت آئرستانی مشکلات اور شورشوں پر صرف ہوا لیکن اس کا کوئی نمایاں نتیجہ نہیں نکلا۔

مقامی حکومت۔ ان تغیرات میں جو ۱۸۳۲ء اور ۱۹۱۱ء کے درمیان واقع ہوئے ہیں اور جو دستوری سمجھے جا سکتے ہیں، یعنے پارلیمنٹی اصلاح کے بعد سب سے زیادہ وسیع اور دور رس وہ ہیں جو مقامی حکومت یعنے بلدی اور دیہی حکومت پر اثر ڈالتے ہیں۔ ٹیوڈری زمانے سے مقامی حکومت کا ارتقا جو زمانۂ حال تک ہوا تھا وہ نظریہ اور ظاہری شکل میں خود اختیاری حکومت تھی۔ یہ حقیقت میں ایک مقامی سوا راج

تھا اگر اس لفظ کے معنی ایسی حکومت کے سمجھے جائیں جو مرکزی اختیارات کی مداخلت سے مبرا ہو۔ لیکن اگر اس اصطلاح کے معنی عمومی حکومت کے لئے جائیں تو پھر یہ اصطلاح اصل صورت حال پر واقعتاً نہیں بلکہ صرف نظریۃً ہی منطبق ہو سکتی ہے۔ محافظان امن کے قبضے میں جو مقامی اعیان میں سے مامور ہوتے تھے اکثر اختیارات کا جمع ہونا' قانون کے ذریعے سے تمام اہم عہدہ داروں کے لئے جو صوبوں پر حکومت کرتے اور پیرشوں کی نگرانی کرتے تھے جائداد کی اہلیت کا لزوم اور سترھویں صدی کی تاریخ کی پیداوار جس کے ذریعے سے مقامی معاملات میں وہی اعیانیت کو اتنے ہی بڑے اختیارات مل گئے تھے جیسے زمانہ وسطیٰ میں میزوالے زمینداروں کو حاصل تھے' ان سب چیزوں نے ملکر اٹھارھویں صدی کی مقامی حکومت کو ۱۸۳۵ء تک بالکل اعیانی بنا دیا تھا۔ بلدیات کی حکومت کا بھی جو صوبوں سے باہر سمجھے جاتے تھے یہی میلان تھا۔ قرون وسطیٰ کے بعد تاریخ بلدیات میں اگر کوئی رکاوٹ ہوئی ہے تو وہ آخری دو شاہان اسٹوئرٹ کی "تحقیقات وثائق" والی کارروائیوں سے ہوئی۔ اس رکاوٹ کا واحد نتیجہ جو بالآخر ظہور پذیر ہوا یہ تھا کہ اسی کارروائی کو جو خود بخود جاری تھی اور جس سے ان حلقوں کی حکومت محدود شخصیوں کے قبضے میں آرہی تھی اور تیز کر دیا۔ صوبوں و بلدیات دونوں میں یہ مقامی حکومت جس طرح انیسویں صدی میں نظر آتی ہے بالکل غیر عمومی تھی۔

پارلیمنٹی اصلاح کی کامیابی سے یہاں بھی تغیر پیدا ہوا اور سب سے پہلے بلدیات میں ہوا۔ پارلیمنٹی رائے دہی کے لئے قرون وسطیٰ میں جو اہلیت مقرر تھی اس کو ترک کر دینے سے یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا قرون وسطیٰ کا دستور بلدیے کے فرائض کے لئے موزوں ہے۔ ۱۸۳۲ء کے قانون اصلاح کے بعد حکومت بلدیات کی تحقیقات کے لئے ایک سرکاری ماموریہ مقرر کیا گیا اور ماموریہ کی رپورٹ پیش ہونے کے بعد ۱۸۳۵ء میں "قانون شخصیات بلدی پاس ہوا"۔ یہ اصلاح کے کام میں پہلا قدم تھا۔ پچاس سال کے بعد جب ۱۸۸۴ء کا تیسرا قانون اصلاح پارلیمنٹ پاس ہوا تو یہی مقامی حکومت پر اسی قسم کا اثر پڑا۔ جب بلدی اہلیت رائے دہی کا انطباق صوبوں میں بھی کیا گیا تو اس سے پرانے شرائط اسی طرح بے محل ہو گئے تھے

جیسے پہلے قانون اصلاح کی وجہ سے ہوئے تھے۔ اس اثنا میں کئی متفرق اور مختلف النوع قوانین پاس کئے گئے جن سے منفرد تبدیلیاں ہوئیں؛ جدید اختیارات عطا ہوئے اور جدید عہدے یا جدید مقامی حلقے قائم ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی اقتدارات اور حلقہ جات کا ایک منتشر طومار پیدا ہو گیا جو ایک دوسرے میں دخیل تھے اور اس طریقے سے "اختیارات کا ایک بیابان" اور "اقتدارات کا ایک انتشار" پیدا ہو گیا۔ اس انتشار کو جس نوع سے موجودہ صورت میں لایا گیا ہے وہ بڑی حد تک تسہیل پر مشتمل تھا اگرچہ اس میں بھی نئے ادارے قائم کئے گئے اور پرانے اداروں کو وسعت دی گئی ہے۔ ہمارے اغراض کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہم ان صدہا مراحل کو دیکھیں جن میں سے ہو کر یہ صورت پیدا ہوئی۔ بلکہ صرف نتیجہ دیکھنا کافی ہے اور وہ بھی مختصر طور پر۔

ایک امریکی کے لئے جو انگریزوں کے مقامی نظام حکومت کو اپنے نظام سے بالتفصیل مقابلہ کرتا ہے یہ نظام ابھی سادگی سے مبرا معلوم ہوگا۔ اس کے لئے اس نظام کا ایسا خاکہ بنانا جو صاف اور واضح ہو بہت مشکل ہے تفصیلات اتنی ہیں کہ مکمل نظر ڈالنی ناممکن ہے۔ لیکن اگر استقامت کے ساتھ کوشش کی جائے تو بالآخر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دونوں قوموں کے مقامی نظام حکومت میں بہ حیثیت مجموعی اختلافات کم ہیں اور یکسانیاں زیادہ ہیں گو اختلافات ہی زیادہ نمایاں ہیں۔ غالباً یہ کہنا صحیح ہوگا کہ انگریزی نظام ہمیں اس وجہ سے جاذب نظر معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہم ان ریاستوں کی مقامی حکومت کو جہاں صوبہ ایک مقامی وحدت ہے ان ریاستوں پر منطبق کر دیں جہاں دیہہ ایک مقامی وحدت ہے اور ان دونوں فرائض کی وحدتوں پر کوئی خاطر خواہ فرق نہ کریں، بلکہ ایک کو دوسرے کے مماثل کر دیں تو اس سے تقریباً وہی نتیجہ برآمد ہوگا۔ تاہم انگلستان میں تین مقامی اکائیاں ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر ہے۔ صوبہ اور صوبہ واری بروجبرو اور بلدی و دیہی اضلاع میں منقسم ہیں؛ آخر الذکر کی پیرشوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ اس انتظام میں لندن کی حیثیت کسی قدر نادر ہے۔ "بلدۂ لندن" کی حکومت جس کو اصلاحاً یہی کہا جاتا ہے جو دریائے ٹیمز سے ٹاور اور ٹمپل بار کے درمیان شمال میں ایک مربع میل

تک پھیلا ہوا ہے اس صدی کے تغیرات سے متاثر نہیں ہوا بلکہ یہ رقبہ لندن کی مجلس صوبہ کے حدود و اختیارات کے باہر خود اپنے میر بلد کے تحت ہے۔ اب رہا وسیع تر لندن اس کو ایک علیحدہ صوبہ بنا کر لندن کی مجلس صوبہ کے ماتحت کیا گیا ہے۔ یہ مجلس دوسری مجلسوں کے نمونے پر ہی بنائی گئی ہے مگر اس کے اختیارات زیادہ وسیع نہیں۔ صوبۂ لندن کا ضلع صوبہ داری بروں کی طرح برووں میں تقسیم کیا گیا ہے اور یہ اٹھائیس ہیں۔

مقامی سوراج کے اس انتظام میں چھ صوبوں کو مستثنیٰ کر کے جو واقع ہیں تاریخی ہیں انتظامی صوبہ اور تاریخی صوبہ ایک نہیں گو دونوں ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف بھی نہیں، بلکہ سوراجی رقبے ان باسٹھ صوبوں پر مشتمل ہیں جو باون تاریخی صوبوں سے بنائے گئے ہیں۔ صوبہ جاتی برو ایسے قصبات تھے جو زمانۂ قدیم میں صوبے بنا دیئے گئے یا جن کی پچاس ہزار آبادی تھی یا ہو گئی تھی۔ منجملہ ان کے ساٹھ ایسے ہیں جن کے متعلق ابتدائی قانون میں انتظام کر لیا گیا تھا اور اب ان کی تعداد ۷۲ ہو گئی ہے۔ یہ صوبوں سے جداگانہ ہیں لیکن ان کی حکومت و حیثیت تقریباً صوبوں ہی کی سی ہے۔ ان سب میں جماعت حاکمیہ ایک مجلس ہے جس کے اراکین منتخب ہوتے ہیں جن میں ایسے آلڈرمن کا اضافہ کیا جاتا ہے جو اراکین کی طرف سے طویل میعاد کے لئے منتخب ہوتے ہیں۔ درمیانی تقسیم یعنے بروؤں اور اضلاع میں بھی ایک منتخبہ مجلس کے ذریعے حکومت ہوتی ہے۔ گو یہاں آلڈرمن نہیں ہوتے۔ برووں میں یہ مجلس تمام بلدی اغراض پورے کرتی ہے۔ بڑی پیرشوں میں بھی مجلسیں ہیں۔ اور چھوٹے پیرشوں میں نیو انگلینڈ کی دیہی مجلس کی طرح تمام رائے دہندوں کی مجلس کے ذریعے کام ہوتا ہے۔

مجالس صوبہ کی طرف تقریباً وہ تمام فرائض منتقل ہو گئے جو محافظان امن کے قبضے میں تھے اور ان کے پاس صرف عدالتی اور کچھ اور فرائض باقی رہ گئے۔ مجالس کا خاص کام یہ تھا کہ مقامی حفظان صحت اور شاہراہوں کو چھوڑ کر باقی سڑکوں کی نگرانی کریں کیونکہ شاہراہیں صوبوں کے زیر نگین تھیں۔ پیرشوں میں ملکی امور مذہبی امور سے علیحدہ کر دیئے گئے اور مذہبی امور (Vestrees) کے ہاتھ میں ہیں۔ جو امور بذات خود مقامی اقتدار کے تحت آتے ہیں وہ بالعموم تینوں اکائیوں میں بلا بہ

منقسم ہیں اور اس کے اوپر سے نیچے تک اقتدار و ذمہ داری کے دائرے چھوٹے ہوتے جاتے ہیں۔ جو شخص اس نظام کے مقامی عمل سے ناواقف ہے۔ اس کے سامنے مقامی اکائیوں کے درمیان کوئی اصول تقسیم ظاہر نہیں ہوتا اور بعض صورتوں میں، مثلاً غربا کی نگہداشت کی بابت، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصول کی جگہ قدیم زمانے سے محض روایت کا سکہ رواں ہے۔ مقامی حکومت کے تحت خاص امور یہ ہیں: مقامی مالیات، تحتانی تعلیم، حفظان صحت، کوتوالی جس کے ساتھ محافظان امن شریک ہیں، غربا کی امداد و لنگر خانے، سڑکیں و پل۔ حکومت کے عملی کاموں کا ایک بڑا حصہ ذیلی جماعتوں کے ذریعے انجام پاتا ہے۔ جن میں وہ لوگ بھی کام کر سکتے ہیں جو مجلسوں کے اراکین نہیں ہوتے۔ جو تبدیلیاں کی گئی ہیں ان سے یہ نہیں ہوا کہ اعلیٰ اور بالائی متوسط طبقے سے حکومت کی نگرانی لے لی گئی ہو لیکن ان نتائج سے عام اطمینان ہے اور اس میں تبدیلی کرنا ہمیشہ رائے دہندوں کے اختیار میں ہے۔

مرکزی نگرانی۔ انگریزی طریق کا سب سے زیادہ غیر مانوس رخ ایک امریکی کے لئے وہ نگرانی ہے جو مرکزی حکومت کے عہدہ دار مقامی حکومت پر کرتے ہیں۔ یہاں کیا اور جگہ بھی یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انگلستان کی مرکزی حکومت کو گویا امریکی مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے دونوں فرائض انجام دینے پڑتے ہیں۔ لیکن میں اس بات کا معتقد ہوں کہ دنیا میں کسی جگہ اس نگرانی کے مطابق کوئی چیز نہیں پائی جاتی جو انگلستان کے بعض انتظامی محکمہ جات کی طرف سے مقامی حکومت پر کی جاتی ہے۔ ایسے پانچ محکمہ جات ہیں اور ہر محکمے کا صدر کابینہ کا درجہ رکھتا ہے دفتر داخلہ مقامی کوتوالی اور مقامی حفظان صحت کے کچھ فرائض اور دوسرے چند اور کام کی نگرانی کرتا ہے؛ مجلس حکومت مقامی کے سپرد متعدد فرائض ہیں جن میں غربا کی نگہداشت، مقامی مالیات اور حفظان صحت شامل ہیں۔ تعلیم، تجارت اور زراعت کی مجالس ان اغراض کی نگرانی کرتی ہیں جو ان کے نام سے ظاہر ہیں۔ ان مرکزی محکمہ جات کو ایسے احکام نافذ کرنے کا اختیار ہوتا ہے جن کی نوعیت قانونی ہوتی ہے۔ مقامی تجاویز پر ان کو حق امتناع حاصل ہے۔ یہ ناظروں کے ذریعے سے کام کرتے ہیں جن کا ایک وسیع نظام ہے، اور فرائض میں ان کا ایک خاص فرض

مقامی کاروبار میں ماہرانہ رائے اور امداد بہم پہنچاتا ہے۔ چونکہ ان محکمہ جات کے ارکان منتقل ہوتے ہیں اور پھر مقامی عہدہ داران محکمہ جات کی رہنمائی کے سہارے چلنا چاہتے ہیں اس لئے یہ خوف پیدا ہو گیا ہے کہ مرکز کا دفتری اقتدار پہلے سے بھی بڑھ جائے گا۔

موجودالوقت عدالتہائے قانونی۔ ۱۸۳۲ء کے بعد قانونی اور عدالتی ادارات میں جو اصلاحیں ہوئیں ان کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ افراد کے لئے مقامی حکومت والی اصلاحات سے کم فائدہ مند ہوئیں گو وہ اتنی نمایاں نہیں تھیں۔ ۱۸۳۶ء میں فوجداری سماعت کے طرز میں تبدیلیاں کی گئیں جن کی بناء پر ملزم کو یہ موقع دیا گیا کہ وہ اپنی مخالف شہادت سے پوری واقفیت حاصل کرے اور وکلاء کے ذریعے پیروی کرائے ۱۸۳۷ء میں سنگین جرائم کی تعداد گھٹانے میں مزید ترقی کی گئی۔ اس کے بعد انسانی ہمدردی اور قطعی انصاف کی خاطر ایسے قوانین کا ایک طویل سلسلہ منظور کیا گیا جس سے قانون فوجداری کے متن اور کارروائی سماعت دونوں پر اثر پڑا۔ ۱۹۰۷ء میں عدالت مرافعہ فوجداری قائم کی گئی اور فوجداری مرافعہ کے پورے حقوق دیے گئے۔ دیوانی قانون کے شعبے میں جو طولانی اور فضول خرچ طریقۂ کارروائی قرون وسطی سے جاری تھا ان میں اصلاح کی بڑی ضرورت محسوس ہو رہی تھی ۱۸۳۲ء میں طریقۂ کارروائی کو قدرے ہلکا کیا گیا اور یہ طریقہ قانون عرفی کی تینوں عدالتوں میں یکساں کر دیا گیا۔ اس کے بعد دوسری اصلاحیں ہوئیں؛ بالخصوص ۱۸۵۲ء میں دو قوانین مرتب کئے گئے جن سے قانون عرفی کی عدالتوں کے طریقۂ کارروائی اور عہدہ داروں میں وسیع تبدیلیاں کی گئیں۔ اسی اثناء میں طریق نصفت میں خاطر خواہ تبدیلیاں شروع ہوئیں جن سے عدالتیں مستحکم ہو گئیں طریقۂ کارروائی سادہ ہو گیا اور نصفت اور قانون عرفی کے درمیان جو مناقشہ تھا وہ دور ہونے لگا۔

یہ مختلف سرچشمے سب کے سب اس پورے سلسلۂ قوانین عدالت کے باعث ہوئے جو ۱۸۷۳ء میں اور سنہ ۱۹۱۱ء تک منظور ہوتے رہے اس سلسلۂ قوانین سے تمام نظام عدالت کی بیرونی تنظیم اور اندرونی متن دونوں اعتبار سے از سر نو تعمیر

ہو گئے۔ تمام مرکزی عدالتیں ایک "عدالت عظمیٰ" میں ضم کر دی گئیں۔ اس عدالت کی شان نوعی ہے اور یہ جو صرف دو شاخوں یعنے عدالت مرافعہ اور عدالت عالیہ کی صورت میں موجود ہے۔ آخرالذکر عدالت کا وجود اس کے تین شعبوں میں پایا جاتا ہے۔ یعنے شاہی عدالت، عدالت نصفت۔ عدالت وصایا طلاق و معاملات بحری آخری دو عدالتوں کے نام سے ان کی خصوصیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ عدالت شاہی کے شعبے میں پرانی قانونی عرفی کی عدالتوں کو مدغم کر دیا گیا ہے۔ عدالت مال اور عدالت مقدمات عامہ غائب ہو گئیں۔ عدالت عالیہ کے کام کا ایک بہت بڑا حصہ گشتی عدالتہائے اسائیز کے ذریعے انجام پاتا ہے۔ اور یہ قدیم نظام گشتی عدالت کی موجودہ شکل ہے۔ عدالت عالیہ کے شعبوں کے کام کو ضابطہ اور چارۂ کار دونوں شکلوں میں بہ حد امکان یکساں کیا گیا ہے۔ قانون عرفی اور قانون حق رسی دونوں مدغم کر دیے گئے۔ لیکن عمل میں دونوں مختلف ہیں۔ عدالت عالیہ کے فیصلوں کا عدالت مرافعہ میں مرافعہ ہوتا ہے۔ اور عدالت مرافعہ سے دارالامرا میں بہ حیثیت عدالت عظمیٰ کے مرافعہ ہوتا ہے۔ وراثتی مقدمات کے لیے مقامی عدالت گستری کا اس طرح انتظام کیا گیا ہے کہ ملک کو پانسو اضلاع میں تقسیم کیا گیا ہے جو مختلف حلقوں میں منسلک ہیں۔ سب سے پہلے یہ ۱۸۴۶ء میں بنائے گئے اور انہیں صوبہ واری عدالتوں" کا تاریخی نام دیا گیا لیکن ان کو تاریخی یا جغرافی اعتبار سے پرانے نظام سے کوئی تعلق نہیں۔ ان تمام عدالتوں کے فیصلوں کے متعلق عدالت عالیہ میں اور اگر ضرورت ہو تو دارالامرا میں مرافعہ ہو سکتا ہے۔ یہ عدالتیں مقدمات خفیفہ کے سلسلے میں بہت ہر دلعزیز ہو چکی ہیں اور موجودہ صدی میں ان کے حدود اختیارات بہت وسیع کر دیے گئے ہیں۔ مقامی فوجداری اور کوتوالی عدالتوں کی حیثیت میں عدالتہائے محافظان امن ابھی تک چھوٹے اجلاس اور سہ ماہی اجلاس کرتی ہیں۔

بادشاہ کے مناصب۔ بادشاہ کے اقتدار کے متعلق جو اس دور میں حاصل تھا پہلے کہا جا چکا ہے لیکن اس پر قدرے اضافہ کرنے کی ضرورت ہے ایک عرصے تک یہ خیال تھا کہ ۱۸۳۴ء میں ولیم چہارم نے وزرا کو یک بیک معزول کر کے جب کہ دارالعوام ان کی تائید پر تھا شاہی اقتدار کی ایک اور مثال قائم کر دی لیکن فی زمانتا

یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ تدبیر وزیر اعظم لارڈ ملبورن کی رضامندی پر کی گئی تھی۔ اس نے یہ تحریک اس لئے پیش کی کہ وہ اپنے کو متزلزل پاتا تھا اور خدمت سے سبکدوش ہو جانا چاہتا تھا۔ خود بادشاہ بھی جو ملبورن سے ناراض تھا اس بہانے کا خواہاں تھا۔ اس واقعے سے دستوری عملدرآمد کی ایک دلچسپ مثال پیدا ہو گئی۔ اس وقت فریق مخالف کا رہنما سر رابرٹ پیل روما میں تھا۔ وہ فوراً انگلستان کو واپس ہو گیا۔ بادشاہ کی اس کارروائی کی بنا پر قاعدے کے مطابق پیل نے ذمہ داری منظور کر لی اور کابینہ ترتیب دیکر حکومت چلانے کی کوشش کی لیکن نتیجہ مایوس کن تھا۔ پارلیمنٹ برخاست کرنے اور ملک سے استفسار کرنے پر ایوان میں قدامت پسندوں کی رائیں بڑھ تو گئیں لیکن اس کے باوجود اس فریق کی علانیہ اقلیت تھی۔ پیل نے پارلیمنٹ میں اصلاحات کا ایک دلکش پیشنامہ پیش کیا۔ لیکن مخالف اکثریت اس کی کوئی چیز بھی منظور کرنے والی نہیں تھی۔ اپنے تقرر کے بعد سے چار مہینے تک اس نے نہت حوصلہ افزا جدوجہد کی لیکن بالآخر بادشاہ سے یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ اس کے مخالفوں کو خدمت وزارت پر بلا لیا جائے۔ یہ تمام کارروائی بالکلیہ ناویل دستور کے مطابق تھی جو اس وقت متداول تھا اور اب بھی نظریے کی صورت میں موجود ہے لیکن اب یہ ممکن نہیں کہ کوئی دوسرا بادشاہ پھر اس قسم کی کوشش کرے یا کوئی دوسرا وزیر انھیں حالات میں اپنے کو قائم رکھنے کی کوشش کرے جس طرح پیل نے کیا تھا۔

۱۸۳۹ء میں ملکۂ وکٹوریہ نے نئی وزارت کے کہنے سے اپنی بیگمات خوابگاہ کو بدلنے سے انکار کر دیا اور استعفا دینے کے بعد لارڈ ملبورن کو دو سال خدمت پر بحال رکھا۔ لیکن اس واقعے کی نوعیت مختلف ہے۔ ملکہ نے یہ کام کسی سیاسی نیت سے نہیں کیا تھا بلکہ یہ سمجھا تھا کہ ملکہ سے شخصی اختیار کا ناجائز مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک جدید سوال تھا اور یہ اس سے پہلے مسئلے کی صورت میں سامنے نہیں آیا۔ پھر رابرٹ پیل خدمت کا طالب بھی نہیں تھا کیونکہ وہ جانتا تھا ایوان کا فریقانہ مزاج کس قدر متلون ہے۔ ۱۸۴۱ء میں جب اس کو خاطر خواہ اکثریت حاصل ہو گئی تو ملکہ نے بھی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اس کو یہ بات مان لینی چاہئے۔ ملکہ وکٹوریہ کے مکتوبات کی اشاعت سے وہ تمام دلچسپ جھلکیاں سامنے آجاتی ہیں کہ اس صدی

کے وسط میں حکمراں اور حکومت کے درمیان کیا تعلق تھا۔ اصلاح محاصل کی کوششوں میں ملکہ نے پیل کی بڑی تائید کی تھی اور اس سے پیل کو غیر معمولی ڈھارس ہوئی ہوگی۔ ۱۸۵۳ء میں جب لارڈ ابرڈین ترتیب وزارت کے لئے بیٹھا تو ملکہ نے اس کو یہ لکھا کہ "مجھے امید ہے کہ مسٹر گلیڈسٹن وزیر مال اور لارڈ سینٹ لینرڈز لارڈ چانسلر بنائے جائیں گے۔" اس تحریر کے باوجود ابرڈین نے مسٹر گراہم کو خزانے پر لانا چاہا اور لارڈ سینٹ لینرڈز چانسلر کی خدمت پر قائم نہیں رہا۔ ان مکتوبات میں وہ بیان خاص طور پر دلچسپ ہے جو بالخصوص ۱۸۵۱ء کے اوائل میں ترتیب کابینہ کی مشکلات ظاہر کرتا ہے کہ ارباب سیاست کو کیا کیا مشکلات درپیش ہوئیں اور کیا کیا طریقے اختیار کئے گئے۔

۱۸۵۰ء میں ملکہ نے وزیراعظم کے توسط سے وزیر خارجہ لارڈ پامرسٹن کے نام جو یادداشت بھیجی تھی اس سے اس امر پر غیر معمولی روشنی پڑتی ہے کہ فرمانروا کو مسلک حکومت کی ساخت سے کیا تعلق ہے۔ لارڈ پامرسٹن اپنے محکمے کا کام بالکل آزادانہ اور کسی قدر خودرایانہ طریقے سے چلانا چاہتا تھا اور یادداشت کے الفاظ یہ تھے "اولاً ملکہ یہ چاہتی ہے کہ لارڈ پامرسٹن وضاحت کے ساتھ یہ ظاہر کریں کہ فلاں معاملے میں وہ کیا تجویز کرتے ہیں۔ تاکہ ملکہ اس چیز سے جس کے متعلق انھیں اپنی منظوری دینی ہو بخوبی واقف ہوسکے۔ دوسرے جس مسئلے کے متعلق ملکہ منظوری دیدے اس میں اس کو کوئی وزیر خودرایانہ طور پر ردوبدل و ترمیم نہ کرے۔ ایسے فعل کو ملکہ اس بات پر محمول کریں گی کہ یہ حکمراں کے ساتھ وفاشعاری نہیں ہے اور عزل وزیر کے دستوری اختیارات کا استعمال کرنا جائز سمجھیں گی۔ ملکہ اپنے کو ان امور سے واقف رکھنا ضروری سمجھتی ہیں جو پامرسٹن اور بیرونی سفیروں کے درمیان اہم فیصلے ہونے سے پہلے گفت و شنید میں پیدا ہوں۔ نیز یہ ضروری ہے کہ بیرونی مراسلات ملکہ کو بروقت ملاکریں اور جو مسودات ان کی منظوری کے لئے آئیں وہ باہر بھیجنے سے پہلے کافی مہلت کے ساتھ اس کے پاس آیا کریں تاکہ ان کے مشتملات سے وہ اچھی طرح واقف ہوسکے۔" ملکہ کا یہ مطالبہ نہیں تھا کہ ان کی رائے سے وزارتی مسلک کی تشکیل عمل میں آئے بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ اس میں وہ منظوری دینے سے

گریز کر سکتی ہیں۔ وہ وزیر وقت سے صرف یہ مطالبہ کرتی تھیں کہ وہ ملکہ کو تشفی بخش طریقے سے واقف کرائے۔ ۱۸۵۱ء میں لارڈ پامرسٹن کو اس وجہ سے معزول کیا گیا کہ اس نے پیرس کے اچانک طرز عمل کے متعلق سرکاری طور پر جو خیالات ظاہر کئے تھے وہ اس حکمت عملی سے مختلف تھے جس کو کابینہ نے قرار دیا اور ملکہ نے منظوری دی تھی۔ ۱۸۳۲ء سے زمانۂ حال تک جو زمانہ گزرا اس میں عاملہ کے اختیارات میں غیر معمولی اضافہ اور اس کی جدوجہد میں غیر معمولی توسیع ہوتی رہی لیکن اس تبدیلی سے بجائے فرمانروا کے کابینہ کو زیادہ فائدہ پہنچا۔ چونکہ کابینہ بالکلیہ اقتدار پارلیمنٹ کے تابع سمجھی جاتی ہے اس لئے اس تبدیلی سے کوئی مخالفت ہوئی نہ کوئی دستوری تنقید عمل میں آئی۔

قانون اصلاح کے بعد جو دور آیا اس میں سیاسی فریق بندی کے جوڑ بند ڈھیلے ہو گئے اور غیر معمولی انتشار پیدا ہو گیا وھگ فریق میں ایک غالی عنصر پیدا ہو چکا تھا اور فتور ہو چکا تھا۔ سر رابرٹ پیل کے قانون اجناس کو منسوخ کرانے سے ٹوری فریق میں پھوٹ پڑ گئی۔ جس اکثریت نے اس کی تتبع سے انکار کر دیا تھا اور جس اقلیت نے جو "حامیان پیل" کہلاتے تھے اس کا اتباع کیا تھا دونوں کئی سال تک اپنے طور پر الگ الگ کام کرتے رہے۔ ان قدیم فریقوں کا انتشار اس بات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں وھگ اور ٹوری کے پرانے نام بتدریج متروک ہو گئے اور ان کی جگہ جدید نام لبرل اور متحفظ استعمال ہونے لگے اب بھی گا ہے ما ہے وھگ اور ٹوری کی جو اصطلاحیں استعمال ہوتی ہیں تو ان کے ساتھ خاص و محدود معنی وابستہ ہوتے ہیں۔ ان خاص حالات کا نتیجہ یہ تھا کہ ۱۸۵۲ء اور ۱۸۶۰ء کا درمیانی عشرہ مخلوط وزارتوں سے پُر ہے جو اکثر مختصر العہد تھیں اور وہ کمزوری ظاہر کرتی تھیں جو مخلوط حکومتوں کے لئے ناگزیر ہے۔ کابینہ کے مختلف اجزا تدبیر مملکت کے تقریباً ہر مسئلے کو جو سامنے آتا تھا مختلف زاویۂ نگاہ سے دیکھتے تھے ۱۸۵۹ء کے لگ بھگ "حامیان پیل" نے جن کا قابل ترین رکن گلیڈسٹن تھا اپنے کو علانیہ لبرل فریق کے ساتھ جوڑ دیا۔ الرھم آئرستانی سواراجی فریق کے عروج کو جو آٹھویں عشرے تک پارلیمنٹ کے اثر سے ہوا تھا مستثنیٰ نہ کریں تو اس کے بعد تقریباً ربع صدی ایسی گذری جس میں باقاعدہ

فریقانہ تعلقات اور باقاعدہ فریقانہ حکومت قائم رہی اگرچہ موجودہ زمانے کے بہ نسبت اس زمانے میں اور بالخصوص لبرل فریق میں جس طرح ہر ملک کے لبرل فریق کا حال ہے فریقانہ روابط میں آج کل سے زیادہ بست وکشاد کی گنجائش نہ تھی۔

دوسرا قانون اصلاح ۔ ۱۸۳۲ء کے قانون اصلاح کو منظور ہوئے کوئی بیس سال ہو چکے ہوں گے جب کہ اسی قسم کی مزید تبدیلیوں کے لئے خاطر خواہ کوشش کی گئی۔ ۱۸۵۲ء اور ۱۸۵۴ء میں لارڈ جان رسل نے پہلی مرتبہ بہ حیثیت وزیراعظم اور دوسری مرتبہ بہ حیثیت رکن کابینہ اور رہنمائے دارالعوام مسودات اصلاح پیش کئے لیکن ان میں کوئی تحریک بھی آزمائش رائے کے لئے آگے نہیں بڑھائی گئی۔ ۱۸۵۹ء میں ڈزریلی نے جو لارڈ ڈربی کی مستحفظ کابینہ میں وزیر خزانہ تھا ایک اور مسودہ پیش کیا تھا۔ یہ مسترد ہو گیا اور اس وزارت کو جس نے اس مسئلے کے لئے ملک سے استفسار کیا تھا شکست ہو گئی چنانچہ اب لبرلوں کے لئے جگہ خالی ہو گئی جو ۱۸۶۶ء تک برسر خدمت رہے۔ ۱۸۶۰ء میں لارڈ جان رسل نے جو اس وقت وزیر خارجہ تھا تیسری مرتبہ کوشش کی لیکن دوسرے امور کی مصروفیت کی وجہ سے یہ مسودہ ہمیشہ کے لئے واپس لے لیا گیا اور ۱۸۶۶ء میں ارل رسل کی (جو پہلے لارڈ جان رسل تھا) وزارت کو دوسرے مسودۂ اصلاح پر شکست ہو گئی جس کی وجہ سے اسے مستعفی ہونا پڑا۔ اس زمانے میں لبرل فریق اس مسئلے کے فروعات کے متعلق اپنی شقوں میں اس قدر منتشر تھا کہ وہ کسی تجویز کو پختہ کر کے روبراہ نہیں کر سکتا تھا۔ ان مجوزہ مسودات کے ساتھ کوئی زبردست عمومی مطالبہ بھی نہیں تھا۔ لیکن آخری مسودے کی شکست کے بعد عوام نے بالخصوص مزدور طبقات نے یہ ظاہر کر دیا کہ اصلاح کے لئے مطالبہ موجود ہے اور اس کی تشفی ہونی چاہئے۔ ۱۸۶۷ء کا مسودۂ اصلاح جسے "دوسرا مسودہ اصلاح کہتے ہیں" اسی ادعا کا نتیجہ تھا۔ اس کو ڈزریلی نے پیش کیا جو پھر وزیر مالیہ ہو گیا۔

یوں تو ارل ڈربی قدامت پسند کابینہ کا وزیراعظم تھا لیکن لبرل فریق کی (جس میں اس وقت یک جہتی پیدا ہو گئی تھی) دارالعوام میں اکثریت تھی۔ ان حالات میں ڈزریلی نے یہ تحریک کی کہ مسودۂ اصلاح کو غیر فریقانہ مسئلہ قرار دیا جائے"

چنانچہ یہ مسودہ دونوں فریقوں کے اتحاد عمل سے پاس ہوا۔ لیکن لبرل اس قدر پُرزور تھے کہ انھوں نے مسودے کو اپنے نقطۂ خیال کے مطابق بنالیا اور ڈزریلی نے معقولیت سے کام لیکر بہت سے قدامت پسندانہ تحفظات کو خارج کر دیا جو اس نے اپنی پہلی تحریکوں میں شامل کئے تھے۔ الغرض یہ مسودہ دراصل لبرلوں کا مسودہ ہوگیا، اگرچہ بغیر قدامت پسندوں کی رائے کے غالباً وہ پاس نہیں ہو سکتا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ قدامت پسند کابینہ کی طرف سے نہ ہوتا اور سرکاری نہ ہوتا تو دارالامرا اس کو رد کر دیتا۔

دوسرا مسودۂ اصلاح ۱۹۳۲ء کے قانون کے ڈھچر پر ڈھالا گیا۔ انتخاب کنندوں کی بالخصوص بلدیات کے رائے دہندوں کی اہلیت خاطر خواہ گھٹا دی گئی۔ لیکن معیار وہی رہے یعنی جائداد کی اہلیت برابر قائم رہی۔ بلدیات میں مکانات کے رہنے والوں کو اور کرایہ دینے والوں کو جو دس پونڈ کرایہ ادا کرتے تھے حق رائے دہی دیا گیا۔ صوبوں میں جو لوگ بارہ پونڈ کی سکونتی ضروریات پورے کر سکتے تھے وہ موجودہ رائے دہندوں میں شامل کئے گئے۔ اس قانون سے تقریباً دس لاکھ جدید رائے دہندے پیدا ہو گئے۔ اگرچہ یہ پچھلی تعداد سے پورے دگنے نہیں تھے لیکن عمومیت کی طرف یہ پیشقدمی اس سے کہیں زیادہ تھی جو اس تناسب سے سمجھی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ جو اضافہ ہوا تھا وہ بلدیات کے صناعوں کے شمول سے ہوا تھا۔ اس طرح ملک کے بلدیات کی رایوں میں ۱۳۴ فیصدی کا اضافہ ہوا اور بعض بلدیات میں رائے دہندوں کی پچھلی تعداد تگنی ہو گئی۔ واضح ہو کہ زراعتی مزدور اور وہ تمام مزدور جو ایسے بلدیات میں رہتے تھے جو پارلیمنٹ برو نہیں تھے ابھی رائے دہی سے خارج تھے۔ نشستوں کی جدید تقسیم کی وجہ سے باون نشستیں چھوٹے بلدیات سے لے لی گئیں اور یہ گیارہ جدید بلدیات کو اور چند ان پرانے بلدیات کو جن کی نیابت بڑھ گئی تھی اور صوبوں کو دی گئیں۔

اس مسودے کا ایک اتفاقی اثر ایسا تھا کہ جس کی نہ پیش بندی کی گئی تھی نہ اس کی خواہش تھی۔ اس سے مختلف سیاسی فریقوں کی گہری تنظیم ہو گئی بلکہ ایک ایسی چیز پیدا ہو گئی جس کو فرقی کل کہہ سکتے ہیں۔ دارالامرا کی ایک ترمیم کے مطابق جس کو

دارالعوام نے منظور کر لیا ایک محدود نیابت متناسبہ کا طریقہ جاری کیا گیا یعنی پانچ
بلدیات اور سات صوبوں میں جہاں سے تین تین اراکین منتخب ہوئے تھے
انتخاب کنندہ کو دو سے زیادہ کے لئے رائے دینے کی اجازت نہیں ملی۔
اس ضابطے کا منشا اکثر صورتوں میں پورا ہوا لیکن برمنگھم میں جس کی جوزف
چمبرلین رہنمائی کرتا تھا لبرل ایسوسی ایشن کے نام سے ایک جدید مقامی عضویت
بنادی گئی تھی جو بلدیہ کی لبرل رایوں کی پوری نگرانی کرتی تھی چنانچہ
محدود رائے دہی کے اصول کے باوجود تین کی تینوں نشستیں لبرل گروہ ہی کو مل گئیں۔
یہ اس نظام کی ابتدا ہے جو بعد کو انگلستان میں بزمک طریق کے نام سے
موسوم ہوا۔ برمنگھم کے نمونے پر دوسری مقامی انجمنیں بنائی گئیں اور اس کے
علاوہ لبرل انجمنوں کا ایک مرکزی وفاقیہ بھی تھا۔ اس کا مستقل نتیجہ یہ نہیں ہوا کہ
امریکہ کی طرح کی بزمکیں اور قومی اجتماع قائم ہو جائے بلکہ امیدواروں کا تقرر
اور ان کا انتخاب فریقوں کی رہنمائی اور نگرانی کے تحت سمٹ گیا اور اس کے
ساتھ ہی ہر منفرد رائے دہندہ اور ہر فریق کے امیدوار کی آزاد خیالی
میں کمی ہو گئی۔

حلقہائے انتخاب کا زور۔ حق رائے دہی کی وسعت سے جو
عام رجحانات پیدا ہوئے تھے وہ ایک حد تک اسی طرف کو جاتے تھے۔
رفتہ رفتہ دارالعوام کا دارومدار انتخاب کنندگان پر بڑھتا گیا۔ اس کے بعد
ہی حلقہائے انتخاب کی حاکمانہ قوت رفتہ رفتہ محسوس ہونے لگی۔ خود
ایوان کی کیفیت بھی بدلنے لگی۔ اب تک یہ ایسی جماعت تھی جس کے اراکین
الگ الگ مقامات سے منتخب کئے جاتے تھے لیکن یہ الگ الگ مقامات
کی نمایندگی نہیں بلکہ جملہ قوم کی نمایندگی کرتے تھے۔ یہ ایک نظریہ تھا اور
تا حد فطرت انسانی یہ ایک واقعہ تھا کہ ایوان اپنے پورے اراکین
اور آزادانہ بحث سے تمام حالات کے پورے علم اور غور کے ساتھ جس کا
منتخب کنندوں پر حصر کرنا ناممکن تھا خود اپنے طور پر فیصلے کرتا اور وزارتوں
اور تدبیر مملکت کی قسمت کا فیصلہ کرتا تھا۔ اب مختلف حلقہائے انتخاب میں

منتخب کنندگان اس بات کا مطالبہ کرنے لگے کہ ذمہ داری ان کے سامنے براہ راست ہو اور اپنے ارکین کے متعلق یہ خیال کرنے لگے کہ وہ قومی مسائل میں خود ان کے اظہار خیال کے ذرائع ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ ان سے توقع رکھی جانے لگی کہ وہ اس فریق کے ساتھ دائمی وفاداری کا ثبوت دیں جس نے ان کو منتخب کیا ہے۔ یہ سب کچھ روز افزوں عمومی طاقت کی کھلی نشانیاں ہیں۔ اس وقت تو جس سے ہم بحث کر رہے ہیں یہ صرف شروعات ہیں۔ اس زمانے کے لوگ ان امور سے پورے طور پر کہاں واقف ہو سکتے تھے۔ اور خود ہم ان امور سے صرف واقعات کا مطالعہ کرنے ہی سے واقف نہیں ہوئے بلکہ اس سے زیادہ ہم نے ان اولین تغیرات کی ٹوہ لگائی جو بعد کو خود بخود نمایاں اور واضح ہو گئے۔

۱۸۶۸ء کے تمام انتخابات سے لبرل فریق کو ایک زبردست اکثریت حاصل ہو گئی اور ڈزریلی جو اس سال کے اوائل میں ارل ڈاربی کے بعد وزیر اعظم ہو گیا تھا پارلیمنٹ کے اجلاس کا توقف کیے بغیر مستعفی ہو گیا۔ یہ پہلا وزیر ہے جس نے اس طریقے سے ملک کے فیصلے کو تسلیم کیا۔ اب گلیڈسٹن وزیر اعظم ہو گیا اور ۱۸۷۴ء تک برسر حکومت رہا۔ اس کے نظم و نسق کے پانچ سال بڑے اہم اصلاح کے دن تھے۔ آئرستانی کلیسا موقوف کر دیا گیا۔ ایک قانون اراضی آئرستان پاس ہوا، جو پٹہ دار کے لئے حفاظتی تدابیر کی ابتدا تھی۔ ایک قانون تعلیم سے تعلیم کو قومی بنانے کی مزید کوشش کی گئی۔ منحرفین جامعات میں شریک کئے گئے۔ فوج میں کمیشنوں کی فروخت کے انسداد کے لئے جو تدبیر کی گئی اس کی بابت معلوم ہوا کہ دارالامرا کی رائے خلاف ہے۔ چنانچہ ملکہ کے اختیار خصوصی سے کام نکال کر اس رسم کا خاتمہ کر دیا گیا۔ خفیہ رائے دہی کے رواج کے لئے جو مسودہ پیش ہوا اسے دارالامرا نے نامنظور کیا لیکن دوسری مرتبہ منظور ہو گیا۔ آخر میں قوانین عدالت جن پر پہلے ہی بحث ہو چکی ہے پاس ہو گئے۔

اس اثنا میں حق رائے دہی کی توسیع کے لئے پارلیمنٹ میں کئی تجاویز پیش کی گئیں لیکن گلیڈسٹن کی ۱۸۸۰ء والی دوسری وزارت سے پہلے اس کے متعلق کوئی خاطر خواہ قدم نہیں بڑھایا گیا۔
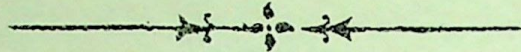
Bibliographical Note.—Sir W. R. Anson. *The Law and Custom of the Constitution*, 1907-9. P. Ashley, *Local and Central Government*, 1906. W. Bagehot, *The English Constitution*, 1872. J. R. M. Butler, *The Passing of the Great Reform Bill*, 1914. A. V. Dicey, *The Relation Between Law and Public Opinion in England in the Nineteenth Century* 1905; *The Law of the Constitution*, 1915. E. Dolleans, *Le Chartisme*, 1913. A. L. Lowell, *The Government of England*, 2 Vols. 1912. W. B. Odgers, *Local Government*, 1907. C. Seymoir. *Electoral Reform in England and Wales*, 1915. J. R. Thurshfield, *Peel*, 1891. G. S. Veitch, *The Genesis of Parliamentary Reform*, 1912.

باب ۱۹

عمومی انگلستان

اگر ۱۸۶۷ء کے قانون اصلاح نے انگلستان کو ارتقا کے عمومیت میں عصر جدید کے زینے تک پہنچا دیا تھا تو ۱۸۸۴ء والے تیسرے قانون نے اس کے تمام دروازے کھول دیے۔ حقیقت یہ ہے کہ انگلستان اس مرحلے کے لئے جو تقریباً آخری تھا بالکل تیار تھا۔ نصف صدی کے دوران میں اصلاح کی خوف و دہشت بالکل زائل ہو چکی تھی کیونکہ اس سے کوئی قومی مصائب نہیں پیدا ہوئے تھے۔ معاشرے میں کوئی افراتفری نہیں ہوئی تھی۔ جائداد و ملکیت غیر محفوظ نہیں ہوئی تھی اور استیصالی فریق حکومت پر کچھ ایسا مسلط نہیں ہوا تھا کہ ہمیشہ کے لئے اٹل ہو جاتا۔ اگرچہ ۱۸۶۷ء کی اصلاح سے حق رائے دہی میں غیر معمولی توسیع ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود فریقوں کے توازن میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ نہ صرف لوگوں کے ذہنی معتقدات میں بلکہ عادات و خیالات و افعال میں عمومیت نے کافی جگہ کر لی تھی۔

جب ۱۸۸۰ء میں گلیڈسٹن دوسری مرتبہ وزیر اعظم ہوا تو دار العوام میں اس کو بڑی کثرت حاصل تھی لیکن ۱۸۸۲ء تک اس نے کوئی جدید مسودہ حق رائے دہی

نہیں پیش کیا۔ سال مابعد میں ایک ایسی نئی شکل پیدا ہو گئی جو اب تک نہیں ہوئی تھی اور اس امر اتفاقی سے بعض ایسے طریقے وجود میں آ گئے جن کے ذریعے سے حلقہائے انتخاب پارلیمنٹ پر اور اس کے علاوہ کابینہ پر براہ راست اپنا اثر ڈال سکتے تھے۔ اکتوبر میں ۵۰۰ لبرل انجمنوں کی طرف سے ۲۰۰۰ نمایندوں نے لیڈز میں کانفرنس کی اور ایک پیش نامۂ اصلاح پر بحث کر کے یہ خواہش ظاہر کی کہ وزارت اس کو اختیار کرے۔ یہ منجملہ اور واقعات کے جو اس زمانے میں اسی نوعیت کے وقوع پذیر ہو رہے تھے صرف ایک واقعہ تھا۔

استحفاظی اراکین نے جدید مسودۂ اصلاح کے اصول کی حد تک کوئی مخالفت نہیں کی لیکن ان کو صرف اس بات میں مخالفت کا موقع ملا کہ اس مسودے کے ساتھ نشستوں کے رد و بدل کا کوئی مسودہ منسلک نہیں تھا بلکہ اس کو ایک سال کے لئے ملتوی رکھا گیا تھا۔ اسی بنا پر دار الامرا نے اس مسودے کو رد کر دیا۔ گلیڈسٹن نے اس کام کے لئے عام انتخاب کی کارروائی سے انکار کر دیا۔ لیکن جدید اجلاس کی تیاری میں جب کہ یہ مسودہ پھر پیش ہونا چاہیے تھا انتخاب کنندگان کے سامنے اس مضمون پر بڑی شد و مد سے بحث کی گئی۔ اسی بحث میں ایک تجویز جو اگرچہ انیسویں صدی میں بالکل جدید تجویز نہ تھی بلکہ ایک پرزور تحریک ہونے کی حیثیت میں جدید تھی یہ پیش ہوئی کہ تنظیم دار الامرا کی جدید تشکیل ضروری معلوم ہوتی ہے اور گلیڈسٹن نے ملکہ وکٹوریہ کی توجہ بحث کے اس ضروری پہلو کی طرف مبذول کروائی۔ ملکہ بہت پریشان ہو گئیں اور وہ ایک تو اس وجہ سے پریشان ہوئیں کہ ایوان کی تشکیل جدید کا امکان تھا اور کچھ اس وجہ سے کہ دونوں ایوانوں میں آثار اضطراب پیدا ہو گئے تھے۔ اس کے لئے ملکہ نے خود ثالث کی خدمت انجام دی اور گلیڈسٹن اور لارڈ سالسبری کو لکھا کہ تم ذاتی طور پر باہم مشورہ کرو تاکہ باہم مفاہمت ہو جائے اور اس سے مسودے کی منظوری کا موقع ملے۔

اس کانفرنس میں مسودۂ تقسیم جدید کے مجوزہ انتظامات مستحفظ رہنماؤں کو سمجھائے گئے۔ اس میں کوئی اعتراض نہیں پایا گیا اور امرا نے مسودے کو پاس کر دیا۔ گلیڈسٹن نے فوراً ملکہ کو لکھا کہ "میرا اولین فرض یہ ہے کہ میں ملکہ معظمہ کی خدمت میں

مودبانہ شکریہ ادا کروں کہ ملکۂ معظمہ کے ذاتی اثرات تے جو نہایت معقولیت سلیقے اور استقلال کے ساتھ کام کرتے رہے اس معاملہ کی یکسوئی میں معتد بہ مدودی اور معاملات کے شدید بحران کو بچالیا۔" اس سے پہلے بھی ۱۸۶۹ء میں جب کہ مسودۂ موقوفی کلیسائے آئرستان کے استرداد کا خوف پیدا ہو گیا تھا ملکۂ وکٹوریہ نے اسی طریقے سے مداخلت کی تھی اور اسی طرح کی کامیابی حاصل کی تھی اور مسٹر گلیڈسٹن کا تحریری شکریہ حاصل کیا تھا۔ پھر ۱۸۸۵ء میں جب کہ گلیڈسٹن مستحفظ اور آئرستانی رایوں کے اجتماع سے شکست ہوگئی ملکہ نے کامیابی کے ساتھ لارڈ سالسبری اور گلیڈسٹن کے درمیان سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی۔ سالسبری مستحفظ وزارت بنانا چاہتا تھا۔ اور گلیڈسٹن کی تائید میں بہ نسبت قدامت پسندوں کے ہنوز سوادیوں کی کثرت تھی بشرطیکہ آئرستانی جو مذبذب تھے ان کی تائید کرتے۔ یہ واقعات اس اثر کی اچھی مثالیں ہیں جو حکمران عملی معاملات میں اب تک استعمال کرسکتا ہے اس اثر سے حکمران خود کوئی فیصلہ نہیں کرتا بلکہ جو لوگ فیصلہ کرتے ہیں ان کے لیے مشکلات حل کر دیتا ہے اور سہولت پیدا کر دیتا ہے۔

تیسرا قانون اصلاح۔ ۱۸۸۴ء کے قانون اصلاح کی رو سے قابضانہ حق رائے دہی، جو ۱۸۶۷ء میں بلدیات کو دیا گیا تھا صوبوں میں بھی بڑھایا گیا اور رائے دینے کی اہلیت خفیف استثنا کے ساتھ ان دونوں قسم کے حلقہائے انتخاب میں پہلی مرتبہ یکساں کر دی گئی۔ ہر ایسے مرد کو رائے دینے کا حق دیا گیا جس کی عمر ۲۱ سالہ ہو اور جو کسی مکان سکونہ کا "عادتی قابض" ہو خواہ اس کی سکونت بہ حیثیت مالک کے ہو یا کرایہ دار کے یا کسی خدمت یا ملازمت کے سبب سے ہو لیکن شرط یہ تھی اس مکان میں وہ شخص کبھی سکونت پذیر ہو جس کا وہ خادم ہو۔ نیز ایسے کرایہ داروں کو حق رائے دیا گیا جن کی مالیت بلا اسباب خانہ داری دس پونڈ سالانہ تھی۔ اس قانون سے بالکلیہ عمومی عالمگیر رائے دہی نہیں پیدا ہوئی چند قدیم حقوق رائے دہی کی املاکی اہلیتیں اور تکثیری رائے دہندے باقی رہ گئے۔ وہ نوجوان جو اپنے باپ کے ساتھ رہتے ہوں اور وہ ملازم جو اپنے آقا کے مکان میں رہتے ہوں رائے نہیں دے سکتے تھے۔ لیکن ان مستثنیات کی نسبتہً بہت کم اہمیت تھی۔ جو گاڑیبان اور مالی کسی جاگیر کے حدود کے اندر اپنے جھونپڑوں میں

رہتے ہوں رجسٹر میں ان کا نام داخل کیا جا سکتا تھا، اور وہ لوگ جو روزانہ اجرت یا اُس کے مساوی آمدنی پاتے تھے اور اُن شرائط کی تکمیل کی زحمت گوارا کر سکتے تھے اندراج رجسٹر کے اہل قرار دیے گئے اس قانون کے تحت (بہ تناسب آبادی) پارلیمنٹی انتخاب میں اتنی ہی رائیں دی گئی ہیں جتنی امریکہ کے کانگریسی انتخاب میں۔

نشستوں کی جدید تقسیم اور حلقہائے انتخاب کی جدید تقسیم کی بابت ۱۸۸۵ء میں جو قانون پاس کیا گیا اِس سے اسقدر زبردست تبدیلیاں ہوئیں کہ ایسی اب تک نہیں ہوئی تھیں۔ دار العوام میں بارہ جدید ارکین زیادہ کئے گئے۔ اور مجموعی تعداد ۶۷۰ ہوگئی۔ منجملہ اِن کے ۴۶۵ انگلستان کی طرف سے۔ ۳۰ ویلز کی طرف سے ۷۲ اسکاچستان کی طرف سے اور ۱۰۳ آئرستان کی طرف سے آتے تھے۔ تناسب آبادی کے لحاظ سے انگلستان کو سب سے کم اور آئرستان کو سب سے زیادہ نیابت حاصل تھی۔ چند حلقہائے انتخاب ایسے رہ گئے جو ایک سے زیادہ ارکین بھیجتے تھے لیکن سلطنت متحدہ کا بڑا حصہ ۶۱۶ حلقہائے انتخاب میں منقسم کیا گیا جن میں ہر حلقہ ایک رکن منتخب کرتا تھا۔ ان حلقوں کا تعین آبادی کے لحاظ سے کیا گیا تھا۔ گو یہ صحیح ہے کہ انگلستان میں آبادی کے مساوی اکائیوں کی نیابت کا اصول اسقدر قطعیت کے ساتھ نہیں عمل میں لایا گیا جس طرح ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں۔ لیکن اس کے باوجود خود امریکہ میں بھی عدم مساوات موجود ہے۔ بالکل نپا تلا پیمانہ کسی جگہ ممکن نہیں۔ اس اثنا میں دوسرے قوانین کے پاس ہونے سے جن کی نوعیت بالکلیہ دستوری نہیں تھی عمومیت کا راستہ اور صاف ہو گیا۔ آسٹریلیا کی سی خفیہ رائے دہی اختیار کی گئی۔ انتخاب کنندگان کے فائدے کے لئے اندراجات کا طریقہ سہل ہو رہا تھا اور سہل کیا جا رہا تھا۔ ان قوانین نے جو رشوت ستانی کی بابت پاس ہوئے وہ مواقع گھٹا دیے جن سے انتخابات پر ناجائز اثر پڑ سکتا تھا۔

چند امور کے قطع نظر جن کی نظریے میں کوئی اہمیت ہو تو ہو لیکن عمل میں کوئی اہمیت نہ تھی، ۱۸۸۵ء سے ہر معاملے میں انگلستان عمومی بن گیا جہاں تک رائے عامہ کے اُس قریبی اثر کا تعلق ہے جو مسلک حکومت پر پڑتا تھا۔ یہ کہنا نامناسب نہیں کہ انگلستان ایک پشت تک ریاستہائے متحدہ امریکہ سے زیادہ عمومیت لئے ہوئے تھا

حکومت کے نظام کابینہ سے جہاں وزارت دار العوام کے سامنے ذمہ دار ہوتی ہے اور اکثریت کے معدوم ہونے سے اس کو حکومت سے دست بردار ہونا پڑتا ہے، ایک ایسا راستہ پیدا ہو گیا کہ جس کے ذریعے سے قومی رائے کی تبدیلی مسلک حکومت کی تبدیلی میں خود بخود ظاہر ہونے لگی اور اس کے لئے آیندہ انتخاب کے انتظار کی ضرورت باقی نہیں رہی لیکن ہمیشہ شرط یہ ہے کہ جس وقت پارلیمنٹ سے باہر رائے بدل جائے دار العوام میں بھی رائے بدل جانی چاہیے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایام ماضی میں بھی یہی ہوا ہے اور مستقبل میں اسی کی توقع کی جا سکتی ہے کیونکہ حلقہائے انتخاب کو ایوان پر جو روز افزوں غلبہ ہو رہا ہے اس سے کوئی اور صورت ممکن نہیں۔

بیرونی رائے کا یہ دباؤ اور پارلیمنٹ اور کابینہ کا اس دباؤ میں آنا فریق بندی اور رفتار حکومت کی تاریخ کی ممتاز خصوصیت ہے جو ۱۸۶۷ء کے مسودۂ اصلاح کے بعد سے ظاہر ہونے لگی۔ اس مسودے کے پہلے بھی کچھ اثر ضرور موجود تھا اور وزرا اس دباؤ کو دل سے محسوس کرتے تھے۔ ۱۸۸۰ء میں جب گلیڈسٹن وزیر اعظم ہوا تو اس نے لارڈ روز بری کو لکھا کہ "جو پارلیمنٹ کے باہر ہے وہ مجھے اہمیت میں اس سے کہیں متجاوز ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے جو پارلیمنٹ کے اندر ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ یہ اہمیت متجاوز ہو چکی ہے"۔ اور جب ۱۸۸۵ء میں حکومت نے استعفا دے دیا تو ڈیوک آرگائل نے گلیڈسٹن کو لکھا کہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے باہر کی تقریروں کو اثر ڈالنے کا موقع دیا اور کابینہ کی باگ اس طرف موڑ دی جس کو بہ حیثیت مجموعی حکومت نے ابھی طے نہیں کیا تھا۔

ان الفاظ سے بس یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیام عمومیت کا قدرتی نتیجہ تھا اور جس میلان کی طرف یہ الفاظ اشارہ کرتے ہیں وہ سنین مابعد میں اپنی روز افزوں قوت کے ساتھ برابر بڑھتا گیا۔ اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی۔

اس صدی کے اختتام سے پہلے جو نتائج برآمد ہو چکے تھے وہ واضح تھے اور ان کے متعلق ہمارے ہاں نہ صرف نقادوں کا ثبوت موجود ہے بلکہ ان لوگوں کی شہادت بھی ہے جو اپنے تجربے کے ساتھ حکومت کے اندرونی چلن سے واقف تھے جس طرح یہ چیزیں اس زمانے میں پائی جاتی تھیں اور جس رنگ میں اس زمانے کے مصنف ان کو پیش کرتے ہیں ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عہد وکٹوریہ کے

وسط سے دو طرح سے ان میں تبدیلی ہو رہی تھی ایک پارلیمنٹی حکومت کے عام خد و خال اور دوسرے ان کے اجزائے ترکیبی کے باہمی تعلقات میں عام الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان تبدیلیوں کا اثر یہ ہوا کہ انگلستان اور ریاستہائے متحدہ کے درمیان باوجود عظیم الشان اختلافات کے جواب تک موجود ہیں حکومت کی ہیئت ظاہری اور عملی چلن میں پہلے سے زیادہ یکسانی پیدا ہو گئی - یہ وہ نتائج ہیں جو ایک مثال کو مستثنیٰ کر کے اب تک دستوری شکل میں ظاہر نہیں ہوئے - ان نتائج سے دستور کا قانونی پہلو متاثر نہیں ہوا لیکن رسمی پہلو ضرور متاثر ہوا - دوسرے الفاظ میں شکل نہیں بلکہ تاویل متاثر ہوئی - لیکن اس بات کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے کہ انگریزی بولنے والی اقوام میں اس قسم کی تبدیلیاں بہت پر اثر ثابت ہوئی ہیں -

ابھی ہم یقین کے ساتھ اس بات کا دعویٰ نہیں کرسکتے کہ یہ تبدیلیاں اسقدر منضبط ہیں کہ ان سے ایک منزل ارتقا سے دوسری منزل تک دستور کی رفتار ظاہر ہوئی ہو - چونکہ کابینہ اور پارلیمنٹی حکومت کے رنگ روپ میں بہت زیادہ فرق نہیں پڑا اور وہ تقریباً وہی ہے جو عہد وکٹوریہ میں تھا اور جہاں تک نظریے اور تاویل عام کا تعلق ہے پارلیمنٹی حکومت کا رنگ روپ تو بہت کچھ وہی ہے اس لئے اگر عمومیت اس وادی خوف سے گزر جائے جو تجربے کا اقتضا ہے - اور یہ معلوم کرے کہ وہ کیا کیا کرسکتی ہے اور کسطرح کرسکتی ہے - اور پورے اعتماد کے ساتھ اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لینے کا ایسا انتظام کرے کہ دار العوام کے اراکین کی حیثیت صرف دفیدوں کی سی نہ رہے تو اس طرف خفیفۃً عود کرنا ناممکن نہیں ہے - اگر دار العوام پر سے مقامی حکومت اور چھوٹی اور معمولی فروعات کا بوجھ ہلکا کرنے کے ذرائع بہم پہنچائے جائیں تاکہ اس کو بڑے مسائل پر عام بحث کرنے کا موقع ملے جو واقع میں اچھے نتائج کا باعث ہوگی تو ایسی صورت میں عہد وکٹوریہ کا نظام حکومت کابینہ بہ آسانی واپس آسکتا ہے سنہ ۱۹۰۵ء کے بعد ہم کو اواخر انیسویں صدی کے میلانات میں قدرے تبدیلی محسوس ہوگی - دراصل یہ تبدیلی وہ تھی جو ایک طرف دار العوام کے ساتھ دوسری طرف حلقہائے انتخاب کے ساتھ کابینہ کے تعلق پر اثر ڈالتی تھی - اس کو گہرے اور بے لاگ الفاظ میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ اب کابینہ کی باگ دار العوام کے ہاتھ میں نہیں معلوم ہوتی

بلکہ خود کابینہ جس کو انتخاب کنندگان متقرر کرتے ہیں اور اس کی تائید کرتے ہیں دارالعوام کی مالک اور قائد بنتی جارہی ہے گو یہ بیان کسی قدر سخت معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اسی صورت حال کی پوری وضاحت ہو تو اس میں کسی قدر ترمیم کی گنجایش نکل سکتی ہے۔

کابینہ کے بڑھے ہوئے اختیارات ۔ دوسرے قانون اصلاح کے بعد سے یہ ہوا کہ وہ اکثریتیں جن کے زور سے ایک نہ ایک فریق انتخاب میں غالب ہو جاتا تھا اس قدر قوی ہونے لگیں کہ ان حکومتوں کو جو اس فریق سے مرتب ہوتیں ایوان میں پورا اقتدار حاصل ہو جاتا۔ اگر پارلیمنٹ میں کسی فریق کو ایک سو کی اکثریت ہو تو یہ مشکل ہے کہ باوجود چند اراکین کے دوسری طرف چلے جانے کے بھی اکثریت اقلیت میں تبدیل ہو جائے، گو بعض مرتبہ، خصوصاً جب ایسے فریق جیسے آئرستانی سوا راجی فریق بھتا پاسنگ کی طرز پر دونوں بڑے بڑے فریقوں کا توازن رکھتا تھا اس میں دو چیزیں اور شامل کرنی چاہئیں۔ ایک یہ ہے کہ جدید حلقہائے انتخاب چاہتے تھے کہ ہر فریق کے تمام ارکان ایوان میں اپنے رہنماؤں کے ساتھ غیر متزلزل وفاداری کا ثبوت دیں۔ ایسی وفاداری ابتک نہ تھی۔ یہ لوگ غالباً اسی معین نتیجے پر پہنچے تھے کہ ان کی خواہشیں اسی وقت اچھی طرح پوری ہوسکتی ہیں جب کہ فریقانہ پیش نامہ کی سختی سے پابندی کی جائے۔ "انجمنوں" کی تنظیم سے یہ فائدہ ہوا کہ گھر میں اور دوسرے اراکین ایوان پر رائے عامہ کا دباؤ پڑنے لگا۔ دوسرے یہ کہ محفوظ نشستوں کا حاصل کرنا اتنا سہل نہیں رہا جتنا اعیانی دور حکمرانی میں تھا۔ ایک بڑی قوم میں جہاں صدہا اغراض و مقاصد ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراتے ہوں اور متعدد امید وار امیدان میں کھڑے ہوتے ہوں۔ انتخاب ایک غیر یقینی چیز ہو کر رہ گیا تھا اور باوجود جائز مصارف کے ایک بڑا رقمی معاملہ تھا۔ کوئی رکن اس وقت تک کسی قسم کی آزادی طرز عمل کا مظاہرہ نہیں کرسکتا تھا تاوقتیکہ اس کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ اس کے پیچھے اس کے منتخب کرنے والوں کی پوری تائید ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پارلیمنٹ برخواست کرنے کا اختیار اور عام انتخاب میں ملک سے رائے دریافت کرنے کی قوت ناقابل مزاحمت ہو گئی۔ کابینہ کے ہاتھ میں ایک ایسا تازیانہ آگیا جس کو وہ بلا پس و پیش استعمال کرتی تھی اور مشتبہ ساتھیوں کو عقبی قطاروں میں دھکیل دیتی تھی۔ جب کابینہ کسی مسودے کو تجویز حکومت

قرار دیتی اور اس طرح اس کی شکست کو پارلیمنٹ کی زندگی کے لئے خطرناک قرار دیتی۔ تو اس ذریعے سے ایک مسودے کو پاس کرنا بہت کچھ یقینی ہو جاتا اور کسی اہم ترمیم کی روک تھام آسان ہو جاتی۔

اگر ہم اس نظریے کو اس کے منطقی نتیجے تک پہنچا دیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کابینہ پارلیمنٹ کی مطلق مالک ہو جائے گی اور جس نظریے پر حکومت کابینہ کا نظام قائم ہے وہ واقعات کے مطابق نہ ہوگا۔ نظریہ یہ ہے کہ اگر ایوان کے اراکین ایک مسئلے پر کابینہ کی تائید کریں تو دوسرے مسئلے پر اس کی مخالفت کر سکتے ہیں۔ نظریہ یہی ہے کہ حکومت اپنے کو قائم رکھنے کے لئے ایوان کی اکثریت کو مطمئن اور قائل کرے ورنہ خود فریق حکومت کے غیر مطمئن اراکین اس کے خلاف رائے دیں گے اور اس کو خدمت سے علٰحدہ کر دیں گے۔ اگر یہ صورت حال باقی نہ رہے تو پھر یہ ہوگا کہ ایک انتخاب کے بعد جس میں ایک بڑی اکثریت آ جائے کابینہ اسوقت تک اٹل ہو جائے گی جب تک قانونی قید کے مطابق پارلیمنٹ کی زندگی ختم نہ ہو جائے۔ اس صورت میں برطانوی نظام اور کانگریسی انتخاب کے امریکی عملدرآمد میں کوئی اہم فرق نہ ہوگا۔ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ رجحان ضرور اس نتیجے کی طرف پایا جاتا ہے لیکن یہ چیز ابھی پیدا نہیں ہوئی۔ ابھی تک ایوان میں دیکھا جاتا ہے کہ اراکین فریق کبھی کبھی حکومت سے پھر جاتے ہیں خود اکثریتیں جو اوائل میں کتنی ہی بڑی کیوں نہیں ہوں بعض اوقات پاش پاش اور منتشر ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ۱۹۰۵ء میں مسٹر بالفور کی اکثریت کا یہی حال ہوا۔ وہ بیرونی طاقت جو کسی کابینہ کو ہٹا دیتی اور توڑ دیتی تھی وہ تقریباً دو سو سال تک رائے عامہ کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن تبدیلی سب کچھ اس میں اور اس جگہ نہیں ہوئی جہاں یہ قوت ظاہر ہوتی ہے۔ اب رائے عامہ کا مرجع دار العوام نہیں رہا جو قرون وسطیٰ میں رائے عامہ کا مرکز تھا۔ نہ اٹھارھویں صدی کی طرح (اگر اس صدی میں رائے عامہ کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو) پارلیمنٹ میں اس کی رہنمائی ہوتی تھی اور وہ مشخص کی جاتی تھی۔ اب تو پارلیمنٹ اور کابینہ ایک دوسرے سے بے نیاز ہیں اور دونوں کی باگ رائے عامہ کے ہاتھ میں ہے۔ جو کسی اور جگہ بنتی

اور ظاہر ہوتی ہے اور دار العوام کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ وہ روز بروز ایک کل کی حیثیت اختیار کر رہا ہے جس کا کام صرف بیرونی فیصلوں کو قلمبند کرنا ہے۔ جہاں تک دستور سازی کا تعلق ہے۔ یہ ایوان اپنے فیصلے کو حکومت پر ظاہر کرتا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ یہ رائے خود اس کی بنائی ہوئی ہوتی ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ایک تاریخی ادارہ ہے جس کے ذریعے یہ کام ہمیشہ انجام پاتا رہا ہے اور اس غرض کے لئے کوئی اور ذریعہ اس سے بہتر آج تک تجویز نہیں ہوا۔

دار العوام کی طاقت میں انحطاط - اگر ہم کو یقین ہو جائے کہ یہ میلانات جو ہم پچھلے چالیس سال کے دوران میں محسوس کر رہے تھے حقیقی اور مستقل ہیں تو ہم کو ایک ایسی دستوری تبدیلی سے سابقہ پڑے گا جو اپنی عظمت میں کسی پچھلی تبدیلی سے کم نہیں ہے۔ اس کا فیصلہ تو صرف زمانہ کرے گا کہ یہ عظیم الشان ہے یا نہیں۔ لیکن اس عمومی تحریک کے چند لوازم ایسے ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ منجملہ ان کے ایک نمایاں چیز یہ ہے کہ ایوان میں رائے لینے سے پہلے جو بحث ہوتی ہے وہ بے اثر سی معلوم ہوتی ہے۔ بحث کا وہ ٹھوس استدلال جو نفیاً و اثباتاً پیش کیا جائے دلچسپ نہیں ہوتا بلکہ بحث کے صرف وہ اجزا دلچسپ ہوتے ہیں جن میں کبھی کبھی طرفین میں چوٹیں ہو جاتی ہیں۔ اگر نتیجہ وہی امر طے شدہ ہے جو عظیم الشان وزراتی اکثریت اور حلقہائے انتخاب کے فیصلے سے مقرر ہو چکا ہے تو پھر اس کو ہر شخص سمجھتا ہے کہ اس تجویز کے محاسن پر بحث کرنے سے اس میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا۔ فریق مخالف کی تقریریں تقریباً ویسے ہی بے اثر ہوتی ہیں جیسے دار الامراء کے احتجاجات جو اس ایوان کی روئداد میں درج کئے جاتے ہیں۔ ان اندراجات سے صرف اسقدر معلوم ہو جاتا ہے کہ صدر دار العوام کن کن موقعوں پر کھڑا ہوا۔ اکثر و بیشتر صورتوں میں ان تقریروں کا تخاطب باہر کے لوگوں سے ہوتا ہے۔ اراکین بحث نہیں سنتے۔ اگرچہ یہ بے توجہی اس حد تک نہیں پہنچتی ہے جو امریکی کانگریس کی ہے۔ لیکن یہ امریکی طرز کے قریب قریب پہنچ جاتی ہے۔ وجہ دونوں جگہ ایک ہے۔ حقیقی بحث جس سے

رائے قرار پاتی ہے اور اس رائے سے ملکی معاملات طے ہوتے ہیں وہ دارالعوام سے سیاسی حلقوں اور اخباروں اور میعادی رسائل میں منتقل ہوگئی ہے اور ان کا روئے سخن براہ راست انھیں لوگوں سے ہوتا ہے جو فیصلے کرتے ہیں۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اکثر اوقات معمولی کاروبار اور بعض اوقات اہم تر کاروبار بغیر کافی بحث کے طے کردئے جاتے ہیں۔ اس کی صرف یہی وجہ نہیں ہے کہ ہر اجلاس پارلیمنٹ کا بہت بڑا حصہ سرکاری کاروبار میں مصروف ہوتا ہے۔ اس کی کچھ وجہ وہ مقامی اور فروعی کاروبار ہے جو پارلیمنٹ کو طے کرنا پڑتا ہے اور اس سے نہ صرف حکومتی مسودات بلکہ غیر سرکاری مسودات پر اثر پڑتا ہے۔ اگر اہم ترین مسائل کا تصفیہ دارالعوام کے اختیارات سے باہر ہوگیا تو بھی وہ فروعات پر نقادانہ نظر دوڑا کر ایک اہم فرض ادا کرسکتا ہے اور حکومت کو مجبور کرسکتا ہے کہ اپنی تجاویز کی فروعات کے حق بجانب ہونے پر پورے طور پر بحث کرے۔ یہ چیز خاص طور پر رقمی قانون سازی پر صادق آتی ہے چنانچہ اس تمام کوشش کے باوجود کہ اس قانون سازی کے لیے تمام دوران اجلاس میں خاطر خواہ بحث مباحثہ ہو اور اس کے لئے باضابطہ وقت مختص کرنے کا انتظام کیا جائے تاہم وہ مقصد پورا نہیں ہوا۔ یہ کام ہمیشہ ملتوی ہوتا رہتا ہے، اجلاس کے آخری ایام میں اس کا ہجوم ہوتا ہے اور بعض اہم مسائل بغیر جانچ پڑتال کے طے کردئے جاتے ہیں۔

یہ تبدیلیاں جو انتخاب کنندگان، پارلیمنٹ اور کابینہ کے تعلقات پر اثر ڈالتی ہیں ان لوگوں کی توجہ سے اوجھل نہیں ہوتیں جو پارلیمنٹ اور حکومت میں دلچسپی لیتے تھے۔ لارڈ سالسبری نے ۱۸۹۴ء میں کہا تھا کہ "میرے خیال میں دارالعوام میں ایک غیر معمولی تبدیلی واقع ہوئی ہے اور یہ ارتقا ابتک جاری ہے۔ ہم اس نقطے پر پہنچے ہیں کہ کسی تجویز کے متعلق کابینہ میں بحث ممکن ہے لیکن دارالعوام میں یہ بحث جس کا کوئی موثر اور مفید نتیجہ ہو ناممکن ہوتی جارہی ہے"۔ اسی سال اس نے پھر یہ کہا کہ "میں خیال کرتا ہوں کہ جہاں تک بڑے مسائل کا تعلق ہے دارالعوام بتدریج اپنے اختیارات

دو چیزوں کے درمیان کھو رہا ہے۔ ایک طرف کابینہ اور دوسری طرف انتخاب کنندگان"۔ ۱۹۱۰ء میں لارڈ ہیو سیسل نے جو کنسرویٹو رہنماؤں میں سے تھا دار العوام میں کھڑے ہو کر کہا تھا کہ "یہ اعتقاد راسخ ہوتا جاتا ہے کہ ایوان ایک ایسا ادارہ ہے جس کا بہت کچھ اقتدار اور شہرت جاتی رہی ہے اور چونکہ کابینہ اس سے بہتر ادارہ ہے اور یہ ایک ناقص ادارہ کے حقوق پر دست دراز کرتا ہے اس لیے اس پر ملک زیادہ توجہ نہیں کرتا"۔ ۱۹۱۱ء میں لارڈ برکن ہیڈ نے (جو اس وقت صرف اِف۔ ای اسمتھ کہلاتے تھے) ایوان میں کہا تھا "معزز اراکین وہ حالات جانتے ہیں جن کے تحت ایوان میں کام کیا جاتا ہے۔ یہ کہنا کہ کاروبار دار العوام کی مرضی پر موقوف ہیں صرف رسم اور نام کی بات رہ گئی ہے۔ یہ تمام ایوان کی مرضی پر بالکل نہیں ہے بلکہ کابینہ کی مرضی پر موقوف ہیں"۔

اگر موجودہ میلانات کے یہ مشاہدے صحیح ہیں تو ان سے بعض نتائج ضرور مستنبط ہوتے ہیں۔ دار العوام کے سامنے اب وزارت ذمہ دار نہیں ہے۔ اگر دار العوام اس لیے وزارت کے مخالف ہو جائے کہ حلقہائے انتخاب بھی کابینہ سے منحرف ہو گئے ہیں تو یہ اختیار ایوان سے گویا حلقہائے انتخاب کے ہاتھ میں چلا گیا۔ وسطی عہد وکٹوریہ کا یہ فیصلہ اب بالکلیہ صحیح ہے کہ کابینہ مقننہ کا ایک تیسرا ایوان ہے۔ کابینہ ہی تقریباً مقننہ ہے۔ اس کے علاوہ جب انگلستان میں عام انتخابات ہوتے ہیں تو ریاستہائے متحدہ امریکہ کے برخلاف مسائل زیر بحث اکثر و بیشتر قومی حکمت عملی کے متعلق ہوتے ہیں لیکن ان مسائل میں یا تو مخصوص شخصیتیں ہوتی ہیں ورنہ عام حکمت عملی کسی معین مسائل کی قرارداد نہیں ہوتی۔ یہ چیز بھی ناگزیر معلوم ہوتی ہے کہ دار العوام کی ذہنی سطح بھی آہستہ آہستہ نیچے ہوتی جائے گی اور اکثر اہل غور و فکر تو یقین کرتے ہیں کہ یہ تغیر ابھی سے ظاہر ہونے لگا ہے۔ انگلستان کی سیاسی زندگی کے جو خدوخال پہلے بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں اور امریکہ کی سیاسی زندگی کے خصائص میں مشابہت کے اتنے پہلو پائے جاتے ہیں کہ یہ عمومیت کے قدرتی میلانات کی

نشاندہی کرتے ہیں یا کم از کم اسی طرز کی عمومیت کی نشاندہی کرتے ہیں جو حکومت کے کاروبار پر عبور حاصل کر رہی ہے۔ لیکن یہ ایک مورخ کا کام ہے کہ وہ کم از کم اپنے زمانے کے حالات کے متعلق نتائج نہ نکالے بلکہ صرف یہ بتائے کہ اس وقت کی صورت حال کیا ہے۔ اس کا تجربہ بھی اس کے پچھلے زمانے کے بہ نسبت خود اپنے زمانے کے متعلق صحیح رہنمائی کر سکتا ہے کہ قطعی اظہار رائے کے لیے کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے۔

موجودہ دارالامراء۔ اس دور میں دارالامراء میں دارالعوام کے بہ نسبت بہت کم حقیقی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ گو اس وقت پہلی دفعہ ایک قانون موضوعہ کی شکل میں اس کے اختیارات محدود کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن اس قانون موضوعہ سے کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی، بلکہ اس قانون نے اس تبدیلی کو جو پہلے واقع ہو چکی تھی ایک معین شکل میں ظاہر کر دیا۔ اس واقعے کو قطع نظر کر کے دارالامراء کی تاریخ صدیوں سے ترقی کے ایک ہی راستے کو طے کرتی رہی۔ زمانۂ حال میں جب انگلستان کی دولت و آبادی بڑھی تو اس کی تعداد میں بھی آہستہ آہستہ اضافہ ہوا۔ سولھویں صدی کے ضروری واقعات پہلے ظاہر کر دیئے گئے ہیں۔ شاہان اسٹوائرٹ نے ۹۴ اراکین کا اضافہ کیا اور ولیم اور این نے اسکاچستانی امرائے نیابتی کے علاوہ مجموعی تعداد ۱۷۸ تک بڑھا دی۔ جارج اول اور جارج دوم نے بہت سے اضافے کیے لیکن اس کے باوجود جارج سوم کی تخت نشینی کے وقت دارالامراء کی تعداد صرف ۱۷۴ تھی۔ جارج سوم کے آفریدہ امراء کی تعداد ۳۸۸ تھی۔ لیکن منجملہ ان کے صرف ۱۲۸ ایسے تھے جن کو سنہ ۱۸۶۰ء میں ایوان کی جداگانہ رکنیت حاصل تھی۔ اس لیے کہ بعض خطابات دوسروں میں ضم ہو گئے اور بعض معدوم ہو گئے۔ سوائے برطانوی امارت کی تاریخ کے کسی اور جگہ یہ میلان اس قدر واضح طور پر نہیں پایا جاتا کہ ایک نسل سب سے بلند زینے پر جا کر فنا ہو جائے۔ ملکہ وکٹوریہ کے پہلے بیس سال میں تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ ایک امارت معدوم ہوئی تو اس کی جگہ جدید امارت پیدا کر لی گئی۔ عجیب بات ہے کہ صرف معدودے چند

امیر گھرانے امارت اختیار کرنے کے دو صدی کے بعد باقی رہتے ہیں۔ اور فتح نارمنی کے بعد سے ہر دو سو سال کے وقفے کے بعد تقریباً تمام امارتوں کی تجدید ہوتی گئی ہے۔ زمانۂ حال میں نہایت فراخدلی کے ساتھ جدید امارتیں بنائی گئی ہیں۔ ایڈورڈ ہفتم کی تخت نشینی کے وقت ایوان کے اراکین کی تعداد ۵۹۱ اور جارج پنجم کی تخت نشینی کے وقت ۶۲۳ تھی۔ ۳۱ مارچ ۱۹۱۹ء کو ان کی تعداد ۶۹۸ تھی۔ منجملہ ان کے صرف ۱۳۰ لبرل شمار کئے جاتے ہیں حالانکہ ۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۹ء کے درمیان ۱۴۹ امارتیں لبرل اور مرکب وزارتوں کی جانب سے بنائی گئی تھیں۔

جب سے انگلستان میں عمومی تحریک کا آغاز ہوا ہے۔ دارالامرا کسی قدر ملک کا نائب یا کم از کم ملک کی دولت کا نائب ہو گیا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس ایوان کو ایسا بنانا پٹ اصغر کا دلی منصوبہ تھا۔ جدید امارتیں کشادہ دلی کے ساتھ ان لوگوں میں بنائی گئی ہیں جو تجارت اور صنعت و حرفت میں امتیاز پیدا کرتے ہیں اور ادب و حکمیات میں اور بالخصوص حکمیات میں ناموری حاصل کرنے والوں کو امیر بنا دیا جاتا ہے۔ لیکن ان اضافوں سے اس ایوان کے سیاسی نقطۂ نظر اور مسلک میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکی۔ یہ ایوان سیاسی نقطۂ نظر سے کبھی قوم کا خاطر خواہ نمائندہ نہیں ہوا۔ جس طرح اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ ممتاز مستثنیات کو جدا کر کے ایک خاندان کے لئے یہ ہمیشہ دشوار معلوم ہوتا ہے کہ وہ دارالامرا میں داخل ہونے کے بعد عرصے تک لبرل بنا رہے۔ اور جب سے گلیڈسٹن کے مسودۂ سوراج کے خلاف احتجاج ہوا اور اس احتجاج میں قدیم وھگ خاندان برسر اقتدار ہوئے یہ بات خاص طور پر صادق آتی ہے۔ ۱۸۳۰ء اور ۱۹۱۰ء کے درمیان مستحفظ وزارتوں نے ۳۴ سال کے ایام حکومت میں ۱۸۱ امیر بنائے اور لبرلوں نے ۴۵ سال میں ۲۷۰۔ لیکن ۱۹۱۱ء کی فہرست امرا میں لبرلوں کی تعداد ۱۰۵ مندرج ہے۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہر وقت اتنی تعداد حاضر ہوتی ہو اور اپنے فرقے کی نمائندگی کرتی ہو۔

ایوان بالائی کی اہمیت - ۱۸۸۱ء میں جب ایک مرتبہ دارالامرا کا جام صحت تجویز کیا گیا تو اس کے جواب میں ارل ڈاربی نے کہا تھا "میں آپ لوگوں کے سامنے دارالامراء کے حقوق و فرائض کی دستوری فہرست نہیں گنانا چاہتا۔ حقوق کا یہ حال ہے کہ ان میں سے اکثر تقریباً غائب ہو چکے ہیں۔ اور فرائض کا یہ حشر ہے کہ دارالامراء ان کو مشکل سے انجام دے سکتا ہے"۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ لارڈ ڈاربی کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس کی تقریر کے لفظی معنی لیے جائیں۔ بلکہ اس نے ذرا سے مبالغے کے ساتھ عام احساس کو جو امراء کے متعلق تھا ایک خوشگوار مابعد الطعام انداز میں پیش کیا تھا جیسے ہم دیکھیں گے دارالامراء ابھی تک اہم حقوق کا حامل ہے اور اس کو استعمال کرتا ہے اور اہم فرائض انجام دیتا ہے۔ اس ایوان کا ایک اہم کام جو اب تک باقی ہے وہ بحث اور ترمیم کا حق ہے۔ دارالعوام کے بہ نسبت دارالامراء میں کاروبار فرصتی انداز سے انجام پاتے ہیں۔ یہ ایوان فروعات میں نہیں گھس جاتا جو اہم موضوعات اس کے سامنے آتے ہیں اس کے لیے خاطر خواہ وقت دے سکتا ہے اور اس کے بحث کے ضوابط ایسے ہیں کہ پورے مباحثے کا موقع دیا جاتا ہے۔ جو لوگ متواتر شرکت کرتے ہیں اور بحث میں حصہ لیتے ہیں وہ دارالامراء جیسی منتخب جماعت کے لائق اراکین ہوتے ہیں جنھیں سیاسی معاملات کی خاص تربیت ہوتی ہے ایوان کے مباحثے کا معیار بھی بہت اونچا ہوتا ہے۔ اس کے مباحثے کا اوسط دارالعوام کے اوسط سے بلند تر ہوتا ہے اور ایوان زیرین کے بعضے مباحثوں کو مستثنیٰ کر کے اس کا اثر بھی بہت ہوتا ہے۔ امراء جو ترمیمات کرتے ہیں اور جن کو دارالعوام اکثر منظور کر لیتا ہے وہ اکثر مختلف تجاویز کی مزید جانچ پڑتال میں مدد دیتے ہیں اور دارالعوام کی خامیوں کو پورا کرتے ہیں۔ کبھی دارالعوام کے پاس مسودے کا استرداد بھی منظور کر لیا جاتا ہے اور اس وجہ سے منظور کیا جاتا ہے کہ وہ رائے عامہ کا زیادہ صحیح اظہار ہوتا ہے یا کم از کم ایک مشتبہ تجویز کا التوا ہوتا ہے جو ناگوار نہیں گزرتا۔ ۱۸۹۳ء میں دارالامراء نے گلیڈسٹن کے مسودہ سوراج کو جو مسترد کر دیا تو اس کے متعلق بالعموم یہ سمجھا گیا کہ بدگمانی اور بے اطمینانی کا عام

جذبہ جو اس وقت تک عوام الناس میں تھا یہ اس کی توثیق کرتا ہے۔ ۱۹۰۶ء کے بعد لبرل وزارت نے جو تجاویز پیش کی تھیں ان کے ساتھ دار الامراء کا جو مسلک رہا ہے اس پر آیندہ باب میں غور کیا جائے گا۔

انیسویں صدی میں کابینہ نے صرف بادشاہ کے عاملانہ اختیارات اور پارلیمنٹ کے مقننانہ اختیارات ہی ورثے میں نہیں پائے تھے بلکہ وہ خود بھی تغیر کی اس رو سے براہ راست متاثر ہوئی تھی جو اس وقت جاری وساری تھی۔ کابینہ حجم میں برابر بڑھتی جاتی تھی۔ اوئل صدی کی کابینہ میں صرف ایک درجن اراکین تھے، وسط صدی میں یہ تعداد چودہ یا پندرہ تک پہنچ گئی اور آخر صدی میں انیس یا بیس اراکین ہو گئے۔ یہ زیادتی اصل میں اس خواہش کی وجہ سے نہیں تھی کہ مشورے کے لیے سیاسی رہنماؤں کی ایک بڑی تعداد رکھی جائے۔ ایسی خواہش اس میلان سے ثابت نہیں ہوتی جو سنین حاضرہ میں خاص طور پر نمایاں ہے کہ اٹھارھویں صدی کے "حلقہ اجتماع" کی طرح مخصوص ذی اثر وزراء کا ایک اندرونی حلقہ بنانا چاہیے۔ زیادتی بالخصوص جدید انتظامی محکموں کے پیدا ہونے کی وجہ سے تھی۔ جن کو اسقدر اہم کام تفویض کئے گئے کہ ہر محکمے کے صدر کا خواہ مخواہ درجۂ کابینہ پر فائز ہونا ضروری معلوم ہوتا تھا، یا اس وجہ سے تھی کہ پرانے محکموں کے کام کی اہمیت اسی مناسبت سے بڑھ رہی تھی۔ ان قدیم و جدید محکموں کے کاروبار کی ترقی اور جس کام کی یہ نگرانی کرتے تھے ان کی خصوصیت اس توسیع کی نمایاں علامت ہے جو پچھلی دو یا تین پشتوں میں حکومت میں ہو رہی تھی۔ ملکۂ الزبیتھ کے زمانے کے معتمدین مملکت انیسویں صدی میں پانچ ہو گئے۔ اٹھارھویں صدی کے بڑے حصے میں یہ تین تھے۔ تیسرا معتمد مملکت اسکاچستان کے کام کا نگران بھی تھا اور نوآبادیوں کے کام کا بھی۔ لیکن یہ تیسرا ۱۷۹۴ء تک جبکہ ایک وزیر حرب مقرر کیا گیا مستقل نہیں ہوا تھا۔ ۱۸۰۱ء میں اس کو نوآبادیوں کا جائزہ بھی دیا گیا۔ ۱۸۵۴ء میں یہ دونوں محکمے علحدہ کر دیے گئے اور ایک وزیر نوآبادیات علحدہ مقرر کیا گیا اور ۱۸۵۸ء میں جب ہندوستان ایسٹ انڈیا کمپنی سے بادشاہ کو منتقل کر دیا گیا

ایک وزیر ہند مقرر کیا گیا۔ ۱۸۵۸ء سے دو اولیں وزراء میں سے ایک محکمہ امور داخلہ اور دوسرا محکمۂ خارجہ صدارت کرتا رہا۔ معتمد فوج کا عہدہ (جو معتمد مملکت کا سا نہیں تھا اس لئے کہ بالعموم یہ صرف ذیلی فرائض انجام دیتا تھا) ۱۸۶۳ء کے بعد جاری نہیں رہا قطعی قانونی نظریہ کے مطابق پانچ معتمدین مملکت ایک ہی ہیں یعنی یہ پانچوں ایک ہی خدمت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ اکثر مواقع پر ایک شخص دوسرے شخص کا کام انجام دیسکتا ہے اور اکثر قوانین جن کی رو سے معتمد مملکت کو اختیارات تفویض ہوتے ہیں کسی کو خاص طور پر ممتاز نہیں کرتے۔ وزیر داخلہ کو قانوناً اولیت کا رتبہ حاصل ہے۔

قدیم شاہی کونسل کے بڑے عہدوں میں بھی اسی طرح کی بڑی تبدیلیاں عمل میں آئیں گو یہ تبدیلیاں مخالف سمت میں ہوئی ہیں۔ اعلےٰ آمر نصفت اپنے اصل رتبے کے ساتھ باقی ہے گو اس کے ابتدائی فرائض میں کچھ تبدیلی ہوگئی ہے۔ اعلےٰ امیر خزانہ دار اور اعلےٰ امیر البحر اٹھارھویں صدی میں بالکل غائب ہوگئے اور یہ دونوں خدمات ایک ماموریہ میں جمع کردی گئیں۔ کونسل کا میر مجلس شاہی اور امیر مہر بردار ابتک بہ حیثیت عہدوں کے موجود ہیں۔ اول الذکر کے فرائض تو رسمی ہیں جو گاہے ماہے واقع ہوتے ہیں اور آخر الذکر کا تو کوئی خاص فرض ہی نہیں ہے۔ یہ دونوں خدمات لائق سمجھی جاتی ہیں اور یہ دار العوام کے اراکین کو نہیں بلکہ دار الامراء کے ایسے اراکین کو دیجاتی ہیں جو کسی خاص محکمے کے فرائض انجام دینا تو نہیں چاہتے مگر ان کی موجودگی کابینہ میں ضروری سمجھی جاتی ہے جاگیر لنکاسٹر کے چانسلر کے سپرد بھی کوئی خاص خدمت نہیں ہے اور یہ بھی اسی طریقے سے اکثر دار العوام کے کسی رکن کو دی جاتی ہے۔ خزانہ برائے نام خزانے کے چار امراء کے ایک ماموریہ کے سپرد ہوتا ہے لیکن عملی فرائض وزیر مال انجام دیتا ہے۔ چنانچہ یہ چار امراء بھی لا خدمت ہوتے ہیں۔ وزیر اعظم بالعموم پہلا لارڈ ہوتا ہے اور تین برسر حکومت فریق کے نقیب ذیلی امرا ہوتے ہیں۔

انتظامی مجالس (بورڈ) تبدیلیوں کا بہت واضح و نمایاں مظاہرہ جو وسط صدی کے بعد سے عمل میں آیا وہ محکمے ہیں جو مجالس (بورڈ) کہلاتے ہیں۔

کیونکہ ان محکموں کے کاروبار جو ١٨٥٠ء سے پہلے کے ہیں اتنے ہی پھیل گئے ہیں جتنے جدید محکموں کے کاروبار جو حال میں قائم کئے گئے ہیں۔ "مجلس" کی اصطلاح بے محل ہے کیونکہ بجز قانونی نظریے کے کسی مجلس کا وجود نہیں ہے۔ ہر مجلس امریکی محکمۂ زراعت کی طرح ایک محکمۂ عاملہ کی طرح ہوتا ہے جس کا صدر ایک وزیر ہوتا ہے اور یہ وزیر بعض مرتبہ کابینہ کا رکن بھی ہوتا ہے، گو ہمیشہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ "مجالس" کے کام کا معتد بہ حصہ اگر صحیح مفہوم میں لیا جائے تو وہ نظم و نسق نہیں ہے بلکہ مقامی جماعتوں کی جدوجہد کی نگرانی ہے۔ ان محکمہ جات میں سب سے قدیم تر "مجلس تجارت" ہے جس کی تاریخ کم و بیش سترھویں صدی تک پہنچتی ہے۔ اس کا نام و تنظیم بدلتی رہی ہے۔ ١٦٩٦ء میں اس کا نام مجلس تجارت و آبادکاری تھا۔ ١٧٨٦ء میں اس کی پھر تنظیم ہوئی اور اس کو مجلس تجارت کی کمیٹی کیا گیا۔ اس سنہ کے بعد اور مختلف چھوٹی موٹی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ ١٨٦٢ء میں نام بدلا اور ١٨٦٧ء میں ساخت بدلی اور اس کا دائرہ عمل بہت پھیلایا گیا، گو نوآبادیوں سے اس کا بڑا تعلق اس وقت باقی نہیں رہا جبکہ ١٨٠١ء میں نوآبادیاں وزیر جنگ کے تفویض کی گئیں۔ "مجلس تعلیم" بھی ١٨٣٩ء میں پریوی کونسل کی کمیٹی کے طور پر شروع ہوئی۔ کونسل کا نائب صدر اس کمیٹی کا صدر تھا؛ یہ ١٨٥٦ء میں وزیر بنایا گیا جو پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار بن گیا اور ١٨٩٩ء میں یہ کمیٹی مع صدر کے ایک "مجلس" کی شکل میں منظم کی گئی۔ "مجلس حکومت مقامی" جس کے کام کے متعلق پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ١٨٧١ء میں بنائی گئی اور یہ "مجلس قانون غربا" کی جانشین تھی جو ١٨٤٧ء میں قائم کی گئی تھی۔ ١٨٥١ء میں "مجلس امور عامہ" اور ١٨٨٩ء میں "مجلس زراعت" قائم کی گئی۔ یہ مجالس سال کے دوران میں فسلی و فروعی نیز بے شمار اہم امور کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ مجلس تجارت و مجلس حکومت مقامی کی اہمیت حال میں اس طرح تسلیم کر لی گئی ہے کہ ان کے صدر مجالس کی تنخواہ معتمد مملکت کی تنخواہ کے برابر یعنی ... ۵ پونڈ کر دی گئی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ برطانوی کابینہ اور اس کی جدوجہد کی اس باب میں جو تشریح کی گئی ہے وہ نامکمل ہے۔ مگر یہ بات یاد رہے کہ اس کی کامل تشریح کہ

کابینہ کیا ہے اور وہ کس طرح کام کرتی ہے اس قسم کی کتاب کا مقصد نہیں ہوسکتا۔ یہ ان کتابوں کا کام ہے جو انگلستان کی موجودہ حکومت سے بحث کرتی ہیں یہاں ہمارا کام ان تبدیلیوں کو درج کرنا ہے جو واقع میں پیدا ہوچکی ہیں اور ان میلانات کی وضاحت کرنا ہے جو متداول معلوم ہوتے ہیں اور جن سے دستوری نتائج پیدا ہونے کی توقع ہے۔

جو پارلیمنٹ ماہ جنوری ۱۹۰۶ء میں منتخب ہوئی تھی اس کے ابتدائی سنین اس طرح امید افزا تھے کہ اس وقت تاریخ دستور انگلستان میں ایک عہد جدید کا آغاز یا کم از کم ایک پرانے طرز کے زمانے کی بازگشت معلوم ہوتی تھی۔ وہ دو رجحانات جو گزشتہ نصف صدی میں نمایاں تھے اب روبہ زوال معلوم ہو رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ کابینہ پھر دارالعوام کی دست نگر ہوتی جارہی ہے اور دارالامرا پھر اپنا پرانا موقف قانون سازی حاصل کر رہا ہے۔ اس منزل پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ تبدیلی ظاہری تھی نہ کہ حقیقی لیکن یہ انحراف بھی جو ترقی کی صراط مستقیم سے ہو رہا تھا قابل غور ہے۔

یہ صحیح ہے کہ بعض لحاظ سے کابینہ اس زمانے تک جبکہ جنگ شروع ہوئی دارالعوام کی رائے سے اتفاق کرنے پر مجبور تھی اور اس طرح مجبور تھی کہ ۱۹۰۵ء میں اکثر لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اس کے بعد وہ اتفاق نہیں کرے گی۔ کم از کم وسطی عہد وکٹوریہ کا ایک اہل قلم جس نے ۱۹۱۰ء کے دوسرے انتخاب کے بعد اس کو خاص طور پر دیکھا ہو اس حقیقت حال کو اسی طرح بیان کرتا۔ تاہم تفصیلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کابینہ کی یہ متابعت صرف ظاہری تھی نہ کہ حقیقی۔ اول تو یہ ہے کہ اس سے وزارت کے عام مسلک میں کوئی فرق آیا نہ وضع قوانین کے ان پہلوؤں پر کوئی اثر پڑا جن کی کابینہ تجویز کرتی تھی۔ ان امور میں کابینہ اسی طرح مقتدر تھی جس طرح پچھلے بارہ سال میں تھی اور ایوان کو تبدیلی کا بہت کم اختیار تھا۔ جن چیزوں پر اثر پڑا ہے وہ نسبتہً جزئی چیزیں تھیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ متابعت جو کابینہ کی طرف سے ظاہر ہو رہی تھی وہ بہ حیثیت مجموعی تمام ایوان کے ساتھ نہ تھی بلکہ وہ کم و بیش ان خود مختار

فرقوں کے ساتھ تھی جو اس کے حامی تھے۔

لبرل فریق کی تفریق - برِ اعظم کی مملکتوں میں جہاں پارلیمنٹی حکومت پائی جاتی ہے لبرل فریقوں یعنے میسرہ والے فریقوں میں بہت زمانے سے فرقہ واری تفریق کا رجحان پایا جاتا تھا۔ ایسے فریق جن کا پیشنامہ تبدیلی اور اصلاح ہو ان کا ذیلی تقسیموں میں بٹ جانا ایک قدرتی چیز معلوم ہوتی ہے بعض فرقے دوسروں سے زیادہ تیز جانا چاہتے ہیں اور بعض خاص تبدیلی پر زیادہ زور دیتے ہیں جس میں دوسروں کو دلچسپی نہیں ہوتی۔ ان تمام فریقوں میں ایک ہی پیشنامہ قائم رکھنا اور متحدہ آرا کا انتظام کرنا بہت مشکل ہے اور یہ صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ رعایت اور مفاہمت کی جائے مفاہمت بھی بالعموم فریقانہ پیشنامہ کے بڑے مدات میں نہیں ہو سکتی کیونکہ اس پر سب شقیں اتفاق نہیں کر سکتیں۔ صرف ذیلی تفصیلات پر اتفاق ہو سکتا ہے۔ ایک فریق جس قدر بٹا ہوا ہوگا اسی قدر زیادہ اس میں مصالحت کی ضرورت داعی ہوگی اور چھوٹی شقوں کو منہ بولے مطالبات حاصل کرنے کا زیادہ موقع ہوگا۔ اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ یہ ذیلی شقیں پورے فریق کے پیشنامہ کے ساتھ اتنی ہمدرد نہیں ہوتیں جتنی خود اپنی اصلاحوں کے ساتھ ہوتی ہیں۔

اگرچہ انگلستان میں لبرل فریق میں فرقہ وارانہ تفریق کا رجحان موجود تھا لیکن انیسویں صدی کے اواخر تک حقیقی قانون سازی پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ اس صدی کے آخری ربع کے پورے حصے میں یہ فریق حکومت سے علحدہ رہا اس لئے اس کو یہ موقع نہیں تھا کہ وہ کتاب قوانین میں اپنا مسلک درج کرتا۔ صرف ایک مسئلہ یعنے مسئلۂ سوراج آئرستان ایسا تھا کہ جس پر ذیلی گروہوں کا صاف اثر دکھائی دیتا ہے اور جب لبرل فریق برسر حکومت تھا وہ اس کی یکسوئی کرنے سے قاصر رہا۔ اس دار العوام میں جو ماہ جنوری سنہ ۱۹۰۶ء میں منتخب ہوا تھا لبرل فریق کی ایک کثرت غالب تھی یعنے ۲۰۰ سے زیادہ تعداد تھی گو ۱۵۰ سے زیادہ آئرستانی قوم پرست تھے جو ان کے خلاف رائے دیتے تھے۔ اور ابھی ذیلی شقوں میں اس قدر تفریقیں بھی نہیں ہوئی تھیں کہ اس کی وجہ سے

مفاہمت کے مسلک پر بہت زیادہ زور دیا جاتا۔ اس کے باوجود وزارت اپنی حیثیت سے ہمیشہ مطمئن نہیں رہی اور لبرل فریق میں ایک خود مختاری تھی وہ خدمتہً مفید پایا جاتا تھا جو پچھلے زمانے کی خصوصیت معلوم ہوتی تھی۔ سنہ ۱۹۱۰ء والے دسمبر اور جنوری کے انتخاب کے بعد خود مختار عنصر کا حجم بہت بڑھ گیا۔ اگر سنہ ۱۹۰۶ء کے انتخاب کا مقابلہ کیا جائے تو اُن دونوں انتخابات میں اصلی لبرل فریق کو بہت گھاٹا ہوا۔ اس کے برخلاف متحدہ متحفظین اور لبرل اتحادیوں کو جن کے لئے متحدہ فریق کی اصطلاح استعمال ہونے لگی تھی بہت فائدہ ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دونوں فریق دار العوام میں تقریبًا برابر برابر ہو گئے۔ بعض اوقات متحدہ فریق کی لبرل فریق سے دو تین رائیں زیادہ ہو جاتی تھیں۔ اگرچہ لبرل کابینہ برسر حکومت رہی مگر اس کا دار و مدار سب کچھ ذیلی فرقوں پر تھا اور یہ فرقے پہلے سے زیادہ منتظم اور طاقتور ہو گئے تھے۔ یہ نہ صرف حکومت پر قبضہ کر سکتے تھے بلکہ اپنی تجاویز کو قانون بنا سکتے تھے۔

اس طریقے سے ماہ فروری سنہ ۱۹۱۰ء سے لے کر سنہ ۱۹۱۴ء کی گرمیوں تک یعنے جنگ سے پہلے تاریخ انگلستان کا ایک ایسا زمانہ ہے جس میں موجودہ رجحانات کا بالخصوص ذیلی فرقوں کے اثرات کا جو حکومت پر پڑتے ہیں اچھا مطالعہ ہو سکتا ہے۔ بہ ظاہر یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ اس زمانے میں کابینہ کی وہ حیثیت جو اس کو سنہ ۱۸۷۰ء میں دار العوام کے مقابلے میں حاصل تھی عود کر آئی تھی۔ دار العوام پر اس کو جو حقیقی آمریت حاصل تھی اس میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جزئی امور میں حکومت کی تجاویز میں زبردست تنقید ہونے لگی تھی اور اس سے زیادہ ہوتی تھی جو دہ سالہ حکومت متحفظ کے دوران میں جو سنہ ۱۸۹۵ء کے بعد قائم تھی ہوتی تھی۔ لیکن یہ زبردست تنقید ان معنوں میں جیسے آج سے پچاس سال پہلے کے اہل قلم نے لکھا تھا نہ ایوان کی طرف سے تھی نہ فریق مخالف کی طرف سے بلکہ یہ خود فریق حکومت کی طرف سے یا اُن فرقوں کی طرف سے جو فریق حکومت کے ساتھ ہمنوا تھے ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی خوب واضح کر دی گئی تھی کہ آخری اختیار حکمرانی حلقہائے انتخاب

میں مضمر ہے جو اس وقت اظہار رائے کے ذرائع سے پورے طور پر مسلح تھے۔ اگر ہم ان خیالات کو سامنے رکھیں جو ۱۹۰۶ء اور ۱۹۱۴ء کے درمیان شائع شدہ ماہوار رسالوں اور ہفتہ وار سیاسی اخبارات میں ظاہر ہوئے تھے۔ تو معلوم ہوگا کہ جو انگریز خود اپنی سیاسی زندگی کا مطالعہ کرتے تھے انھیں وہ رجحانات اسی طرح بلا انحطاط دکھائی دیتے تھے جو اس باب میں اس سے پہلے دکھائے گئے ہیں اور جن سے حکومت کابینہ میں بہت فرق پڑتا تھا۔ برخلاف اس کے یہ رجحانات اور ان کے دستوری نتائج جن کے ظہور پذیر ہونے کا امکان تھا وہ بالعموم ایسے تسلیم کر لئے گئے تھے کہ انیسویں صدی کے دوران میں ایسا بہت کم ہوا تھا۔

امرا کا دوبارہ اختیار حاصل کرنا۔ ۱۹۰۶ء کے انتخاب کے بعد دارالامرا نے پھر اپنا اختیار قانون سازی حاصل کر لیا اور یہ حصول بہت کچھ قرار واقعی تھا۔ اتحادی محتفظ فریق جو دس سال تک حکومت پر قابض تھا بری طرح شکست کھا گیا۔ تاہم دارالامرا نے کچھ اس طرح قدم جما لئے کہ لبرل فریق کو باوجود اپنی عام کامیابی کے یہ اختیار نصیب نہیں ہو سکا کہ وہ اپنے پیشنامہ کو فوراً روبراہ کر سکتا ایوان بالائی نے پوری قوت کے ساتھ حق تعویق دوبارہ حاصل کر لیا اور پر اثر طریقے سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ اصلاح کی جو اہم اور معرکۃ الآرا تجویزیں پیش کی جائیں ان پر قوم کی رائے قطعیت کے ساتھ ظاہر ہونی چاہئے۔ اگرچہ اس بات کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ دارالامرا اپنی حد عمل (یعنے "پہیئے پر بریک ڈالنا") سے جو گزشتہ صدی کے نصف حصے میں مقرر کی گئی تھی متجاوز ہو گیا تھا تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس بات کو منکشف کرنا چاہتا تھا کہ ان فرائض کی حد کہاں ختم ہوتی ہے۔ اس معاملے میں از روئے تعداد مبالغہ نہیں کرنا چاہئے۔ ۱۹۰۶ء اور ۱۹۱۰ء کے درمیان جو حکومتی مسودے پیش ہوئے تھے وہ ۲۱۳ تھے منجملہ ان کے صرف اٹھارہ پاس نہیں ہوئے ان میں سے بعضوں کو امرا نے رد کر دیا لیکن بعضوں کے ایسے اہم پہلوؤں کی ترمیم کر دی کہ وہ بالآخر چھوڑ دیے گئے۔ ان میں پانچ قوانین ایسے بھی تھے جن کو دارالعوام کی

کثرت بہت اہم خیال کرتی تھی یعنے مسودہ تعلیم ۔ مسودہ رائے دہی تکثیری مسودہ زمینداری اسکاچستان ۔ مسودہ اجازت دہی اور ۱۹۰۹ء کا میزانیہ حکومت ۔ اس طریقے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امرا البرل فریق کی تجاویز قانون سازی میں مداخلت کرنا چاہتے تھے اور اس سے زیادہ کرنا چاہتے تھے جو یہ بظاہر تعداد سے معلوم ہوتا ہے ۔

جب ۱۹۰۹ء میں حکومت کا مسودہ مالیات رد ہوگیا تو اس سے وہ مسئلہ جس کو دارالامرا نے اٹھایا تھا دستوری طریقے سے طے ہوگیا ۔ اس میزانیے میں یہ مسائل درپیش تھے ۔ اراضی کی مالیت کا از سرِ نو تعین ۔ آمدنی کے جو اضافے بلا محنت ہوتے تھے ان پر اجرائے محاصل ۔ اور یہ حیثیت مجموعی دولت پر بھاری بھر کم محاصل ۔ ان طبقوں میں جو قدرتی طور پر محافظ فریق کے ساتھ شریک تھے ۔ اس کے خلاف سخت مخالفت پیدا ہوگئی ۔ دارالامرا کا یہ حق کہ وہ کسی مسودے کی ترمیم کر سکتا تھا بالکل زائل ہوگیا البتہ اس کا حق استرداد تسلیم کر لیا گیا ۔ تاہم یہ بات عام طور پر محسوس کی گئی تھی کہ کسی مسودے کا استرداد جس کے معنی یہ ہوں کہ اس سال کا ملکی مالیہ پریشانی میں پڑ جائے ایک انتہائی فعل ہے ۔ اور یہ دارالعوام کے لئے ایک دھمکی ہوگی کہ وہ خود اپنے اور دارالامرا کے اختیارات کی حد بندی کرے ۔ نیز بعض لوگوں نے اس طرف بھی اشارہ کیا کہ اس استرداد سے معلوم ہوتا ہے کہ امرا در حقیقت جدید اختیارات طلب کر رہے ہیں اگر ان کی حرکت کا نتیجہ یہ ہو کہ حکومت پھر ایسا میزانیہ پیش کر دے جس پر امرا کی معترضہ دفعات نہ ہوں تو اس سے دارالامرا کے لئے رقمی مسودہ کی ترمیم کا ایک بالواسطہ حق قائم ہو جائے گا اور اگر حکومت جدید انتخاب عام کا راستہ اختیار کرے تو اس کو برخاست پارلیمنٹ کا جبری حق مل جائے گا ۔ دارالامرا نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ مسودے کی بعض دفعات متفننانہ نوعیت کی ہیں اور اس طرح یہ منسلک شدہ صورتیں ہیں جن کو رد کرنے کا انھیں حق پیدا ہوجاتا ہے لیکن بہت سے اس دعوے کے قائل نہیں ہوے ۔ تقریباً اسی زمانے سے جب کہ یہ پارلیمنٹ آئی تھی دارالعوام کے

اندر اور اکثر مرتبہ اس کے باہر یہ تجویز سنائی دیتی تھی کہ ایوان بالائی کے اختیار نامنظوری پر ایک صریح حد قائم ہونی چاہئے اور ماہ جون ۱۹۰۷ء میں دارالعوام کی ایک بڑی کثرت نے ایک باضابطہ قرارداد پیش کر کے جو وزیر اعظم نے تجویز کی تھی اس ضرورت پر زور دیا لیکن اس وقت اس معاملے کو اس سے زیادہ آگے نہیں بڑھایا گیا۔

امرا پر تشدد۔ امرا نے ۳۰ نومبر ۱۹۰۹ء کو یہ مسودہ رد کر دیا۔ دو روز کے بعد دارالعوام نے اعلان کیا کہ امرا کا یہ فعل دستور کی نقیض اور اختیار خصوصی کا غصب ہے۔ پارلیمنٹ فوراً برخاست کر دی گئی اور ماہ جنوری ۱۹۱۰ء میں عام انتخاب کیا گیا۔ اس انتخاب میں اصل لبرل کی تعداد گھٹ کر ۲۷۴ رہ گئی اور اتحادیوں کی تعداد ۲۷۲ تک بڑھ گئی اور ترازو کا پلہ ۴۱ لیبر اراکین اور ۸۲ آئرستانی قوم پرستوں کے ہاتھ میں تھا۔ تاہم یہ فریق لبرل اراکین کے ساتھ اس عزم میں ہم آواز تھے کہ امرا کا اختیار محدود ہونا چاہئے اور یہاں تک مصر تھے کہ اس مسئلے کو مالی مشکلات سلجھانے سے پہلے ہی طے کرنا چاہئے۔ لہذا حکومت نے اس مطالبے کو پورا کرنے کے لئے وہ قراردادیں پیش کر دیں جن میں اس کے مجوزہ مسودے کے تمام امور شامل تھے اور ۱۴ اپریل کو یہ پارلیمنٹی بنائی گئیں۔ جو فریق حکومت کے ساتھ ہمنوا تھے ان سب کو ان قراردادوں سے اور مسٹر اسکوتھ کے اس بیان سے کہ اگر امرا مجوزہ امور کو تسلیم کرنے سے انکار کر بیٹھیں تو وزارت کو کیا کرنا چاہئے۔ پورا اتفاق تھا۔ اور مسودۂ مالیہ جو بجنسہ ۱۹۰۹ء کی طرح تھا پاس کیا گیا۔ اور اب امرا نے بھی اس کو فوراً منظور کر لیا۔ مسودے کی نامنظوری کی بابت جو کارروائی ہو رہی تھی اس میں اس وجہ سے رخنہ پڑ گیا کہ شاہ اڈورڈ ہفتم کا انتقال ہو گیا اور عام خواہش یہ ہوئی کہ جدید عہد حکومت کے اوائل میں دستور کے ایک اساسی مسئلے کی بابت معاملات کو نازک صورت حال تک پہنچانا مناسب نہیں ہے۔

اس پیچیدگی سے بچنے کے لئے، ایک دلچسپ تجربہ کیا گیا۔ یہ کچھ اسی طرح کا تھا جیسے ملکۂ وکٹوریہ نے تجویز کیا تھا اور جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ دونوں

بڑے فریقوں کے رہنماؤں اور دونوں ایوانوں کے اراکین کے درمیان جب کہ ہر فریق کی جانب سے چار چار اراکین آتے تھے ایک کانفرنس کے انعقاد کا انتظام کیا گیا تاکہ وہ ایسے لائحۂ عمل پر غور کرے جو فریقین کے لئے قابل قبول ہو سکے۔ موسم گرما اور اوائل خزاں میں کانفرنس کے کئی جلسے ہوئے لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ چنانچہ نومبر کے اوائل میں کانفرنس نے یہ کام چھوڑ دیا۔ ایک سخت اختلاف کے تصفیے یعنے مسئلۂ آئرستان کے لئے ایک مرتبہ اور یہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ اس وقت شاہ جارج نے ماہ جولائی ۱۹۱۴ء میں قصر بکنگھم میں ایک کانفرنس طلب کی جس میں دار العوام کا صدر اور وزارتی فریق، مخالف فریق۔ قوم پرست اور حامیان السٹر کی جانب سے دو دو نمایندے بلائے گئے اور اس کے کئی جلسے ہوئے لیکن اس کا نتیجہ بھی بالکل وہی ہوا۔ اگرچہ یہ طریقۂ کار ان صورتوں میں ایسا کامیاب نہیں ہوا جیسی اس سے توقع تھی لیکن یہ توقع بالکل بے بنیاد ہی نہیں سمجھی گئی۔

کانفرنس کی ناکامی کا نتیجہ وہی ہوا جو مسٹر اسکوتھ نے اپریل کے مہینے میں پیش بندی کی تھی یعنے فوراً انتہائی کارروائی کی صورت پیدا ہوگئی۔ کابینہ نے پادشاہ کو مشورہ دیا کہ پارلیمنٹ کو برخاست کردے اور اس کے ساتھ ہی پادشاہ کی خدمت میں ایک یادداشت پیش کردی اور اس میں یہ درخواست تھی کہ اگر انتخاب حسب دلخواہ ہو اور مسودے کو روبراہ کرنے کے لئے کوئی اور چارۂ کار نظر نہ آئے تو پادشاہ جدید امرا بنانے کے لئے آمادہ ہو جائے جو نامنظور مسودے کو دار الامرا میں پاس کرنے کے لئے کافی ہوں سب کو اس یادداشت کا علم اس وقت نہیں ہوا تھا بلکہ چند روز کے بعد ہوا۔ چونکہ اس یادداشت کا اس تاریخ کے پچھلے واقعات کے ساتھ ایک دلچسپ رشتہ ہے اور دستوری اعتبار سے یہ خود ہی بہت معنیٰ خیز ہے اس لئے یہاں اس کی پوری نقل ضروری ہے۔ " اگر حضور اعلیٰحضرت کے وزرا کو یہ معلوم ہو جائے کہ حکومت کسی مسلک کو دار العوام کی ایک مناسب کثرت سے منظور کراتی ہے اور حضور اعلیٰحضرت اپنے دستوری اختیارات استعمال کرنے کے لئے تیار ہیں یعنے

اگر ضرورت ہو تو جدید امرا بنانے کا اختیار خصوصی استعمال کریں گے تاکہ اس طریقے سے ملک کا فیصلہ بروئے عمل آسکے تو وزرا برخاست پارلیمنٹ کا مشورہ نہیں دے سکتے۔ اعلیحضرت کے وزرا اس اہمیت سے بخوبی واقف ہیں کہ بادشاہ کا نام فریقانہ اور انتخابی کشمکش کے دائرے سے باہر رہنا چاہئے۔ وزرا جو مسلک انتخاب کنندگان کے سامنے پیش کریں گے۔ اس کی قطعی ذمہ داری وہ خود اپنے سر لیں گے اور یہ ان کا فرض ہے۔ اعلیحضرت کو اس بات سے ضرور اتفاق ہوگا کہ مملکت کے مفاد کے مدنظر بادشاہ کا منشا اس وقت تک شایع ہونا مناسب نہیں ہے جب تک اس کا حقیقی موقع نہ پیدا ہو جائے"۔

پچھلے سلاطین میں سے کسی سے بھی ایسا انتہائی مطالبہ تو نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اُن کے عہد میں بارہ امرا بنائے گئے تھے اور وہ کافی تھے۔ ۱۸۳۲ء میں پچاس امرا کافی ہو جاتے۔ اس وقت تخمینہ یہ تھا کہ ۴۰۰ امرا بنانا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے مخالف امرا کا برافروختہ ہونا ضروری تھا کیونکہ ان کو پہلے سے شبہ تھا کہ کابینہ یہ کام کر رہی ہے اور وہ ظاہر ہو گیا۔ کابینہ کی یادداشت کو ایک اعلان جنگ کہا گیا اور اس اقدام کے معنے یہ سمجھے گئے کہ گویا یہ بادشاہ پر تشدد ہو رہا ہے اور یہ عام خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اگر واقعی یہ چارۂ کار اختیار کیا جائے گا تو اس سے امارت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا۔ بادشاہ نے وزیر اعظم اور دارالامرا کے حکومتی فریق کے رہنما لارڈ کرد کے ساتھ پوری بحث کرنے کے بعد وہ وعدہ کر لیا جس کی درخواست کی گئی تھی۔ ماہ دسمبر ۱۹۱۰ء میں جو انتخاب ہوا تو اس سے دارالعوام کی فریق بندی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ ایوان میں جو چار فریق تھے ان میں سے کسی میں بھی چار رایوں کی کمی یا زیادتی نہیں ہوئی ان حالات میں وزارت اس بات کی مجاز تھی کہ وہ ایوان بالائی کے اختیارات کو محدود کرنے کے لئے کارروائی کرے۔

مسودۂ پارلیمنٹ۔ اس اثنا میں خود دارالامرا کے ارکین نے اور خود دارالامرا نے اپنے ایوان کی تشکیل جدید کے لئے باضابطہ قراردادوں کی صورت میں تجویزیں پیش کر دیں۔ یہ تجویزیں خود حکومت کی تجویزوں سے

کم انتہائی نہ تھیں۔ صرف ان اہم جزئیات میں اختلاف تھا جہاں دونوں ایوانوں کے تعلقات کا سوال تھا اور بالخصوص جہاں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ جب دونوں ایوانوں میں نزاع ہو جائے تو وہ فیصلہ مراجعہ کے ذریعے عوام کے روبرو پیش کر دیا جائے۔ ان تجویزوں سے معلوم ہوتا تھا کہ امرا وسیع دستوری تبدیلیوں کے اچھی طرح قائل ہو گئے تھے کہ اب ان سے پہلو تہی نہیں کی جا سکتی۔ جدید دار العوام میں وزیر اعظم نے فوراً گزشتہ سال کا مسودہ پارلیمنٹ میں پھر پیش کر دیا اور ماہ مئی ۱۹۱۱ء میں یہ ایوان میں پاس ہو گیا پہلے تو امرا نے اس مسودے میں ترمیم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن جب انھیں یہ معلوم ہو گیا کہ ان کی ترمیمیں منظور نہیں ہوں گی اور بادشاہ کابینہ کے مشورے پر چلے گا اور امرا کی ضروری تعداد پوری کر دے گا تو دار الامرا نے ترمیموں پر زور نہیں دیا۔ ۱۳۱ موافق اور ۱۱۴ مخالف رائیں ہوئیں۔ اکثر اتحادی امرا نے رائے نہیں دی۔ چند امرا نے لبرل کے ساتھ رائے دی اور اس طرح یہ مسودہ دار الامرا میں پاس ہوا جس طرح ۱۸۳۲ء میں پہلا مسودۂ اصلاح پاس ہوا تھا۔

جو مسودہ پارلیمنٹ میں پاس ہوا تو اس کا صرف منشا یہ تھا کہ "وہ دار الامرا کے موجودہ اختیارات کو محدود کرے"۔ ایوان کی تشکیل جدید کا اس میں کوئی انتظام نہیں تھا حالانکہ اس تجویز پر بھی اسی طرح بحث ہوئی تھی جس طرح دوسری پر اور مسودے کے مقدمے میں اس بات کا اظہار کر دیا گیا تھا کہ یہ بھی مقصود ہے۔ یہ قاعدہ بنایا گیا کہ دو قسم کے مسودے دار الامرا کی منظوری کے بغیر قانون بن جائیں گے۔ رقمی مسودے اور دوسرے "سیاسی مسودے" اگر کسی رقمی مسودے کو امرا دار العوام سے وصول ہونے کے ایک مہینے کے اندر منظور نہ کریں تو وہ قانون پارلیمنٹ ہو جائے گا۔ دار العوام کے صدر کا صداقت نامہ اس بات کا ضامن ہے کہ مسودۂ مذکور رقمی مسودہ ہے یعنی اس میں کوئی اور وضع قانون نہیں ہے۔ دوسرے سیاسی مسودوں کا یہ قاعدہ تھا کہ اگر وہ دار العوام کے تین مسلسل اجلاسوں میں خواہ وہ ایک ہی پارلیمنٹ کے ہوں

یا نہ ہوں پاس ہو جائیں اور ہر وقت دار الامرا سے رد ہو جائیں تو وہ تیسرے استرداد کے بعد قانون پارلیمنٹ ہو جاتے ہیں بشرطیکہ ان کے پاس ہونے میں پہلے اجلاس کی دوسری خواندگی سے دو سال کا وقفہ گزرا ہو۔ سوائے ان تبدیلیوں کے جس کو صدر مرور زمانہ کی وجہ سے ضروری قرار دے یا امرا کی مجوزہ ترمیموں کی شکل میں شامل کئے جائیں اور عوام ان کو منظور کریں مسودہ ہر اجلاس میں ایک ہی حالت میں ہونا چاہئے۔ تاہم اعلدر آمد یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک ترمیمی مسودہ بھی شامل کر دیا جاتا ہے۔ قانون پارلیمنٹ کی رو سے پارلیمنٹ کی میعاد بھی گھٹا کر پانچ سال کر دی گئی اور یہ حد بندی دار الامرا کی صریح منظوری کے بغیر نہیں بدلی جا سکتی۔ اسی قانون کے تحت مسودۂ سوا راج آئرستان اور مسودۂ اخراج کلیسائے ویلز ۱۹۱۴ء میں قانون ہو گئے گو دوران جنگ میں ان کا نفاذ ملتوی رہا۔

باہر والوں کو جو تاریخ انگلستان کا مطالعہ کرتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قانون کی دستوری اہمیت میں خصوصاً اس کے مخالفین کی طرف سے بہت کچھ مبالغہ کیا گیا ہے۔ اس قانون نے صرف ایک تبدیلی کی ہے۔ جو واقعی تبدیلی ہے اس نے دار الامرا سے یہ اختیار چھین لیا کہ وہ اب ایسی تجاویز کو جن کو عوام منظور کر دیں دو سال سے زیادہ ملتوی نہیں کر سکتا۔ جیسے اس نے ان مسودوں کو ملتوی کر دیا تھا جن کا اوپر ذکر ہوا ہے یا مسودۂ تکثیری رائے دہی کو ملتوی کیا تھا جس کو دار العوام نے بعد کو ماہ اگست ۱۹۱۴ء سے پہلے قانون پارلیمنٹ کے تحت دو مرتبہ پاس کیا۔ تاہم اب اس حق تعویق کی جو غیر محدود ہو کسی بنیاد پر حمایت نہیں کی جا سکتی خواہ وہ بنیاد عمومی حکومت کے وجود کے منافی نہ ہو جب یہ تبدیلی تسلیم کر لی جائے تو پھر قانون پارلیمنٹ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ اس نظریے کو جو ایوان بالائی کے فرائض قانون سازی کی بابت آج تین ربع صدی سے تمام دنیا میں تسلیم کیا جاتا تھا ایک قانون موضوعہ کی معین شکل میں ظاہر کر دیا۔ یہ قانون تعویق کی حد دو سال مقرر کرتا ہے لیکن امرا نے جو دعویٰ کیا تھا وہ صرف اس قدر تھا کہ وہ کسی تجویز کو اس وقت تک

ملتوی کر سکیں جب تک اس کی بابت عامة الناس کی رائے معلوم ہو جائے۔ حالانکہ وہ اب ایسی تعویق جو تا انتخاب ثانی ہو گا ہے ما ہے کرتے ہیں۔ اس مسلمہ نظریے کی رو سے جس طرح وہ ۱۹۰۹ء کے میزانیے کے لئے جبکہ وہ دوبارہ ۱۹۱۰ء میں پیش ہوا تھا ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوئے تھے اسی طرح بعد کو بھی ہوئے۔

دو اور دستوری نتائج کا جن پر زور دیا جاتا ہے یہاں ذکر کرنا ضروری ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ انگلستان کے دستور کا ایک حصہ مکتوبی ہے۔ اس معاملے میں قانون پارلیمنٹ کی حالت وہی ہے جو دوسرے قدیم قوانین کی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو دستور کو یا اس کے کسی حصے کو امریکی معنوں میں مکتوبی بناتا ہو۔ ان سے آیندہ زمانے کے لئے کوئی جدید راستہ نہیں پیدا ہوتا۔ یہ صرف گزشتہ ترقی کا اندراج کر دیتے ہیں۔ مسودۂ پارلیمنٹ نے ان تمام دستوری ترقیوں کو جو ۱۶۸۸ء سے ہوئی تھیں اور دارالامرا پر اثر ڈالتی تھیں ایک مکتوبی اور موثر شکل میں اسی طرح مدون کر دیا جس طرح مسودۂ حقوق نے سترھویں صدی کے نتائج کو جس طرح وہ ملوکیت پر اثر ڈالتے تھے مدون کر دیا۔ اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ پارلیمنٹ کا رجحان یہ ہوگا کہ وہ دارالعوام پر کابینہ کا اختیار بڑھائے گی۔ یہ خیال تھا کہ فریق غالب اس بات پر مجبور ہو گا کہ وہ وزارت کو ایک مقررمیعاد تک قائم رکھے اور یہ خطرہ نہ آنے دے کہ اس سے وہ تمام ترقی جو کسی مطلوبہ قانون سازی کے لئے کی گئی ہو فوراً ختم ہو جائے۔ ممکن ہے کہ کبھی بعض صورتوں میں اس قانون کا یہ اثر ہوا ہو لیکن وہ سب انفرادی صورتیں ہوں گی اور اتنی کثیر نہ ہوں گی کہ ان سے رجحان بن جائے اور اس نتیجے کی طرف اپنے اثرات کو آگے بڑھائے۔

Bibliographical Note.—E. Allyn, *Lords Versus Commons*, 1931. C. L, Dickinson, *The Development of Parliament in the Nineteenth Century*, 1895. A. G. Gardiner, *The Life of Sir William Harcourt*, 2 vols., 1923. W. E. Gladstone, *Gleanings of Past Years*, 1879. Sir S. Low, *The Governance of England*, revised ed., 1914. A. L. Lowell, *The Government of England*, new ed. 2 vols., 1917. Sir T. E. May, *The Constitutional History of England*, Vol. III by Francis Holland, 1912. W. F. Monypenny and G. E. Buckle, *The Life of Benjamin Disraeli*, 6 vols., 1910–20. J. Morley, *The Life of W. E. Gladstone*, 3 vols., 1903. The Earl of Oxford and Asquith, *Fifty Years of British Parliament*, 2 vols., 1926. C, Seymour, *Electoral Reform in England and Wales*, 1915.

باب ۲۰

جنگ عظیم

ماہ اگست ۱۹۱۴ء سے نومبر ۱۹۱۸ء تک کوئی چار سال سے زیادہ ہوتے ہیں کہ اس دوران میں برطانیۂ عظمیٰ تاریخ عالم کی سب سے زیادہ مہلک اور برباد کن جنگ میں گتھی رہی۔ ملک و قوم کی تمام جد و جہد صرف اس مرکز پر جمع ہوگئی تھی کہ ملک کی مدافعت ہو اور میدان ہاتھ آجائے اور جو امور ان اغراض سے دور پڑتے تھے ان پر توجہ کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ ابھی جنگ کا باضابطہ اعلان نہیں ہوا تھا کہ وزیر اعظم نے صاف ظاہر کر دیا کہ تمام مختلف فیہ قانون سازی ملتوی رہے گی۔ چند اشخاص کے قطع نظر جو کسی طرح ہتے نہیں چڑھتے تھے تمام فریقانہ اختلافات بالائے طاق رکھدئے گئے بلکہ وہ حکومت کی عام تائید میں ضم ہوگئے۔ دو مختلف فیہ تجاویز یعنے مسودۂ سوراج آئرستان اور مسودۂ اخراج کلیسائے ویلز ایسی ہیں جو پارلیمنٹی قانونی شکل میں پاس ہو چکی تھیں اور ان کو اس وقت کتاب نچہ قانون میں درج کر لیا گیا تھا لیکن ختم جنگ تک ان کا نفاذ ملتوی رہا خود قانون پارلیمنٹ کی رو سے پارلیمنٹ کی میعاد پانچ سال تک محدود تھی اور اس لحاظ سے موجود الوقت پارلیمنٹ کو جنوری ۱۹۱۶ء میں برخاست ہو جانا چاہئے تھا لیکن تمام فریقوں نے

اس بات کو نامناسب سمجھا کہ زمانۂ جنگ میں عام انتخاب کیا جائے چنانچہ "پارلیمنٹ جنگ" نے اپنے ایک قانون کی رو سے اپنی میعاد طویل کر دی اور اس طرح یہ ماہ نومبر ۱۹۱۸ء تک اجلاس کرتی رہی یعنے ابتدائے اجلاس سے دیکھا جائے تو یہ پارلیمنٹ کوئی آٹھ سال کے بعد برخاست ہوئی۔ پارلیمنٹ کے قانونی اقتدار اور دستور انگلستان کا لچکدار ہونا اس سے زیادہ اور کیا واضح ہو سکتا ہے کہ خود پارلیمنٹ اپنی میعاد آپ بڑھا سکتی ہے۔

موجودہ جنگ کا رجحان یہ ہے کہ عاملانہ حکومت کے اختیارات میں اضافہ ہو۔ آغاز جنگ کے کئی سال پہلے سے دار العوام کا بہ حیثیت مجموعی اقتدار گھٹنے لگا تھا اور اس کے مقابلے میں کابینہ کا زور بڑھ رہا تھا۔ اور جنگ کا فوری اثر یہ ہوا کہ کابینہ قوی ہونے لگی اور دار العوام کا اثر اور بھی گھٹنے لگا۔ جہاں تک قانون جنگ اور مالیے کا تعلق تھا پارلیمنٹ ایک ایسی جماعت ہو کر رہ گئی تھی جو صرف عاملہ کے احکام کا اندراج کرتی تھی۔ قانون سازی کا اختیار بدایت جو جنگ سے پہلے بہت گھٹ گیا تھا اب بالکل ہی غائب ہو گیا۔ حکومت جن خود سرانہ اختیارات کی طالب تھی اس کو اس طرح دے دیے گئے کہ گویا وہ روزمرہ کی چیز تھی اور اس میں کوئی رد و قدح نہیں ہوئی۔ مدافعت ملک کی بابت ایسے متعدد قوانین وضع ہوئے کہ جن کی رو سے پارلیمنٹ نے پادشاہ بہ اجلاس کونسل یا در حقیقت دیکھا جائے تو موجودالوقت حکومت کو یہ اختیار دے دیا کہ وہ نہ صرف امن عامہ کی خاطر ضروری ضابطے بنائے بلکہ ان لوگوں کی جو ان ضابطوں کے خلاف جرم کا ارتکاب کریں "تعزیر حربی" کے ذریعے سماعت کریں۔ اسی بنیاد پر انتظامی قوانین کی ایک بہت بڑی عمارت کھڑی ہو گئی جو باشندگان ملک کی حیات و آزادی پر گہرا اثر ڈالتی تھی۔ بعض مثالیں ایسی ہیں کہ ان میں ان ضابطوں کا قانونی جواز جو ان قوانین کے تحت وضع ہوئے تھے عدالت میں زیر بحث آگیا۔ سرکار بنام ہیلیے ڈے (۱۹۱۷) والا ایک بڑا مقدمہ ہے۔ اس میں دار الامراء سے (جو سب سے بڑی عدالت مرافعہ ہے) درخواست کی گئی کہ وہ اس بات کا فیصلہ کرے کہ آیا اس ضابطے میں جو "قانون مدافعت ملک" کے تحت ۱۹۱۴ء میں وضع ہوئے اور جن کی رو سے وزیر داخلہ کو اس بات کا مجاز گردانا گیا تھا کہ وہ ایسے اشخاص کو حراست میں رکھے جن کا رویہ اور ماحول مخالفانہ ہو

کونسا قانونی جواز ہے اس ضابطے کو جائز قرار دیا گیا اور جس طرح اوپر بیان کیا گیا اس فیصلے کا منشا یہ تھا کہ "قانون مدافعت ملک" کی رو سے جو اختیارات قانون سازی زمانۂ جنگ کی خاطر عاملہ کے سپرد کردیے گئے تھے ان میں عدالتیں مداخلت نہ کریں[1]۔

شدائد جنگ کی وجہ سے حکومت کابینہ کے نظام میں بعض نمایاں اور گہری تبدیلیاں پیدا ہوگئیں۔ جنگ شروع ہونے کے بعد تقریباً ایک سال تک مسٹر اسکوتھ کی کابینہ برسر اقتدار رہی۔ ماہ مئی ۱۹۱۵ء میں ایک "وزارت مرکب" ترتیب دی گئی جو لبرل۔ اتحادی۔ اور لیبر ارا کین پر مشتمل تھی۔ آئرستانی قوم پرست جنھوں نے دارالعوام میں اپنا ایک علٰحدہ فریق بنالیا تھا عام تائید تو کرتے تھے لیکن کابینہ کی شرکت کے لئے تیار نہ تھے جہاں تک عملی معاملات کا تعلق تھا پارلیمنٹ میں کوئی "مخالفت" باقی نہیں رہی تھی۔ مسٹر اسکوتھ وزیر اعظم کی خدمت پر فائز رہے۔ لیکن ان مشکلات پر عام لوگوں کی بہت جلد نظریں پڑنے لگی تھیں کہ اس عظیم الشان جنگ کی سربراہی جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی ایسی کابینہ سے کیسے ہوسکتی ہے جو اُنیس بیس جوڑ ارا کین پر مشتمل ہو اور جن کا تمام تر وقت اور توجہ پارلیمنٹ۔ محکمہ جات اور کابینہ کے کاروبار میں لگا ہوا ہو۔ کابینہ کے اندر متعدد کمیٹیاں بنائی گئیں لیکن ان سے بھی یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکا۔ دار الاخبار نارتھ کلف نے اس کام کے لئے سب سے پہلے قدم اٹھایا کہ رائے عامہ کو اس قابل بنائے کہ وہ ایک طرف موجودالوقت نظام کی بے مائگی اور دوسری طرف تدبیر مملکت کی پوری نگہداشت اور جدوجہد کی ہم آہنگی محسوس کرے۔ چنانچہ ماہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں ہی "ٹیمز" نے جو لارڈ نارتھ کلف کا بہت پر اثر اخبار ہے ایک چھوٹی کابینۂ جنگ پر بہت زور دیا اور ابھی سال ختم نہیں ہوا تھا کہ کابینہ کی ایک کمیٹی جنگجو آدھے درجن ارا کین پر مشتمل تھی اور وزیر اعظم اس کا صدر تھا مرتب ہوگئی اور اس نے اصل کابینہ سے انتظام جنگ کا تمام کام خود لے لیا۔ اس کی ترتیب میں خود کابینہ سے زیادہ کارکردگی تھی اور اس کے ساتھ ایک معتمدی بنی جو اس کی کارروائیوں کو قلمبند کرتی تھی اور اس کے فیصلے ان ادارات تک پہنچاتی تھی جو اس سے متعلق تھے۔

[1] ڈی۔ ال۔ کیز اور آف۔ اے۔ لاسن۔ نظائر قانون دستوری۔

سنہ ۱۹۱۶ ماہ دسمبر کے اوائل میں مسٹر لائڈ جارج نے جو کابینہ کا ہر دلعزیز رکن تھا اور کمیٹی جنگ کا بھی رکن تھا وزیر اعظم کو جتایا کہ جب تک جنگ کی سربراہی میں خاطر خواہ تبدیلیاں عمل میں نہ آئیں گی میں حکومت میں شریک نہ رہوں گا اور یہ تجویز پیش کی کہ کمیٹی جنگ صرف تین یا چار اراکین تک محدود ہونی چاہیئے جس میں وزیر اعظم شریک نہ ہو۔ جب یہ تجویز رد ہوگئی تو اس مخالف رکن نے استعفا دے دیا اور اس کے بعد مسٹر اسکوتھ بھی استعفا دینے پر مجبور ہو گئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ کابینہ بالکل منتشر ہو گئی۔ اتحادی رہنما مسٹر بونر لا کو کہا گیا کہ وہ وزارت ترتیب دیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر بادشاہ نے مسٹر لائڈ جارج کو طلب کیا جنھوں نے یہ کام کر لیا۔

اس سیاسی تہلکے سے نہ صرف یہی ہوا کہ وزارت تبدیل ہو گئی بلکہ اس سے زیادہ نتائج پیدا ہو گئے۔ یہ ایسا موقع تھا کہ اس وقت تنظیم حکومت میں نمائندہ تبدیلیاں پیدا ہو گئیں۔ ابتک دستور انگلستان کا یہ مسلمہ عملدرآمد تھا کہ کابینہ صرف انھیں اراکین پر مشتمل ہو جو اہم ترین عاملانہ محکموں کے صدر ہوں اور ان کے ساتھ دو یا تین ایسے عہدہ دار بھی ہوتے تھے جن کی خدمات برائے نام ہوتی تھیں جیسے لارڈ صدر کونسل اور لارڈ صاحب مہر۔ اس انتظام کے تحت یہ ہوتا تھا کہ یہی لوگ جو فرداً فرداً اپنے محکموں کی صدارت کرتے تھے کابینہ کی اجتماعی حیثیت میں تدبیر مملکت کے مسائل طے کرتے تھے بیسویں صدی کے اوائل میں کابینہ میں تقریباً بیس اراکین ہو گئے۔

جب وزارت لائڈ جارج کی فہرست شایع ہوئی تو۔ یہ دیکھا گیا کہ پرانی وضع کی کابینہ بالکل غائب ہوگئی۔ اس کی جگہ ایک چھوٹی جماعت آگئی تھی یعنے پانچ اراکین والی ایک "کابینۂ جنگ" جس کا صدر جدید وزیر اعظم تھا۔ اپنی جانشین کابینہ کی طرح یہ ایک مرکب کابینہ تھی۔ اس کا ایک رکن لبرل تھا (لائڈ جارج)۔ ایک لبریٹ (آرتھر ہنڈرسن) اور تین اتحادی۔(لارڈ کرزن۔ لارڈ ملنر۔ اور بونرلا) تھے منجملہ ان کے صرف ایک کو محکمہ جاتی فرائض ادا کرنے پڑتے تھے اور یہ مسٹر لا تھے جو وزیر مال کی خدمت پر فائز تھے ان کے علاوہ دو کے ہاتھ میں تو کوئی محکمہ نہیں تھا اور دو کے پاس برائے نام عہدے تھے جن سے کوئی انتظامی کام نہ تھا۔ اور جو لوگ بڑے عاملانہ محکموں کے صدر تھے مثلاً محکمہ خارجہ

محکمہ بحریہ وغیرہ وہ کابینہ کے درجے سے نیچے تھے اور وہ "دوسرے وزرا" کے کمتر لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔

اس جدید انتظام کے تحت جنگ کا انتظام اور مسلک حکومت کی نگہداشت ان لوگوں کی ایک چھوٹی جماعت کے سپرد تھی جو بہ استثنا ایک کے سب انتظامی فرائض سے سبکدوش تھے برخلاف اس کے عاملانہ محکموں کے صدر کاروبار کابینہ کے بوجھ سے آزاد تھے اور یہ لوگ اپنا زیادہ وقت اور توجہ انتظامی امور میں صرف کر سکتے تھے جو پچھلے نظام میں ممکن نہ تھا۔ اس تقسیم کار کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف کابینہ کے کام میں اور دوسری طرف انتظامی کام میں کارکردگی بڑھ گئی۔ پرانے نظام کا مقابلہ کرتے ہوئے اس جدید نظام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وزارتی خدمات پر ایسے لوگوں کا تقرر کیا گیا جو بہ حیثیت ماہران فن نہ بہ حیثیت سیاس شہرت حاصل کر چکے تھے۔ کئی جدید محکمے مثلاً محکمہ مزدوران، جہازرانی۔ فضائی۔ وظائف تعمیر جدید وغیرہ نئے پیدا ہوگئے تھے۔ لیکن اس سے صرف وزارت کا حجم بڑھ گیا۔ کابینہ کا حجم نہیں بڑھا۔ ۱۹۱۸ء میں ارا کین وزارت کی مجموعی تعداد تقریباً ایک سو ہوگئی تھی۔

کابینہ کی رازداری۔ ماہ دسمبر ۱۹۱۶ء تک جو کابینۂ انگلستان میں مرتب ہوئے ہیں ان پر جس کسی نے قلم اٹھایا ہے اس کی رازداری کا ضرور ذکر کیا ہے نہ صرف اس کے جلسے خانگی ہوتے تھے بلکہ اس کا کوئی معتمد نہ تھا اور اس کی کارروائیوں کی کوئی باضابطہ روداد نہیں رکھی جاتی تھی البتہ یہ بات وزیر اعظم کے فرائض میں داخل تھی کہ وہ ہر جلسۂ کابینہ کے بعد پادشاہ کو تحریراً کابینہ کے طے شدہ فیصلوں سے مطلع کرے لیکن یہ خطوط راز میں ہوتے تھے اور اس کی اشاعت نہ ہوتی تھی۔ گلاڈسٹن کے زمانے میں سوائے وزیر اعظم کے کوئی اور رکن اس بات کا مجاز نہیں تھا کہ وہ کابینہ کی کسی کارروائی کو قلمبند کرے اور اسکوتھ کا بیان ہے کہ ایک موقع پر اس کو توجہ دلائی گئی کہ ایک رکن کابینہ علانیہ نوٹ لکھ رہے ہیں تو اس نے فوراً ٹوک دیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کابینہ کی کارروائیوں کا کوئی ایسا تحریری وثیقہ نہ ہوتا تھا کہ اس پر کبھی توجہ دلائی جا سکتی اور اس حالت میں یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے کہ بعض وزرائے کابینہ کو امور فیصل شدہ کے متعلق صرف دھندلا

خیال رہ جاتا تھا یا ایک ہی امر فیصل شدہ کی بابت مختلف وزرا مختلف خیال رکھتے تھے۔ اراکین کابینہ ہمیشہ پریوی کونسل کے اراکین ہی ہوتے تھے اور اس طرح یہ رازداری کا حلف اُٹھاتے تھے اور یہ خیال تھا کہ جو چیز ایک مرتبہ کابینہ کے جلسے میں معرض بحث میں آجائے کوئی رکن اس کا دوبارہ ذکر نہیں کر سکتا۔ مختصر یہ کہ قبل جنگ کابینہ کی کارروائی بالکل بے کاروبارانہ ہوتی تھی[1]۔

جدید نظام کے تحت ایسے ذرائع اختیار کرنا ضروری معلوم ہوا جن سے کابینہ اور ان محکموں کے درمیان جن کے صدر کابینہ میں نشست نہیں کرتے تھے فوری رابطہ پیدا ہو جائے اور ان ذرائع کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ رازداری کو ترک کرنا پڑا کابینۂ جنگ نے چھوٹی جنگ کی معتمدی اپنے تحت کر لی۔ اس کے بڑے فرائض یہ تھے کہ یہ کابینہ کی کارروائی قلمبند کرتی تھی۔ اس کے فیصلے متعلقہ محکموں کو پہنچاتی تھی۔ اجلاس کابینہ کے پیشنامے تیار کرتی تھی اور کابینہ کے معلومات کے لئے ضروری وثایق بہم پہنچاتی تھی۔ روئدادیں تیار کرتی تھی۔ اور جو باہر کے لوگ کابینہ کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے ان کا انتظام کرتی تھی۔ کابینہ جنگ کے وجود میں آنے کے پہلے سال تقریباً ۲۴۸ اشخاص اس کے جلسوں میں شریک ہوئے تھے جن میں ہر شعبۂ نظم ونسق کے ماہر فن شامل ہیں۔ اس طریقے سے پچھلے زمانے میں کابینہ پر ظلمت کے جو پردے پڑے ہوئے تھے۔ وہ سب اُٹھ گئے۔ پچھلی رازداری کے چھوڑنے کا بیّن ثبوت ۱۹۱۷ء اور ۱۹۱۸ء کی روئدادوں سے ملتا ہے جن کو کابینۂ جنگ نے شایع کیا تھا۔

کابینۂ جنگ کے اس قدر کثرت سے اجلاس ہوتے تھے کہ اتنے پچھلے زمانے میں کبھی نہیں ہوئے۔ اس تاریخ سے لیکر جبکہ دسمبر ۱۹۱۶ء میں یہ قائم ہوئی تھی ۱۹۱۸ء کے اختتام تک اس کے کوئی ۶۵۹ اجلاس ہوئے تھے۔ ذیل میں اس کی کارروائی کا مختصر حال بیان کیا جاتا ہے جو ۱۹۱۷ء کی روئداد سے ماخوذ ہے:۔

---

[1] کابینہ ہمیشہ ایک رازدار جماعت سمجھی جاتی ہے۔ لیکن یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اٹھارھویں صدی میں اس کے جلسے ایسے خفیہ نہیں ہوتے تھے جیسے بعد کو ہونے لگے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیرونی اشخاص بھی شرکت کے لئے بلائے جانے لگے اور اراکین اپنے خانگی استعمال کے لئے کابینہ کی کارروائیاں باضابطہ طور پر قلمبند کرنے لگے۔ دیکھو ای۔ آر۔ ٹرنر کی کتاب "سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں انگلستان کی کابینہ"

"ہر جلسے میں کابینہ پہلے رفتار جنگ کی رپورٹ سنتی ہے کہ پچھلے دن کیا ہوا۔ اس کے بعد وہ ان مسائل کو سلجھاتی ہے جو اس کے فیصلے کے منتظر ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ تدبیر مملکت کے عام مسائل پر غور کرنا ضروری نہ سمجھے۔ چونکہ یہ مسائل بہ کثرت ایک یا زیادہ انتظامی محکموں سے متعلق ہوتے ہیں۔ اس لئے ان تمام جلسوں میں عام وزرا اور محکمہ جات کے خاص متعلقہ عہدہ دار شریک ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ کابینۂ جنگ کے اکثر دوران اجلاس میں ایسے جلسوں کا ایک سلسلہ بندھ جاتا ہے جن میں کابینۂ جنگ کے اراکین اور وہ لوگ شریک ہوتے ہیں جو عاملانہ کام کے ذمہ دار ہیں اور ان جلسوں میں ان کے محکموں سے متعلق تدبیری مسائل پر بحث ہوتی ہے۔ اور یہ طے ہوتے ہیں جو مسائل ان محکموں کے باہمی تصادم اور تجاوز سے متعلق ہوتے ہیں ان کا تعین ہوتا ہے اور نظم و نسق کے ہر شعبے میں حکمت عملی کے تمام رشتے اس طرح جوڑے جاتے ہیں کہ وہ متحدہ منصوبۂ جنگ کے ساتھ اچھی طرح پیوست ہو جائیں۔ وزرا کو اس بات کا پورا اختیار ہے کہ خواہ اپنے محکموں یا باہر سے ایسے ماہر فن اپنے ساتھ لائیں جن کی صلاح وہ ضروری سمجھیں"

کابینہ اور دارالعوام۔ جو باب "عمومی انگلستان" کے عنوان سے آچکا ہے۔ اس میں کابینہ اور دار العوام کے تعلقات کی وہ تبدیلی جو انیسویں صدی کے آخری حصے میں نظر آنے لگی تھی اچھی طرح سمجھائی گئی ہے۔ اگر صاف الفاظ میں بیان کیا جائے تو یہ ہوگا کہ کابینہ جو دارالعوام کی خادم سمجھی جاتی تھی وہ اس کی مخدوم ہو رہی تھی۔ جہاں والٹر بیجہٹ نے اپنے فاضلانہ انداز میں حکومت انگلستان پر روشنی ڈالی ہے کہ وہ عہد وکٹوریہ کے وسط میں کس طرح کام کرتی تھی اس کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ بتائی ہے کہ کابینہ دار العوام کے سامنے ذمہ دار ہے۔ ایک پشت کے بعد سڈنی لو پورے ثبوت کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ یہ ذمہ داری قریب قریب افسانہ ہو کر رہ گئی ہے۔[1] مسٹر لو نے کہا ہے کہ "دارالعوام کو اب عاملہ پر کوئی قابو نہیں ہے۔ برخلاف اس کے عاملہ دار العوام پر قابو رکھتا ہے۔ نظریہ یہ ہے کہ وزرا ہر موقع پر ایک ایک کر کے

[1] کابینہ اور دار العوام کا باہمی تعلق دیکھنے کے لئے طلبہ اگر لو کی حکومت انگلستان" ابواب ۴ - ۵ اور بیجہٹ کی "دستور انگلستان" باب ۱ کا مقابلہ کیا جائے تو طلبہ کو بہت دلچسپی ہوگی۔

اپنے تمام افعال کی صداقت قوم کے نمایندوں کے سامنے پیش کریں۔ اگر وہ اس معاملے میں کوتاہی کریں تو یہ نمایندے ان کو خدمت سے علٰحدہ کر سکتے ہیں لیکن ہمارا موجودہ طرز عمل یہ ہے کہ پارلیمنٹ کابینہ کو یہ مشکل خدمت سے علٰحدہ کرتی ہے خواہ وہ کچھ بھی کرے۔ مسٹر لو کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کابینہ بالکل غیر ذمہ دار ہوگئی ہے بلکہ جو ذمہ داری دارالعوام کے سامنے مطلوب تھی وہ کم از کم بڑی حد تک قوم کے سامنے منتقل ہوگئی اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رائے عامہ دارالعوام کی جانشین ہوگئی ہے اور یہی کابینہ کو بناتی اور بگاڑتی ہے خواہ وہ عام انتخاب میں ظاہر ہو یا اور دستوری آلات خصوصاً اخبار کے ذریعے سے ظاہر ہو۔

جنگ کے دوران میں دو وزارتیں بدلیں لیکن دونوں بھی دارالعوام کی کارروائی سے نہیں بدلیں۔ ۱۹۱۵ء میں لبرل کابینہ یا ۱۹۱۶ء میں مرکب کابینہ برخاست ہوئی تھی تو اس کا باعث ایوان کی کوئی مخالفانہ قرارداد نہیں تھی ماہ دسمبر ۱۹۱۶ء کے تہلکے پر روشنی ڈالتے ہوئے انگلستان کے ایک مشہور جریدہ نگار نے کہا ہے کہ "اس واقعے میں دارالعوام کو ٹھکرایا نہیں گیا بلکہ بات یہ ہے کہ اس سے مشورہ نہیں کیا گیا۔ مسٹر لائڈ جارج اپنی سیاسی قوت پارلیمنٹ کی چار دیواری کے باہر سے اخذ کرتا ہے۔ اس کی ترقی ایک قسم کے استثنارے کی ممنون ہے جو بے ضابطہ اور بے سر ہے لیکن اس کے پرزور ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ دارالعوام نے اس کو وزیر اعظم نہیں بنایا۔ اور نیز یہ بات بحث طلب ہے کہ آیا دارالعوام اس کو معزول کر سکتا ہے۔"

کابینۂ جنگ کے قیام سے پہلے یہ ایک مسلمہ قاعدہ تھا کہ کابینہ کے تمام اراکین دارالعوام یا دارالامرا کے اراکین ہوں اور وزیر اعظم دارالعوام کا رہنما ہو بشرطیکہ وہ امیر نہ ہو کابینۂ جنگ کے اراکین ایک[1] کے سوا سب پارلیمنٹ کے اراکین تھے لیکن یہ بحث میں بہت کم شریک ہوتے تھے۔ وزیر اعظم دارالعوام کا رہنما نہیں رہا تھا اور اس کی نشستوں میں حاضر نہیں رہتا تھا۔ دارالعوام میں اس کی جگہ وزیر مال بیٹھتے تھے جو حکومت کی

[1] وہ رکن انتہائی جنوبی افریقہ کا مدبر جنرل اسمٹس تھا جو جون ۱۹۱۷ء سے لیکر دسمبر ۱۹۱۸ء تک کابینۂ جنگ کا رکن رہا تھا۔ اس کی حیثیت کچھ بے تکی سی تھی کیونکہ وہ نہ تو برطانوی پارلیمنٹ کا رکن تھا نہ برطانیہ عظمیٰ میں کسی وزارتی خدمت پر فائز تھا۔

طرف سے گفتگو کرتا اور ان سوالوں کا جواب دیتا تھا جو وزیر اعظم سے مخاطب ہوتے تھے۔ کابینہ اور خصوصاً وزیر اعظم کا اس طرح پارلیمنٹ سے کنارہ کشی کرنا قابل اعتراض تھا اور اس پر ضرور نکتہ چینی ہوئی۔

شہنشاہی کابینۂ جنگ۔ ایک دستوری بدعت جو نہ صرف برطانیۂ عظمیٰ بلکہ تمام شہنشاہیت سے متعلق تھی یہ ہوئی کہ برطانوی کابینۂ جنگ کو عارضی طور پر ایک وسیع شہنشاہی کابینہ بنایا گیا۔ حکومت لائڈ جارج کا سب سے پہلا کام یہ تھا کہ خود اختیاری برطانوی قلمروؤں کے وزرائے اعظم اس غرض سے بلائے گئے کہ وہ کابینۂ جنگ کے خاص جلسوں میں نشست کریں۔ اور اس طریقے سے شہنشاہی کابینۂ جنگ کے نام سے ایک جدید ادارہ عالم وجود میں آگیا جس میں برطانوی کابینۂ جنگ کے اراکین قلمروؤں کے وزرا۔ وزیر ہند۔ وزیر مستعمرات شریک ہوتے تھے۔ آخر الذکر شاہی مستعمرات اور محمیتوں کی طرف سے گفتگو کرتا تھا۔ برطانوی وزیر اعظم اس کا صدر نشین تھا اور ۱۹۱۷ء میں ماہ مارچ سے مئی تک اس کے کئی مسلسل جلسے ہوئے۔ سمندر پار کے نمایندے ماتحتانہ حیثیت میں شریک نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ برطانوی کابینۂ جنگ کے اراکین کے ساتھ برابر کا درجہ رکھتے تھے۔ دارالامرا میں چند روز کے بعد اس واقعے کی اس طرح توضیح کی گئی تھی۔

برطانوی کابینہ اس زمانے کے لئے شہنشاہی کابینۂ جنگ ہوگئی ہے۔ اس کے اجلاس کے دوران میں اس کے سمندر پار اراکین کو ان تمام معلومات تک رسائی تھی جو ہز مجسٹی کی حکومت کے تصرف میں تھے اور برطانوی کابینۂ جنگ کے اراکین کے ساتھ ان کی بالکل مساویانہ حیثیت تھی۔ اس سے یہ ہوا کہ شہنشاہی مسلک کے اہم پہلوؤں پر طویل بحث ہونے لگی اور ان کی بابت اہم فیصلے ہونے لگے یہ فیصلے ایسے ہیں کہ جن کی بدولت ہم زیادہ سے زیادہ یکجہتی اور زور کے ساتھ جنگ کا انصرام کر سکتے ہیں اور جب صلح کی گفت و شنید ہوگی تو اس سے اور زیادہ فائدہ ہوگا۔"

شہنشاہی کابینۂ جنگ ان معنوں میں کابینہ نہیں تھی جو اس کے معمولی معنی ہوتے ہیں اس کے اراکین ایک ہی پارلیمنٹ کے اراکین تھے نہ اس کے سامنے ذمہ دار تھے۔ یہ اصل میں ایک عجیب دوستانہ قسم کی بین حکومتی مجلس تھی۔ کنیڈا کے وزیر اعظم سر رابرٹ بورڈن نے جو اس کا ایک رکن تھا اس کی اس طرح وضاحت کی تھی کہ "یہ وزرا کی کابینہ نہیں"

بلکہ حکومتوں کی کابینہ ہے"۔

ماہ جون ۱۹۱۸ء میں اس شہنشاہی کابینہ جنگ کی نشستوں کا ایک دوسرا سلسلہ شروع ہوا تھا جو اگست میں جاکر ختم ہوا۔ ایک تیسرا سلسلہ ۲۰ نومبر ۱۹۱۸ء سے شروع ہوا جب کہ جنگ ابھی ختم ہوئی تھی یہ ان مسائل پر غور کرنے کے لئے منعقد کی گئی تھیں جو آیندہ انتظام صلح کے بابت پیدا ہو رہے تھے اور اس شہنشاہی کابینہ جنگ نے برطانوی شہنشاہیت کے وفیدوں کا تعین کیا جو ۱۹۱۹ء میں پیرس والی کانفرنس صلح میں شریک ہوئے۔

شہنشاہی کابینہ جنگ ان تمام مسائل کو سلجھانے میں کامیاب ہوگئی جو اس کے سامنے آئے۔ اس لئے اس بات کا امکان معلوم ہوتا تھا کہ ایک شہنشاہی کابینہ مستقل ادارے کے طور پر ہمیشہ رہے گی۔ برطانیہ عظمیٰ اور قلمروؤں میں دونوں جگہ اکثر لوگ جو شہنشاہی یکجہتی کے بندھن مضبوط کرنا چاہتے تھے یہی چاہتے تھے۔ پہلے سلسلے میں جو آخری نشست ہوئی تھی تو اس میں برطانوی وزیر اعظم نے سمندر پار کے نمایندوں کے اتفاق کے ساتھ یہ تجویز کی تھی کہ اس قسم کی مجلسیں سالانہ یا مناسب سمجھا جائے تو اس سے زیادہ منعقد ہوا کریں۔ لیکن یہ جدید ادارہ بہت کم عمر ثابت ہوا اور جنگ کے ساتھ ختم ہوگیا۔

برطانوی کابینہ جنگ ختم جنگ کے بعد تقریباً ایک سال تک جاری رہی۔ ماہ دسمبر ۱۹۱۸ء میں ایک عام انتخاب جو "خاکی انتخاب" کے بے تکے نام سے موسوم ہے کیا گیا۔ اس سے لائڈ جارج کی مرکب وزارت کو بہت بڑی کامیابی ہوئی۔ وزیر اعظم نے جدید نظام حکومت بنانے کا فیصلہ کیا اور یہ سب کو یقین ہوگیا تھا کہ کابینہ جنگ کا نظام توڑ دیا جائے گا۔ لیکن جب ماہ جنوری ۱۹۱۹ء میں جدید وزارت کی تشہیر ہوئی تو اس وقت یہ ظاہر کیا گیا کہ کابینہ جنگ اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک کہ مستقل صلح کا انتظام نہ ہو جائے۔

لڑائی ختم ہونے کے بعد عاملانہ خودسری کے خلاف ایک ردعمل کا پیدا ہونا قدرتی بات تھی۔ پچھلے ایوان کے مقابلے میں جدید دارالعوام میں زیادہ جذبہ خودداری ظاہر ہونے لگا۔ ۱۹۱۹ء کے پہلے نصف حصے میں ذیلی انتخاب کا ایک تانتا بندھ گیا اور اس سے وزارت مرکب کی رائیں گرنے لگیں اور وزیر اعظم کے وقار کو نقصان پہنچنے لگا اور اس سے زیادہ معنی خیز بات یہ تھی کہ پارلیمنٹ اور ملک میں روز بروز نکتہ چینی ہونے لگی

اس بات پر دل کھول کر غیظ و غضب کا اظہار ہونے لگا کہ دوران جنگ کے طریقہ حکومت میں خصوصاً کابینہ جنگ اور وزرا کی عدم ذمہ داری جاری ہے ۔ وزرا اور بالخصوص وزیر اعظم پارلیمنٹ کی نشست سے غائب رہتے ہیں اور دار العوام میں حکومت کے ذیلی حکام کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے ۔

۲۳ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو یہ بےچینی پورے عروج کو پہنچ گئی جب کہ دار العوام نے اپنی ایک بڑی کثرت سے حکومت کی ایک قانونی تجویز کو رد کر دیا ۔ چار روز کے بعد اس بات کا اعلان ہوا کہ کابینہ از سر نو ترتیب دی گئی ہے جو انیس ارکین پر مشتمل ہوگی اور یہ لوگ قبل زمانۂ جنگ کی طرح اکثر اہم عاملانہ محکموں کے صدر ہوں گے ۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کابینۂ جنگ ٹوٹ گئی اور کابینہ پھر اس نہج پر آگئی جو زمانۂ امن میں ہوتا ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ دار العوام نے حکومت کو ایک سخت گھونسا لگایا اور ایک ہی جنبش میں اپنا بہت کچھ پرانا وقار حاصل کر لیا مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ گو دار العوام میں اس وزارت کے بہی خواہ جماعت مخالف کے مقابلے میں دوگنے سے زیادہ تھے تاہم ان کی حیثیت ایک باقاعدہ فریقانہ وحدت کی سی نہ تھی ۔ یہ ایسا اتحاد تھا کہ اس میں یکجہتی بہت کم تھی ان حالات میں اس بات کا امکان تھا کہ اچانک رد و بدل ہو اور سیاسی بساط الٹ جائے ۔ اخبار مینچسٹر گارڈین نے ۲۳ اکتوبر والی قرارداد پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے اداریہ میں کہا تھا کہ "ایوان دست نگر بے اثر اور ایک بے جان لاش معلوم ہوتا ہے ۔ لیکن اس میں کچھ ایسی اچانک بات پیدا ہو گئی کہ اس سے ایوان کا پرانا جذبۂ خودداری و زور آزمائی ابھر گیا ۔ ابھی حکومت بہت مقتدر معلوم ہوتی تھی لیکن ابھی یہ معلوم ہوا کہ یہ بے زور ہو کر رہ گئی اور گھٹنوں کے بل چل رہی ہے ...... دار العوام کے قالب میں پھر جان پڑنے لگی تا کہ یہ واقعی دار العوام ہو جائے ۔ صرف بکواس اور اندراج کا آلہ کار ہو کر نہ رہے ۔"

اصلاح انتخاب عمومیت کی اس پیشقدمی میں جو ۱۸۳۲ء کے قانون اصلاح کے ساتھ شروع ہوئی تھی جنگ کے زمانے میں ایک اور بڑا قدم رکھا گیا مطلق رائے دہی بالغان کی تکمیل کر دی گئی جو ۱۸۸۴ء والے قانون اصلاح کی رو سے شروع کیا گیا تھا لیکن اس کی تکمیل نہیں ہوئی تھی اور ساٹھ لاکھ عورتوں کو حق رائے دہی دیا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رائے دہندگان کی تعداد دگنی سے زیادہ ہو گئی تکثیری رائے دہی

محدود کردی گئی جو قانون پارلیمنٹی رائے دہی سے متعلق تھا سہل کر دیا گیا۔ نیابت تناسبہ کا
کا اصول جاری کیا گیا اور نشستوں کی جدید تقسیم اور حلقہائے انتخاب کی جدید تنظیم کی گئی۔
۱۸۸۴ء میں جو قانون رائے دہی اور ۱۸۸۵ء میں "قانون تقسیم جدید" پاس ہوا
تھا تو اس کے بعد کئی سال تک مزید اصلاح انتخاب سے متعلق کوئی بحث مباحثہ نہیں ہوا۔
اتحادی حکومت کے دوران میں جو ۱۸۹۵ء سے ۱۹۰۵ء تک رہی اس موضوع پر
بہت کم توجہ کی گئی۔ ۱۹۰۶ء میں لبرل حکومت نے ایک مسودہ پیش کیا تھا کہ
تکثیری رائے دہی منسوخ کی جائے۔ اس کو دار العوام نے پاس کر دیا مگر دار الامرا نے رد
کر دیا۔ ۱۹۱۳ء میں پھر عوام نے اسی قسم کا مسودہ پاس کر دیا مگر امرا کے ہاتھوں میں جا کر
پھر اس کا وہی حشر ہوا۔ دوسرے سال عوام نے اس کو پھر پاس کر دیا اور امرا
نے اس کو پھر توڑ دیا۔ اگر جنگ نہیں چھڑ جاتی تو عوام اس کو پھر تیسری مرتبہ پاس
کر دیتے اور ۱۹۱۵ء کے "قانون پارلیمنٹ" کے ضابطے کے مطابق امرا کی نامنظوری کے
باوجود یہ قانون بن جاتا۔

رائے دہی اناث کے متعلق پارلیمنٹ میں اس وقت شد و مد سے بحث ہوئی
جب کہ جان اسٹوارٹ مل نے ۱۸۶۷ء کے مسودۂ اصلاح کی بابت ایک ترمیم پیش کی
تاکہ عورتوں کو حق رائے ملے۔ ایک بڑی کثرت سے یہ رد ہو گئی۔ اس طرح کی ایک
اور ترمیم ۱۸۸۴ء کے مسودہ اصلاح کی بابت پیش ہوئی تھی لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوا۔
بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں عورتوں میں حق رائے دہی کی تحریک بہت جلد آگے
بڑھنے لگی۔ لیکن ایک طرف وہ عورتیں تھیں جو اس حصول مقصد کے لئے حربی ہتھکنڈے
اور دو بدو مقابلے چاہتی تھیں یعنی "رائے دہی کے علمبردار"[1]۔ دوسری طرف وہ عورتیں
تھیں جو دستوری اور آئینی سرحد سے آگے جانا نہیں چاہتی تھیں یعنی "رائے دہی کی
حامی"[2]۔ ان دونوں میں ایک خلیج حائل ہو گئی۔ ۱۹۰۶ء کے معرکۂ انتخاب میں حربی کشمکش
شروع ہو گئی جو لبرل کابینہ اس زمانے سے لے کر آغاز جنگ تک برسر اقتدار رہیں

لے Suffragettes

لے Suffragists

وہ حق رائے دہی اناث کے مسئلے میں متفق الرائے نہیں تھیں۔ چنانچہ اس دوران میں خانگی اراکین کی طرف سے ایسے متعدد مسودے دار العوام میں پیش کئے گئے لیکن ان میں سے کوئی بھی پاس نہیں ہوا۔ ۱۹۱۴ء میں یہ حزبی تحریک اپنے معراج کمال پر پہنچ گئی جبکہ "رائے دہی کے علمبرداروں" نے دہشت انگیزی شروع کر دی جس میں دریچوں کو توڑنا کلیسا کو آگ لگا دینا۔ مکانات اور سرکاری عمارتوں پر بمب پھینکنا نمایاں تھے۔ جب جنگ شروع ہوگئی تو دہشت انگیزوں نے تھوڑے دنوں کے لئے عارضی صلح کر لی اور اپنی تنظیمیں انھوں نے رفاہ عام میں مصروف کر دیں۔

۱۹۱۸ء کا قانون اصلاح۔ ۱۹۱۶ء میں مسٹر اسکوتھ نے دار العوام کے اسپیکر سے درخواست کی کہ ایک کانفرنس منعقد کرے تاکہ اصلاح انتخاب کے مسئلے پر غور ہو اور حکومت کے سامنے تجاویز پیش ہو سکیں۔ چنانچہ ایک کانفرنس اسی سال اکتوبر میں اور دوسری سال جنوری میں منعقد ہوئی جو دار العوام کے ستائیس اراکین اور پانچ امرا اور ہر سیاسی نقطۂ خیال والے نمایندوں پر مشتمل تھی۔ اس نے لائڈ جارج کے سامنے جو اسی اثنا میں وزیر اعظم ہو گئے تھے اپنی رپورٹ پیش کر دی۔ مارچ ۱۹۱۷ء میں دار العوام نے ایک بڑی کثرت سے کانفرنس کی سفارشیں منظور کر لیں اور ایک مسودہ جو ان سفارشوں پر مبنی تھا دونوں ایوانوں کی طرف سے پاس ہوا۔ جو ماہ فروری ۱۹۱۸ء میں قانون بن گیا۔ اگرچہ یہ مسودہ بعض لحاظ سے اور خصوصاً حق رائے دہی اناث کے لحاظ سے گزشتہ تمام قوانین کے مقابلے میں بہت انتہائی تھا لیکن پچھلے قوانین کے مقابلے میں اس کی بہت کم مخالفت ہوئی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ بتائی جا سکتی ہے کہ یہ مسودہ اس وقت پاس ہوا تھا جبکہ ملک کی عورتوں نے اپنے جذبہ وطنیت اور انہاک عمل کے ساتھ جنگ کا پورا مقابلہ کیا اور اس طریقے سے اپنا حق رائے دہی ثابت کر دیا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس وقت مرکب وزارت برسر اقتدار تھی اور پارلیمنٹ میں وہ اشتراک عمل مفقود تھا جو ہمیشہ ہوتا ہے۔

۱۹۱۸ء کے قانون سے وہ تمام ضابطے جو پارلیمنٹی رائے دہی سے متعلق تھے آسان ہو گئے۔ اس قانون نے پچھلی مالی اہلیتیں منسوخ کر دیں۔ ضلع اور برو کی رائے دہی

یکساں کردی ۱۹۲۲ء اور ۱۸۶۷ء کے قوانین کی طرح اس قانون نے بھی دونوں کے لئے یعنی حق رائے دہی اور نشستوں کی تقسیم جدید کے لئے ضابطے بنادیئے۔ اس نے عورتوں کو حق رائے دہی دیا اگرچہ وہ حق انھیں شرائط پر مبنی تھا جس طرح مردوں کا تھا۔ اس نے تکثیری رائے محدود کردی۔ جامعاتی حلقہائے انتخاب بڑھادیئے اور ان میں نیابت تناسبہ کا اصول استعمال کیا اور اندراجات اور اخراجات انتخاب کا مناسب انتظام کیا۔

جہاں تک حق رائے دہی کا تعلق ہے اس قانون نے یہ ضابطہ بنایا کہ جامعاتی حلقۂ انتخاب کو مستثنیٰ کرکے ہر شخص اپنے کو کسی حلقے کے انتخاب کنندہ کی حیثیت میں درج رجسٹر کراسکتا ہے بشرطیکہ وہ عمر میں اکیس سالہ ہو۔ اس پر کوئی قانونی مجبوری عائد نہ ہو اور خانگی مکان یا کاروباری مکان کی سکونت رکھتا ہو۔ کاروباری مکان سے وہ مکان مراد ہے جس کی سالانہ مالیت دس پونڈ سے کم نہ ہو اور جہاں رائے دہندہ کی سکونت کسی کاروبار یا پیشے کی غرض سے ہو۔ دونوں صورتوں میں میعاد اہلیت چھ مہینے تھی۔ کافی عمر ہو اور کوئی قانونی مجبوری نہ ہونے کی صورت میں ہر شخص جامعاتی حلقۂ انتخاب کے لئے درج رجسٹر ہوسکتا تھا بشرطیکہ وہ اس جامعہ کی واقعی نہ کہ اعزازی ڈگری حاصل کرے جو خود ایک حلقۂ انتخاب ہو یا کسی حلقے میں شامل ہو۔ اسکاچستانی اور آئرستانی جامعات کی صورت میں اہلیتوں میں تھوڑا اختلاف تھا۔ جامعاتی حلقہائے انتخاب کی ابتدا جیمس اول کے عہد سے ہوتی ہے۔ جبکہ آکسفورڈ اور کیمبرج کو دارالعوام میں نیابت دی گئی۔ ۱۸۶۷ء کے قانون اصلاح کی رو سے جامعہ لندن پارلیمنٹی حلقۂ انتخاب بن گئی۔ گلاسگو۔ ابرڈین۔ اڈنبرا۔ اور سینٹ انڈروس کی چار جامعات کو اس طرح جوڑا گیا کہ دو حلقہائے انتخاب بن گئے۔

ہر عورت جامعاتی حلقے کو مستثنیٰ کرکے کسی حلقۂ انتخاب کے لئے اپنا نام رجسٹر کراسکتی تھی بشرطیکہ وہ عمر میں ۳۰ سالہ ہو اور اس پر کوئی قانونی مجبوری عائد نہ ہو۔ استحقاق رجسٹری دو طرح سے تھا۔ یا تو وہ مقامی حکومت کی رائے دہندہ ہو یا اس کا شوہر قابل رجسٹری ہو۔ مقامی حکومت کے انتخاب کنندہ کی اہلیت کسی

مکان مسکونہ یا کسی اور عمارت کی سکونت پر موقوف تھی جس کی مالیت سالانہ پانچ پونڈ سے کم نہ ہو عمر اور قانونی مجبوری کے فقدان کی شرائط پوری کرنے پر ایک عورت جامعاتی حلقۂ انتخاب کے لئے بھی رجسٹر ہوسکتی تھی بشرطیکہ وہ مرد ہونے کی صورت میں اس کی مستحق ہوتی یا ایسی جامعہ میں جہاں عورتوں کو ڈگری کے لئے نہیں لیا جاتا اگر یہ تخصیص نہ ہوتی تو وہ ڈگری کی مستحق ہو جاتی۔ اب یہ سوال کہ عورتوں کو انھیں مدارج پر حق رائے دہی نہیں دیا گیا جو مردوں کے لئے تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت آبادی میں عورتوں کی تعداد مردوں سے بہت زیادہ تھی۔ اور حکومت اور پارلیمنٹ اس بات کے لئے راضی نہ تھے کہ حلقہائے انتخاب میں عورتیں غالب ہو جائیں ہر شخص مرد ہو یا عورت جب کسی حلقۂ انتخاب میں رجسٹر ہو جائے تو پارلیمنٹ انتخاب کے وقت اسی حلقۂ انتخاب کی طرف سے جہاں وہ رجسٹر ہوا ہے رائے دینے کا حق رکھتا تھا۔

اس قانون نے نشستوں کی جدید تقسیم کا بھی انتظام کیا۔ دارالعوام کی مجموعی رکنیت ۶۷۰ سے جو ۱۸۸۵ء کے قانون تقسیم کی رو سے مقرر تھی ۷۰۷ کردی۔ انگلستان اور ویلز کے لئے ۵۲۸، اسکاچستان کے لئے ۷۴ اور آئرستان کے لئے ۱۰۵ نشستیں مقرر کی گئیں۔ لیکن بعد کو جب ۱۹۲۲ء میں آئرستان کی آزاد ریاست قائم ہو گئی اور اس طرح آئرستان کا ایک بڑا حصہ سلطنت متحدہ سے جدا ہو گیا تو دارالعوام کی مجموعی تعداد گھٹا کر ۶۱۵ کردی گئی۔ شمالی آئرستان جو سلطنت متحدہ میں باقی رہ گیا ہے اس کی نمایندگی ۱۳ ارکین کرتے ہیں یک رکنی حلقے کا اصول جو ۱۸۸۵ء میں اختیار کیا گیا تھا برقرار رکھا گیا۔ بالعموم ایک رکن ایک حلقے کی نمایندگی کرتا ہے۔ شہر لندن۔ چند دیگر برو۔ جامعات اکسفورڈ اور کیمبرج۔ وہ جامعات انگلستان جو ایک حلقۂ انتخاب میں جمع کردئے گئے ہیں اور ہر جامعہ دو ارکین منتخب کرتا ہے اور وہ حلقۂ انتخاب جو چار جامعات اسکاچستان پر مشتمل ہے اور تین ارکین منتخب کرتا ہے مستثنیٰ ہیں۔ انگلستان۔ ویلز اور اسکاچستان میں نیابت کا آبادی سے تناسب تقریباً ۷۰۰۰۰ پر ایک اور آئرستان میں ۴۳۰۰۰ پر ایک ہے۔ جامعاتی حلقوں میں جن کو دو یا زیادہ نشستیں دی گئی ہیں انتخابات نیابت تناسبہ کے اصول کے مطابق

ہوتے ہیں۔

تکثیری رائے دہی بالکل برخاست تو نہیں ہوئی مگر بہت کچھ محدود کردی گئی ہے۔ کوئی شخص اپنی سکونتی یا کسی اور اہلیت کی بنا پر ایک سے زیادہ حلقوں کی طرف سے رائے نہیں دے سکتا۔ صرف اسی حلقے کی طرف سے رائے دے سکتا ہے جہاں وہ رجسٹر ہوا ہے۔ کوئی عورت اپنی ذاتی یا اپنے شوہر کی حکومت مقامی کی اہلیت کی بنا پر یا کسی اور اہلیت کی بنا پر ایک سے زیادہ حلقوں کی طرف رائے نہیں دیسکتی صرف اسی حلقے کی طرف سے رائے دیسکتی ہے جہاں وہ رجسٹر ہوئی ہے۔ ان قیود کا اثر یہ ہوا کہ کوئی مرد یا عورت دو سے زیادہ حلقوں کی طرف سے رائے نہیں دے سکتے اور ایک ہی اہلیت کی بنا پر ایک سے زیادہ حلقوں کی طرف سے رائے نہیں دیسکتے۔ مثلاً اگر ایک شخص ایک حلقۂ انتخاب میں سکونت رکھتا ہے اور ایک سے زیادہ کاروباری عمارتوں میں جاگزیں ہے تو وہ اول الذکر حلقے میں اور باقی کاروباری عمارتوں میں سے صرف ایک کی طرف سے رائے دے سکتا ہے۔ اگر ایک شخص ایک حلقے میں سکونت رکھتا ہو اور کسی دوسرے حلقے کی کاروباری عمارت میں جاگزیں ہو اور کسی جامعہ کا ڈگری یافتہ ہو تو اول الذکر میں تو وہ رائے دے سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ دوسرے حلقے میں رائے دینا پسند کرے، تو پھر وہ جامعاتی حلقے میں رائے نہیں دے سکتا اور یا اس کے برعکس۔

ایک قانون کی رو سے جو ۱۹۱۸ء میں پاس ہوا عورتیں دار العوام میں شریک کرلی گئیں اور دوسرے سال لیڈی اسٹر نے جس کی پیدائش امریکہ میں ہوئی تھی ایوان میں جگہ پائی۔ یہ پہلی رکن اناث ہے۔ گو عورتیں اپنے حق کی بنا پر امیرہ ہوسکتی ہیں لیکن دار الامرا میں نشست نہیں کرسکتیں ۱۹۱۹ء میں ایک قانون موضوعہ کے ذریعے یہ انتظام کیا گیا کہ کوئی شخص کسی خدمت پر فائز ہونے کی وجہ سے یہ تخصیص جنس کوئی سرکاری کام کرنے کی وجہ سے نا اہل نہیں قرار دیا جاسکتا اور ۱۹۲۲ء میں ایک عورت ویکونٹس رہونڈا جو اپنے حق کی بنا پر امیر تھی شقعہ طلب کا حق جتایا لیکن امرا کی کمیٹی اختیارات نے اس کو رد کردیا اور فیصلہ کیا کہ اس کو اس کا حق نہیں ہے۔ لیکن جب کبھی ایوان بالائی کی اصلاح ہوگی یہ اغلب ہے کہ عورتیں دار الامرا

میں شریک کر لی جائیں گی۔

دارالامرا پر تنقید۔ پچھلے سو سال کے دوران میں دارالامرا کی "تنظیم جدید" کے لئے بہتیری تجویزیں ہو چکی ہیں۔ بعض مرتبہ ان کے ساتھ یہ سفارشیں بھی تھیں کہ اس کے اختیارات گھٹائے جائیں اور دارالعوام کے ساتھ اس کے تعلقات میں تبدیلی کی جائے، یہاں تک زور دیا گیا کہ کسی قسم کا ایوان بالائی مفید نہیں ہے بلکہ مضر ہے۔ ہم دیکھ آئے ہیں کہ ۱۹۱۱ء کے قانون پارلیمنٹ سے دارالامرا کے اختیارات گھٹا دئے گئے مگر اس کی اصلاح کا کوئی انتظام نہیں ہوا۔ تاہم اس قانون کے مقدمے میں ظاہر کر دیا گیا ہے کہ ایوان بالائی کی عمیق تجدید زیر غور ہے چنانچہ اعلان کے الفاظ یہ ہیں "منشا یہ ہے کہ دارالامرا کی جگہ جیسے وہ اس وقت موجود ہے ایک ایسا ایوان بالائی بنایا جائے جس کی بنیاد موروثی نہیں بلکہ عمومی ہو لیکن یہ قائم مقامانہ تبدیلی فوری عمل میں نہیں لائی جاسکتی"۔ یہ تبدیلی ابتک عمل میں نہیں لائی گئی۔ اور پرانا دقیانوسی دارالامرا ابتک موجود ہے۔ (۱۹۳۴ء)۔ یہ نامناسب ہوگا کہ اگر اس باب میں اس کی اصلاحی تجویز کی بابت یعنے اس مضمون پر اس کے اختیارات کیا ہوں اور دارالعوام سے اس کا کیا تعلق ہو دوران جنگ میں ایک طویل غائر روشنی ڈالی گئی تھی اس کا مختصر اعادہ کیا جائے۔

دارالامرا میں اس وقت اب کی طرح حسب ذیل طبقات اراکین شامل تھے۔ اصحابان امارت موروثی جن میں امرائے انگلستان جو ۱۷۰۷ء والے اتحاد اسکاچستان سے پہلے بنائے گئے۔ امرائے برطانیہ عظمیٰ جو ۱۷۰۷ء اور ۱۸۰۰ء والے اتحاد آئرستان کے درمیان بنائے گئے امرائے سلطنت متحدہ برطانیہ عظمیٰ اور آئرستان جو ۱۸۰۰ء کے بعد بنائے گئے شامل ہیں۔ یہ طبقہ تعداد میں سب سے زیادہ ہے اور دارالامرا کی تمام تعداد اراکین کا ۹/۱۰ ہے۔ ۲۔ مرشد زادگان یعنے خاندان شاہی کے چند اراکین جو ایوان کے جلسوں میں گاہے ماہے شریک ہوتے ہیں اور اس کی کارروائیوں میں دلچسپی نہیں لیتے۔ ۳۔ اسکاچستان کے نائب امرا جو تعداد میں ۱۶ ہوتے ہیں اور ہر پارلیمنٹ کے لیے

---

۵ ڈی او سولڈ ڈیکس ماخذ "تاریخ دستوری" از ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۸۹۔

امرا اسکاچستان کی طرف سے منتخب کئے جاتے ہیں ۴۔ آئرستان کے اٹھائیس نائب امرا جو امرائے آئرستان کی طرف سے عمر بھر کے لئے منتخب ہوتے ہیں ۵۔ روحانی امرا جن میں سرکاری کلیسا کے دو اساقفہ اعظم اور چوبیس اساقفہ شامل ہیں ۶۔ معمولی امرائے مرافعہ جو تعداد میں چھ ہوتے ہیں۔ ان کو بادشاہ اپنے قانونی اختیار سے اس غرض سے مقرر کرتا ہے کہ دار الامرا میں عادلوں کی تعداد بڑھے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دار الامرا ایک قانونی عدالت بھی ہے اور مقننہ کی ایک شاخ بھی ہے

دار الامرا پر مختلف حیثیتوں سے تنقید ہوتی ہے اور یہ تنقید اس کے دوست دشمن دونوں کرتے ہیں جب عمومیت بہت آگے آجائے، اور ۱۸۳۲ء کے بعد سے دار العوام کی عمومیت روز بروز بڑھتی جائے تو پھر ایوان بالائی جس کی ساخت میں غالب عنصر موروثی ہو ایک بے ڈھنگی چیز معلوم ہوگی یعنی یہ قرون وسطی کی ذہنیت اور جاگیریت کی یادگار ہے ایک روشن خیال امیر نے کہا تھا کہ اس ایوان کے اکثر اراکین اس وجہ سے اراکین ہیں کہ انھوں نے خود امیر پیدا ہونے کی تکلیف گوارا کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے لوگ امرا بنائے جاتے ہیں جن میں قابلیت، تجربہ اور قانون سازی کی کافی اہلیت ہوتی ہے لیکن ان کے جانشینوں میں یہی قابلیت نہیں ہوتی۔ اکثر تو اپنی رکنیت خاطر میں بھی نہیں لاتے۔ اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ اس کی نشستوں میں کبھی چھوٹی قلت سے کچھ زیادہ لوگ آجائیں۔ اس کا دوسرا رخ اشتراک عمل ہے جس کی وجہ سے اس ایوان پر حملے کئے جاتے ہیں ۱۸۳۲ء کے بعد سے اس کے اکثر اراکین سیاست میں متحفظ رہے ہیں اور ۱۸۸۶ء سے جبکہ کئی لبرل امرا سوراج آئرستان کے مسئلے پر اپنے فریق سے علٰحدہ ہو گئے تو ایوان کی لبرل رکنیت بہت قلیل ہو گئی۔ جب پنجہ ۱۹۰۵ء میں ایوان کے ۶۰۰ اراکین میں لبرل کی تعداد صرف ۴۵ تھی۔ ان اوقات میں جبکہ متحفظ فریق برسر حکومت تھا اور دار العوام میں اس کی کثرت تھی تو دونوں ایوانوں کے تعلقات خوشگوار تھے لیکن جب دار العوام میں لبرل مقتدر ہو گئے تو یہ بات نہیں رہی۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء سے لے کر آغاز جنگ تک جب کہ لبرل حکومت تھی یہی حالت نمایاں تھی اور امرا اور عوام کی کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ قانون پارلیمنٹ نافذ ہو گیا۔ دار الامرا پر

دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ ثروت اور خصوصاً زمیندارانہ ثروت کی غیر واجبی نیابت کرتا ہے اور ملک کے دوسرے اہم مفاد کی نیابت نہیں ہوتی۔ نیز ایک خاص مذہبی تنظیم کو یعنے مسئلہ کلیسا کو جو ممتاز حیثیت حاصل ہے وہ دوسرے مذہبی حلقوں کو پسند نہیں۔ اس کے علاوہ ایوان کا حجم اور اس کی نشستوں کی تکمیل حاضری پر بھی اعتراض ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو اس وقت (۱۹۳۴ء) ایوان میں شریک ہونے کے اہل ہیں ۷۰۰ اور ۸۰۰ کے درمیان ہیں جو دارالعوام کے تعداد ارکین سے کہیں زیادہ ہیں لیکن واقعی شرکا کی تعداد ۲۰۰ سے زیادہ نہیں ہوتی۔

دارالامرا کی اصلاح۔ جو تجاویز اصلاح ابتک پیش کی گئی ہیں ان کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ چند چوٹی کے خیالات ایسے ہیں جو ان میں باربار آتے ہیں۔ سب سے پرانا خیال جو انیسویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں اور بیسویں صدی کے ابتدائی سنین میں شد و مد سے پیش کیا گیا وہ یہ تھا کہ امرا عمر بھر کے لئے بنائیں جائیں تاکہ اس سے ایوان بالائی کی حیثیت درست ہو جائے۔ وینسلے ڈیل والے مقدمے میں (۱۸۵۶ء) یہ فیصلہ ہوا تھا کہ گو تاج اپنے اختیار خصوصی سے عمر بھر کے لئے امرا بنا سکتا ہے لیکن اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ان لوگوں کو شرکت دارالامرا کی عزت بھی عطا کرے۔ چند ایسے مسودے پارلیمنٹ میں پیش ہوئے تھے کہ تاج حین حیات امارت اور دارالامرا کی نشست عطا کر سکے اور ایسے لوگوں کو عطا کرے جو اس کے اہل ہوں۔ منجملہ ان کے سب سے پہلا مسودہ وہ تھا جو ۱۸۶۹ء میں پیش ہوا تھا لیکن ان میں سے کوئی بھی قانون نہیں بنا۔ مگر دارالامرا کے چند ارکین جو واقع میں حین حیات امیر ہیں ایسے ہیں ۱۸۷۶ء کے "قانون اختیار مرافعہ" کی رو سے وجود میں آئے ہیں۔ اس قانون سے تاج کو یہ اختیار ہوا کہ وہ چار یا متعاقب اضافے کے لحاظ سے چھ "امرائے مرافعہ معمولی" مقرر کر سکتا ہے اور یہ امرائے عادل کی حیثیت میں کام کریں گے اور تنخواہ پائیں گے۔ لیکن ان چیزوں کے باوجود یہ لوگ دارالامرا کے کامل رکن ہیں اور اگر وہ چاہیں تو اس کے مقننانہ کام میں بھی حصہ لے سکتے ہیں اور اگر وہ اپنا عدلیانہ کام چھوڑ بھی دیں تو وہ حین حیات رکن رہ سکتے ہیں۔ تجویز کی دوسری قسم یہ تھی کہ امرا کی تمام جماعت اپنے میں سے چند

ارکین کا انتخاب کرے، جو دار العوام میں ان کی نیابت کرے۔ دوسرے الفاظ میں جو نیابتی اصول امرائے اسکاچستان اور آئرستان کے لئے اس سے پہلے استعمال کیا جا چکا ہے وہ تمام امرا پر پھیلا دیا جائے۔ اس تجویز کو دوسری اور اصلاحات کے محاذی لارڈ روزبری نے ۱۸۸۸ء میں آگے بڑھایا تھا۔ اور ۱۹۰۸ء میں دار الامرا کی ایک کمیٹی نے اس کو پیش کیا اور ۱۹۱۱ء میں لارڈ لینسڈون نے ایک مسودے کی صورت میں اس کو پیش کیا لیکن پاس نہیں ہوا۔ اصلاح کی دوسری اور اہم قسم یہ تھی کہ ایوان بالائی کے چند ارکین بیرونی جماعتوں سے منتخب کئے جائیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس اصلاح پر سب سے پہلے روزبری نے ۱۸۸۸ء میں بحث کی تھی۔ لینسڈون کے مسودے کا مطلب یہ تھا کہ دار العوام کے ارکین بڑے حلقوں سے جہاں انھیں نشستیں حاصل ہوں دار الامرا کے لئے ارکین منتخب کریں۔

۱۹۱۷ء میں وزیر اعظم نے ایک کانفرنس مقرر کی کہ وہ ایوان بالائی کی اصلاح کے مسئلے اس طرح تحقیق کرے، اور رپورٹ پیش کرے کہ اس میں اصلاح شدہ کے اختیارات اور دار العوام کے ساتھ اس کے تعلقات بھی شامل ہوں۔ کانفرنس نے تمام مسئلے پر غائر نظر ڈالی اور غور و خوص کے نتائج ایک خط کی شکل میں جس کو صدر کانفرنس لارڈ برائس نے لکھا تھا ۱۹۱۸ء اپریل کے مہینے میں وزیر اعظم کے پاس بھیجے گئے[1]۔ کانفرنس اس بات پر رضامند ہوئی کہ ایوان کے حسب ذیل کام ہونے چاہئیں۔ ا۔ دار العوام کے پاس کئے ہوئے مسودے کی جانچ پڑتال اور نظر ثانی خصوصاً اس وجہ سے کہ دار العوام پچھلے تیس یا اس کے لگ بھگ زمانے میں کثرت کار میں دبا رہا اور ان قواعد کے تابع رہا جن کی رو سے بحث مباحثہ ایک حد سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ ۲۔ ایسے مسودات پیش کرنا جو نسبتہً مختلف فیہ نوعیت کے نہ ہوں اور اگر ان پر کافی بحث ہو جائے اور سمجھی ہوئی شکل میں پیش ہوں تو دار العوام میں آسانی سے پاس ہو جائے۔ ۳۔ کسی مسودے کے قانون بنانے میں زیادہ تعویق نہیں بلکہ اتنی تعویق پیدا کرنا جس قدر قوم کو اپنی مناسب رائے ظاہر کرنے کا

---

[1] ہورڈلی میک بین اور لنڈ سے روجرس۔ "یورپ کے جدید دساتیر" صفحہ ۵۷۳۔

موقع ملے اور خصوصاً ایسے مسودوں میں جن کی دستوری نوعیت ہو اور قانون سازی کے جدید اصول جاری کرتا ہے۔ اس زمانے میں جبکہ دار العوام اس قدر مصروف ہو جائے کہ اس کو کافی بحث کرنے کا موقع نہ ملے تو تدبیر مملکت کے ذیلی مسائل پر کافی اور خاطر خواہ بحث کرے۔ کانفرنس کو اس بات پر بھی اتفاق تھا کہ ایوان بالائی کو خصوصاً مالیات اور وزارتوں کی تشکیل اور برخاست میں دار العوام کا ہم رتبہ نہ ہونا چاہئے تاکہ سیاسی ارا کا ایک خاص مجموعہ ہمیشہ کے لئے غالب نہ ہو جائے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہو کہ ملک کی مجموعی رائے منکشف کرے اور اپنے مباحثے کے ذریعے رائے عامہ کو باخبر کرے اور اس پر اثر ڈالنے کی کوشش کرے نیز جہاں تک ہو سکے تاریخی دار الامرا کے ساتھ اس کا رشتہ قائم رہے۔

لیکن یہ سوال کہ ایوان بالائی کی ترکیب کیا ہونی چاہئے اس کا حل کرنا کانفرنس کے لئے سب سے زیادہ مشکل تھا۔ ایک طرف اس نے اس پر اتفاق کیا کہ ایوان بالائی کو موجودہ دار الامرا سے کوئی نہ کوئی اداراتی رابطہ ضرور ہونا چاہئے۔ دوسری طرف ان کی متفقہ رائے یہ تھی کہ اس کے پیچھے اقتدار عامہ ہو۔ اس کی رکنیت تمام برطانوی رعایا کے لئے کھلی رہے اور یہ رائے عامہ سے متاثر ہو۔ طویل بحث مباحثے کے بعد کانفرنس کی کثرت تعداد نے یہ سفارش کی کہ مجوزہ ایوان بالائی کا ایک حصہ ۲۵۰ اراکین پر مشتمل ہو اور ان کو اراکین دار العوام جغرافی رقبوں میں تقسیم کر کے منتخب کریں ایوان بالائی کی نشستوں کی تعداد ان رقبوں میں ان کی آبادی کے تناسب سے تقسیم ہونی چاہئے مثلاً دار العوام کے ۶۲ اراکین جو احاطۂ لندن کی طرف سے جس کی آبادی بینتالیس لاکھ ہے ایوان میں آتے ہیں وہ اسی احاطے کی طرف سے ایوان بالائی کے لئے ۲۷ اراکین منتخب کریں۔ دار العوام کے ۵۷ اراکین جو احاطۂ یارک شیر کی طرف سے ہیں اور جس کی آبادی ۴ لاکھ ہے وہ اس احاطے کے لئے ۲۴ اراکین منتخب کریں۔ نیز یہ تجویز کی گئی کہ ایک دوسرا شعبہ ایسا ہونا چاہئے جو ۸۰ اراکین پر مشتمل ہو اور ان کو دونوں ایوانوں کی متحدہ قائمہ کمیٹی جس کو ہر پارلیمنٹ کے شروع میں مقرر کیا جائے منتخب کرے۔ اور یہ تمام اراکین پہلے وہ ہیں صاحبان امارت موروثی اور اساقفۂ کلیسائے سرکاری سے نامزد کئے جائیں لیکن ان منتخب امرا اور اساقفہ کی تعداد بالآخر تیس تک گھٹا دی جائے۔ یہ تجویز ہوئی کہ دونوں شعبوں کے

ارکین بارہ سال تک نشست کریں اور ہر چوتھے سال ہر شعبے کا ایک تہائی حصہ برخاست ہو جائے اور اگر ایوان بالائی پرانے دار الامرا کی طرح عدالتی فرائض انجام دیا کرے تو اس صورت میں کانفرنس کی تجویز یہ تھی کہ جب تک یہ فرائض انجام دے لارڈ چانسلر اور وظیفہ یاب چانسلر اور معمولی امرائے مرافعہ بربنائے عہدہ اس کے رکن رہیں اور یہ اس وقت تک دار الامرا میں نشست کریں جب تک وہ عادل کی حیثیت میں کام کریں۔

کانفرنس اس طرف مائل نہ تھی کہ ایوان بالائی کو رقمی مسودوں کی ترمیم یا تنسیخ کا اختیار دیا جائے۔ یا دار العوام کے پاس کئے ہوئے دوسرے مسودوں کو روکنے کا مستقل اختیار دیا جائے آخر الذکر کا لحاظ کرتے دونوں ایوانوں کے اختلافات کی یکسوئی کے لئے ایک بہت ہی وسیع طریقۂ کار تجویز کیا گیا جس کی رو سے ایوان بالائی کو التوا کا ایک محدود اختیار حاصل ہوتا۔

یہ سفارشیں جو اس طرح تجویز کی گئیں ان پر کبھی عمل نہیں ہوا۔ ۱۹۱۸ء سے ایوان بالائی کی اصلاح کے لئے چند تجویزیں کی گئی ہیں لیکن کسی حکومت نے اس مسئلے کو پوری توجہ کے ساتھ ہاتھ میں نہیں لیا۔ اگر آیندہ اس کا وقت آئے اور جب کبھی آئے تو غالباً برئیس کانفرنس کی تجاویز پر خاطر خواہ توجہ کی جائے گی۔

BIBLIOGRAPHICAL NOTE.—J. A. Fairlie, *British War Administration*, 1919. C. Jones, *The War Cabinet Secretariat*. The Empire Review, xxxviii, 1407. H. J. Laski, *The Problem of a Second Chamber*, 1925. H. B. Lees-Smith, *Second Chambers, in Theory and Practice*, 1923. J. A. R. Marriott, *Second Chambers*, New ed., 1927. H. L. Morris, *Parliamentary Franchise Reform in England from 1885 to 1918*, 1921. E. M. Sait and D. P. Barrows, *British Politics in Transition*, 1925. R. L. Schuyler: *The British War Cabinet*, Polit. Sc. Quart., xxxiii, 378, 1918, *The British Cabinet; 1916-1919*, Polit. Sc. Quart., xxxv, 77, 1920. The War Cabinet, *Report for the Year 1917*, 1918; *Report for the Year 1918*, 1919.

باب ۲۱

آزاد ریاست آئرستان

آزاد مملکت آئرستان کی تاسیس جو ۱۹۲۲ء میں عمل میں آئی وہ مابعد جنگ واقعات میں سے سلطنت متحدہ کی تاریخ دستوری کا ایک بہت ہی اہم واقعہ ہے۔ اس سے آئرستان کے بہت بڑے حصے کو وہ رتبہ حاصل ہو گیا جو برطانیہ کے خود مختار قلمرووں کو حاصل ہے اور نیز اس سے برطانیہ عظمیٰ اور آئرستان کا دیرینہ اتحاد بھی ٹوٹ گیا جو ۱۸۰۱ء میں قائم ہوا تھا۔

آئرستانی قوم کی ایک بڑی کثرت اتحاد کے ضابطوں سے راضی نہیں ہوئی تھی اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ انقلابی اور آئینی دونوں طرح سے سیاسی بےچینی ظاہر ہوتی رہی۔ آخر الذکر بےچینی کی ایک مثال آئرستانی قومی فریق کی تشکیل ہے جو ساتویں عشرے کے اوائل میں ہوئی۔ اس نے ایک حکومت خود اختیاری کا پرچار کیا کہ ڈبلن میں ایک آئرستانی پارلیمنٹ ہو جو برطانوی پارلیمنٹ کے تابع ہو۔ ۱۸۸۶ء اور ۱۸۹۳ء میں گلاڈسٹن نے مسودات سوراج پیش کئے۔ لیکن لبرل فریق میں پھوٹ پڑنے کی وجہ سے اول الذکر تو دار العوام میں ہی پاس نہیں ہوا اور آخر الذکر دار العوام میں

پاس تو ہو گیا لیکن دار الامرا سے مسترد ہو گیا۔ آخر کار ۱۹۱۴ء کی فضا میں جبکہ لبرل وزارت برسر حکومت تھی اور اُس کو اپنی تقویت کے لئے آئرستانی قوم پرستوں پر انحصار کرنا پڑتا تھا ایک قانون حکومت آئرستان یا قانون سوراج اس طرح پاس ہوا کہ دار الامرا کی نامنظوری کے باوجود یہ قانون پارلیمنٹ کے منشا کے مطابق قانون بن گیا اس سے ایک آئرستانی پارلیمنٹ اور ایک ذمہ دار وزارت کی قرارداد تو ہوئی لیکن بہت سے امور برطانوی تحکم کے لئے مخصوص کردئے گئے اور آئرستان کی نیابت ویسٹ منسٹر کی پارلیمنٹ میں حسب حال جاری رہی۔ اگرچہ اس انتظام کو قوم پرست فریق نے منظور کر لیا تھا لیکن آئرستانی قوم کی خواہشوں کی اس سے تشفی نہیں ہوئی اور اُس کا کبھی نفاذ نہیں ہوا۔ چونکہ اس کے قانون بننے سے پہلے سلطنت متحدہ جنگ عظیم میں شریک ہو چکی تھی اس لئے ایک متعاقب قانون پارلیمنٹ کے ذریعے دوران جنگ کے لئے اس کا نفاذ ملتوی کر دیا گیا۔

سوراج کی بابت جتنی بھی تجاویز ہوئی تھیں ان کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ السٹر کے پروٹسٹنٹ آئرستانی پارلیمنٹ کے تابع ہونا نہیں چاہتے تھے کیونکہ اس میں بالآخر کیتھولکوں کی کثرت ہوتی۔ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۴ء تک جبکہ قانون حکومت آئرستان زیر غور تھا السٹر اس بات کی تیاری کر رہا تھا کہ اگر مجوزہ آئرستانی پارلیمنٹ قائم ہو اور جب کبھی قائم ہو تو اُس کے اقتدار کو توڑا جائے۔ اور ان کو ان انگریزوں کی تائید حاصل تھی جو سوراج کے مخالف تھے ۱۹۱۴ء میں آئرستان میں ایک خانہ جنگی ضرور پھوٹ پڑتی۔ کیونکہ شمال کے پروٹسٹنٹ اور جنوب کے کیتھولک دونوں مسلح تھے۔ اول الذکر مسودہ سوراج کی مزاحمت اور آخر الذکر اس کی تائید کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جنگ عظیم کے پھوٹ پڑنے سے ان میں ایک عارضی صلح ہو گئی۔

۱۹۲۰ء میں جبکہ جنگ ختم ہو چکی تھی پارلیمنٹ نے ایک دوسرا قانون حکومت آئرستان پاس کیا جو اصول تقسیم پر مبنی تھا۔ اس میں دو جداگانہ آئرستانی پارلیمنٹ اور جداگانہ نظم و نسق کا انتظام تھا۔ ایک السٹر کے ایک بڑے رقبے کے لئے، جو اس وقت سے شمالی آئرستان کے نام سے موسوم ہوا اور دوسرا بقیہ تمام آئرستان کے لئے

جس کو قانون میں جنوبی آئرستان کہا گیا ہے اگرچہ شمالی آئرستان میں تمام سرزمین آئرستان کا ⅙ حصہ شامل ہے لیکن اس میں جزیرے کی جملہ آبادی کا ¼ حصہ ہے اور دستکار آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ پایا جاتا ہے یہ قرار داد تھی کہ تمام آئرستان کے لئے ایک کونسل ہوگی جس کے ارکین دونوں پارلیمنٹوں کی طرف سے مقرر ہوں گے اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ شمالی اور جنوبی آئرستان کے درمیان خوشگوار تعلقات بڑھائے کیونکہ اس بات پر غور کیا گیا کہ بالآخر تمام آئرستان کے لئے ایک پارلیمنٹ ہونی چاہیئے شمالی آئرستان نے اس انتظام کو منظور کر لیا گو اس میں زیادہ جوش خروش کا اظہار نہیں تھا کیونکہ رہنمایان السٹر نے یہ سمجھ لیا تھا کہ ان کے خطے کو کل آئرستانی پارلیمنٹ کے اقتدار کے تحت لانے کی جو آیندہ کوششیں ہوں گی ان کو قبل از وقت روکنے کا موثر ذریعہ صرف یہ ہے کہ ایک اپنی پارلیمنٹ بنالیں۔ چنانچہ جو نظام حکومت قانون ۱۹۲۰ء کی رو سے مقرر ہوا تھا وہ ۱۹۲۱ء میں شمالی آئرستان میں نافذ ہو گیا۔

سین فین۔ جنوبی آئرستان کے حالات کچھ ایسے تھے کہ ان میں ۱۹۲۰ء کے قانون کا نفاذ ممکن نہیں تھا۔ ایک انجمن جو سین فین کے نام سے موسوم ہے اور جس کے معنی "ہم ہی ہم" ہیں بیسویں صدی کے ابتدائی سنین میں قائم ہوئی اور ملک کی بہت بڑی سیاسی طاقت ہو گئی اس نے خود مختار جمہوریہ آئرستان کی تاسیس کا پرچار کیا۔ دسمبر ۱۹۱۸ء کے عام انتخاب میں سین فین امیدوار تمام حلقوں کی طرف سے نامزد کئے گئے اور ان سے وعدہ لیا گیا کہ اگر وہ منتخب ہوں تو پارلیمنٹ ویسٹ منسٹر میں شرکت نہ کریں بلکہ ایک قومی آئرستانی پارلیمنٹ بنائیں۔ اس انتخاب میں سین فین کو بہت بڑی فتح ہو گئی اور یہ پرانی قوم پرست یا سوراجی فریق کی معراج کمال تھی۔ جو سین فین امیدوار منتخب ہوئے تھے وہ ۱۹۱۹ء جنوری کے مہینے میں ڈبلن میں جمع ہوئے اور ان شرکا کو ملا کر "ڈیل ایرن" بنائی جس کے معنی ہیں مجلس آئرستان۔ اس جماعت نے ایک اعلان خود مختاری کیا اور ایک دستور بنایا جس کی رو سے عاملانہ اختیار ایک کابینہ میں رکھا گیا جو ایک صدر جمہوریہ اور چار وزرا پر مشتمل تھی۔ صدر کو ڈیل منتخب کرے اور وزرا کو صدر نامزد کرے۔ اور ڈیل اس کی توثیق کرے۔ اس جدید مملکت کا سرکاری نام "سوراسٹاٹ ایرن" یعنی آزاد مملکت آئرستان ہے۔

ایمون ڈی ویلیرا جو سین فین کا ممتاز رہنما ہے صدر جمہوریہ منتخب کیا گیا۔ سنہ ۱۹۲۰ء کے قانون حکومت آئرستان کے بموجب جنوبی آئرستان کی پارلیمنٹ کے لئے سنہ ۱۹۲۱ء میں ایک انتخاب ہونا ضروری تھا۔ اگرچہ ڈیل نے اس "قانون" کو ناجائز قرار دیا تھا لیکن یہ فیصلہ کیا کہ انتخاب ضرور ہو اور یہ آئندہ ڈیل کا انتخاب سمجھا جائے۔ سوائے چار کے باقی تمام حلقوں سے سین فین امیدوار بلا اختلاف منتخب ہوئے۔ اس طریقے سے دوسری ڈیل وجود میں آگئی۔

اس اثنا میں آئرستان انقلابی تشدد اور دہشت انگیزی کے تھپیڑوں سے گونج رہا تھا۔ سین فین کے حربی علمبرداروں کے نقطۂ نظر سے صرف جمہوریۂ آئرستان جس کو مجلس آئرستان نے قائم کیا تھا جائز حکومت تھی اور جو لوگ اس کے مخالف تھے وہ آئرستان کے غدار تھے۔ غیر ملکی "غاصب" حکومت کے حکام اور جوانان کوتوالی کے خلاف قتل و غارت کا ایک منظم معرکہ شروع کیا گیا ان کے لئے قتل میں بہت کم خطرہ تھا کیونکہ سین فین اس قدر دہشت انگیز تھے کہ کوئی شخص مداخلت کرنے یا گواہی دینے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ باضابطہ عدالتوں کی چارہ جوئی سے بچنے کے لئے سین فین عدالتہائے ثالثی قائم کر لی گئیں اور یہ آگے چل کر ایک جامع نظام عدلیہ کی صورت میں ترقی پا گئیں۔ ان کی ایک جمہوری فوج ایک جمہوری کوتوالی بھی تھی۔ ایک قومی قرضہ حاصل کرنے کا انتظام کیا گیا اور جمہوریہ کی تائید کے لئے ریاستہائے متحدۂ امریکہ اور دوسرے غیر ممالک میں اشتہار بازی کا انتظام کیا گیا۔ اس وہشت کے جواب میں جائداد کی ضبطی اور مخالفانہ دہشت شروع ہو گئی۔ چونکہ شاہی کوتوالی کا جو آئرستان میں متعین تھی بری طرح وقار غائب ہو چکا تھا اس لئے اس کی جدید تنظیم کی گئی اور اس میں پرانے برطانوی اور آئرستانی وظیفہ یاب بھرتی کئے گئے جو "رد سیاہ" کے برے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ حکومت نے یہ تدبیر اختیار کرنا ضروری سمجھا کہ بعض احاطوں کو جوانان کوتوالی اور سپاہیوں کے قتل کا مجموعی طور پر ذمہ دار قرار دیا جائے۔ اس طرح ملک کو اس مصیبت سے بہت نقصان پہنچا جس کو ہلاکت کی خطرناک "مسابقت" کہا جاتا ہے۔

انگلستان اور آئرستان کا باہمی عہد نامہ۔ ماہ جون سنہ ۱۹۲۱ء میں

وزیر اعظم لائڈ جارج نے مسٹر ڈی ویلیرا کو اس کانفرنس میں شرکت کے لئے بلایا جو لندن میں اس غرض کے لئے، منعقد کی جارہی تھی کہ اس معاملے کی یکسوئی ہو جائے۔ ڈی ویلیرا کو "جنوبی آئرستان کا مقبول عام رہنما ہونے" کی حیثیت میں بلایا گیا نہ کہ صدر جمہوریۂ آئرستان کی حیثیت میں کیونکہ ظاہر ہے کہ برطانیۂ عظمیٰ نے صدر کی حیثیت تو تسلیم ہی نہیں کی تھی۔ لائڈ جارج اور ڈی ویلیرا میں کافی مراسلت ہونے کے بعد اکٹوبر میں یہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں برطانوی اور آئرستانی نمایندے شریک ہوئے۔ اس کانفرنس میں برطانوی حکومت نے آئرستان کے سامنے خود اختیاری قلمرو کا موقف پیش کیا۔ یہ موقف چند قیود کے تابع تھا جن سے برطانوی بحریہ اور فوج کی کفالت مطلوب تھی۔ آئرستانی رہنما نے اس انتظام کے قبول کرنے سے انکار کردیا کیونکہ اس کے خیال میں اس کے ملک کی سیاسی حیثیت جو مقتدر اور خود مختار جمہوریت تھی مطابق نہیں تھا۔ حالانکہ وہ خود آئرستان اور دولت عامۂ برطانیہ کے درمیان ایک معاہدۂ اتحاد کی تجویز پیش کرنا چاہتا تھا۔ اس کانفرنس میں جان ڈی ویلیرا بذات خود شریک نہیں ہوا تھا برطانوی اور آئرستانی نمایندوں کی طرف سے ایسے مخالف خیالات پیش ہوئے کہ ان میں مفاہمت ناممکن سی معلوم ہوتی تھی۔ صرف اس دھمکی سے کہ اگر فوری اتفاق نہ ہو جائے تو پھر بڑے پیمانے پر مخالفت شروع ہو جائے گی آئرستانی مندوب عہد نامہ پر یا جس کو سرکاری طور پر "برطانیۂ عظمیٰ اور آئرستان کے باہمی معاہدے کے شرائط" کہا جاتا ہے دستخط کرنے کے لئے مجبوراً راضی ہو گئے۔ اب توثیق کے لئے اس کو برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے اور ان اراکین کے سامنے پیش کرنا ضروری تھا جو پارلیمنٹ جنوبی آئرستان کے دارالعوام میں نشست کرنے کے لئے، منتخب ہوئے تھے۔ آخر الذکر ایسی جماعت تھی جس کی کبھی تنظیم نہیں ہوئی تھی اور اس نے کوئی کام نہیں کیا تھا۔ اس میں دوسری ڈیل کے تمام اراکین تھے ان کے علاوہ اور دوسرے لوگ بھی تھے۔

اس عہد نامے کا تصفیہ یہ تھا کہ آئرستان کو جو آزاد ریاست آئرستان کہلائے گا برطانوی قلمرو کا درجہ حاصل ہوگا۔ اس کے تعلقات برطانوی پارلیمنٹ

اور حکومت سے وہی رہیں گے جو قلمرو کنیڈا کے ہیں۔ نیز قانون۔ رواج اور دستوری عملدرآمد جو تاج اور پارلیمنٹ برطانیہ اور کنیڈا کے تعلقات کو مربوط کرتے ہیں وہی "آزاد ریاست آئرستان" کے تعلقات کو مربوط کریں گے۔ یہ یاد رہے کہ آزاد ریاست آئرستان میں تمام آئرستان شامل کیا گیا تھا مگر عہدنامہ سے یہ قرارداد کی تھی کہ اگر پارلیمنٹ برطانیہ کی توثیق سے ایک مہینے کے اندر شمالی آئرستان کی پارلیمنٹ علیحدگی کی درخواست کرے تو آزاد ریاست آئرستان کی پارلیمنٹ اور حکومت کے اختیارات شمالی آئرستان پر حاوی نہیں ہو سکتے اور اس میں ۱۹۲۰ء کے قانون حکومت آئرستان کا انتظام جاری رہے گا۔ درخواست ضرور ہوئی اور شمالی آئرستان آزاد مملکت کے حدود اختیار کے باہر رہا۔ آزاد ریاست آئرستان اور شمالی آئرستان کی پارلیمنٹیں ایسا قانون نہیں بنا سکتیں جس سے کوئی مذہب جائز قرار دے یا کسی مذہب کی آزادانہ پیروی ممنوع قرار دے۔ آزاد ریاست آئرستان اس بات کی پابند ہے کہ مدافعت ملک کی غرض سے برطانوی فوجوں کو بندرگاہ دے اور دوسری سہولتیں بہم پہنچائے۔ جدید دستور کے مطابق جو نظام حکومت تجویز ہوا تھا اس کے قائم ہونے تک ایک ایسی عارضی حکومت کی ضرورت تھی جو جنوبی آئرستان کے نظم ونسق کا انتظام کرے۔ اس کا ضروری بندوبست کیا گیا۔

آئرستان میں ماہ جنوری ۱۹۲۲ء کو ڈیل نے یہ عہدنامہ اس شکل سے منظور کیا کہ ۶۴ موافق اور ۵۷ مخالف رائیں تھیں۔ مسٹر ڈی ویلیرا اپنے فریق مخالف کی رہنمائی کی تھی۔ اس کے بعد یہ قرارداد ان اراکین کے جلسہ منعقدہ ۱۴ جنوری میں پیش ہوئی جو جنوبی آئرستان کے دارالعوام کے لئے منتخب ہوئے تھے اور منظور ہوئی۔ برطانوی پارلیمنٹ نے اس عہدنامے کو منظور کر لیا اور "قانون آزاد ریاست آئرستان" یعنی معاہدہ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۲۲ء کے ذریعے اس کو قانونی شکل دیدی۔ اور اس سے یہ انتظام ہوا کہ آیندہ برطانوی دارالعوام کا کوئی رکن جنوبی آئرستان میں منتخب نہیں ہوگا۔ یہ ایک معمہ سا معلوم ہوتا ہے کہ اس برطانوی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے اکثر اراکین جنھوں نے یہ عہدنامہ منظور کیا تھا۔ اتحادی تھے

اور یہ وہ فریق تھا جس نے پوری ایک پشت تک ان تمام کوششوں کی مزاحمت کی تھی جو آئرستان کے لئے حصول سواراج کی خاطر کی جاتی تھیں اور وہ سواراج اس "قلمروی درجے" سے بہت کم تھا جو عہد نامہ کے ذریعے اس کو دیا گیا۔ لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اس انتظام کے برخلاف جو اس عہد نامے کی رو سے طے ہوا تھا سواراج کی جتنی سابقہ تجویزیں ہوئی تھیں ان سب کا منشا یہ تھا کہ ایک پروٹسٹنٹ قلت پر جو دل سے نہیں چاہتی تھی۔ کیتھولکی حکومت قائم کرے۔ اس عہد نامے کے مطابق ان ارکین کے جلسے میں جو جنوبی آئرستان والی پارلیمنٹ کی طرف سے دارالعوام کے لئے منتخب ہوئے تھے ایک عارضی حکومت قائم کردی گئی۔

دستور۔ ان تجاویز کی بنیاد پر جو کمیٹی نے بیرونی دساتیر خاص طور پر یورپ کی ان جدید مملکتوں کے دساتیر جو جنگ عظیم کی پیداوار تھی مطالعہ کرکے پیش کی تھیں عارضی حکومت نے ایک مسودہ دستور تیار کرلیا۔ برطانوی حکومت سے صلاح ومشورہ کرلے کے بعد اس کے بعض ابواب میں ترمیم کی گئی ماہ جون ۱۹۲۲ء کو ایک جدید ڈیل جو شمار میں تیسری تھی اس غرض سے منتخب کی گئی کہ دستور ساز مجلس کے طور پر کام کرے۔ چونکہ عہد نامہ کے مؤیدوں اور مخالفوں میں خانہ جنگی ہورہی تھی اس لئے ستمبر تک اس کا اجلاس نہیں ہوسکا۔ ۲۵ اکتوبر کو اس نے "قانون دستور ریاست آزاد آئرستان" پاس کردیا جس کے ساتھ عہد نامہ اور دستور منسلک تھے۔ اس قانون تشریعی کے مقدمے میں ڈیل نے جو دستور ساز مجلس کے طور پر کام کررہی تھی اس بات کا اقرار کرتے ہوئے کہ "تمام جائز اقتدار خدا سے بندوں کو ملتا ہے" ریاست آزاد آئرستان کی تاسیس کا اعلان کیا۔ اس نے دستور اور عہد نامے کو قانون کی شکل دے دی اور یہ حکم لگایا کہ اس دستور کا جو ضابطہ یا اس کے تحت جو قانون بنے وہ عہد نامے کے کسی ضابطے کے منافی ہو تو منسوخ اور بے اثر سمجھا جائے گا اس طرح عہد نامے کو ملک کا قانون اعلیٰ بنایا گیا۔ اس کے بعد دسمبر میں برطانوی پارلیمنٹ نے ایک قانون وضع کیا کہ جو دستور قانون تشریعی آئرستان کے ساتھ منسلک ہے وہ "آزاد ریاست آئرستان" کا دستور سمجھا جائے گا۔ اب جو آئرستانی نقطۂ خیال تھا اس کے متعلق بہت کچھ کہا جا سکتا ہے اور وہ ہیئتیہ یہ تھا کہ

دستور محض "قانون تشریعی" کی بدولت قانونی اثر اختیار کرچکا ہے۔ اس میں قانونی جواز پیدا کرنے کے لئے کسی برطانوی قانون کے ذریعے توثیق کی ضرورت نہیں ہے۔ قانون تشریعی برطانوی قانون کے ساتھ منسلک کردیا گیا اور اس میں ایسا کوئی اشارہ نہیں تھا کہ آئرستان کی مجلس دستور ساز نے اس قانون کے پاس کرنے میں اپنے اختیار سے تجاوز کیا ہے۔ آئرستان کے اس قانون تشریعی کو سمندر پار قلمرووں کے کسی دستور سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قلمرووں کے دستور میں جو قانونی شان پائی جاتی ہے وہ سب کچھ برطانوی پارلیمنٹ کے پاس کئے ہوئے قانون کی ممنون ہے۔ آزاد ریاست آئرستان کا دستور عہد نامہ کے دستخط کے ٹھیک ایک سال کے بعد ۶ دسمبر ۱۹۲۲ء کو شاہی اعلان کی اشاعت سے نافذ ہوا۔

دستور میں ایک مقننہ (اورشتاس Oireachtas) کا انتظام ہے جو مشتمل ہے بادشاہ، دارالوکلا (ڈیل ایرین) اور ایک سنات (سیناد ایرین) پر۔ ایسی مقننہ کو اس بات کا "مطلق اور مجرد اختیار" دیا گیا ہے کہ وہ آزاد ریاست آئرستان کے لئے "امن و امان اور خوشگوار حکومت" کے لئے قوانین بنائے۔ اس کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ آزاد مملکت کے معاملات میں برطانوی پارلیمنٹ کو مداخلت کرنے کا کوئی موقع نہ ملے تاہم برطانوی پارلیمنٹ نے اپنے وضع کئے ہوئے اس قانون میں جو دستور کی توثیق کرتا ہے نہایت وضاحت کے ساتھ اس حق کا ادعا کیا ہے کہ وہ "ریاست آزاد کے لئے ہر اس صورت میں قانون بنا سکے گی جبکہ دستوری عملدرآمد کے مطابق اس کو دوسری خود اختیار قلمرووں کے لئے قانون وضع کرنا پڑے" لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ پارلیمنٹ کو حق مداخلت ہوگا کیونکہ اس وقت یہ بات معہود ذہنی تھی کہ برطانوی پارلیمنٹ کسی قلمرو کے لئے صرف اس کی درخواست پر قانون وضع کرسکتی ہے اور یہ معہود ذہنی قانون ویسٹ منسٹر مجریہ ۱۹۳۱ء میں باضابطہ طور پر تسلیم کرلیا گیا۔ اراکین ڈیل کے انتخاب کے لئے حق رائے دہی "ریاست آزاد آئرستان" کے تمام باشندوں کو بلا قید جنس دی گئی بشرطیکہ وہ عمر میں اکیس سالہ ہوں اور شرائط انتخاب کی تکمیل کرتے ہوں۔ اصل دستور میں اراکین سنات کے انتخاب کے لئے صرف ان شہریوں کو حق رائے دہی مل رہا تھا جو عمر میں تیس سالہ ہوں اور انتخاب صرف اس فہرست تک محدود تھا جو مقننہ کے

دونوں ایوان نامزد کرتے تھے۔ ۱۹۲۸ء میں دستور کی جو ترمیم عمل میں آئی اس کی رو سے اراکین سنات دونوں ایوانوں کی یکجا نشست میں نیابت متناسبہ کے اصول پر منتخب ہوتے ہیں۔

جہاں تک رقمی مسودوں کا تعلق ہے ڈیل کو پورا اختیار حاصل ہے گو سنات بھی "سفارشیں" کر سکتی ہے۔ دوسرے مسودوں میں سنات کو اس بات کا محدود اختیار ہے کہ ترمیم اور تعویق کرے۔ دونوں ایوانوں سے پاس ہونے کے بعد ہر مسودے کو گورنر جنرل کے پاس پیش ہونا چاہئے۔ گورنر جنرل پادشاہ کی طرف سے کام کرتا ہے۔ اس کو یہ اختیار ہے کہ وہ مسودے کو منظور کرے، منظوری نہ دے یا پادشاہ کی رضامندی حاصل ہونے تک روک رکھے۔ لیکن یہ بات معہود ذہنی تھی کہ آخری دو اختیار محض برائے نام ہیں جو استعمال نہیں کئے جاسکتے ایک دفعہ یہ بڑھائی گئی کہ مسودوں پر منظوری نہ دینا یا ان کو روک رکھنا ایسا کام ہے کہ ان میں گورنر جنرل کو اس قانون۔ عملدرآمد اور رواج کے مطابق چلنا چاہئے جو کینیڈا میں رائج ہیں۔ کنیڈا میں یہ اختیارات مدت سے متروک ہو چکے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں جو مسودے "ریاست آزاد" کی مقننہ پاس کردے وہ سب پادشاہ کے منظور شدہ ہوتے ہیں۔

جن لوگوں نے دستور بنایا ہے وہ اس بات کے قائل تھے کہ خوشگوار حکومت کے مد نظر چند سال کے وقفے سے دستوری ترمیم کی اجازت ہونی چاہئے یہ پہلے معمولی قانون سازی کے ذریعے عمل میں آئے اور اس کے بعد تمام رائے دہندوں کی منظوری حاصل ہو۔ چنانچہ اس بات کا انتظام کیا گیا کہ نفاذ دستور کی تاریخ سے آٹھ سال تک (جو ۱۹۲۲ء کی دستوری ترمیم سے سولہ سال ہوگئے) مقننہ ترمیم پیش کرسکے گی۔ اس کے بعد وہ مقننہ سے پاس ہوں اور مراجعے سے منظور ہوں۔ اس میں خواہ رائے دہندگان مندرجہ رجسٹر کی کثرت یا حصلہ رایوں کا دو تہائی ہو۔ مملکت آزاد کے قیام کے بعد سے پہلے دس سال کے دوران میں کوئی اٹھارہ قوانین ایسے پاس ہوئے۔ جن سے دستور کی ترمیم ہوتی ہے۔

دستور کا ادعا یہ ہے کہ "تمام حکومتی اقتدار عوام سے "ماخوذ" ہے عاملہ اقتدار پادشاہ میں "مرکوز" ہے اور یہ ان قوانین۔ عملدرآمد اور دستوری رواج کے مطابق تاج کے نائب یعنے گورنر جنرل کے ذریعے عمل میں لایا جائیگا جو کنیڈا میں عاملانہ اقتدار کے استعمال کی بابت رائج ہیں۔ دستور اور عہد نامہ دونوں میں اس کا انتظام کیا گیا ہے کہ

گورنر جنرل اسی طرح مقرر کیا جائے گا جیسے کنیڈا میں کیا جاتا ہے۔ زمانۂ حال تک یہ ہوتا تھا کہ پادشاہ حکومت برطانیہ کے صلاح مشورے سے قلمرووں کے گورنر جنرل مقرر کرتا تھا گو اس بات کا اطمینان کر لیا جاتا تھا کہ جو شخص مقرر ہو اُس کو متعلقہ قلمرو بھی پسند کرے۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں جو شہنشاہی کانفرنس منعقد ہوئی تو اس میں برطانوی اور قلمروی حکومتوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا اور اُس فیصلے کا اندراج کر لیا گیا کہ جس مشورے سے پادشاہ یہ تقررات کرتا ہے اس میں متعلقہ قلمرو کا مشورہ ہونا چاہئے نہ کہ برطانوی حکومت کا۔ چنانچہ پادشاہ "ریاست آزاد آئرستان" کا گورنر جنرل مملکت آزاد کی حکومت کے مشورے سے مقرر کرتا ہے۔ وہ کسی معنوں میں برطانوی حکومت کا کارندہ نہیں ہے۔ نہ اس میں شخصی اختیار صوابدید مرکوز ہے۔ کیونکہ وہ ہر صورت میں اپنے وزرا کے مشوروں پر چلتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مملکت حکومت کے تمام مسائل پر بحث کر سکتا ہے اور جو شخصی اثرات اس میں پائے جائیں وہ استعمال کرتا ہے۔

دستور نے ایک کابینہ کی تشکیل کی ہے جو مجلس عاملہ کہلاتی ہے اس کے شرکا کی تعداد زیادہ سے زیادہ بارہ اور کم از کم پانچ رکھی گئی ہے۔ ان کو مجلس عاملہ کے مشورے اور ڈیل کی منظوری سے گورنر جنرل مقرر کرتا ہے۔ مجلس عاملہ کے تمام اراکین کو ڈیل کا رکن ہونا ضروری تھا لیکن سنہ ۱۹۲۹ء کی دستوری ترمیم کی رو سے سنات کا ایک رکن بھی اس میں شریک ہو سکتا ہے۔ کابینہ کی ذمہ داری کا قاعدہ جو برطانوی دستور میں قانون کا جز نہیں بلکہ رسم و رواج کا جز ہے مملکت آزاد آئرستان کے دستور میں نہایت صراحت کے ساتھ داخل کیا گیا ہے۔ یہ قاعدہ بنایا گیا ہے کہ مجلس عاملہ مجموعی طور پر ڈیل کے سامنے ذمہ دار رہے گی۔ اگر صدر مجلس کے ساتھ کثیر اراکین ڈیل کی تائید شامل نہ ہو تو وہ اور اُس کے نامزدہ وزرا حکومت سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ مجلس عاملہ میں ایک اہم اختیار کی کمی ہے جو برطانوی کابینہ کو حاصل ہے۔ یعنی اگر ڈیل میں اس کا اعتماد جاتا رہے تو وہ مقننہ کو برخاست نہیں کر سکتی اور عام انتخاب میں ملک سے التجا نہیں کر سکتی۔ یہ ایسا اختیار ہے کہ جس سے برطانوی کابینہ دار العوام کے مقابلے میں قوی دست بنی ہوئی ہے مجلس عاملہ کے صدر کو جس کی

حیثیت بالعموم وہی ہے جو وزیر اعظم برطانیہ کی ہے ڈیل کی نامزدگی کے بعد گورنر جنرل مقرر کرتا ہے۔ مگر چونکہ گورنر جنرل کو اس تقرر میں شخصی صوابدید حاصل نہیں ہے اس لئے سچ تو یہ ہے کہ ڈیل ہی صدر کا انتخاب کرتی ہے۔ دستور کا انتظام یہ ہے کہ ڈیل کی نامزدگی کے ساتھ گورنر ایسے وزرا کو مقرر کر سکتا ہے جو مجلس عاملہ کے رکن نہیں ہو سکتے اور یہ اپنے محکموں کی حد تک انفرادی طور پر ڈیل کے سامنے ذمہ دار ہوں گے نہ کہ مجموعی طور پر۔ ان لوگوں کا تقرر جو "بیرونی وزرا" کہلاتے ہیں جائز قرار دیا گیا ہے مگر یہ ہمیشہ ضروری نہیں ہے۔ معدودے چند ایسے لوگ ہیں جو واقع میں وزیر مقرر کئے گئے ۱۹۲۷ء کے بعد تو کوئی بھی مقرر نہیں ہوا۔

دستور میں نظام عدلیہ کا ڈھانچہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ کام مقننہ کے ذمے کیا گیا ہے کہ وہ ابتدائی عدالتیں جن میں عدالت عالیہ بھی شامل ہے قائم کرے۔ ان کو دیوانی اور فوجداری ابتدائی حدود اختیار حاصل ہو۔ اور ایک آخری مرافعہ کی عدالت قائم کرے جو صدر عدالت کہلائے۔ ان عدالتوں کی تنظیم اور طریقۂ کارروائی اور ذیلی عدالتوں کا قیام سب مقننہ کے ہاتھ میں چھوڑ دیا گیا۔ عادلوں کا تقرر مجلس عاملہ کے مشورے سے گورنر جنرل کرتا ہے۔ عدالت عالیہ اور صدر عدالت کے عادل صرف بدرویگی اور نااہلی کی بنا پر معزول ہو سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ اور یہ بھی اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ مقننہ کے دونوں ایوان اس کے متعلق قرار دادیں منظور کریں۔ ریاستہائے متحدۂ امریکہ کی طرح عدلیہ دستور کی ضامن ہے اور قانون سازی کی بابت اس کو ایسا اختیار ہے جو برطانیۂ عظمیٰ کی عدالتوں کو حاصل نہیں ہے۔ اگر مقننہ کے وضع کئے ہوئے قانون کے دستوری جواز سے متعلق عدالت عالیہ میں باضابطہ کارروائی کے ساتھ سوال پیش ہو تو اس قانون کو اس بنا پر باطل قرار دیا جائے گا کہ وہ دستور کے منافی ہے۔ ایسے مقدمات میں عدالت عالیہ کو مجرد ابتدائی حدود اختیارات حاصل ہیں۔ صدر عدالت کو عدالت عالیہ کے فیصلے پر مرافعے کا حق ہے اور دستور کہتا ہے کہ اس کا فیصلہ "قطعی اور ناطق" ہو گا۔ لیکن ایک دفعہ جو بظاہر متضاد معلوم ہوتی ہے یہ بڑھائی گئی ہے کہ اس دستور کا کوئی جز کسی شخص کے اس حق کو زائل نہیں کرتا کہ وہ حضور اعلیٰحضرت کی خدمت میں اس استدعا کے لئے عرضداشت پیش کر سکتا ہے کہ وہ صدر عدالت کے فیصلے کو

پادشاہ بہ اجلاس کونسل پیش کر سکے۔ اور علیٰ ہذا اعطائے اجازت کی بابت حضور اعلیٰحضرت کا حق زائل نہیں ہوگا" ایسے مقدمات جو مرافعہ کی شکل میں پادشاہ بہ اجلاس کونسل کے روبرو پیش ہوتے ہیں ان کا فیصلہ جو ادارہ کرتا ہے وہ پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی ہے۔ اور اس عدالت کے فیصلوں کی تعمیل کونسل کے ان احکام سے کرائی جاتی ہے۔ جو حکومت برطانیہ کے اقتدار کے ساتھ شایع ہوتے ہیں۔ آزاد مملکت آئرستان کی رائے عامہ اس بات کی سخت مخالف تھی کہ مرافعے اس بیرونی عدالت میں دائر ہوں کیونکہ یہ چیز حکومت خود اختیاری کے اصول کے بالکل منافی ہے ۱۹۲۶ء کی شہنشاہی کانفرنس میں دولت عامۂ برطانیہ کے ارکین یعنی برطانیۂ عظمیٰ اور قلمرووں کے متعلق یہ اعلان ہوا کہ یہ ہم رتبہ ہیں اور اس طرح قلمرووں کی جانب سے برطانوی عدالت کے روبرو مرافعوں کا پیش ہونا مساوی رتبے کے متضاد ہو جاتا ہے۔ کانفرنس میں اس مسئلے پر غور کیا گیا اور اس بات کا باضابطہ اعلان ہوا کہ حکومت برطانیہ کا یہ مسلک نہیں ہے کہ مرافعے والے مسائل اس طرح طے کئے جائیں کہ "وہ اجزائے شہنشاہیت کے منشا کے مطابق نہ ہوں جس سے انکا پہلا تعلق ہے"۔ جہاں تک آزاد مملکت آئرستان کا تعلق ہے پریوی کونسل کا مرافعہ حقیقت میں بے اثر ہو کر رہ گیا ہے۔ اور ۱۹۳۳ء میں ڈیل میں ترمیم دستور کی بابت ایک مسودہ یہ پیش کیا گیا کہ مندرجہ بالا دفعہ خارج کر دی جائے۔

شمال کو قطع نظر کرکے جہاں کے باشندے پروٹسٹنٹ ہیں آئرستان کے باشندے روایۃً بیرونی اقتدار کے سخت مخالف اور حکومت سے ہمیشہ بدظن رہے ہیں اور چونکہ برطانیہ کی مقتدر پارلیمنٹ کے تابع رہ کر ان کو تجربہ ہو چکا تھا اس لئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اپنی پارلیمنٹ ایسی نہیں بنانا چاہتے تھے کہ اس کے اختیارات غیر محدود ہوں۔ چنانچہ آزاد ریاست آئرستان کے دستور کے نمایاں خدوخال جن کی سمندر پار قلمرووں کے دساتیر میں نظیر نہیں ملتی یہ ہیں کہ اس میں متعدد اساسی اعلانات شامل ہیں جن کا منشا قومی اور انفرادی حقوق کی حفاظت کرنا ہے۔

دستور کے سب سے پہلے جز میں یہ ادعا ہے کہ آزاد ریاست آئرستان برطانیۂ عظمیٰ کے ساتھ ہم رتبہ ہے۔ اعلان یہ ہے کہ "ریاست آزاد اس جماعت اقوام کا مساوی رکن

ہے جن پر برطانوی دولت عامہ اقوام مشتمل ہے"۔ اس کے معنی یہ ہے کہ برطانوی دولت عامہ کے تمام اراکین یعنی برطانیہ عظمیٰ ریاست آزاد آئرستان اور سمندر پار قلمرو دستور میں ہم رتبہ ہیں اور اس اعلان کی جو ۱۹۲۶ء کی کانفرنس میں ہوا تھا قبل از وقت پیشبندی کر دی کہ اراکین دولت عامہ "برطانوی شہنشاہیت میں خود اختیار قومیتیں ہیں جن کی حیثیت مساوی ہے۔ اپنے اندرونی اور بیرونی معاملات کے کسی پہلو میں کوئی کسی کے تابع نہیں ہے"۔ آئرستانی انقلاب میں عموماً قوم پرستی تھی اور یہ چیز اس اعلان سے منعکس ہوتی ہے کہ حکومت کے تمام اختیارات اور آئرستان کا تمام سیاسی اقتدار آئرستانی قوم سے ماخوذ ہے۔ اس کی وضاحت کر دی گئی کہ ریاست آزاد کا کون باشندہ ہو سکے گا۔ آئرستانی زبان قومی زبان قرار دی گئی اور اس کے ساتھ انگریزی بھی بطور "سرکاری" زبان کے رکھی گئی۔ دفعات کا ایک سلسلہ ایسا ہے کہ جن سے شخصی حقوق کی حفاظت کی گئی ہے ان میں اس بات کا اعلان ہے کہ اشخاص کی آزادی اور باشندوں کے مکان مسکونہ پر کوئی دست درازی نہ ہو گی۔ ضمیر اور مذہب کا حق، آزادانہ اظہار رائے کا حق۔ باامن اجتماع، انجمنوں اور اتحادی ادارات بنانے کا حق اور تمام باشندگان ریاست آزاد کا حق کہ ان کو ابتدائی تعلیم مفت دیجائے گی محفوظ ہیں۔

جدید حکومت کا افتتاح۔ جدید دستور کے تحت حکومت کا اسوقت افتتاح ہوا جبکہ حالات بالکل ناموافق تھے کیونکہ اس وقت خانہ جنگی پورے زور پر تھی۔ ۱۹۲۱ء کے عہدنامے سے سین فین کے جتھوں میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ یہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اس عہدنامے کو ڈیل نے ایک قلیل کثرت سے منظور کیا تھا اور جو لوگ اس کے مخالف تھے وہ خود مختار جمہوریۂ آئرستان کے تصور سے چمٹے رہے ان کے رہنما ڈی ویلیرا نے ڈیل کی صدارت سے استعفا دے دیا اور آرتھر گریفتھ جس نے وفد آئرستان کی صدارت کی اور عہدنامے پر دستخط کئے تھے اس کا جانشین ہوا اور عارضی حکومت جو جنوری ۱۹۲۲ء میں عہدنامے کے شرائط کے مطابق قائم کی گئی تھی اس کا صدر مائیکل کالنس بنایا گیا جو وفد آئرستان کا ایک اور رکن تھا۔ یہ خانہ جنگی جو اگلے جون میں پھوٹ پڑی بہت خطرناک ثابت ہوئی کیونکہ اس میں

جمہوریت پسند شورہ پشت ہمیشہ کے لئے زیر ہو گئے لیکن ۱۹۲۳ء کے خزاں تک یہ نہیں ہو سکا۔ اس سنہ میں یہ ہوا کہ مملکت آزاد آئرستان کی حکومت تمام ملک میں امن قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ جمہوریت پسندوں کی خفیہ فوجی تنظیمیں تو اور کچھ دنوں تک باقی رہیں۔ ٹیموتھی ہیلے کو جو پرانا سوراجی تھا آزاد ریاست آئرستان کا پہلا گورنر جنرل مقرر کیا گیا اور ولیم طامس کاسگریو مجلس عاملہ کا پہلا صدر مقرر ہوا اور یہ ۱۹۳۲ء تک کام کرتا رہا۔ گریفتھ اور کالنس جو عہد نامے کے بڑے حامی تھے دونوں جدید دستور کے نفاذ سے پہلے مر گئے۔

مسٹر کاسگریو کے عہد حکومت میں برطانوی قلمروؤں کی دستوری حیثیت میں اہم ترقیاں ہوئیں۔ چونکہ ریاست آزاد آئرستان قلمرو کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے اس نے بھی ان ترقیوں سے فائدہ اٹھایا بلکہ اس نے اس سے زیادہ کام کیا۔ ان ترقیوں کو روبراہ کرنے میں اس نے نمایاں حصہ لیا۔ ۱۹۲۶ء کی شہنشاہی کانفرنس میں آئرستان اور جنوبی افریقہ کے نمایندوں نے آگے قدم رکھ کر اس اعلان کے لئے زور دیا کہ دولت عامۂ برطانیہ کے ارکان مساوی رتبہ رکھتے ہیں ریاست آزاد کو بین الاقوامی تعلقات کے دائرے میں جو ترقی حاصل ہوئی ہے وہ بہت کچھ قابل غور ہے۔ یہ پہلی برطانوی قلمرو ہے جس نے ممالک غیر سے سیاسی تعلقات پیدا کرلئے اور ۱۹۳۱ء میں اس نے ترتیب عہد نامہ کا ایک نیا طریقۂ کار اختیار کرلیا یعنے جو عہد نامے ریاست آزاد کی گفت و شنید سے طے ہونے لگے ان سے حکومت برطانیہ کی شرکت خارج کردی گئی۔

حلف اطاعت ۔ ریاست آزاد آئرستان کی تاریخ میں کوئی مسئلہ اس قدر پیچیدہ اور معرکۃ الآرا ثابت نہیں ہوا جس قدر حلف اطاعت جو اراکین مقننہ کو اٹھانا پڑتا ہے۔ عہد نامے میں اس حلف کی شکل جو ریاست آزاد آئرستان کے اراکین پارلیمنٹ کو اختیار کرنی پڑتی ہے اس طرح معین کی گئی ہے "میں ...... پورے احترام کے ساتھ اس بات کی قسم کھاتا ہوں کہ ریاست آزاد آئرستان کے دستور کا جو از روئے قانون قائم ہوا ہے حقیقی فرماں بردار اور پابند رہوں گا۔ اور میں حضور اعلیحضرت شاہ جارج پنجم اور ان کے قانونی ورثا و جانشینوں کے ساتھ

اس وجہ سے وفادار رہوں گا کہ میں آئرستان اور برطانیۂ عظمیٰ کا مشترک شہری ہوں اور آئرستان اس مجموعۂ اقوام کے ساتھ وابستہ اور اس کا رکن ہے جس پر دولت عامۂ برطانیہ مشتمل ہے"۔

عہدنامے میں کوئی ایسا صریح ضابطہ نہیں ہے کہ مقننہ کا ہر رکن یہ حلف اٹھائے اور دستور ساز جماعت میں یہ استدلال کیا گیا کہ عہدنامے کا یہ منشا نہیں تھا۔ لیکن جو رائے اس کے مخالف تھی اور جس کی تائید میں کافی شہادتیں نکل آئیں غالب آگئی اور اس طریقے سے ہر رکن مقننہ از روئے دستور اس بات کا پابند ہے کہ اپنی جگہ لینے سے پہلے ایسی قسم کھائے جیسے عہدنامے میں متعین ہے۔ اپنے تمام عہد حکومت کے دوران میں مسٹر کاسگرو اس بات پر اڑا رہا کہ عہدنامے کی رو سے حلف تمام اراکین مقننہ پر فرض ہے۔ یہ قسم اس حلف اطاعت شاہ سے بالکل مختلف ہے جو برطانوی اور قلمرو کی پارلیمنٹیں اٹھانے کے لئے مجبور ہیں۔ آئرستانی پارلیمنٹ کے اراکین کو ریاست آزاد کے دستور کی اطاعت کی قسم کھانی پڑتی ہے نہ کہ بادشاہ کی اطاعت کی اور دستور کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ آئرستان قوم کی مشیت پر مبنی ہے۔ بادشاہ کے ساتھ وفاداری ذیلی اور ضمنی ہو جاتی ہے۔

ریاست آزاد آئرستان کی تاسیس کے بعد کئی سال تک یہ ہوا کہ عہدنامے کے جمہوری مخالفین نے جو مقننہ میں منتخب ہوئے تھے قسم کھانے سے انکار کر دیا اور اس وجہ سے پارلیمنٹ میں شرکت نہیں کر سکے۔ ۱۹۲۷ء میں یہ قانون پاس ہوا کہ جو امیدواران پارلیمنٹ منتخب ہو جائیں وہ قسم کھانے کے متعلق اپنا ارادہ ظاہر کر دیں اور وہ منتخبہ اراکین جو ایک مقررہ میعاد کے اندر قسم کھانے سے احتراز کریں نااہل قرار دیے گئے۔ فیانافیل نے جو ڈی ویلیرا کا فریق تھا اور جس کی کثرت عہدنامے کے مخالف تھی اپنے امیدواروں کو اس قانون کے ساتھ رضامند ہونے کی اجازت دیدی۔ ۱۹۲۷ء ستمبر کے مہینے میں اس فریق نے ڈیل میں منجملہ ۱۵۳ کے کوئی ۵۷ نشستیں حاصل کر لیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ضرورت وقت کا لحاظ کرتے ان کی یہ عارضی رعایت تھی اور یہ یقینی تھا کہ جب کبھی یہ برسر اقتدار ہوں گے اس حلف کو منسوخ کرنے کی ضرور کوشش کریں گے۔

سنہ ۱۹۳۲ء فروری کے مہینے میں جو انتخاب ہوا تو جدید ڈیل میں فینا فیل کو ۷۲ نشستیں حاصل ہو گئیں اور یہ تعداد کثرت سے کچھ ہی کم تھی۔ لیکن لیبر فریق نے جن کی سات نشستیں تھیں یقین دلایا کہ وہ ان کی تائید کے لئے تیار ہیں تو مسٹر ڈی ویلیرا کو اپنی حکومت قائم کرنے کا موقع مل گیا۔ اس کی پہلی تجویز جو مسودے کی شکل میں پیش ہوئی یہ تھی کہ دستور میں ترمیم کر کے حلف کو منسوخ کیا جائے۔ اس کے لئے اس نے یہ دعویٰ کیا کہ حالیہ انتخاب میں ملک نے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے حالانکہ اس کے مخالف اُس سے انکار کرتے تھے اور بہت زور سے انکار کرتے تھے کیونکہ لیبر فریق نے تو اپنے معرکۂ انتخاب میں تنسیخ حلف کو اپنا مسئلہ نہیں بنایا تھا۔ مسودے کی تجویز یہ تھی کہ دستور سے وہ دفعہ منسوخ کی جائے جو تمام اراکین مقننہ پر قسم کھانا لازم قرار دیتی ہے اور ایک دوسری دفعہ کا وہ جز منسوخ کیا جائے جو بیرونی وزرا پر بھی ذمہ داری عائد کرتا ہے۔ لیکن اگر یہ حلف عہد نامے کے تحت لازم تھا تو ان دفعوں کو منسوخ کرنے سے کیا فائدہ ہوتا۔ ڈی ویلیرا اور اس کے فریق کے دوسرے اراکین نے اس حقیقت سے بار بار انکار کر دیا مگر ان کے خلاف رائے عامہ کا حجم بڑھا ہوا تھا۔ اس لئے اس مسودے میں یہ بھی تجویز تھی کہ سنہ ۱۹۲۲ء کے قانون تشریعی میں ترمیم کر کے وہ دفعہ حذف کی جائے جس سے عہد نامے میں قانونی شان پیدا ہو گئی تھی اور یہ قاعدہ بن گیا تھا کہ دستور کا کوئی ضابطہ یا اس کی کوئی ترمیم یا اس کے تحت جو قانون بنے اگر وہ عہد نامے کے ضابطوں کے منافی ہو تو باطل اور ناقابل عمل ہوں گے۔ اس مسودے کے مخالفوں نے یہ جتایا کہ اس کا اصل منشا حلف کو منسوخ کرنا نہیں ہے بلکہ عہد نامے کو جو ملک کے قانون اعلیٰ کی حیثیت حاصل تھی اس کو گرانا تھا۔ اور خود ڈی ویلیرا نے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے۔ اس مسودے کے خلاف سب سے زیادہ سخت قانونی اعتراض وہ تھا جس کی طرف پروفیسر بریڈیل کیتھ نے جو برطانوی قلمرؤں کی حکومت اور قانونی دستوری پر سب سے بڑی سند ہیں اپنی ایک کتاب میں جو اس مسودے کے قانون بننے کے بعد لکھی گئی توجہ دلائی تھی۔[1]

[1] برطانوی قلمرؤں کا "قانون دستوری"۔

اہل آئرستان کی نظر میں ریاست آزاد کی پارلیمنٹ بالکلیہ مجلس دستور ساز کی جدوجہد کا نتیجہ ہے اس مجلس نے جو اہل آئرستان کی مشیت کی نمایندگی کرتی ہے پارلیمنٹ کے اختیار دستور سازی کو بالارادہ محدود کر دیا ہے۔ لیکن اس کی تخلیق اس بات کا دعویٰ کرتی ہے کہ وہ ایک کامل اختیار مقتدر کی طرح ہر کام کرنے کی مجاز ہے اور اپنے عمل کے ضروری شرائط سے چشم پوشی کرنا چاہتی ہے۔ یہ بات بہت کچھ غور کرنے کے قابل ہے کہ یہاں شہنشاہی اقتدار کا کوئی مسئلہ زیر بحث نہیں آتا۔۔۔۔ جو نکتہ زیر غور ہے وہ خود دستور آئرستان ہے۔۔۔۔۔۔ یہ اعتراض کہ عہد نامے کو قانون ملک کا جز نہیں بننا چاہیے بالکل بے موقع ہے۔ بات یہ ہے کہ مجلس دستور ساز نے اس عہد نامے کو قانون ملک کا ایک جز بنا دیا ہے آئرستانی نظریے کے مطابق اسی مجلس سے آئرستانی پارلیمنٹ قائم ہوئی ہے اور اسی سے پارلیمنٹ کو اختیارات ملے ہیں جو محدود ہیں۔

۱۹۳۳ء مئی کے مہینے میں مسودہ ڈیل میں پاس ہو گیا اور سنات میں بھیج دیا گیا جہاں کاسگریو کے فریق کی کثرت تھی۔ سنات نے اس میں از سرتاپا ترمیم کر دی اور یہ قرارداد منظور کی کہ وہ دفعہ جو قانون دستوری کی ترمیم کرتی ہے حذف کی جائے۔ لیکن ڈیل نے سنات کی ترمیموں سے اتفاق نہیں کیا۔ اور مسودہ اسی طرح مئی ۱۹۳۲ء میں قانون بن گیا جیسے ڈیل نے پاس کیا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس قانون سے اصل بنیاد جس پر ریاست آزاد آئرستان کھڑی کی گئی تھی منہدم ہو گئی تو حقیقت سے بعید نہ ہوگا۔

آئرستان کی جمہوریت۔ مسٹر ڈی ویلیرا کا کھلا مقصد یہ تھا کہ ایک خود مختار جمہوریۂ آئرستان قائم ہو۔ اس عام انتخاب سے جو ماہ جنوری ۱۹۳۳ء میں ہوا اس کی حیثیت اور مضبوط ہو گئی۔ کیونکہ دوسرے اور فریقوں کو ملا کر اس کے فریق کو ایک کی کثرت مل گئی۔ اگلی گرمیوں میں ترمیم دستور کے لئے ایسے مسودے پیش کئے گئے جن کا رجحان جمہوریت کی طرف تھا۔ منجملہ ان کے ایک مسودے کی تجویز یہ تھی کہ تطبیقات سے متعلق سفارش کرنے کا کام گورنر جنرل سے مسلب کر کے مجلس عاملہ میں منتقل کرنا چاہیے۔ دوسرے مسودے کی تجویز یہ تھی کہ دستور کی

یہ دفعہ کہ مسودوں کے لئے بادشاہ کی منظوری ضروری ہے اور ان مسودوں کو گورنر جنرل روک سکتا ہے منسوخ کی جائے۔ ایک دوسرے مسودے کی تجویز یہ تھی کہ پریوی کونسل کے حق مرافعہ کو موقوف کیا جائے۔ دستور کی ان تبدیلیوں کا منشا یہ تھا کہ آزاد ریاست آئرستان میں بادشاہ کی حیثیت گھٹا دی جائے اور ریاست آزاد اور برطانیہ عظمیٰ کے باہمی تعلقات کمزور کر دیے جائیں۔

BIBLIOGRAPHICAL NOTE.—D. Figgis, *The Irish Constitution,* 1923. D. Gwynn, *The Irish Free State, 1922-1927,* 1928. L. Kohn, *The Constitution of the Irish Free State,* 1932. J. G. S. MacNeill, *Studies in the Constitution of the Irish Free State,* 1925. W.A. Phillips, *The Revolution in Ireland, 1906-1923,* 1923, E R. Turner, *Ireland and England,* 1919.

باب ۲۲

جنگ کے بعد کا زمانہ

ان سنین میں جو جنگ عظیم کے بعد گزرے تاریخ دستور انگلستان میں بعض نمایاں واقعات ظہور پذیر ہوئے لیکن جو تغیر عمومیت کے زاویۂ نگاہ میں ہوا وہ ایسا اہم واقعہ ہے کہ اس کی کوئی برابری نہیں کر سکتا۔ عمومی پارلیمنٹی حکومت سے ایک قسم کی بداعتقادی ہونے لگی تھی۔ خود جنگ سے پہلے برطانیۂ عظمیٰ اور دوسرے عمومی ممالک کے پارلیمنٹی چلن میں ایسی بہت سی چیزیں پیدا ہو گئی تھیں جن کو مبصرین قابل اعتراض سمجھتے تھے۔ دوسری اور نیابتی مجالس کی طرح جو قانون ساز تھیں دارالعوام کا وقار اور عام مقبولیت کو نقصان پہنچ چکا تھا گو یہ ظاہر نہیں مگر درحقیقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ دارالعوام کے بہت کچھ اختیارات جو اس کو پہلے حاصل تھے ایک طرف کابینہ کو اور دوسری طرف ماورا پارلیمنٹی ادارات خصوصاً اخباروں کے ہاتھ میں جا رہے ہیں جو رائے عامہ کی تشکیل کرتے اور اس کے اظہار کا انتظام کرتے تھے نیابتی عمومیت کے مقابلے میں حکومت کی اور بہت سی رقیب شکلیں پیدا تو ہو گئیں لیکن عمومیت کے سیاسی نصب العین کو کوئی دھکا نہیں لگا۔ رجائی عمومیت پسندوں کو یقین تھا کہ

جو شخصی حکومتیں باقی رہ گئی ہیں مثلاً روسی وہ چند سال کی مہمان ہیں۔ وہ عمومی بن کر رہیں گی۔ عمومیت ہی ایک ایسی سیاسی تنظیم ہے جو مہذب قوموں کے مطابق حال ہو سکتی ہے چنانچہ تہذیب کی ترقی کے ساتھ یہ ادعا جو رجائیوں کا دوسرا اعتقاد تھا صحیح ثابت ہوا۔ جنگ کے زمانے میں عمومیت اپنی پارلیمنٹی شکل میں جس کی بہترین مثال برطانیہ عظمیٰ تھی بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ جرمنی آسٹریا۔ چکوسلوویکیا۔ یوگوسلیویا۔ پولینڈ، فنلینڈ اور استھونیا کے جدید دساتیر میں جو ۱۹۱۹ء میں مرتب ہوئے عالمگیر حق رائے دہی اور ذمہ دار پارلیمنٹی حکومت کا کم و بیش برطانوی حکومت کے نمونے پر انتظام کیا گیا ہندوستان میں ایک نیا دستور ۱۹۲۱ء میں نافذ کیا گیا جو پارلیمنٹی حکومت کے راستے میں ایک عبوری منزل سمجھی جاتی ہے۔

آمریت بہ مقابلہ عمومیت لیکن اس میلان عمومیت میں ایک بدشگون استثنا ضرور تھا۔ دوران جنگ میں روس کی زاری شخصیت کا خاتمہ تو کر دیا گیا لیکن عمومیت پسند اور لبرل اس قابل نہیں تھے کہ رفتار انقلاب پر قابو پا سکیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک آمریت قائم ہو گئی۔ یہ برائے نام اذلیبہ کی آمریت تھی اور حقیقت میں اشتمالی فریق کی جو تعداد میں جملہ آبادی کا ایک قلیل حصہ تھا آمریت تھی۔ اٹلی کی فاسسطی آمریت ۱۹۲۲ء سے شروع ہوتی ہے اور دس سال کے بعد جرمنی کے قومی اشتراکیوں نے یعنے نازیوں نے ۱۹۱۹ء کے لبرل اور عمومی دستور کو توڑ دیا۔ اسی اثنا میں یورپ کے اور کئی چھوٹے موٹے ممالک میں پارلیمنٹی عمومیت کی جگہ آمریت قائم کر لی گئی۔ یہ تو بعد کی چیز ہے کہ آیا آمریت اپنی بولشوئی یا فاسسطی شکل میں اپنی جگہ ٹھیر گئی یا وہ اور آگے بڑھے گی یا وہ بالکل غائب ہو جائے گی تا کہ عمومیت کے لئے دنیا کا مطلع صاف ہو جائے۔ اس وقت تو یہ مشرقی وسطی اور جنوبی یورپ میں حاوی ہے اور براعظم یورپ کی ایک کثیر آبادی اس کی حلقہ بگوش ہے اور اس کے مقابلے میں عمومیت خطرے میں ہے۔

بعد جنگ زمانے کے پندرہ سال کے دوران میں یعنے ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۳ء تک برطانیہ عظمیٰ میں آٹھ حکومتیں چھ پارلیمنٹیں اور پانچ عام انتخاب ہوئے منجملہ ان کے

تین وزارتیں مرکب تھیں ۔ دو قومی حکومتیں کہلاتی ہیں تین استحفاظی اور دو لیبر حکومتیں تھیں ۔ مرکب وزارتیں مجموعی طور پر چھ سال اور دو مہینے بر سر اقتدار رہیں ۔ استحفاظی فریق پانچ سال دس مہینے اور لیبر فریق تین سال برسر حکومت تھے ۔ جنگ کے بعد سے لبرل فریق کی یہ حیثیت نہیں ہوئی کہ وہ اپنی وزارت بنا سکیں اور کسی انتخاب میں یہ دار العوام کی ایک ربع نشستوں سے زیادہ حاصل نہیں کرسکے ۔

چار اشخاص وزیر اعظم کے رتبے پر فائز ہوئے ۔ مسٹر لائڈ جارج (لبرل وزارت مرکب میں) صرف ایک مرتبہ تین سال اور دس مہینوں کے لئے[1] مسٹر بونرلا (استحفاظی) صرف ایک مرتبہ سات مہینے کے لئے مسٹر اسٹانلے بالڈون (استحفاظی) دو مرتبہ مجموعی طور پر پانچ سال تین مہینے کے لئے اور مسٹر رامزے میکڈانلڈ (لیبر اور قومی لیبر اور مرکب وزارتوں میں) چار مرتبہ پانچ سال چار مہینے کے لئے ۔ انیسویں صدی میں وزارت عظمیٰ امرا اور عوام دونوں کے ہاتھ میں رہی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے بعد سے یہ مسلمہ روایت پڑتی جارہی ہے کہ وزیر اعظم کو دار العوام کا رکن ہونا چاہئیے ۔ لارڈ سالسبری جو ۱۹۰۲ء میں مستعفی ہوا آخری امیر تھا جو اس خدمت پر فائز تھا ۔ ۱۹۱۱ء کے قانون پارلیمنٹ کے پاس ہونے کے بعد سے دار الامرا علانیہ دار العوام کے تابع ہوگیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب کوئی وزیر اعظم دار الامرا میں نشست کرکے اپنی حیثیت قابل اطمینان نہیں سمجھتا ۔ ماہ مئی ۱۹۲۳ء میں مسٹر بونرلا اپنی خرابی صحت کی وجہ سے وزارت عظمیٰ سے مجبوراً مستعفی ہوگئے قابلیت، سیاسی زندگی کا تجربہ اور فریقانہ خدمات کا لحاظ کرتے لارڈ کرزن اس کے جانشین ہونے کے زیادہ مستحق تھے لیکن بادشاہ نے مسٹر اسٹانلے بالڈون کو جو ان امور کا لحاظ کرتے کرزن کے کسی طرح ہمپلہ نہیں تھے مقرر کردیا ۔ جس سے نقطۂ نظر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وزیر اعظم کو اس زمانے میں رکن دار الامرا نہ ہونا چاہئیے کیونکہ مزدور فریق کی جس نے دار العوام میں اپنی سرکاری حیثیت پیدا کرلی تھی ایوان بالائی میں نمایندگی نہ ہوتی تھی پارلیمنٹ کے

[1] مسٹر لائڈ جارج دسمبر ۱۹۱۶ء سے جنوری ۱۹۱۹ء تک پچھلی مرکب حکومت میں وزیر اعظم رہ چکا تھا ۔

متحفظ ارا کین کے جلسے میں جو اس کے عین بعد ہی منعقد ہوا لارڈ کرزن نے یہ تحریک کی تھی کہ مسٹر بالڈون رہنمائے فریق ہوں تمام اوصاف گناکر کرزن نے یہ بھی کہا تھا کہ "بالآخر مسٹر بالڈون کا سب سے بلند اور اہم وصف یہ ہے کہ وہ امیر نہیں ہیں"

متحفظ فریق - فریق بندی کی تاریخ میں یہ زمانہ اس وجہ سے ممتاز ہے کہ اس میں متحفظ فریق ہر طرح غالب ہوگیا اور مزدور فریق ترقی پاگیا اور اس کے بعد ہی لبرل فریق کو ایسا زوال آیا جو اس کے لئے خطرناک معلوم ہوتا تھا۔ جنگ کے بعد جو پہلی پارلیمنٹ آئی اور جو ماہ جنوری ۱۹۱۹ء سے اکتوبر ۱۹۲۲ء تک جاری رہی اس میں متحفظ فریق جس کو اس زمانے میں متحدہ فریق کہتے تھے اور جو اس پارلیمنٹی اتحاد کا دست و بازو تھا لائڈ جارج کی وزارت کی تائید کرتا تھا۔ اور متحفظ خود دارالعوام کے کثیر ارا کین تھے یہ لوگ پارلیمنٹی اتحاد سے ۱۹۲۲ء ماہ اکتوبر میں علٰحدہ ہوگئے اور اسی سال نومبر میں جو عام انتخاب ہوا تو اس میں ان کو دارالعوام کی ۶۱۵ مجموعی نشستوں میں سے ۳۴۴ نشستیں حاصل ہوگئیں۔ ۱۹۱۸ء کے قانون اصلاح کی رو سے رائے دہندوں میں جو بڑا اضافہ ہوا تو اس کے بعد ہی دوسرا بڑا عام انتخاب ہوا تھا اور نتائج سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ حق رائے دہی کی توسیع متحفظ فریق کے حق میں کچھ مضر نہیں تھی۔ ماہ دسمبر ۱۹۲۳ء کے عام انتخاب میں جو تاہین کے مسئلے سے وابستہ تھا اس فریق کو لیبر فریق سے تقریباً پینسٹھ نشستیں زیادہ اور لبرل فریق سے تقریباً ایک سو نشستیں زیادہ ملیں

لہ انیسویں صدی کے آخری عشرے میں متحفظ لبرل اتحادیوں کے ساتھ جو سوا راج آئرستان کے مسئلے پر لبرل فریق سے علٰحدہ ہوگئے تھے شریک ہوگئے اور ان کے اتحاد سے ایک اتحادی فریق بن گیا اور یہ اس وجہ سے اتحادی کہلاتا تھا کہ یہ برطانیہ عظمیٰ اور آئرستان کے اتحاد کے قائل تھے اور اس کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے ۱۹۲۲ء میں آئرستان کا ایک بڑا حصہ جو اس تاریخ سے ریاست آزاد آئرستان کہلانے لگا سلطنت متحدہ سے علٰحدہ ہوگیا اور اس کو برطانوی قلمرووں کے نمونے پر شہنشاہیت کے اندر ایک قسم کی حکومت خود اختیاری دی گئی۔ اس وجہ سے لفظ اتحادی کے کوئی معنی باقی نہیں رہے اور اس کی جگہ "متحفظ" کا پرانا نام جاری ہوگیا اس وقت اس فریق کا سرکاری نام صدر گروہ اجتماعات "متحفظ و اتحادی" ہے

لیکن ان مجموعی نشستوں سے جو ان دونوں فریقوں کو حاصل ہوئی تھیں تقریباً نوّے کم تھیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لیبر فریق لبرل فریق کی تائید سے وزارت بنانے کے قابل ہوگیا اور استحفاظیوں نے فریق مخالف کی جگہ لی۔ دوسرے انتخاب میں جو ماہ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں ہوا ان کو دار العوام میں کوئی دو تہائی نشستیں مل گئیں۔ ماہ مئی ۱۹۲۹ء کے انتخاب میں جو ساڑھے چار سال کی استحفاظی حکومت کے بعد ہوا تھا اس فریق کو دار العوام میں کثرت حاصل نہیں ہوسکی اور یہ جنگ کے بعد پہلا واقعہ تھا اور لیبر فریق پھر برسر حکومت ہوگیا۔ ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۹ء کے درمیان رائے دہندوں کی اس طرح توسیع ہوگئی کہ اس میں پچاس لاکھ عورتوں کا اضافہ ہوگیا۔ ۱۹۱۸ء کے قانون اصلاح میں عورتوں کے خلاف جو تفریقیں قائم کی گئی تھیں ان کا ہمیشہ رہنا کسی طرح جائز نہیں تھا چنانچہ ۱۹۲۸ء میں ایک قانون پاس ہوا جس کی رو سے عورتوں کی عمر رائے دہی تیس سے گھٹا کر اکیس کردی گئی اور اس طرح اغراض انتخاب کے لئے عورتوں کو مردوں کے برابر کردیا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حلقہائے انتخاب میں عورتوں کو علانیہ غلبہ حاصل ہوگیا۔ ماہ اکتوبر ۱۹۳۱ء کے آخری عام انتخاب میں جبکہ ایک سخت معاشی مصیبت سر پر تھی اور ایک مرکب وزارت جو اپنے کو "قومی حکومت" کہتی تھی برسر حکومت تھی استحفاظی فریق نے جو حکومت کے ساتھ تھا ۴۷۰ نشستیں حاصل کرلیں اور یہ ایوان کی مجموعی تعداد سے تین چوتھائی نشستیں ہیں اور یہ برطانوی تاریخ پارلیمنٹ میں سب سے بڑی فریقانہ کثرت ہے۔

لیبر فریق۔ جنگ کے بعد جو انتخابات ہوئے ان میں ۱۹۳۱ء والے انتخاب کو مستثنیٰ کرکے ہر وقت لیبر فریق نے لبرل کے مقابلے میں زیادہ نشستیں حاصل کیں۔ خود اس انتخاب میں جبکہ لیبر فریق کو سخت دھکا لگا تھا اس نے ان دونوں فرقوں سے زیادہ نشستیں حاصل کرلیں جن میں لبرل فریق منقسم تھا۔ لیبر فریق تجارتی اتحادیت اور اشتراکیت کی پیداوار تھا اس کا بہت کچھ نصب العین فے بین سوسائٹی اور انڈی پنڈنٹ لیبر فریق سے ماخوذ تھا۔ اول الذکر طبقۂ متوسط کے سمجھدار لوگوں کی انجمن تھی جو اشتراکیت کی طرف مائل تھے اور ۱۸۸۴ء میں

قائم ہوئی تھی اور آخر الذکر مزدوروں کی سیاسی تنظیم تھی جو ۱۸۹۳ء میں صریح اشتراکی اصولوں پر قائم کی گئی تھی سنہ ۱۹۰۰ء میں ایک اور انجمن اتحاد تجارتی کے زیر اہتمام قائم کی گئی جو کمیٹی نیابت کہلاتی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ پارلیمنٹ کے لئے، لیبر نمایندے منتخب کرے سنہ ۱۹۰۶ء میں اس فریق نے دار العوام کی کوئی تیئس نشستیں حاصل کرلیں اور "لیبر فریق" کے نام سے موسوم ہوا۔ اس کے اکثر اراکین اور اس کا روپیہ تجارتی اتحاد سے حاصل ہوتا تھا۔ اور اس کے رہنما انڈی پنڈنٹ لیبر فریق کے لوگ ہوتے تھے۔ جنگ سے پہلے پارلیمنٹ میں کبھی پچاس سے زیادہ لیبر اراکین نہیں ہوئے لیکن جب سنہ ۱۹۱۰ء میں لبرل حکومت کی پارلیمنٹی کثرت جاتی رہی اور اس کے بعد سے لبرل فریق کو اپنی تائید کے لئے دو چھوٹے فرقوں یعنے لیبر اور آئرستانی قوم پرستوں پر انحصار کرنا پڑا اس فریق کا اثر بڑھنے لگا۔ دونوں مرکب وزارتوں میں جو جنگ کے زمانے میں مرتب ہوئی تھیں اس فریق کی نمایندگی ہوتی رہی لیکن ۱۹۱۸ء میں اس نے اس فریقانہ سمجھوتے سے علیحدگی اختیار کرلی جو جنگ کے اوائل میں طے ہوا تھا اور جو دار العوام دسمبر میں منتخب ہوکر آیا تو اس میں لیبر اراکین نے جو تعداد میں تقریباً ساٹھ تھے پارلیمنٹی فریق مخالف کی حیثیت اختیار کرلی۔

۱۹۱۸ء سے پہلے لیبر فریق کی تنظیم ایسی نہ تھی جیسے قومی فریق ہوتا ہے۔ یعنے جو شخص شریک ہونا چاہے اس کے لئے دروازہ کھلا رہے۔ بلکہ جیسے اوپر ذکر ہوا یہ قومی اور مقامی دونوں طرح تجارتی اتحادات، تجارتی مجالس، اشتراکی انجمنوں اور چند مقامی لیبر فریقوں کا وفاق تھا۔ اور اکثر حلقہائے انتخاب ایسے تھے کہ ان اشخاص کے لئے جو تجارتی اتحاد کے رکن نہیں ہوسکتے تھے یا نہیں ہونا چاہتے تھے اور جو کسی اشتراکی انجمن کے ساتھ وابستہ نہیں ہونا چاہتے تھے لیبر فریق کے پرزور حامی ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ ۱۹۱۸ء میں اس فریق کو از سر نو منظم کیا گیا اور اس کے بعد وہ لوگ، جو اتحاد تجارتی یا اشتراکی انجمن سے متعلق نہ تھے شریک ہوسکتے تھے۔ اسی سال حق رائے دہی میں توسیع بھی ہوگئی اور اس سے یہ فائدہ ہوا کہ بعد کو لیبر فریق کی رایوں میں معتدبہ اضافہ ہوگیا یعنے یہ رائیں سنہ ۱۹۲۲ء میں ...۴۲۴۸... سنہ ۱۹۲۳ء میں ...۴۴۴۸۔ سنہ ۱۹۲۴ء میں ...۵۴۹۰... اور سنہ ۱۹۲۹ء ...۸۳۸۵ تھیں۔ انہیں سنین میں

لیبر فریق نے دار العوام میں جو نشستیں حاصل کی تھیں وہ علی الترتیب یہ تھیں ۔ ۱۴۲۔
۱۹۱۔ ۱۵۱ اور ۲۸۸۔ ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۹ء میں دو مرتبہ لیبر وزارتیں مرتب ہوئیں۔
خود ۱۹۳۱ء کے انتخاب میں جبکہ لیبر فریق موجودالوقت "قومی" حکومت کے علی الرغم جو ایک
بہت بڑے معاشی تہلکے کا مقابلہ کرنے کے لئے بنائی گئی تھی انتہائی نامساعد حالات
میں ہاتھ پیر مارنا پڑا۔ لیبر رائیں .... ۶۶۵ تھیں گو اس فریق نے صرف ۵۲ نشستیں
حاصل کی تھیں ۔ دونوں لیبر وزارتیں قلت والی حکومتیں تھیں۔ یعنے برسر حکومت
فریق کو دار العوام میں کثرت حاصل نہ تھی برخلاف اس کے جنگ کے بعد کی متحفظ
حکومتیں سب کثرت والی حکومتیں تھیں۔

لیبر فریق کی ترقی کے ساتھ ساتھ بلکہ بہت کچھ اس کی ترقی کی وجہ سے
لبرل فریق میں انحطاط ہوتا گیا ۔ اس کو اس طرح نقصان پہنچا کہ اس کی دونوں جانب
ترک رکنیت ہونے لگی۔ اس کے بعض متحفظ اراکین لیبر فریق کے اشتراکی اصولوں
سے خائف ہوکر متحفظ فریق ۔سے جا ملے۔ دوسری طرف اس کے بہت سے غالی اراکین
لیبر فریق میں شامل ہو گئے ۔ لبرل فریق کو اس کے رہنماؤں کی تفریقوں اور اندرونی
اختلافات سے بھی بہت نقصان پہنچا۔ جب مسٹر لائڈ جارج نے ۱۹۱۶ء دسمبر کے
مہینے میں اپنی وزارت بنائی تو مسٹر اسکوتھ اور اس کے پیروؤں نے اس میں کام
کرنے سے انکار کردیا۔ اور یہ تفریق اس کی ۱۹۲۳ء تک قائم رہی اس سال کے انتخاب
میں جبکہ لبرل پھر آپس میں متحد ہو گئے تھے ۔ ان لوگوں نے ۱۵۹ نشستیں حاصل کرلیں۔
لیکن ۱۹۲۴ء کے انتخاب میں ان کی تعداد صرف ۴۰ ہوکر رہ گئی ۔ لیکن یہ کہنا چاہئیے کہ
لبرل فریق نے جو نشستیں حاصل کی تھیں وہ ان رایوں سے جو انتخاب میں اس کو
حاصل ہوئی تھیں لگا نہیں کھاتی تھیں چونکہ تین بڑے فریقوں میں لبرل فریق سب میں
چھوٹا ہے اس کو موجودالوقت طریق نیابت سے بہت سخت نقصان پہنچا۔

طریق نیابت ۱۸۸۵ء کے قانون تقسیم جدید کے بعد سے پارلیمنٹی نیابت
کی اکائی عام الفاظ میں ایک نشستی حلقہ ہو گئی ہے اور نیابت کی بنیاد پہلے کی طرح
فرقے یعنے اضلاع اور برو نہیں جہاں خاص اجتماعی جذبات اور ان کی
مقامی روایتیں موجود ہوتی ہیں ۔ بلکہ عامۃ الناس کے مجمع جو مختص اراکین پارلیمنٹ کے

انتخاب کی خاطر جغرافی حلقوں میں جمع اور منظم کئے جاتے ہیں۔ اس وقت دار العوام کی مجموعی تعداد میں سے جو ۶۱۵ ہے ۵۷۷ اراکین یک نشستی حلقہائے انتخاب سے منتخب ہوتے ہیں اور باقی ان حلقوں سے منتخب ہوتے ہیں جو دو اراکین بھیجتے ہیں۔ ان میں ایک مستثنیٰ ہے جو تین اراکین بھیجتا ہے۔ ایک نشستی حلقۂ انتخاب میں جس پر ہم کو توجہ مبذول کرنی ہے وہ امیدوار منتخب ہوتا ہے جس کو زیادہ سے زیادہ رائیں ملیں خواہ ان کی کثرت ہو یا نہ ہو اگر دو امیدواروں میں مقابلہ ہو تو ظاہر ہے کہ ایک کو ضرور کثرت آرا حاصل ہوگی۔ لیکن جب میدان میں تین یا اس سے بھی زیادہ فریق ہوں جیسے جنگ کے بعد سے ہو رہا ہے تو قلتوں کے امیدوار منتخب ہونے ضروری ہیں۔ چنانچہ ۱۹۲۲ء کے انتخاب میں ایک مستحفظ امیدوار کو جو منتخب ہو گیا تھا ۷۶۶۶ رائیں ملی تھیں۔ برخلاف اس کے قومی لبرل کو ۷۶۵۹ لبرل ۷۱۲۹ اور لیبر کو ۶۱۲۲ رائیں ملی تھیں۔ اگر ملک میں دو فریقی دور دورہ ہو تو ایسی صورت میں جس فریق کو بہ حیثیت مجموعی ملک کے کثرت آرا حاصل ہو جائیں تو دار العوام میں اس کو اس سے بھی زیادہ کثیر نشستیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ اگر یقینی نہیں تو اغلب یہ ہے کہ اس کو ہر حالت میں کثرت حاصل ہوگی لیکن جب تین یا اس سے بھی زیادہ فریق ہوں تو ان کی اضافی تعداد کا ایوان میں رائے دہندوں کی تعداد کے مقابلے میں غیر متناسب ہونا یقینی ہے۔ مثال کے لئے چند واقعی شکلیں مفید ثابت ہوں گی۔ ۱۹۲۴ء کے انتخاب میں مستحفظین نے تقریباً ۵۵.... رائیں دیں جو مجموعی رایوں کا صرف ۴۸ فی صدی تھا۔ لیکن انھوں نے دار العوام میں ۴۱۲ نشستیں حاصل کر لیں جو مجموعی تعداد کا ۶۷ فی صدی ہے۔ لیبر فریق نے ..۵۴۲۴ رایوں کے ساتھ صرف ۱۴۲ نشستیں حاصل کیں برخلاف اس کے لبرل ۲۵.... رایوں کے ساتھ جو مستحفظ رایوں کا تقریباً نصف ہے اپنے صرف ۴۲ امیدواروں کو منتخب کر سکے ۱۹۲۳ء میں مستحفظین نے جبکہ ان کی رایوں کا فی صدی تناسب تقریباً وہی تھا جو ۱۹۲۲ء میں تھا ۲۵۸ نشستیں حاصل کیں۔ ۱۹۲۴ء میں ۴۷ فی صدی رایوں کے ساتھ ان کو ۴۱۲ نشستیں ملی تھیں جو مجموعی تعداد کی

دو تہائی سے زیادہ ہیں۔ ۱۹۲۹ء میں اُن کو لیبر سے زیادہ رائیں ملیں لیکن وہ ۲۸ نشستوں سے زیادہ حاصل نہیں کر سکے برخلاف اس کے لیبرل نے مجموعی تعداد میں تقریبًا ایک چوتھائی رائیں دی تھیں مگر انھوں نے ۱/۱۰ سے بھی کم نشستیں حاصل کیں۔ ۱۹۳۱ء میں مجموعی رایوں کے ۵۶ فی صدی کے ساتھ اِن لوگوں نے تین چوتھائی نشستوں سے زیادہ حاصل کریں برخلاف اس کے لیبر نے مجموعی رایوں کے تیس فی صدی کے ساتھ ۹ فی صدی سے بھی کم نشستیں حاصل کیں۔

اس طرح یہ ظاہر ہے کہ عمومی نقطۂ نظر سے موجودہ طریق نیابت جائز نہیں قرار دیا جاسکتا۔ یہ بات علانیہ عمومی اصول کے منافی ہے کہ رائے دہندوں کی ایک قلت مقننہ کے کثیر اراکین کو منتخب کر سکے جیسے ۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۴ء میں واقعی ہوا۔ اور ایسی حکومت قائم کر سکے اور وہ حکومت ایسا پیش نامہ عمل میں لائے جو ملک کی کثیر آبادی کے خلاف طبیعت ہو۔ یا یہ کہ رائے دہندوں کی ایک چھوٹی سی کثرت ایک بہت بڑی کثرت کو منتخب کر سکے۔ جان اسٹوارٹ مل نے جو اصلاح طریق نیابت کے پہلے علمبرداروں میں سے ہے اپنی کتاب "ذمہ دار حکومت" میں جو ۱۸۶۱ء میں شایع ہوئی تھی لکھا تھا کہ "واقعی عمومیت وہ ہے جس میں ہر طبقے کی خواہ وہ کیسا ہی ہو متناسب نمائندگی ہونی چاہیئے نہ کہ غیر متناسب۔ کثیر رائے دہندوں کے لئے کثیر نمایندے ہونے چاہئیں۔ برخلاف اس کے قلیل رائے دہندوں کے قلیل نمایندے ہونے چاہئیں۔ ان کی بھی اسی طرح کافی نمایندگی ہونی چاہئے جیسے کثرت کی ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو مساوی حکومت بھی نہ ہوگی بلکہ وہ غیر مساوات اور امتیازات کی حکومت ہوگی۔ یعنے قوم کا ایک حصہ دوسروں پر حکومت کرے گا۔ اس میں قوم کا ایک حصہ ایسا ہوگا جس کو نیابت سے کما حقہٗ فائدہ اٹھانے کا موقع نہ ہوگا۔ اور یہ منصفانہ حکومت کے بالکل منافی ہے بلکہ سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ اس عمومیت کے منافی ہے جس کی جڑ اور بنیاد میں مساوات داخل ہے۔"

نیابت متناسبہ۔ کم و بیش پچھلے پچھتر سال میں طریق نیابت کی اصلاح کے لئے کئی تجویزیں پیش ہوتی رہیں۔ جس تجویز کا سب سے زیادہ پرچار

ہوا ہے وہ نیابت متناسبہ ہے جس کی کئی قسمیں ہیں۔ اور سب کا مقصد یہ ہے کہ قلتوں کی جائز نیابت حاصل ہو۔ انجمن انتخاب متناسبہ نے جو ۱۸۸۴ء میں قائم ہوئی تھی اس کی وسیع تشہیر کی۔ جس کانفرنس نے اصلاح انتخاب کا مسودہ تیار کیا اور جو ۱۹۱۸ء کی اصلاح میں شامل کیا گیا تھا یہ سفارش کی تھی کہ ان تمام حلقوں میں جو ایک سے زیادہ اراکین بھیجتے ہیں انتخاب نیابت متناسبہ کے طریقے پر ہو لیکن یہ سفارش سوائے حلقۂ جامعہ کے جو دو یا زیادہ اراکین بھیجتا ہے اختیار نہیں کی گئی۔ جنگ کے بعد سے جبکہ دو سے زیادہ بڑے فریق عالم وجود میں آگئے طریقۂ انتخاب کی ناہمواری اور بے طوری بہت سختی سے محسوس ہونے لگی۔ لبرل نے انتخاب متناسبہ کا بہت زور سے پرچار کیا کیونکہ تین بڑے فریقوں میں یہ سب سے کم تھے اور پارلیمنٹ میں ان کی بہت کم نمایندگی ہوتی تھی۔ جب تک لیبر فریق کی نشو نما ہو رہی تھی وہ اس کی تائید کرتا تھا لیکن جب اس کی تعداد بڑھنے لگی تو اس سے دلچسپی ہٹا لی اور جس زمانے میں یہ فریق برسر حکومت تھا اس نے اس موجودہ طریق کے بدلنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

نیابت متناسبہ کی وہ شکل جس کی اب برطانیۂ عظمیٰ میں ایک بڑی جماعت تائید کرتی ہے واحد انتقال پذیر رائے دہی کا طریق کہلاتا ہے۔ اگر یہ طریق اختیار کر لیا جائے تو یک نشستی حلقے غائب ہو جائیں گے اور ان کی جگہ زائد نشستی حلقے ایسے قائم ہو جائیں گے جو دار العوام میں تین یا اس سے بھی زیادہ اراکین بھیجیں۔ اس طریقۂ انتخاب کا ایک حامی کہتا ہے کہ "حلقے میں کتنے ہی اراکین کیوں نہ ہوں ہر انتخاب کنندہ صرف ایک رائے دے گا۔ لیکن وہ پرچۂ رائے دہی پر ۱-۲-۳-۴ وغیرہ کے نشانات لگا کر امیدواروں میں اپنی ترتیب ترجیح کو ظاہر کرنے کا مجاز ہوگا تا اگر اس کے پہلے امیدوار کو رائے کی ضرورت نہ ہو یا وہ اس قدر گرا ہوا ہو کہ اس کو منتخب ہونے کا کوئی موقع نہ ہو تو وہ رائے اس کی دوسری پسندیدگی کے نام یا اگر ضرورت ہو تو تیسری پسندیدگی کی طرف منتقل ہو جائے گی اور علیٰ ہذا۔ کسی صورت میں اس کی رائے ضائع نہ ہوگی۔ اس سے کسی نہ کسی کو منتخب ہونے میں مدد ملے گی۔ یہ اس طریق کا تمام نچوڑ ہے اور یہ ایسا ذریعہ ہے جس سے اس بات کا

اطمینان ہو جاتا ہے کہ کوئی رائے رائگاں نہیں جاتی" اس وقت تمام دنیا میں نیابت متناسبہ نے بہت جلد ترقی کر لی۔ یورپ کے تمام دساتیر میں جو جنگ کی وجہ سے عالم وجود میں آئے اس کا انتظام کر دیا گیا ہے اور برطانوی شہنشاہیت کے مختلف حصوں میں جن میں آزاد ریاست آئرستان جنوبی افریقہ اور تسمانیا شامل ہیں یہ طریق اختیار کر لیا گیا ہے۔

یہ پہلے دیکھ آئے ہیں کہ چھوٹی کابینۂ جنگ ۱۹۱۹ء میں توڑ دی گئی اور کابینہ کا اصل حجم بحال کر دیا گیا جو قبل جنگ تھا اور اس میں پھر اہم محکموں کے صدر شامل کئے گئے۔ جس زمانے میں جنگ زوروں پر تھی تعمیر جدید یعنے معاشرتی، معاشی اور دستوری تنظیم جدید کے مسائل حکومت کے لئے بہت کچھ جاذب توجہ ہو گئے اور ان مسائل کو سلجھانے کے لئے ایک وزارت تنظیم جدید قائم کر دی گئی۔ اس محکمے کی ایک کمیٹی نے جو کمیٹی آلات حکومت کہلاتی تھی ماہ دسمبر ۱۹۱۸ء میں ایک رپورٹ پیش کی جس میں حکومت کی کارکردگی بڑھانے کے لیے مختلف سفارشیں کی گئی تھیں۔ اس کمیٹی کی تحقیقات اس وقت ہوئی تھی جبکہ کابینۂ جنگ موجود تھی اور اس رپورٹ میں اس حقیقت کی شہادت موجود ہے۔ یہ کمیٹی کابینہ کو تمام آلات حکومت کا محور سمجھتی تھی اور اس طرح اس کی یہ رائے تھی کہ کابینہ اپنے مخصوص فرائض نہایت کارکردگی کے ساتھ اس وقت انجام دے سکتی ہے جبکہ اس کا حجم چھوٹا ہو یعنے دس یا زیادہ سے زیادہ بارہ اراکین پر مشتمل ہو اور جو بار بار نشست کرے اور اس کو وہ تمام معلومات خاطر خواہ بہم پہنچائے جائیں جو مقدمات کے فوری انفصال کے لئے ضروری ہوں اور کمیٹی نے اس معتمدی کابینہ کی جو ابھی حال میں قائم ہوئی تھی بزور تائید کی کہ وہ جاری رہنی چاہئے۔

جہاں تک حجم کا تعلق ہے کمیٹی کی سفارش اختیار نہیں کی گئی کیونکہ سوائے ایک کے باقی تمام بعد جنگ کابینہ میں تقریباً بیس اراکین شامل تھے۔ لیکن معتمدی ایک مستقل ادارے کے طور پر قائم رکھی گئی جو عام طور پر وہی فرائض انجام دیتی ہے جو کابینہ کے زمانۂ جنگ میں انجام دیتی تھی۔ مگر اس پر غیر معمولی تنقید کی بوچھار ہونے لگی خصوصاً ۱۹۲۲ء میں جبکہ معتمدی کا عملہ ۱۳۷ تک بڑھ گیا اور اس کا

سالانہ خرچ ۳۷۰۰۰ ہزار پونڈ تھا۔ اس کے بعد یہ عملہ گھٹا کر ایک مناسب حد پر لایا گیا۔ کابینہ کے اجلاس اس سے زیادہ ہونے لگے جو قاعدے کے مطابق جنگ سے پہلے ہوتے تھے کابینہ کی کمیٹیوں کا بھی زیادہ استعمال کیا جاتا ہے جن میں بعض اوقات وہ لوگ بھی شریک ہوتے ہیں جو کابینہ کے ارکین نہیں ہوتے۔

کابینہ کی رازداری پھر اس انتہائی شکل میں جاری نہیں کی گئی جیسے پہلے ملحوظ رکھی جاتی تھی۔ اجلاس کابینہ کی روئدادیں برابر رکھی جاتی ہیں گو وہ شایع نہیں کی جاتیں اور جو فیصلے ہوتے ہیں وہ تحریر میں متعلقہ محکموں کو بھیج دیے جاتے ہیں۔ قبل جنگ عملدرآمد سے ایک انحراف یہ ہوا ہے کہ اب کابینہ کے اجلاس کی اطلاعیں اخبار میں چھاپی جاتی ہیں ان اطلاعوں میں مقام و تاریخ اجلاس اور ان لوگوں کے نام جو شریک ہوئے ہیں ظاہر کئے جاتے ہیں لیکن اس کا اظہار نہیں ہوتا کہ اس میں کیا کارروائی ہوئی اور کیا فیصلے ہوئے۔ کبھی کبھی اجلاس کابینہ کے "حالات" بھی شایع کئے گئے ہیں۔ اور اس میں شبہہ نہیں کہ اس میں وزیر اعظم کا اثر ہوتا ہے اور انہی کے علم اور منظوری سے یہ شایع ہوئے ہیں۔ یہ سب غیر سرکاری تھے اور سب بیانات بالعموم ایسے الفاظ سے کہ "یہ مسموع ہوا ہے" یا "یہ یقین کرنے کی کافی وجہ ہے" مقید کئے جاتے ہیں۔ پرانے نظام کابینہ کی ایک اور خصوصیت ایسی ہے جو جنگ کے بعد کئی سال تک بحال نہیں کی گئی۔ یعنے وزیر اعظم نے رہنمائے دار العوام کی حیثیت میں اس وقت تک کام نہیں کیا جب تک سنہ ۱۹۲۴ء میں مسٹر بالڈون نے اپنی دوسری وزارت مرتب نہیں کی۔ اس وقت تک کابینہ کا ایک دوسرا رکن یہ فرائض انجام دیتا تھا جیسے نظام کابینہ جنگ کی صورت میں ہوتا تھا۔

عہد وکٹوریہ میں وزارتیں دو طرح سے ختم ہوتی تھیں۔ ایک اس طرح کہ دار العوام وزارت پر عدم اعتماد کا اظہار کرتا تھا یا انتخاب میں وزارتی فریق شکست کھا جاتا تھا۔ اول الذکر ایسا عام سبب تھا جس کی بنا پر دو قوانین اصلاح سنہ ۱۸۳۲ء۔ سنہ ۱۸۶۷ء کے درمیان وزارتیں مستعفی ہوئی ہیں سنہ ۱۸۶۸ء والی وزارت ڈزرائیلی پہلی وزارت ہے جو جدید پارلیمنٹ کے اجلاس کا انتظار کئے بغیر انتخاب کے عین بعد ہی مستعفی ہو گئی گویا براہ راست رائے دہندوں کے فیصلے کے سامنے سر جھکا لیا۔

انیسویں صدی کے آخری حصے میں یہ معلوم ہونے لگا کہ دار العوام کا اقتدار عاملہ پر سے گھٹ رہا ہے۔ اور ذی علم لوگ جو انگریزی حکومت کا مطالعہ کرتے تھے یہ سوال کرنے لگے کہ آیا کابینہ حقیقی معنوں میں دار العوام کے سامنے ایسی ہی ذمہ دار ہے جیسے وسط عہد وکٹوریہ میں تھی۔ ۱۸۹۵ء اور جنگ کے درمیان کوئی وزارت[1] اس وجہ سے مستعفی نہیں ہوئی کہ دار العوام نے اس کے خلاف کوئی فیصلہ کیا تھا۔ اور خود ۱۸۹۵ء میں دار العوام میں جو مخالفانہ قرار داد منظور ہوئی تھی وہ کچھ واقعی سبب نہیں تھا جس کی بنا پر لارڈ روزبری نے استعفا دے دیا بلکہ وہ فرضی سبب تھا۔

دار العوام کے مقابلے میں اختیار کابینہ کا بڑھنا یعنے جس کو کابینی آمریت کہتے ہیں اس کا ترقی پانا ایک امر مسلمہ ہے لیکن اس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ پارلیمنٹی حق رائے دہی میں توسیع ہوگئی اور اس کی وجہ سے فریقانہ تنظیم خاطر خواہ ہوگئی تھی۔ ۱۸۶۷ء اور ۱۸۸۴ء میں رائے دہندوں کی تعداد میں جو اضافہ ہوا تو اس کی وجہ سے دو بڑے فریق یعنے لبرل اور متحفظ بہت منظم ہوگئے اور ان میں مرکزی اقتدار اور سخت ضبط و تنظیم پیدا ہوگئی اور اس سے کابینہ کا جو برسر حکومت فریق کے رہنماؤں پر مشتمل ہوتی تھی طاقتور ہونا ضروری تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ دار العوام کے خانگی اور غیر وزارتی جماعت اراکین کا اثر گھٹتا گیا۔ سب سے پہلی قومی فریقانہ تنظیم "قومی لبرل وفاق" ہے جو ۱۸۷۷ء میں قائم ہوئی اور متحفظین نے ان کے تتبع میں "اتحاد انجمنہائے متحفظ" قائم کیا۔ مرکزی فریقانہ تنظیمیں روپیہ جمع کرتی تھیں۔ اور یہ روپیہ تشہیر کے کام میں صرف ہوتا تھا اور حلقہائے انتخاب کی مقامی فریقانہ انجمنوں کی مدد کی جاتی تھی تاکہ وہ معرکۂ انتخاب کو کامیاب کریں۔ اب ہر سال فریقانہ کانفرنس یا کانگریس

[1] "وزارت"، "نظم و نسق" اور "حکومت" کی اصطلاحیں انگلستان میں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتی ہیں۔ یہ جماعت جو اس نام سے موسوم ہوتی ہے اس میں عاملہ محکموں کے صدر، پارلیمنٹی معتمدین اور قصر شاہی کے چند عہدہ دار شامل ہوتے ہیں پوری وزارت کبھی نشست نہیں کرتی۔ کابینہ وزارت کی ایک اندرونی جماعت ہے اور اس میں صرف وہی اراکین شریک ہوتے ہیں جن کو اجلاس کابینہ کے لئے وزیر اعظم طلب کرتا ہے۔ یہ بالعموم اہم محکموں کے صدر اور دو تین ایسے عہدہ دار ہوتے ہیں جن کے ذمے کوئی انتظامی کام نہیں ہوتا یا بہت تھوڑا ہوتا ہے کابینہ کے استعفا سے ہمیشہ پوری وزارت مستعفی ہو جاتی ہے۔

منعقد کرنے کا رواج پڑ گیا اور ان میں امریکی فریقانہ پیشنامے کی طرح قرار دادیں منظور کی جاتی تھیں اور فریق کے تمام امیدوار اس کے پابند سمجھے جاتے تھے۔ ان تمام ترقیوں کا میلان یہ تھا کہ پارلیمنٹ کے خانگی اراکین اپنی شخصی صوابدید کا استعمال نہ کر سکیں بلکہ وہ فریقانہ و قید کی صورت اختیار کر لیں تاکہ وہ پارلیمنٹ میں جا کر اپنے رہنمایان فریق کی تائید کریں اور حکومت کے موافق یا مخالف رائے دیں۔ لیبر فریق میں تو یہ ضبط و تنظیم پرانے دو فریقوں کے بہ نسبت کہیں زیادہ تھا۔

سہ فریقی نظام ۱۹۱۸ء کے قانون اصلاح سے ایک بہت بڑی آبادی کو حق رائے دہی تو مل گیا اور یہ پچھلے تمام قوانین کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھا۔ لیکن اس سے فریقانہ ضبط و تنظیم میں ایسی کمزوری نہیں پیدا ہو سکتی تھی جو دار العوام کو کابینہ کے مقابلے میں قوی دست بنا سکے۔ لیکن برخلاف اس کے سہ فریقی نظام سے جس کی جنگ کے بعد سے افتاد پڑ چکی تھی اس بات کے قرائن پیدا ہو چلے تھے کہ اب آیندہ کوئی فریق تنہا دار العوام میں آدھی نشستوں سے زیادہ حاصل نہیں کر سکے گا۔ اور جو وزارتیں بنیں گی وہ قلتوں کی طرف سے مرتب ہوں گی اور ان وزارتوں کو پارلیمنٹ تائید کے لئے اپنے فریق کے علاوہ دوسرے فریقوں پر انحصار کرنا پڑے گا۔ اور ظاہر ہے کہ ایک منتظم فریق غالب کا مقابلہ کرتے ہوئے ایسی تائید کبھی قابل اعتماد نہیں ہو سکتی۔ اور اس کے سلب ہونے کا ہر وقت احتمال ہے۔ کابینی آمریت کا تمام تر نشو و نما کثرت والی حکومتوں کے زیر سایہ ہوتا تھا۔ قلت والی حکومت ایسے شخصی اختیارات استعمال نہیں کر سکتی جیسے کثرت والی حکومت کرتی ہے۔ ایسے قوانین جو خود اس کا فریق چاہتا ہو نہیں پاس کر سکتی۔ اپنی تجاویز پر جو ترمیمیں پیش ہوں ان پر اتکا نہیں کر سکتی اور پارلیمنٹی تنقید کا بیرحمی سے گلا نہیں گھونٹ سکتی۔ دونوں لیبر حکومتیں جو ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۹-۱۹۳۱ء میں قائم ہوئیں قلتوں کی حکومتیں تھیں اور دار العوام کا توازن لبرل فریق کے ہاتھ میں تھا اور اس لئے یہ حکومتیں اس اشتراکی مسلک کو جس کی لیبر فریق پرچار کرتا تھا عمل میں نہیں لا سکیں۔ یہ چیز اصول عمومیت کے عین مطابق تھی کیونکہ ان حکومتوں کی تشکیل سے پہلے جو انتخاب ہوئے ان میں قوم نے اس بات کو واضح کر دیا تھا کہ وہ اشتراکیت کی مخالف ہے اسی سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں

آجاتی ہے کہ آخر وہ لوگ جو بہر حال کام کی تکمیل چاہتے ہیں سہ فریقی نظام اور قلت والی حکومتوں پر کیوں ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ موجودہ طریق نیابت کے تحت جو اس وقت برطانیہ عظمیٰ میں جاری ہے یہ ممکن ہے کہ ایک فریق کی دارالعوام میں تو کثرت ہو اور ملک میں کثرت نہ ہو چنانچہ ۱۹۲۲-۲۳ء اور ۱۹۲۴-۲۹ء میں متحفظ فریق کا یہی حال تھا۔ مسٹر رامزے میور نے جو سہ فریقی نظام اور قلت والی حکومتوں کا حامی ہے اس کے متعلق جو خیال ظاہر کیا ہے اس میں بڑی حقیقت پائی جاتی ہے کہ "ایک قلت والی وزارت کثرت والی حکومت حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے کیونکہ ایک قلت والی وزارت پارلیمنٹ میں ایسی تجویزیں نہیں ٹھونس سکتی جن کو ملک کی کثرت رد کر دے۔"

اگر ان حالات پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے جن کے تحت جنگ کے بعد کی وزارتیں ٹوٹ گئیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ٹوٹنے کا کچھ باعث یہ نہیں تھا کہ دارالعوام نے خود اپنی ہدایت اور اپنی صوابدید سے کوئی مخالفانہ جنبش کی ماہ دسمبر ۱۹۱۸ء کے انتخاب کے بعد مسٹر لائڈ جارج نے اپنی دوسری مرکب وزارت مرتب کی تھی۔ جو ماہ جنوری ۱۹۱۹ء سے اکتوبر ۱۹۲۲ء تک برسر حکومت رہی۔ یہ اس وقت ختم ہوئی جبکہ متحفظین نے جن کا ترکیب وزارت میں بڑا عنصر تھا اس بات کا فیصلہ کر لیا کہ وہ اس سے علٰحدہ ہو جائیں گے اور دوسرے انتخاب میں ایک مستقل فریق کی حیثیت میں حصہ لیں گے۔ یہ فیصلہ پارلیمنٹ کے متحفظ اراکین کے ایک جلسے میں جو کارلٹن کلب لندن میں منعقد ہوا تھا کیا گیا۔ اس وقت پارلیمنٹ کا کوئی اجلاس نہیں تھا۔ مسٹر لائڈ جارج نے فوراً استعفا دے دیا۔ اس کے بعد جو استحفاظی وزارت قائم ہوئی اور جس کی پشت پر دارالعوام کی ایک بہت بڑی کثرت تھی وہ ماہ مئی ۱۹۲۳ء میں ختم ہو گئی اور اس وجہ سے ختم ہوئی کہ وزیر اعظم مسٹر لا نے اپنی علالت کی وجہ سے استعفا دے دیا۔ بالڈون وزارت نے جو اس کے بعد قائم ہوئی پارلیمنٹ برخاست کرنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ ملک سے تامینی محاصل کے لئے اجازت لے۔ حالانکہ پارلیمنٹ کو آئے ہوئے صرف ایک ہی سال ہوا تھا۔ انتخاب میں جو دسمبر ۱۹۲۳ء میں ہوا تامین ٹوٹ پھوٹ گئی۔ لیبر اور لبرل فریقوں نے جو آزاد تجارت کے بچاؤ کے لئے

کھڑے ہوئے تھے متحفظین سے ۹۲ نشستیں زیادہ حاصل کرلیں۔ چونکہ متحفظین نے دوسرے دونوں فریقوں سے فرداً فرداً زیادہ نشستیں حاصل کی تھیں اس لئے مسٹر بالڈون نے فوری استعفا نہیں دیا بلکہ جدید پارلیمنٹ کے اجلاس کا انتظار کیا۔ جدید پارلیمنٹ نے فوراً بالڈون کی حکومت پر عدم اعتماد کی قرارداد پاس کردی۔ اصولاً بالڈون وزارت کی برطرفی جدید ایوان کی طرف سے ہوئی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود انتخاب نے اس فیصلے پر مہر لگادی تھی۔ اور استعفا ایک امر منفصل تھا مسٹر میکڈانلڈ کی مختصر العہد لیبر وزارت (جنوری۔ نومبر ۱۹۲۴ء) اس وجہ سے قائم تھی کہ دارالعوام میں لبرل فریق نے سکوت اختیار کرلیا تھا۔ اس کو کئی شکستیں ہوئیں اور آخر میں ایک قرارداد جس کی متحفظ اور لبرل دونوں تائید کرتے تھے ایسی ہوئی کہ اس کو کابینہ نے قرارداد ملامت سمجھا۔ لیکن استعفا دینے کی جگہ کابینہ نے پادشاہ کو مشورہ دیا کہ پارلیمنٹ برخاست کردے۔ اگرچہ یہ چیز معرض بحث میں تھی کہ آیا ایک قلت والی حکومت کو برخاست پارلیمنٹ کی درخواست کرنے کا حق ہے۔ ماہ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں انتخاب ہوا اور اس میں متحفظین کو جدید دارالعوام میں دوتہائی کثرت حاصل ہوگئی اور اس طرح لیبر وزارت خودبخود ختم ہوگئی۔ اس کثرت کے زور سے بالڈون کی دوسری وزارت ماہ نومبر ۱۹۲۴ء سے جون ۱۹۲۹ء تک برسر حکومت رہی۔ ماہ مئی ۱۹۲۹ء میں جو انتخاب ہوا تو اس کی وجہ سے مستعفی ہوگئی اور اس کے بعد دوسری لیبر وزارت قائم ہوگئی جو اگست ۱۹۳۱ء تک قائم رہی۔ اب ان غیر معمولی حالات پر روشنی ڈالی جائے گی جن کی وجہ سے یہ وزارت برخاست ہوئی تھی۔ لیکن یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ اس وقت نہ تو دارالعوام کی نشست ہورہی تھی نہ رفتار واقعات سے اس کو کوئی سروکار تھا۔[1]

[1] جنگ سے پہلے دارالعوام کا ایک رکن جو ایک وزارتی خدمت پر مامور کیا گیا تھا اور اس ماموری کی وجہ سے ایوان کی نشست سے علحدہ ہوگیا۔ چنانچہ اس کے بعد دوبارہ انتخاب کے بغیر وہ ایوان میں بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ اس لئے اگر فوری پارلیمنٹ برخاست نہ ہو اور عام انتخاب نہ ہو تو جدید وزارت کی تشکیل کے لئے کئی ضمنی انتخابات کی ضرورت تھی جن میں جدید وزرا جو دارالعوام کے اراکین رہ چکے تھے دوبارہ انتخاب کے لئے

۱۹۳۱ء کا مالی تہلکہ - ۱۹۳۱ء کی گرمیوں میں مسٹر میکڈانلڈ کی بہبر حکومت کو ایک بہت ہی سخت مالیاتی تہلکے کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے ایک سیاسی تہلکہ پھر برپا ہوگیا۔ جولائی کے مہینے میں انگلستان کے بنک نے حکومت کو خوف دلایا کہ سونا بنک سے باہر جارہا ہے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ لندن کے مالیاتی گھر اپنے بیرونی قرضخواہوں کے بھاری بھرکم مطالبات پورے کرنے کے لئے روپے کے بدلے بنک سے بڑی بڑی مقدار طلائی رہے ہیں۔ اور محفوظ طلا کا یہ اتنا بڑا بہاؤ تھا کہ بنک بالآخر نیویارک اور پیرس سے بڑی رقمیں قرض لینے کے لئے مجبور ہوگیا یہ بہاؤ برابر جاری رہا اور ماہ اگست کے اوائل میں حکومت کو مطلع کردیا گیا کہ تاوقتیکہ باہر سے .... پونڈ قرض نہیں لئے جائیں گے ایک مالیاتی میعاد تعطل کا اعلان کرنا پڑے گا اور اس سے برطانوی اعتبار پر کاری ضرب لگے گی۔

اسی کے ساتھ میزانیہ حکومت کی جو حالت تھی وہ بھی بہت سخت تشویشناک ہوگئی کیونکہ خرچ آمدنی سے کہیں بڑھا ہوا تھا۔ جولائی کے آخر میں التوائے پارلیمنٹ سے پہلے دارالعوام نے تمام فریقوں کی تائید سے ایک قرارداد پاس کی اور اس کے مطابق ایک کمیٹی مقرر کی کہ وہ جانچ پڑتال کرکے مصارف حکومت کی بابت اپنی سفارشیں پیش کرے۔ کمیٹی نے سفارش کی کہ میزانیہ میں بہت کچھ تخفیف ہونی چاہیئے جس کی مجموعی مقدار .... پونڈ بتائی گئی۔ اس کی سب سے بڑی مد اس خرچ کی تخفیف تھی جو کفالت بے روزگاری پر ہوتا تھا۔ اور جس کو عرف عام میں "امداد" کہتے تھے۔ کمیٹی نے یہ بھی سوچا کہ یہ تخفیفیں بھی اس قدر کافی نہیں ہیں کہ جن کی بدولت ۱۹۳۲ء کا میزانیہ متوازن ہوجائے اس لئے مزید تخفیفیں یا جدید محاصل کی ضرورت ہوگی۔ ان سفارشوں پر غور کرنے کے لئے کابینہ کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی جو وزیر اعظم وزیر مال (مسٹر اسنوڈن) اور تین اور ارکین کابینہ پر مشتمل تھی۔ مسٹر بالڈون اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ کھڑے ہوگئے۔ اس قانون کی رو سے جو سنہ ۱۹۱۹ء میں وضع کیا گیا یہ طے ہوا کہ جو رکن ایوان وزارتی خدمت قبول کرے وہ جدید ایوان کی طلبی کے نو مہینے کے اندر بغیر دوبارہ انتخاب کے اپنی نشست پر قائم رہ سکتا ہے۔ اور سنہ ۱۹۲۶ء کے قانون نے دوبارہ انتخاب کی سرے سے ضرورت اٹھادی خواہ وہ رکن کسی زمانے میں خدمت پر مامور کیا جائے۔